قرآن الحکیم کی
قراءتی تحریف

مؤلف: کیپٹن (ر) محمد صدیق احمد

کراچی 2018ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن الحکیم کی قراءتی تحریف

(جس میں اہلحدیثوں اور غالی دیوبندیوں کی انکارِ قرآن سازش بے نقاب کی گئی ہے۔ اور تحریفِ قرآن کی سینکڑوں قراءتی مثالیں یکجا کر دی ہیں۔ جن سے یہ دشمنانِ قرآن ایک قرآن کے بیس (۲۰) قرآن چھپوا رہے ہیں۔ اس لئے امتِ مسلمہ کو اس عجمی مجوسی سازش کا تدارک کرنا چاہئے)

مؤلف: کیپٹن (ر) محمد صدیق احمد

کراچی 2018ء

نام کتاب: قرآن الحکیم کی قراءاتی تحریف
کاوش: کیپٹن (ریٹائرڈ) محمد صدیق احمد
اشاعت: اوّل ۲۰۱۸ء / ۱۴۳۹ھ
بار: باراوّل

رابطہ برائے کتاب:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

★ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُلۡحِدُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخۡفَوۡنَ عَلَیۡنَا ؕ اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاۡتِیۡۤ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴۰﴾ (۴۱/۴۰)

(اور اے رسول!) جو لوگ ہماری آیتوں میں کجی پیدا کرتے ہیں (ان میں تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں) وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں، تو کیا وہ شخص بہتر ہے جو قیامت کے دن دوزخ میں ڈالا جائے یا وہ شخص بہتر ہے جو (اس دن) امن کے ساتھ آئے، (اے لوگو!) جو عمل تم کرنا چاہو کرو، بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے (کہ تم کس طرح الکتاب میں تبدیلیاں پیدا کر رہے ہو!)

★ . فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ یَکۡتُبُوۡنَ الۡکِتٰبَ بِاَیۡدِیۡہِمۡ ٭ ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ لِیَشۡتَرُوۡا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ فَوَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ وَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾ (۲/۷۹)

خرابی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھ سے الکتاب لکھتے ہیں' پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ (ان کا مقصد یہ ہوتا ہے) کہ ان کے ذریعہ تھوڑا سا (مالی) فائدہ حاصل کریں (خبردار!) جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اس کی وجہ سے ان کیلئے بڑی خرابی ہے اور جو کچھ (مال و دولت) وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے بھی ان کیلئے بڑی خرابی ہے۔

★ . یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ (۵/۱۳ ، ۵/۴۱ ، ۴/۴۶)

یہ لوگ اللہ کے کلمات کو ان کے اصل مقام سے ہٹا دیا کرتے ہیں...............

★ وَ اِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَ يَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَ هُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۸﴾ (۳/ ۷۸)

اور بے شک ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو الکتاب کی قراءت زبان موڑ موڑ کر (کچھ اس طرح) کرتے ہیں کہ تم یہ سمجھو کہ جو کچھ وہ قراءت کر رہے ہیں الکتاب میں (لکھا ہوا) ہے حالانکہ وہ الکتاب میں (لکھا ہوا) نہیں ہوتا اور وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ وہ قراءت کر رہے ہیں اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) نہیں ہوتا، الغرض وہ جان بوجھ کر اللہ پر افتراء کرتے ہیں۔

★ وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ (۲۱/ ۶، ۹۳/ ۶، ۱۴۴/ ۶، ۱۷/ ۱۰، ۶۹/ ۱۰، ۲۸/ ۲۹، ۳۲/ ۳۹)

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے (کہ ۲۰ قراءتیں اللہ نے نازل کیں) یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک ایسے لوگ (کبھی) فلاح نہیں پا سکتے۔

چیلنج

اگر کسی میں اتنی ہمت ہے یا قابلیت ہے تو نص قرآنی پیش کرے کہ الکتاب سات، دس، بیس یا اسّی قراءتوں میں نازل کی گئی تھی۔ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾ (۱۱۱/ ۲، ۲۴/ ۲۱، ۶۴/ ۲۷) اگر تم سچے ہو تو کوئی کتابی دلیل پیش کرو۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ اوّل

اللہ رب العزت کی اَلْکِتٰب (یعنی اَل کِتٰب = مخصوص کتاب) کے بارے میں ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ اس کے نزول کے دَوران اور فوراً بعد سے ہی اس میں تبدیلی کی کوششیں شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ سب سے پہلے تو دورانِ نزول ہی مشرکین نے تبدیلی کی ڈیمانڈ کر دی مگر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ رسول سلامٌ علیہ کسی بھی قسم کی تبدیلی سے انکار فرما دیا اور یہ بھی واضح طور پر فرما دیا کہ وہ تو صرف نزول شدہ وحی ہی کی اتباع فرماتے ہیں(۱۵ /۱۰) اور یہ نزول شدہ وحی کیا تھی؟ یہ صرف القرآن تھا(۱۹ /۶)۔ اس کے بعد رسول سلامٌ علیہ کے تقریباً آخری دَور میں مسیلمہ کذّاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور کچھ اوٹ پٹانگ سی عبارات ملا کر ایک قرآن اور نازل ہونے کا دعویٰ کیا(اس کی عبارت کا نمونہ اس کتاب مین اپنے مقام پر آئے گا) پھر جب دوسری تیسری صدی میں سبائی تحریک، دورِ عباسی میں، بہت مضبوط ہو کر تقریباً پوری مملکت اسلامیہ میں مکڑی کے جالے کی طرح پھیل گئی اور اس کے ایک عنصر نے سیاسی تحریک سے ایک علیحدہ مذہب، 'شیعت' کو مضبوط کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر افتراء پردازی کرتے ہوئے ان کے نام سے جدا گانہ صحیفے مرتب کر دیئے۔ واللہ اعلم، اب وہ صحیفے کسی کے پاس ہیں یا نہیں، بہر حال اس طرح سے تحریف القرآن شروع ہو گئی۔ اس تحریف کا جواز پیدا کرنے کیلئے ایک روایت گھڑی گئی کہ القرآن تو سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ گویا کہ القرآن (جو واحد کا صیغہ ہے) ایک نہیں بلکہ سات نازل ہوئے تھے! سوال یہ پیدا ہوا کہ سات حروف کیا ہیں؟ تو اس کا کوئی جواب نہ بن سکا۔ مختلف قراءات ایجاد کر لی گئیں۔ جس کو تیسری صدی میں طبری نے اور چوتھی صدی ہجری میں ابن مجاہد نے آگے بڑھایا اور صرف قراءات کو مدوّن کیا۔ مگر پھر بھی مختلف قراءاتی صحیفے نہیں بنا سکے۔ یونکہ امت میں یہ عقیدہ اچھی طرح سے گھر کئے ہوئے تھا کہ اللہ کی الکتاب صرف ایک ہی نازل ہوئی تھی اور ہے، اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ سبائی اور عجمی، ہر دَور میں، بہت زور لگاتے رہے کہ کسی طرح سے کوئی تبدیلی کر دی جائے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ پچھلی صدی میں یہود و نصاریٰ نے جرمنی میں ایک قرآن محل بنایا اور وہاں دنیا کے کونے کونے سے بیالیس ہزار (۴۲،۰۰۰) القرآن کے نسخے جمع کر کے ان کی جانچ پڑتال اور موازنہ صحت شروع کیا، ان کی ابتدائی رپورٹ کے مطابق وہ کہیں بھی اختلافِ عبارت یا اختلافِ قراءت نہ پکڑ سکے۔ اسی دَوران دوسری جنگِ عظیم میں بمباری کے نتیجہ میں قرآن محل تباہ ہو گیا۔ اس کے کرتا دھرتا علماء مارے گئے اور مر گئے صرف ایک جافری صاحب بچے۔ انہوں نے اپنا مشنِ تحریف جاری رکھا اور احادیث شریف کے مطابق سینکڑوں عبارتی اور قراءتی تحریفات کو اختلافات کے طور پر الگ ایک کتاب میں جمع کر دیا۔

نیز صحیفہ ابن داؤد (کتاب المصاحف) کو مرتب وایڈٹ کرکے مع اپنے مقدمہ کے ۱۹۳۷ء میں شائع کر دیا۔ اس طرح حدیث شریف کی کتابوں میں ایک اور شاندار اضافہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آمدم بر سر مطلب، ۱۹۵۰ء تک "القرآن الحکیم"، "الکتٰب" صرف ایک ہی تھا اور دوسرا کوئی صحیفہ کسی قراءت میں موجود نہیں تھا۔ یہاںتک کہ بیسویں صدی عیسوی کے اختتام تک لاہور کے اہل حدیثوں میں تیمیہ ثانی پیدا ہوتے ہیں (تیمی ان کے نام کا لاحقہ ہے) اور دعویٰ کرتے ہیں کہ امت کا یہ عقیدہ "**جہالت**" ہے کہ القرآن الحکیم میں زیر، زبر، پیش اور شوشے تک کا بھی فرق نہیں ہے۔ (رشد ۶۰۰/۳)

الغرض، جو کام پچھلے تقریباً چودہ سو سالوں میں تمام عجمی مجوسی یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب وعقائد والے نہ کر سکے، اس کے اب کرنے کی راہ ہموار کر لی گئی اور لاہور کے اہل حدیثوں نے زیرِ سرپرستی روپڑی گروپ اور غالی دیوبندیوں سے مل کر ایک کے بیس قرآن بنانے کی تیاری کر لی۔ مسودات تیار ہو گئے اور شائع کرنے کیلئے جانے والے تھے، کہ اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ ان سے غلطی یہ ہو گئی کہ مزید راہ ہموار کرنے کیلئے اس کی خبر اور تعارفی مقالات انہوں نے اپنے ماہنامہ "رُشد" کے تین ضخیم شماروں میں قراءات نمبرز کی حیثیت سے شائع کر دیئے (جون ۲۰۰۹ء، ستمبر ۲۰۰۹ء، مارچ ۲۰۱۰ء) ۲۰۰۹ء میں جب پہلا شمارہ منصۂ شہود پر آیا تو پورے ملک میں کسی کو احساس نہ ہوا کہ بیس مختلف المتن قرآن شائع ہو جانے کے بعد کون کس قراءت کے نسخہ کو اپنائے گا؟ اور کس طرح یہ معلوم کر سکے گا کہ "اصل المتن نازل شدہ" قرآن کونسا ہے؟ یہ تو حال بالکل وہ ہو جائے گا کہ مسلمان چار بائبل کی موجودگی پر سوال اُٹھاتے ہیں کہ کونسی بائبل نازل شدہ ہے؟..

سونے پر سہاگہ یہ کہ اہل 'رُشد' نے قراءات کے نام پر اپنے اس تحریفی کام کو "اپنی نوعیت اور جامعیت کے حوالے سے تاریخ اسلامی کا پہلا کام قرار دیا ہے! یہ کام کویت کے عالمی ادارہ "**حامل المسك الاسلامیه**" کی سربراہ تنظیم "**لجنة الزكاة للشامیه والشویخ**" کے ایما پر کیا گیا ہے، جس کی مراجعت کے لئے مذکورہ تنظیم کے ذمہ داران کا "**لجنة مراجعة المصاحف**" مصر سے تعاقد ہے اور آج کل یہ مشروع اسی ادارہ کے زیرِ اہتمام تنفیذی مراحل میں ہے"۔ (رُشد ۶۷۸/۱)

یہ حقیقت کتنی واضح ہو گئی کہ مال کہاں سے آرہا ہے، برطانیہ وامریکہ......... مصر......... کویت......... لاہور گویا کہ سبائی مجوسی عجمی تنظیم آج بھی موجود ہے اور اپنا کام کر رہی ہے۔ اور اس کے سر فروش کارندے وایجنٹ ہر مسلمان ملک میں موجود ہیں اور دھڑلے سے کام کر رہے ہیں! چنانچہ حافظ عبد الرحمٰن روپڑی ثم مدنی صاحب سرپرست اعلیٰ ماہنامہ رُشد اپنے انٹرویو میں فرماتے ہیں "ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اللہ توفیق دے اور ہم کتابی صورت میں روایت حفص کی مثل دیگر بیس قراءات میں قرآن کریم طبع کروا کر اہل علم کے سامنے لے آئیں" (رُشد ۷۷/۲) چنانچہ مزید ۱۶ قراءتیں بنا کر یا جمع کر کے کمپوز کر لی گئیں۔

سوئی ہوئی پاکستانی امت میں سے صرف کراچی سے ایک مجاہد ملت جناب ذاکر حسین صاحب نے حکومتِ وقت کی توجہ کیلئے ایک اطلاعاتی خط ارسال کیا کہ لاہور کے ماہنامہ رُشد والے ۱۶ اختلافی قرآن شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس کے نتیجہ میں نہ صرف مسلمان ہی اختلافات و مشکلات کا شکار ہو جائیں گے بلکہ غیر مسلم خصوصاً یہود و نصاریٰ بھی مذاق اڑائیں گے کہ قرآن بھی تبدیل کر کے مثل ان کے چار مقدس صحیفون کے متعدد متون پر شائع کر دیا گیا ہے۔ اس سے ملک میں انتشار پھیلے گا۔ گورنر پنجاب نے فوراً ایکشن لیا اور خط او قاف ڈیپارٹمنٹ کو کاروائی کیلئے بھیج دیا۔ او قاف ڈیپارٹمنٹ نے حافظ حمزہ مدنی صاحب کو شوکاز نوٹس دیا جنہوں نے سفید جھوٹ لکھ کر جواب دیا کہ ''نہ تو ہم نے کوئی قرآن تیار کیا ہے اور نہ ہی کسی اور قرآن کو چھاپنے کا ہمارا ارادہ ہے''۔ (رُشد ۶۰۷ /۳)۔ اتفاق سے او قاف ڈیپارٹمنٹ میں ایک دیوبندی عالم (جو کہ خانوادہ تھانوی سے تعلق رکھتے ہیں) بطور مشیر کام کر رہے تھے انہوں نے اہل رُشد کی مدد کی اور محکمہ او قاف سے' اوپر کا جھوٹا بیان لکھوا کر، ان کی گلو خلاصی کرائی۔ اسی طرح سے وفاقی حکومت کی وزارت مذہبی امور کی طرف سے حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب، ایڈیٹر انچارج ماہانہ رُشد، لاہور کو خط ارسال کیا گیا کہ اپنا ماہنامہ جون ۲۰۰۹ء ارسال کیجئے تاکہ مطالعہ کے بعد کاروائی کی جا سکے۔ جناب حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب نے خط بھیجنے والے اسسٹنٹ ڈائریکٹر (قرآن) سے ملاقات کی اور دو ماہنامے پیش کیے اور لکھ کر دیا کہ ''ان کا ادارہ تو صرف تحقیق کرتا ہے اور یہ کام ان کا ادارہ ''کنگ فہد کمپلیکس مدینہ منورہ'' اور ''انٹر نیشنل ریکارڈنگ کمپنی (حامل المسک کویت) کیلئے کر رہا ہے۔ ہمارا اپنا کوئی پروگرام پرنٹنگ / ریکارڈنگ کا نہیں ہے (رُشد ۶۳۰ /۳)۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ تقریباً دو ہزار صفحات کونسا اسسٹنٹ ڈائریکٹر یا سیکشن آفیسر پڑھے گا۔ ہو سکتا ہے وہاں بھی کوئی اور دیوبندی عالم بطور مشیر مقرر ہو اور اس نے اپنی حُسنِ ترکیب سے فائل دبوا دیا۔ اور آگے کوئی کاروائی نہ ہو سکی۔ البتہ پنجاب کے سیکشن آفیسر کے خط سے ۱۹۷۳ء کا قانون ضرور سامنے آ گیا۔ {Publication of Holy Quran Elimination of Printing & Recording Errors , Act no. LIV of 1973} جس کے مطابق پاکستان میں ۱۹۳۵ میں ''انجمن حمایت الاسلام، لاہور'' کا طبع شدہ قرآن، حکومت کی طرف سے معیار مقرر ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی قراءت یا اختلافی صحیفہ شائع نہیں کیا جا سکتا۔ اس وجہ سے اہل رُشد والے مزید ۱۶ قرآن پاکستان میں شائع نہیں کر سکے۔ انہوں نے تمام کمپوز شدہ مسودات کویت والوں کے حوالے کر کے اپنا مال کھرا کر لیا۔ اب یہ کویت یا مصر سے چھپیں گے۔

ماہنامہ رُشد کے تینوں قراءات نمبر میں قراءت سے متعلق سو سے زیادہ مضامین لکھوا کر شامل کئے گئے اس کے علاوہ تقریباً سو افراد سے فتوے حاصل کئے گئے۔ کسی سے تو عقیدتاً، مگر کہا جاتا ہے کہ بعض سے اہل رُشد کے اسکالر صاحب کی دھونس و طاقت کے زور پر! غرض اس طرح انہوں نے سیدھے سادھے پاکستانیوں کو بیوقوف بنا کر اپنا کارنامہ اجاگر کر دیا اور یقیناً اس کا انعام بھی وصول کر لیا ہو گا۔ خیر۔ اس ساری محنت کا مقصد اصل میں یہ بھی تھا کہ پاکستانیوں پر اس کا اثر و ردِّ عمل (Reaction) دیکھا جائے۔ کہ اگر مزید ۱۶ صحیفے شائع کر دیئے جائیں تو کیا ہو گا۔ پتہ چلا کہ پوری کی

پوری قوم اسی طرح سوتی رہے گی جس طرح وہ سعودی عرب سے صدیوں سے مروجہ روایت حفص کے علاوہ، پچھلے دس بارہ سال سے، مزید تین قراءتیں (دوری، قالون اور ورش) شائع ہونے پر کوئی ردّ عمل نہیں دے سکی۔ بلکہ اسے پتہ ہی نہیں کہ حج سے واپسی پر سعودی حکومت واپس جاتے ہوئے حاجیوں کو جو قرآن شریف بانٹ رہی ہوتی ہے وہ چاروں قراءتوں کے ہوتے ہیں۔ مگر وہ پاکستانیوں کو صدیوں سے مروجہ اصل نسخہ ہی دیتے ہیں (یعنی روایت حفص)۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان میں قانون موجود ہے اس لئے روایت حفص کے علاوہ نہ تو کوئی چھاپ سکتا ہے یہ ہی شاید لا سکتا ہے۔ (حالانکہ ائیر پورٹس پر کسٹم حکام وہ چیک ہی نہیں کرتے اور چیک بھی کیسے کر سکتے ہیں جبکہ انہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں۔ اسی لئے لاہور میں اہل رُشد کے پاس اور ان کی لائبریریوں میں وہ بھرے پڑے ہیں)۔

اہل رُشد نے اپنے "تاریخ اسلامی کے پہلے کام" کیلئے ایک عجمی تراشیدہ روایت کو جس کو حدیثِ رسول بنا کر پیش کیا گیا ہے، بنیاد بنایا ہے جب کہ (مروّجہ) قرآن مجید میں اس روایتِ "سبعہ اَحرف" کا کوئی ذکر تو بڑی بات اشارہ تک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قرآن نہیں بلکہ سات قرآن نازل کئے۔ یا سات قراءتیں نازل کیں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی کتاب میں صرف ایک ہی مخصوص کتاب، الکتاب نازل فرمانے کا اعلان فرما رہا ہے کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ (اس کی) الکتاب ہے جو متقی بننا چاہنے والوں کیلئے ہدایت ہے (رہنمائی ہے)" (۲/۲)، اسی نے (اے رسول) آپ پر حق کے ساتھ الکتاب نازل کی (۳/۳، ۲/۱۷۶، ۱۶/۸۹، ۳۹/۴۱، ۲/۴۰ وغیرہم) ان تمام آیات میں واحد کا صیغہ الکتاب استعمال ہوا ہے اور وہ بھی کتاب کو مخصوص کرتے ہوئے۔ (آل کتُب)۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ جس بات کا ذکر (نص صریح) یا اشارہ (اشارۃ النص) تک القرآن المبین میں نہ ہو وہ عقیدہ نہیں بنایا جا سکتا یونکہ ہم پر صرف القرآن المبین فرض کیا گیا ہے (۲۸/۸۵) اور صرف اسی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے دیگر اولیاء کی کتابوں یعنی روایات کی اتباع کا حکم نہیں۔ (۳/۷، ۶/۱۰۶، ۶/۱۵۵، ۱۰/۱۵، ۳۹/۵۵، ۹/۴۶، ۲/۳۳ وغیرہم) اسی لئے اہلحدیثوں اور دیوبندیوں کا یہ عقیدہ باطل ہے۔

اہلِ رُشد کے "تاریخ اسلامی کے پہلے کام" کی اشاعت بذریعہ ماہنامہ "رُشد" میں دیوبندی علماء بنفسِ نفیس موجود ہیں بلکہ انتقال شدہ مودودی صاحب کو بھی شامل اشاعت کر لیا گیا ہے۔ اور ان سولہ صحیفوں کے بعد، اہل رُشد کا ارادہ اسّی (۸۰) قراءتیں بنانے کا ہے۔ مطلب یہ کہ ۸۰ قرآن شائع ہونے کے بعد کون اصل قرآن کو تلاش کر سکے گا جبکہ ہر ایک میں اختلافی متن ہو گا۔ نتیجتاً قرآن مجید غتر بود ہو جائے گا اور اس طرف کوئی توجہ بھی نہ دیگا۔ اس طرح سبائی و مجوسی عجمی تحریک کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ پھر اسلام صرف وہ رہ جائیگا جو عجمیوں نے دیا ہوا ہے! اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

پیشِ نظر کتاب میں مَیں نے کوشش کی ہے کہ قارئین کے سامنے اہل رُشد کے روایتی عقائد جن کا دُور دُور تک قرآنی عقائد سے تعلق نہیں، انکے تینوں قراءات نمبرز کے ستائیس سو (۲۷۰۰) صفحات کے خلاصہ کے طور پر پیش کر دوں۔ اس سلسلہ میں بعض اقتباسات بہت طویل ہیں مگر کیا کیا جائے وہ اس کی ضرورت ہیں۔ اسی طرح

سے مجھے بعض عقائد یا اعمال کی وضاحت کیلئے تاریخ کا بھی سہارا لینا پڑا ہے جو کہ خود عجمیوں ہی کی تحریر کردہ ہے اسلئے اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

میرا ارادہ کسی خاص فرقہ یا مذہب یا مسلک پر لکھنے یا تنقید کرنے کا ہرگز نہیں تھا۔ میں نے تو چند تاریخی حقائق اور زمینی حقائق کو جمع کر دیا ہے۔ اب اگر کسی مقام پر کسی کو برا لگتا ہے تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ ہاں البتہ کہیں میرے قلم سے کسی کیلئے سخت الفاظ نکل گئے ہیں تو وہ اہل رُشد کی غیر اہل رُشد کے خلاف گستاخی کے نتیجہ کے طور پر ردعمل ہیں۔ بہر حال میں قارئین سے اس کے لئے بھی معذرت خواہ ہوں۔ یہاں میں یہ بھی واضح کر دوں کہ کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کسی کے کہنے یا لکھوانے پر نہیں، بلکہ وہ میری اپنی تحریر اور ذہنیت و قرآنی عقیدہ کے مطابق ہے چنانچہ اس میں کوئی اور فرد شامل نہیں ہے۔ اس لئے میں کسی کا شکریہ نہیں ادا کر رہا۔

کتاب میں جگہ جگہ اہل رُشد کی قراءتی تحریفات آ گئی ہیں مگر میں نے علیحدہ سے بھی شیع اور اہل رُشد کی سینکڑوں تحریفات کو کتاب کے آخر میں پیش کر دیا ہے تاکہ قارئین کو اچھی طرح واضح ہو جائے کہ کیا تحریفات کی گئی ہیں اور قرآن الحکیم میں کیا تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ اگلے ۱۶ اور پھر ۸۰ صحیفے کیا اور کیسے ہوں گے ! اور اب تو قومی اسمبلی میں بھی انہی اہلحدیثوں کے نمائندہ ساجد میر صاحب اور دیوبندیوں وغیرہ سب کے عالم فاضل، لیڈر اور شاید اسکالرز، بھی حلف نامہ میں سے ختم نبوت کی شق نکالنے میں پوری طرح شریک تھے۔ کہئے کس پر بھروسہ کریں گے ؟

اب آپ بسم اللہ کر کے کتاب بہت غور سے پڑھیں۔ آپ پر انشاء اللہ بالکل واضح ہو جائے گا کہ امت مسلمہ کے ساتھ پچھلے چودہ سو سال سے کیا ہوتا رہا ہے اور کس طرح دین اسلام کو بدل کر عجمی یا سیکنڈ ہینڈ اسلام بنا دیا گیا اور مُلّاؤں کو اس کا ٹھیکیدار ! یعنی عام مسلم اسلام کے بارے میں نہ کچھ سوچ سمجھ سکتا ہے نہ ہی کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔ تدبر و تفکر و تعقل سب مقید کر دیئے گئے ہیں۔

کیپٹن (ر) محمد صدیق احمد

(۲۰ جنوری ۲۰۱۸ء)

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

باب اوّل

قرآن دشمنی یا انکارِ قرآن

یعنی

القرآن المبین کے خلاف غالی دیوبندیوں اور اہلحدیثوں کی سازش

یہ عنوان دیکھ کر ہی آپ یقیناً چونک گئے ہوں گے بلکہ بلڈ پریشر بھی ہائی ہو گیا ہو گا مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ قرآن دشمنی (حدیث دشمنی نہیں) تو قرآن کے نزول کے دَوران ہی شروع ہو گئی تھی کہ منافقین، مشرکین رسول سلامٌ علیہ سے یہ مطالبہ کرنے لگے تھے کہ اسکو بدل دو یا اس کے سواء کوئی اور لے آؤ۔ مگر رسول جواب دیتے تھے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو اسی قرآن کی اتباع کرتے ہیں جو اُن پر وحی کیا جارہا ہے (۱۵/ ۱۰) یہاں اس آیت سے دو حقیقتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ صرف ایک قرآن ہی وحی کیا جارہا تھا (نام نہاد) حدیث نہیں۔ اگر (نام نہاد) حدیث بھی وحی ہو رہی تھی تو پھر مشرکین اس کیلئے بھی مطالبہ کرتے یا کم از کم اشارہ ہی کر دیتے۔ دوسرے یہ کہ صرف آیات ہی پڑھی پڑھائی جارہی تھیں حدیث نہیں۔ اس آیت کریمہ کے ایک ہی آیت بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ جو کوئی اللہ کی آیات (حدیث نہیں) کو جھٹلائے یا اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرے (کہ نام نہاد حدیث بھی وحی کی جاتی تھیں) اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے۔ (۱۷/ ۱۰)۔ تو قرآن دشمنی تو اسی وقت شروع ہو گئی تھی مگر تقریباً تمام مشرکین کے اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ ختم ہو گئی۔ پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ کے بعد خلیفہ دوم کی خلافت میں پارس کی فتح کے بعد وہ پھر عود کر آئی۔ ان کے ہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ عرب کے غریب شتربان پر سین امپائر کو شکست دینے میں کیوں کر کامیاب ہوئے اور اس شکست کا بدلہ کس طرح لیا جائے؟ چنانچہ پارسی مجوسی دانشوروں نے انفرادی و اجتماعی طور پر اس مسئلہ پر سوچ و بچار شروع کر دیا۔ بہت جلد ہی ان کے ساتھ حجاز سے نکالے گئے یہودی بھی شامل ہو گئے (بعد ازاں یورپی علاقوں کی فتح کے بعد عیسائی دانشوروں کو بھی ملا لیا گیا) اس طرح اسلام و مسلمین کے خلاف، زیر زمین' ایک متحدہ محاذ بنا لیا گیا۔ اس کو **"مقتدرہ"** سمجھ لیجئے۔ اس **"مقتدرہ"** کے سوچ بچار، تجربات و مشاہدات کے نتیجہ میں ان پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ قوم عرب کی کامیابیوں اور طاقت کا راز صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور ان کی ہدایت و ترقی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کتابِ ہدایت، (جو صرف ایک ہے) پر منحصر ہے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے تبدیل یا تحریف کر دیا جائے۔ اس کام پر نہ صرف ان کے دانشور لگا دیئے بلکہ انہوں نے اس وقت کے نامور شعراء اور قبیلوں کے سرداروں کو بھی ورغلانا شروع کر دیا۔ لیکن قرآن کریم کو بدلنے یا اس میں تحریف کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ قرآن سے ملتی جلتی اور خلافِ قرآن روایتیں گھڑ گھڑ کر رسول اللہ

سلامؑ علیہ اور صحابہ کبار کی طرف منسوب کر دی جائیں تو مسلمین و مومنین کے سر عقیدۃً جھک جائیں گے۔ ان کا یہ حربہ بہت کامیاب رہا یوں کہ صحابہؓ کے پاس تو سوائے قرآن کریم کے اور کوئی کتابِ ہدایت کے لئے تھی ہی نہیں مگر اب تو تابعین اور تبع تابعین بھی موجود تھے اُن میں ہر طرح کے کمزور ایمان کے لوگ بھی موجود تھے۔ چنانچہ روایات کا چلن ان میں شروع ہو گیا۔ اب "**مقتدرہ**" کے ایجنٹ صحابہؓ سے کہتے کہ آپ ہمیں حدیثیں سنائیں تو صحابہؓ انکار کر دیتے اور صرف آیات سُنا دیتے۔ بس۔ یونکہ ان کو اللہ اور رسول نے قرآن کے علاوہ لکھنے سے منع کر دیا تھا اور خلفائے راشدینؓ نے حدیثیں سنانے سے بھی منع کر دیا تھا۔ لیکن گھڑنت روایات آہستہ آہستہ اپنا مقام بناتی رہیں۔ ادھر طائفہ ابن سباء نے مختلف عقائد گھڑ گھڑ کر لوگوں کے عقائد خراب کر کے رسول سلامؑ علیہ کے صحابہؓ میں تفریق پیدا کرنے کی حتی الامکان کوششیں شروع کر دیں۔ نتیجتاً فرقہ بندی شروع ہو گئی اور شیعانِ علیؓ پیدا ہو گئے جبکہ شیعانِ عثمانؓ ان کے تدبر و تحمل کی وجہ سے پیدا نہ ہو سکے اور ان کا محاصرہ کر کے سبائیوں نے شہید کر دیا۔ جبکہ حضرت علیؓ باوجود تدبر و تحمل کے انہی سبائیوں میں گھِر گئے اور دار الخلافہ مدینہ رُسول سلامؑ علیہ سے منتقل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ امت کے لئے بہت بڑا دھچکا تھا۔ سبائی ہر ممکن طریقوں سے مسلمین کو آپس ہی میں لڑاتے رہے نتیجتاً کوفہ بصرہ وغیرہ میں سبائیت کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں اور حدیث کی ٹکسالیں کھوٹے سکے ڈھالتی رہیں۔ قرآن کریم اور رسول سلامؑ علیہ اور ان کے صحابہؓ پر حملے ہوتے رہے یونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغامِ ہدایت کو رسول کے بعد آگے بڑھانے اور پھیلانے میں جو بے مثل کردار صحابہؓ کا تھا وہ قیامت تک کسی اور کا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے آپ کو بیچ چکے تھے، اپنا جان و مال سب قربان کر چکے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا تھا حتیٰ کہ انہی کی طرح ایمان لانے والے، ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے، سبیل المومنین کی اتباع کرنے والے بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے تھے اس لئے اگر ان کو نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں کی نظروں میں گرا دیا جائے اور قرآن کریم میں شبہات پیدا کر دیئے جائیں تو اسلام یا اسلامی اقتدار خود بخود کمزور ہو جائے گا۔........... اور ہوا بھی یہی کہ چھٹے خلیفہ راشد حضرت امیر المومنین معاویہؓ کے بعد اموی اقتدار میں کمزوری پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ سبائیوں نے **مقتدرہ** کی ہدایات پر علویوں کا ساتھ دینا شروع کیا یونکہ وہ امامت کے دیومالائی غلط نظریہ کو انہی کے سر تھونپ رہے تھے مگر وہ امویوں سے اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور عباسیوں نے کرسیٔ اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اب سبائی علویوں کو مختلف طریقوں سے ورغلا ورغلا کر ان سے عباسیوں کے خلاف خروج کرواتے رہے۔ اس طرح مسلمین کو کبھی سکون نہ لینے دیا نہ ہی ایک ہونے دیا۔ فرقے بنائے جاتے رہے۔ اور ہر فرقہ کی حدیثیں علیحدہ علیحدہ تیار ہوتی گئیں۔ اب حالات دشمنانِ اسلام کے لئے (عباسیوں کی رواداری اور شیعوں کی سرپرستی کی وجہ سے) سازگار ہو چلے تھے چنانچہ **مقتدرہ** نے اپنے آدمی پارس (ایران) سے بھیجنا شروع کئے کہ جا کر اللہ و رسول و خلفائے راشدین کے احکام کے خلاف نام نہاد احادیث کو جمع کر کے لکھنا شروع کریں اور کتابیں مرتب کریں۔ چنانچہ اس طرح سے نام نہاد احادیث جمع کرنے کا کام بھی شروع ہو گیا اور جامعین کو محدثین کا نام دے کر انہیں تقدس دیا جانے لگا۔ انہیں صحابہؓ اور رسول سلامؑ علیہ بلکہ رسولوں سے بھی بڑھا دیا کہ انہوں نے جو کچھ لکھ دیا یا جمع کر دیا اسے کوئی غلط نہیں کہہ سکتا چاہے صحابہؓ اور رسول سلامؑ علیہ کو غلط کہہ دے۔ غرض اس طرح نیا شرک فی الحکم اللہ، فی

الکلام اللہ، فی الصفات اللہ شروع ہو گیا۔ جس کسی نے ذرا دماغ لڑا کر زبان کھولی تو اسے منکرِ حدیث یعنی کافر قرار دیا جانے لگا۔ جبکہ منکر قرآن کو کافر نہیں بلکہ پکا سچا مسلمان اور عاشقِ رسول واطاعت گزارِ رسول کہا جانے لگا۔ **مقتدرہ** کے ایجنٹ، جُبّہ و دستار پہن کر مسلمانوں میں گھستے رہے اور منبر و محراب، مدرسہ و مسجد و مکتب ہر جگہ سے چودہ سو سال تک مسلمانوں کے خلاف اور صحابہؓ اور قرآن کریم کے خلاف کام کرتے رہے مگر قرآن کریم کو بدلنے، اس میں تحریف کرنے یا اس میں اختلافات پیدا کرنے حتیٰ کہ اختلافات پانے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے سلفیت کا عقیدہ بھی بنالیا کہ ہم اپنے آباؤ اجداد یعنی سلف کے لکھے ہوئے کو غلط قرار نہیں دے سکتے۔ بلکہ ہمارا مذہب وہی ہوگا چاہے قرآن کریم کو مہجور کرنا پڑے۔

یہ میں نے جو کچھ لکھا، انتہائی مختصر بطور لب لباب، تقریباً یہ سب ہی تفصیلاً مع حوالوں کے آگے کتاب میں آئے گا۔ اب بتانا یہ مقصود ہے کہ **مقتدرہ** کے ایجنٹ قرآن کریم کے خلاف جو کام پچھلے چودہ سو سال میں نہ کر سکے وہ سازش اب پندرھویں صدی میں سلفیوں یعنی غالی دیوبندیوں اور اہلحدیثوں نے کامیابی سے ہمکنار کر دی ہے۔ اس واردات کی تفصیل سے پہلے یہ جان لیجئے کہ **مقتدرہ** کی چودہ سو سال کی کوششیں قرآن کریم میں اختلافات تلاش کرنے میں کس طرح ناکام رہیں۔ یہ میں اپنی من گھڑت نہیں لکھ رہا بلکہ معروف سیرت نگار شاہ مصباح الدین شکیل صاحب کی ایک فکر انگیز تحریر "قرآنی چیلنج کا جواب دینے کی ناپاک جسارت" (یہود و نصاریٰ کا ناپاک منصوبہ)[1] سے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں

"بیسویں صدی (عیسوی) کے نصف اوّل تک ان میں شدید نفرت اور دشمنی تھی۔ بنیادی اختلاف میں اہم ترین حضرت بی بی مریم اور عیسیٰ سلامٌ علیہ کے بارے میں تھا۔ یہودی حضرت مریم کو (نعوذ باللہ) زانیہ اور حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ کو ولد الزنا اور جھوٹا کہتے تھے۔ عیسائی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہودی حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ کو سولی پر چڑھانے والے قاتل ہیں۔ اپنی مملکتوں میں انہیں بے دریغ قتل کیا، انہیں عیسائیت کا دشمن قرار دے کر ملک بدر کیا۔ یہ دربدر کی خاک چھانتے رہے۔ مسلمانوں نے اپنی مملکتوں میں ان سے فراخدلانہ اور انسانی سلوک کیا۔ صدیوں کی منصوبہ بند یہودی سازشوں اور جنگ عظیم دوم ۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء کے بعد عیارانہ چالوں سے بقول علامہ اقبال

فرنگ (عیسائیوں) کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے۔

یہ انقلابِ دوراں اور فرنگی سیاست افسوس ناک ہی نہیں حیران کُن ہے۔ نفس ناطقہ سر بگریباں ہے اس کو کیا کہیئے۔ بڑی عیّاری سے بائیبل میں ایک پادری کے ذریعہ یہودی نظریات داخل کرنے کی راہ ہموار کی۔ صدیوں کی خفیہ تدبیروں کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج حضرت عیسیٰ کو (نعوذ باللہ) زانیہ کا بیٹا کہنے والے عیسائیوں کی آنکھ کا تارا بن بیٹھے ہیں[2]۔ نفرت اور دشمنی کا رخ اب قرآن مجید' داعیٔ اسلام اور مسلمانوں کی طرف ہے۔

توریت، انجیل، قرآن مجید اور احادیثِ نبوی میں آنے والے زمانے کے بارے میں پیش گوئیاں ملتی ہیں۔

[1] ماہنامہ مسیحائی۔ کراچی۔ قرآن نمبر۔ شمارہ نمبر ۷۔۸، جلد نمبر ۱۱، جولائی، اگست ۲۰۰۸ء۔ صفحہ ۲۹۹۔۳۰۲

[2] عقل عیار نے جو سو بھیس بنائے ان انکشافات کی چشم کشا روداد، سید عاصم محمود صاحب کے گرانقدر تحقیقی مضامین "اردو ڈائجسٹ" مئی جون ۲۰۰۵ء بعنوان "یہودیوں کے غلام عیسائی" میں دیکھئے۔

حضرت عیسیٰ سلامؑ علیہ کے دوبارہ دنیا میں تشریف آوری کا عقیدہ عیسائیوں میں ابتدا ہی سے موجود تھا۔ یہ بھی کہ وہ اپنے دشمنوں سے دنیا کی سب سے بڑی جنگ (**الملحمة العظمٰی** آرمیگاڈان) میں انہیں شکست دے کر ایک ہزار سالہ اپنی حکومت قائم کریں گے۔ جس میں عیسائیت تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔ آپ کی تشریف آوری اسی وقت ممکن ہوگی جب کہ یہودی دریائے نیل سے فرات تک کے درمیانی علاقہ پر قابض ہو جائیں اور مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے ہیکل سلیمانی تعمیر کر دیں۔ اس پیش گوئی کو عیسائیوں کے دلوں میں سوراخ کرنے کے لئے یہودیوں نے بڑی محنت کی اور دولت کی تھیلیوں کے منہ کھول دیئے اگرچہ تمام عیسائی اس پر یقین نہیں کرتے، لیکن ۴۰ کروڑ اناجیل (انتہاء پسند / صیہونی عیسائی جو پروٹسٹنٹ فرقے کی ایک شاخ ہیں) یہ عقیدہ رکھتے ہیں ان میں سے ۱۵ تا ۲۰ کروڑ امریکہ میں بستے ہیں جو بارسوخ، ذی اثر اور دولت مند مہرے ہیں۔ اس پنجۂ یہود کی آہنی گرفت میں صدر امریکہ اور ان کے رفقاء بھی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امریکی خارجہ پالیسی اسرائیلی مملکت کی مربی و حمایتی اور اسلامی مملکتوں کے شکاری اور مخالف ہیں۔ اس پس منظر میں عراق پر حملہ کو "کروسیڈ" صلیبی جنگ کہنا سمجھ میں آسکتا ہے۔

وہ گہری سازش کیا تھی جس نے عیسائیوں کی فکر و نظر میں انقلابی تبدیلی، خون کے پیاسے دشمن کو "تو من شدم من تو شدی" یک جاں و دو قالب بنادیا؟ اس کی تفصیل یہودی تحریفی چالوں میں ملتی ہے۔ توریت کے بعد انجیل میں منہ مانگے خرید کردہ عیسائی پادری کے ذریعے یہودی نظریات کو بائیبل کے متن میں شامل کر دینا ہے۔ پچھلے ۴۰۰ سال سے عیسائیوں کے پیشِ نظر بائیبل کا وہ انگریزی ترجمہ تھا جو کنگ جیمز نے ۱۶۱۱ء میں کروایا تھا۔ یہ مقبول اور تسلیم شدہ ترجمہ کسی قدر مشکل اور قدیم انگریزی میں تھا۔ یہودی عیار ذہن نے اس دکھتی نبض پر ہاتھ رکھا۔ منفی خطوط پر سوچنے والے سازشوں کے ماہروں نے نئے ملک امریکا میں قدم جمانے کے لئے انجیل مقدس کے ذریعے اپنے نظریات کو عیسائیوں میں راسخ کرنے، ان کی فکر و نظر میں تبدیلی کیلئے دُوررَس اثرات کا حامل خفیہ منصوبہ بنایا۔

بظاہر بے ضرر مگر دُوررَس نتائج کا منصوبہ یہ تھا کہ کوئی پادری کنگ جیمز کی بائیبل کی شرح آسان زبان میں بالکل نئے انداز میں لکھے۔ پادری کو منہ مانگے دام دے کر آمادہ کر لیا کہ بائیبل کے جملوں، حاشیوں اور صفحوں میں یہودی مذہبی نظریات بڑھادے اس کام کے لئے سائرس انگرسن پر نظر انتخاب ٹھہری ((وہ مشی گن کی کاؤنٹی لیناوی میں ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۰ء میں فوت ہوا) اس نے بڑی مہارت اور چابکدستی سے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔ ہیکل سلیمانی کی تعمیر سے حضرت عیسیٰ کی آمد کو مشروط کر دیا یہ بھی بالواسطہ ذہنوں میں بٹھادیا کہ یہودی اللہ کی پسندیدہ قوم ہے اور فلسطین عطیہ خداوندی ہے۔ یہودیوں نے اس بائیبل کی اشاعت اور تقسیم پر دولت پانی کی طرح بہائی۔ اس کا پہلا نسخہ ۱۹۰۹ء میں امریکا میں چھپا۔ سو سال کے عرصہ میں متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں بلکہ یورپ کی دوسری زبانوں میں بھی ترجمے ہو چکے ہیں۔ ۱۹۱۷ء اور ۱۹۲۷ء اور ۱۹۸۴ء میں اس پر نظر ثانی کی گئی۔ نتیجتاً اس بائیبل نے امریکا میں سب سے زیادہ فروخت ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ کنگ جیمز کا ترجمہ ادنیٰ اور قدیم زبان میں تھا نئی نسلوں نے اس فیلڈ بائیبل کو ہاتھوں ہاتھ لیا بلکہ حرزِ جاں بنالیا، اس پر کسی نے توجہ نہ دی کہ قدیم اور جدید ترجموں میں کیا فرق ہے۔ نہ اس کے لیے ان کے پاس وقت تھا نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی، کیوں کہ ایک پادری نے یہ ذمہ داری سنبھالی تھی۔ نئی

نسلیں اضافوں کو بائیبل کا حصہ حضرت عیسیٰ کے الفاظ اور اللہ کا فرمان سمجھنے لگیں اگر یہ نوٹس علیحدہ کتاب کی شکل میں شائع ہوتے تو نظر انداز کر دیئے جاتے، متن میں تحریف کر کے یہودیوں نے اسے تقدس اور دوامی حیثیت دلا دی۔ یہ نظریات نئی نسل میں راسخ ہو گئے ہیں، امریکا کے اعلیٰ عہدے دار سے صدر تک، عوام سے صنعت کاروں تک، ان نظریات پر یقین رکھتے ہیں۔ "نیو ورلڈ آرڈر" ان ہی نظریات پر مبنی ہے جس کی عمل آوری کی طرف امریکی حکومت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ اسے وہ بائیبل کا حکم اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اسی کو کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

صدیوں کے دشمن شیر و شکر ہو گئے، عیار ذہن نے رد و نفرت کا رخ مسلمانوں کی طرف پھیر دیا۔ میدانِ جنگ میں تو کبھی مسلمانوں کو زیر نہ کر سکے البتہ خلافتِ عثمانیہ کو ریشہ دوانیوں اور مکر و فریب سے پارہ پارہ کیا۔ مسلمانوں کے اتحاد میں رخنے ڈالے۔ عربوں کو ترکوں سے لڑا دیا۔ خود سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر کے مہلک ہتھیاروں کی ایجاد کو وطیرہ بنالیا۔ اب فکر یہ ہے کہ اس سے مہلک ہتھیاروں کی انسانوں پر آزمائش اور قبضہ میں مدد ملے گی۔ قدرت نے جو وسائل دولت خصوصاً تیل مسلمان مملکتوں کو عطا کی ہے، اس پر قبضہ کر لیں۔ سوویت یونین جیسی سپر پاور کو افغانستان کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے کیا، جب مقصد حاصل ہو گیا تو مسلمانوں کے جذبۂ جہاد سے خائف ہو کر افغانستان کو ابھرنے سے پہلے دبانے کے لیے 11/9 کا ہوّا کھڑا کیا اور اسامہ بن لادن پر الزام لگا کر افغانستان پر حملہ کر کے مسلمانوں کی غیرت و اتحاد کو آزمایا۔ امّہ کے تصور میں پہلا خنجر جسد افغانستان میں کھونپا گیا جبکہ ۵۶ آزاد مسلم مملکتیں مدد تو کجا زبانی ہمدردی سے بھی خائف تھیں"۔[1] مزید تصدیق کیلئے دیکھئے پروفیسر احمد یار صاحب کا کتابچہ "صلیبیوں اور صیہونیوں کی قرآن دشمنی" طبع کردہ صدیقی ٹرسٹ کراچی۔ سلسلہ نمبر ۲۲۵۲ صفحہ ۱۔۶

یہودیوں اور عیسائیوں کو اس بات کا پورا پورا احساس ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو ان کے مدِ مقابل ہو سکتا ہے۔ اس کی سادہ اور فطری تعلیم بنی نوع انسان کو اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہے۔ اس کے ہر دم تازہ رواں دواں دو منبع ہیں۔ ایک غیر محرف کتابِ زندہ "قرآن مجید"، دوسرا پیغمبر اسلام کی پاک اور متاثر کن "سیرت"۔ الکتاب جیسی چودہ سو سال پہلے نازل ہوئی من و عن محفوظ ہے اور پیغمبر سلامؑ علیہ کی زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر۔ بقول ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ:

''**کان خلقه القرآن**'' آپ سلامؑ علیہ کا اخلاق قرآن تھا۔

یہی دو چیزیں انہیں کانٹے کی کی طرح کھٹکتی ہیں، صدیوں سے ان کی منظم سازش ہے کہ کلام اللہ کو انسانی کلام، وحی کو نعوذ باللہ مرگی کی کیفیت اور ہادی برحق سلامؑ علیہ کے اسوہ حسنہ کو داغدار ثابت کریں تاکہ بنیادیں ہل جائیں تو عمارت مخدوش ہو جائے۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ دونوں خالقِ کائنات کے شاہکار ہیں اور وہی ان کا محافظ ہے۔ ذکر (قرآن مجید) اور ذاکر (قرآن ناطق) ازل سے ابد تک خالقِ ارض و سما کی پناہ میں ہیں"[2] (اقتباس ختم)

شاہ مصباح الدین شکیل صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس کو غور سے پڑھئے اور میری کتاب کے ابواب میں پیش کردہ میری معروضات کو نظر میں لایئے تو دونوں میں آپ کو دو عناصر مشترکہ ملیں گے۔ ایک یہ کہ الکتاب جیسی چودہ سو

[1] ماہنامہ مسیحائی۔ صفحہ ۲۹۹۔۳۰۲...... [2] ماہنامہ مسیحائی۔ صفحہ ۳۲

سال پہلے نازل ہوئی من عن محفوظ ہے اس کو بدل کر یا محرف کر کے بجائے کلام اللہ کے کلام الانسان بنا دیا جائے یا پھر اس کے مقابلہ پر اس کے مثل بنا کر ایمان والوں سے کلام اللہ محو یا مہجور کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ سلامؐ علیہ کے اسوہ حسنہ یا ان کی شخصیت کو طعن آمیز و داغدار کر دیا جائے (میں نے رسول کے ساتھ ان کے ساتھیوں یعنی صحابہؓ کو بھی شامل کیا ہے)۔ **مقتدرہ** والے ان دونوں کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔ گو کہ وہ کلام اللہ کو تو نہ بدل سکے نہ اس کی عبارت میں تحریف کر سکے لیکن وہ کلام اللہ کے مقابلہ پر کلام الانسان ضرور بنا کر اس کے مثل (**مثلهٗ معهٗ**) مقابلہ پر لے آئے اور کتاب اللہ کو ان سے مہجور کر دیا اور قرآن کریم کی پیش گوئی کو ثابت کر دیا کہ قیامت کے دن رسول اللہ سلامؐ علیہ اللہ کے حضور یہ شکایت کریں گے کہ اے میرے رب میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا (۲۵/ ۳۰) (یعنی گھڑنت روایتوں کو پکڑ کر نئی عمارت تعمیر کی تھی)۔ دوسری کوشش میں بھی گھڑنت روایتوں کے ذریعہ، وہ کامیاب ہو گئے کہ رسول سلامؐ علیہ کو صحابہؓ کی شخصیات و کردار کو بھی مشتبہ و مطعون کر دیا۔ جیسا کہ میں پچھلے ابواب (اپنی کتاب) میں مثالیں دے چکا۔ رہی بات قرآن کریم کو بدلنے یا محرف کرنے کی سازش کی تو وہ بھی چودہ سو سال سے جاری تھی۔ مثلاً عرب کے بڑے بڑے شعراء و قصیدہ خواں تو قرآن جیسی عبارت بنانے سے معذور حتیٰ کہ نبوت کے جعلی مدعی مسیلمہ کذاب[1] بھی قرآن کے معارضے سے عاجز آ گیا۔ یہ قرآن کریم کی سورہ العدیٰت کا معارضہ اس نے لکھا (اس کا خیال تھا کہ اس پر آسمان سے قرآن نازل ہوا ہے اور رحمٰن نامی فرشتہ اس پر وحی لاتا ہے) ذرا اسے پڑھئے اور خوب دل کھول کر ہنسئے۔

"اور قسم ہے آٹا پیسنے والیوں کی اور قسم ہے روٹی پکانے والیوں کی اور قسم ہے سالن بنانے والیوں کی، اور قسم ہے گھی اور تیل کے لقمے کھانے والیوں کی، کہ تم کو صوف والوں (بادیہ نشین) پر فضیلت دی گئی ہے، اور مٹی سے مکان بنانے) والے بھی تم سے بڑھ کر نہیں، تم تھکے ہارے کو پناہ دو اور طلب گار کو پنے پاس ٹھہراؤ۔

اور کہا کہ قسم ہے بکریوں اور ان کے رنگوں کی، ان کی سیاہی اور دودھ کی، بکری کالی اور دودھ سفید ہے، یہ تعجب خیز ہے، پانی ملا دودھ حرام ہے، تم کو کیا ہوا تم دودھ اور کھجور کا حلوہ کیوں نہیں بناتے۔

سورہ الفیل کے معارضہ میں اس نے لکھا:

ہاتھی اور وہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کی بد نما دم اور لمبی سونڈ ہے۔

اور یہ بھی،

اے مینڈکی، مینڈکی کی بچی! اسے صاف کر جسے تو صاف کرتی ہے۔ تیرا بالائی حصہ تو پانی میں ہے اور نچلا مٹی میں، نہ تو پانی کو گدلا کرتی ہے اور نہ تو پانی پینے والے کو روکتی ہے۔

سورہ الکوثر کے معارضے میں اس کا ہذیان ملاحظہ کریں:

---

[1] کافہ کے رہنے والے مسیلمہ ابن حبیب حنفی نے رسول اللہ سلامؐ علیہ کی موجودگی ہی میں نبوت میں حصہ مانگا تھا۔ رسول سلامؐ علیہ کی وفات کے بعد خلیفہ اول ہی کی خلافت کے آغاز میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور خروج کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیا اس میں وہ مارا گیا۔ اس طرح یہ ۱۱۔۱۲ھ ہی کا واقعہ ہے

ہم نے تجھے بھاری بھر کم عطا کیا ہے، اپنے رب کی نماز پڑھ اور جہر کر بے شک تیرا دشمن کافر ہے۔[1]

ہو سکتا ہے کہ اس عبارت میں اردو مترجم نے کچھ چاشنی گھول دی ہو۔ بہر حال اسی طرح سے بہت سے قرآن دشمنوں نے خرافات و ہذیان بکنے کی کوششیں کیں، مگر کسی نے انہیں قبول نہیں کیا۔ مثلاً صنعاء کا رہنے والا اسود عنسی یمنی نے نبوت کا دعویٰ رسول اللہ سلامؐ علیہ کی موجودگی ہی میں کر دیا تھا۔ آپ نے زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کیلئے ایک صحابی مہاجر بن امیہ بن مغیرہ کو صنعاء (یمن) روانہ فرمایا تو اسود عنسی ان کے مقابلہ پر آیا اور جنگ کی۔ طلحہ بن خویلہ الاسدی، نضر بن الحارث قریشی، ابو العلاء المعری، متنبّی اور ابن المقفع (۱۴۲ھ) اور ابو المغیث حسین بن منصور حلاج (۳۰۹ھ) نے کتاب الطواسین قرآن کے مقابلہ پر لکھی تھی وغیرہم۔ یہ لوگ تو شروع دَور اسلام کے تھے۔ پھر روافض میں سے متشدّد لوگوں نے بھی آیات اور سورتیں بنانے کی کوششیں کیں مگر اس کو تلقی بالقبول نہ مل سکا البتہ قرآن کے مثلہٗ معہٗ روایات جو انہوں نے گھڑیں اس کو امت کی اکثریت سے تلقی بالقبول مل گیا پھر پارس شریف ہی سے ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کی ایک رات کو علی محمد باب یا شیعوں کے امام مہدی (جو کہ ایک غار میں چھپے ہوئے بتائے جاتے ہیں اور شیعہ حضرات ان کے باہر آنے کا انتظار کر رہے ہیں، بلکہ اپنے بٹوہ، اپنی دراز اور ہر جگہ پرچی لکھ لکھ کر رکھتے ہیں "ادر کنی یا صاحب الزماں" کہ اے صاحب زماں مجھ کو پالو۔ اور شب قدر کی رات یہ پرچی آٹے کی گولیوں میں رکھ کر کراچی کے نیٹی جیٹی کے پل سے سمندر کی مچھلیوں کی طرف ڈالتے ہیں کہ شاید وہ صاحب الزماں تک پہنچا دیں) تک رسائی کا دروازہ ہونے کا اعلان کر دیا (اس لئے وہ علی محمد یا باب کہلایا اور اس کا مشن Baby Movement کہلایا) بہت جلد اس نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ وہ امام مہدی سے بڑھ کر ہے اور اپنے لئے نقطہ اولیٰ اور نقطہ بیان وغیرہ کے القابات اختیار کئے جن سے الوہیت کا اظہار ہوتا تھا۔ اس دَوران شیراز کے ایک ملّا علی بسطامی نے ایک شیعہ عالم ملّا محمد حسین کے سامنے باب کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے کہا کہ باب کا مقام بہت بلند ہے۔ اس پر ۴۸ گھنٹے میں اتنی آیات نازل ہوئیں جو پورے قرآن کے برابر ہیں جو حضرت محمد سلامؐ علیہ پر ۲۳ سال میں نازل ہوا۔ ایک اور بابی ملّا صادق نے اذان میں باب کا نام لینا شروع کر دیا۔ اس کے پیروکاروں نے روسی ایجنٹوں کے ساتھ مل کر پارس کے فوجی نوعیت کے اہم علاقوں میں بغاوتیں برپا کیں۔ اسی دَوران بابیوں نے بدشت کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد کی جس میں شریعت اسلامی کی تنسیخ اور بابی مذہب کی مستقل حیثیت کا اعلان کیا گیا۔ اسی کانفرنس میں سرکردہ بابی شریک ہوئے۔ اس کا منتظم مرزا حسین نوری (مستقبل کا بہاء اللہ) تھا۔ آخر کار ۹ جولائی ۱۸۵۰ء کو باب کو تبریز میں گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ اس کی مسخ شدہ لاش کو بابی چوری چھپے اُٹھا کر لے گئے۔ پچاس سال تک اس کو ایران میں چھپائے رکھا۔ جنوری ۱۸۹۹ء میں اس کے تابوت کو کوہ کرمل فلسطین میں دفن کیا گیا۔ آج کل اسرائیل میں بہائی اس کے مقبرے کا طواف کرتے ہیں۔ باب کو قائم آل محمد، مہدی موعود اور مبشر جمال مبارک (بہاء اللہ) کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کا عرصہٗ ماموریت صرف ۹ سال رہا۔ باب نے مرزا یحییٰ صبح ازل کو حسین علی نوری (بہاء اللہ) کا سوتیلا بھائی تھا اپنا جانشین مقرر کیا۔ باب ایک فاتر العقل، عربی قواعد سے ناواقف، بیرونی طاقتوں کا آلہ کار تھا۔ قرآن کے مقابلہ پر پیش کی جانے والی شریعتِ بیان کو

---

[1] التِّبیَان فی علوم القرآن۔ از استاذ محمد علی صابونی۔ ترجمہ از مولانا محمد ابراہیم فیضی۔ نازر القلم۔ فرحان ٹیرس۔ ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی اشاعت اول مئی ۲۰۰۵ء صفحہ ۲۰۵

نامکمل چھوڑ کر مرا اور یہ کام صبح ازل کے ذمہ ڈال دیا۔ اس نے بھی اسے پورا نہ کیا۔

اسلام کو منسوخ قرار دے کر بابی مذہب کے ظہور کا اعلان کرنے والا باب قتل کیا گیا اور اپنے الوہیت اور رب اعلیٰ کے دعوؤں کے ساتھ نامرادی کی حالت میں مرا۔ اس کے بعد اس کے پیروکار بہاء اللہ کی خدائی کے آگے جھک گئے۔ اس کا جانشین مرزا یحییٰ صبح ازل نہایت مفلسی کے عالم میں قبرص میں مرا۔ بہاء اللہ نے ازل کو سخت پریشان کیا اور اس کے پیروؤں کو قتل کرایا۔ اسلام کے ایک ہزار سال بعد آنے والے بہاء اللہ نے اس دین کو منسوخ کر کے بہائی مذہب رائج کیا۔ باب نے ایک نئے ظہور کی آمد کا زمانہ ہزار سال بتایا تھا (جیسا کہ اہل السنت والجماعت کے ہاں مجدد کیلئے ہے) مگر وہ تو نو سال بعد ہی نیا ظہور الٰہی بن گیا۔ آج کل بابیت ختم ہو چکی ہے اور بہائیت، ایک نئے مذہب کی حیثیت سے ،اسرائیل کی گود میں بیٹھ کر پھل پھول رہی ہے۔

۱۸۶۳ء میں بہاء اللہ نے من یظہرہ اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اس کے ساتھ ہی اس نے صبح ازل کے پیروکاروں کو قتل کرنے کی مہم کا آغاز کیا اور تمام مخالف عناصر کی سرکوبی کی۔ اسے غیر ملکی طاقتوں کا پورا تحفظ حاصل تھا اسے تمام عمر زار روس کی طرف سے کثیر رقم وظیفہ کے طور پر ملتی رہی جبکہ اسے فری میسنری اور ادارہ اسرائیلی اتحاد (جس نے بعد میں ۱۸۹۷ء میں صیہونیت کا روپ دھارا) اور برطانوی سامراج کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ بہاء اللہ نے ۱۸۷۳ء میں اپنی کتابِ شریعت پیش کی جسے کتاب اقدس کا نام دیا۔ اس میں نئے احکامات اور شریعت بیان کی گئی ہے۔ یہ عکہ (اسرائیل) میں نازل کی گئی۔ بہائیوں نے آج تک اس کتاب کو خود شائع نہیں کیا بلکہ دوسرے ذرائع سے اس کا متن ہمیں ملتا ہے۔ بہاء اللہ کے دعوے کو سمجھنا آساں نہیں۔ بنیادی طور پر اس کا دعویٰ مظہر ظہور الٰہی کا تھا۔ شکل انسانی میں خدا۔ نبی ورسول کا دعویٰ نہ تھا۔ بہائی اسے مظہر ظہور الٰہی، امر بہائی کا شارع اور موعود کل ادیان کا نام دیتے ہیں اس کا دَور ماموریت ۳۹ سال تھا۔ ۲۸ مئی ۱۸۹۲ء کو بہاء اللہ ۷۵ سال کی عمر میں بخار میں مبتلا ہو کر راہی ملک عدم ہوا[1]۔ آج بہاء اللہ کے ماننے والے بہائی، متشدد روافض کے ساتھ مل کر اسلام کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ کسی مسلمان دانشور کو ورغلا کر (بلکہ Hypnotize کر کے) نماز کا انکار کرواتے ہیں، کسی سے محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کے آخری نبی ورسول ہونے کا .... جبکہ مسلمان اور ان کے دانشور علماء انہیں پہچانتے تک نہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان نام ہی سے متعارف کراتے ہیں اور تقیہ کئے رہتے ہیں اور اپنا وار کر جاتے ہیں۔

قرآن کریم کے چیلنج (کہ اگر تم سب مل کر بھی اس کی ایک سورۃ جیسی بنا کر لا سکتے ہو تو لے آؤ) کے جواب میں جن لوگوں نے نبوت کے دعوے کئے یا اس جیسی سورت بنا کر دکھائی اس کا مختصر سا حال میں نے پیش کیا۔ یہ تو ماضی کا حال تھا۔ البتہ انیسویں صدی میں بنوت کا دعویٰ کرنے والے مرزا غلام احمد قادیانی کا ذکر یوں نہیں کیا کہ وہ آپ سب ہی جانتے ہیں کہ بہر حال انہوں نے صاحبِ شریعت یا صاحبِ کتاب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ صرف ظلّی یا بروزی نبی ہونے کا دعویٰ کیا (اس کے جواز کے طور پر دیوبند کے بانی کی کتاب تحذیر الناس پیش کر دی) انہوں نے کوئی نئی کتاب پیش نہیں کی بلکہ قرآن کریم ہی پر ایمان کا دعویٰ ہے، حتیٰ کہ تمام (نام نہاد) احادیث اور حنفی فقہ ہی کو اسلام مانتے تھے۔

[1] ماخوذ از ''بہائیت'' اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم از بشیر احمد، اسلامک سٹڈی فورم۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۲۷۵۔ راولپنڈی۔ اشاعت ۱۹۹۳ء، صفحہ ۱۸۔۲۴۔ مزید تفصیل کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

البتہ ان کے ماننے والوں میں بھی فرقہ بندی ہوگئی کہ ایک فرقہ انہیں نبی مانتا ہے جبکہ دوسرا صرف مجدّد۔ (جبکہ اہلسنت والجماعت کہلانے والوں کے ہاں بھی ہزار سالہ مجدّد اور صدی کے مجدّد کا عقیدہ موجود ہے)۔ انیسویں صدی سے بیسویں صدی تک صرف پاکستان و ہندوستان ہی میں کئی چھوٹے موٹے لوگوں نے نبوت یا مہدویت کے دعوے کئے۔ (مکہ معظمہ میں ۱۹۷۹ء میں حج کے موقعہ پر ایک حبشی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر مارا گیا) خود پاکستان میں کئی لوگوں نے مہدی بننے کے خواب بیداری میں دیکھے۔ خمینی صاحب جب پارس میں پیرس کے ذریعہ سے وارد ہو کر امام بن گئے تو ایک پاکستانی سیاسی لیڈر ان کے بھائی بن گئے اور در و دیوار پر خمینی .... بھائی بھائی کے نعرے لکھ دیئے گئے۔ دوسرے صاحب پارس کا دَورہ کر کے آئے تو اعلان کیا کہ شیعوں کا امام مہدی مختلف ہے اور سنیوں کا امام مہدی مختلف ہے۔ پھر اپنی ایک کتاب میں "سعودی عرب میں امام مہدی پیدا ہو چکا ہے" کی خوشخبری دے گئے............ وہ دونوں دانشور تو دوسری دنیا میں چلے گئے اور پاکستانی قوم امام مہدی کا اب بھی انتظار کر رہی ہے۔

اب آیئے ذرا بالکل ماضی قریب کا حال دیکھ لیجئے کہ چودھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی کے اختتام پر کیا ہوتا ہے اس کیلئے میں شاہ مصباح الدین شکیل صاحب کے مضمون "قرآنی چیلنج کا جواب دینے کی جسارت"[۱] سے اقتباس پیش کرتا ہوں۔

روزنامہ "امت" کراچی میں مورخہ ۱۳ نومبر ۲۰۰۵ء میں جناب سعید احمد عباسی کی رپورٹ کی تلخیص جو ایک چشم کشا اور چونکا دینے والی تحریر ہے۔

"دو عرب عیسائی جن کا نام سیلفی السیفی اور مہدی ہے، عربی میں ایک کتاب "الفرقان الحق" (سچا فرقان) The True Furqan لکھی ہے۔ کتاب سے لے کر ڈیزائننگ اور طباعت ہر چیز کو قرآن مجید جیسا بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس میں قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں کے جواب میں ۷۷ سورتیں ہیں قرآن مجید کی طرح ہر سورت کا علیحدہ نام رکھا ہے۔ مثلاً پانچویں سورت کا نام "سورۃ الایمان" اور چھٹی "سورۃ التوحید" ہے۔ عربی متن کے مقابل انگریزی ترجمہ دیا گیا ہے۔ مترجم کا نام ڈاکٹر تیس شوروش ہے۔ اس کی عربی زبان ایسی ہے کہ ایک عام عرب بھی اپنی ہنسی مشکل سے ضبط کر سکتا ہے۔ زبان وبیان کے اعتبار سے عربی کے عام رسائل اس سے بہتر معیار رکھتے ہیں۔ ملائیشیا کی بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر قطبت مصطفیٰ کہتے ہیں "میں اس بات پر بہت خوش ہوں کہ مسلمان اس قابل ہیں کہ وہ اس انتہائی بھدی اور احمقانہ اور دھوکہ بازی کی سازش کو بے نقاب کر سکیں جو مسلمانوں کو قرآن مجید کے بارے میں شکوک وشبہات میں ڈالنے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اسلام کے دشمن نہایت ناامیدی کی حالت میں اس قسم کی بچکانہ حرکتوں پر اتر آئے ہیں مگر وہ قرآن کے چیلنج کے سامنے ناکام رہے جس سے قرآن حکیم کی حقانیت مزید واضح ہو کر سامنے آگئی اور ثابت ہو گیا کہ قرآن پاک کو کوئی بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔"

مصر کے "العصیہ اخبار" کے ایڈیٹر مصطفیٰ بکری کہتے ہیں کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن خفیہ طور پر امریکا اور

[۱] ماہنامہ مسیحائی کراچی قرآن نمبر صفحہ ۳۰۸-۳۰۹

اسرائیل میں چھاپا گیا۔ تمام مواد اسرائیلی شراکت کے ساتھ صدر امریکا کی ہدایات کے موافق تیار ہوا۔ مزید ۱۲ کتابیں زیرِ طباعت ہیں۔ امریکی صرف اتنا قبولتے ہیں کہ یہ کتاب امریکا میں کھلم کھلا ۱۹۹۹ء میں چھپی ہے اور انٹرنیٹ پر فروخت ہوئی ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک عیسائی گروپ نے مسلمانوں کو عیسائیت کی جانب مائل کرنے کے لیے چھاپی ہے اور اس کا نام "مسیحی تحفہ" رکھا ہے۔ اس میں اسرائیل کا کوئی عمل دخل نہیں ہے مترجم کا تعلق بھی حکومت سے نہیں۔ سوال یہ ہے کہ امریکا کیوں اسرائیل کی صفائی پیش کر رہا ہے حالانکہ ویب سائٹ کے پہلے صفحہ ہی پر یہودیوں کے عقیدے کے مطابق دجال ان کا آخری پیشوا ہو گا، جو انہیں تمام عالم پر قبضہ دلائے گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ کس کے ایماء پر ہو رہا ہے؟ القدس کے مفتی اعظم اور مسجد اقصیٰ کے امام الشیخ عکرمہ صابری کا بیان ہے کہ امریکا مسلم حکمرانوں پر زور دے رہا ہے کہ اپنی مقدس آسمانی کتاب میں ترمیم کریں اور اس نئی کتاب "سچا فرقان" کو قبول کر لیں۔

نئی نسل کے لیے انٹرنیٹ عہد حاضر کا مؤثر تحفہ ہے۔ اس پر "قرآن" کی ویب سائیٹ کھولیے تو "سچا فرقان" بھی نکل آئے گا جسے دیکھ کر نو مسلم اور غیر مسلم شک و شبہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دھوکا بازی یہ ہے کہ ایک طرف تو عیسائی اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ یہ قرآن کے دعویٰ کا جواب ہے اور دوسری طرف اس کی تشہیر کے لیے قرآن کا نام استعمال کر رہے ہیں۔ یہ منافقانہ سازش یہود و نصاریٰ کا خاص شعار ہے۔"

مزید دیکھئے کہ مصباح الدین شکیل صاحب اپنے اسی مضمون میں کیسی کیسی حقیقتیں بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اسلام پیغمبر اسلام اور قرآن حکیم کے متعلق ان کی ناپاک جسارتوں کا سلسلہ صدیوں پر محیط ہے۔ چند کا تذکرہ قابلِ غور اور چشم کشا ہو گا۔ نواب سعید الملک احمد سعید خان والی چھتاری کے بیان کردہ واقعہ کا اخبارات میں اکثر چرچا رہتا ہے۔ وہ انگریزوں کے چہیتے، معاملہ فہم اور بارسوخ سیاست داں تھے۔ صوبہ متحدہ (یوپی) کے دس سال سے زیادہ منسٹر رہے۔ انگریزی راج میں انہیں پہلے ہندوستانی گورنر بننے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ ایک انگریز گورنر کے بہت ہی قابل اعتماد اور بے تکلف دوست بن گئے۔ وہ ریٹائر ہو کر لندن چلا گیا تو بھی ان سے دوستانہ مراسم برقرار رہے۔ ایک بار لندن گئے تو بطور خاص ان سے ملنے گئے۔ عرض کیا کہ لندن تو دو چار بار آ چکا ہوں خوب جی بھر کر دیکھا ہے اس دفعہ آپ کوئی ایسی چیز دکھایئے جو عجیب تر ہو، کہا کل صبح آ جانا، میں تمہیں ایک جگہ لئے چلتا ہوں۔ دوسرے دن نواب آف چھتاری پہنچے تو آغاز سفر سے پہلے ایک وعدہ لیا۔ معائنہ کے دوران اور گھر واپس آنے تک کوئی سوال نہیں کرو گے، اپنے منہ پر تالا ڈالے خاموشی سے ہر چیز دیکھتے رہنا۔ قول و قرار کے بعد کار میں بیٹھ کر لندن کے مضافات میں چل پڑے، جنگلوں اور غیر آباد مقامات سے گزر کر ایک قلعہ نما مکان پر اترے۔ اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ اقامتی درسگاہ ہے۔ ۱۲ سے ۱۷ سال تک کی عمر کے لڑکے مختلف کلاسوں میں کہیں عربی صرف و نحو پڑھ رہے ہیں کہیں تجوید سے قرآن سیکھ رہے ہیں، کہیں حفظ کا سلسلہ ہے اور کہیں فقہ اور حدیث کا درس ہو رہا ہے۔ کچھ لڑکے عربی کے مطالعہ میں مصروف ہیں، پھٹی پھٹی آنکھوں اور متجسس ذہن سے ایک کمرہ سے دوسرے کمرے میں "تماشائے اہلِ

کرم" دیکھتے رہے۔ واپسی پر گھر ڈرائنگ روم کی خلوت میں پر خلوص خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا میرا ہمیشہ سے یہی خیال ہے کہ برطانوی سلطنت عظمت مدار مسلمانوں کی سچی بہی خواہ ہے جو کام مسلمان علماء ہندوستان میں کر رہے ہیں وہ ہماری سرپرست اور مربی حکومت اپنے گھر میں کر رہی ہے۔ یہ سن کر معزز میزبان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ آپ نے غلط سمجھا۔ یہ بچے تربیت یافتہ عیسائی ہیں اور اپنے عقیدے میں پکے ہیں۔ جب یہ تعلم سے فارغ ہو جائیں گے تو انہیں مسلم مملکتوں میں بھیج دیا جائے گا۔ اپنی عربی دانی کی بناء پر انہیں موذن، امام یا مدارس کا کام مل جائے گا۔ یہ حکمت سے اسلامی عقائد میں تشکیک کا عنصر شامل کریں گے اور ان کے ایمان کے قلعہ میں رخنے ڈالیں گے۔ یہ سُن کر حافظ احمد سعید خان چھتاری کا خراج تحسین کا ابال سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور عیسائیت کے خفیہ منظم منصوبوں کا مکروہ چہرہ سامنے آیا۔"[1]

"ایک اور واقعہ جس سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں، قیصر ہند ملکہ وکٹوریہ کا ایک حیران کن استفسار ہے۔ اس نے علم تاریخ کے ماہر اپنے اتالیق کو تخت نشینی کے بعد برطانیہ کا وزیر اعظم مقرر کیا۔ ایک دن ان سے پوچھا تاریخ عالم میں سب سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ آپ کو کیا نظر آیا؟ جواب دیا مسلمانوں کا عروج و زوال۔ ملکہ نے دوبارہ سوال کیا۔ آپ نے اس کے اسباب پر کبھی غور کیا؟ بہت اور اکثر۔ پوچھا وہ کیا ہیں؟ ایک ہی بات سمجھ میں آئی کہ ان کے پیغمبر نے ہدایت کے لئے ایک کتاب (قرآن مجید) انہیں دی تھی۔ جب تک وہ اس پر عمل پیرا رہے ترقی کی راہیں ان پر کھلتی رہیں۔ اس سے بے اعتنائی کی تو زوال پذیر ہونے لگے۔

علامہ اقبال کا شعر اس پس منظر میں:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

ذہین ملکہ نے پوچھا۔ اگر انہوں نے من حیث القوم اس کتاب پر دوبارہ عمل کرنا شروع کر دیا تو کیا ساری دنیا ان کے زیر نگیں آجائے گی؟ یقیناً، تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ پوچھا، پھر اس کے سدباب کے لیے آپ نے کیا سوچا؟ کہا ہم اس کے لئے بہت احتیاط سے مختلف تدابیر اختیار کر رہے ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ جواب دیا اپنی نو آبادیات میں تعلیمی ڈھانچہ میں ایسی تبدیلی لا رہے ہیں کہ مسلمان قرآن سے دور ہوتا چلا جائے اس کے معنی اور مفہوم کے راز ان پر کھلنے نہ پائیں۔ ذہنوں کو بدلنے کے لئے نظام تعلیم اور نصاب کی تبدیلی کی ابتدا انگریزوں کے ہاتھوں ہوئی۔ اب یہ ذمہ داری امریکا نے سنبھال لی ہے چہرے اور انداز بدل گئے ہیں مگر مقصد اور ہدف کل بھی وہی تھا اور آج بھی وہی ہے۔ اکبر الٰہ آبادی کی دور رس

[1] ماہنامہ مسیحائی، صفحہ ۳۰۵۔ اس واقعہ کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے ضمیمہ بعنوان "عیسائیت کی خفیہ سُرنگ"۔ جو کہ صدیقی ٹرسٹ (صدیقی ہاؤس) المنظر اپارٹمنٹس، ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ واقعہ اوروں نے "جنگل کی حویلی" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس کے بعد ضمیمہ "اسلامیات کا یہودی پروفیسر" بھی ضرور پڑھیے جو صدیقی ٹرسٹ کراچی ہی کا شائع کردہ ہے۔

نظروں نے اس سازش کو تاڑ لیا تھا:

وہ قتل سے بچوں کی یوں بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اللہ کا کلام کہیں بشر کی سمجھ میں آسکتا ہے؟ فلاح دارین کے لئے مصحف کو ناظرہ پڑھ لینا بہت کافی ہے۔ سیاسی سطح پر ہماری کوشش ہے کہ انہیں متحد نہ ہونے دیا جائے۔ جہاں تک ہو سکے آپس میں دست و گریبان رہیں۔ ان کی بڑی اور مضبوط سلطنتیں حصے بخروں میں بٹ کر بے دست و پا ہو جائیں۔ بڑی ریاستوں کو اپنے زیر اثر رکھیں تاکہ وہاں ہمارے کام کے آدمی آسانی سے مل جائیں۔

یہ واقعہ بھی برطانوی پارلیمنٹ کے ریکارڈ پر ہے کہ ان کے ایک وزیر اعظم (شاید لارڈ گلڈ اسٹون) نے قرآن مجید کو ہاتھوں میں بلند کر کے ممبروں سے کہا تھا کہ جب تک یہ کتاب مسلمانوں کے پاس موجود ہے ان پر غلبہ پانا بڑا دشوار ہے۔ اس راز پر کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟

خطبات بہاولپور میں ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے ایک علمی تحقیق کا ذکر تاریخ قرآن مجید کے سلسلے میں کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل آرامی زبان میں نازل ہوئی جو کہیں موجود نہیں۔ قدیم ترین دستیاب نسخہ یونانی زبان میں ہے۔ بیسوی صدی کے ربع اول میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک ادارے نے یونانی مخطوطوں کو جمع کیا، پھر ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ کیا گیا۔ اس تحقیقی رپورٹ کے الفاظ ہیں ''کوئی دو لاکھ اختلافی روایات (یعنی ایک ہی فرق کئی نسخوں میں) ملتی ہیں جن سے ۸ / ۱اہم ہیں۔''

اس رپورٹ کے شائع ہونے کے بعد ان لوگوں کو قرآن مجید کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ مسلمانوں کا دعویٰ کہ یہ من و عن باقی ہے اس جھٹلانے کے لئے قرآن مجید کے قدیم نسخے جمع کئے جانے لگے۔ ۱۹۳۳ء میں اس ادارۂ تحقیق کا ڈائریکٹر پیرس کی پبلک لائبریری سے قرآن مجید کے قدیم نسخے کے فوٹو لینے آیا تو وہاں پی ایچ ڈی کا مقالہ تیار کرنے والے طالب علم محمد حمید اللہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ جمع شدہ ۴۲۰۰۰ نسخوں پر مقابلہ کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے کچھ پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی جس کے الفاظ ہیں: ''مقابلے کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلافات روایت ایک بھی نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتابت کی جو غلطی ایک نسخے میں ہو گی وہ کسی دوسرے میں نہیں ہو گی۔ افسوس کہ جنگ کے دوران اس عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور کتب خانہ جل گیا اور ایک تحقیقی کام سو فی صد مکمل ہونے سے رہ گیا۔'' [1]

''خطبات بہاولپور'' [2] میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مرحوم نے ایک علمی تحقیق کا ذکر تاریخ قرآن مجید کے سلسلہ میں کیا ہے۔ اس کا اقتباس انہی کی زبانی ان کی کتاب ہی سے پیش کرتا ہوں۔ اس واقعہ کا ذکر شاہ مصباح الدین شکیل

[1] ماہنامہ مسیحائی کراچی قرآن نمبر صفحہ ۳۰۶۔۳۰۷........ [2] خطبات بہاولپور از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ بیکن بکس۔ اردو بازار لاہور۔ اشاعت ۲۰۰۵ء، صفحہ ۳۰۔۳۱

صاحب نے بھی اپنے اسی مضمون میں ملخصاً کیا ہے۔۔ نیز ماہنامہ رُشد قراءات نمبر حصہ اول میں ڈاکٹر محمد اکرم چودھری کے مضمون ''اختلاف قراءات قرآنیہ اور مستشرقین'' میں بھی صفحہ ۴۰۵۔۴۰۶ پر اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔

''ایک اور نکتہ بیان کرنا خالی از فائدہ نہ ہو گا اور اسی پر یہ تقریر ختم کرتا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے، جرمنی کے عیسائی پادریوں نے یہ سوچا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آرامی زبان میں جو انجیل تھی وہ تو اب دنیا میں موجود نہیں۔ اس وقت قدیم ترین انجیل یونانی زبان میں ہے اور یونانی سے ہی ساری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یونانی مخطوطوں کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ یونانی زبان میں انجیل کے نسخے جتنے دنیا میں پائے جاتے ہیں کامل ہوں کہ جزئی ان سب کو جمع کیا گیا اور ان میں ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے لفظ یہ ہیں: ''کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں'' اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے ''ان میں سے ۱/۷ اہم ہیں'' یہ ہے انجیل کا قصہ۔ غالباً اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد کچھ لوگوں کو قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ جرمنی ہی میں میونک یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ'' اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین دستیاب نسخے خرید کر، فوٹو لے کر، جس طرح بھی ممکن ہو جمع کئے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ جب ۱۹۳۳ء میں پیرس یونیورسٹی میں تھا تو اس کا تیسرا ڈائریکٹر پریتسل Pretzl، پیرس آیا تھا تاکہ پیرس کی پبلک لائبریری میں قرآن مجید کے جو قدیم نسخے پائے جاتے ہیں ان کے فوٹو حاصل کرے۔ اس پروفیسر نے مجھ سے شخصاً بیان کیا کہ اس وقت (یہ ۱۹۳۳ء کی بات ہے) ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن مجید کے بیالیس ہزار (۴۲۰۰۰) نسخوں کے فوٹو موجود ہیں، اور مقابلے (Collection) کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت، اس کا کتب خانہ اور عملہ سب کچھ برباد ہو گیا۔ لیکن جنگ کے شروع ہونے سے کچھ پہلے ہی ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا، وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلافات روایت ایک بھی نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتابت کی جو غلطی ایک نسخے میں ہو گی وہ کسی دوسرے نسخوں میں نہیں ہو گی۔ مثلاً فرض کیجئے۔ ''بسم اللہ الرحیم'' میں ''الرحمٰن'' کا لفظ نہیں لیکن یہ صرف ایک نسخے میں ہے۔ باقی کسی نسخے میں ایسا نہیں ہے، مثلاً ایک نسخے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے باقی نسخوں میں نہیں ہے، تو اس کاتب کی غلطی قرار دیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسے چیزیں کہیں کہیں سہو قلم یعنی کاتب کی غلطی سے ملتی ہیں۔ لیکن اختلاف روایت، یعنی ایک ہی فرق کئی نسخوں میں ملے، ایسا کہیں نہیں ہے، یہ ہے قرآن مجید کی تاریخ کا خلاصہ، جس سے ہمیں محسوس ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں خدا کا جو فرمان ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾ (ہم ہی اسے نازل کرتے ہیں اور ہم ہی اس کی

حفاظت کریں گے) یہ تمام واقعات جو میں نے آپ سے بیان کئے، اس آیت کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ"۔[1]

اب قرآن کریم کے خلاف موجودہ صدی کی زبردست سازش کے بارے میں جاننے سے پہلے مختصراً دیگر الہامی کتابوں کے بارے میں جان لیجئے کہ ان پر کیا گزری۔ اس کے لئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطباتِ بہاولپور سے اقتباس پیش کرتا ہوں جو کہ ان کے پہلے خطبہ "تاریخ قرآن مجید" سے ہے:[1]

مسند احمد حنبلؒ میں ایک حدیث ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اللہ نے حضرت آدم سے لے کر مجھ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے، جن میں سے تین سو پندرہ صاحب کتاب تھے"۔ تین سو پندرہ صاحب کتاب نبیوں کے نام نہ تو قرآن مجید میں ہیں اور نا احادیث میں ان کا ذکر ہے، لہٰذا ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کی تفصیل معلوم کر سکیں۔ صرف چند اشارے ملتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے تھے۔ لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کس زبان میں تھے۔ چہ جائیکہ ان کے مندرجات کا علم ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام بھی پیغمبر تھے ان کے متعلق روایات میں ذکر ملتا ہے کہ ان پر بھی چند کتابیں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن ان کا بھی دنیا میں اب کئی وجود نہیں۔ قدیم ترین نبی، جن کی طرف منسوب کتاب کا کچھ حصہ ابھی حال ہی میں ہم تک پہنچا ہے حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ غالباً آپ نے سنا ہو گا کہ فلسطین میں بحر مردار کے پاس بعض غاروں میں کچھ مخطوطے ملے ہیں۔ ان مخطوطوں میں سے ایک کتاب حضرت اخنوخ یا انوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ حال ہی میں اس کتاب کے کچھ ترجمے انگریزی زبان میں شائع ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس بات کا کوئی حتمی و قطعی ثبوت موجود نہیں، لیکن اب تک کی تحقیق کے مطابق ہم اسے قدیم ترین نبی کی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں آخری نبی کی بشارت بھی ہے، جس کو بعد میں عہد جدید (انجیل) کے باب "مکتوب یہودا" نے بھی نقل کیا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بھی ہمیں کچھ اشارے ملتے ہیں۔ عراق میں "صابیہ" کے نام سے ایک چھوٹا سا گروہ پایا جاتا ہے جس کا ایک مستقل دین ہے ان کا یہ دعوی ہے کہ "ہم حضرت نوح علیہ السلام کی کتاب اور ان کے دین پر عمل پیرا ہیں" ان کا کہنا ہے کہ ایک زمانے میں حضرت نوح علیہ السلام کی پوری کتاب ہمارے پاس موجود تھی لیکن امتداد زمانہ کے سبب سے اب وہ ناپید ہے۔ اس کے مندرجات صرف چار پانچ سطروں میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ جن میں اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے" اس کے بعد ایک اور نبی آئے ہیں جن کی کتاب کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (صحف ابراہیم و موسیٰ) دو مرتبہ قرآن مجید (۵۳: ۳۷ تا ۴۱ اور ۸۷: ۱۹) میں اس کا ذکر آیا ہے۔ ان کی کتاب کی مندرجات یہودی اور عیسائی ادبیات میں تو نہیں قرآن میں چند سطروں کی حد تک محفوظ ملتے ہیں۔ اسی طرح بعض ایسے انسان بھی ہیں جن کو صراحت کے ساتھ نبی تو تسلیم نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان کی نبوت کے

[1] خطباتِ بہاولپور۔ صفحہ ۱۶ تا ۲۱

کے امکان کو رد بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے ایک شخصیت ''زردشت'' کی ہے۔ پارسی انہیں اپنا نبی مانتے ہیں۔ ان کی نبوت کا امکان اس بنا پر بھی ہے قرآن مجید میں مجوس قوم کا ذکر آیا ہے مجوسیوں کا مذہب زرتشت کی لائی ہوئی کتاب ''آوستا'' پر مبنی ہے۔ آوستا کے متعلق ہم تک کچھ معلومات پہنچی ہیں۔ جب ہم اس کا قرآن مجید سے موازنہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کس کو کیا برتری حاصل ہے؟ زرتشت کی کتاب اس وقت کی ''زند'' زبان میں تھی۔ کچھ عرصے بعد ایران پر دوسری قوموں کا غلبہ ہوا۔ اور نئے فاتحین کی زبان وہاں رائج ہوئی۔ پرانی زبان متروک ہوتی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک بھر میں مٹھی بھر اور مخصصین کے سوا زند زبان جاننے والا کوئی نہ رہا۔ اس لیے زردشتی مذہب کے علماء نے نئ زبان پازند میں اس کتاب کا خلاصہ اور شرح لکھی۔ آج کل ہمارے پاس اس نسخے کا صرف دسواں حصہ موجود ہے۔ باقی غائب ہو چکا ہے۔ اس دسویں حصے میں کچھ چیزیں عبادات کے متعلق ہیں اور کچھ دیگر احکام ہیں۔ بہر حال دنیا کی ایک قدیم دینی کتاب کو ہم آوستا کے نام سے جانتے ہیں لیکن وہ مکمل حالت میں ہم تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ یہاں ایک چیز کا میں اشارۃً ذکر کروں گا۔ آوستا میں دوسری باتوں کے علاوہ زرتشت کا یہ بیان ملتا ہے: ''میں نے دین کو مکمل نہیں کیا۔ میرے بعد ایک اور نبی آئے گا جو اس کی تکمیل کرے گا۔ اس کا نام رحمتہ للعالمین ہو گا'' یعنی ساری کائنات کے باعث رحمت۔

ہندوستان میں بھی کچھ دینی کتابیں پائی جاتی ہیں۔ اور ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ خدا کی طرف الہام شدہ کتابیں ہیں۔ ان مقدس کتابوں میں وید، پران، اپنشد اور دوسری کتابیں شامل ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی نبی پر نازل ہوئی ہے۔ ممکن ہے متعدد نبیوں پر نازل ہوئی ہوں، بشرطیکہ وہ نبی ہوں، ان میں بھی خصوصاً ''پران'' نامی کتابوں میں کچھ دلچسپ اشارے ملتے ہیں ''پران'' وہی لفظ ہے جو اردو میں پرانا یعنی قدیم ہے۔ اس کی طرف ہمیں قرآن مجید میں ایک عجیب وغریب اشارہ ملتا ہے: (وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾) (۱۹۶:۲۶) (اس چیز کا پرانے لوگوں کی کتابوں میں ذکر ہے)۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا پران سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ بہر حال دس پران ہیں، ان میں سے ایک میں یہ ذکر آیا ہے کہ ''آخری زمانے میں ایک شخص ریگستان کے علاقے میں پیدا ہو گا۔ اس کی ماں کا نام، قابل اعتماد، اور باپ کا نام، اللہ کا غلام، ہو گا۔ وہ اپنے وطن سے شمال کی طرف جا کر بسنے پر مجبور ہو گا۔ اور پھر وہ اپنے وطن کی متعدد بار دس ہزار آدمیوں کی مدد سے فتح کرے گا۔ جنگ میں اس کا رتھ کو اونٹ کھینچیں گے۔ اور وہ اونٹ اس قدر تیز رفتار ہوں گے کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے'' اس کتاب میں مذکورہ الفاظ ہمیں ملتے ہیں ان سے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ مستنبط کیا جاسکے۔

ان پرانی کتابوں کے علاوہ، وہ کتابیں ہیں جو مسلمانوں میں بالخصوص معروف ہیں، یعنی توریت، زبور اور انجیل۔ قبل اس کے کہ قرآن مجید کا آپ سے ذکر کروں بطور تمہید ان کا بھی چند الفاظ میں ذکر کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل ہوئی وہ ''توریت'' کہی جاتی ہے۔ لیکن دراصل توریت اس

کتاب کا ایک جزو ہے، توریت کے معنی ہیں ''قانون''۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پانچ کتابیں منسوب کرتے ہیں، پہلی کتاب ''کتاب پیدائش'' کہلاتی ہے، دوسری کتاب ''کتاب خروج'' جو مصر سے نکلنے کے حالات پر مشتمل ہے، تیسری کتاب ''قانون'' ہے، چوتھی کتاب کا نام ''اعداد و شمار'' ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ یہودیوں کے قبیلے وار مردم شماری کی جائے۔ ان کو Up to date کیا جائے یا ان کی تشریح کی جائے، شروع شروع میں یہودیاں کے ہاں یہ پانچویں کتاب (تثنیہ) نہیں پائی جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوئی چھ سو سال بعد ایک جنگ کے زمانے میں ایک شخص ملک کے اس وقت کے یہودی بادشاہ کے پاس ایک کتاب لایا اور کہا کہ مجھے یہ کتاب ایک غار سے ملی۔ معلوم نہیں کس کی ہے، مگر اس میں دینی احکام نظر آتے ہیں۔ بادشاہ نے اپنے زمانے کی ایک نبیہ عورت کے پاس اس نسخے کو بھیجا (یہودیوں کے ہاں عورتیں بھی نبی رہی ہیں، یا کم از کم وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں) اس نبیہ نے جس کا نام ہلدا HULDA بیان کیا جاتا ہے، یہ کہلا بھیجا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی کتاب ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھ سو سال بعد اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جانے لگا۔ اس کتاب کو ''تثنیہ'' کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس میں پہلی چار کتابوں کے احکام میں سے کچھ احکام خلاصے کے طور پر اور کچھ اضافے کے ساتھ دہرائے گئے ہیں۔ بہر حال ان پانچ کتابوں کی سرگزشت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آنے والے انبیاء کے زمانے میں یہودیوں نے فلسطین کا کچھ حصہ فتح کیا۔ اور وہاں حکومت شروع کی تو کچھ عرصے بعد عراق کے حکمران بخت نصر (نبوکدنوصور) نے فلسطین پر حملہ کیا۔ چونکہ اس کا دین یہودیوں کے دین سے مختلف تھا اس لیے اس نے صرف ملک فتح کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان دشمنوں کے دین کو بھی دنیا سے نیست و نابود کرنے کے لیے توریت کے تمام قلمی نسخوں کو جمع کر کے آگ لگا دی۔ حتیٰ کہ توریت کا ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا۔ یہودی مورخوں کے مطابق اس کے ایک سو سال بعد ان کے ایک نبی ''حضرت عزرا'' Esdra نے جو (شاید حضرت عزیر (Uzair) علیہ السلام ہوں) یہ کہا کہ مجھے توریت زبانی یاد ہے۔ انہوں نے توریت املا کروائی۔ توریت کے اس اعادے کے کچھ عرصے بعد روما کے ایک حکمران نے فلسطین پر حملہ کیا۔ سپہ سالار کا نام انٹیوکس Antiochus تھا اس نے بھی وہی کام کیا جو بخت نصر نے کیا تھا۔ یعنی یہودیوں کی کتابیں جمع کر کے جلا دیں۔ اس طرح دوسری مرتبہ وہ نابود کر دی گئیں۔ اس کے کچھ عرصے بعد ایک اور رومی حکمران نے طیطس (Titus) نامی کمانڈر کی ماتحتی میں ایک فوج بھیجی اور اس نے تیسری مرتبہ، فلسطین میں دستیاب شدہ یہودیوں کی تمام کتابوں کو جلا دیا۔ اب ہمیں توریت کے نام سے جو کتاب ملتی ہے وہ بائبل کے حصہ عہد نامہ عتیق (Old Testament) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب پانچ کتابیں ہیں۔ یہ کتابیں تین چار مرتبہ کی آتش زدگی کے بعد اعادہ شدہ شکلیں ہیں۔ ان کا اعادہ کس طرح ہوا اور کس نے ان کا اعادہ کیا، اس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں۔ البتہ جو شخص ان کتابوں کو پڑھتا ہے تو اسے دو چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے۔

بعض اوقات اسے ایسی چیزیں نظر آتی ہیں، جو کھٹکتی ہیں اور اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ اصل میں نہ ہوں گی بلکہ بعد کا اضافہ ہیں۔ بعض مقامات پر کمی محسوس ہوتی ہے اور تشنگی باقی رہتی ہے۔ چنانچہ بعض چیزیں جو زیادہ ہو گئی ہیں وہ اس طرح ہیں کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ اس میں وہ باتیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پیش آئیں۔ اگر آپ کتاب "تثنیہ" پڑھیں تو اس کے آخری باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیماری، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تدفین اور اس کے بعد کے واقعات کا ذکر ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حصہ بعد کا اضافہ ہے۔ مگر یہ تو ایسی باتیں ہیں جنہیں ہر پڑھنے والا فوراً محسوس کر لیتا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں دیگر کتنی چیزوں کا اضافہ ہوا ہے جو غیر محسوس ہوں۔ اسی طرح جن چیزوں کی کمی نظر آتی ہے یا جن کا وہاں ہونا ضروری تھا مگر نہیں ہیں۔ وہ ایسی ہیں کہ کم از کم بیس مرتبہ اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں کہ اس حکم کی تفصیلیں فلاں باب میں ملیں گی۔ جن ابواب کے حوالے دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک باب کا نام "خدا کی جنگیں" اور ایک اور باب کا نام "مخلص اور نیک لوگوں کی کتاب" ہے۔ اور وہ باب سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ یہ کچھ باتیں توریت کے متعلق تھیں جو میں نے آپ سے بیان کیں۔ توریت ضخیم صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا کی بیشتر زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

توریت کے بعد مسلمانوں میں عام طور پر زبور کا نام لیا جاتا ہے اور ہمارا تصور یہ رہا ہے کہ یہ بھی توریت اور انجیل ہی کی طرح ایک مستقل کتاب ہے۔ لیکن عہد نامہ عتیق (Old Testament) میں جو چیز حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور جس کو وہ سام Psalm یعنی زبور کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس میں صرف خدا کی حمد و ثناء کی نظمیں ہیں، کوئی نیا حکم نہیں ہے۔ ہمارا یہ تصور ہے کہ ایک نبی ایک شریعت لاتا ہے لیکن اس کتاب میں ایسی کوئی نئی شریعت نہیں ملتی۔ تاہم جس طرح پرانی کتابوں میں (کتاب ادریس سے لے کر ایران کے آوستا تک) ایک آخری نبی علیہ السلام کی بشارت ملتی ہے اس طرح زبور میں بھی ایسی چیزیں ملتی ہیں۔ نیز جو سر گزشت توریت کی رہی، زبور کی بھی رہی ہے۔ اس لیے میں اس کو چھوڑ کر اب انجیل کا ذکر کرتا ہوں۔

انجیل کے متعلق مسلمانوں کا تصور عام طور پر یہ ہے کہ وہ ایک مستقل کتاب تھی جو خدا کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ لیکن ہمارے پاس عیسائیوں کے توسط سے جو انجیل پہنچی ہیں وہ ایک نہیں بلکہ چار انجیلیں ہیں، جو یہ ہیں: (۱) متی (MATTHEW) (۲) مرقس (MARK) (۳) لوقا (LUKE) (۴) یوحنّا (JOHN)۔ ہر انجیل ایک الگ آدمی کی طرف منسوب ہے۔ یہ چار کتابیں بھی ساری انجیلیں نہیں ہیں، بلکہ خود عیسائی مورخوں کے مطابق ستر سے زیادہ انجیلیں پائی جاتی تھیں، جن میں سے ان چار کو قابل اعتماد اور باقی کو مشتبہ قرار دیا گیا ہے، ان کو پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے الہام یا وحی پر مشتمل نہیں بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریاں ہیں۔ چار

شخصوں نے یکے بعد دیگرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری لکھی اور ہر ایک نے اس کو انجیل کا نام دیا۔ لفظ انجیل کے معنی ہیں ”خوشخبری“ اور اس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو حالات زندگی انجیل میں ملتے ہیں، ان کے مطابق عام طور پر وہ کسی گاؤں میں جایا کرتے تھے اور وہاں کے لوگوں سے کہتے تھے کہ میں بشارت دیتا ہوں کہ خدا کی حکمرانی اب جلد آنے والی ہے۔ شاید اس اساس پر کتاب کا نام بھی یہی ہو گیا۔ لیکن اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی کتاب نازل ہوئی تھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے لکھوایا نہیں اس لیے آج دنیا میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ اب جو انجیلیں موجود ہیں، ان کی حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے مختلف زمانوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریاں لکھیں اور ان سوانح عمریوں کو ہر مؤلف نے انجیل کا نام دیا۔ ان میں سے چار کو کلیسا نے قابل اعتماد قرار دیا ہے اور باقی کو رد کیا ہے۔ ان چار انجیلوں کے انتخاب کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں کہ ان کو کس نے انتخاب کیا، کب انتخاب کیا، اور کن معیارات کو سامنے رکھ کر انتخاب کیا؟ فرانس کا ایک مشہور مورخ ”والٹیر“ VOLTAIRE کے نام سے گزرا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کلیسا کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ جو ستر سے زائد انجیلیں ہیں اور ان کے مندرجات میں اختلافات بھی ہیں، ان میں سے صرف ان انجیلوں کا انتخاب کیا جائے جو قابل اعتماد ہوں۔ انتخاب کا یہ طریقہ کیا گیا کہ کلیسا میں ساری انجیلوں کو عبادت گاہ کے مقام کے پاس ایک میز پر جمع کیا گیا۔ پھر اس میز کو ہلایا گیا۔ جو کتابیں نیچے گر گئیں ان کو ناقابل اعتماد، اور ہلانے کے باوجود جو کتابیں میز پر باقی رہیں، ان کو قابل اعتماد قرار دیا گیا۔ یہ والٹیر کا بیان ہے۔ اس نے کس بنیاد پر یہ بات کہی ہے، یہ بتانا میرے لیے دشوار ہے۔ ظاہر ہے عیسائی لوگ اس کی تردید کرتے ہیں ایسی بات کہنے والا ان کے نزدیک جھوٹا اور بدمعاش تھا۔ بہر حال اس بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لکھوائی ہوئی کتاب دنیا میں موجود نہیں ہے۔ جو چیز اس وقت ہمارے پاس انجیل کے نام سے ملتی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریاں ہیں۔ انہیں ہم ”سیرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام“ کہہ سکتے ہیں، بعینہ جس طرح مسلمانوں کے ہاں سیرت نبوی کی کتابیں پائی جاتی ہیں۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ پر نازل شدہ احکام کو لکھوایا کیوں نہیں تھا؟ میرے ذہن میں جو جواب آتا ہے (ممکن ہے غلط ہو) وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان سے پہلے کے نبی، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو توریت نازل ہوئی تھی، اس کی کیا درگت بنی۔ دشمن حملہ کرتے ہیں، اس کی توہین کرتے ہیں اسے جلا دیتے ہیں اور نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ غالباً انہوں نے یہ سوچا کہ کہیں میری کتاب کا بھی وہی حشر نہ ہو۔ لہٰذا بہتر ہے کہ اسے لکھوایا ہی نہ جائے۔ اس طرح یہ کتاب لوگوں کے ذہنوں میں رہے گی۔ عبادت گزار نیک لوگ اسے ادب سے یاد رکھیں گے اور اپنے بعد کی نسلوں تک پہنچائیں گے۔ شاید یہی تصور ہو جس کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے انجیل کو نہ لکھوایا“۔ [1]

[1] خطباتِ بہاولپور۔ صفحات ۱۶ تا ۲۱

اس طویل اقتباس سے جو حقیقت واضح ہوئی وہ یہ کہ توریت کے نام سے پانچ کتابیں ہیں اور انجیل کی ستر ۷۰ سے زائد کتابیں تھیں جن میں سے اب صرف چار باقی ہیں اور عیسائی ان ہی کو مانتے ہیں جبکہ وہ پانچویں انجیل، انجیل بَرنَابّاس کو نہیں مانتے۔ یہاں پر ایک اور مختصر سا اقتباس ماہنامہ مسیحائی کراچی کے قرآن نمبر میں مولانا قاری احسان اللہ تبسّم کی تحریر کردہ اکنامک سرکل آف نارتھ امریکا (ICNA) کی قرآن کانفرنس کی روداد سے پیش ہے، جو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

"سابق مبلغ عیسائیت اور پادری شیخ یونس نے خوبصورت اور پُر مزاح گفتگو کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ سنایا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم ٹیکساس کے رہنے والے سفید فام اپنے مذہب میں بہت سخت ہوتے ہیں۔ ایک روز میں' میری بیوی' میرا باپ' ایک پادری' ایک مصری مسلمان کو عیسائی بنانے کے لئے اس سے گفتگو کر رہے تھے۔ اس موقع پر بائیبل کی ضرورت پڑی تو ہم چاروں اپنی بائیبل لے کر آئے۔ وہ چاروں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ قرآن کا بھی یہ حال ہوگا اس سے کہا کہ تمہارا قرآن بھی اسی طرح سے کئی طریقوں سے لکھا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا ہمارا قرآن ۱۴۰۰ سال سے ایک ہے بغیر تبدیلی کے، میں حیران رہ گیا۔"[1]

یہ اقتباس پڑھ کر خوش مت ہوئیے۔ نہ ہی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوئیے بلکہ اپنا سر پیٹئے، ماتم کیجئے، آنسو بہائیے، اللہ سے مغفرت مانگئے کیونکہ سلفیوں نے اب آپ کو مصری مسلمان کی طرح یہ جواب دینے کے قابل ہی نہیں چھوڑا کہ ہمارا قرآن ۱۴۰۰ سال سے ایک ہے، بغیر کسی تبدیلی کے۔ اب پندرھویں صدی ہجری (اکیسویں صدی عیسوی) میں چار انجیلوں کی طرح چار قرآن سعودی عرب سے شائع ہونے لگے، مختلف ناموں سے یعنی اوّل روایتِ حفص، (جو کہ چودہ سو سال سے متواتر چلی آرہی تھی اور پڑھی جارہی تھی)۔ دوم روایتِ قالون، سوم روایتِ وَرش اور چہارم روایت دُوری۔ (خیال رہے کہ معروف اناجیل بھی چار ہیں) ان چاروں روایاتِ قرآن میں اعراب، وقوف، الفاظ میں تقدم و تاخر اور آیات میں بھی اختلاف کر دیا گیا ہے چنانچہ روایت حفص میں ۶۲۳۶ آیات ہیں جبکہ دیگر تین روایتوں میں ۶۲۱۴ آیات ہیں۔ اور یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ قرآنی عربی میں اعراب (زبر، زیر، پیش) کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں جبکہ او قاف اور الفاظ کے تقدم و تاخر (الفاظ عبارت آگے پیچھے کر دینا) سے کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب آپ کمپیوٹر پر عیسائی ویب سائٹ کھولئے تو آپ کو یہ سوال بڑا بڑا لکھا ہوا ملے گا

WHICH QURAN? (کہ کونسا قرآن؟)

مزید یہ کہ لاہور پاکستان کے بارہ ۱۲ اہلحدیث محققین نے تین سال کی محنت سے سولہ ۱۶ اور اختلافی قراءتیں تیار کی ہیں جو کہ سعودی عرب یا کویت سے شائع ہونے والی ہیں۔ جبکہ ان سازشی دانشوروں کے خیال میں اسّی ۸۰ اختلافی روایاتِ قرآن ہیں یا اس سے بھی زیادہ جبکہ عیسائیوں کے ہاں ستر ۷۰ اناجیل تھیں جن میں سے صرف چار یا پانچ رہ گئی ہیں! اس طرح سے یہ حضرات بجائے سبیل المومنین پر چلنے کے سبیل الیہود و نصاریٰ پر چل پڑے ہیں! (اعوذ باللہ)۔ اور روایاتِ (نام نہاد) احادیث کی طرح قرآن کریم کے بھی راوی پیدا کر دیئے ہیں کہ فلاں نے یہ قراءت روایت کی اور

[1] ماہنامہ مسیحائی کراچی۔ قرآن نمبر ۲۰۰۸ء، مضمون قرآن مبین کا اعجاز تاثر از مولانا احسان اللہ تبسّم صفحہ ۱۶۹۔ ۱۷۰

فلاں نے یہ قراءت روایت کی۔ اس طرح سے روایتی اختلافات قرآن کریم میں بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ اس طرح سے اب بجائے ایک کے بیس [۲۰] قرآن دوکانوں، مدرسوں والا ئبریریوں میں ملا کریں گے۔ بیس نہیں بلکہ اکیس [۲۱]، اکیسواں قرآن کریم پچھلی صدی کے آخری ربعہ میں (۱۹۷۴ء) حدیثوں کو بنیاد بنا کر ایک مصری نژاد صوفی زادہ، امریکی، ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے سورہ التوبہ کی آخری دو آیات بانگ دہل نکال کر (کہ یہ دو آیات حضرت زیدؓ کو کسی صحابی کے پاس نہیں ملی تھیں سوائے حضرت ابو خزیمہ انصاریؓ کے) قرآن کی تمام آیات ۶۲۳۴ بنا کر پیش کیا۔ اس میں صرف پہلی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آیت شمار کیا باقی سورتوں کی بسم اللہ کو آیت نمبر نہیں دیئے لیکن جب ان غیر شمار شدہ ۱۱۲ بسم اللہ کو بھی آیت شمار کیا جائے تو آیات کی تعداد ۶۲۳۴ + ۱۱۲ = ۶۳۴۶ ہو جاتی ہے جو کہ ۱۹ سے پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے اسی طرح اگر اس تعداد کو یوں شمار کیا جائے ۶ + ۴ + ۳ + ۶ = ۶۳۴۶ تو بھی یہ ۱۹ سے تقسیم ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ اس نے اپنی ۱۹ کی تھیوری کو قرآن کا حسابی معجزہ بنا کر پیش کیا اور لوگوں کو متاثر کیا۔ امریکہ وغیرہ میں بہت لوگ اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ آخر دماغ کا خنّاس و تکبر چھا گیا اور اس نے پیغمبر (Messenger) (نبی نہیں) ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں کسی من چلے متشدّد مسلمان نے اسے ۱۹۹۰ء میں صبح قتل کر دیا۔ لیکن اس کے ماننے والے اس کی تنظیم چلا رہے ہیں اور امریکہ کی کئی ہزار لائبریریوں میں (علاوہ لوگوں کے ذاتی نسخوں کے) اس کا دو آیتیں کم والا قرآن کریم مترجم رکھا جا چکا ہے اور دنیا بھر میں بہت لوگوں کے پاس موجود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک عبقری (Genius) تھا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ (۳۰/۷۴) سے اس نے نمبر ۱۹ اٹھایا اور نہ معلوم کتنے طریقوں سے اس نے قرآن کریم کی آیات و سورہ الفاظ، مخففات و مقطعات وغیرہ پر جمع، تفریق، ضرب تقسیم کا عمل کر کے ۱۹ پر تقسیم کر کے دکھایا۔ وہ اتنے بڑے بڑے حساب تھے جو عام کمپیوٹرز کے شمار میں نہیں آتے تھے ا۔ اس کے لئے اس کو سُپر کمپیوٹرز استعمال کرنے پڑے۔ اسی لئے اس نے اس کو قرآن کا عظیم معجزہ کا نام دیا۔

(The great mathematical Mirade of the Quran)۔ اسے ساری دنیا میں سراہا گیا۔ پاکستان میں بھی اسے سراہا گیا اور کئی علماء و دانشوروں نے اس تھیوری کو معجزاتی قرار دیا اور اس پر کتابچے و مضامین لکھے۔ ہندوستان میں بھی اس پر لکھا گیا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر حسن الدین احمد جیسا آدمی اس سے متاثر ہو گیا اور اپنی کتاب **اَحْسَنَ الْبَیَانُ فِی علوم القرآن** میں "علم اعجاز" کے باب میں "ایک نئے اعجاز کا انکشاف" کی سرخی لگا کر لکھا:

"اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جیسے علم انسانی کو ترقی ہو گی، قرآن مجید کا اعجاز زیادہ واضح ہو گا۔ جب دنیا کمپیوٹر کے عہد میں داخل ہوئی تو قرآن مجید کا ایک ایسا اعجاز سامنے آیا جس سے علماءِ اسلام اس پر پہلے واقف نہ تھے۔ اس اعجاز سے ڈاکٹر راشد خلیفہ نے واقف کروایا [لے]۔

ریاضی جو سائنس کی دلیل تامہ ہے، ڈاکٹر خلیفہ نے کمپیوٹر کی مدد سے اسے قابلِ مشاہدہ ثبوت کے طور پر موضوع بحث بنایا۔ انہوں نے قرآن مجید کے حروف اور الفاظ کی گنتی کر کے یہ بتلایا کہ قرآن مجید کی صداقت اور دائمی حفاظت ایک ریاضیاتی اصول پر قائم ہے۔ اس طرح انہوں نے قرآن مجید کے ایک اور اعجاز کی نشاندہی کر کے مسلمانوں

لے۔ (ڈاکٹر حسن الدین احمد نے نام لکھنے یا سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ ان کا صحیح نام رشاد خلیفہ ہے۔)

کے ایمان کو پختہ کیا اور غیر مسلموں کو دنگ کر دیا۔

ڈاکٹر خلیفہ کے بموجب اس ریاضیاتی نظام کی کلید قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

عَلَيۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ؈ اس پر انیس ۱۹ (مقرر یا متعین) ہیں (۷۴/۳۰)

ڈاکٹر راشد خلیفہ کے نظریہ کے بموجب انیس ۱۹ کے عدد اور اس نظام کو قرآن مجید کے حروف اور الفاظ وغیرہ سے خاص تعلق ہے اور انہوں نے بے شمار مثالیں دی ہیں"[۱]

آگے وہ اسی صفحہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر راشد خلیفہ کے عقائد میں خطرناک حد تک بگاڑ پیدا ہوا اور غالباً اسی بنا پر فروری ۱۹۹۰ء میں کسی نے انہیں قتل کر دیا۔ لیکن جہاں تک ان کے زیر بحث نظریہ کی بات میں اس کا کوئی تعلق عقائد سے نہیں بلکہ حقائق سے ہے۔ اسی بناء پر مایہ ناز عالمِ دین اور شیخ المناظر، شیخ احمد دیدات (ولادت:۱۹۱۸ء) نے ڈاکٹر خلیفہ کی تحقیقات اور ان کے دیئے ہوئے اعداد و شمار کا اقتباس ایک مختصر رسالہ Al-Quran the Ultimate Miracle میں شامل کر کے شائع کیا۔ اس رسالہ کا اُردو ترجمہ کروانے کی سعادت راقم الحروف کو حاصل ہوئی۔ جناب علی احمد جلیلی کے اس ترجمہ کو "القرآن۔ معجزہ تامہ" کے نام سے فاسن چیریٹیبل ٹرسٹ مدراس سے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ اسی رسالہ کا ایک اور ترجمہ قرآن...... آخری معجزہ کے نام سے نومبر ۱۹۸۷ء میں پاکستان سے شائع ہوا۔ اس رسالہ میں شیخ احمد دیدات لکھتے ہیں:

اس رسالہ میں میں نے اس حیرت انگیز انکشاف کا جو برف کی ایک مہیب چٹان Iceberg کی مانند ہے۔ صرف ایک سرا ہی چھوا ہے"۔[۲]

تبصرہ: میں عرض کرتا ہوں کہ عام طور پر لوگ اس محنت شاقہ سے متاثر ہو گئے یا دھوکہ کھا گئے (الا ماشاء اللہ) عبد القدوس ہاشمی مرحوم نے اور شاید کسی ایک آدھ اور نے اس تھیوری کے خلاف آرٹیکل لکھا) جبکہ ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب بھی اس تھیوری سے متاثر ہو گئے، گو کہ انہوں نے اس کو غیر عقائدی حقیقت قرار دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تھیوری ڈاکٹر صاحب تک سیکنڈ ہینڈ سے پہنچی ہے یعنی انہوں نے اس کو اس کے اصل مقام سے نہیں لیا۔ اس کا اصل مقام یہ ہے کہ ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے سب سے پہلے اپنی تھیوری کیلئے (نام نہاد) حدیث ... ... پر اندھا بھروسہ کیا کہ سورہ التوبہ کی آخری دو آیات صرف حضرت ابو خزیمہؓ انصاری کے پاس ملیں (اس طرح وہ خبر واحد ہوئی) تو ان کو قرآن کریم کی آیات ۶۲۳۴ + ۱۱۲ = ۶۳۴۶ ہوئیں تو انیس پر پوری پوری تقسیم ہو گئیں۔ لیکن اگر پہلی بسم اللہ کو مروجہ یا معروف طریقہ کے مطابق ایک شمار نہ کیا جائے اور صرف سورہ الحمد کی آیات سات شمار کی جائیں تو پھر غیر شمار شدہ بسم اللہ کی تعداد ۶۲۳۴ + ۱۱۳ = ۶۳۴۷ ہو جاتی ہے جو کہ انیس ۱۹ سے پوری پوری تقسیم نہیں ہوتی اور ڈاکٹر صاحب کی تھیوری شروعات ہی میں ناکام یا غلط ثابت ہو جاتی ہے۔ دوسری حقیقت یہ کہ قرآن حکیم کی دو

[۱] اَحسَنِ الْبَیَانِ فِیْ علوم القرآن۔ از ڈاکٹر حسن الدین احمد۔ طباعت اویس گرافکس، نارائن گوڑہ حیدر آباد۔ انڈیا۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء۔ صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱... [۲] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱

آیات نکالنے کا حق ڈاکٹر خلیفہ کو کس نے دیا؟ کیا یہ کھلی ہوئی تحریفِ قرآن نہیں؟ اس لئے یہ غیر عقائدی حقیقت نہیں بلکہ عقائد سے بھی بڑھ کر اصولی اور ایمانی حقیقت ہے کہ کیا وہ دونوں قرآنی آیات ہیں یا نہیں۔ اگر ڈاکٹر رشاد خلیفہ یہ تحریف قرآن نہ کرتے تو اس کی حسابی تھیوری کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے گر جاتی ہے۔ تیسری حقیقت یہ کہ ڈاکٹر رشاد خلیفہ پکّا منکرِ حدیث ہونے کے دعویدار تھے تو پھر حدیث کیسے مان لی؟ کیا یہ کھلی منافقت نہیں؟ چوتھی بات یہ کہ ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے پیغمبر (Messenger) ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان کے مطابق شرعی پیغمبر صرف تین ہیں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام، دوسرے محمد ﷺ اور تیسرے (نعوذ باللہ) ڈاکٹر رشاد خلیفہ (جو کہ کیمیا Chemistry کے Ph.D اور مصر کے ایک صوفی کے بیٹے تھے)

ان حقیقتوں پر نہ تو ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب نے اور نہ ہی شیخ احمد دیدات نے غور کیا اور صرف سُنی سنائی سیکنڈ ہینڈ احادیث (بمعنی بات داستان) پر اعتماد کر کے اپنی اپنی کتاب میں لکھ دیا۔ (تبصرہ ختم)

اب ذرا پاکستان کا حال بھی دیکھ لیجئے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی گیا کہ احمد دیدات کی کتاب کا ترجمہ پاکستان میں بھی ہوا۔ اس کے علاوہ اور حضرات نے بھی خامہ فرسائی کی۔ بہر حال انجینئر محمد راشد فاروقی صاحب[1] نے "قرآن اور ۱۹۔ حیران کن انکشافات" کے نام سے ۲۰۰۳ء میں ایک کتاب بھی لکھ ڈالی۔ مگر افسوس کہ ان سے بھی وہی غلطی ہوئی ہے جو ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب سے ہوئی ہے کہ کتاب میں انہوں نے یہ حقیقت نہیں لکھی کہ ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے منافقت کر کے پہلے قرآن کریم میں تحریف کی پھر اپنی تھیوری "بنا کر ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اگر وہ بغیر تحریف کئے اس کو ثابت کر سکتے تو پھر یہ یقیناً اعجازِ قرآن ہوتا اور حسابی معجزہ۔ انجینئر صاحب نے کم از کم سو صفحات لکھے ہیں۔ انہون نے ایسا کیوں کیا کہ اتنی بڑی حقیقت سے چشم پوشی کی؟ کیا وہ ڈاکٹر صاحب کے معتقد و پیروکار ہو گئے ہیں؟ انہون نے ڈاکٹر خلیفہ پر اندھا اعتماد / اعتقاد کیا جیسا کہ اہلحدیث محدثین پر کرتے ہیں۔ اس کی کوئی تو وجہ ہو گی۔ ان کی کتاب میں اور بھی کمزوریاں ہیں مثلاً: انہوں نے شروع ہی میں "قرآن مجید کی سورتیں" ترتیبِ قرآن، ترتیب نزول اور دیگر تفصیلات" کے زیرِ عنوان ہر سورت کی کل آیات کی تعداد بھی کہیں سے نقل کی ہے۔ یہ تفصیل کتاب کے پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ آخر میں کل آیات ۶۲۳۶ لکھی ہیں۔ جبکہ تحریر شدہ نمبروں کا مجموعہ ۶۲۳۶ نہیں بلکہ ۶۲۶۷ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ان آیات کو جمع کرنے کی زحمت تک گوارا نہیں کی! دوسری بات کہ سورۃ التوبہ کی آیات کی تعداد انہوں نے ۱۲۹ دی ہے۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب نے وہ تعداد دو آیات نکال کر ۱۲۷ شمار کی ہے۔ اور پورے قرآن کریم کی آیات کی تعداد ۶۲۳۴ بتائی ہے اس میں غیر شمار کردہ بسم اللہ کی تعداد ۱۱۲ ملا کر کل آیات کی تعداد (۶۲۳۴ + ۱۱۲) = ۶۳۴۶ بتائی ہے، یہ تعداد ۱۹ سے پوری تقسیم ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تھیوری کی بنیاد ہی یہ شق ہے مگر انجینئر صاحب نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا! شاید وہ تحریف قرآن کو جائز یا صحیح مانتے ہیں اس لئے چشم پوشی کر گئے اور

[1] قرآن اور ۱۹۔ حیران کن انکشافات۔ مؤلف انجینئر محمد راشد فاروقی۔ M.Sc انجینئرنگ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا برکلے۔ USA۔ فل برائٹ اسکالر........ محرک و معاون جناب حق نواز اختر صاحب واشاعت دوم اپریل ۲۰۰۸ء حصول کتاب کیلئے دار الاشاعت اردو بازار کراچی نیز صدیقی ٹرسٹ کراچی۔ (صدیقی ٹرسٹ نے بھی اس سلسلہ میں رشاد خلیفہ کا ایک خطاب The Perpetual Miracle of Muhammad کے نام سے شائع کیا تھا)

کتاب میں زیادہ زور حرف مقطعات وغیرہ پر لگایا ہے۔ انجینئر صاحب کے بقول خود:

"خود میرا تعلق بھی ایک دینی گھرانے سے ہے۔ اس وقت جو لوگ زندہ ہیں ان میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب مرحوم کا شاید سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں"[1] مگر موصوف نے اپنی کتاب میں کئی جگہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو دیگر دیوبندیوں اور اہلحدیثوں کی طرح اَن پڑھ بلکہ محض اَن پڑھ لکھا ہے اور یہ ترجمہ قرآنی لفظ "اُمّی" کا کیا ہے! جبکہ اُمّی کے معنی ان پڑھ یا جاہل نہیں بلکہ بغیر کتاب والے ہیں۔ اور یہ لفظ اہلِ کتاب کے مقابلہ پر استعمال ہوا ہے۔ دیکھئے (۲۰/۳، ۳/۴۶، ۷۵/۴۶، ۳/۱۵۶، ۱۵۸/۶) خیر یہ تو اپنے اپنے دینی یعنی قرآنی فہم کی بات ہے جو کہ جملہ معترضہ کے طور پر آ گئی اصل بات تو قرآن کریم میں تحریف کی چل رہی تھی کہ ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے ۱۹۷۴ء میں قرآن کریم سے دو آیات نکال کر تحریفِ قرآن کی۔ اس پر ہمارے نام نہاد علماء کرام کا کیا ردِّ عمل ہوا؟ کچھ نہیں! گویا کہ انہوں نے اس تحریف کو مان لیا/ جائز قرار دیا۔ اور اس کے بعد خود تحریفِ قرآن کی تیاریوں میں لگ گئے۔

تفصیل اس اجمال یا واردات کی کچھ یوں ہے کہ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۳ء میں "الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ناظم آباد کراچی نے ایک کتاب "اعجاز القرآن و اختلاف قراءت" از جامع العلوم، محدث العصر، علامہ تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی مرحوم (متوفی نومبر ۱۹۷۲ء) کی شائع کی۔ اس کے حرفِ اوّل کے مطابق:

"علامہ تمنّا عمادی کی ایک اہم تصنیف "اعجاز القرآن" جس کا زمانہ ہوا، پہلا حصہ اشاعت پذیر ہوا تھا اور باقی حصے منتشر مضامین کی شکل میں تھے، ان سب کو بسیار تلاش و جستجو کے بعد یکجا کر کے ایک جامع تصنیف کی صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ کتاب کیا ہے قرآن کی حقانیت کے ثبوت کے طور پر ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کس طرح تواتر زمانی و مکانی کے عمل سے گزر کر آج تک اپنی اصل حالت میں موجود ہے"[2]

اس کتاب میں حصہ چہارم "محاذِ قراءت" کے نام سے اختلافاتِ قراءات سے متعلق ہے۔ جس کو علیحدہ سے بھی "سبعہ اور عشرہ اختلافِ قراءت اور قرّاء حضرات" کے نام سے اسی ٹرسٹ نے شائع کر دیا (تاریخ اشاعت کتاب میں تحریر کردہ نہیں)۔ اس کتاب میں علامہ صاحب مرحوم نے بخاری وغیرہ کی روایت کہ "قرآن مبین سات قراءتوں میں یا سات حروف پر نازل ہوا" کو ردّ کیا ہے۔ مزید یہ کہ دشمنانِ قرآن کا پھیلایا ہوا عقیدہ کہ نزولِ قرآن کے وقت اور قرنِ اوّل میں قرآنی الفاظ پر نقطے نہیں تھے کا بھی ردّ کیا ہے۔ اسی کتاب کے آخر میں جناب رحمت اللہ طارق صاحب فاضلِ حدیث، مکہ مکرمہ، کا ایک مقالہ بنام "اختلاف قراءت کا پس منظر۔ تاریخ اور ماخذ" بھی شامل کیا گیا تھا جس میں رحمت اللہ طارق صاحب نے ثابت کیا تھا کہ مودودی صاحب کا اپنی تفسیر اور دیگر تصانیف میں متعدّد مقامات پر اختلاف قراءات کا عقیدہ اور عربی حروف پر نقاط نہ ہونے کا نظریہ غلط ہے نیز یہ کہ اختلافِ قراءات کا پہلا مصنف شیعی محدث ابان بن تغلب (متوفی ۷۵۸م، ۱۴۱ھ) تھا۔ پھر یکے بعد دیگرے درج ذیل شیعہ اہل علم نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی: سعد بن ابو جعفر بن محمد بن سعد ان عرف ضریر (متوفی ۸۴۵م، ۲۳۱ھ)، محمد بن حسن ابن ابی سارہ عرف ابو جعفر رواسی کوفی (متوفی ۷۹۶م، ۱۸۰ھ) استاد فراد کسائی، حمزہ بن حبیب زیات کوفی شیعی (متوفی ۷۷۳م، ۱۵۷ھ) کتاب

---

[1] .... ایضاً ۱۷ ...... [2] اعجاز القرآن و اختلاف قراءت از جامع العلوم، محدث العصر علامہ تمنّا عمادی، مجیبی پھلواروی، شائع کردہ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، ۳-۷۔ اے بلاک نمبر ا ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰، طباعت اوّل ۱۹۹۳ء

القراءت وغیر ہم۔ یہاں پر رحمت اللہ طارق صاحب مرحوم سے ایک اور اہم نام چھوٹ گیا: ابی عبد اللہ احمد بن محمد السیاری (متوفی ۸۸۱م،۲۶۸ھ) کی کتاب القراءات / والتنزیل والتحریف۔ اس کتاب نے غالی دیوبندیوں اور اہلحدیث کی صفوں میں کھلبلی مچادی۔ تلاش شروع ہوئی کہ اس کتاب کا جواب یارڈ کون لکھے؟ پاکستان میں کوئی قاری یا عالم تیار نہیں ہوا تو سعودی عرب میں مقیم شیخ القراء قاری محمد طاہر رحیمی صاحب سے رابطہ کیا گیا تو وہ جواب یارڈ لکھنے پر راضی ہو گئے۔

ان کو علامہ تمنا عماڈی صاحب مرحوم کی کتاب بھیجی گئی تو وہ سعودی ائرپورٹ پر ضبط ہو گئی۔ پھر کوشش کی گئی مگر ناکامی ہوئی............ آخر کسی طرح سے ایک کتاب اسمگل کر کے ان کو پہنچائی گئی۔ انہوں نے بڑی محنت شاقہ سے اس کارڈ ۱۴۲۰ھ میں نو سو ۹۰۰ صفحات پر بنام "دفاع قراءات" لکھا[1]۔ یہ غالی دیوبندیوں کی ایک حق پرست دیوبندی جامع العلوم، محدث العصر کے خلاف بڑی فتح تھی۔ اب اہلحدیث اس معاملہ میں کیوں پیچھے رہتے انہون نے "دفاع قراءات" کی مطابقت میں اس سے تین چار گنا ضخیم مواد مہیا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ انہوں نے کئی سال کی محنت شاقہ سے تقریباً ایک سو مضامین (زندہ و مردہ دونوں طرح کے لکھنے والوں کے) مہیا کر کے جمع کئے اور ان کو اپنے ماہنامہ "رُشد"[2] میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ ماہنامہ حفاظ گروپ آف انڈسٹریز / روپڑی حضرات کے قائم کردہ" جامعہ لاہور الاسلامیہ" کا ترجمان ہے۔ خیال رہے کہ اب سے تقریباً سو سال پہلے جب ہندوستان میں مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب مرحوم نے پہلی اور منفرد تفسیر القرآن فی القرآن (بنام "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن") لکھی تو روپڑی اور غزنوی حضرات اہلحدیث ہی نے قرآن دشمنی میں اس تفسیر پر اودھم مچادیا اور اس کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا کہ تفسیر (نام نہاد) احادیث سے لکھنا چاہئے تھی اور یہ غیر سلفی طریقہ ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب مرحوم کو اس تفسیر کے چند مقامات سے رجوع کرنا پڑا اور پھر سلفی طریقہ پر اردو میں تفسیر ثنائی لکھنا پڑی۔

اس ماہنامہ "رُشد" کا پہلا حصہ قراءات نمبر کے نام سے مبنی بر ۷۲۰ صفحات جون ۲۰۰۹ء میں شائع کیا گیا۔ دوسرا حصہ مبنی بر ۹۳۶ صفحات ستمبر ۲۰۰۹ء میں شائع کیا گیا اور تیسرا حصہ مبنی بر ۱۰۴۰ صفحات مارچ ۲۰۱۰ء میں شائع کیا گیا۔ ان خاص نمبروں کے (تقریباً ۲۷۰۰ صفحات) کی اشاعت کا مقصد متنوع قراءات قرآنیہ جو کہ سات قراءات سے زائد ہیں کی حجیّت و ثبوت اور دیگر متعلقہ معلومات فراہم کر کے مسلم قوم کو ایک قرآن سے ہٹانا تھا۔ ان تینوں ماہناموں میں کچھ مضامین غالی دیوبندی علماء اور باقی اہلحدیث علماء کے ہیں۔ گویا کہ ایک قرآن کے ۲۰ یا ۸۰ قرآن بنانے کی سازش میں یہی دونوں شامل ہیں۔ اور اپنے سِفلی اور سَلفی مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ اختلاف قراءات پر سب سے پہلے لکھنے والے یعنی شیعہ حضرات اور ان کا ذیلی فرقہ بریلوی حضرات نے اس سِلفی منصوبہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ اس سازش یعنی مختلف قراءات اور تحریفِ قرآن پر ماہنامہ رُشد کے قراءات نمبر کے بعد جو سب سے پہلے اور ضخیم کتاب لکھی گئی وہ ایک شیعہ عالم ہی نے لکھی بنام "اٹھو! قرآن کا دفاع کرو" از جناب علی شرف الدین صاحب، دار الثقافۃ الاسلامیہ کراچی پاکستان (محرم الحرام ۱۴۳۱ھ، مطابق ۲۰۱۰ء صفحات ۵۴۸)۔

[1] "دفاع قراءات" از قاری محمد طاہر رحیمی صاحب۔ شائع کردہ ادارہ کتب طاہریہ' جامع رحیمیہ اشاعت القراءات مسجد باب رحمت محمد معصوم روڈ مغل آباد۔ ملتان ۱۴۲۰ھ......[2] ماہنامہ رُشد۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ۔ ۹۹۔ جے، ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ٹیلیفون نمبر: 35866476،35866396

دوسری کتاب ایک معتدال اہلحدیث عالم جناب حافظ عبد الکریم اثری صاحب نے بنام ”قرآن کریم اور سبعہ احرف“ فروری ۲۰۱۱ء میں انجمن اشاعتِ اسلام (رجسٹرڈ) ٹھٹھہ عالیہ، ضلع منڈی بہاؤ الدین۔ گجرات سے شائع کی (صفحات ۲۴۰)۔ تیسری کتاب، بلکہ دو تین کتابچے ایک منکرِ حدیث عالم جناب عزیز اللہ بوھیو صاحب نے سندھ ساگر اکیڈمی، نوشہرو فیروز۔ سندھ سے شائع کئے۔ ان دونوں سازشی عناصر کی کامیابی یہ ہے کہ ان کی سفلی کاوشوں کے نتیجہ میں، سعودی عرب و کویت وغیرہ کے علمی وشاہی حلقوں میں انہوں نے کافی نفوذ کر لیا ہے کہ سعودی عرب سے نا صرف ایک مصحف قرآن برصغیر کے رسم وضبط کے مطابق بھی طبع کیا جاتا ہے بلکہ وہاں سے دیوبندی تفسیر عثمانی اور اہلحدیث تفسیر محمدی بھی شائع کر کے حجاج وغیرہ کو تقسیم کی جاتی ہے۔ جبکہ ماہنامہ ”رُشد“ جون۔ جولائی ۲۰۰۹ء کی خبر کے مطابق، اس وقت دنیا میں ڈاکٹر رشاد خلیفہ کے طبع شدہ قرآن کریم (جس میں سے سورہ التوبہ کی آخری دو آیات بہانگِ دہل نکالدی گئی ہیں) کے علاوہ کم از کم چار قراءات کے قرآن کریم پچھلے چند سالوں سے طبع کرا کر حجاج میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

(۱) سعودی عرب کے ادارہ مجمع الملک فھد الطباعتہ القرآن الکریم سے المصحف المدینۃ المنورہ عرصہ سے شائع ہو رہا ہے جو کہ روایت حفص کہلاتا ہے۔ اس میں ۶۲۳۶ آیات ہیں اور یہ روایت برّصغیر پاک وہند، مشرق وسطیٰ اور سعودی عرب، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، ملائشیا وغیرہ میں پڑھی جاتی ہے اور وہاں طبع بھی ہوتی ہے۔ مجمع الملک فھد کی جانب سے ایک مصحف روایت حفص ہی کے مطابق برّصغیر پاک وہند کے رسم وضبط کے مطابق بھی طبع کیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ مصحف برّصغیر پاک وہند میں صدیوں سے طبع کیا جاتا ہے مگر اس میں سعودی طبع شدہ مصحف کے مقابلہ میں اعراب اور رموز واو قاف وغیرہ میں کچھ اختلاف ہوتا ہے۔

(۲) اس روایت حفص کے علاوہ مجمع الملک فھد نے دیگر روایاتِ قراءات میں سے چند سال پہلے روایت وَرش کے مطابق قرآن کریم طبع کیا۔ اس میں آیات کی تعداد ۶۲۱۴ ہے اور یہ روایت بقول رُشد والوں کے ’ مغرب‘ جزائر‘ تیونس‘ ماریطانیہ‘ سنیگال‘ چاڈ اور نائیجیریا میں پڑھی جاتی ہے اور وہاں بھی اس روایت کی طباعت شروع ہو گئی ہے۔

(۳) روایت ورش کے علاوہ مجمع الملک فھد کی طرف سے روایت دُوری کے مطابق بھی چند سال پہلے قرآن کریم طبع کیا گیا۔ اس میں آیات کی تعداد ۶۲۱۴ ہے اور یہ روایت مغربی وافریقی ممالک اور سوڈان وغیرہ میں پڑھی جاتی ہے اور وہاں ابھی اس کی طباعت ہوتی ہے (بقول رُشد والوں کے)

(۴) روایت دوری کے علاوہ مجمع الملک فھد کی طرف سے روایت قالون کے مطابق بھی چند سال سے قرآن کریم طبع کیا جا رہا ہے۔ جس میں آیات کی تعداد ۶۲۱۴ ہے۔ اور بقول رُشد والوں کے یہ روایت لیبیا، تیونس، الجزائر، ماریطانیہ اور افریقہ کے کئی ممالک میں پڑھی جاتی ہے اور وہاں بھی اس کی طباعت ہوتی ہے۔ ان چاروں روایات قراءات کے قرآنی مصاحف لاکھوں کی تعداد میں مذکورہ ممالک کے حاجیوں کو سعودی حکومت کی طرف سے تحفہ کئے جاتے ہیں۔ ان چاروں روایات کے مصاحفِ قرآنی، مختلف ممالک کے طبع شدہ، مکتبہ کلیّۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور اسلامیہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان روایات میں پایا جانے والا وہ اختلاف، جو کتب قراءات میں موجود تھا، مصاحف کی شکل میں عملی طور پر سامنے آ گیا ہے۔ مزید یہ کہ کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ کے فضلاء میں سے تقریباً بارہ محقق

اساتذہ نے محنت شاقہ سے تین سال کے عرصہ میں، تمام متداولہ قراءات میں سولہ [16] مصاحف اور تیار کر لئے ہیں جو کویت کے عالمی ادارہ حامل المسک الاسلامیہ کی سربراہ تنظیم "لجنۃ الزکاۃ للشامیۃ والشویخ" کے تعاون سے شائع کئے جائیں گے۔ اس سازش کو رُشد والے "اپنی نوعیت اور جامعیت کے حوالے سے تاریخ اسلامی کا پہلا اور یگانہ حیثیت کا کام [1] قرار دیتے ہیں۔ ہم بھی تو یہی عرض کر رہے ہیں کہ تاریخ اسلام کے چودہ سو سال میں قرآن دشمنی میں اتنی زبردست اور کامیاب سازش کبھی نہیں ہو سکی اور وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان اور اہل توحید کہنے والوں ہی کے ذریعہ کہ سات مختلف لہجات میں پڑھی جانے والی قراءاتِ قرآن کریم کو غیر لہجاتی طور پر پہلے عشرہ بنایا گیا اور پھر اب بیس بنا کر اس کو کتابی شکل بھی دی جا رہی ہے تاکہ مختلف اناجیل کی طرح مختلف قرآن ہو جائیں۔ (معاذ اللہ)

یہ اہلِ رُشد یا (محقّق) رُشدی یہ کہتے ہیں کہ ان بیس قراءتوں کو طبع کرا کر لائبریریوں میں رکھوا دیا جائے گا [2]۔ اور عوام الناس میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ غور کیجئے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ طبع ہونے کے بعد مختلف مصاحف لوگوں تک نہ پہنچیں؟ نیز یہ کہ لائبریریوں میں کون جاتا ہے؟ کیا عوام الناس قرآن کریم لائبریری میں جا کر پڑھتے ہیں؟ نہیں وہاں تو عام طور پر صاحبِ علم یا طالب علم یا پھر مستشرقین اور دشمنِ قرآن ہی جا کر دیکھتے ہیں۔ تو جب ان کو لائبریریوں میں اکیس مختلف روایات کے مصاحف ملیں گے تو ان کا کیا تاثر ہو گا؟ کیا ردِ عمل ہو گا؟ کیا وہ یہ سوال نہ کریں گے کہ ان میں سے کونسا مصحف صحیح ہے؟ (Which Quran?) یا کونسا نازل شدہ ہے؟ .... رشدی جواب دیں گے کہ قرآن کریم تو سات قراءتوں پر نازل ہوا تھا تو وہ کہیں گے کہ وُہ سات مصاحف اوّل دکھاؤ۔ جبکہ تمہارے پاس تو صرف ایک مصحف عثمانی ہی ہے! نیز یہ کہ اگر قرآن کریم سات قراءتوں پر نازل ہوا تھا یا سات [7] قرآن کریم مختلف قراءتوں کے نازل ہوئے تھے تو پھر اب اکیس [21] کہاں سے آ گئے؟ مجھے نہیں معلوم کہ رُشدی کیا جواب دیں گے! بہر حال ایک رُشدی ہی کی تحریر سے ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن صرف اور صرف تواتر سے ثابت ہوتا ہے اور یہ تواتر صرف قراءات عشرہ میں موجود ہے، جو قراءات ان کے علاوہ ہیں وہ شاذ ہیں، ان پر قرآن کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اور نہ ہی اس کی تلاوت نماز میں جائز ہے۔ اس لئے وہ قراءات جو احادیث میں آئی ہیں، ان میں اگر اتصال سند اور تواتر کی شرط پائی جاتی ہیں تو اسے قبول کر لیا جائے گا، ورنہ رَدّ کر دیا جائے گا، اگرچہ وہ ثقہ، عادل، امام، حجت ہی کیوں نہ ہو اور وہ قراۃ مصاحب عثمانی کے بھی موافق ہو اور نحوی وجہ کے بھی موافق ہو۔ یہ کوئی نئی اصطلاح نہیں ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک کے محقق علماء کا اس بات پر اتفاق ہے۔" [3]

غور کیجئے کہ موصوف کیا کیا عُقدے حل کر گئے اور کیا کیا گُل کھلا گئے:

(ا)۔... قرآن صرف اور صرف تواتر سے ثابت ہوتا ہے یعنی وہ قرآن کریم کے تحریر شدہ ہونے کا انکار کر گئے یونکہ

---

[1]۔ ماہنامہ رُشد، قراءات نمبر حصہ اوّل۔ صفحہ ۶۷۸۔...... [2]۔ خیال رہے کہ ڈاکٹر رشاد خلیفہ کا انگریزی میں ترجمہ شدہ ۶۲۳۴ آیات والا قرآن کریم، اس ہی کی زندگی میں امریکہ کی دو ہزار لائبریریوں میں رکھا جا چکا تھا۔...... [3]۔ ایضاً۔ مضمون "احادیث مبارکہ میں وارد شدہ قراءات......... ایک جائزہ" از ڈاکٹر احمد عیسیٰ المعصراوی۔ ترجمہ وانتخاب: عمران حیدر۔ صفحہ ۲۰۔

اس طرح وہ اپنی قراءات عشرہ کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں جو کہ اپنی تخلیق کے وقت سے غیر تحریر شدہ یعنی غیر کتابی شکل میں ہیں! موصوف کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو قرآن کریم کو الکتٰب (۲/۲) اور وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ (۲، ۳/۵۲) یعنی تحریر شدہ بتارہا ہے جو رسول صبح وشام املا کرا کے تحریر کرواتے تھے (۵/۲۵) ظاہر ہے کہ موصوف ان آیاتِ کریماتِ الٰہی کے منکر ہیں محض اس جوش میں کہ بناوٹی قراءات عشرہ کو ثابت کیا جاسکے۔

.(۲)۔... موصوف اور تمام رشدیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم سات قراءتوں پر نازل ہوا (بموجب احادیث) تو پھر سات کی عشرہ یعنی دس کیسے بن گئیں؟

.(۳)۔... موصوف نے اپنے اقتباس میں لکھا ہے کہ قراءات عشرہ کے علاوہ جو قراءات ہیں وہ شاذ ہیں۔ تو پھر عشرہ قراءات کو رشدیوں نے بیس قراءات کیسے بنادیا؟ ظاہر ہے کہ وہ شاذ ہیں جبکہ انہیں بھی طبع کیا جارہا ہے۔ کہئے ہے نا شیطانی یا سفلی سازش!

.(۴)۔... ان قراءات شاذہ پر قرآن کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور نہ ہی اس کی تلاوت نماز میں جائز ہے۔ اس لئے ایسی وہ قراءات جو حدیث میں آئی ہیں (چاہے صحیح ہونے کی کتنی ہی شرائط پر وہ پوری اترتی ہوں ماسوا اتصال سند اور تواتر کے) ان کو ردّ کر دیا جائے گا! اس طرح، دوسرے الفاظ میں، موصوف خود (نام نہاد) احادیث کو بے اعتباری بنا گئے!

.(۵)۔... موصوف لکھتے ہیں کہ اس طرح حدیثی روایاتِ قراءات کو ردّ کرنا کوئی نئی اصطلاح نہیں ہے بلکہ نبی کریم سلامٌ علیہ کے زمانے سے لے کر آج تک کے محقق علماء کا اس بات پر اتفاق ہے۔ افسوس کہ موصوف کو یہ بھی نہیں معلوم کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں اور قرنِ اوّل وغیرہ میں اُن جیسے محقق علماء نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی اُن کی بیس قراءات ہوتی تھیں۔ نہ ہی درس نظامی ہوتا تھا (جس میں قرآن کریم پڑھایا ہی نہیں جاتا تھا یا صرف سورہ البقرہ پڑھائی جاتی تھی) نہ ہی درسِ حدیث تھا، نہ ہی درسِ فقہ تھا۔ نہ ہی تحقیق کی ضرورت ہوتی تھی کہ علماء کے پیدا کردہ اختلافات جمع کر کے اس کو تحقیق کہا جائے! پتہ نہیں یہ لوگ کس کے اشارے پر یا کس کے زیرِ سایہ مسلم قوم کو گمراہ کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ اللہ ان سے مغفر عطا فرمائے۔

اسی اقتباس کے موافق ایک اور رُشدی کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"خلاصہ کلام: علم قراءات اجتہادی نہیں، بلکہ سما اور نقل سے ثابت ہے اور اس کا ماخذ وحی الٰہی ہے قراءات عشرہ کے علاوہ باقی تمام قراءات شاذہ ہیں ...."[۱]

.(۱)۔... غور فرمایئے کہ اوپر بھی رُشدی صاحب قراءات عشرہ کے علاوہ باقی قراءات کو شاذہ قرار دے چکے اور ان صاحب نے بھی شاذہ قرار دیدی۔ مگر پھر بھی رُشدی صاحبان عشرہ قراءات کے علاوہ عشرہ مزید تیار کر چکے ہیں جو کہ کویت سے شائع ہونا ہیں! کہئے کیا یہ عمل شیطانی یا سفلی نہیں؟

.(۲)۔... نیز غور کیجئے کہ موصوف علمِ قراءات کا ماخذ وحی الٰہی قرار دے رہے ہیں تو کیا اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ

[۱] ایضاً۔ صفحہ ۳۰۷، مضمون: "قراءات شاذہ........ تعارف اور شرعی حیثیت" از حافظ عمران ایوب لاہوری، مدیر ادارہ "فقہ الحدیث فاؤنڈیشن" لاہور۔

قراءات شاذہ کا ماخذ بھی وحی الٰہی ہے اور انہیں رُشدی مصحفِ قرآن بنا کر شائع کرنے والے ہیں۔ کیا اس سے بڑی بھی تحریفِ قرآن اور شیطانی عمل کوئی ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی ایسے شیطانوں کے لئے فرمادیا ہے کہ لکھتے وہ اپنے ہاتھ سے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے (۲/۷۹)

خود رُشدیوں میں سے ایک رُشدی کا اپنے مضمون میں لکھا ہوا ایک فقرہ انہی لوگوں پر کس قدر فِٹ بیٹھتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے، جو شعوری یا غیر شعوری طور پر مستشرقین کی ملمع کاریوں کی بھینٹ چڑھا ہے، بالخصوص یورپین اور جرمن استشراقی تحریکوں کے نتیجے میں اہلِ اسلام کے اندر ایسے لوگ پائے گئے، جنہوں نے مستشرقین سے زیادہ اسلام کو نقصان پہنچایا ہے" ۔[1]

غور کیجئے کہ مستشرقین یا صلیبیوں یا صہونیوں پر الزام دھرنے والے خود اس اسلام دشمنی یا قرآن دشمنی میں ملوث رہے ہیں اور اب بھی ملوث ہیں۔ بلکہ فاضل لیکچرر صاحب نے سارا نزلہ بالخصوص یورپین اور جرمن استشراقی تحریکوں پر ڈال دیا اور مجوسی و بہائی پارسیوں کو کس خوش اسلوبی سے بچا گئے جبکہ مستشرقین اور مسلمانوں میں موجود طبقہ انہی کا خوشہ چیں ہے اور وہی ان کے سلف ہیں۔ ایک قرآن کے اکیس یا بیس قرآن مستشرقین نہیں بنا رہے بلکہ مسلمانوں میں موجود طبقہ یعنی "سَلفی" یہ کام بہانگِ دہل کر رہے ہیں۔

پیچھے ماہنامہ رُشد کے رُشدی صاحب، ڈاکٹر احمد عیسیٰ المعصراوی صاحب یا ان کے مترجم وانتخاب کرنے والے عمران حیدر صاحب (رکن مجلس التحقیق الاسلامی، جامعہ لاہور الاسلامیہ) یہ بتانے کے بعد کہ محدثین نے اپنی (نام نہاد) احادیث کے مجموعوں میں سینکڑوں روایات قراءات سے متعلق ذکر کی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ یہ متعلقہ روایات مندرجہ ذیل اقسام پر مبنی ہیں:

(۱)۔... یا تو وہ نبی کریم سلامٌ علیہ کی طرف منسوب ہیں یا کسی صحابی کی طرف۔ (یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ تمام روایات رسول کی طرف منسوب بھی نہیں!)

(۲)۔... ان احادیث میں کچھ صحیح اور کچھ صحت کے لحاظ سے کمزور ہیں!

(۳)۔... کتب احادیث میں مذکور احادیث سند کے اعتبار سے تو صحیح ہیں، لیکن رسم عثمانی کے مخالف ہیں۔

(۴)۔... ان میں کچھ قراءات متواترہ بھی ہیں۔

(۵)۔... بہت ساری احادیث تو آدابِ تلاوت سے تعلق رکھتی ہیں اور کچھ رسم اور کلمات قرآنیہ کے اختلاف کی ادائیگی سے اور کچھ قرآن اور قراءات کے آپس کے تعلق کے بارے میں ہیں۔

(۶)۔... یہ کتب سنن ان قراءات کی توجیہہ وغیرہ سے خالی ہیں، کیونکہ ان میں تو صرف احادیث کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ان کتب سُنن میں مذکور قراءات کو قبول یا رَدّ کرنے کی بنیادی تین شرائط ہیں جن کو امام جزری نے اپنی کتاب طیبۃ النشر (نظم) میں ذکر کیا ہے۔

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۱۴۔ مضمون "قراءاتِ قرآنیہ اور مسلم متجدّدین" از محمد فیروز الدین شاہ کھگہ۔ لیکچرر یونیورسٹی آف سرگودھا۔

. .فکل. ما. وافق. وجه. نحو   وکان للرسم احتمالا یحوی
..وصح .اسناد. هو. القرآن   .فهذه. .الثلاثة. .الارکان
.وحیثما یختل رکن أثبت   .شذوذه. لوأنه. فی. .السبعة

پس ہر وہ قراءت جو کسی نحوی وجہ کے موافق ہو اور رسم عثمانی کے بھی موافق ہو چاہے احتمالاً ہو اور اس کی سند صحیح ہو تو وہ قرآن ہے یہ تین بنیادی شرائط ہیں اور جب بھی ان میں سے ایک شرط بھی زائل ہو جائے گی تو وہ قراءت شاذ ہے۔ اگرچہ قراءات سبعہ میں سے ہی کیوں نہ ہو"۔[1]

اوپر روایاتِ قراءات کی اقسام جو صحاح ستہ وغیرہ میں جمع کی گئی ہیں ان کو ایک مرتبہ اور پڑھئے اور نتیجہ اخذ کیجئے۔ میں تو آپ کی توجہ اس کے آخری جملہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مندرجہ بالا تین شرائط میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی زائل ہو جائے تو وہ قراءت شاذ ہے اگرچہ قراءات سبعہ میں سے ہی کیوں نہ ہو۔

.(۱)۔... غور کیجئے کہ اس اصول کے تحت تو تین شرائط میں سے دو (پہلی اور تیسری) شرائط بذاتِ خود غیر قرآنی ہیں تو پھر قرآن کریم کی کیا حیثیت رہ گئی؟ قرآن کے قرآن ہونے کا معیار یہ شرائط یا قراءات ہو گئیں! کیا یہ قرآن کریم کی حیثیت گھٹانے کی ترکیب نہیں؟

.(۲)۔... تین شرائط میں سے جب بھی کوئی ایک شرط زائل ہو جائے گی تو وہ قراءت شاذ ہے چاہے وہ قراءات سبعہ میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اس طرح تو قراءات سبعہ بھی سات نہیں رہیں گی۔ جبکہ سلفی حضرات تو ان سات ہی کو دس [۱۰]، پھر بیس [۲۰] اور اسّی [۸۰] بنا چکے ہیں جن میں سے بیس کی اشاعت تو شاید مکمل ہونے والی ہے۔

غور کیجئے کہ سات قراءات کی دس [۱۰] اور بیس [۲۰] قراءات کون بنا رہا ہے؟ جبکہ یہی رُشدی صاحب کا اقتباس ہم پیچھے دے چکے ہیں کہ ان کے نزدیک تواتر صرف قراءات عشرہ میں موجود ہے جو قراءات اُن کے علاوہ ہیں وہ شاذ ہیں، ان پر قرآن کا حکم نہیں لگایا جا سکتا گویا کہ انہی حضرت نے سات قراءات کی دس قراءات بنا لیں اور پھر ان کے دیگر رُشدی ساتھیوں نے دس کی بیس تیار کر دیں اور شاید اب اسّی [۸۰] مکمل کرنے کی تیاری ہو۔ (خیال رہے کہ شروع کی صدیوں میں انجیلیں بھی ستر [۷۰] تھیں۔ تو اگر قرآن بھی اَسّی [۸۰] ہو جائیں گے تو کیا حرج ہے)۔ معاذ اللہ۔ کہئے کیا ان حقائق سے قراءات سبعہ کی پوزیشن واضح نہیں ہو جاتی؟ اگر نہیں سمجھ آئی تو مزید ملاحظہ ہو کہ یہی رُشدی صاحب (عمران حیدر) اوپر کے امام ابن جزریؒ کی نظم کے تین اشعار لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ:

"مذکورہ اشعار میں امام ابن جزریؒ نے ان تین شرائط کا ذکر کیا ہے جن کو امت سے تلقی بالقبول حاصل ہے وُہ یہ ہیں:

.(۱)۔... متصل السند ہو،

.(۲)۔... رسم عثمانی کے موافق ہو اگرچہ احتمالاً ہی ہو،

.(۳)۔... نحوی وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہو۔

یہ تین شرائط قراءات عشرہ میں کامل و اکمل طور پر پائی جاتی ہیں' چنانچہ علامہ صفاقسیؒ غیث النفع میں فرماتے ہیں

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۹۔

کہ ''شاذ وہ ہے جو متواتر نہ ہو اور آج کے دَور میں قراءات عشرہ کے علاوہ تمام قراءات شاذ ہیں''

علامہ ابن جزریؒ فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے میں جن قراءات میں یہ تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں، وہ قراءات عشرہ ہیں، جن کو پوری امت سے تلقی بالقبول حاصل ہے''۔(منجد المقرئین:ص۱۶) ''[1]

غور کیجئے کہ:

.(۱)۔... کیا امت تلقی بالقبول کے معنی جانتی ہے؟

.(۲)۔... یہ تلقی بالقبول کا اصول کس نے دیا؟ اللہ یا رسول نے یا عجمی مُلّانے؟

.(۳)۔... کیا امت اس عقیدہ سے واقف ہے کہ قرآن کریم ایک نہیں سات قراءات میں نازل ہوا تھا؟

.(۴)۔... کیا امت ان سات، دس، بیس قراءتوں کو قبول کر چکی ہے یا لکیر کی فقیر ایک ہی قراءت کو قرآن سمجھتی ہے؟

.(۵)۔... موصوف کے نزدیک امام ابن جزری کی تینوں شرائط قراءات عشرہ میں کامل و اکمل طور پر پائی جاتی ہیں! کتنا زبردست دعویٰ ہے!

.(۶)۔... علامہ صفاقسی (یہ کون ہیں، کس دَور کے علامہ ہیں؟ یہ کچھ نہیں لکھا!) کے مطابق شاذ وہ ہے جو متواتر نہ ہو اور ''آج کے دَور میں قراءات عشرہ کے علاوہ تمام قراءات شاذ ہیں'' !

لیجئے ان علامہ صاحب نے تو رُشدیوں کا دس قراءتوں کو بیس [20] بنا کر شائع کرنے کا سارا پلان ہی برباد کر دیا۔ گویا کہ رُشدی شاذ قراءات کو قرآن بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کیا اس سے بڑی بھی شیطانی حرکت کوئی ہو سکتی ہے؟

.(۷)۔... علامہ صفاقسی ہی کے ہم خیال امام ابنِ جزری ہیں کہ وہ بھی صرف قراءات عشرہ ہی کو بتا رہے ہیں کہ ان میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں جن کو پوری امت سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ بیچارہ امام صاحب کو تو یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ امت تو تلقی بالقبول کے معنی بھی نہیں جانتی، نہ ہی وہ قراءات کے بارے میں جانتی ہے کہ امام صاحب نے دس، دس قراءتیں بنائی ہوئی ہیں جن میں بہت سے اختلافات ہیں۔ امت تو صرف یہ جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک کتاب (الکتاب) نازل فرمائی ہے۔ اور وہ ایک ہی زبان اور ایک ہی طرح سے پڑھی جاتی ہے سوائے لہجاتی فرق کے جو کہ فطری حقیقت ہے۔ شاید امام صاحب کا حال بھی ہماری مساجد کے پیش امام جیسا ہے کہ اسے تو...... .... دونوں (علامہ و امام صاحب) ہی کے مطابق قراءات عشرہ کے علاوہ جو کچھ ہے وہ شاذ ہے یعنی وہ قرآن نہیں۔ یہی بات بقول عمران حیدر صاحب کے ڈاکٹر سامی عبد الفتاح ہلال اپنی کتاب ''محاضرات فی القراءات الشاذہ '' کے صفحہ ۳ اور ۴ میں یوں رقم طراز ہیں:

''صدر اول سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب تک کوئی قراءۃ نقل تواتر سے ثابت نہیں ہو جاتی اس وقت تک نہ تو اسے مصحف میں لکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی بطور قرآن اس کی تلاوت کرنا جائز ہے '' [2]

[1]۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۹۔...... [2]۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۹۔

.(۱)۔... غور کیجئے کہ یہ بیچارہ ڈاکٹر صاحب بھی اپنے سلف ہی کے مقلد ہیں کہ دعوہ کر رہے ہیں کہ صدرِ اوّل سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ صدرِ اوّل سے آج تک کے مسلمان کہاں جمع ہوئے تھے جو یہ اجماع وجود میں آگیا؟؟؟

.(۲)۔... بہر حال موصوف نے بھی یہ فتویٰ دیدیا کہ غیر متواتر قراءۃ نہ تو مصحف میں لکھی جاسکتی ہے اور نہ ہی بطور قرآن اس کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ مطلب صاف ہے کہ علامہ اور امام صاحب ہی کی طرح موصوف بھی قراءات عشرہ کے علاوہ کو متواتر قراءۃ ماننے کو تیار نہیں اور انہیں شاذ سمجھتے ہوئے بطور قرآن تلاوت نہیں کیا جاسکتا۔ مگر افسوس کہ رُشدی صاحبان سات ۷ سے دس ۱۰، سے بیس ۲۰ قراءات بنا کر کویت والوں کی مدد سے شائع کرنے کی تیاری کر چکے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی پارسی سلف کا مشن پورا کر رہے ہیں کہ اللہ کی الکتاب کو بھی اناجیل وغیرہ کی طرح ایک نہ رہنے دو بلکہ بیس ۲۰ کتابیں بنادو!! معاذ اللہ

اب ذرا اس اجماع کا حال بھی دیکھتے چلئے جس کے لئے لکھا جارہا ہے کہ "صدرِ اوّل سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے.........." ہم تو پہلے ہی یہ اعتراض اُٹھا چکے کہ صدرِ اول سے آج تک کے مسلمان کب اور کہاں جمع ہوئے جو اجماع ہوا؟ (اجماع بمعنی کسی مسئلہ پر متفق ہونا) چلئے امت کے جمع ہونے کو چھوڑیئے، یہی بتادیجئے کہ صرف آج کے مسلمان ہی کسی مسئلہ میں متفق ہیں؟؟؟ چلئے مسلمانوں کو چھوڑیئے وہ تو تقریباً ڈیڑھ ارب ہیں، صرف یہی بتادیجئے کہ مسلمانوں کے علماء وفضلا ہی کسی مسئلہ میں متفق ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا اجماع کب اور کہاں ہوا جو فیصلہ کیا گیا؟؟ کیا یہ سب کچھ مفروضہ یا غیر حاضری ہی سے منعقد نہیں کیا جارہا ہے؟؟

ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ اجماع کا چکر محض ڈھکوسلہ ہے اس کا نام لے کر عام مسلمانوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے کہ فلاں مسئلہ پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس کی زندہ مثال ہم آپ کو ایک رُشدی صاحب ہی کے اقتباس سے بتاتے ہیں۔ چنانچہ اسی رسالہ 'رُشد' کے پہلے حصہ میں قاری صہیب احمد میر محمدی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے "قراءات کا ثبوت......... اِجماعِ امت کی روشنی میں" اس میں وہ فرماتے ہیں[1]۔

> "ہاں شیعہ نے اس اجماع سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ وہ تواتر قراءات کی نفی کرتے ہیں، لیکن اس گمراہ کُن فرقہ کا اختلاف امتِ اسلامیہ کے لئے مضر نہیں ہے۔ امتِ اسلامیہ کا قراءات کے متواتر ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (اُثر القراءات فی الفقہ الاسلامی ص ۱۳۰ تا ۱۳۲)[2]

غور کیجئے کہ اس اقتباس نے کیا کیا واضح کر دیا:

.(۱)۔... شیعہ نے (سَلفیوں کے) اس اجماع سے بیزاری کا اظہار کیا ہے، جبکہ سَلفیوں کا دعویٰ ہے کہ امت اسلامیہ کا اس پر اجماع ہے۔ تو کیا شیعہ امت اسلامیہ میں شامل نہیں؟ حالانکہ سنّیوں کے بعد شیعہ امتِ اسلامیہ کی سب سے بڑی اکثریت ہے۔ موصوف نے شیعوں کو امت اسلامیہ سے خارج کر کے کافر قرار نہیں دیا اس لئے وہ امت اسلامیہ ہی میں شمار کئے جائیں گے اور اسی وجہ سے خود موصوف نے خصوصی طور پر ان کا حوالہ دیا۔ نیز ساری دنیا بھی ان کو امت

[1]۔ موصوف مدیر کلیۃ القرآن الکریم والتربیۃ الاسلامیۃ، مرکز البدر، بھائی پھیرو ہیں اور فاضل کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ ہیں
......[2]۔ ایضاً۔ صفحہ ۶۰

اسلامیہ ہی کا فرقہ تسلیم کرتی ہے۔

.(۲)۔... موصوف نے شیعہ فرقہ کو گمراہ کُن فرقہ ضرور قرار دیا مگر ان کو فرقہ قرار دے کر یہ تسلیم کرایا کہ وہ بھی امت اسلامیہ میں شامل ہیں (حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو امتِ اسلامیہ نہیں کہتے بلکہ امتِ مومنین یا امتِ ملّتِ جعفریہ کہتے ہیں)

.(۳)۔... "شیعوں کا اختلاف امتِ اسلامیہ کے لئے مضر نہیں ہے" یہ کہہ کر یہ تسلیم کر لیا کہ امت اسلامیہ کا اجماع پوری امت کا نہیں بلکہ صرف سَلفیوں کا ہے۔ اس لئے ان کو کوئی نقصان نہیں۔

.(۴)۔... پھر یہ ہٹ دھرمی ہے کہ "امتِ اسلامیہ کا قراءات کے متواتر ہونے پر اجماع ہو چکا ہے"۔

یعنی خود مان رہے ہیں کہ شیعہ فرقہ اس اجماع سے بیزاری رکھتا ہے پھر بھی کہتے ہیں کہ امتِ اسلامیہ کا قراءات کے متواتر ہونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ یہ ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ دھاندلی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم کہتے ہیں امت اسلامیہ کا اجماع ہے۔ تو ہے۔ تم (سمع وبصر وافئدہ) عقل اور آنکھیں بند کر کے مان لو۔ ورنہ ہم کفر کا اور مرتد ہونے کا فتویٰ لگا دیں گے۔ یونکہ فتویٰ لگانا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یونکہ ہم ہی اسلام کے ٹھیکیدار ہیں۔ دوسرا اہم نکتہ یہ کہ رُشدی صاحبان منکرینِ حدیث سے بے انتہا ناراض ہیں تو وہ بھی تو ان کے اجماع میں شریک نہیں اور ان کی ۲۰ یا ۸۰ قراءات کو نہیں مانتے .... تو پھر اجماع امت کیسے منعقد ہو گیا؟ یہ سب جھوٹ ہے۔ انہی سَلفی رُشدی صاحب کا ایک اور مضمون[1] اسی اشاعت میں بعنوان "قرآن کریم کی روشنی میں ثبوتِ قراءات" شائع ہوا ہے۔ اس میں موصوف قرآن کریم کی ایک بھی آیت بطور عبارت النّص پیش نہیں کر سکے کہ قرآن کریم ایک نہیں سات [7] یا دس [10] یا بیس [20] قراءتوں میں نازل ہوا تھا۔ نص صریح قرآنی تو بڑی بات ہے وہ کوئی اشارۃ النّص تک پیش نہ کر سکے۔ بس قوم کو دھوکہ دینے کیلئے مضمون کا عنوان "قرآنِ کریم کی روشنی میں ثبوتِ قراءات" رکھ دیا۔ ہم تو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر سچے ہو تو قرآن کریم سے کوئی آیت پیش کرو کہ قرآن کریم سبعہ احرف یا دس ۱۰، بیس ۲۰، ستر ۷۰ یا اسّی ۸۰ اختلافی قراءات میں نازل کیا گیا تاکہ صرف عرب قبائل اس کو پڑھ سکیں وہ تمام الناس کیلئے نہیں۔ موصوف نے اپنے اس پورے مضمون میں چودہ ۱۴ آیات پیش کی ہیں مگر ایک میں بھی مختلف قراءات کے نازل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ اتنا بڑا عقیدہ اور اس کا قرآن کریم میں ذکر صریح تو بڑی بات کوئی اشارہ تک نہیں! کہئے کیا کوئی عقیدہ بغیر قرآن کے غیر قرآن سے بن سکتا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۲	یہ ایک کتاب ہے آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں، سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہو اور نصیحت ہے ایمان والوں کیلئے ۝
اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۳	تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو۔ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو ۝

سورۃ الاعراف۔ آیت۔ ۲۔ ۳ ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی صاحب

[1]۔ ایضاً صفحہ ۱۲۔۸

غور کیجئے کہ ان دو آیات نے کیا کیا وضاحتیں کر دیں:

.(۱)۔... صرف ایک کتاب یعنی القرآن یا الکتاب نازل کی گئی۔ نام نہاد حدیث و سنت کی کتابیں نہیں نازل کی گئیں نہ ہی قرآن کی مختلف و متنوع قراءات کی کتابیں نازل کی گئیں۔

.(۲)۔... یہ ایک کتاب اس لئے نازل کی گئی کہ اس کے ذریعہ ہی سے ڈرانا ہے (نام نہاد) حدیث کی یا دیگر کتب سے نہیں ڈرانا ہے۔

.(۳)۔... آپ کے دل میں اس سے تنگی نہ ہو کہ اس ایک کتاب کے علاوہ دوسری کتابوں سے کیوں روک دیا گیا۔

.(۴)۔... اس ایک کتاب کے علاوہ سے یوں روک دیا گیا کہ ایمان والوں کیلئے تو یہی نصیحت ہے بس۔

.(۵)۔... تم لوگ صرف اس ایک کتاب کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے۔

.(۶)۔... اس نازل شدہ ایک کتاب کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں (اماموں، مولاناؤں، علاموں، پیروں، ولیوں وغیرہ) کی کتابوں (مثل نام نہاد احادیث، فقہ، فتاویٰ، مقالات، ارشادات وغیرہ) کی اتباع نہ کرو۔

.(۷)۔... اتنا کچھ واضح طور پر بتا دینے کے باوجود تم لوگ (ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے) بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

غور کیجئے کہ اللہ رب العزت کے ان واضح احکامات کے بعد کیا کوئی عقیدہ اس ایک کتاب کے علاوہ سے بنایا جا سکتا ہے؟ ان آیات نے تو القرآن الکریم کے علاوہ دیگر اماموں اور عجمی یا پارسی شہ پاروں کو یکسر ختم کر دیا، صفر کر دیا۔ جب قرآن مبین سات [۷]، دس [۱۰]، بیس [۲۰]، ستر [۷۰]، یا اسّی [۸۰]، قراءاتِ قرآن کا کہیں ذکر یا اشارہ تک نہیں کرتا تو پھر قراءات مختلفہ و متنوعہ کا عقیدہ بنانا اور انہیں تحریری شکل میں لا کر طباعت کرانا کیا کھلی ہوئی قرآن مبین کے خلاف سازش نہیں؟؟ کیا یہ قرآن دشمنی نہیں؟؟ ایسا کام کون کر سکتا ہے؟ یقیناً یہ کام قرآن دشمن سلفی و رشدی ہی کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ ہم ایسے کام کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اور اس سے مدد چاہتے ہیں

موصوف رشدی صاحب نے اپنے مذکورہ مضمون میں ایک آیت کریمہ درج کی ہے:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ ۱۰۶۔ الاسراء

ہم نے قرآن کو حصے حصے کر کے اس لئے تقسیم کر دیا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اس کو بالکل آہستہ آہستہ نازل کیا ہے[۱] ﴿۱۰۶﴾

قطع نظر موصوف کے آیت کریمہ کے ترجمہ کے یہاں یہ عرض کر دوں کہ مولانا محمد جوناگڑھی صاحب کے ترجمہ قرآن کے تفسیری حاشیہ میں مولانا صلاح الدین یوسف صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

فَرَقْنَاهُ کے ایک دوسرے معنی بَيَّنَّاهُ وَأَوْضَحْنَاهُ۔ (ہم نے اسے کھول کر یا وضاحت سے بیان کر دیا ہے) بھی کئے گئے ہیں" (قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس ۱۴۱۷ھ) جبکہ مولانا محمد جوناگڑھی صاحب نے ترجمہ کیا ہے:

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۸

"قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے اتارا ہے کہ آپ اسے بہ مہلت لوگوں کو سنائیں اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا۔" (صفحہ ۷۹۶)

اور جناب مسعود احمد صاحب نے ترجمہ کیا ہے:

"اور (اے رسول) ہم نے قرآن کو اجزاء (میں نازل) کیا ہے تا کہ آپ اسے وقتاً فوقتاً لوگوں کو سناتے رہیں اور ہم نے اس کو (اسی مصلحت سے) اتارا بھی رفتہ رفتہ ہی ہے"۔ (ترجمہ، ۲۰۰۷ھ، صفحہ ۴۱۶) آپ کے سامنے یہ تینوں ترجمے اہل حدیثوں ہی کے ہیں آپ جس کو سمجھیں کہ یہ عربی متن کے زیادہ قریب ہے مان لیں۔ بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حصے حصے کر کے تقسیم کرنے کا نہیں فرمایا جیسا کہ موصوف رشدی صاحب نے ترجمہ کیا ہے۔ واللہ عالم وہ اس تقسیم سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں ہاں البتہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو اس آیت کریمہ میں اور نہ ہی کہیں اور پورے قرآن مبین میں یہ کہا کہ ہم نے ایک نہیں سات [7]، دس [10]، بیس [20]، ستر [70] یا اسّی [80]، قرآن اتارے اور یہ اس لئے اتارے کہ یہ ایک دوسرے کی تشریح کرتے جائیں (معاذ اللہ) دوسری بات قابل غور اس آیت کریمہ میں یہ ہے کہ اس میں لفظ لِتَقْرَاَهٗ استعمال ہوا ہے جس کے معنی تا کہ آپ پڑھیں اس کو (اوپر لوگوں کے) یعنی پڑھ پڑھ کر سنائیں؟ اس قرآن کو (نام نہاد حدیث، فقہ، فتاویٰ کو نہیں)۔

اسی طرح دوسرے مقامات قرآن پر فرمایا کہ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا۔ کہ اللہ کا رسول تو اللہ تعالیٰ کی آیات ہی تلاوت کر کے سناتا ہے۔ نام نہاد احادیث، فقہ، فتاویٰ یا قراءات مختلفہ متنوعہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے لے کر آخر تک پڑھ جایئے یہی بات دہرائی گئی ہے کہ رسول سلامٌ علیہ تو آیات ہی کی تلاوت کر کے سناتا ہے (دیکھئے ۱۲۹ /۲ ، ۱۵۱ /۲ ، ۱۶۴ /۳ ، ۵۹ /۲۸ ، ۲ /۶۲ ، ۱۱ /۶۵ اور ۲ /۹۸) یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ رسول تو صرف آیات قرآن ہی پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور اسی سے انذار کرتے تھے، اسی سے نصیحت کرتے تھے، اسی سے تزکیہ کرتے تھے اور اسی سے حکمت کی باتیں بتاتے تھے۔ نام نہاد احادیث، فقہ، فتاویٰ و قراءات مختلفہ و متنوعہ کا کوئی وجود نہیں تھا یوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سلامٌ علیہ نے بھی تمام صحابہ کو قرآن کریم کے علاوہ کچھ اور جمع کرنے یا لکھنے سے منع کر دیا تھا۔ (۵۸ /۱۰) اور قرآن کریم ہی کو کافی (۵۱ /۲۹) قرار دے دیا تھا۔ (حَسْبُنَا کِتٰبُ اللّٰہِ)

اب ذرا اوپر ماؤلانہ صلاح الدین یوسف صاحب کے فَرَقْنٰہُ کے بنائے ہوئے معنوں پر بھی غور کر لیجئے کہ "ہم نے اسے کھول کر یا وضاحت سے بیان کر دیا ہے" تو جب قرآن کو اللہ تعالیٰ ہی نے قرآن ہی میں (۳۳ /۲۵) کھول کر یا وضاحت سے بیان کر دیا ہوا ہے تو پھر اس سے بہتر اور کون کھول کھول کر یا وضاحت سے بیان کر سکتا ہے۔ اس لئے قرآن کو قرآن مبین اور کتاب مبین کہا گیا ہے (دیکھئے ۱۵ /۵، ۵۹ /۶، ۶۱ /۱۰، ۶ /۱۱، ۱ /۱۲، ۱ /۱۵، ۲ /۲۶، ۱ /۲۷، ۶۹ /۳۶) جبکہ ہمارے مُلا و مترجمیں اور مفسرین اس کے مخالف عقیدہ رکھتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مبین مجمل اتارا ہے اس کی تشریح و توضیح رسول سلامٌ علیہ کریں گے۔ چنانچہ سورہ النحل کی آیت کریمہ نمبر ۴۴ میں لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ کا ترجمہ "آپ لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دیں" کیا جاتا ہے جو کہ قرآن مبین اور کتاب مبین کے بالکل خلاف ہے یونکہ جو چیز پہلے ہی کھول کھول کر واضح کر کے بیان کر دی گئی ہو وہ ہی مبین کہلائے گی اور اسے مزید واضح

کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لئے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ کے معنی ہوں گے کہ آپ لوگوں سے (من و عن) بیان کر دیجئے۔ لفظ تبین کے معنوں کے لئے مزید دیکھئے ۱۶/۳۹، ۱۶/۶۴، ۱۶/۸۹، ۱۶/۹۲، ۲/۱۵۹، ۳/۱۰۳، ۳/۱۱۸، ۳/۱۸۷، ۴/۲۶، ۲/۱۸۷، ۴/۱۷۶، ۲/۲۱۹، ۲/۲۶۶، ۲/۴۶، ۹/۱۱۴، ۹/۱۱۵، ۱۴/۴، ۷۵/۱۹) مذکورہ آیت کریمہ کے فوراً بعد' موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"جبریل علیہ السلام نے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھایا، ویسے آپؐ نے اپنے صحابہ کو پڑھایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب جبریل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بغور سنتے اور جب وہ واپس چلے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کی طرح پڑھتے تھے (صحیح البخاری:۵)"[1]

پہلا جملہ موصوف رشدی صاحب کا ہے جو کہ ان کی پیش کردہ چار آیات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

.(۱)۔... پہلے اسی پر غور کر لیجئے کہ موصوف نے جبریل کے نام کے ساتھ سلام کے وہ الفاظ لکھے ہیں جو انہی ملاؤں نے انبیاء کرام کے لئے مخصوص کئے ہوئے ہیں (اور شیعہ فرقے نے اپنے خود ساختہ اماموں کے لئے مخصوص کئے ہوئے ہیں)۔ اس طرح سے وہ جبریل کو انبیاء کے برابر لے آئے! حالانکہ جبریل نے تو آدم کو سجدہ کیا تھا اس طرح تو وہ آدم اور بنی آدم کا خادم ہوا نا کہ برابر!

.(۲)۔... موصوف کا عقیدہ کہ جبریل نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو پڑھایا۔ گویا کہ خادم اب رسول کا استاد بن گیا!

.(۳)۔... اب آگے وہ بخاری کی ایک روایت لے آئے کہ جب جبریل وحی لے کر آتے تو آپ سلامٌ علیہ اسے بغور سنتے اور جب وہ واپس چلے جاتے تو آپ سلامٌ علیہ بالکل جبریل کے پڑھنے کی طرح پڑھتے تھے!

سوال پیدا ہوتا ہے کہ راوی روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو کیسے معلوم ہوتا تھا کہ رسول نے بالکل جبریل کے پڑھنے کی طرح پڑھا تھا کیا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جبریل کے پڑھنے کو سنتے تھے جو یہ فتویٰ دے رہے ہیں کہ رسول بالکل ویسا ہی پڑھتے تھے؟ اگر جبریل کا پڑھنا ایسا تھا کہ اس کو رسول کے علاوہ دیگر حاضرین مجلس بھی سن لیں تو پھر جبریل کی اور رسول سلامٌ علیہ کی ضرورت ہی کیا رہی؟ اللہ تعالیٰ بغیر رسول مبعوث کئے وہاں کے دانشوروں یا مترفین کی مجلس میں جبریل کو بھیج کر اپنا القرآن پڑھوا کر سنوا دیتا اور لکھوا بھی دیتا۔ تو زیادہ لوگوں کا بیک وقت سنا ہوا اور لکھا ہوا قرآن زیادہ مستند و معتبر ہوتا۔ پھر کوئی مشرک اعتراض بھی نہیں کر سکتا تھا کہ رسول نے یہ خود لکھ لیا ہے۔ غور کیجئے کہ اس وقت کے مشرکین کیا تقاضا کرتے تھے کہ قرآن ہم پر کیوں نہیں نازل ہوا؟ (۴۳/۳۱، ۱۷/۹۳)

ذرا سوچئے کہ جبریل کوئی انسان نما مخلوق تھا کہ آتا تھا، پڑھتا تھا پھر چلا جاتا تھا؟ یا پھر ذریعہ، واسطہ، قوت تھا کہ رسول کے قلب پر قرآن کا نزول ہوتا تھا۔ (۲/۹۷، ۱۹۲۔ ۲۶/۱۹۴)

اس کے فوراً بعد موصوف پھر ایک بے ربط روایت دیتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان میں جبریل سے دَور کیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

[1] ایضاً صفحہ ۹۔

"رسول اللہ نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ جبریل مجھ سے ہر سال ایک مرتبہ دور کیا کرتے تھے، لیکن اس سال دو مرتبہ کیا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میری موت کا وقت قریب آگیا ہے" (صحیح البخاری ۳۲۲۴) دوسری روایت میں آپؐ کی موت کے سال کے الفاظ ہیں۔ (صحیح البخاری:۴۹۹۸)"[1]

اس بے موقعہ یا بے ربط روایت پر بھی غور کرتے چلئے کہ جبریل ایک نابینا حافظ جی کی طرح آکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا ہوا قرآن سنتے تھے اور یقیناً پھر اصلاح بھی کرتے ہوں گے! معاذ اللہ جبریل کو مثل انسان اور رسول کا پکا استاد بنادیا! پھر موت کا اشارہ بھی کردیا۔ اس کا کیا اثر ہوا یہ موصوف ہی سے سنئے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ڈرے کہ اگر امت کو ایک ہی حرف پر قرآن پڑھنے کا پابند کردیا گیا تو وہ مشکل میں پڑ جائے گی، کیونکہ اہل عرب جن کی طرف قرآن نازل کیا گیا تھا مختلف لہجات، متنوع لغات اور قسما قسم کی بولیاں بولنے والے تھے۔ جب آپؐ نے آسانی کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سات حروف پر نازل فرمایا۔ جن میں سے ہر ہر حرف شافی اور کافی تھا۔ جیسا کہ احادیث اس بات پر شاہد ہیں"[2]

.(۱)۔۔۔ غور کیجئے کہ جبریل کے سال میں دو مرتبہ دورہ قرآن کرنے سے رسول ڈرے کہ اگر امت کو ایک ہی حرف پر قرآن پڑھنے کا پابند کردیا گیا تو وہ مشکل میں پڑ جائے گی کیونکہ اہل عرب جن کی طرف قرآن نازل کیا گیا تھا مختلف لہجات' متنوع لغات اور قسما قسم کی بولیاں بولنے والے تھے۔ یہ کتنا مضحکہ خیز بیان ہے! لہجات کا فرق تو ہر زبان کے بولنے والوں میں ایک فطری حقیقت ہے مثلاً ہمارے اپنے ہی ملک میں پنجاب کے باشندے 'ق' کو 'ک' ہی بولتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اقبال کو اکبال ہی پکارتے ہیں، لیکن لکھتے ق ہی سے ہیں یعنی اقبال قَطَع کو کَتَع بولتے ہیں لیکن لکھتے قَطَعْ ہی ہیں۔ تعلق کو تالُک بولتے ہیں لیکن لکھتے تعلق ہی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان کی لغت کہیں نہیں بدلتی صرف ادائیگی الفاظ یعنی لہجہ بدلتا ہے۔ یقیناً یہی کیفیت جزیرۃ العرب میں پائی جاتی تھی وہ متنوع لغات اور قسما قسم کی بولیاں بولنے والے نہیں تھے بلکہ صرف عربی زبان ہی بولتے تھے اس حقیقت کی شہادت ان کو پیدا کرنے والے علیم وخبیر آقا نے خود دی ہے دیکھئے (۲/ ۱۲، ۱۹۲۔۱۹۵/ ۲۶، ۱۰۳/ ۱۶، ۳۷/ ۱۳، ۱۱۳/ ۲۰، ۲۸/ ۳۹، ۳/ ۴۱، ۷/ ۴۲، ۳/ ۴۳، ۱۲/ ۴۶)

.(۲)۔۔۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ڈرے کہ اگر امت کو ایک ہی حرف پر قرآن پڑھنے کا پابند کردیا گیا تو وہ مشکل میں پڑ جائے گی! غور کیجئے کہ سارا جزیرۃ العرب مشرق وسطیٰ، برصغیر ہندوپاک، ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ تمام ممالک میں جو قرآن کریم (روایت حفص میں) پڑھا جاتا ہے تو کیا وہ لوگ مشکل میں پڑے ہوئے ہیں؟ جبکہ ان علاقوں کی تقریباً ایک ارب آبادی پچاسیوں زبانیں (قسما قسم کی) بولنے، پڑھنے اور لکھنے والے ہیں۔ صرف ان کے لہجات میں فرق پڑتا ہے۔ یہی کیفیت عرب میں تھی۔ مگر اس چھوٹے سے فرق کو پہاڑ بنا کر پیش کیا گیا معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس روایت کو بنانے والا بھی اتنا ہی چالاک شخص تھا جس نے شب معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازیں کم کرانے کے لئے پہلے آسمان سے ساتویں آسمان تک کئی چکر (اوپر نیچے) لگوادیئے تھے تو نمازیں کم ہو گئیں ورنہ تو پچاس پڑھنا پڑتیں تو کتنی مشکل ہوتی! شاید سارا دن نمازیں ہی پڑھتے گزرتی! اسی طرح اس مرتبہ بجائے رسول کے جبریل کو (نیچے اوپر) چکر لگوا کر قراءت قرآن کی تعداد ایک سے سات حرف کروالی مگر حروف کیا ہے؟ یہ معلوم نہیں۔ خیر اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۹ ....۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۹

.(۳)۔... آپ سلامٌ علیہ کے آسانی کے سوال پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو سات حروف پر نازل فرمایا جن میں سے ہر ہر حرف شافی اور کافی تھا، جیسا کہ احادیث اس بات پر شاہد ہیں۔

غور کیجئے کہ یہ کیسا علیم و خبیر اللہ ہے (اعوذ باللہ) کہ اس کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ امت اسلامیہ پچاس نمازیں ادا نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امت اسلامیہ ایک حرف پر قرآن نہیں پڑھ سکتی اس لئے اسے سات صرف پر نازل کرنا چاہیئے بلکہ سات ۷، نہیں دس ۱۰، بیس ۲۰، ستر ۷۰، اور اسّی ۸۰ قراءات پر نازل کرنا چاہیئے!

.(۴)۔... غور کیجئے کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا (کب؟ اور حروف سے کیا مطلب ہے کہ سات حروف سے اسّی ۸۰ قراءتیں بن گئیں) جن میں سے ہر ہر حرف شافی و کافی تھا۔ اللہ تعالیٰ تو اس ایک نازل شدہ کتاب کے بارے میں کہتا ہے کہ کیا یہ تمہارے لئے شافی و کافی نہیں (۵۱/۲۹)۔ جس پر صحابہؓ کہتے ہیں حَسْبُنَا كِتٰبَ الله ، کہ ہاں بے شک یہی ایک کتاب اللہ ہمارے لئے شافی و کافی ہے۔ ہمیں کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ مگر مُلا کہتا ہے کہ نہیں ایک نازل شدہ کتاب کافی نہیں بلکہ اس کی تشریح و تفسیر کے لئے دوسری قراءات قرآن اور نام نہاد حدیثِ رسول بھی چاہیئے! کہیے کیا یہ قرآن دوستی ہے یا قرآن دشمنی؟

.(۵)۔... حضرت فاطمہؓ کی اس روایت میں رسول کے آخری رمضان کا ذکر ہے اس کے معنی اس مرتبہ کے دورہ قرآن کے بعد رسول سلامٌ علیہ کی بقیہ تقریباً پانچ چھ ماہ کی زندگی میں چھ قرآن مختلف قراءات کے اور نازل ہوئے! شاید اسی وجہ سے رسول ڈر گئے تھے کہ اب بہت ہی کم وقت میں مزید چھ قرآن کتنی عجلت سے نازل ہوں گے تو ان کو کس طرح پتوں، ہڈیوں، پتھروں پر لکھوایا جائے گا! شاید اسی وجہ سے وہ تمام صحابہ و حاضرین کو بقیہ چھ قراءتوں یا قراءات مختلفہ / متنوع سے آگاہ نہ کر سکے تھے اور نہ ہی الگ الگ پتھروں، پتوں ہڈیوں کے ڈھیر چھوڑ سکے! اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ صدیقہ یا حضرت حفصہؓ کے پاس صرف ایک ہی ڈھیر منتقل ہو سکا تھا! (معاذ اللہ)

آگے یہی موصوف اسی ترتیب میں فرماتے ہیں کہ:

"اگر قرآن مجید کو اختلاف لہجات کے بجائے ایک ہی لغت پر اتار دیا جاتا تو اس سے حصول ہدایت انتہائی مشکل امر ہوتا اور یہ ایسی تکلیف کے قبیل سے ہوتا جو انسانی طاقت کے حدود سے ماوراء ہوتی، کیونکہ انسان کا مادری زبان سے کسی دوسری زبان کی طرف پلٹنا انتہائی مشکل کام ہے، حالانکہ مشکلات پیدا کرنا تو روح اسلام کے منافی ہے۔ اسلام تو رفع حرج و رفع مشقت کا حامی ہے۔ جب ہم قرآن مجید کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے چند ایسی آیات آتی ہیں جو نہ صرف سبعہ حرف کے ساتھ نزول قرآن پر دلالت کرتی ہیں، بلکہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ ان حروف کی قراءات بھی منزل من اللہ ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۔ الحج:۷۸ دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی گئی ہے۔

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ نے اپنے مومن بندوں کی سہولت اور آسانی کی خاطر ان سے تنگی اور مشقت کو رفع فرمایا ہے۔ اللہ نے امت پر تخفیف کرتے ہوئے مذکورہ آیت کے مصداق کئی احکام میں رخصت عنائیت فرمائی، جن کی آپؐ نے وضاحت فرمائی (التفسیر الواضح از ڈاکٹر محمد محمود حجازی:۱۷/۷۸)

یہ آسانی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ لہجاتِ عرب کی مناسبت سے قراءات بھی مختلف ہوتیں، کیونکہ انسان بچپن سے بڑھاپے تک جو زبان بولتا ہے، اسے یکبار گی چھوڑنا یقیناً ایک مشکل کام ہے۔۔۔۔۔"[1]

غور کیجئے موصوف کی اس عبارت پر جو اسی ایک صفحہ (۹) پر ہے۔

.(۱)۔... موصوف کے قلم سے حقیقت نکل ہی گئی کہ اگر قرآن مجید کو اختلاف لہجات کے بجائے ایک ہی لغت پر اتار دیا جاتا تو اس سے حصول ہدایت انتہائی مشکل امر ہوتا۔

یعنی موصوف کے تحت الشعور میں حقیقت امر ہے کہ لہجات کے اختلاف تھے اور ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ مگر شعوری طور پر موصوف اپنے عقیدہ اور سلفی مذہب کو بچانے کے لئے اسی جملہ میں لہجات کے بجائے لغت کا لفظ استعمال کر رہے ہیں! کیا یہ دورُخا یا منافقانہ استدلال نہیں؟ کیا ایک ہی زبان کی مختلف لغات ہوتی ہیں؟ کیا عربی زبان کی مختلف لغات تھیں کیا عرب قبائل کی مختلف لغات تھیں یا ان میں مترادفات تھے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی ایک کتاب سے دشمنی نہیں کہ اس نے تو ایک کتاب عربی مبین (۱۲ /۴۶، ۲ /۱۲ وغیرہ) میں نازل کی مگر موصوف رشدی صاحبان کہتے ہیں کہ ایک کتاب نہیں بلکہ دس سے اسّی ۸۰ کتابیں (بلکہ آئندہ اس سے بھی زیادہ تعداد ہو سکتی ہے) نازل کیں۔

.(۲)۔... موصوف کا یہ فرمانا کہ انسان کا مادری زبان سے کسی دوسری زبان کی طرف پلٹنا انتہائی مشکل کام ہے یہ کتنا بڑا دھوکہ ہے کہ عربوں کے لئے عربی مبین وہ دوسری زبان کی طرف پلٹنا قرار دے رہے ہیں! کیا عربی عربوں کی مادری زبان نہ تھی جو وہ مشقت میں پڑ جاتے؟

.(۳)۔... موصوف مزید فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے چند ایسی آیات آتی ہیں جو نہ صرف سبعہ اَحرف کے ساتھ نزول قرآن پر دلالت کرتی ہیں بلکہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ ان حروف کی قراءات بھی منزل من اللہ ہے۔ مگر افسوس کہ رشدی صاحب نص صریح کے طور پر ایک بھی آیت کریمہ نہ پیش کر سکے کہ قرآن مبین سبعہ احرف پر نازل کیا گیا اور ان کی قراءات بھی نازل کیں۔ انہوں نے سورہ الحج کی جو آیت کریمہ پیش کر کے اسے بطور دلالت النص ثابت کرنا چاہا ہے وہ محض دھوکہ ہے یونکہ وہ آیت پوری نہیں بلکہ سورہ الحج کی آخری آیت کے شروع کے حصہ کا بھی ایک ٹکڑا ہے۔ جو کہ یوں ہے: "اور (اے ایمان والو) اللہ کے راستہ میں کوشش کرتے رہو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو منتخب کر لیا ہے اور تمہارے دین میں تم پر کوئی سختی نہیں کی ہے۔۔۔۔" (ترجمہ مسعود احمد صاحب)

اب آپ خود غور کر لیجئے کہ کیا آیت کریمہ کے شروع کے اس حصہ سے سبعہ اَحرف یا قراءات عشرہ پر اور ان کے نزول پر دلیل قائم ہوتی ہے؟ ہر گز نہیں۔

سبعہ اَحرف کا مفہوم

آیئے اب آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ "سبعہ اَحرف" اور "قراءاتِ عشرہ" سے کیا مراد ہے، اس کا کیا مفہوم ہے؟ اس کو واضح کرنے کے لئے ہم سب سے پہلے ایک دیوبندی حنفی عالم (اسی موضوع کا دوسرا اہم و مفصل مضمون ایک دیوبندی حنفی عالم، شیخ الحدیث مولانا تقی عثمانی صاحب کا ہے مگر ہم اسے اس لئے نہیں پیش کر رہے کہ شیخ الحدیث

[1] ایضاً۔ صفحہ ۹

صاحب کی قرآن دشمنی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی ایک کتاب میں یہ عقیدہ لکھ چکے ہیں کہ امراض کی شفاء کیلئے سورہ فاتحہ کو پیشاب سے بھی لکھ کر استعمال کروایا جاسکتا ہے۔ معاذ اللہ) ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب (صدر دار الافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور، فاضل قراءات سبعہ و عشرہ) کے مضمون "سبعہ اَحرف سے مراد اور قراءاتِ عشرہ کی حجیّت" کے افتتاحی پیراگراف کو بطور اقتباس پیش کرتے ہیں:

"حروفِ سبعہ سے متعلق حدیثوں کو اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں قرآن پاک کے حروف سبعہ پر نازل کئے جانے کی تصریح ہے۔ دوسری وہ ہیں جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُمّت کی خاطر سات کے عدد تک رعایت کی درخواست فرمائی جو منظور ہوئی اور سات تک مرادفات میں پڑھنے کی اجازت ہوئی، لیکن یہ مرادفات نازل نہیں ہوئے۔ نزول صرف اصل حرف و لفظ پر ہوا جو قریش کی لغت میں تھا"[1]

غور کیجئے کہ اس اقتباس نے کیا کیا وضاحتیں کر دیں:

.(۱)۔... حروفِ سبعہ سے متعلق حدیثیں دو قسم کی ہیں۔ یہ حقیقت کتنی واضح ہے کہ حروفِ سبعہ کے متعلق قرآنی آیات نہیں ہیں ورنہ موصوف یقیناً کم از کم ان کا نام ہی لے لیتے! (ہم پچھلے صفحات میں سَلفی رُشدی قاری صہیب احمد میر محمدی صاحب کے مضمون "قرآن کریم کی روشنی میں ثبوتِ قراءات" کا حوالہ دے چکے کہ وہ مضمون کے عنوان کے باوجود کوئی ایک آیت بھی نہ پیش کر سکے جس میں سبعہ اَحرف اور قراءاتِ عشرہ کا ذکر یا اشارہ تک بھی ہو)۔

.(۲)۔... یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ سبعہ احرف اور قراءاتِ عشرہ کا کاروبار غیر قرآنی ہے۔ میں نے لفظ کاروبار اس لئے استعمال کیا ہے کہ واقعی یہ ایک کاروبار بنا ہوا ہے۔ قاری صاحبان مختلف قِراء تیں سُناسُنا کر پیسے بٹورتے رہتے ہیں۔ بلکہ خود رُشدی صاحبان ملک سے باہر جا کر یہ کاروبار جاری رکھتے ہیں اور ڈالر کما کر لاتے ہیں۔

.(۳)۔... حروفِ سبعہ سے متعلق حدیثیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں قرآن پاک کے حروف سبعہ پر نازل کئے جانے کی تصریح ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے یہ ایک کی جگہ سات حروف کیا ہیں یہ کسی کو بھی نہیں معلوم یونکہ محدثین و قراء کرام دونوں ہی متفق ہیں کہ "سبعہ" کے معنی سات نہیں۔ (گو کہ عربی کی گنتی میں سبعہ کے معنی سات ہی ہوتے ہیں) اور حروف کے معنی عربی کے حروف نہیں بلکہ وجوہ، طریقے وغیرہ ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

.(۴)۔... دوسری قسم کی حدیثیں وہ ہیں جن میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے امت کی خاطر سات کے عدد تک رعایت کی درخواست کی۔ ڈاکٹر مفتی صاحب اور دیگر سلفی و رُشدی صاحبان میں سے کوئی بھی ایسی نام نہاد حدیث تینوں حصہٗ "رُشد" میں نہ پیش کر سکا جس میں رسول سلامٌ علیہ نے قرآن کریم کی قراءات بجائے ایک کے سات کرنے کی درخواست خود کی ہو۔ یہ محض روایت ہے۔ اصلیت کیا ہے یہ تفصیل ابھی آگے آجائے گی۔

.(۵)۔... رسول کی درخواست منظور ہوئی اور سات تک مرادفات میں پڑھنے کی اجازت ہوئی۔ لیکن یہ مرادفات نازل نہیں ہوئے۔ مطلب یہ کہ قرآنی الفاظ یہ حروف پڑھنے کی بجائے ان کے مرادف الفاظ یا حروف بھی پڑھے جاسکتے

[1] ایضاً صفحہ ۱۲۶

ہیں۔ مثلاً تعال کی جگہ ھلم یا اقبل یا عجل، اذھب، اسرع پڑھ لیا جائے معنی سب کے ایک ہی ہیں" (صفحہ ۱۳۰، ۱۳۲)
معلوم نہیں یہاں ڈاکٹر مفتی صاحب نے لفظ حیَّ کیوں نہیں لکھا حالانکہ ان کی لغت میں حیَّ کے معنی بھی "آؤ" ہی کئے جاتے ہی (اذان یاد کیجئے اس میں مؤذن حیّ علی الصلوٰۃ اور حیّ علی الفلاح پکارتا ہے جن کے معنی صلوٰۃ کی طرف آؤ اور فلاح کی طرف آؤ کئے جاتے ہیں[1]۔

(۶)۔ ...رسول کی درخواست منظور ہوئی مگر مرادفات نازل نہیں ہوئے بلکہ نزول صرف اصل حرف و لفظ پر ہوا جو قریش کی لغت میں تھا۔ تو پھر کوئی اشکال ہی نہ رہا جو سات حرف و لفظ کی ہیرا پھیری کی جارہی ہے۔ لغتِ قریش تو ایک ہی تھی اور ہے تو پھر سات [7] قراءات دس [10] قراءات، بیس [20] قراءات اور اسّی [80] قراءات کس نے بنائیں جو کہ غیر قریشی لغت پر مبنی ہیں؟ سوال پیدا ہوتا ہے کہ روایت حفص کے نام سے جو قراءات برِّ اعظم ایشیا میں مسلمان پڑھتے اور لکھتے ہیں قریش کے لغت میں نہیں ہے جو دیگر قراءات کو چودہ سو سال کے بعد پندرھویں صدی ہجری میں لکھ کر شائع کیا جارہا ہے؟؟ اور اس طرح ایک قرآن کے سات، دس، بیس قرآن بنائے جارہے ہیں! (معاذ اللہ)

اس روایتی ہیر پھیر کے بعد، آیئے اب ایک نظر دونوں قسم کی حدیثوں پر ڈالتے ہیں۔

پہلی قسم

پہلی قسم میں موصوف نے ایک روایت لکھی ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے روایت کیا ہے، جبکہ الفاظ بخاری شریف کے ہیں (میں صرف ترجمہ لکھ رہا ہوں):

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہشام بن حکیم (رضی اللہ عنہ) کو سورت فرقان پڑھتے سنا۔ میں نے جب ان کی قراءت کی طرف کان لگائے تو وہ ایسے بہت سے حروف پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر جھپٹ پڑوں، لیکن میں نے انتظار کیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیر لیا۔ پھر میں نے ان کو ان کی (یا فرمایا اپنی) چادر سے کھینچا اور پوچھا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سورت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ میں نے ان سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو اللہ کی قسم یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنا ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ پھر میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے ان کو سورہ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ ہی نے سورہ الفرقان مجھے پڑھائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! ان کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا اے ہشام تم پڑھو تو انہوں نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے ان کو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جو چاہو پڑھو" (صحیح البخاری: ۲۴۱۹، ۵۰۴۱)[2]

[1] حنفی نماز کی کوئی بھی کتاب دیکھ لیجئے اس میں حیَّ کے معنی آؤ ہی ملیں گے۔ اسی طرح اہلحدیثوں کی کوئی بھی نماز کی کتاب مثل صلوٰۃ الرسول از مولانا محمد صادق سیالکوٹی یا نماز نبوی از حافظ صلاح الدین یوسف، عبد الصمد رفیقی طبع شدہ دارالسلام، لاہور، دیکھ لیجئے۔ سب میں حیَّ کے معنی آؤ ہی کئے ہیں جو تعال وغیرہ کے ہیں۔)...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۲۷

اسی روایت کے آخری حصہ میں کچھ اختلاف ہے یونکہ اسی روایت کو بخاری شریف ہی سے ایک اور رُشدی صاحب شیخ الحدیث حافظ عبد الستار حماد صاحب (رئیس مرکز الدراسات الاسلامیہ ، میاں چنوں خانیوال) نے اپنے مضمون "فاقرواماتیسر من القرآن" میں حضرت ہشام سے سورت الفرقان پڑھوانے کے بعد رسول اللہ سلامٌ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اے عمر! اب تم پڑھو، میں نے اس قراءت کے مطابق پڑھا جو آپ نے مجھے سکھائی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح بھی نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے اس لئے تمہیں جس قراءت میں سہولت ہو اس کے مطابق پڑھ لیا کرو" (صحیح البخاری:۲۴۱۹) [1]

.(۱)۔... غور کیجئے کہ کتنا عجیب مذاق ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ ایک ہی جگہ اپنے دو جلیل القدر صحابہ کو، جو کہ دونوں ہی قریشی ہیں، ایک ہی سورت مختلف طریقوں یا مختلف حروف سے پڑھا رہے ہیں اور اعلانِ عام بھی نہیں کر رہے کہ قرآن مبین ایک نہیں سات مختلف النوع حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ بلکہ جب حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ کا ایک طرح کا تنازعہ سامنے آیا تو ان سے فرمایا کہ یوں بھی صحیح اور وُوں بھی صحیح یونکہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ تمہیں جس قراءت میں سہولت ہو اس کے مطابق پڑھ لیا کرو۔ مگر پھر بھی اعلانِ عام نہیں کیا!

.(۲)۔... مزید غور کیجئے کہ کیا اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن ایک نہیں سات مختلف طرح نازل ہوئے تھے؟ لیکن رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اسے عام نہیں کیا تھا بلکہ کسی کو کوئی پڑھا دیا اور کسی کو کوئی اور۔ اس طرح حضرت عمرؓ اور حضرت ہشامؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ کو بھی یہ راز معلوم نہ ہو سکا کہ قرآن کریم ایک نہیں بلکہ سات ہیں جو چاہو پڑھ لو۔

.(۳)۔... اس تنازع کے بعد بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے نہ تو اعلانِ عام کر کے اس راز کو عام کیا اور نہ ہی سات مختلف صحیفے اپنے کاتبین سے لکھوائے۔ ورنہ تو خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سات صحیفے لکھے لکھائے تیار ملتے اور وہ ان کو جمع کر کے بجائے ایک کے سات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھواتے۔

.(۴)۔... یہاں یہ سوال فطری طور پر اُٹھتے ہیں کہ یہ تنازع کب کا واقعہ ہے؟؟

.(۵)۔... یہ تنازع کہاں کا ہے مکہ کا یا مدینہ النبی کا؟

.(۶)۔... کیا قرآن کریم شروع ہی سے سات قراءتوں میں نازل ہونا شروع ہوا تھا؟؟

.(۷)۔... اگر قرآن کریم شروع ہی سے سات قراءتوں میں نازل ہونا شروع ہوا تھا تو پھر روایتوں کے مطابق سب سے پہلی وحی کی سات قراءتیں کیا تھیں؟؟

.(۸)۔... اگر قرآن کریم شروع ہی سے سات قراءتوں میں نازل ہونا شروع ہوا تھا تو ٹھیک ہے لیکن اگر بعد میں شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ کو یہ خیال کب آیا؟ اس بارے میں ایک اور رُشدی صاحب الشیخ عبد الفتاح القاضی صاحب اپنے مضمون "احادیثِ رسول کی روشنی میں ثبوتِ قراءات" میں لکھتے ہیں:

"احرف سبعہ کی رخصت مدینہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی تھی، نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔ اس بات کی

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۴

دلیل یہ ہے کہ ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں: لقی جبریل[1] النبی ﷺ عند أضاۃ بنی غفار (صحیح مسلم:۸۲۱) جبریل آپؐ سے بنی غفار کے تالاب کے پاس ملے۔ اَضاۃ غفار مدینہ میں واقع ایک مقام کا نام ہے۔ اس تالاب کی بنی غفار کی طرف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے قریب رہتے تھے''[2]

شیخ الحدیث صاحب نے اوپر کی سورت الفرقان پڑھنے کی روایت پوری دی ہے۔ پھر نیچے ضروری نوٹ تحریر کیا ہے:

''ضروری نوٹ

حروف سبعہ کی تعین میں بہت اختلاف ہے، بعض لوگوں نے اس سے سات لغات مرادلی ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ دونوں قریشی تھے، ان کی لغت ایک تھی اس کے باوجود ان کا اختلاف ہوا، یہ کوئی معقول بات نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی آدمی کو قرآن مجید ایسی لغت میں سکھائیں جو اس کی لغت نہ ہو۔ بعض نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد ایک معنی کو مختلف حروف و الفاظ سے ادا کرنا ہے اگرچہ ایک ہی لغت سے ہو، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ کی ایک ہی لغت تھی، لیکن اس کے باوجود ان کی قراءت میں اختلاف ہوا، اس سلسلہ میں دو باتوں پر اتفاق ہے۔

.(۱)۔ قرآن کریم کو سبعہ حروف سے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے، کیونکہ چند ایک کلمات کے علاوہ بیشتر کلمات اس اصول کے تحت نہیں آتے۔

.(۲)۔ سبعہ حروف سے مراد سات ائمہ کی قراءت ہرگز نہیں ہیں، جو اس سلسلہ میں مشہور ہوئے ہیں، کیونکہ پہلا شخص جس نے ان سات قراءات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابنِ مجاہد ہے جس کا تعلق چوتھی صدی سے ہے۔ امام جزری فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو بہت مشکل خیال کرتا تھا حتیٰ کہ میں نے تیس ۳۰ سے زیادہ سال اس پر غور و فکر کیا، اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قراءات کا اختلاف سات وجوہ سے باہر نہیں ہے''[3]

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ الحدیث صاحب ہی سے حق لکھوا دیا کہ:

.(۱)۔... حروفِ سبعہ کے تعین میں بہت اختلاف ہے!

.(۲)۔... بعض لوگوں نے (یعنی یہ رسول سلامؐ علیہ یا صحابہؓ نے نہیں بلکہ بعد کے لوگوں نے) اس سے سات لغات مراد لی ہیں جو کہ صحیح نہیں یونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ دونوں ہی قریشی تھے اس لئے ان کی لغت تو ایک تھی۔ تو پھر اختلاف کیوں ہوا؟

.(۳)۔... یہ کوئی معقول بات نہیں، کہ دنیا کی سب سے پُر وقار ہستی، رسول اللہ سلامؐ علیہ ایک قریشی صحابی کو غیر قریشی لغت میں قرآن پڑھنا سکھائیں اور دوسرے صحابی کو دوسری غیر قریشی لغت میں قرآن پڑھنا سکھائیں۔ یہ وضاحت کہیں نہیں کہ ان دونوں صحابہؓ کو کون کون سی لغت میں قرآن پڑھنا سکھایا گیا تھا؟ ہم آپ کو یہ بھی بتادیں کہ اس بات

---

[1] خیال رہے کہ قرآنی جبرائیل کو اور میکائیل کو ان رشدیوں نے غالباً ہر جگہ ہی جبریل و میکال لکھا ہے۔ اسم معرفہ میں یہ تغیر بھی ان کی قرآن دشمنی کا غماز ہے۔...... [2] ایضاً۔ ۵۷؍۱۲۴...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۱۴

کی تصریح بھی کہیں نہیں کہ سورۃ الفرقان میں پڑھنے میں جو دونوں قریشی صحابہؓ میں اختلاف ہوا۔ وہ کیا تھا؟ یہ حقیقت تو خود ایک اور رُشدی صاحب الشیخ عبد الفتاح القاضی صاحب نے اپنے مضمون "احادیث کی روشنی میں ثبوتِ قراءات" میں مان لی ہے، ملاحظہ ہو:

"کتب حدیث میں بسیار کوشش کے باوجود ہم عمرؓ اور ہشامؓ کے مابین سورۃ الفرقان میں ہونے والے اختلافِ لہجہ پر مطلع نہیں ہو سکے کہ وہ اَحرف سبعہ میں سے کونسا لہجہ تھا"[1] حقیقت بالکل واضح ہے کہ یہ سب گھڑنت ہی ہے

موصوف کے اس اعترافِ حقیقت نے ایک اور حقیقت بھی واضح کر دی کہ اَحرف سبعہ سے مختلف لہجے ہی مراد تھے اور ہیں جو کہ ایک فطری بات ہے کہ ایک ہی ملک میں جگہ جگہ وہاں کے باشندوں کے لہجے ایک نہیں ہوتے، اور یہی فطری حقیقت، عرب کے مختلف قبائل کی تھی۔ جس کو پارسی **"مقتدرہ"** نے کیا سے کیا بنا دیا۔ انہوں نے تو اس وقت بیج بویا تھا لیکن وہ پھل اب دے رہا ہے۔ اور غیر مسلم تو غیر مسلم اب اپنے آپ کو مسلم اور مسلمان کہنے والے بھی ایک دوسرے سے سوال کیا کریں گے کہ کونسا قرآن؟ فلاں روایت کا یا فلاں روایت کا؟ اور جب ان کے ترجمے کر دیئے جائیں گے تو پھر تو عام آدمی بھی اختلافات سے گھبرا کر شاید مرتد ہی ہو جایا کرے گا یا پھر وہی ماحول پیدا ہو جائے گا جو کہ سلفی رشدیوں کے بقول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں بعض علاقوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ (یا اللہ ایسا وقت دیکھنے کیلئے ہمیں زندہ نہ رکھنا)

(۴)۔... بعض نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد ایک معنی کو مختلف حروف و الفاظ سے ادا کرنا ہے اگرچہ ایک ہی لغت سے ہو، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ کی ایک ہی لغت تھی، لیکن اس کے باوجود ان کی قراءت میں اختلاف ہوا۔ یعنی مرادفات مثل تعال، اقبل، ھلم، اذھب، اسرع، عجل یا حیَّ وغیرہ بدل بدل کر استعمال کر کے قرآن کریم کو چیستان بنا دیا جائے (معاذ اللہ)۔ موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ یہ مرادفات کن کن لغات کے ہیں؟ کیا ایک ہی زبان میں مرادفات و ہم معنی الفاظ نہیں ہوتے؟ لیکن کونسا لفظ جملے میں استعمال کیا جائے اس کا فیصلہ لکھنے والا کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن مبین جس کا کلام ہے وہ سب سے زیادہ فصیح، بلاغت والا، علم والا ہے اس لئے اس سب سے عظیم ہستی نے اپنے کلام یعنی آیاتِ قرآن میں جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے اس سے بہتر یا مرادف کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ اپنے کلام میں مرادف الفاظ یا مختلف الفاظ یا متنوع الفاظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ بات بعید از عقل و منطق ہے کہ اس نے سات قرآن مختلف النوع اور مختلف مرادفات اور الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے اختلاف یا الفاظ کی کمی بیشی وغیرہ کے ساتھ نازل کئے ہوں اور فرما رہا ہو کہ یہ ایک کتاب نازل کی!(۲/۲ ، ۲/۱۲ ، ۱۲/۴۶) یقیناً اس قسم کا عقیدہ قرآن دشمنی اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عدول اور صفاتِ علم پر حملہ ہے) معاذ اللہ)

(۵)۔... مستشرقین (جن کو رشدی صاحبان مطعون کرتے نہیں تھکتے)، دیگر اہلِ علم، دیگر ادیان کے ماننے والے اور دنیا کے تقریباً تمام ہی لوگ پچھلے چودہ سو ۱۴۰۰ سال سے ایک ہی قرآن سے واقف رہے ہیں۔ بلکہ اب سے تقریباً ستر ۷۰

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۸

سال پہلے تک وہ طباعت شدہ قرآنوں میں سے اختلافات ڈھونڈتے رہے یہاںتک کہ جرمنی کے صرف ایک شہر میں ساری دنیا سے انہوں نے بیالیس ہزار "۴۲۰۰۰" قرآن کریم کے نسخے جمع کئے اور اختلافات ڈھونڈنے میں ناکام رہے، مگر شاباش ہے لاہور کے رُشدیوں پر کہ انہوں نے ایک دو نہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مختلف النوع اختلافات ڈھونڈ نکالے اور سونے پر سہاگہ کے مصداق، ایک قرآن کے بیس "۲۰" قرآن طباعت کیلئے تیار کر دیئے!

.(۶)۔... اب ذرا رُشدیوں کے دو باتوں پر اتفاق پر بھی غور کر لیجئے کہ "قرآن کو سبعہ حروف پر پڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے، کیونکہ چند ایک کلمات کے علاوہ بیشتر کلمات اس اصول کے تحت نہیں آتے"۔ مطلب صاف ہے کہ رُشدی صاحبان اپنی محنت کے تحت جہاں الفاظ بدلیں یا ان میں ترمیم و تنسیخ کر دیں اس طرح پڑھیے! یعنی اب کوئی معیاری یا قولِ فیصل قرآن نہ رہا جس کو نازل شدہ مانا جائے بلکہ وہ قرّاء حضرات اور رشدی حضرات کے رحم و کرم پر ہو گیا۔ (معاذ اللہ)

.(۷)۔... دوسری متفقہ بات کہ "سبعہ حروف سے مراد ان سات ائمہ کی قراءات ہرگز نہیں ہیں، جو اس سلسلہ میں مشہور ہوئے ہیں یعنی (۱)۔ ابن عامر شامی (متوفّٰی ۱۱۸ھ)، (۲)۔ امام ابنِ کثیر مکی (متوفّٰی ۱۲۰ھ)، (۳) امام عاصم کوفی (متوفّٰی ۱۲۷ھ)، (۴)۔ امام ابو عمرو بصری (متوفّٰی ۱۵۴ھ)، (۵)۔ امام حمزہ کوفی (متوفّٰی ۱۵۶ھ)، (۶)۔ امام نافع مدنی (متوفّٰی ۱۶۹ھ)، (۷)۔ امام الکسائی کوفی (متوفّٰی ۱۸۹ھ)[1] غور کیجئے یہ سب کے سب عجمی ہیں!

یہاں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ سبعہ اَحرف کے ان سات ائمہ کی قراءات، موجودہ قراءات ہرگز نہیں ہیں بلکہ قراءات ان کے شاگردوں کے نام سے مشہور ہیں مثلاً روایت حفص امام عاصم کوفی کے شاگرد حفص سے منسوب ہے، روایت قالون امام نافع کے شاگرد قالون سے منسوب ہے، روایت دوری امام ابو عمرو بصری کے شاگرد دوری سے منسوب ہے اور روایت ورش بھی امام نافع کے ایک اور شاگرد ورش سے منسوب ہے۔ اسی طرح دوسری روایتیں ہیں۔ تو پھر وہ امام، امام کیسے ہو گئے؟

یہاں دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ رُشدی صاحبان نام نہاد حدیث میں سبعہ اَحرف کی بات کرتے ہیں مگر انہوں نے سبعہ "۷" قراءات نہیں بنائی ہوئی ہیں بلکہ عشرہ "۱۰" قراءات بنائی ہوئی ہیں اور اسی طرح اوپر لکھے گئے سات امام قراءات کے عشرہ یعنی دس امام بھی بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے مزید تین امام یہ ہیں (۸)۔ امام ابو جعفر مدنی (متوفّٰی ۱۳۰ھ)، (۹) امام یعقوب حضرمی (متوفّٰی ۲۰۵ھ) اور (۱۰) امام خلف العاشر (متوفی ۲۲۹ھ)

غور کیجئے کہ یہ دس کے دس امام دوسری اور تیسری صدی ہجری کے ہیں۔ زیادہ تر عجمی النسل اور موالی یا موالی زادہ ہیں۔ زیادہ تر تبع تابعین میں سے ہیں جبکہ امویوں کا زوال شروع تھا اور عباسی شیعوں کی مدد سے عروج پا رہے تھے۔ اور "**مقتدرہ**" کے ایجنٹ حدیثیں گھڑنے کی ٹکسالیں بنا رہے تھے۔ انہی ایّام میں اختلافِ قراءات کے بارے میں سب سے پہلے ایک شیعی محدث ابان بن تغلب نے تقریباً ۱۴۱ ہجری میں لکھا پھر ذیل کے شیعہ اہلِ علم نے طبع آزمائی کی (۱)۔ سعد بن ابو جعفر بن محمد سعدان عرف ضریر (متوفی ۲۳۱ھ / ۸۴۵م)، (۲)۔ محمد بن حسن ابن ابی سارہ عرف ابو جعفر رواسی کوفی (متوفی ۱۸۰ھ / ۷۹۶م)، (۳)۔ حمزہ بن حبیب زیات کوفی (متوفّٰی ۱۵۷ھ / ۷۷۳م) اور ابی عبد اللہ احمد بن

[1] ایضاً صفحہ ۱۸۳۔ ۱۹۴

محمد السیاری (متوفی ۲۶۸ھ / ۸۸۱م) وغیرہ۔

خیال رہے کہ اوپر کے سات امام کے دس بنائے گئے اور اب رُشدیوں نے بیس بنالئے اور ان کی سات [7] کی جگہ بیس [20] قراءتیں تیار کرلی ہیں اور شاید آگے بھی کام جاری ہے۔

(۸)۔... غور کیجئے کہ "سبعہ اَحرف سے مراد ان سات ائمہ کی قراءات ہرگز نہیں ہیں جو اس سلسلہ میں مشہور ہوئے ہیں، کیونکہ پہلا شخص جس نے ان سات قراءات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابن مجاہد (متوفّی ۳۲۴ھ) ہے جس کا تعلق چوتھی صدی (ہجری) سے ہے"۔ جبکہ ہم اوپر کے تبصرہ میں تیسری صدی ہجری تک کے شیعہ اہلِ علم کا اس موضوع پر لکھنے کا تذکرہ کرچکے ہیں اب رُشدی صاحب خود اس حقیقت کا اعتراف کررہے ہیں کہ پہلا شخص جس نے ان سات قراءات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابن مجاہد ہے (متوفی ۳۲۴ھ) جس کا تعلق چوتھی صدی (ہجری) سے ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس چوتھی صدی کے بعد کی صدیوں میں سات سے دس ۱۰، پھر بیس ۲۰، پھر ستر ۷۰ اور اسّی ۸۰ قراءات بن گئیں۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن میں بٹھالیجئے کہ یہ نازل شدہ قراءتیں نہیں بلکہ دوسری صدی ہجری سے چودھویں صدی تک بنائی گئیں۔ اب سے پہلے تک وہ سینہ بہ سینہ چلتی رہیں یا پھر جزاً (نام نہاد) حدیث کی کتابوں میں لکھی گئیں مگر اب پندرھویں صدی ہجری میں رُشدیوں نے انہیں کم از کم بیس [20] قراءتیں بنا کر لکھ کر تیار کرلیا ہے اور انہیں پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک کی مدد سے باہر ہی شائع کرواکر مغربیوں کے ہاتھوں میں پہنچانا چاہتے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔

رُشدی شیخ الحدیث صاحب نے اپنے "ضروری نوٹ" میں جو بات کہی ہے' وہ یہ ہے کہ "امام جزری فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو بہت مشکل خیال کرتا تھا حتیٰ کہ میں نے تیس سے زیادہ سال اس پر غور و فکر کیا، اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قراءات کا اختلاف سات وجوہ سے باہر نہیں ہے" انہوں نے جو سات وجوہ اختلاف قراءات کی بتائی ہیں تقریباً وہی سَلفی رُشدیوں نے اپنے رسالہ رُشد میں لکھی ہیں وہ ہم آگے بیان کریں گے۔ انشاء اللہ پہلے شیخ الحدیث صاحب کے اوپر درج شدہ مضمون کے آخری جملے ملاحظہ کرتے چلئے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

قرآن میں ردوبدل

> دراصل قراءات متواترہ کے اختلاف سے قرآن کریم میں کوئی ایسا ردوبدل نہیں ہوتا جس سے اس کے مفہوم اور معنیٰ تبدیل ہوجائیں یا حلال حرام ہوجائے بلکہ اختلافِ قراءات کے باوجود بھی قرآن، قرآن ہی رہتا ہے اور اس کے نفس مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، بہر حال قراءات متواترہ جنہیں احادیث میں احرف سبعہ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ آج بھی موجود ہیں اور اس کے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے" [1]

غور کیجئے کہ اگر قراءات متواترہ کے اختلاف سے قرآن کریم میں کوئی ایسا ردّوبدل نہیں ہوتا جس سے اس کے مفہوم اور معنیٰ تبدیل ہوجائیں، تو پھر اس وقت ایسی کیا ضرورت یا ایمر جنسی پیش آگئی کہ پہلے تین [3] اور پھر سولہ [16] قراءات چودہ سو سال بعد لکھ کر ان کو شائع کرانے کا اہتمام کیا جارہا ہے؟؟ کیا ان قراءات کے بغیر موجودہ روایت حفص

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۶

والا قرآن کریم ادھورا تھا یا قرآن میں کوئی کمی رہ گئی تھی جو اب پوری کی جا رہی ہے؟ جو کام رسول اللہ سلامٌ علیہ اور خلفائے راشدینؓ نے نہیں کیا وہ کام اب سلفی رُشدی حضرات کر کے کونسی سنتِ رسول پر عمل کر رہے ہیں؟؟ یا کیا یہ لوگ اپنے آپ کو رسول سلامٌ علیہ اور خلفائے راشدین سے اوپر جانتے / سمجھتے ہیں جو تفرقہ پھیلانے کا اتنا زبردست اہتمام کر رہے ہیں کہ تقریباً ایک سو مضامین رُشد کے تین حصوں، تقریباً ستائیس سو ۲۷۰۰ صفحات پر شائع کر دیئے اور چوتھے حصہ کے مضامین انٹرنیٹ پر ڈال دیئے؟ یہ سَلفی حضرات کیا سَلف کے طریقے پر ہیں کہ وہ سازش کر رہے ہیں جو اُن کے سَلف نے نہیں کی یا وہ لوگ بھی سازشی تھے؟ ع "ہم تو کچھ کہیں گے تو شکایت ہو گی۔"

غور کیجئے کہ یہ کتنا زبردست جھوٹا دعویٰ ہے کہ "دراصل قراءات متواترہ کے اختلاف سے قرآن کریم میں کوئی ایسا ردّ و بدل نہیں ہوتا جس سے اس کے مفہوم اور معنیٰ تبدیل ہو جائیں! کیا آپ کو نہیں معلوم کہ قرآن کریم کے الفاظ میں صرف اعراب بدل دینے سے بھی مفہوم اور معنیٰ بدل جاتے ہیں حتیٰ کہ اتنے بدل جاتے ہیں کہ غلط پڑھنے والا کفر کا ارتکاب کر کے کافر ہو جاتا ہے۔ کیا آپ نے برِّ صغیر ہند و پاک کے طبع شدہ قرآن کریم نہیں دیکھے جن کے آخر میں عام طور پر بیس ۲۰ الفاظ کی ایک فہرست دی جاتی ہے کہ ان الفاظ کو غلط پڑھنے سے کلمۂ کفر صادر ہو جاتا ہے مثلاً سورہ الفاتحہ میں اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کو اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡهِمۡ پڑھنے سے کلمۂ کفر صادر ہو جاتا ہے اور جان بوجھ کر (ان الفاظ کے اعراب) غلط پڑھنا کفر کا مرتکب بنا دیتا ہے!

ان الفاظ کے علاوہ غلط یعنی اعراب تبدیل کر کے پڑھنا شرک کا مرتکب کر دیتا ہے یعنی فرقہ بنا دیتا ہے (جبکہ قرآن کے مطابق فرقہ بندی شرک ہے۔(۳۱، ۳۲/۳۰، ۱۶۰/۶) چنانچہ سورہ المائدہ میں وضو کے بارے میں جو آیت کریمہ ہے اِس میں روایت حفص، روایت قالون اور روایت ورش میں الفاظ وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ[ط] ہے یعنی اَرۡجُلَكُمۡ کے "ل" پر زبر ہے اور معنیٰ ہوتے ہیں کہ اپنے سر کا مسح کر لو اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھو لو۔ مگر روایت دوری میں (جو سعودی عرب سے شائع ہو کر حاجیوں کو بانٹنا شروع ہوئی ہے) اَرۡجُلَكُمۡ کے بجائے اَرۡجُلِكُمۡ لکھا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ ہوئے کہ پاؤں کا بھی مسح کرو۔ اب بتایئے کہ صرف ایک لفظ پر اعراب بدلنے سے مفہوم و معنیٰ کس قدر بدل گئے اور ایک فرقہ شیعہ وجود میں آ گیا جو وضو میں پاؤں نہیں دھوتا بلکہ صرف مسح کرتا ہے۔ کیا قراءاتِ قرآن اس قسم کی فرقہ بندی کے لئے بنائی گئیں ہیں؟؟ سَلفی رُشدیوں کا دعویٰ کہ مفہوم و معنیٰ نہیں بدلتے کیا صریح کذب بیانی و دھوکہ نہیں؟ اس قسم کا اختلاف پیدا کر کے وہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں یا اسلام کو زَک پہنچا رہے ہیں؟ کیا یہ شیطانی عمل نہیں؟ جبکہ وہ سارا الزام اللہ اور رسول پر ڈال رہے ہیں کہ قرآن کریم کی مختلف قراءات اللہ تعالیٰ نے نازل کیں اور رسول اللہ سلامٌ علیہ نے وہ پڑھیں اور صحابہؓ کو سکھائیں مگر کسی کو کوئی قراءت اور کسی کو کوئی اور! معاذ اللہ!

اوپر درج شدہ روایت دوری والے مصحف المدینۃ النبویہ پر لکھا گیا ہے "بِرِوَايَةِ الدُّورِي عَن اَبِي عَمَرٍ و الۡبَصۡرِي"، یعنی دوری نے روایت کیا ابی عمر بصری سے۔ اس کا مطلب امام ابی عمر بصری امام دوری کے استاد تھے۔ مگر یہ ممکن ہی نہیں یونکہ امام عمر بصری کی وفات ۱۵۴ ہجری ہے جبکہ امام دوری کی ولادت ۱۵۰ ھ ہے[۱]۔ تو کیا انہوں نے چار

[۱] ایضاً۔ دیکھئے قاری صہیب احمد میر محمدی اور قاری نجم الصبیح تھانوی صاحبانِ رُشد کے حصہ اول میں مضمون "قراءات عشرہ کی اسانید اور ان کا تواتر"، میں پیش کئے گئے چارٹ بر صفحہ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ بعنوان "ائمہ عشرہ، ان کے مشہور رواۃ اور طرق کا تعارف"

سال کی عمر میں شاگردی کر لی اور قراءات بھی سیکھ لیں۔ خود سلفی رُشدی عالموں نے اپنے مضمون میں دیئے گئے چارٹ میں نمبر ۳ پر امام دوری کو امام عمرو بصری کا شاگرد یا راوی لکھا ہے۔ جو کہ ممکن ہی نہیں۔ البتہ ان صاحبان نے نمبرے پر امام دوری کو امام کسائی کوفی کا بھی شاگرد لکھا ہے جو ممکن ہے۔ (عقلمندوں کے لئے تو سند کی یہ ایک مثال ہی کافی ہونا چاہئے کہ سندیں کیونکر بنائی گئیں اور یہ کتنی معتبر یا حقیقت پر مبنی ہیں) یہ امام کسائی بقول علامہ تمنا عمادی صاحب کے "اسدیوں میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے، عجمی تھے اور کوفہ ہی میں رہتے تھے"۔[1] اور یہ حقیقت صرف امام کسائی ہی کے لئے نہیں بلکہ "متقدمین ائمہ قراءات میں آپ تقریباً ۹۵ فیصدی موالی یعنی آزاد کردہ غلاموں ہی کو پائیں گے۔ اختلافِ قراءات کا فتنہ ان غلاموں ہی کا پیدا کردہ تھا اور انہوں نے ایک زبردست سازش کے تحت یہ تحریک چلائی تھی[2]" اور اس کا گڑھ کوفہ تھا۔ جہاں تابعی و تبع تابعی بن کر ہی "**مقتدرہ**" کے آدمی کام کر رہے تھے۔ اور "تابعین ہی میں حضرت عثمانؓ اور حضرت حسینؓ کے قاتلین بھی تھے۔ آپ کی اپنی اصطلاح کے مطابق وہ سب بھی تو آخر تابعی ہی تھے۔ منافقین تو آ کر تابعی ہی بنتے گئے تھے۔ اس لئے آنکھ بند کر کے تابعی ثقہ کہنے میں تو صحاح تک میں مکذوبات کا ایک معقول ذخیرہ رکھوا دیا[3]"

یہاں ہم یہ حقیقت بھی بیان کر دیتے ہیں کہ رُشدیوں کا یہ ایقان ہی نہیں کہ قرآن کریم میں آج تک کسی لفظ یا اعراب وغیرہ کا تغیر نہیں ہوا۔ چنانچہ حافظ محمد زبیر تیمی صاحب (فاضل کلیۃ الشریعۃ، جامعہ لاہور الاسلامیہ...... ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ تحقیق، قرآن اکیڈمی، لاہور) اپنے مضمون "سید سلیم شاہ اور انور عباسی کی خدمت میں" فرماتے ہیں:

> "امر واقعہ یہ ہے کہ ایک عقیدہ جہالت کی بنیاد پر ذہنوں میں بچپن سے راسخ ہے کہ قرآن میں زیر، زبر، پیش اور شوشے کا فرق نہیں ہے۔ اب اس عقیدہ کے اثبات کے لئے کچھ اصولوں کی روشنی میں قراءات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ انہی اصول وضوابط کی روشنی میں قرآن کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ لیکن وہاں اندھا عقیدہ تحقیق کے رستے میں حائل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں ایک ہی واقعہ، حادثہ اور قائل کے قول کو بیان کرنے میں الفاظ کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن میں اختلاف ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن اگر قراءات میں ایسا ہو تو اس بنیاد پر قرآن میں اختلاف ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر سبعہ احرف کے معنی و مفہوم کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہو تو یہ روایات ناقابلِ اعتبار قرار پاتی ہیں۔ لیکن ساری امت اگر حروفِ مقطعات کے معنی و مفہوم کی تعین میں ناکام ہو جائے تو پھر بھی ان کو بطور قرآن سینے سے لگایا جاتا ہے۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس"[4]

تبصرہ: غور فرمایئے کہ موصوف حافظ صاحب کے نام کے ساتھ تیمی کا لاحقہ لگا ہوا ہے۔ اس کا کیا مطلب یا مقصد ہے؟ نہیں معلوم! بظاہر یہ نسبت سلفیوں کے امام ابنِ تیمیہ سے معلوم ہوتی ہے، یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ سلفیوں و رُشدیوں کے ابنِ تیمیہ ہوں، یا............... خیر وہ جو کچھ بھی ہوں اللہ اُنہیں مبارک کرے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ تیمیہ، امام ابن تیمیہ کے والد صاحب کا اسم گرامی ہے جبکہ تیمیہ ان کی دادی کا اسم گرامی ہے۔

[1] سبعہ اور عشرہ اختلافِ قراءت اور قراء حضرات" از علامہ تمنا عمادی پھلواروی۔ صفحہ ۱۱۷...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۴۷...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۱۱۶-۱۱۷...... [4] رُشد۔ قراءات نمبر ۳۔ صفحہ ۶۳۰

.(ا)۔...اب یہ غور کیجئے کہ بقول ان کے مسلمانوں کا چودہ سو سالہ "عقیدہ **جہالت** کی بنیاد پر ذہنون میں بچپن سے راسخ ہے کہ قرآن میں زیر، زبر، پیش اور شوشے کا فرق نہیں ہے۔"

موصوف کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ عقیدہ یا ایقان جہالت نہیں بلکہ مسلمانوں میں مسلسل / تواتر علمی کے طور پر چلا آرہا ہے۔ میرے بچپن میں میرے والدین واساتذہ نے یہ ایقان میرے دل و دماغ میں راسخ کر دیا تھا کہ اللہ کا کلام بدلتا نہیں اور اس میں آج تک کوئی زیر، زبر، پیش یا شوشے تک کا فرق نہیں ڈال سکا۔ اللہ کا کلام جس طرح رسول سلامٌ علیہ پر نازل ہو کر لکھا گیا تھا اسی طرح آج بھی محفوظ ہے۔ اگر کوئی اس میں ذرا شوشے کا فرق بھی کر دے تو وہ تحریفِ قرآن ہو گی اور تحریف کرنے والا جہنمی ہو جائے گا۔

یہی ایقان مجھ سے پہلے میرے والدین واساتذہ کو ان کے والدین واساتذہ نے راسخ فی القلب کیا تھا اور اسی طرح مسلسل تواتر سے یہ عقیدہ یا ایقان اوپر کی پشتوں سے چلا آرہا ہے۔ جوانی سے مختلف مذاہب / مسالک یا فرقوں کی سیر کرتے ہوئے جب قرآن مبین تک پہنچے تو بقول کسے چودہ طبق روشن ہو گئے اور ہر ایک عقیدہ، ایقان بالکل واضح طور پر مثل ہیرے کے (Crystal Clear) نظر آنے لگا:

.☆۔...اللہ کا کلام بدلتا نہیں (۳۴/ ۶، ۶۴/ ۱۰، ۲۷/ ۱۸، ۱۱۶/ ۶ وغیرہم)

.☆۔...اللہ نے اپنا کلام کتابی شکل میں نازل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ الکتاب ہے جو کہ (اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی سے) بچنے والوں کے لئے ہدایت ورہنمائی ہے۔ (۲/۲)

.☆۔...اس ایک مخصوص کتاب (الکتاب) کو اپنے چنیدہ بندہ کے قلب پر نازل کیا۔ (۹۷/ ۲، ۱۹۴/ ۲۶)

.☆۔...اس چنیدہ بندہ یعنی رسول پر القرآن کے علاوہ اس کے مثل اور کچھ نازل نہیں کیا (۱۹/ ۶ ، ۳۹/ ۱۷)

اِن آیات نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ انسان نما پروں والے فرشتہ نے القرآن نازل کیا، القرآن پڑھایا، نماز پڑھ کر سکھائی۔ مختلف و متنوع قراءات لالا کر سناتا رہا، رسول سلامٌ علیہ سے یاد کیا ہوا قرآن سُن سُن کر چیک کرتا رہا وغیرہ وغیرہ محض گھڑنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنا کلام اپنے رسول کے قلب پر نازل کیا (۹۷/۲) یہ بالکل سیدھی اور واضح بات ہے۔

اس لئے رُشدی تیمیہ صاحب کا اس عقیدہ کو جہالت قرار دینا ان کی اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ جس کے ذریعہ وہ کتاب اللہ میں زیر، زبر، پیش اور شوشے کا اختلاف کرنا چاہتے ہیں۔ (پیچھے ہم یہ حقیقت وضاحت سے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کے بعض الفاظ کے صرف اعراب بدل دینے سے ہی کفر واقع ہو جاتا ہے) بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر، مترادفات الفاظ کا تقدم و تؤخر اور غیر قرآنی الفاظ بھی بڑھانا چاہتے ہیں اور اس کے لئے وہ کسی عجمی کی گھڑنت روایت یا روایات کا سہارا لیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اسی اصول کے تحت قرآن کا انکار لازم قرار دیتے ہیں۔۔ بڑی جُرأت ہے! ذرا احساس نہیں کہ کہاں کلام خالق اور کہاں کلامِ مخلوق؟ کیا کلامِ مخلوق یا اصولِ مخلوق، کلامِ خالق کو کالعدم یا منسوخ قرار دے سکتا ہے؟؟ عجمی سازشیوں کا اصل حدف ہی یہ رہا ہے کہ کسی طرح سے کلامِ خالق کو کالعدم یا منسوخ قرار دیدو یا کم از کم اس کو اتنا مشکوک کر دو کہ اس پر ایمان لانے والوں کا ایمان متزلزل ہو جائے۔ چودہ سو سال وہ کامیاب نہ ہو سکے مگر اب پندرھویں صدی ہجری میں وہ اپنے رشدیوں کے ہاتھوں اس حدف کو حاصل کرنے میں

کامیاب ہو گئے ہیں اور اس صدی میں وہ ایمان لانے والوں کا شیرازہ بکھیر کر انہیں مشرک و مرتد بنا کر دنیا سے فارغ کر دیں گے۔

.(۲)۔...جہاں تک رُشدی تیمیہ صاحب کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ "ساری امت اگر حروفِ مقطعات کے معنی و مفہوم کی تعیین میں ناکام ہو جائے تو پھر بھی ان کو بطور قرآن سینے سے لگایا جاتا ہے" تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جب حروفِ مقطعات نازل ہو رہے تھے تو صحابہؓ اس کے معنی و مفہوم اچھی طرح سے جانتے تھے، اسی لئے کبھی کسی نے اس کے لئے رسول سے سوال نہیں کیا۔ ایسا کوئی سوال اور اس کا جواب نہ تو قرآن میں ہے اور نہ ہی (نام نہاد) حدیث میں۔ اگر (نام نہاد) حدیث میں کہیں اس کا جواب یا حروفِ مقطعات کے معنی و مفہوم بتائے گئے ہیں تو براہِ کرم آپ ہی بتا دیں۔ یونکہ آپ تو اس بات کے قائل ہیں کہ (نام نہاد) حدیث قرآن مبین کی تشریح و تفسیر کرتی ہے۔ تو لائیے حروفِ مقطعات کی تشریح و تفسیر بتا دیجئے کہ عجمیوں کی لکھی ہوئی کس کتاب میں کیا تشریح و تفسیر کی گئی ہے؟ ورنہ تو یہ حقیقت مان لیجئے کہ یہ بھی آپ ہی کے عجمی سلفیوں کا لکھا ہوا اور پھیلایا ہوا عقیدہ ہے کہ ان کے معنی و مفہوم یا تشریح و تفسیر کوئی نہیں جانتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے حروف کیوں نازل فرمائے جن کے معنی و مفہوم کوئی جانتا ہی نہیں؟؟ جبکہ قرآن مبین کے علاوہ اس نے سبعہ اَحرف نازل فرمائے وہ تو تمام عجمی سازشی اور ان کے خلف رُشدی صاحبان اچھی طرح سے جانتے ہیں بلکہ ان سبعہ کے دس ۱۰، بیس ۲۰، اور اسّی ۸۰ تک بنا دیئے! کہئے فرق واضح ہوا کہ نہیں؟ (تبصرہ ختم)

اب ذرا انہی رُشدی تیمیہ صاحب کا دورُخا پن بھی ملاحظہ کیجئے کہ صرف دو صفحات بعد ہی اپنی عربی کی قابلیت جتاتے ہوئے سلیم شاہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہ کوئی پشتو نہیں ہے عربی زبان ہے جہاں زیر زبر سے معنی میں زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور یہ تو ایک الف کا حذف ہے۔ اور ایک الف ہی کے حذف سے تثنیہ کا صیغہ واحد کا بن جاتا ہے"[۱]

تبصرہ: ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ عربی کے الفاظ میں بہت سے مقامات پر زیر، زبر، پیش کے فرق سے معنی میں زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے بلکہ فرقہ بندی اور کفر تک بات پہنچ جاتی ہے جیسا کہ ہم پچھلے صفحات پر وضاحت سے فرقہ بندی اور کفر کا ذکر کر چکے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ہٹ دھرمی سے اپنی ترتیب شدہ بیس ۲۰ قراءات میں زیر، زبر، پیش، تبدیلیٔ الفاظ وغیرہ پر مصر ہیں اور امت کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں کہ بیس قراءات کے علاوہ مروجہ و موجود قراءتِ حفص جو ہم سب پڑھتے ہیں اس میں بھی اختلافات موجود ہیں اس کی مثال آپ کسی واقعہ کے بارے میں استعمال شدہ الفاظِ آیات کا موازنہ کسی دوسری جگہ استعمال شدہ الفاظِ آیات سے کر کے اپنا مؤقف ثابت کرنا چاہتے ہیں (جیسا کہ آپ نے اپنے اسی مضمون میں صفحہ ۶۲۹ پر کیا ہے نیز آپ کے ایک اور رُشدی ساتھی نے باقاعدہ مضمون بعنوان "متنوع قراءات کا ثبوت ... ... روایت حفص کی روشنی میں" (از حافظ محمد مصطفیٰ راسخ۔ فاضل کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس تحقیق الاسلامی، لاہور۔ صفحہ ۹۱۔۱۰۸) لکھ کر گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ منطقی و فطری طور پر مختلف جگہوں پر بعض الفاظ کا فرق موقعہ محل، سیاق و سباق، موضوع کے اختلاف یا بحیثیت مجموعی عبارت کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے الفاظ کو اختلاف بنا کر یا بتا کر پیش کرنا صرف امت کو دھوکہ دہی کے

[۱] "رُشد" قراءات نمبر ۳۔ صفحہ ۶۳۳

مترادف ہے۔(تبصرہ ختم)

یہی رُشدی تیمیہ صاحب اپنے اسی مضمون میں ایک جگہ سعودی عرب کے شائع شدہ نسخہ اور پاکستانی نسخہ میں لفظ "ضعف" زیر اور پیش سے لکھے ہوئے کو اختلاف بنا کر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ کوئی طباعت کی غلطی نہیں۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ "کیا سلیم شاہ صاحب نے مراکش، موریطانیہ، لیبیا، تیونس، الجزائر اور افریقہ کے شائع شدہ مصاحف دیکھ لئے ہیں؟ جو یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ساری دنیا میں شائع شدہ مصاحب میں سے دو میں بھی زِیر، زَبر کا اختلاف نہیں ہے؟ کیا سلیم شاہ صاحب نے قراءاتِ سبعہ عشرہ میں بیروت اور بلادِ عرب سے شائع شدہ مصاحف نہیں دیکھے؟ جس چیز کا انسان کو علم نہ ہو اس میں "بیڑیاں[1]" مارنے کی قرآن نے "رجماً بِالغَیْب" کہہ کر مذمت کی ہے۔ مغرب اقصیٰ میں صدیوں سے مصاحف وَرش کی روایت کے مطابق شائع ہو رہے ہیں جو ہمارے مصاحف سے بہت مختلف ہیں۔ لیکن یہ اختلاف ایسا نہیں ہے کہ اس سے قرآن کے معنی و مفہوم میں تضاد پیدا ہوتا ہو جیسا کہ بائیبل میں اختلاف کا معاملہ ہے .... تورات و انجیل کے باہمی اختلافات میں تو مسئلہ یہ ہے کہ سرے سے کوئی سند ہی نہیں ہے۔ جبکہ قرآن میں اختلاف قراءات کے ایک ایک حرف کی آپ ﷺ تک باقاعدہ سینکڑوں اسناد موجود ہیں! دوسری بات یہ ہے کہ بائیبل کا اختلاف تضاد کا اختلاف ہے جبکہ قرآن کی قراءات کا اختلاف تفسیر و بیان کا ہے[2]

تبصرہ:

.(ا)۔...رشدی تیمیہ صاحب لفظ "ضُعُفٍ" میں زبر اور پیش کے فرق کو طباعت کی غلطی ماننے کو تیار نہیں بلکہ شاید وہ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ دونوں جگہ روایت حفص ہی شائع ہو رہی ہے مگر اس لفظ میں اختلافِ قراءت ہے۔ تو ہم عرض کرتے ہیں کہ عام قاری اگر اس فرق کو پہچان بھی لیتا ہے تو اسے طباعت ہی کی غلطی پر محمول کرتا ہے جس طرح کہ یہاں اور وہاں کے شائع شدہ نسخوں میں رسم ضبط اور رموز او قاف وغیرہ میں فرق پائے جاتے ہیں۔

.(۲)۔... دوسری بات موصوف کو یہ معلوم ہی نہیں کہ افریقہ کوئی علیحدہ سے ملک نہیں بلکہ برِّاعظم ہے۔ انہوں نے جن ممالک کے نام لکھے ہیں وہ برِّاعظم افریقہ ہی کے مسلمان ملک ہیں۔

.(۳)۔... تیسری بات یہ کہ ساری دنیا میں شائع شدہ مصاحف میں سے دو میں بھی زِیر، زبر کا اختلاف نہیں کے دعویٰ پر ان کو اعتراض ہے تو ان کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ اب سے تقریباً ستر ۷۰ سال پہلے تک جرمنی کے قرآن محل میں چند دشمنانِ قرآن عجمیوں نے ساری دنیا سے بیالیس ہزار ۴۲۰۰۰ قرآن کریم کے طبع شدہ نسخے جمع کرکے ان میں اختلاف تلاش کرنے کی کوششیں کی تھیں مگر کامیاب نہ ہو سکے اور جنگ عظیم دوم کی بمباری میں قرآن محل کے تباہ ہونے سے پہلے انہوں نے جو فرسٹ رپورٹ تیار کی تھی تو اس میں یہ اعتراف کیا تھا کہ بسیار ہزار کوشش، طباعت کی چند غلطیوں

[1] بیڑیاں: یہ اُردو کا لفظ نہیں بلکہ پنجابی کا لفظ ہے اور شاید یہ انہوں نے یہ ثابت کرنے کیلئے لکھا ہے کہ اُردو میں بھی دوسری زبانوں کی لغت کی آمیزش ہو سکتی ہے۔ نیز یہ کہ قرآن نے "رجماً بالغیب" کہہ کر کوئی مذمت نہیں کی ہے بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں لوگ قیاس آرائی کرتے ہیں یا ظن سے کام لیتے ہیں۔ ذرا قرآن کریم اُٹھا کر سورہ الکھف کی آیت نمبر ۲۲ ملاحظہ کیجئے اور بتایئے اس میں کن الفاظ سے مذمت ثابت ہوتی ہے؟ مولانا محمد جونا گڑھی نے "رجماً بالغیب" کا ترجمہ "غیب کی باتوں میں اٹکل (کے تیر تکے) چلاتے، کیا ہے۔..... [2] ایضاً۔ صفحہ ۶۲۸

کے سوا وہ کوئی اختلاف یا تضاد نہ پا سکے اور طباعت کی غلطیاں بھی ایسی تھیں کہ اگر ایک نسخہ میں تھیں تو دوسرے میں نہیں۔ اس واقعہ اور حقیقت کے گواہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم تھے جس کا ذکر میں پیچھے تفصیل سے کر چکا ہوں تو موصوف کی یہ منطق بھی بیکار ہو گئی۔

.(۴)۔...چوتھی بات یہ کہ "مغرب اقصیٰ" میں **صدیوں** سے مصاحف، وَرش کی روایت کے مطابق شائع ہو رہے ہیں جو ہمارے مصاحف سے بہت مختلف ہیں" اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ رُشدی تیمیہ صاحب کا یہ جھوٹ شاید دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ صدیوں سے مغرب اقصیٰ میں روایت ورش طبع ہو رہی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو کم از کم ایک آدھ نسخہ مع سال طباعت کا عکس (Photostated Copy) اپنے رسالہ میں شائع کر دیتے کہ یہ فلاں صدی کا رَوایت ورش میں طبع شدہ نسخہ ہے۔ بر خلاف اس کے ان کے رُشدی ساتھی جناب حافظ محمد مصطفیٰ راسخ صاحب نے کم از کم بارہ [۱۲] عکس، روایت ورش کے مطابق طبع شدہ مصاحف کے، مختلف ملکوں سے، اپنے رسالہ رُشد حصہ اول میں شائع کئے ہیں مگر ان بارہ میں سے صرف دو پر سال اشاعت تحریر شدہ ہے۔ ایک پر " **بِرِوَايَةِ وَرْشٍ عن نافع ، الطَّبَعَةُ الأُولى** ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء تحریر ہے یہ دارالخیر (سوریا) کے زیرِ اہتمام روایت ورش عن نافع میں مطبوعہ مصحف کے صفحہ اول کا عکس (ص ۲۳۱) ہے۔ دوسرا (ص ۲۴۲) تیونس والجزائر کے مطبوعہ نسخہ کا صفحہ اول کا عکس ہے جس کے کونوں میں ۱۳۸۳ھ۔ ۱۹۶۴م تحریر ہے۔ شاید جنگِ عظیم دوم کے بعد یہ پہلی جسارت تھی کہ تیونس یا الجزائر والوں نے روایت وَرش کو تحریری شکل دے کر مصحف طبع کرایا۔ اسی لئے یہ جرمنی والوں کی نظر میں نہ آسکا۔

رُشدی صاحب نے ان بارہ کے علاوہ پانچ عکس روایت قالون کے مصاحف کے دیئے ہیں جن میں سے صرف ایک پر (صفحہ ۳۶) جو کہ تیونس کا طبع شدہ ہے سال اشاعت ۱۴۰۱ھ۔ ۱۹۸۱ء تحریر ہے۔ اس کے علاوہ چار عکس روایت دوری کے مصاحف کے صفحہ اول یا آخر کے ہیں جن میں سے صرف ایک پر (ص ۲۳۰) جو کہ لبنان کا طبع شدہ ہے سال اشاعت ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۵ء تحریر ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ کسی بھی قراءت کو تحریری شکل میں بطور مصحف شائع کرنے کی پہلی جسارت، چودہ سو سالوں میں، جنگ عظیم دوم کے بعد مغرب کے افریقی ملک تیونس یا الجزائر سے بیسوی صدی عیسوی کی ساٹھ کی دہائی میں ہوئی۔ جبکہ چودھویں صدی ہجری تقریباً اختتام پذیر ہو رہی تھی (اسّی ۸۰ کی دہائی)۔ سعودی عرب سے یہ مصاحف ۱۴۱۰ھ کے بعد طبع ہونا شروع ہوئے بلکہ اس کے کافی بعد اس کی تصدیق ایک اور رُشدی صاحب کے مضمون بعنوان "مصحف المدینۃ النبویہ کی اہمیت اور اس پر تحقیقی کام کا تعارف" (از قاری محمد ادریس العاصم، صدر مُدرس المدرسۃ العالیۃ تجوید القرآن، مسجد لسوڑیاں والی اہلحدیث لاہور مصنف کتب کثیرہ) سے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مضمون میں رقم طراز ہیں:

... ● ... "محرم ۱۴۰۳ھ میں خادم الحرمین الشریفین الملک فہد بن عبدالعزیزؒ نے ایک فرمان جاری کیا، جس میں کہا گیا تھا کہ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے اوپر یہ ایک اہم دینی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم قرآن حکیم کی ایک ایسی طباعت کا اہتمام کریں جس میں قرآن حکیم کے شایانِ شان اور اغلاط سے بالکل مبرا اور رسم عثمانی اور دیگر فنی اوضاع کا اہتمام کیا جائے"[۱]

[۱،۲] رُشد، حصہ اول۔ صفحہ ۵۸۵۔۵۸۶

تبصرہ: غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں تو صرف ایک حَرَم کا ذکر کیا ہے (۲۸/۵۷ ، ۵/۹۷ ، ۲۹/۶۷) مگر عجمیوں نے اس کا بھی شریک بنا کر دو حرم (حرمین) کر دیئے۔ فرمان میں الفاظ قرآن حکیم دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ قرآن مبین ہی قرآن حکیم ہے۔ حکم کوئی علیحدہ سے مثلہٗ ومعہٗ نہیں۔ یہ تو عجمیوں کی گھڑنت ہے۔ اسی طرح الفاظ رسم عثمانی اور دیگر فنی اوضاع (وضع کی جمع) یہ فنی گھڑنت ہیں جو کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے بعد بلکہ خلفائے راشدین کے بعد گھڑی گئیں ورنہ تو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن حکیم جس طرح سے لکھوایا تھا صرف اسی کو توقیفی کہا جا سکتا ہے مگر اس کو سازش کے تحت امت سے محو کر دیا گیا، مہجور کرا دیا گیا اور اس کی جگہ شاید خطِ کوفی میں لکھوا کر مختلف مقامات پر رکھ کر مشہور کر دیا گیا کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مصاحف ہیں۔ زمانۂ حال کے ایک ہندوستانی محقق جناب اسرار عالم صاحب کے مطابق یہ نام نہاد مصاحف دنیا کے بیس مقامات پر انہوں نے خود مشاہدہ کئے ہیں مگر ان پر یقین کرنے کی انہیں کوئی وجہ نہ ملی)(تبصرہ ختم)

...● ... اس ادارہ کا ماہ صفر ۱۴۰۵ھ بمطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو شاہ فہد مرحوم نے سنگِ بنیاد رکھا۔ جس کا نام مجمع الملک فھد الطباعۃ المصحف الشریف رکھا گیا۔ جو وزارت حج واوقاف کے ماتحت ایک ادارہ تھا۔ اس ادارے کا اہم اور بنیادی ہدف یہ تھا کہ مختلف روایات و قراءات متواترہ جو مختلف اسلامی ممالک میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں ان کے مطابق مصاحف کی طباعت کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے روایت حفص کے مطابق قرآن پر کام ۱۴۰۴ھ میں شروع کیا گیا (صاف ظاہر ہے کہ دیگر روایات پہلے سے طبع نہیں ہو رہی تھیں)

...● ... اس مصحف کو بعد ازاں سرکاری طور پر مصحف المدینۃ النبویۃ کا نام دیا گیا۔ جس کی طباعت ۱۴۰۵ھ میں ہوئی مگر پھر تصحیح کے بعد ۱۴۰۷ھ میں پھر شاید فائنل طباعت ۱۴۰۹ھ میں ہوئی۔ اسی مصحف میں کلمہ **ضَعفٍ** ضاد مفتوحہ سے درج ہے[1]۔ (جس کا حوالہ رُشدی تیمیہ صاحب نے اوپر دے کر یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ وہ دوسری قراءت ہے یا پھر یہ کہ روایت حفص ہی میں اختلاف ہے حالانکہ یہ طباعت ہی کی غلطی ہے مگر ہٹ دھرمی سے رُشدی حضرات اس کو غلطی ماننے کو تیار نہیں۔ اس کی غلطی کا ثبوت یہ کہ مجمع الملک فہد سے طبع شدہ دیگر قراءات (ورش، دوری، قالون) اور پاکستان کے لئے طبع شدہ روایت حفص[2] میں بھی ضُعفٍ کے ضاد پر پیش ہے۔ لیکن وہیں کی طبع شدہ روایت حفص میں ضَعفٍ پر زبر ہے۔ اتفاق سے یہ لفظ ایسا ہے کہ زبر یا پیش سے اس کے معنی و مفہوم میں فرق نہیں پڑتا۔

...● ... یہاں میں آپ حضرات کے سامنے یہ بات خاص طور پر عرض کروں گا کہ پاکستان میں چھپنے والے قرآنِ حکیم کے نسخہ جات میں علامات وقوف کی اس قدر بھرمار ہے کہ ایک عام قاری کو ان علامات وقوف کو یاد رکھنا بھی ایک جہدِ مسلسل کا متقاضی ہے[2]۔ (بات کتنی واضح ہے کہ دشمنانِ قرآن کا اصل ہدف ہمیشہ سے قرآن حکیم ہی رہا ہے اس لئے وہ مختلف فنون وضع کرتے رہے اور جہاں موقعہ ملا کوئی نہ کوئی کاروائی کر ڈالی۔ کسی نے علامات وقوف لاتعداد کر دیں تو کسی نے ان کو اُڑا ہی دیا۔ جیسا کہ ہمارے ممدوح جناب مسعود احمد صاحب مرحوم امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) نے اپنی تفسیر اور ترجمہ میں کیا ہے اور علامات وقوف کی جگہ انگریزی کا کامہ (Coma ،) متعارف کرا دیا ہے۔ بیشک اس طرح پڑھنے میں آسانی پیدا ہو گئی اور آیات بنانے میں جو پچھلے کاتبین سے غلطیاں ہوئیں ان کی تصحیح ہو جائے گی)

[1] اس مصحف پر یہ نہیں لکھا گیا کہ یہ روایتِ حفص کے مطابق ہے۔...... [2] رُشد حصہ اوّل، صفحہ ۵۸۵۔۵۸۶

•... ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح مصحف المدینۃ النبویۃ میں بڑی مختصر اور جامع انداز میں علامات وقوف مقرر کی گئی ہیں اسی طرح پاکستان کے مطبوعہ قرآن کے نسخوں میں بھی وہ علامات وقوف اختیار کرنی چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مصحف المدینۃ النبویۃ ایک ایسا شاہکار ہے جس میں پڑھنے والے کے لئے بہت زیادہ آسانی اور سہولت کا اہتمام کیا گیا ہے[1]۔ (میں سمجھتا ہوں کہ جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے طبع شدہ قرآن مجید مع ترجمہ اور تفسیر میں عربی کا متن پڑھنا زیادہ آسان بنا دیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض مقامات پر ترجمہ میں جان کر گڑبڑ کی گئی ہے تا کہ اپنا حدیثی' عقیدہ ثابت کیا جاسکے۔ صدیق)

•... المصحف المدینۃ المنورہ' بروایت حفص کے بعد مجمع الملک فہد نے اپنی شاندار، دیدہ زیب اغلاط سے پاک اور قواعد رسم الخط اور علامات وقوف اور علامات ضبط کی انہی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے دیگر روایات و قراءات میں سے سب سے پہلے روایت ورش عن الامام نافع مدنیؒ کے مطابق قرآن طبع کیا۔ روایت ورش مغرب، جزائر، تیونس، موریطانیہ، سینیگال، چاڈ اور نائیجیریا کے علاقوں میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ اس مصحف میں بھی قواعدِ رسم عثمانی کا ازحد اہتمام کیا گیا۔ اس کا خط مغربی ہے اور آیات کا شمار مدنی اخیر کے مطابق (۶۲۱۴) چھ ہزار دو سو چودہ ہے[2]۔

•... بعد ازاں مجمع کی طرف سے روایت دوری عن امام ابو عمرو بصریؒ کے مطابق قرآن طبع کیا گیا۔ اس کی آیات کی تعداد مدنی اوّل کے شمار کے مطابق (۶۲۱۴) چھ ہزار دو سو چودہ ہے۔[3]

•... نیز مجمع الملک فہد سے روایت قالون عن الامام نافع مدنیؒ کے مطابق بھی قرآن طبع ہو چکا ہے جس میں خط مغربی کا اہتمام کیا گیا ہے اور قواعد رسم عثمانی کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا ہے[4]۔ (اس مصحف کی آیات کی تعداد موصوف نے نہیں لکھی۔ بہر حال وہ بھی (۶۲۱۴) چھ ہزار دو سو چودہ ہی ہے)

تبصرہ: غور کیجئے کہ موصوف کے اوپر درج شدہ اقتباسات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ روایت حفص کے علاوہ دیگر تین روایات ورش، دوری اور قالون، سعودی عرب سے غالباً ۱۴۰۹ھ کے بعد ہی میں طبع ہونا شروع ہوا اور اس میں بھی پاکستانی سلفی و اہلحدیث شامل رہے ہیں بلکہ شاید انہی کے اکسانے پر سعودی حکومت نے یہ کاروائی کی اور انہیں سازش کی بو نہ آئی۔ اسے پردہ میں رکھنے کے لئے ان سے ایک مصحف پاکستان اور برّصغیر پاک وہند کے رسم وضبط کے مطابق بھی طبع کرا لیا گیا اور پھر تفسیر عثمانی (دیوبندی) اور تفسیر محمدی (اہلحدیث) بھی طبع کرا کر پاکستانیوں کو بھی خوش کر دیا گیا۔ اہم بات یہ کہ رُشد کے تینوں شماروں میں یہ کسی نے بھی نہیں بتایا کہ آیات کا روایت حفص سے فرق کیوں ہے؟ کیا (۲۲) بائیس آیات ان روایات میں سے نکال دی گئی ہیں یا کچھ ردّوبدل کر کے تعداد کم کی گئی ہے؟ میرے خیال میں تو دونوں ہی صورتوں میں یہ تحریفِ قرآن ہے۔ اسی طرح حدیثِ عجم کی بناء پر امریکہ میں ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے سورہ توبہ کی آخری دو آیات قرآنِ حکیم سے نکال کر آیات کی تعداد، اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے (۶۲۳۴) چھ ہزار دو سو چونتیس کر دی ہوئی ہے۔ وہ بھی مصری نژاد' **صوفی زادہ** تھا۔ مگر اس نے جو کاروائی کی اور جس مصحف کا ترجمہ انگریزی میں کیا وہ روایت حفص ہی کے مطابق معلوم ہوتا ہے یونکہ نکالی ہوئی دو آیات شمار کر کے کل آیات کی تعداد (۶۲۳۶) چھ ہزار دو سو چھتیس (مطابق روایت حفص) ہو جاتی ہے۔

[1] رُشد حصہ اوّل، صفحہ ۵۹۱ ..... [2] رُشد حصہ اوّل، صفحہ ۵۹۱ ..... [3]، [4] رُشد حصہ اوّل، صفحہ ۵۹۲

موصوف کے اس مضمون کی ایک صفت متاثرہ یہ بھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ ۱۴۰۵ھ سے قبل شاید قرآن حکیم دنیا بھر میں صحیح طبع نہیں ہو رہے تھے جو مجمع الملک فہد الطباعت المصحف الشریف قائم کئے جانے کے بعد صحیح طبع ہونا شروع ہوئے۔ اس سلسلہ میں اس تاثر کی تصدیق رُشد کے حصہ نمبر ۳ میں ایک مضمون "پاکستانی مصاحف کی حالتِ زار اور معیاری مصحف کی ضرورت" (از حافظ انس نضر مدنی، حافظ مصطفیٰ راسخ، نظر ثانی ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحبان) سے ہو جاتی ہے۔ جس میں پاکستانی مطبوعہ مصاحف میں اغلاط کی سرخی کے تحت رسم کی اغلاط ۲۲۵، ۲، ضبط کی اغلاط ۵۸۵، ۴۲ اور ہمزہ کی اغلاط ۷۷۶، ۲۸ یعنی ٹوٹل ۵۸۶، ۳۷ اغلاط بتائی گئی ہیں! ان کے علاوہ دیگر غلطیاں بھی بتائی گئی ہیں!! غور کیجئے کہ ہم لوگ جو قرآن حکیم پڑھتے ہیں وہ کتنا غیر معیاری ہے (نعوذ باللہ)۔ اب جب رُشدی حضرات اپنے ادارہ (دار السلام) سے طبع کرائیں گے تو معیاری مصحف میسر آسکے گا۔

قاری محمد ادریس العاصم صاحب کے مضمون کے آخری جملہ کا تاثر بھی دیکھتے چلئے کہ فرماتے ہیں:

"راقم الحروف جب آخری مرتبہ سعودی عرب گیا تو مجمع الملک فہد مدینہ منورہ میں بھی جانے کا موقعہ ملا۔ وہاں معلوم ہوا کہ ان شاء اللہ العزیز قراءات عشرہ متواترہ کی تمام بیس ۲۰ روایات پر قرآن حکیم طبع کئے جائیں گے اور اس سلسلہ میں بڑی تحقیق و تدقیق سے کام جاری ہے"[1]

تبصرہ: موصوف کے اس جملہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ سعودی عرب کے حکام میں بھی قرآن کی اہمیت و اصلیت سمجھنے کی صلاحیت نہیں جبکہ ان کے اپنے علما تو پہلے ہی رشدیوں کے سحر میں مبتلا ہیں یا پھر وہ قرآن دشمنی کی سازش میں شریک ہیں کہ سبعہ قراءات کو عشرہ بنا کر، بیس روایات بنا کر اور ان کی طباعت کر کے اس امت کا بیڑہ غرق کر دو۔ (تبصرہ ختم)

(۵)۔ ...پانچویں بات کہ موصوف رُشدی تیمیہ صاحب کے بیان کا آخری جملہ کہ "قرآن میں اختلاف قراءات کے ایک ایک حرف کی آپ سلاﷺ علیہ تک با قاعدہ سینکڑوں اسناد موجود ہیں" ۔ دنیا کا دوسرا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ ان کی اس کذب بیانی کی قلعی ایک اور رُشدی محقق صاحب نے اپنے مضمون "تواتر کا مفہوم اور ثبوت قرآن کا ضابطہ" از محمد آصف ہارون صاحب (فاضل کلیۃ الشریعۃ، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور) نے تواتر اسنادی کی سرخی کے تحت یہ لکھ کر کھول دی:

"قرآن مجید کے ثبوت میں اسنادی تواتر موجود ہے البتہ ائمہ عشرہ تک ہے اگرچہ اس سے آگے تواتر اسنادی و تواتر عددی موجود نہیں۔ کیونکہ ائمہ عشرہ سے قبل اختلاط و روایات کا دَور دَورہ تھا"۔[2] (معاذ اللہ)

تبصرہ: یہ حقیقت کس طرح کھل کر سامنے آگئی کہ ائمہ عشرہ سے پہلے، قراءات سبعہ یا عشرہ کا تواترِ اسنادی رسول اللہ سلاﷺ علیہ تک نہیں۔ یعنی یہ بے سند روایات ہیں اس لئے ان روایات کا منزل من اللہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی رسول اللہ سلاﷺ علیہ نے یہ روایات صحابہؓ کو سکھائیں۔ ائمہ عشرہ اور ان کے شاگرد جن کے نام سے قراءات مشہور ہیں سب ہی دوسری اور تیسری صدی کے لوگ ہیں اور سبعہ قراءات کو ایک جگہ جمع کرنے والے ابن

[1] ایضاً۔ صفحہ ۵۹۲ ...... [2] رُشد۔ حصہ دوم۔ صفحہ ۴۹۳

مجاہد چوتھی صدی کے ہیں۔ مطلب یہ سب گورکھ دھندا دوسری سے چوتھی صدی کا گھڑنت ہے۔ جبکہ موصوف اس حقیقت کو چھپانے کے لئے یہ بھی لکھ گئے کہ ائمہ عشرہ سے قبل اختلاط و روایات کا دَور دَورہ تھا۔ (تو رسول کی ساری قرآنی تعلیم تو غرق ہو گئی تھی۔ نعوذ باللہ) غور کیجئے کہ یہ کتنا بڑا کذب و فریب ہے کہ ائمہ عشرہ سے قبل یعنی رسول سلامٌ علیہ اور خلفاءِ راشدین بنو اُمیہ کے زمانے میں قرآن کریم کی قراءات میں اختلاط تھا اور روایات کا دَور دَورہ تھا۔ حالانکہ یہ ان دونوں باتوں ہی کا اس صدی میں فقدان تھا۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود صرف تلاوتِ آیات کر کر کے صحابہؓ کو قرآن مبین پڑھا کر تشریف لے گئے اور روایات کو لکھنے سے روک دیا ہوا تھا جبکہ خلفاء تو روایات زبانی بیان کرنے سے بھی روک دیتے تھے۔ نتیجتاً یہ دونوں ہی چیزیں دوسری سے تیسری صدی ہجری میں گھڑی گئیں اور تیسری چوتھی صدی ہجری میں جمع کر کے امت کو گمراہی کی طرف ڈال گئیں۔ اور اب پندرھویں صدی ہجری میں امت کے تابوت میں، ایک قرآن کے ۲۱ قرآن بنا کر، آخری کیل ٹھوکی جا رہی ہے (معاذ اللہ) (تبصرہ ختم)

موصوف رُشدی محمد آصف ہارون صاحب ایک دو اور بھی اچھی باتیں یا حقیقتیں لکھ گئے ہیں مثلاً "تواتر کے مفہوم میں صحیح مؤقف" کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"علماء نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ جب وہ "**کتاب اللہ**" بولیں گے تو اس سے مراد ان کے نزدیک "**قرآن مجید**" ہو گا۔"[1]

(یہ الگ بات ہے کہ اب وہ اکیس ۲۱ قرآن مجید ہوں گے ایک نہیں۔ جبکہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب مرحوم، امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) علماء کے اس اتفاقی حقیقت کو نہیں مانتے تھے بلکہ وہ کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید اور عجمیوں کی نام نہاد احادیث لیتے تھے۔ اس بارے میں پچھلی کتاب میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے وہاں دیکھ لیجئے۔)

اسی طرح، اسی تواتر کی بحث میں آگے چل کر موصوف رُشدی محقق صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ذخیرۂ احادیث میں مکمل تلاش و بسیار کے بعد ایک ہی ایسی مثال ملتی ہے جو عددی تواتر پر پوری اُترتی ہے۔ اور وہ حدیث 'مَن كَذَّبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ' ہے لہٰذا تواتر کو عددی تواتر کے خاص نام جو کہ خاص مفہوم پر دلالت کرتا ہے سے متعلق کرنا بہر صورت ٹھیک نہیں ہے"[2]

غور کیجئے کہ موصوف نے کتنی بڑی حقیقت پر سے پردہ اُٹھا دیا ہے ورنہ تو تمام سلفی و رُشدی سب ہی، تقریباً تمام نام نہاد احادیث کو صحیح اور متواتر مانتے ہیں۔ منطقی اور عقلی طور پر بھی یہ روایت ارشادِ رسول ہو سکتی ہے یونکہ اس کے معنی و مفہوم (موصوف نے ترجمہ جان کر نہیں کیا) قرآن مبین کے مطابق ہیں۔ اس کے معنی یا مفہوم یہ ہیں کہ جو کوئی رسول سلامٌ علیہ کی طرف کذب بیانی کرے یا ان کی طرف غلط بات منسوب کر لے (کہ قرآن مبین کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مثلہٗ معہٗ احادیث بھی وحی کیں) وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔

اب ہم آپ کی توجہ اس طرف مبذول کراتے یں کہ فاضل رُشدی محقق تیمیہ صاحب نے ایک اور مضمون "قدیم مصاحف قرآنیہ............ ایک تجزیاتی مطالعہ"[3] بھی تحریر کیا ہے۔ اس میں انہوں نے ۹۴ قدیم مصاحف ترکی،

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۴۸۵ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۴۸۷...... ۳۔ رُشد۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۸۰۵-۷۸۷

برطانیہ، عراق، تیونس، آئرلینڈ، ہندوستان، مراکش، یمن، تاشقند، ایران، مصر، فلسطین، افغانستان، پاکستان، امریکہ، سعودی عرب، فرانس، وغیرہ میں ہونے کا ذکر کیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی کسی صحابیؓ تک کا مصحف ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح وہ نسخہ امام جو شہادتِ عثمانؓ کے وقت ان کے سامنے تھا اس کا بھی ثبوت نہ دے سکے۔ جبکہ پانچ مختلف مقامات پر اس کے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے یعنی مصر، بصرہ، تاشقند، حمص اور استنبول۔ مگر انہوں نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ ان کے بارے میں مصحفِ امام ہونے کا گمان کیا جاتا ہے۔ پھر حال ہی میں صنعاء۔ یمن کی ایک مسجد سے (۱۹۷۲ء میں) کچھ پرانے اور بوسیدہ مصاحف یا اوراق وغیرہ ملے جن کو پڑھنے اور معائنے کے لئے مغربی جرمنی سے عربی حروف کی پہچان کے ماہر جرمن مستشرق ڈاکٹر پیون کو بلایا گیا جنہوں نے ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۶ء تک ۴۰ ہزار صفحات میں سے ۱۵ ہزار صفحات پر کام کیا جن میں سے ۱۲ ہزار صفحات قدیم مصاحف کے تھے۔ ڈاکٹر پیون کے بقول کاربن ٹیسٹ کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ ان مصاحف میں پہلی اور دوسری صدی ہجری کے نسخے بھی شامل ہیں۔ بہر حال اس کام کے دَوران قدیم مصاحف کے تقریباً ۱۵ ہزار صفحات کو صاف، مرتب اور منظم کیا گیا جو اس وقت (مسجد) جامع کبیر (صنعاء) کے سامنے قائم شدہ دار المخطوطات میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر حمدون غسان کے بقول اب تک تقریباً ۱۰۰ سے زائد مصاحف مرتب کئے جا چکے ہیں[1]۔ پہلی صدی ہجری کے دو اور دوسری صدی ہجری کے ایک صفحہ کی فوٹو کاپی بھی انہوں نے دی ہے۔ مگر کسی طرح سے بھی کہیں یہ نہ ثابت کر سکے کہ وہ مختلف قراءات پر مشتمل ہیں۔ سوائے اس کے کہ ان تینوں صفحات پر ایک ایک لفظ کا لکھائی میں فرق ہو گیا ہے۔ آگے موصوف لکھتے ہیں کہ ”مستشرقین قراءات متواترہ یا رسم الخط کے مذکورہ بالا معمولی اختلافات کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن کے مابین اختلافات کو نمایاں کرتے ہیں اور اپنے تئیں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن میں ہر دَور میں اختلاف رہا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ عامی مسلمانوں کا قرآن کے بارے عقیدہ یہی ہے کہ انہوں نے روایت حفص میں بطور قرآن جو کچھ پڑھ لیا ہے' اس میں کسی زیر، زبر، پیش یا حرف کا اضافہ بھی جائز یا ممکن نہیں ہے۔“[2]

تبصرہ: موصوف نے مواد جمع کرنے میں خاطر خواہ محنت کی مگر قدیم نسخوں میں اختلافی قراءات کا کوئی ثبوت نہ دے سکے۔ نہ ہی نسخہِ امام کے کہیں موجود ہونے کا ثبوت دے سکے بلکہ بات صرف گمان تک ہی رہی۔ غور کیجئے کہ جب صنعاء میں کچھ قدیم و بوسیدہ کاغذات ملے تو انہیں پڑھنے، معائنہ کرنے اور شناخت مقرر کرنے کے لئے جرمنی سے مستشرق کو بلانا پڑا۔ پوری مسلمان دنیا میں بڑے بڑے قابلیت کا دعویٰ کرنے والے' جو کہ ایک کی اسّی ۸۰ قراءات بنا سکتے ہیں اور لکھ سکتے ہیں ان سے یہ کام نہ ہو سکا۔ جب کہ اپنے سارے کرتوتوں کا نزلہ مستشرقین پر گرا کر عوام کے سامنے ان کو مطعون کرتے رہتے ہیں! حالانکہ ان کی کتنی سیرت، حدیث وغیرہ کی کتابیں انہی مستشرقین نے ایڈٹ کر کر کے چھپوا لی ہیں۔ مجھے تو اس میں بھی سازش ہی نظر آتی ہے یونکہ یہی عجمی تو آج کے علماء و فضلاء کے سَلف صالحین تھے!

موصوف نے مان لیا کہ ” عامی مسلمانوں کا قرآن کے بارے میں عقیدہ یہی ہے کہ انہوں نے روایت حفص میں بطور قرآن جو کچھ پڑھ لیا ہے اس میں کسی زیر' زبر' پیش یا حرف کا اضافہ بھی جائز یا ممکن نہیں ہے“ جبکہ پیچھے

۱۔ ایضاً۔ ملخصاً...... ۲۔ ایضاً صفحہ ۸۰۱

حوالہ شدہ مضمون میں وہ اس عقیدہ یا ایقان کو جہالت کہہ چکے ہیں۔ یہاں وہ مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ ”یہ عقیدہ مسلمان اہل علم میں سے کسی کا بھی نہیں ہے“۔[1] (معاذ اللہ) اب موصوف کے اس دعویٰ کی تصدیق یا تکذیب کے لئے ان کے مضمون سے صرف دو صفحہ پہلے کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ مضمون ہے ”تحریفِ قرآن، منصف مزاج مغربی مفکرین کی نظر میں“ از جناب مدثر حسین صاحب (لیکچرار گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ، لاہور)

”قرآن کریم کی صداقت صرف ہمارے نزدیک ہی مسلّم نہیں ہے بلکہ متعصّب سے متعصّب معاندین بھی اپنی تمام کوششوں کی ناکامیوں کے بعد ان عظیم حقائق کے معترف ہوگئے ہیں کہ قرآن کریم ہی واحد آسمانی صحیفہ ہے جو تحریف و تبدیلی سے محفوظ ہے اور اپنی اصل شکل میں موجود ہے۔

(۱)۔ عہد حاضر کے نقاد اس پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس نسخہ کا ہو بہو عکس ہیں جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کر دیا تھا۔

(۲)۔ یورپ کے محققین کی وہ تمام کوششیں قطعاً ناکام رہی ہیں جو قرآن کے اندر بعد کے زمانہ میں کسی اضافہ وغیرہ کو ثابت کرنے کیلئے کی گئی تھیں۔

(۳)۔ قرآن حکیم کا متن بعینہٖ وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا اور جو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں رہتا تھا“۔[2]

تبصرہ: مدثر حسین صاحب کے اس اقتباس نے تو رُشدیوں کا سبعہ قراءات کا عقیدہ باطل قرار دیدیا یونکہ لیکچرار صاحب تو صرف ایک ہی نسخہ مان رہے ہیں جو رسول سلامؐ علیہ نے لکھایا تھا، آپ کے استعمال میں رہتا تھا اور جسے آپ نے امت کو دیا تھا۔ اور اس میں کسی طرح کا اضافہ وغیرہ نہیں کیا جاسکا وہ اپنی شکل میں موجود ہے۔ (مگر اب سلفی و رُشدی اہلِ علم اس کی شکل بگاڑ کر ۲۱ قرآن بنا رہے ہیں)۔ لیکچرار صاحب اپنے مضمون میں ”قرآن کریم کے متعلق بعض مستشرقین کی مثبت آراء“ کے عنوان کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ:

”دنیا کی تمام مذہبی کتب مقدسہ پر قرآن کو ہر حیثیت سے برتری حاصل ہے۔ عہد نامہ قدیم و جدید کی تدوین میں تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کا عرصہ لگا۔ بادشاہوں سے لے کر فقیروں تک ہزاروں افراد نے اس کی تدوین میں حصہ لیا۔ اس کا مستند ترین حصہ تورات دو جداگانہ کتب (الوہی اور یہوی) کا اشتراک ہے اور تحریف و تصریف سے پُر ہے۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے جبکہ اس میں وہ واقعات بھی درج ہیں جو ان کے بعد وقوع پذیر ہوئے۔ عہد نامہ قدیم کی حقیقی اہمیت صرف یہ ہے کہ وہ یہود کی مذہبی تاریخ کو بیان کرتا ہے۔

عہد نامہ جدید کی حقیقی نوعیت یہ ہے کہ متعدد نامعلوم افراد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات اپنے اپنے نقطۂ نظر سے ترتیب دی ہے۔ یہ مؤلفین خود عینی شاہد تک نہیں ہیں۔ صدیوں بعد سنی سنائی باتوں کو واقعاتی رنگ دیا اور یہ کتب آسمانی قرار پا گئیں۔ (جس طرح مسلمانوں کے ہاں سُنی سنائی باتوں کو صدیوں بعد واقعاتی رنگ دے کر عجمیوں نے جمع کیا، جیسا کہ بخاری کے نام ”**الجامع الصحیح المسند المختصر**

[1] ایضاً۔ صفحہ ۸۰۱..... [2] ایضاً۔ صفحہ ۷۸۵

من ''اُمورِ'' رسول الله و ''اَیَامِهٖ'' ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے ایّام کے امور جمع کئے گئے تھے۔ بعد میں اسے تقدس کا رنگ دے کر حدیثِ رسول اور وحی خفی کا رنگ دے کر آسمانی صحیفہ قرآن کے مثلهٗ و معهٗ قرار دیدیا گیا۔ صدیق) جبکہ قرآن ایک فردِ واحد پر نازل شدہ وحی الٰہی کا مجموعہ ہے۔ جس کی حفاظت کا شعوری اہتمام دورِ نبوی ہی سے کیا جارہا ہے نہ صرف اسے تحریری طور پر محفوظ کیا گیا بلکہ نبی مہربان ﷺ سے لے کر آج تک کروڑوں افراد نے اسے سینوں میں محفوظ کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد، دو سال کے اندر اندر، خلیفہ اوّل نے اس کے تمام اجزاء کو جمع کر کے اس کا مکمل نسخہ مدوّن کیا (یہ بات سلفیوں / عجمیوں کی نقل ہے۔ ورنہ رسولؐ کا نسخہ الگ الگ اجزاء میں نہیں تھا بلکہ وہ کتاب مدوّن شدہ تھی۔ اسے مدوّن کرنے کی کہانی کذب و افتراء ہے۔ نعوذ باللہ رسولؐ نے اپنا بنیادی کام ہی نہ کیا تھا جس کے لئے ان کی بعثت ہوئی تھی! صدیق) دنیا میں پایا جانے والا کوئی نسخہ اوّلین نسخے سے ادنیٰ سا بھی اختلاف نہیں رکھتا''[1]

مگر اب تو سلفی رُشدی حضرات اختلافات کو ۲۰، پھر ۸۰ اور پھر سینکڑوں تک پھیلانے کے منصوبہ پر عمل پیرا ہیں۔ آگے موصوف لیکچرار صاحب مشہور مستشرق کارلائل جس نے آنحضور سلامٌ علیہ کو انبیاء کا ہیرو تسلیم کیا' جو اسلام کی موافقت میں قلم اُٹھانے میں سرِ فہرست ہے کا ایک متعصّبانہ اقتباس قرآن کریم کے بارے میں دینے کے بعد لکھتے ہیں:

''لیکن ایسے مستشرقین کی تعداد بھی کم نہیں جو اپنے ہم مذہب و مسلک مستشرقین کی رائے کے برعکس یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن وحی الٰہی ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں ہی مدوّن و مرتب ہو چکا تھا (انہوں نے حقیقت مانی اور لکھی بھی جبکہ اس کے خلاف سلفی عجمیوں نے سازش کی کہ قرآن رسولؐ کے زمانے میں مدوّن و مرتب نہ ہوا تھا۔ صدیق) اور مسلمانوں نے نہ تو عہد صدیق رضی اللہ عنہ میں اور نہ ہی عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی اور ترمیم کی ہے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کی ان کوششوں کو سراہتے ہیں جو مسلمانوں نے قرآن کریم کی حفاظت کے لئے کیں اور اسے ایک ایسی ناقابلِ یقین حقیقت قرار دیتے ہیں کہ جس کی مثال اس دنیا میں ناپید ہے۔ ہم ذیل میں ان چند مستشرقین کے اعترافات نقل کر رہے ہیں جو باقی مستشرقین کے برعکس تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم (صرف ایک۔ دس، بیس یا اسّی نہیں۔ صدیق) وحی الٰہی ہے اور نبی مہربان ﷺ کے زمانے میں ہی مرتب و مدوّن ہو چکا تھا''[2]

ولیم میور کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اس کے اقتباس سے یہ نتائج سامنے آتے ہیں:

(۱)۔ عہدِ نبوی میں قرآن محض منتشر و متفرق ٹکڑوں پر ہی نہ تھا۔

(۲)۔ وحی الٰہی مسلمانوں کی زندگیوں کی بنیاد تھی۔ نمازوں میں قرآن پڑھنا فرض تھا اور بہت سے لوگوں کے حافظوں میں موجود تھا۔ اس وقت قدر و منزلت کا معیار یہ تھا کہ کس کو کتنا قرآن زبانی یاد ہے۔

(۳)۔ عرب حفظ کرنے کے عادی تھے اور ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ قرآن سے غیر معمولی لگاؤ تھا اور

[1] ایضاً۔ صفحہ ۷۸۱ ......[2] ایضاً۔ صفحہ ۷۸۲

اسے سر گرمی سے حفظ کرنے لگے تھے۔

(۴)۔ ان کی قوتِ حافظہ اس قدر قوی تھی کہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے اندر ہی وحی الٰہی کمال صحت کے ساتھ ان کو حفظ ہو گئی تھیں۔

منٹگمری واٹ کا اقتباس ہے کہ

"محمد ﷺ پر مختلف وقفوں کے ساتھ وحی آتی رہی ہے۔ آپؐ اور آپؐ کے متبعین اسے یاد کرتے اور انہیں اپنی نمازوں میں دھراتے تھے۔ غالباً وحی کا اکثر حصہ محمدؐ کی زندگی میں ہی لکھا جا چکا تھا"۔

پھر ترتیبِ قرآن کے حوالے سے لکھا ہے:

"یہ بات زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ قرآن کی سورتوں کو موجودہ ترتیب محمدؐ نے خود دی تھی"

ایک مستشرق ٹی ڈبلیو آرنلڈ اس موضوع پر لکھتے ہیں:

"اس عملی شاہکار (یعنی قرآن پاک کا متن) اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ آپؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں"۔ اس کے لئے قرآن نے کہا اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ (۴۰/ ۶۹ اور ۱۹/ ۸۱) بیشک یہ (قرآن ہمارے) رسول کریم کی زبان سے ہے۔ ان کا قول ہے۔ (نام نہاد) احادیثِ عجم ان کا قول نہیں بلکہ گھڑنت ہیں۔ ان کی طرف غلط منسوب ہیں۔

ایک اور مستشرق وہیری لکھتا ہے:

"قرآن پاک کا متن کسی انتہائی نادر چیز کی طرح الفاظ کے اعتبار سے بالکل محفوظ ہے"

روڈی پَرٹ لکھتا ہے:

"ہمارے لئے یہ یقین رکھنے کا کوئی سبب نہیں کہ قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی بھی ہے جو حضرت محمد سے مروی نہیں"

یورپ کا مشہور مستشرق بارونِس ماگریٹ وانٹین (Baroness Magrate Vontein) قرآن کریم کے حوالہ سے لکھتا ہے:

"اگرچہ تمام مذہبی صحائف اللہ کی طرف سے نازل ہوئے تاہم صرف قرآن ہی ایک ایسا آسمانی صحیفہ ہے جس میں ذرا بھی ردوبدل نہیں ہوا اور وہ اپنی اصل شکل میں موجود ہے"

پالمر لکھتا ہے:

"مصحف عثمانی اپنے آغاز سے لے کر اب تک ایک مستند متن کے طور پر باقی ہے"

ھیری اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے:

"تمام قدیم صحیفوں میں قرآن زیادہ غیر مخلوط اور خالص ہے"

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پالمر کہتا ہے:

"سیدنا عثمانؓ کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلّم صحیفہ رہا ہے" (خیال رہے کہ

قرآن کریم کو سیدنا عثمانؓ نے ترتیب نہیں دیا تھا۔ پالمر اس لئے ایسا کہہ رہا ہے کہ سلفی، رُشدی بلکہ تمام مسلمان علما کا یہی عقیدہ ہے اور انہوں نے ہی یہ عقیدہ اپنی مقدس کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور اسی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ کبھی اس پر غور و فکر نہیں کرتے کہ یہ رسولؐ پر کتنی بڑی چوٹ ہے! صدیق)

لین پول کہتا ہے:

"قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہر حرف جو آج ہم پڑھتے ہیں اس پر اعتماد کر سکتے ہیں کہ یہ تیرہ صدیوں سے غیر مبدّل رہا ہے"[1] یعنی سلفی رُشدیوں کے مطابق یہ مختلف قراءات سے تبدّل و تقدم و توخر نہیں ہوا۔

اس سے آگے فاضل لیکچرار صاحب میونخ یونیورسٹی جرمنی میں قرآن مجید میں تبدیلی نہ ملنے کا واقعہ کے عنوان کے تحت رقم طراز ہیں:

"مشہور عالمِ دین اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جو کہ ان کی کتاب خطباتِ بہاولپور میں بھی مذکور ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

۱۹۳۳ء میں میونخ یونیورسٹی نے ایک ادارہ قرآن مجید کی تحقیق کے لئے قائم کیا۔ ڈاکٹر آٹو پریٹشل (Auto Prectizel) اس ادارے کے تیسرے ڈائریکٹر تھے۔ اس ادارے نے قرآن کریم کے قدیم سے قدیم ترین نسخے دنیا کے مختلف ممالک سے اکٹھے کئے۔ کچھ نسخے ایک سو سال کے، کوئی دو سو سال پہلے کے، تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی کے۔ غرض یہ جتنے بھی نسخے مختلف میوزیم اور لائبریریوں سے جمع ہو سکتے تھے، اصل یا فوٹو کاپی کی شکل میں جمع کر لئے۔ اس طرح کل ۴۲،۰۰۰ نسخے اکٹھے کئے گئے۔ علماء اور محققین کی ایک بڑی جماعت کو ان نسخوں پر بٹھایا۔ انہوں نے ایک طویل عرصہ تک مقابلہ اور موازنہ کیا تاکہ ایک نسخے کا دوسرے نسخے سے اختلاف یا فرق ڈھونڈ سکے، اس تحقیق پر کئی سال لگے اور بعد میں اس کی عارضی رپورٹ بھی شائع کی گئی۔ ان بیالیس ہزار نسخوں میں صرف دو جگہ کتابت کی غلطی نظر آئی۔ ایک جگہ تو یہ فرق نظر آیا کہ بسم اللہ میں ایک جگہ الرحمٰن کا لفظ چھوٹا تھا اور دوسرا یہ کہ کہیں الف لام (تعریف) لکھی ہوئی تھی اور کہیں نہیں، لیکن الفاظ وہی تھے ان میں کوئی فرق نہ تھا"۔[2]

ذرا سنجیدگی سے غور کیجئے کہ ۱۹۴۵ء میں اس قرآنی ادارہ کے بمباری سے تباہ ہونے تک بیالیس ہزار نسخوں میں کہیں قراءات عشرہ یا قراءات ورش، قالون و دوری نظر نہ آئیں۔ نہ ہی زیر، زبر، پیش کی تبدیلی نظر آئی۔ نہ ہی الفاظ بدلے ہوئے ان کی جگہ مرادفات استعمال کئے ہوئے نظر آئے، نہ ہی الفاظ بدل کر تقدیم و توخر نظر آیا، نہ ہی الفاظ کم و بیش کئے ہوئے نظر آئے۔ غرض دشمنانِ قرآن کسی طرح سے بھی کوئی اختلاف یا فرق یا متنوع قراءات نہ ڈھونڈ سکے۔ ورنہ تو قیامت برپا کر دیتے۔ لیکن افسوس اور صد افسوس کہ سلفیوں، رشدیوں کی حالیہ کاروائی کے بعد اب یہ کام کتنا آسان ہو گیا ہے......... اور اب قیامت کا انتظار کیجئے یونکہ اب ایک قرآن کی جگہ ۲۰۔۲۱ قرآن ہو جائیں گے!! معاذ اللہ۔

[1] ایضاً۔ یہ تمام اقتباسات بغیر انگریزی متن کے اختصار کی خاطر صفحہ ۸۲۔۸۴ سے نقل کئے گئے ہیں۔..... [2] ایضاً صفحہ ۸۴۔۸۵

رسالہ رُشد کے اسی حصہ سوم میں ایک مصری استاذۃ التاریخ الاسلامی والحضارۃ الاسلامیہ، کلیۃ الآداب، جامعہ الاسکندریۃ کا ایک مضمون فواد پاشا صاحب نے بعنوان ''مصحف عثمانی کی اشاعت اور شرق وغرب میں منتقلی'' دیا ہے۔ اس میں بھی وہ کوئی اصل یا مستحکم بات نہ کر سکے سوائے تاریخی اوٹ پٹانگ کے، جس طرح مصحف رسول کا پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا اسی طرح مصحف عثمانؓ کا بھی پتہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ یہ دعوے کہ وہ فلاں جگہ ہے اور فلاں جگہ سب غلط ہیں۔ بہر حال پھر بھی چند صحیح جملے ان کے قلم سے نکل ہی گئے وہ بطور اقتباس پیش کرتا ہوں:

''تمام مصادر عربیہ اس بات پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی کے فوراً بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کتابت وحی کا حکم دیتے اور ہر نازل شدہ قرآنی آیت کو فوراً ضبط کر لیا جاتا تھا''۔[1]

یہ حقیقت کتنی واضح ہے کہ قرآن کریم کی پہلی کتابت خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نے باہتمام واحتیاط کروائی۔ اس طرح سے ان کا ذاتی نسخہ تیار ہوا اور اصل میں وہی ''مصحف امام'' ہوا۔ حافظ عبد الکریم اثری صاحب[2] کے مطابق مکہ میں آپ جو کچھ کتابت کرا چکے تھے وہ ہجرت کرتے ہوئے اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے گئے (غور کیجئے اگر قرآن کریم پتوں، ہڈیوں، پتھروں پر لکھا ہوا ڈھیر تھا تو اس کو مکہ سے مدینہ کے پر خطر سفر ہجرت میں کیسے اٹھا کر لے جایا سکتا تھا؟) اور پھر وہاں مسجد نبوی کی ابتدائی تعمیر کے بعد ایک ستون کے ساتھ صندوق میں اسے افادہ عام کے لئے رکھ دیا۔ جوں جوں آیات نازل ہوتی رہیں آپ ان کو اپنی اپنی جگہ پر لکھواتے رہے۔ آپ کی زندگی تک وہ مصحف امام اسی صندوق میں ستون کے ساتھ رکھا رہا اسی لئے اس ستون کا نام ہی ''اسطوانہ المصحف'' پڑ گیا اور صندوق ''صندوق المصحف'' کے نام سے معروف ہوا۔ (اس ستون کے پاس صلوٰۃ ادا کرنے کا ذکر بخاری نے کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ الی الاسطوانۃ میں کیا ہے اور مسلم نے کتاب الصلوٰۃ' باب سُتْرَۃِ الْمُصَلّی میں کیا ہے) صندوق کے اہتمام نے یہ حقیقت کتنی واضح کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بنیادی کام ''بلاغ'' یعنی رسالت کا امت کو پہنچانا مکمل کر کے تشریف لے گئے۔ یقیناً آپ کے لئے یہ انتظام کرنا بہت آسان ہو گا کہ کون سی آیت کہاں رکھنا ہے بشرطیکہ قرآن کریم آیت آیت کر کے نازل ہوا ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم سورۃ بہ سورۃ نازل ہوا۔ اس میں یہ ممکن ہے کہ بڑی سورتیں ایک دم سے پوری کی پوری نازل نہ ہوتی ہوں بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوئی ہوں گی۔ آیات کا کسی واقعہ کی وجہ سے نازل ہونا' جس کو شان نزول کہا جاتا ہے محض گھڑنت ہے۔ قرآن کریم انسانیت کے لئے ہدایت ہے وہ شان نزول کا محتاج نہیں۔ اسی طرح وہ کسی اور کتاب کا بھی محتاج نہیں۔ اسی طرح سال میں ایک مرتبہ حفاظ کی طرح قرآن کریم کا دورہ کرنا اور جبریل کو بڑا حافظ جی اور رسول کا امام واستاد بنانا صرف گھڑنت ہے۔ آخری سال زندگی میں دو مرتبہ دورہ کرنا (عرضۂ آخیرہ) بھی گھڑنت ہے۔ اسی طرح یہ روایت کہ آخری دن زندگی بہت سی وحی نازل ہوئی بھی گھڑنت ہے۔ قرآن کریم کا نزول یقیناً رسول سلامٌ علیہ کی زندگی کے آخری ایام سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا اور آپ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتٰبِ حکمت کی تعلیم دے کر ان کا تزکیہ کر چکے تھے، جب ہی تو وہ حَسْبُنَا کِتٰبُ اللّٰہ کے قائل ہو گئے تھے اور پھر آپ کے بعد نظام اسلام چلاتے رہے اور دنیا کے بڑے حصہ پر قرآن حکیم کی حاکمیت قائم کر دی۔ اور اس طرح ایک

1۔ ایضاً۔ مضمون از ڈاکٹر سحر السید عبد العزیز سالم صاحب۔ صفحہ ۸۰۶۔...... 2۔ ''قرآن کریم اور سبعہ احرف'' از حافظ عبد الکریم اثری صاحب مرحوم۔ صفحہ ۱۳۰۔۱۳۱

ہی نازل شدہ قرآن مبین کو آگے بڑھاتے رہے جبکہ دشمنان قرآن ہر ممکن کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح اسکے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اس کو اختلاف کا حامل اور اختلاف کا باعث ایک اختلافی کلام بنا دیں۔

قرآن مبین پر پہلا حملہ

انہوں نے قرآن مبین پر پہلا حملہ یہ کیا کہ نعوذ باللہ' رسول تو قرآن یکجا صحیفہ یا کتاب کی شکل میں دے کر ہی نہیں گئے بلکہ وہ تو پتھروں، ہڈیوں، کھجور کی ٹہنیوں یا پتوں وغیرہ پر لکھوا کر منتشر حالت میں یا ڈھیر کی شکل میں چھوڑ گئے۔ کہ کچھ آیتیں لکھے ہوئے پتے بکری کھا گئی۔ (معاذ اللہ)

قرآن مبین پر دوسرا حملہ

حد یہ کہ وہ کسی صحابیؓ کو یہ وصیت بھی نہیں کر گئے کہ میرے بعد قرآن کریم کو کتابی یا صحیفہ کی شکل میں لکھوا لینا۔ اسی لئے تو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ اول کو مشورہ دیا کہ قرآن کو کتابی شکل میں جمع کر کے لکھوا لیا جائے تا کہ وہ ضائع نہ ہو جائے تو خلیفہ اول نے برجستہ جواب دیا کہ ”جو کام رسول نے نہیں کیا وہ میں کیسے کر سکتا ہوں؟“[1] پھر آپ نے شرح صدر کے بعد جب آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یہ کام کرنے کو کہا تو انہوں نے بھی برجستہ یہی جواب دیا کہ جو کام رسول نے نہیں کروایا وہ میں کیسے کروں؟ غور کیجے کہ یہ باتیں لکھنے والے عجمی محدثین جہاں اس قسم کی سازشی گھڑنت لکھتے رہے وہیں یہ بھی لکھتے رہے کہ حضرت زیدؓ تو رسول کے کاتب وحی تھے اور انہوں نے تو اپنا صحیفہ بھی لکھا اور دیگر صحابہؓ نے بھی صحائف لکھے!

قرآن مبین پر تیسرا حملہ

جب مذکورہ بالا گھڑنت سازشی حملوں سے کام نہ بنا تو انہوں نے قرآن مبین پر ایک اور حملہ کیا کہ قرآن تو ایک ناپختہ، ارتقاء پذیر زبانِ عربی میں نازل ہوا جس کے حروف پر نقطے بھی نہیں ہوتے تھے اور وہ بغیر نقاط واعراب کے لکھا گیا۔ چنانچہ پچھلی صدی کے انسان جناب سید الوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں:

> ”یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس رسم الخط میں ابتداً نبی صلی علیہ وسلم نے وحی کی کتابت کرائی تھی اور جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہلا مصحف مرتب کرایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس کی نقل بعد میں شائع کرائی، اس کے اندر نہ صرف یہ کہ اعراب نہ تھے بلکہ نقطے بھی نہ تھے، کیونکہ اس وقت تک یہ علامات ایجاد نہ ہوئی تھیں۔ اس رسم الخط میں پورے قرآن کی عبارت یوں لکھی گئی تھی:

کتاب احکمت الله لم مصلب مں حکیم حبیر = (اب آپ ذرا مودودی صاحب کے نام سے نقطہ ہٹا کر پڑھئے۔ الوالاعلیٰ۔ صدیق) اس طرزِ تحریر کی عبارتوں کو اہلِ زبان اٹکل سے پڑھ لیتے تھے اور بہر حال بامعنی بنا کر ہی پڑھا کرتے تھے۔ (معاذ اللہ! اہل زبان صحابہ قرآن مبین کو اٹکل سے پڑھتے تھے۔ صدیق) لیکن جہاں مفہوم کے اعتبار سے متشابہ الفاظ آجاتے ہیں یا زبان کے قواعد ومحاورہ کی رُو سے ایک ہی

[1] رُشد۔ قراءات نمبر۔ حصہ ۳، صفحہ ۲۷

لفظ کے کئی تلفظ یا اعراب ممکن ہوتے وہاں خود اہل زبان کو بھی بکثرت اقتباسات پیش آجاتے ہیں اور یہ تعیّن کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ لکھنے والے کا اصل منشا کیا ہے۔ مثلاً ایک فقرہ اگر یوں لکھا ہو کہ ربنا بعد بین اسفارنا تو اسے رَبَّنَا بَاعِد بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا بھی پڑھا جاسکتا تھا اور رَبَّنَا بَعَّدَ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا بھی۔ اسی طرح اگر ایک عبارت یوں لکھی ہو کہ انظر الی العظام کیف ننشزھا تو اسے اُنۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَيۡفَ نُنۡشِزُهَا بھی پڑھا جاسکتا تھا اور کَيۡفَ نُنۡشِرُهَا بھی۔ یہ اختلافات تو اس رسم الخط کے پڑھنے میں اہل زبان کے درمیان ہوسکتے تھے لیکن ایک عربی تحریر اسی رسم الخط میں غیر اہل زبان کو پڑھنی پڑ جاتی تو وہ اس میں ایسی سخت غلطیاں کر جاتے جو قائل کے منشا کے بالکل برعکس معنی دیتی تھیں۔ مثلاً ایک دفعہ ایک عجمی نے آیت اَنَّ اللّٰهَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۙ۬ وَ رَسُوۡلُهٗ ؕ میں لفظ وَرَسُولُهٗ کا اعراب وَ رَسُوۡلِهٖ پڑھا۔ جس سے معنی یہ بن گئے کہ "اللہ بری الذمہ ہے مشرکین سے اور اپنے رسول سے۔ معاذ اللہ"[1]

غور کیجئے کہ دنیا کی کسی زبان کے حروف تہجی ادھورے ہوسکتے ہیں جبکہ ان میں کئی کئی ہم شکل ہوں اور ان کی کوئی شناختی علامت فرق کرنے والی نہ ہو۔ مثلاً عربی کے ب' ت' ث' ج ح خ' د ذ' ر ز' س ش' ص ض' ط ظ' ع غ' ف ق' ن اور پھر اس میں اللہ کی آخری وحی یا کتاب تمام انسانوں کے لئے نازل کی جائے؟ کیا دنیا میں اس سے بڑی بیوقوفی ہو سکتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر یہ ڈائرکٹ حملہ تھا۔ سلفی عجمیوں نے تو بڑی عیاری و مکاری سے اس قسم کی روایات گھڑیں مگر انہیں اپنا سلف ماننے والوں نے اللہ تعالیٰ پر اس قسم کے حملوں پر کوئی احساس نہیں کیا اور ان کو صحیح مانتے رہے اور صحیح ثابت کرنے کے لئے تاویلیں کرتے رہے' یا پھر یہ انہیں کے ایجنٹ ہیں اور صرف مال کمانے سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ غور کیجئے کہ مودودی صاحب کے لکھے ہوئے جملے (آیت) کو آپ کس طرح پڑھ سکتے ہیں۔ کیا اس وقت ایسے لوگ ایمان نہیں لائے تھے جو عربی خواندہ نہ تھے یا جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی، وہ کس طرح قرآن کریم پڑھتے ہوں گے؟ بچوں کو بغیر نقاط کے حروف تہجی کس طرح سکھائے اور پہچان دلوائے جاتے ہوں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ اتنی سی بات نہیں جانتا تھا کہ بغیر نقاط و اعراب والی زبان غیر عربی لوگ کس طرح فوری طور پر سیکھ سکتے ہیں؟ اس حالت میں تو آج کے سلفی و رُشدی بھی نہیں سیکھ سکتے اور نہ ہی پڑھ سکتے ہیں! اللہ کے واسطے، کچھ تو عقل سے کام لیجئے اور غور و فکر کیجئے کہ کیا اس قسم کی روایات صحیح ہیں یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ جو لوگ سوچتے سمجھتے ہیں، عقل استعمال نہیں کرتے، غور و فکر نہیں کرتے، ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ وہ ڈھور ڈنگر ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر (۱۷۹/۷ ، ۲۲/۸) اللہ تعالیٰ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے (۱۰۰/۱۰) عقل سے کام نہ لینے والوں کو شیطان گمراہ کرتا ہے۔ (۶۲/۳۶) اور قرآن (تو) عربی زبان میں نازل (ہی) اس لئے کیا تاکہ تم عقل سے کام لو (۲/۱۲، ۳/۴۳) تو اگر وہ ایسے حروف و الفاظ میں نازل ہوا ہوتا جو لوگ نہ سمجھ سکیں اور نہ پڑھ ہی سکیں تو اس کو نازل کرنے کا کیا فائدہ؟ غور کیجئے کہ جناب مودودی صاحب کے اسم گرامی سے ایک نقطہ نکال دیا جائے تو وہ کیا پڑھا جائے گا؟ الوالاعلیٰ مودودی! کہئے پسند آیا؟ ظاہر ہے کہ نہیں تو پھر اللہ کی کتاب کے لئے کیوں پسند آتا ہے؟

---

[1] "قرآن مجید میں قراءتوں کا اختلاف" از سید ابوالاعلیٰ مودودی، رسالہ رُشد۔ قراءات نمبر۔ حصہ دوم صفحہ ۴۶۔

قرآن مبین پر چوتھا حملہ

۳۰ ہجری کے قریب آرمینیہ اور آذربائیجان وغیرہ کی لڑائیوں میں مسلمین قراءات اور ترتیبِ قرآن میں اختلاف کرنے لگے اور ہر ایک اپنی قراءت کو دوسرے کی قراءت سے بہتر کہنے لگا تو حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ آکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ "اے امیر المومنین قرآن کے متعلق امت محمدی کا تفرقہ مٹائیے اور اس سے قبل کہ ان میں یہود و نصاریٰ کے مانند اختلاف ہو ان کی دستگیری کیجیے[1]" غور کیجئے کہ صحابہ کرامؓ پر یہ کتنا بڑا حملہ ہے کہ وہ رسول سلامٌ علیہ کی وفات کے تقریباً بیس سال بعد ہی ساری قرآنی تعلیم کو اختلافی کر بیٹھے تھے گویا کہ رسول کی ساری تعلیم و تربیت تقریباً بیس سال ہی میں ختم ہو گئی تھی۔ اس طرح یہ رسول سلامٌ علیہ کی شانِ اقدس پر بھی حملہ تھا۔

قرآن مبین پر پانچواں حملہ

" اس میں کوئی شک نہیں کہ عرضۂ اخیرہ میں قرآن میں نسخ اور تغیر ہوا۔ اس کی تصریح صحیح سند سے بہت سے صحابہ سے منقول ہے۔ زر بن جیش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا تم کون سی قراءت پڑھتے ہو تو میں نے جواب دیا کہ آخری والی، پھر یہ وضاحت کی کہ نبی سلامٌ علیہ جبریل سے ہر سال میں ایک مرتبہ قرآن پاک پڑھتے تھے اور جس سال آپ کا انتقال ہوا اس سال آپ نے حضرت جبریل کو دوبار قرآن سنایا تو اس وقت جو کچھ نسخ اور تبدیلی ہوئی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے شاہد اور گواہ ہیں اور ان کی قراءت آخری قراءت ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو اس میں کچھ اشکال نہیں رہا کہ ان مصاحف میں صحابہؓ نے صرف وہی کچھ لکھا جس کی ان کو تحقیق تھی کہ وہ قرآن ہے اور جو عرضۂ اخیرہ میں قائم رہا تھا اور نبی سلامٌ علیہ سے جس کی صحت ثابت تھی اور منسوخ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ نبی کریم سلامٌ علیہ نے عرضۂ اخیرہ میں اس کو پڑھا نہیں تھا۔ اسی وجہ سے مصاحف میں بعض اختلاف نظر آتا ہے، کیونکہ اگر قرآن فقط وہی ہوتا جو نبی سلامٌ علیہ نے عرضۂ اخیرہ میں پڑھا تھا تو مصاحف میں زیادت اور کمی کا اختلاف اور دیگر اختلاف نہ ہوتے اور صحابہؓ نے اس کے علاوہ کو ترک کر دیا ہوتا۔"[2]

غور کیجئے کہ تقریباً ۲۲ سال تک اللہ تعالیٰ بغیر سوچے سمجھے قرآنی آیات نازل فرماتا رہا مگر پھر ایک دم اس کو، نعوذ باللہ، اپنی غلطی کا احساس ہوا تو کچھ حصہ منسوخ کر ڈالا اور کچھ میں تغیر کر ڈالا اور یہ بھی احساس نہ کیا کہ پچھلے ۲۲ سال سے رسول سلامٌ علیہ اس کو حافظ جی کی طرح رٹّا لگا کر، حفظ کر کر بڑے حافظ جی، استاذ الحفاظ، حضرت جبریل کو سناتے رہے۔ تو دونوں کی محنت بیکار گئی۔ تئیسویں سال منسوخی و تبدیلی کے ساتھ رٹا لگا کر پھر محنت کرنا پڑی۔ پہلی مرتبہ شاید کچھ غلطیاں رہ گئیں تو دوسری مرتبہ بھی سنانا پڑا! اے اللہ کے بندو کچھ تو غور کرو کہ تم خالقِ کائنات، ربِّ جلیل کی شان کے بارے میں کیا لکھ رہے ہو!

آگے دیکھئے کہ اسی اقتباس میں کیا فرماتے ہیں کہ "مصاحف میں صحابہؓ نے صرف وہی کچھ لکھا جن کی ان کو

[1] رُشد۔ قراءات نمبر حصہ ۳۔ تاریخ قراءات متواترہ اور حل اشکالات از مفتی ڈاکٹر عبد الواحد صاحب صفحہ ۴۷ ...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۴۷

تحقیق تھی کہ وہ قرآن ہے اور جو عرضہ اخیرہ میں قائم رہا تھا۔ اور نبی سے جس کی صحت ثابت تھی اور منسوخ نہیں ہوا تھا اگرچہ نبی کریم نے عرضہ اخیرہ میں اس کو پڑھا نہیں تھا" تو عرضہ اخیرہ میں جو قرآن تھا اس کو کیوں نہیں پڑھا تھا؟ اس میں مصاحف میں اختلاف نظر کیوں آتا ہے؟ جبکہ صحابہؓ نے وہی کچھ لکھا تھا جن کی ان کو تحقیق تھی کہ وہ قرآن ہے۔ غرضیکہ یہ اسی طرح کی منتشر خیالی ہے (Confused Thoughts) کہ جو چاہو لکھ کر اگلے کو بس شک و شبہ میں مبتلا کر دو۔ اور یہ محض منتشر خیالی ہی نہیں بلکہ سازش تھی۔ آگے فرماتے ہیں کہ:

قرآن مبین پر چھٹا حملہ

"پھر صحابہؓ نے جب یہ مصاحف لکھے، نقاط و اعراب سے ان کو خالی رکھا تاکہ ان میں وہ قراءتیں بھی شامل ہو جائیں جو اگرچہ عرضہ اخیرہ میں پڑھی نہیں گئیں لیکن نبی ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہیں۔ انہوں نے مصاحف کو نقاط و اعراب سے خالی رکھا تو اس وجہ سے کہ ایک ہی خط کی دلالت دو منقول و مسموع اور متلو لفظوں میں ہو جائے جیسا کہ ایک لفظ کی دو معقول و مفہوم معانی پر دلالت ہوتی ہے۔ کیونکہ صحابہؓ نے نبی ﷺ سے وہی کچھ سیکھا جس کو لفظ و معنی سمیت ان تک پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا تھا اور صحابہؓ نبیؐ سے ثابت قرآن میں سے کچھ ساقط کرنے والے نہیں تھے اور نہ ہی اس کی قراءت سے منع کرنے والے تھے۔"[1]

غور کیجئے کہ اپنے' قرآن کریم پر' پچھلے حملہ کو اور مستحکم کرنے کے لئے سازشیوں نے یہ بھی گھڑ دیا کہ "صحابہؓ نے جو (اپنے یا سرکاری) مصاحف لکھے ان کو نقاط و اعراب سے خالی رکھا" یہاں یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ نقاط اور اعراب موجود تھے۔ مگر سازشیوں کے مطابق ان میں دو قراءتیں شامل کرنے کے لئے ایسا کیا گیا! دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ قراءتیں صرف دو تھیں یہ سبعہ اور عشرہ کا صرف ڈھونگ ہے!

اس موقعہ پر آپ مفتی وڈاکٹر صاحب اور دیگر سلفی ورشدیوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ عربی' اردو' فارسی' پنجابی' سندھی کسی بھی زبان میں بغیر نقطوں کی لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر بتائیے کہ کیا لکھا ہے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ کوئی بھی نہیں پڑھ سکتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن کریم کی آیات بھی، اگر حافظِ قرآن نہ ہو، کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے ایسی بات کرنا کہ صحابہؓ نے مصاحف بغیر نقاط و اعراب کے لکھے' محض قرآن کریم کے خلاف حملہ اور سازش ہے۔ چونکہ مفتی وڈاکٹر صاحب کے سلف ایسا لکھتے رہے تو انہوں نے بھی لکھ ڈالا اور اس پر کوئی سوچ بچار' غور و غوض' تفکر و تدبّر نہ کیا، عقلِ سلیم استعمال نہ کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مومنین تو اللہ تعالیٰ کی آیات پر بھی اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (۲۵/۷۳) تو یہ سازشی ڈھونگ تو اللہ کا فرمان نہیں کہ قرآن کریم کو بغیر نقاط و اعراب کے لکھو تاکہ اس میں دوسری قراءت بھی داخل کی جاسکے، نہ ہی یہ رسول سلامؐ علیہ کا فرمان ہے اور نہ ہی حضرت عثمانؓ کا فرمان ہے ہاں روایات گھڑنے والے عجمیوں کا فرمان ضرور ہے جسے ان کے خلف نقل کرتے آرہے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ آپ رشدی تیمی صاحب کا اسمِ گرامی ہی بغیر نقاط کے لکھ کر پڑھ کر دکھایئے۔ پڑھیئے: رنبیر سمی رسدی۔ یہ رنبیر بھی پڑھا جاسکتا ہے اور رہبر بھی

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۷

پڑھا جا سکتا ہے۔ مودودی صاحب کا اسم گرامی بغیر نقطہ کے لکھ کر پڑھ کر دکھایئے۔ الوالاعلی مودودی!

مفتی ڈاکٹر صاحب اپنے غیر قرآنی عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے نویں صدی ہجری اور پندرھویں صدی ہجری کے دو علما کے حوالے سے اشکال کی سرخی کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"محقق ابن جزری رحمۃ اللہ نے عرضۂ اخیرہ میں قرآن میں نسخ و تغیر ہونے کی تصریح کی ہے اور مولانا تقی عثمانی مقدمہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں کہ "اس موقعہ پر بہت سی قراءتیں منسوخ کر دی گئیں اور صرف وہ قراءتیں باقی رکھی گئیں جو آج تک تواتر کے ساتھ محفوظ چلی آرہی ہیں"۔ نیز علوم القرآن میں فرماتے ہیں "اس سے صاف ظاہر ہے کہ عرضۂ اخیرہ کے وقت بہت سی قراءتیں خود اللہ تعالیٰ کی جانب سے منسوخ قرار دے دی گئی تھیں" (ص۱۴۹)[1]

ہم آپ کو یہ یاد دلا دیں کہ محقق ابن جزری صاحب (م ۸۳۳ء) وہی محقق ہیں جو تیس سال تک سبعہ اَحرف والی روایت پر غور کرتے رہے تھے اور انہیں حقیقت سمجھ نہیں آئی! اور تقی عثمانی صاحب اس صدی کی وہ ہستی ہیں جو قرآن کریم یا اس کی آیات یا سورہ کو پیشاب سے لکھنے کے قائل رہے ہیں! دونوں محققین کے مطابق رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زندگی کے آخری سال قرآن کریم میں سے بہت کچھ یا کچھ منسوخ کر دیا گیا تھا اور نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ نے اپنی الکتٰب کا ترمیم و تنسیخ شدہ دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کو عطا کر دیا تھا! اس ایڈیشن میں اور بھی تغیر (تبدیلیاں) کیا گیا تھا۔ اور صرف نسخ و تغیر ہی نہیں بلکہ قرآن حکیم کی شاید سینکڑوں (بہت سی) متنوع و اختلافی قراءتیں تھیں وہ منسوخ کر کے صرف سبعہ قراءات رہنے دی گئی تھیں۔ جبکہ سبعہ احرف کے معنیٰ کسی کو معلوم نہیں۔ وہ قراءتیں جو باقی رکھی گئیں وہ آج تک تواتر کے ساتھ محفوظ چلی آرہی ہیں اور آج کے سلفی اور رُشدی حضرات نے سبعہ ۷ کی عشرہ ۱۰ کر دی ہوئی ہیں اور اب ان کو (عشرین) بیس ۲۰ بنایا جا رہا ہے۔ پھر شاید آئندہ ستر ۷۰ یا اسّی ۸۰ بنا دی جائیں گی۔ اور ساتھ ہی ساتھ قراءات شاذہ کی بھی آج تک اسی طرح حفاظت کی جا رہی ہے جس طرح ان قراءات کی حفاظت کی گئی ہے یعنی وہ تمام عجمی روایات کی کتابوں اور قراءات کی کتابوں میں محفوظ ہیں! کہئے کیا کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے؟ جس کو شبہ ہو وہ رسالہ "رُشد" کے قرآن نمبر ہی دیکھ لے اسی میں سینکڑوں قراءات شاذہ بھی دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ عجمی روایات کی پچاسیوں کتابیں دیکھ لے، وہ اگر ہاتھ نہ لگیں تو کم از کم "کتاب المصاحف" از ابن ابی داوٗد (ابو بکر عبد اللہ بن ابی داوٗد سلیمان السجستانی متوفی ۳۱۶ھ) جس کو آسٹریلوی نژاد امریکی مستشرق آرتھر جافری (Arthur Jaffery) نے مدوّن کیا وہ ہی دیکھ لے تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ قراءات شاذہ کی بھی آج تک حفاظت کی گئی ہے۔ اس طرح رشدیوں کا یہ دعویٰ کہ قراءات عشرہ کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے آج تک کی ہے اور اگر یہ قرآن نہ ہوتیں تو ختم ہو گئی ہوتیں، باطل ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ پھر بھی ان کی' سمجھ میں نہیں آسکتا!

آیئے ہم آپ کو قراءات شاذہ کی چند مثالیں دکھاتے ہیں جو سلفی عجمیوں کی مہربانیوں سے آج تک تواتر کے ساتھ محفوظ چلی آرہی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اکرم چودھری صاحب (وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی و سابق ڈین اورنٹیل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) اپنے مضمون "اختلافِ قراءاتِ قرآنیہ اور مستشرقین (ترجمہ علی اصغر سلیمی

[1] ایضاً۔ صفحہ ۷۴۔۷۵

صاحب، اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ و عربیہ، بہاءالدین زکریایونیورسٹی ملتان) میں لکھتے ہیں:

"آرتھر جافری کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، سورہ الفاتحہ میں درج الفاظ کی بجائے ان کے سامنے دیئے گئے الفاظ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ مالک کی بجائے ملک، اھدنا کے بجائے اَرشدنا، ایاک کی بجائے ایاک، الذین کی بجائے من اور غیر کی بجائے غیر۔

- ... حضرت ابی بن کعبؓ کا اس طرح پڑھنا روایت کیا گیا ہے:

مالک کی بجائے ملک یاعلیک، ایاک کی بجائے ایاک، اھدنا کی بجائے ثبتنا اور دلنا صراط المستقیم کی بجائے صراط مستقیم، الذین کی بجائے الذین اور لا کی بجائے غیر

- ... حضرت علیؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے:

مالک کی بجائے ملک یوم یاملک، اھدنا کی بجائے ثبتنا اور لا کی بجائے غیر۔

- ... حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے:

صراط کی بجائے سراط۔ ان کا صراط کو 'س' سے پڑھنا پورے' قرآن کو محیط تھا۔

- ... حضرت عمرؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے:

مالک کی بجائے ملک اور الذین کی بجائے من اور ولا الضالین کی بجائے وغیر الضالین

- ... حضرت عائشہؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے:

مالک کی بجائے ملک

سورۃ الفاتحہ کی قراءت کا اختلاف جس طرح ابتدائی نسخوں میں مذکور ہے اس طرح ان کی پیروی میں ثانوی نسخہ جات جن کا ذکر اسی مضمون میں قبل ازیں کیا جاچکا ہے، میں بھی موجود ہے۔

ابی ربیع بن خیثم جو عام طور پر اختلافِ قراءات میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی پیروی کرتے ہیں، سے سورہ الفاتحہ اور باقی پورے قرآن مجید میں بھی 'الصراط کو 'الزراط' پڑھنا روایت کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ہی کے ایک اور پیروکار الاعمش سے بھی پورے قرآن حکیم میں الصراط کی بجائے الزراط پڑھنا مذکور ہے۔ سورہ الفاتحہ کی جن مختلف قراءتوں کا ذکر جافری صاحب نے اپنی کتاب (Materials) میں کیا ہے کتب قراءت میں ان کے علاوہ بھی متعدد قراءات کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً ابو محمد مکی بن ابو طالب القیسی (م ۴۳۷ھ) سورہ الفاتحہ کی مذکورہ متعدد قراءتوں کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام سے کچھ اور قراءتیں بھی منسوب کرتا ہے، وہ لکھتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ مالک کی بجائے ملیک تلاوت فرمایا کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ حضرت عمرؓ بن خطاب کی طرح صراط الذین اَنعمت کی بجائے صراط من اَنعمت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ابو محمد مکی مزید لکھتا ہے کہ یحیٰ بن وثاب جو کہ ایک تابعی ہیں نستعین کی بجائے نِستعین (ت۔ پر زبر کی بجائے زیر) پڑھتے تھے اور ابو سواء الغنوی جو کہ عرب کے فصیح اللسان اور جادو بیان خطیبوں میں سے ایک ہے ایاک نعبد و

ایاک کو ھیاک نعبد و ھیاک پڑھا کرتے تھے۔ ابن خالویہ (م ۳۷۶ھ) الاصمعی کی سند کے ساتھ نقل کرتا ہے کہ ابو عمرو الصراط کو الزراط پڑھا کرتے تھے۔

جافری نے اپنے مضمون سورہ الفاتحہ کی مختلف نص' جو کہ دی مسلم ورلڈ کی جلد ۲۹ میں ۱۹۳۹ء کو شائع ہوا، میں سورہ الفاتحہ کی مزید قراءتوں کی بھی نشاندہی کی ہے................ اس مضمون میں جافری صاحب نے سورہ الفاتحہ کے دوسرے متن کو بعض شیعہ روایات کے حوالے سے بیان کیا ہے جو کہ تذکرۃ الائمہ مولفہ باقر مجلسی (مطبوعہ تہران ۱۳۳۱ھ، ص ۱۸) میں موجود ہے۔ واضح رہے کہ علامہ مجلسی کا بیان کردہ سورہ الفاتحہ کا یہ مختلف متن حضرت علیؓ بن ابی طالب سے منسوب نہیں کیا گیا ہے۔ متن درج ذیل ہے:

نحمد الله رب لعالمين ، الرحمٰن الرحيم ، ملاك يوم الدين ، هياك نعبد و ياك نستعين ، ترشد سبيل المستقيم ، سبيل الذين نعمت عليهم سوى المغضوب عليهم ولاالضالين'' [1]

آرتھر جافری سورہ الفاتحہ کا ایک اور متن لکھتا ہے، ملاحظہ ہو:

"بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله سيد العالمين ، الرزاق الرحيم ، ملاك يوم الدين، انالك نعبد و انالك نستعين ، ارشدنا سبيل المستقيم، سبيل الذين مننت عليهم سوى المغضوب عليهم ولا الضالين۔'' [2]

یہ چند، مختلف قراءات صرف سورہ الحمد یا سورہ الفاتحہ کے متعلق جلیل القدر صحابہؓ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ کیا یہ ان کی عدالت و ثقاہت پر زبردست حملہ نہیں ہے کہ وہ اس طرح بگاڑ بگاڑ کر پڑھتے تھے؟ نعوذ باللہ صحابہؓ کرام میں بھی قرآن کریم ایک نہ تھا؟؟ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مقام پر نہ تو ڈاکٹر صاحب نے نہ ہی جافری صاحب نے ان روایات پر کوئی تبصرہ فرمایا کہ کیا یہ روایات صحیح ہیں یا گھڑنت ہیں؟ یہ کونسی قراءات ہیں متواتر یا شاذہ؟ روایات پر تبصرہ کی بجائے انہوں نے غیر تصحیح شدہ نسخہ جات کہہ کر بات گول کر دی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"اس امر کا تذکرہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ جافری نے غیر تصحیح شدی نسخہ جات سے جن اختلافی قراءتوں کو نقل کیا ہے ان سب کی اسناد غیر مصدقہ ہیں۔" [3]

غور کیجئے کہ یہ غیر تصحیح شدہ نسخہ جات کیا قرآن کے تھے یا روایات کے، اور کیا یہ چودہ سو سال سے اسی طرح امت میں متداول تھے؟؟

آگے ڈاکٹر صاحب ایک بہت بڑی حقیقت' غیر ارادی طور پر' لکھ گئے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"قرآن حکیم کی ابتدائی سورۃ کی مذکورہ بالا مختلف قراءتوں کے تجزیہ سے قبل ضروری ہے کہ اس سوال کا جائزہ لیا جائے کہ قرآن حکیم کی متعدّد قراءتوں کے وجود میں آنے کے اسباب کیا تھے؟ یہ وہ موضوع ہے جس کے متعلق 'کتاب المصاحف' 'مقدمتان' اور 'اختلاف قراءت قرآنیہ' کے موضوع پر دیگر کتب میں

[1] رُشد۔ قراءات نمبر حصہ اول۔ صفحہ ۳۹۶۔۳۹۷ ...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۳۹۸ ...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۴۰۱

سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہی کتب موضوع زیرِ بحث پر جافری کی معلومات کے لئے بھی بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ قرآن مجید پر سات حرفوں پر نازل کیا گیا۔ سات حروف سے مراد سات لہجے یا تلاوتِ قرآن کے سات مختلف طرق ہیں"۔[1]

غور کیجئے کہ ڈاکٹر صاحب کتنی بڑی حقیقت بیان کر گئے کہ جناب جافری صاحب، مستشرق، (یا دیگر مستشرقین) کی قرآن حکیم میں خامیاں یا اختلاف نکالنے کا بنیادی ماخذ آپ ہی (مسلمانوں) کی کتب وروایات ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ شروع ہی سے ہر معاملہ میں اختلاف رہا ہے۔ صحابہؓ میں بھی آپس میں اختلاف رہا ہے، علما میں بھی آپس میں اختلاف رہا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اختلاف رہا ہے یونکہ رسول کی روایت موجود ہے کہ قرآن سات حروف میں نازل کیا گیا اس لئے اس کی سات قراءتیں ہو گئیں۔ پھر اماموں نے اس کی دس قراءتیں بنادیں۔ پھر پندرھویں صدی ہجری کے سلفی رُشدیوں نے اس کی بیس قراءتیں بنادیں......... آگے فرماتے ہیں کہ:

رسول سلامٌ علیہ پر حملہ

"تلاوت قرآن حکیم میں سہولت پیدا کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ کا مختلف بوڑھے، اُمی اور بدوی عرب قبائل کو ان کے اپنے لہجے میں تلاوت کی اجازت دینا ہی دراصل قرآن حکیم کی قراءت میں گوناگوں اختلاف کا باعث بن گیا"۔[2]

غور کیجئے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآنی قراءات کے اختلاف کا سارا نزلہ رسول سلامٌ علیہ پر گرادیا! (معاذ اللہ)۔ ہم اسی کو رسول پر حملہ قرار دیتے ہیں۔ اب آگے وہ ایک اور عقدہ کشائی کرتے ہیں:

"اختلافِ قراءاتِ قرآنیہ کے موضوع پر کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو اپنے اپنے قبیلے کے لہجے میں تلاوتِ قرآن کی جو اجازت پیغمبرِ اسلام ﷺ نے دی تھی اس سے انہوں نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ صحابہ کرام نے مختلف طرق پر تلاوتِ قرآن پاک اس وقت جاری رکھی جب تک حضرت عثمانؓ نے قرآن حکیم کی ایک قراءت کو سرکاری طور پر نافذ نہیں کر دیا اور دیگر تمام قراءتوں اور لہجوں پر پابندی نہیں لگادی۔ حضرت عثمانؓ نے صرف وہی قراءت باقی رکھی جو خود نبی اکرم ﷺ کی قراءت تھی"۔[3]

غور کیجئے کیا سلفی ورُشدی حضرات ڈاکٹر صاحب کے حقیقت پر مبنی اس بیان کو ماننے کو تیار ہیں؟ ہر گز نہیں۔ خیر وہ تو نہیں مانیں گے یوں کہ وہ تو کسی اور مشن پر ہیں۔ عام قاری غور کریں کہ اس اقتباس کے کتنے حصے ہیں یا اس میں کیا کیا حقیقتیں بیان کی گئی ہیں:

.(۱)۔... قرآءت کے موضوع پر مسلمانوں کی اپنی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کو اپنے اپنے قبیلہ کے لہجے میں تلاوتِ قرآن کی اجازت رسول سلامٌ علیہ نے دی تھی۔ (تو پھر دیگر صحابہؓ کا کیا قصور تھا جن کے قبائل وہاں نہیں تھے یا جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی؟ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ اجازت صرف اس وقت کے لئے تھی آج کے وقت کے لئے نہیں یونکہ آج صحابہ نہیں)

۱۔ ایضاً۔۳۹۸...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۳۹۸...... ۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۳۹۸

.(۲)۔... صحابہؓ کو اپنے اپنے قبیلہ کے لہجہ میں قرآن پڑھنے کی اجازت جو دی گئی تھی اس سے انہوں نے خوب فائدہ اُٹھایا(یعنی وہ اپنے اپنے لہجات میں قراءتِ قرآن کرتے رہے۔ اگر ان کو یہ اجازت نہ دی گئی ہوتی تو بھی تو وہ اپنے اپنے لہجات ہی میں پڑھتے یونکہ اس کے علاوہ تو ان کے منہ سے یا زبان و حلق سے کچھ اور نکلتا ہی نہیں۔ جیسا کہ آج بھی ہمارے پاکستان میں اِقبال کو اِکبال ہی بولتے اور پڑھتے ہیں مگر لکھتے نہیں۔ جب لکھتے ہیں تو اقبال ہی لکھتے ہیں یونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کے حروفِ تہجی بے نقط نہیں۔ اسی طرح وہ اقبال کو پیار سے بالا یا بالے بھی پکارتے ہیں مگر جب لکھتے ہیں تو اقبال ہی لکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی لغت میں یہ دونوں مرادف نام ہیں۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ربِ کائنات کی کتاب میں اصل لفظ کی جگہ مرادف لفظ لکھا جا سکتا ہے ؟؟ خیال رہے کہ صحابہ کو اگر اپنے اپنے قبائل کے لہجے میں قراءت کرنے کی اجازت دی گئی تھی تو وہ صرف لہجات تھے ان کو مرادفات وغیرہ سے بدلنے کی اجازت نہیں تھی۔ ربِ کائنات کی کتاب بالے کی کتاب نہیں تھی کہ جو چاہو لکھ دو، اور پھر ایک بھی نمونہ ایسا نہ دکھا سکو جس میں مرادفات وغیرہ لکھائے گئے ہوں)

.(۳)۔ ... صحابہؓ نے مختلف لہجات میں تلاوتِ قرآنِ کریم اس وقت جاری رکھی جب تک حضرت عثمانؓ نے قرآنِ حکیم کی ایک قراءت کو سرکاری طور پر نافذ نہیں کر دیا۔(یعنی رسول کے تقریباً ۲۰۔ ۲۵ سال بعد ہی اس عارضی اجازت کو امیر المومنین، خلیفہ راشد سوم نے ختم کر کے صرف ایک قراءتِ (قریش) ہی کو سرکاری طور پر نافذ کر دیا کہ اب سب اپنے اپنے لہجے سدھار لیں اور ایک ہی طرح سے قراءت کریں اِلّا یہ کہ زبان و حلق سے کوئی صحیح تلفّظ ادا نہ ہو جو کہ فطری بات ہے)

.(۴)۔... ایک قراءتِ (قریش) کے علاوہ دیگر عارضی اجازت یافتہ قراءتوں پر پابندی لگا دی۔(کیا کسی میں اتنی ہمت تھی کہ خلیفۂ رسول' امیر المومنین' خلیفہ راشد کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پابندی شدہ قراءتوں کو جاری و ساری رکھ سکے ؟؟ کیا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اولی الامر کے حکم کی اطاعت کرنے(۵۹ /۴) کی خلاف ورزی نہیں تھا؟ جن لوگوں نے اللہ کے حکم کے خلاف اولی الامر کے حکم کی خلاف ورزی کی وہ کس زُمرہ میں آتے ہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ صحابہ اور تابعین اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے سوائے منافق تابعین و تبع تابعین کے یا جو لوگ **"مقتدرہ"** کے ایجنٹ تھے۔ آگے بڑھ کر' خلیفہ راشد کے حکم کے خلاف' چوتھی صدی میں ابن مجاہد نے سات قراءات لکھ ڈالیں اور آگے بڑھ کے پندرھویں صدی میں رُشدیوں نے بیس ۲۰ قراءات لکھ ڈالیں۔)

.(۵)۔... حضرت عثمانؓ نے صرف وہی قراءت باقی رکھی جو خود نبی اکرم سلامٌ علیہ کی قراءت تھی۔(یعنی یہ حقیقت کتنی واضح ہے کہ نبی اکرم سلامٌ علیہ کی قراءتِ قرآن صرف ایک ہی قراءت تھی۔ یعنی صرف انہی کے قبیلہ قریش کی قراءت۔ یہاں آکر یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم سات حروف یا سات قراءات پر نازل ہوا تھا۔ ہم چیلنج کرتے ہیں کہ لاؤ اس وقت کے تحریر شدہ سات قراءات کے قرآن کریم دکھاؤ۔ ظاہر ہے کہ ایسے قرآن کریم میسر نہیں۔ چلو اچھا ایسی روایات ہی دکھا دو جس میں 'عبارت النص' میں لکھا ہو کہ نبی اکرم سلامٌ علیہ فلاں فلاں آیات کو اس اس طرح یا ان ان مرادفات و اختلافات سے پڑھا کرتے تھے تو ہم مان لیں گے کہ قرآن کی سات قراءات نازل ہوئی

تھیں ورنہ پھر ڈاکٹر محمد اکرم صاحب کی بتائی ہوئی یہ حقیقت مان لو کہ نبی اکرم سلامٌ علیہ ایک ہی قراءت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی نبوی قراءت کو سرکاری طور پر نافذ کر دیا تھا) اور ہم بھی یہی حقیقت مانتے ہیں کہ قرآن کریم' الکتاب' صرف ایک ہی نازل ہوا تھا اور ایک ہی قراءت پر نازل ہوا تھا۔ یعنی قراءت قریش پر جو کہ نبی سلامٌ علیہ کی قراءت تھی۔ ہاں البتہ باوجود انتہائی کوشش کے جب اس کی تلاوت صحابہؓ کرتے تھے تو ان کی تلاوت میں لہجوں کا (یعنی ادائیگیٔ الفاظ کا) بعض الفاظ میں فرق ہو جاتا تھا جس کو تلفّظ کہتے ہیں۔ لہجہ اور تلفّظ کا فرق ایک فطری حقیقت ہے اور ہر جگہ اور ہر زبان میں ہوتا ہے۔ اور ہمارے اپنے ملک اور زبان میں بھی ہے۔ لیکن یہ کہیں نہیں ہوتا کہ الفاظ ہی بدل کر مرادفات استعمال کئے جائیں یا عبارت کے الفاظ آگے پیچھے کر دیئے جائیں یا الفاظ گھٹا بڑھا دیئے جائیں وغیرہ وغیرہ۔ صحابہ کبارؓ قرآن کریم کو اپنے اپنے لہجات و تلفّظ ہی کے مطابق تلاوت کرتے رہے۔ جب منافق قسم کے لوگ تابعی و تبع تابعی بن کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا ڈھونگ رچالائے تو مختلف تلفظات و لہجات پر ان کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس کو قراءت کا نام دے کر قراءات گھڑنا شروع کیں۔ اب نئے نئے مسلم ہونے والوں کو تو یہ سازش سمجھ نہ آئی اور وہ بھی انہی لہجات میں تلاوت کرنے لگے۔ اب موقعہ تھا کہ دوسری تیسری صدیوں میں قراءات کے بارے میں روایات بھی گھڑ گھڑ کر پھیلائی جانے لگیں جن کو تیسری صدی کے عجمی محدثین نے نام نہاد احادیث کی کتابوں میں جمع کرنا بھی شروع کر دیا حتیٰ کہ چوتھی صدی میں ان ہی کے ایک خلف ابن مجاہد نے سات قراءتیں جمع کر دیں۔ جب سے فنِ قراءت بھی ترقی کرنے لگا پھر قراءات سبعہ بھی ترقی کرنے لگیں اور قراءات عشرہ بن گئیں، پھر بیس ۲۰ اور ستر ۷۰ واسّی ۸۰ بھی بن گئیں آگے ڈاکٹر صاحب ایک اور حقیقت بیان کرتے ہیں کہ:

"اختلافِ قراءات قرآنیہ میں عربی زبان کے تلفّظ اور اس کے مختلف لہجوں کے کردار اور وسعت کو سمجھنے کے لئے ہر لہجے کی تفصیلات میں گئے بغیر صرف اس مسلمہ حقیقت کی طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم مشترکہ عربی زبان **اللغة العربية المشتركة** میں نازل ہوا۔ یہ مشترکہ عربی زبان وہ زبان ہے جو کہ پورے جزیرہ نما عرب میں سمجھی جاتی تھی اور شاعر اور خطیب اس کو مؤثر ذریعہ ابلاغ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ مشترکہ عربی زبان جو کہ قرآنی تعلیمات کے اظہار کا ذریعہ بنی، پر قریشی لہجے کی گہری چھاپ تھی"[1]

ڈاکٹر محمد اکرم چودھری صاحب آگے فرماتے ہیں:

"یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ جب قرآن حکیم نے عرب کے مختلف لہجوں کا آمیزہ پیش کیا تب وہ ایسی کتابِ ہدایت کی صورت میں سامنے آیا جو سب سے زیادہ فصیح، ناقابلِ تغیر، ایک ضابطۂ حیات اور ہر ایک کی کتاب تھی۔ جو بھی اسلام سے وابستہ ہوتا خواہ وہ امی ہوتا یا بدوی یا غیر عرب سب کو اس کی تلاوت کا حکم تھا۔ حدیث سبع اَحرف اور دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم دیتے وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ جن لوگوں کو قرآنِ حکیم کا پیغام پہنچایا جا رہا ہو وہ ان کے لئے قابلِ فہم بھی ہو۔ اس صورتِ حال میں یہ بات نہایت فطری محسوس ہوتی ہے کہ جن سات حروف (لہجوں)

[1] ایضاً صفحہ ۳۹۹

میں قرآن نازل ہوا، مختلف افراد کو ان میں سے ہر ایک کے مناسب حال قراءت کرنے یا مترادف الفاظ (جو سبعہ احرف کے ذیل میں آتے ہوں اور جن کی قراءت کی اجازت دی گئی تھی) استعمال کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ بطور خاص اسلامی تاریخ کے ابتدائی سالوں میں اس اجازت کی ضرورت اظہر من الشمس ہے"[1]

موصوف کے دونوں اقتباسات پر غور کیجئے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ:

.(۱)۔... قرآن حکیم مشترکہ عربی زبان **العربیة المشترکه** میں نازل ہوا جو کہ پورے جزیرہ نما عرب میں سمجھی (اور بولی) جاتی تھی اور شاعر اور خطیب اس کو مؤثر ذریعہ ابلاغ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس کے معنی وہ اسی طرح لکھی بھی جاتی تھی۔ اس لئے مختلف قبائل کی مختلف لغات کا تصور باطل ہو جاتا ہے۔ آج بھی ماہر لسانیات و مفسرین وغیرہ قدیم زمانہ کی عربی (جس کو بدوی زبان کہا جاتا ہے) سے اور قدیم شعراء کے کلام سے مدد لیتے ہیں۔ اور اس زمانہ کے شعراء کے کلام کو یکجا کر کے شائع بھی کیا جاچکا ہے تاکہ عربی زبان سمجھی جاسکے۔

.(۲)۔... قرآن حکیم کے مشترکہ عربی زبان میں نازل ہونے کے باعث، قراءات سبعہ کا تصور بھی باطل ٹھہرتا ہے۔ یونکہ قرآن کی عربی تقریباً سارے قبائلِ عرب ہی سمجھتے تھے۔

.(۳)۔... قرآن کریم کی زبان مشترکہ عربی ہونے کے سبب سب ہی اس کے معنیٰ بھی سمجھتے تھے اس لئے حروفِ مقطعات کے معنی نا سمجھنے یا نا جاننے کا عقیدہ بھی باطل ٹھہرتا ہے۔ اب اگر سازش کے تحت ان معنیٰ و مطالب کو غتربوّد کر دیا گیا تو اس کی ذمہ داری رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نہیں ڈالی جاسکتی کہ انہوں نے اس کے معنیٰ نہیں بتائے۔ ایسا ممکن ہی نہیں کہ اللہ کا رسول رسالت نہ پہنچائے اور وہ بھی بیّن یعنی بالکل واضح و روشن۔

.(۴)۔... جب مشترکہ عربی زبان پورے جزیرہ نما عرب میں سمجھی جاتی تھی تو پھر ان کی آسانی کے لئے قرآن مبین کو سات حروف یا سات قراءتوں میں نازل کئے جانے کے لئے رسول کی استدعا بلاوجہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایات بھی عجمیوں ہی نے گھڑیں تاکہ امت میں اختلاف پیدا کر کے گمراہ کیا جائے۔

.(۵)۔... جب قرآن حکیم نے عرب کے مختلف لہجوں کا آمیزہ (بطور قراءتِ قریش پیش کیا تب وہ ایسی کتاب ہدایت کی صورت میں سامنے آیا جو سب سے زیادہ فصیح، نا قابلِ تغیر، ایک ضابطۂ حیات اور ہر ایک کی کتاب تھی۔ جو بھی اسلام سے وابستہ ہوتا خواہ وہ اُمّی ہوتا یا بدوی یا غیر عرب سب کو اس کی تلاوت کا حکم تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک فصیح اور نا قابلِ تغیر کتاب کو مختلف قراءات میں پڑھنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہی یا پھر اس کو فصیح اور نا قابلِ تغیر نہ مانئے (چنانچہ تیمی رُشدی صاحب اس کتابِ الٰہی کو نا قابلِ تغیر نہیں مانتے، جیسا کہ ہم پیچھے بتا چکے، اس لئے وہ قرآن حکیم میں ہر طرح کا تغیر کرنے کے قائل ہیں تاکہ ان کے سَلف کا مختلف قراءات متبدّلہ کا عقیدہ صحیح ثابت ہو اور وہ بیس[۲۰]، ستر[۷۰] یا اسّی[۸۰] قراءتیں بنا سکیں۔ معاذ اللہ)

.(۶)۔... قرآن حکیم کی تعلیم دیتے وقت پیغمبر سلامٌ علیہ اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ جن لوگوں کو قرآن حکیم کا پیغام پہنچایا جارہا ہو وہ ان کے لئے قابلِ فہم بھی ہو۔ یہ کام تو خود اللہ تعالیٰ کر رہا تھا کہ اپنے کلام کو کلامِ مبین بنا کر ہی رسول کے قلب پر نازل کرتا تھا، جس کی شرح و احسن تفسیر تک تصریف الآیات کے ذریعہ بیان شدہ، روشن ہوتی تھی۔ اس

[1] ایضاً۔ صفحہ ۳۹۹۔۴۰۰

لئے اب مزید قراءات یا وضاحت وبلاغت یا تغیر وتبدّل یا تقدم وتوخر یا حک واضافہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی تھی۔ اس لئے سبعہ احرف یا سبعہ وعشرہ قراءات کا عقیدہ صرف گھڑنت ہی ثابت ہوتا ہے۔

.(۷)۔... اور ڈاکٹر صاحب کے مطابق، ایسی صورتِ حال میں بھی، اگر بطور خاص اسلامی تاریخ کے ابتدائی سالوں میں مختلف لہجات میں تلاوت کی اجازت دے دی گئی تھی تو وہ عارضی تھی جو کہ خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کے دَور حکومت میں سرکاری طور پر ختم کر کے صرف قراءت قریش پر تلاوت / قراءت کی اجازت باقی رکھی گئی۔(باقی سب افسانے بعد کے یعنی دوسری، تیسری اور چوتھی صدی کی پیداوار ہیں جن کے تابوت میں آخری کیل اب پندرھویں صدی ہجری میں سلفی اور رشدی حضرات ٹھونک رہے ہیں۔)

آگے ڈاکٹر صاحب اپنے مؤقف کی حمایت میں ایک حوالہ دیتے ہیں کہ:

"جے ڈی' پیرسن' انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں شائع ہونے والے اپنے مضمون 'القرآن' میں لفظ 'اَحرف' کو سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "حدیث میں اس محاورے کا مطلب غیر معیّن ہے۔ اَحرف کی اصطلاح حرف کی جمع ہے" حالانکہ اسلامی ورثے کی اکثر کتب کے علاوہ اب مجاہد نے بھی اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ اس کا مطلب سات قراءتیں ہیں۔ خواہ وہ زبان کے مختلف لہجوں سے تعلق رکھتی ہوں یا ایک لہجے کے کسی لفظ کو متعدّد طریقوں سے پڑھنے سے متعلق ہوں"۔[1]

یعنی یہ حقیقت کتنی واضح ہے کہ قراءتیں دراصل مختلف لہجے تھے اور ہیں ان کا عجمیوں کی مختلف النوع دس ۱۰، بیس ۲۰، ستر ۷۰ یا اسّی ۸۰ طرح کی قراءتوں سے تعلق نہیں جن میں نہ صرف اعراب کی تبدیلیاں کی گئیں بلکہ الفاظ کی تبدیلیاں بھی کی گئیں اور حک واضافہ بھی کیا گیا جو کہ تحریف ہے جبکہ عجمی اور رُشدی حضرات اس کو تفسیری، وضاحتی، نحوی.............. اور نہ معلوم کتنے علوم عجمی پر اثر انداز قرار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ آیات کو منسوخ التلاوۃ مانتے ہیں اور ان کے حکم کو برقرار مانتے ہیں۔ اسی طرح قرآنی آیات کے حکم کو منسوخ مانتے ہیں اور آیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ بس یہ ایک گورکھ دھندا ہے کہ قرآن حکیم کو بازیچۂ اطفال بنالیا ہے! معاذ اللہ۔

اس اقتباس سے دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ چوتھی صدی کے ابن مجاہد نے اس امر کی صراحت کر دی ہوئی ہے کہ سبعہ اَحرف کی اصطلاح کے معنیٰ و مفہوم سات قراءتیں ہیں۔ جبکہ پیچھے ہم بتا چکے کہ ان عجمی رُشدی حضرات نے خود سات سے زائد قرآءات کو شاذ قرار دیا ہے مگر آج کے رُشدی اُسے نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ قراءات دس ۱۰، بیس ۲۰، ستر ۷۰، اسّی ۸۰ بلکہ سینکڑوں ہیں!

آگے اسی مؤقف کی حمایت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب جافری پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قرآن حکیم کو بائیبل کی طرح کی ایک مقدس کتاب قرار دیتے ہوئے جافری یہ باور کراتا ہے کہ صحابہؓ کرام نے بھی اچھے مقاصد اور نیک نیتی کے ساتھ متن قرآن میں کچھ تبدیلیاں اور اس کی بہتری کے اقدامات تجویز کر دیئے ہوں گے۔ بد قسمتی سے جافری اس امر کا اندازہ نہیں کر سکا کہ قرآن حکیم کے متن میں کمی بیشی کرنا اسلامی نقطۂ نظر سے اتنا بھاری جرم ہے کہ کوئی اس کے ارتکاب کا تصور بھی نہیں کر سکتا

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۰۱

تھا۔ اگر بفرضِ محال کوئی ایک اس کا ارتکاب کر بھی بیٹھتا تو صحابہؓ کرام کی جلیل القدر جماعت اسے قطعاً برداشت نہ کرتی۔"[1]

غور کیجئے کہ اس اقتباس نے کتنی بڑی حقیقت سامنے لا کھڑی کی کہ قرآنی متن میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی بیشی کی ہی نہیں کی جاسکتی۔ نہ اعراب بدلے جاسکتے ہیں نہ الفاظ، نہ تقدم وتوٴخر ہو سکتا ہے نہ ہی کوئی الفاظ کم و بیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ تیمی رُشدی صاحب اس حقیقت کو نہیں مانتے بلکہ وہ اس عقیدہ کو جہالت مانتے ہیں۔ خیر یہ اب ان کی علمی برتری کا زعم ہو سکتا ہے یا پھر.................

آگے اسی موٴقف کی حمایت میں ڈاکٹر صاحب اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مختلف قراءتیں مثلاً سورہ الفاتحہ میں الصراط کا لفظ 'س' اور 'ز' سے پڑھنا مختلف قبائل کا تلفظ تھا۔ یا ابنِ مسعودؓ کا سورہ نمبر ۱۲ کی آیت نمبر ۳۵ میں 'حتی' کی بجائے 'عتی' پڑھنا، یہ بھی عربی زبان کے دوسرے لہجے کو ظاہر کرتا ہے یعنی عربوں کے بعض قبائل میں 'ح' کی جگہ 'ع' پڑھا جاتا تھا۔ یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ مختلف عربی لہجوں میں 'ح' اور 'عین' کے علاوہ 'الف' اور 'ق' کے حروف بھی باہمی طور پر قابلِ مبادلہ ہیں۔ اس طرح سورۃ الفاتحہ میں اياك و ياك اور هياك مختلف لہجے ہیں کیونکہ مختلف عربی لہجات میں 'الف' 'و' اور 'ۃ' باہم قابلِ تبادلہ ہیں.............."[2]

ہم یہاں عرض کرتے چلیں کہ تلفظ ولہجات کے فرق، جو کہ ایک فطری حقیقت ہے، کے بارے میں ہم پہلے ہی عرض کر آئے ہیں کہ اِقبال کو اِکبال پڑھنا یا بولنا محض تلفّظ اور لہجے کا فرق ہے مگر وہ لکھا ایک ہی طرح پر جاتا ہے یعنی اقبال۔ اسے اگر بدل دیا جائے تو پھر معنٰی بدلنے کا احتمال ہے ورنہ کنفیوژن تو ہر صورت میں پیدا ہو جاتا ہے۔

آگے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ بعض اختلافی قراءتیں حقیقی ہیں اور مصحف عثمانی کی تنفیذ سے قبل ان کی تلاوت جائز تھی، کیونکہ وہ ان سات قراءات میں سے تھیں جن کی اجازت دی گئی تب بھی 'متواتر' روایات جو کہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوئیں، پر 'خبر احاد' جو ایک شخص سے دوسرے شخص تک آئیں کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔"[3]

غور کیجئے کہ ڈاکٹر صاحب تو ان اختلافی قراءات کو بھی حقیقی یا متواتر ماننے کو تیار نہیں جن کی تلاوت مصحفِ عثمانی کی تنفیذ سے قبل جائز تھی۔ بلکہ وہ تو محض بفرضِ محال ہی اس کو مان رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت صرف ایک ہی تھی یعنی قراءت قریش، البتہ مختلف قبائل یا مختلف جگہ کے صحابہؓ کے لہجے و تلفظ کی وجہ سے طریقہِ ادائیگی میں فرق پڑ جاتا تھا جس سے ایک نیا فتنہ گھڑنے کا موقعہ عجمیوں کے ہاتھ آگیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ:

"جافری اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ قرآن حکیم میں اختلاف قراءت کی بحث زمانہ مابعد کی الٰہیات، لسانیات اور صرف ونحو کے ماہرین نے ایجاد کی اور اپنے نام اور اپنے کام کو اعتماد بخشنے کے لئے اسے دَورِ اُولیٰ کی مقتدر علمی شخصیات کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر بھی آخر دم تک قرآن حکیم کی "حقیقی

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۰۲...... [2] ایضاً۔ ۴۰۲ ...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۴۰۳

قراءت" کی بحالی کی کوششوں میں مگن رہا۔ دوسری طرف حال ہی میں دو دوسرے مستشرق جان برٹن (John Burton) اور جان وان برو (John Wansbroug) کا یہ نتیجہ بھی چشم کشا ہے کہ صحابہؓ کرام سے منسوب و مقابل مسودات قرآن ' ہوں یا بڑے شہروں میں پائے جانے والے دیگر نسخہ جات یا پھر انفرادی طور پر بعض حضرات سے منسوب مختلف قراءتیں سب کی سب بعد کے ماہرین علم الاصول اور ماہرین علم اللسان کی ایجاد ہیں۔ جافری اس اہم حقیقت کی طرف سے بھی آنکھیں بند کرلیتا ہے کہ اختلافِ قراءت قرآن کے ابتدائی ماخذ ابن ابی داؤد متوفی ۳۱۶ھ، ابن الانباری متوفی ۳۲۸ھ اور ابن الاشطہ متوفی ۳۶۰ھ ہیں (یہاں موصوف ابن مجاہد متوفی ۳۲۴ھ کو بھول گئے جو سب سے اہم کڑی بلکہ کڑا ہیں جنہوں نے سبعہ قراءات جمع کیں۔ صدیق) ان تمام بزرگوں نے اختلافی قراءتیں چوتھی صدی ہجری میں نقل کیں۔ ان روایات کے رواۃ متصل ہیں اور نہ ہی ان کی سند قابلِ اعتماد ہے"[1]

ڈاکٹر صاحب نے کتنی بڑی حقیقت کو (جنہیں سلفی رُشدی حضرات نہ صرف چھپاتے ہیں بلکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی ذات اقدس پر الزام تراشی کرتے ہیں کہ انہوں نے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن سبعہ اَحرف پر نازل کیا) واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا کہ:

(۱)۔... قرآن حکیم میں اختلافِ قراءت کی بحث زمانہ مابعد کے الٰہیات، لسانیات اور صرف و نحو کے ماہرین نے ایجاد کیں اور اپنے نام اور کام کو اعتماد بخشنے کے لئے اسے دَورِ اولیٰ کی مقتدر علمی شخصیات کی طرف منسوب کر دیا۔ (ہم یہ بات پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ سبعہ یا عشرہ قراءات کے جو سبعہ یا عشرہ امام مانے جاتے ہیں، تو کوئی بھی قراءت ان اماموں کے نام سے نہیں جانی پہچانی جاتی ہے بلکہ وہ بعد والوں کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ صدیق)

(۲)۔... صحابہؓ کرام سے منسوب "مقابل مسودات قرآن" ہوں یا بڑے شہروں میں پائے جانے والے دیگر نسخہ جات یا پھر انفرادی طور پر بعض حضرات سے منسوب مختلف قراءتیں سب کی سب بعد کے ماہرین علم الاصول اور ماہرین علم اللسان کی ایجاد ہیں۔

(۳)۔... چوتھی صدی ہجری کے، بطور ابتدائی ماخذ، جن بزرگوں نے اختلافی قراءتیں نقل کیں، ان روایات کے رواۃ متصل ہیں اور نہ ہی ان کی سند قابلِ اعتماد ہے (یعنی سب دو نمبر کا مال ہے) ڈاکٹر صاحب آگے اپنی تمام بحث کا خلاصہ اس طرح بیان کر دیتے ہیں:

"مصحف عثمانی کے بارے میں جافری یہ سمجھنے میں بھی ناکام رہا کہ حضرت عثمانؓ نے کن اہم مقاصد کے پیشِ نظر اس بھاری کام کا بیڑا اُٹھایا۔ وہ قرآن حکیم میں اختلافِ لہجات کی اشاعت کے اثرات کا فہم وادراک بھی نہ کر سکا کہ جن کے بارے میں شکایات کے سبب حضرت عثمانؓ کو اس مسئلے کے حل کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ دیگر شارحین کی طرح ابو محمد مکی القیسیؒ نے بھی اس بات کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو جب قرآن حکیم کے متعدّد طرق سے پڑھنے کے بارے میں شکایات موصول ہوئیں تو انہوں نے جس طریق پر نبی اکرم ﷺ تلاوت فرماتے تھے اس کو باقی رکھ کر اس کے علاوہ تمام طرق کے

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۰۴

مطابق تلاوت قرآن حکیم پر پابندی عائد کر دی۔ باوجود اس کے کہ عہد نبوی میں نبی اکرم ﷺ نے ان کی اجازت دی ہوئی تھی۔ القیسی کا بیان ہے کہ کم از کم ۱۲ ہزار صحابہؓ کرام اور تابعین پر مشتمل ایک جماعت نے اس وقت کی اسلامی سلطنت کے طول و عرض میں پھیل کر مصحف عثمانی کے مطابق تلاوت قرآن حکیم سکھانے اور اس کے علاوہ رائج طریقوں سے منع کرنے کی خدمت انجام دی۔ یہ یقیناً نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے اتنی بھاری تعداد میں صحابہؓ کرام بھی شامل تھے۔ کسی ایسی قراءت قرآن کو رائج کرنے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے جس کا انتساب نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور کی جانب ہوتا۔''[1]

ڈاکٹر صاحب نے اپنے لب ولباب میں یہ حقیقت واضح طور پر بیان کر دی کہ ''حضرت عثمانؓ کو جب قرآن حکیم کے متعدّد طرق (یعنی مختلف لہجات) سے پڑھنے کے بارے میں شکایات موصول ہوئیں تو انہوں نے جس طریق پر نبی اکرم سلامؑ علیہ تلاوت فرماتے تھے اس کو باقی رکھ کر اس کے علاوہ تمام طرق کے مطابق تلاوت قرآن حکیم پر پابندی عائد کر دی'' یعنی صرف قراءتِ قریش کو باقی رکھا باقی ان کے علاوہ پر پابندی لگا دی۔ اس طرح قرآن بھی ایک رہا اور قراءت بھی ایک ہی رہی۔

اوپر کے اقتباس میں ڈاکٹر صاحب نے جو دوسری حقیقت بیان فرمائی وہ یہ کہ القیسی کے مطابق ''کم از کم ۱۲ ہزار صحابہؓ کرام اور تابعین پر مشتمل ایک جماعت نے اس وقت کی اسلامی سلطنت کے طول و عرض میں پھیل کر مصحف عثمانی کے مطابق تلاوت قرآن حکیم سکھانے اور اس کے علاوہ رائج طریقوں سے منع کرنے کی خدمت انجام دی''۔

یہاں قابلِ غور حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی سلفی رُشدی نے یہ حقیقت اپنے مضمون میں نہیں لکھی کہ صحابہؓ و تابعین کی اتنی بڑی جماعت نے سلطنت اسلامیہ میں پھیل کر سب کو ایک ہی مصحف اور ایک ہی قراءت پر مجتمع کرنے کا مشن سنبھالا تھا۔ رُشدی حضرات تو اسی پر مصر ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ (تعداد پر بھی اختلاف ہے) مصاحف لکھوا کر مختلف صوبوں کے مراکز کو بھجوا دیئے اور ایک ایک قاری بھی ساتھ کر دیا تاکہ لوگوں کو صحیح قراءت سکھائے۔

یہاں دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے بھی صرف 'مصحف عثمانی' ہی کا نام لیا ہے مصاحف عثمانی نہیں کہا۔ یعنی حضرت عثمان نے صرف ایک ہی قراءتِ قریش پر مصحف عثمانی نقل کروایا تھا اور اسی کی نقول صوبوں کے مراکز کو بھجوا کر اپنے اپنے نسخے اسی کے مطابق نقل کرنے اور تلاوت کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ خلیفہ راشد، اولی الامر کا حکم سوائے سازشی عجمیوں کے کس کی مجال تھی کہ اس کے خلاف کرکے، حقیقت میں اللہ کے حکم کے خلاف کرکے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرتا۔

سب سے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے میونخ (جرمنی) میں قرآن حکیم کے ۴۲ ہزار نسخے جمع کرکے تضادات و اختلافات تلاش کرنے کا واقعہ لکھ کر پھر اس حقیقت کی طرف توجہ دلا دی کہ متنِ قرآن میں تضادات و اختلافات نہیں ہو سکتے (اب یہ اپنے اپنے فہم و ادراک کی بات ہے) یونکہ خود بھی دعویٰ ہے کہ ''اگر یہ (قرآن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے نازل کیا گیا ہوتا تو وہ اس قرآن میں بے شمار اختلافات اور تضادات پاتے (۴/۸۲)'' اور یہ بھی کہ ''بے شک

[1] ایضاً صفحہ ۴۰۵

ہم نے ہی اس کو نازل کیا اور ہم ہی اس (قرآن کی تحریف و تبدیلی) کی حفاظت کریں گے (۹/۱۵)"[1]

لیکن افسوس ہے کہ آج پندرھویں صدی میں سَلفی اور بالخصوص رُشدی حضرات قرآن مبین میں سینکڑوں اختلافات پیدا کرنے اور تحریف اور تبدیلی پیدا کرنے پر تلے ہوئے ہیں! یا اللہ تو ہمیں اپنی پناہ میں رکھ کر ان شیطانی عزائم سے محفوظ رکھ۔ یہاں ایک اور حقیقت پر بھی نظر کر لیجئے، کہ یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ اتنا کچھ رُشدیوں کے مؤقف و عقائد کے خلاف لکھنے کے، رُشدی حضرات نے ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری صاحب کو بُرا بھلا نہ کہا نہ ہی ان پر کوئی تنقید کی۔ حالانکہ جس کسی نے بھی ان کے ارادے بھانپ کر ان کے عقیدہ سے ذرا سا بھی انحراف کیا تو رشدی حضرات نے (انہی تینوں حصوں میں) ان کو بُرا بھلا کہا اور سخت تنقید کی۔ کہئے ہے نا حیرت کی بات!

آیئے اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف پلٹتے ہیں کہ سبعہ اَحرف کا مفہوم کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ڈاکٹر مفتی صاحب کے مضمون "سبعہ اَحرف سے مراد اور قراءاتِ عشرہ کی حجیت" سے اقتباس پیش کر چکے کہ وہ سبعہ اَحرف سے متعلق حدیثیں دو طرح کی بتاتے ہیں۔ پیچھے ہم پہلی قسم کی احادیث پر روشنی ڈال چکے، جو کہ کافی طوالانی ہو گیا۔ مگر مکمل نہیں ہوا۔ اس کو مکمل کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ امام احمد روایت کرتے ہیں: (ہم صرف ترجمہ پر اکتفا کریں گے)

> "حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن کی ایک آیت پڑھی۔ اس شخص سے عمروؓ نے کہا یہ آیت تو اس اس طرح ہے۔ پھر اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔ جو حرف بھی تم پڑھو وہ درست ہے۔ لہٰذا آپس میں جھگڑا مت کرو[2]۔ (مگر اس امر کا اعلانِ عام نہیں کیا!۔ صدیق) (مسند احمد۔ ۴/۲۰۴)
>
> "امام ابنِ جریر طبری نقل کرتے ہیں:
>
> حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا۔ پس (جس حرف پر چاہو) بلا کسی حرج کے پڑھو، البتہ رحمت کے ذکر کو عذاب کے ساتھ اور عذاب کے ذکر کو رحمت کے ساتھ ختم نہ کرو"[3] (تفسیر الطبری۔ ۱/۴۲)

- ... غور کیجئے کہ یہ دونوں روایتیں پڑھ کر کیا تاثر ملتا ہے؟ کیا یہ تاثر نہیں ملتا کہ قرآن ایک نہیں بلکہ سات نازل ہوئے تھے جو چاہو پڑھو یا جس میں سے چاہو پڑھو۔ مگر رسول نے اس امر کا اعلان عام نہیں کیا!
- ... ان روایات میں یہ کہیں نہیں لکھا ہوا ہے کہ پورا قرآن نہیں بلکہ کچھ مقامات پر سات حروف میں نزول ہوا ہے۔ یا یہ قرآن یا اس کی کچھ آیات مختلف عرب قبائل کی مختلف لغات پر نازل ہوئی ہیں!
- ... یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے سات حروف پر نزول ہونا بتا کر کہا کہ جس حرف کو چاہو بلا کسی حرج کے پڑھو۔ مگر یہ نہ بتایا کہ سات حروف سے کیا مراد ہے؟ نہ کسی صحابی نے سوال کیا۔
- ... یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ، اللہ کا قرآن ایک نہیں تھا اور اس کی آیات بھی ایک طرح پر نہیں تھیں بلکہ آیات اس اس طرح پر یعنی مختلف تھیں۔

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۰۶ ..... [2] رُشد۔ قراءات نمبر۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۱۲۷ ..... [3] ایضاً۔ صفحہ ۱۲۷۔۱۲۸

• ... یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آیات محکم یا منظم نہ تھیں جو رحمت کے ذکر کو عذاب کے ساتھ اور عذاب کے ذکر کو رحمت کے ساتھ ختم نہ کرنے کا حکم رسول نے دیا تھا۔(گویا کہ باقی آیات جس طرح چاہو پڑھ لو!) حالانکہ جو قرآن حکیم ہمارے پاس ہے اس میں تو بہت سے مقامات پر رحمت کے ساتھ عذاب کا بھی ذکر ہے اور عذاب کے ساتھ رحمت کا بھی ذکر ہے۔ بلکہ ایک آیت میں تو عذابٌ مِنَ الرّحمٰن بھی ہے (۴۵/ ۱۹)

سبعہ اَحرف سے اختلافِ قراءات کی سات نوعیتیں (صفحہ ۱۲۸)

اب دیکھئے کہ ڈاکٹر مفتی صاحب ان حدیثوں سے سبعہ اَحرف کے بارے میں کیا سمجھے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"ان حدیثوں میں 'سبع اَحرف' سے اختلاف قراءات کی سات مندرجہ ذیل نوعیتیں مراد ہیں:

(۱)۔... اسماء کا اختلاف جس میں افراد، تثنیہ و جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے جیسے **تمت كلمة ربك** اور '**تمت كلمات ربك**'.

(۲)۔... افعال کا اختلاف کہ کسی قراءت میں صیغہ ماضی ہو کسی قراءت میں مضارع اور کسی میں امر مثلاً '**ربنا باعد بين أسفارنا**' اور '**ربنا بعد بين أسفارنا**'.

(۳)۔... وجوہ اعراب کا اختلاف یعنی حرکتیں مختلف ہوں مثلاً '**لا يضار كاتب**' اور '**ذو العرش المجيدُ**' اور '**ذو العرش المجيدِ**'۔

(۴)۔... الفاظ کی کمی و بیشی کا اختلاف کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور دوسری قراءت میں زیادہ ہو مثلاً '**وما خلق الذكر و الانثى**' اور '**ما خلق**' کے بغیر صرف '**والذكر والانثى**'۔

(۵)۔... تقدیم و تاخیر کا اختلاف کہ ایک قراءت میں ہے '**و جاءت سكرة الموت بالحق**' اور دوسری قراءت میں حق کا لفظ مقدم ہے '**وجاءت سكرة الحق بالموت**'۔

(۶)۔... بدلیت کا اختلاف کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے مثلاً '**ننشرها**' اور '**ننشزها**' اور '**طلح**' اور '**طلع**'۔

(۷)۔... لہجے کا اختلاف جس میں **تفخيم** ، **ترقيق** ، امالہ، قصر، اخفاء، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلاف شامل ہیں مثلاً '**موسى**' امالہ کے ساتھ اور امالہ کے بغیر۔

(•) دوسری قسم[۱]

وہ حدیثیں جن میں آسانی و تسہیل کی خاطر سات کے عدد کا ذکر ہے:

(۱)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل نے ایک حرف پر قرآن پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں مزید طلب کرتا رہا اور وہ (قرآن کے حرفوں میں) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حرفوں تک پہنچ گئے"۔[۲] (صحیح البخاری: ۴۹۹۱)

[۱]۔ پہلی قسم کی حدیث: دیکھئے پیچھے صفحہ ۴۲ ...... [۲]۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۲۸

(۲)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"کہ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد قرآن کو ایک حرف پر پڑھیے۔ مِیْکٰئل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اس میں اضافہ کروائیے۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے تاوقتیکہ آپ عذاب کی آیت رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کر دیں۔ یہ ایسا ہی ہو جیسے تعال کے معنی کو اقبل ، ھلم ، اذھب ، اسرع اور عجل کے الفاظ سے ادا کریں۔" (مسند احمد : ۱۹۶۰۹)[1]

(غور کیجئے کہ رُشدیوں کے ہاتھوں مِیْکٰئل بھی وحی لانے لگا۔ بلکہ دونوں میں اختلاف بھی رونما ہوا۔ صدیق)

(۳) صحیح مسلم میں ہے:

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اس نے ایک ایسی قراءت پڑھی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کی قراءت سے مختلف ایک اور قراءت پڑھی۔ جب ہم نے نماز ختم کر لی تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایسی قراءت پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے پہلے کی قراءت کے سوا ایک دوسری قراءت پڑھی۔ اس پر آپ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے قراءت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے وسوسے آنے لگے کہ جاہلیت میں بھی ایسے خیالات نہیں آئے تھے۔ پس جب رسول اللہ نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر (اپنا ہاتھ) مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہو گیا اور خوف کی حالت میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا اے ابی پروردگار نے میرے پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں دو حرفوں پر پڑھوں۔ میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری امت پر آسانی فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار پیغام بھیجا کہ میں اسے سات حرفوں پر پڑھوں۔" (صحیح مسلم: ۸۲۰)[2]

(یعنی اس روایت کے مطابق جبریل کے تین پھیرے لگے رسول کی درخواست پر! جبکہ اگلی روایت میں چار پھیرے لگے۔ صدیق)

(۴)۔ صحیح مسلم میں ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے آپ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن کو ایک حرف پر پڑھے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں اللہ سے عافیت اور مغفرت مانگتا ہوں۔ میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام دوبارہ آپ کے پاس آئے اور

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۲۸۔۱۲۹ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۲۹

کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن کو دو حرفوں پر پڑھے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ سے عافیت اور مغفرت مانگتا ہوں۔ میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے پھر وہ تیسری بار آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن کو تین حرفوں پر پڑھے۔ آپ نے پھر فرمایا میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ چوتھی بار آپکے پاس آئے اور کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن کو سات حرفوں پر پڑے پس امت کے لوگ جس حرف پر پڑھیں گے ان کی قراءت درست ہو گی۔" (صحیح مسلم:۸۲۱)[۱]

(جبریل کے چار پھیرے لگ گئے تو ایک سے سات حروف ہو گئے جبکہ پچھلی روایت میں تین پھیرے لگوائے تھے! صدیق)

(۵)۔ سنن ترمذی میں بھی ہے:

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مروہ کے پتھروں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت جبریل علیہ السلام سے ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا مجھے ایک اَن پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہے جن میں بوڑھے بھی ہیں، بوڑھیاں بھی ہیں اور بچے بھی ہیں۔ حضرت جبریل نے کہا کہ آپ ان کو حکم دیجئے کہ وہ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھیں۔" (مسند احمد۔۱۲۲۱۵)[۲]

(پچھلی روایت میں جبریل بنو غفار کے تالاب کے پاس آتا ہے اور اس روایت میں مروہ کے پتھروں کے پاس! اَن پڑھ امت کے لئے حکم ہے کہ سات حروف پر پڑھیں یعنی اور مشکل کر دیا۔ صدیق)

(۶)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں یوں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبریل سے کہا کہ میں ایک اَن پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں جس میں مرد عورتیں بچے بچیاں اور ایسے لب گور بوڑھے جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی یہ سب ہی ہیں۔ تو جبریل علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے۔" (سنن ترمذی:۲۹۴۴)[۳]

ان دو قسموں کی حدیثوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دونوں کے مضمون مختلف ہیں۔ پہلی قسم کی حدیثوں میں اختلافِ قراءت کا ذکر تو ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں فقط یہ فرمایا کہ قرآن پاک سبعہ احرف پر نازل کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری قسم کی احادیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست و مطالبہ پر یہ فرمایا گیا کہ آپ کی امت سات طریقوں سے پڑھے یا آپ اپنی امت کو سات طریقوں سے پڑھائیے۔ پھر وہ سات طریقے کیا ہیں؟ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ وہ سات تک مرادفات ہیں۔ فرمایا: جیسے **تعال، اقبل هلم اذهب، اسرع، عجل**، ان دوسری قسم کی حدیثوں میں ان سات طریقوں کے منزل من اللہ ہونے کی تصریح نہیں ہے سوائے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے جس میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمانے پر کہ میری امت تو امی ہے اور اس میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کبھی کچھ پڑھا ہی نہیں یہ کہا کہ **ان القرآن أنزل علی سبعة**

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۲۹۔ ۱۳۰ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۰ ...... ۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۰

أحرف ۔ لیکن اس واقعہ سے متعلق جب عبد اللہ بن عباس، ابو بکر، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی روایتوں کو دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی روایت بالمعنی ہے اور راوی کی جانب سے سات حروف یا سات طریقوں سے پڑھنے کی اجازت کو أنزل القرآن علی سبعة أحرف کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے یا پھر مجاز پر محمول ہے[1]۔(شکر ہے کہ موصوف نے خود ہی روایتوں میں اختلاف مان لیا۔ صدیق)

عام طور پر علماء و قراء حضرات ان سب حدیثوں کا ایک ہی مضمون مانتے ہیں اس لئے ان کو ایک دوسرے پر محمول کرتے ہیں، لیکن اس صورت میں حروف سبعہ کی جو بھی تفسیر کی جائے وہ ایسی نہیں کہ اس پر کوئی اعتراض و اشکال باقی نہ رہتا ہو، مثلاً

(ا)۔ جب دونوں طرح کی حدیثوں میں سبعہ أحرف سے مراد سات لغات ہوں

ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے سبعہ أحرف سے قبائل عرب کی سات لغات مراد لی ہیں اور وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور تک قرآن ان سات حروف پر پڑھا جاتا تھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب اسلام دُور دراز ممالک تک پھیلا تو ان حروفِ سبعہ کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں میں جھگڑے ہونے لگے۔ مختلف لوگ مختلف حروف پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کی تلاوت کو غلط ٹھہرانے لگے۔ (ثابت ہو گیا کہ سبعہ حروف نازل ہونے کا اعلانِ عام نہیں ہوا تھا۔ جبکہ بیس پچیس سال ہی میں جھگڑے ہونے لگے۔ تو نہ تو رسول ہی کو پتہ تھا کہ سات حرفوں کا کیا ہو گا نہ ہی اللہ کو پتہ تھا۔ اس نے سات احرف میں نازل کر دیا۔ در حقیقت یہ بات اور عقیدہ توہینِ رسول اور توہین اللہ ہے۔ یہ ان پر حملہ ہے! صدیق) اس فتنہ کے انسداد کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے پوری امت کیلئے صرف ایک حرف یعنی لغت قریش کے مطابق سات مصاحف مرتب فرما کر مختلف صوبوں میں بھیج دیئے اور باقی تمام مصاحف کو نذرِ آتش کرا دیا تاکہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو سکے۔ لہٰذا اب صرف لغت قریش کا حرف باقی رہ گیا ہے اور باقی چھ حروف محفوظ نہیں رہے اور قراءتوں کا جو اختلاف آج تک باقی چلا آتا ہے وہ اسی ایک حرف قریش کی ادائیگی کے مختلف طریقے ہیں۔

اس قول پر ایک اعتراض یہ ہے کہ حافظ ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ ساتوں حروف منزل من اللہ تھے (اس کا حوالہ کیا ہے ؟ صدیق) اور دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے چھ حروف کی تلاوت کو ختم فرما دیا تھا حالانکہ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی دلیل کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ چھ حروف کو یکسر ختم کر دیا ہو۔[2] (اگر حضرت عثمانؓ نے ایسا کیا ثابت ہو گیا کہ چھ حروف کا وجود سازش تھا۔ یونکہ قرآن میں اختلاف نہیں۔ صدیق)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے چھ حروف تو اختلاف کے ڈر سے ختم فرما دیئے اور قراء تیں جوں کی توں باقی رکھیں۔ افتراق و اختلاف کا جو اندیشہ مختلف حروف کو باقی رکھنے میں تھا وہ قراءت میں بھی تو ہے ؟[3]

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۰۔۱۳۱ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۱ .... ۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۱

(قراءات تو محض لہجہ تھیں وہ حضرت عثمانؓ کے ختم کرنے سے ختم نہیں ہو سکتی تھیں۔ صدیق)

(۲)۔ جب دونوں قسم کی حدیثوں سے مراد سات مرادفات ہوں

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک صرف قریش کی لغت پر نازل ہوا تھا، لیکن چونکہ اہلِ عرب مختلف علاقوں اور مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کیلئے اس ایک لغت پر قرآن کریم کی تلاوت بہت دشوار تھی اسلئے ابتدائے اسلام میں اس بات کی اجازت دیدی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کر لیا کریں (ایسی کوئی اجازت قرآن میں نہیں۔ صدیق) چنانچہ جن لوگوں کیلئے قرآن پاک کے اصلی الفاظ سے تلاوت مشکل تھی ان کیلئے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مرادفات متعین فرمادیئے تھے۔ (اس کا کوئی ثبوت، کوئی حوالہ؟ یہ محض گھڑنت ہے۔ صدیق) جن سے وہ تلاوت کر سکیں۔ یہ مرادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کئے گئے تھے۔ لیکن یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دَور میں تھی۔ (حضرت فاطمہ کی روایت کے مطابق تو اسلام کے شروع دَور میں تو صرف ایک قراءت تھی۔ یہ دیگر قراءات کا چکر تو رسولؐ کے آخری چھ ماہ میں، بقول ملاؤں کے چلا۔ صدیق) پھر جب رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا دائرۂ اثر بڑھتا گیا اور اہلِ عرب اس کے عادی ہوگئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے قرآن کا آخری دَور کیا جسے عرضۂ اخیرہ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر مرادفات سے پڑھنے کی یہ اجازت ختم کر دی گئی اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا[1]۔

اس قول پر یہ الجھن ہے کہ قرآن پاک کی جو مختلف قراءتیں آج تک متواتر چلی آرہی ہیں اس قول کے مطابق ان کی حیثیت واضح نہیں ہوتی۔ (وہ محض لہجاتی اختلاف ہے الفاظ واعراب وغیرہ کا نہیں۔ صدیق)

(۳)۔ جب دونوں قسم کی حدیثوں سے مراد قراءات کے سات قسم کے اختلافات ہوں

اس قول پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک کو سات حروف پر اس لئے نازل کیا گیا تاکہ امت کے لئے تلاوتِ قرآن پاک میں آسانی پیدا کی جائے۔ یہ بات لب ولہجہ سے تعلق رکھنے والے کلمات تفخیم و ترقیق، مدوامالہ وغیرہ میں تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور حذف و اثبات میں سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً سورہ توبہ میں **أعدلھم جنت تجری تحتھا الانھار**' اور **تجری من تحتھا الانھار**' دو قراءتیں ہیں۔ یہاں صرف **من** کی ادائیگی میں کون سی دشواری ہے اور اگر ہے تو یہ اختلاف اسی جیسی تمام آیات میں ہونا چاہیے صرف ایک مقام میں کیوں ہے؟ پھر حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو مرادفات ذکر ہیں ان کی توجیہ بھی نہیں کی جاسکتی۔

غرض اوپر ذکر کی گئیں دو قسم کی حدیثوں کو ایک دوسرے پر محمول کرتے ہوئے سبعہ احرف کی جو بھی تفسیر کی جائے وہ اعتراض اور الجھن سے خالی نہیں[2]۔ (ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ لب ولہجہ اور ان کی ادائیگی میں تو فرق یا اختلاف ہو سکتا ہے مگر باقی چھ نوعیتیں گھڑی ہوئی ہیں اور قرآن کے خلاف سازش۔ صدیق)

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۱۔۱۳۲ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۲

(۴)۔ان دو قسم کی حدیثوں کو علیحدہ علیحدہ مضمون پر محمول کریں

البتہ اگر حدیثوں کی مذکورہ بالا دو قسموں کو علیحدہ علیحدہ مضمون پر محمول کیا جائے تو پھر ان شاء اللہ کوئی اعتراض وارد نہ ہو گا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی قسم کی حدیثیں جن میں یہ مضمون ہے کہ ' **أنزل القرآن علی سبعه أحرف** ' تو ان میں سبعہ احرف سے مراد قراءات میں سات قسم کا اختلاف ہے۔ قرآن پاک انہی اختلافات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا۔ یہ اب تک باقی ہیں اور ان کا نسخ نہیں ہوا۔(نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ خود اختلافات پیدا کر تا رہا!صدیق)

دوسری قسم کی حدیثوں میں مرادفات کا ذکر ہے۔ یہ مرادفات عرضہ ٔاخیرہ میں منسوخ کر دیئے گئے تھے۔ان کے نسخ کے بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کا نزول تو صرف قریش کی لغت پر ہوا تھا، لیکن چونکہ اہلِ عرب مختلف علاقوں اور مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کیلئے اس ایک لغت پر قرآن کریم کی تلاوت بہت دشوار تھی۔ اس لئے ابتدائے اسلام میں یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر لیا کریں، چنانچہ جن لوگوں کیلئے قرآن کریم کے اصلی الفاظ سے تلاوت مشکل تھی ان کے لئے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرادفات متعین فرما دیئے تھے جن سے وہ تلاوت کر سکیں۔ یہ مرادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کئے گئے تھے اور یہ بالکل ایسے تھے جیسے تعالَ کی جگہ ھلم یا اقبل یا ادن پڑھ لیا جائے معنی سب کے ایک ہی رہتے ہیں، لیکن یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دَور میں تھی، جبکہ تمام اہلِ عرب قرآنی زبان کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا دائرہ اثر بڑھتا گیا۔ اہلِ عرب اس کے عادی ہو گئے اور ان کیلئے اسی اصل لغت پر قرآن کی تلاوت آسان ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام سے قرآن کا آخری دَور کیا جسے عرضہ ٔاخیرہ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ مرادفات سے پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی اور صرف وہی باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔" [مشکل الآثار للطحاوی، بحوالہ علوم القرآن مولانا تقی عثمانی ص۱۰۴][1]

(مرادفات کا تعین بھی ایک گھڑنت ہے یونکہ اگر کوئی لفظ کسی کی زبان سے ادا ہی نہیں ہو پاتا تو اس کو مرادف قرار دینے کے معنی قرآن کو تبدیل کرنا ہے یہ تحریف ہے۔صدیق)

(●) محقق ابنِ جزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

"اس میں کوئی شک نہیں کہ عرضہ ٔاخیرہ کے موقع پر قرآن پاک میں نسخ اور تبدیلی ہوئی۔ اس کی تصریح متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ہم تک صحیح سند کے ساتھ زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پہنچا ہے کہ مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کونسی قراءت پڑھتے ہو۔ میں نے کہا آخری قراءت۔ زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۳۲

تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا اس موقع پر جو کچھ منسوخ ہوا اور جو تبدیلی کی گئی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے شاہد تھے"۔[1] (النشر فی القراءات العشر: ۱/ ۳۲) (یہ روایت بھی گھڑنت ہے قرآن میں کوئی نسخ نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی تبدیلی ہوئی۔ بلکہ یہ تو قرآن پر ایک حملہ ہے۔ قرآن تو خود پچھلی کتابوں کا ناسخ ہے۔ صدیق)

ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول میں اگرچہ مرادفات کے عرضۂ اخیرہ میں منسوخ ہونے کی تصریح تو نہیں کی، لیکن ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول مرادفات کے نسخ پر اس طرح سے دلیل ہے کہ انہوں نے عرضہ اخیرہ میں نسخ کے واقعات ہونے کی تصریح کی ہے اور مرادفات ہی اس نسخ کا مصداق ہیں، کیونکہ مرادفات کا وجود حدیث سے ثابت ہے اور ان کی بقاء بالا جماع ثابت نہیں اور کسی اور موقع پر ان کا منسوخ ہونا بھی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا قرینِ قیاس یہی ہے کہ عرضہ اخیرہ میں مرادفات ہی منسوخ ہوئے ہوں گے[2]۔ (ہم اس کو مان لیتے ہیں۔ صدیق)

بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور میں لغت قریش کے علاوہ باقی لغات موقوف کر دی گئیں۔ یہ قول بلا دلیل ہے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصاحف لکھنے کے لئے ایک جماعت تشکیل دی تو اس جماعت سے فرمایا:

"جب تمہارے اور زید بن ثابت کے درمیان قرآن کے کسی حصہ میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان پر لکھنا، کیونکہ قرآن صرف ان کی زبان پر نازل ہوا ہے[3]۔" (صحیح بخاری) (کیا قرآن اب نازل ہو رہا تھا جو اختلاف ہوتا؟ وہ تو پہلے ہی رسولؐ لکھوا چکے تھے اور چیک بھی کر چکے تھے۔ صدیق)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا نزول صرف لغتِ قریش پر ہوا، اگر اور لغات پر بھی ہوتا، جیسا کہ بعض وہ حضرات کہتے ہیں جو حروفِ سبعہ سے سات لغات مراد لیتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یوں حصر کے ساتھ کبھی نہ فرماتے کہ **انّما نزل بلسانهم** یعنی قرآن پاک محض قریش کی لغت پر نازل ہوا ہے۔

بعض حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے باقی لغات کو منسوخ نہ کرنے کی یہ دلیل دی ہے کہ روایت حفص کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لغت قریش کے سِوا اور لغات بھی موجود ہیں۔ اس دلیل سے خیال ہو سکتا ہے کہ شائد قرآن کا نزول سات لغتوں پر ہوا ہو یا سات نہیں تو بہر حال متعدد لغتوں پر ہوا ہو۔ اس خیال کے صحیح نہ ہونے کی یہ وجوہات ہیں: (قرآن کا نزول جب قریش کی زبان یا لغت پر ہوا ہے تو پھر سات لغات یا سات قراءات کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ سب گھڑنت ہے۔ موصوف یہ مان رہے ہیں مگر پھر بھی کج بحثی کر رہے ہیں۔ صدیق)

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد اس خیال کے منافی ہے۔

(۲) کسی کلام میں چند ایک الفاظ کسی دوسری لغت کے آ جانے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کلام دو لغتوں

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۳ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۳ ...... ۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۳

میں وارد ہوا ہے بلکہ وہ ایک ہی لغت پر شمار ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ الفاظ اگرچہ اصالۃً دوسری لغت کے ہوں، لیکن اس لغت میں بھی ان کا استعمال ہونے لگا ہو بالکل غیر معروف نہ ہو[1]۔

قرآن کو سبعہ اَحرف (اقسامِ اختلاف) پر نازل کئے جانے کی حکمتیں

(۱) اُمت کے لئے خصوصاً اہل عرب کے لئے سہولت و آسانی (غیر عرب کا کیا قصور کہ ان کے لئے سہولت و آسانی نہیں؟ صدیق)

(۲) حکم کا بیان

قرآن پاک میں ہے (وَ اِنۡ کَانَ رَجُلٌ یُّوۡرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امۡرَاَۃٌ وَّ لَہٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ ۚ) اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے: (و له أخ أو أخت من أم) اس قراءت میں اُم کے زائد ہونے سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ حکم میں بھائی بہنوں سے ماں شریک بھائی بہن مراد ہیں[2] (اس طرح قرآن میں دو الفاظ مِن اور اُمٍ بڑھا دیئے۔ کیا یہ تحریفِ قرآن نہیں؟ صدیق)

(۳) دو مختلف حکموں کو جمع کرنا:

مثلاً قرآن پاک میں ہے (فَاعۡتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الۡمَحِیۡضِ ۙ وَ لَا تَقۡرَبُوۡہُنَّ حَتّٰی یَطۡہُرۡنَ ۚ) یَطھرن ایک قراءت میں طاء کے سکون کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں طاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ مشدّد کا صیغہ عورتوں کے حیض سے طہارت میں مبالغہ کا معنی دیتا ہے جس سے یہ بات حاصل ہوئی کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد عورت جب غسل کر لے اس وقت اس سے قربت کی جائے[3]۔ (قرآن میں اعراب کا فرق کر دیا۔ صدیق)

(۴) دو مختلف حالتوں میں دو مختلف شرعی حکموں پر دلالت

قرآن پاک میں: (فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡہَکُمۡ وَ اَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ وَ اَرۡجُلَکُمۡ اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ ؕ) اس آیت میں ارجلکم کی لام پر ایک قراءت میں نصب ہے اور دوسری قراءت میں جر ہے۔ نصب کی صورت میں پاؤں دھونے کا حکم ہے جس وقت پاؤں ننگے ہوں اور جر کی صورت میں مسح کرنے کا حکم ہے جبکہ پاؤں پر چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حکموں کو اسی طرح بتایا ہے[4]۔ (مگر اللہ تعالیٰ نے تو نہیں بتایا، کیا اس سے بھول ہو گئی تھی؟ نعوذ باللہ۔ صدیق)

(۵) جو مراد نہ ہو اس کے وہم کا دفعیہ

آیت ہے (یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ) اور دوسری آیت میں ہے فامضوا الی ذکر اللہ ۔ (لفظ فامضُوا کے ساتھ کوئی دوسری آیت نہیں۔ یہ محض دھوکہ ہے۔ صدیق) فاسعوا سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ تیز تیز چلنے کا حکم ہے حالانکہ وہ مراد نہیں ہے۔ اس وہم کا دفعیہ فامضوا کے لفظ سے ہو گیا، کیونکہ اس کے معنی میں سرعت اور تیزی شامل نہیں ہے[5]۔ (مگر یہ تو قرآن کے الفاظ بدل دیئے کیا یہ تحریف نہیں؟ کیا یہ جرم نہیں؟۔ صدیق)

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۴ ...... ۲، ۳، ۴، ۵۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۴

(۶) ایسے الفاظ کا بیان جو بعض پر مبہم ہوں

(وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ)[1] اور ایک اور قراءت میں ہے: **کالصوف المنفوش** دوسری قراءت سے معلوم ہوا کہ **عھن** سے مراد صوف (اون) ہے[1]۔ (قرآن کے الفاظ بدل دیئے! صدیق)

(۷) ایسے عقیدے کی وضاحت جس میں بعض لوگ گمراہ ہوئے

جنت کے بارے میں آیت ہے (وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا) ایک قراءت میں **ملکا** کی میم کا ضمہ اور لام کا سکون ہے جبکہ دوسری قراءت میں میم کا فتحہ اور لام کا کسرہ ہے۔ دوسری قراءت سے جنت میں مؤمنین کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا ثابت ہوا جس کا بعض بدعتی فرقے انکار کرتے ہیں[2]۔ (مگر یہ تو قرآن کے الفاظ کے اعراب بدل دیئے جو کہ تحریفِ قرآن ہے۔ پھر بقول آپ ہی کے یہاں تو معنیٰ بھی بدل گئے! گو کہ پتہ نہیں آپ نے اس سے اللہ کا دیدار ہونا کیسے خیال کر لیا؟ کیا **نعیما** کا لفظ اللہ کے لئے آیا ہے؟۔ صدیق)

صحتِ قراءت کیلئے ضابطہ

(۱) قراءت عربیت کے موافق ہوا اگرچہ یہ موافقت ہو۔

(۲) مصاحب عثمانیہ میں سے کسی ایک ۲ کے رسم الخط کے مطابق ہو خواہ یہ مطابقت احتمالاً ہو۔

(۳۔ یہاں عبارت رہ گئی شاید وہ یہ ہو کہ وہ نبی ﷺ سے ثقہ لوگوں کے واسطہ سے منقول ہو۔ صدیق)

جس قراءت میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں وہ قراءت صحیح اور ان حروف سبعہ میں سے ہو جن پر قرآن نازل ہوا۔

محقق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”جو قراءۃ اس طرح ثابت ہو یعنی اس ضابطہ پر پوری اترتی ہو اس کا رد و انکار جائز نہیں بلکہ مسلمانوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ خواہ ائمہ سبعہ کی قراءت ہوں یا عشرہ کی ہوں یا ان کے علاوہ کی ہوں اور اگر مذکورہ ارکان ثلاثہ میں سے کوئی رکن مختل ہو جائے تو وہ ضعیف، شاذ یا فسد و باطل ہے خواہ سبعہ سے ہو یا مافوق سبعہ سے ہو۔ تمام محققین ائمہ سلف و خلف اس تعریف کو صحیح کہتے ہیں۔ [منجد المقرئین]

(قراءۃ کو قبول کرنا واجب ہے۔ یعنی وجوب کا حکم محقق صاحب لگا رہے ہیں! اللہ میاں بیچارہ کہاں گیا؟ نیز انہیں علم الغیب کیسے ہو گیا کہ انکے بعد آنے والے (خلف) (معاذ اللہ) بھی اس تعریف کو صحیح کہتے ہیں۔ صدیق)

حافظ ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ مرشد الوجیز میں کہتے ہیں:

”ہر اس قراءت کو جو ائمہ سبعہ کی جانب منسوب ہو اور صحیح کہلاتی ہو اسی وقت منزل من اللہ اور صحیح کہہ سکتے ہیں جب وہ اس ضابطہ میں آ جائے اور ضابطہ کے ساتھ مطابقت کی صورت میں کوئی مصنف اس کی نقل میں متفرد نہیں ہو سکتا اور نہ وہ کسی امام سے مختص ہو سکتی ہے۔ اصل اعتماد ان اوصاف ثلاثہ پر ہے نہ کہ

۱۔ پہلی قسم کی حدیث: دیکھئے پیچھے صفحہ ۴۲ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۲۸

انتساب پر۔ اور بیشک ہر قراءت میں خواہ سبعہ میں سے ہو یا غیر سبعہ سے صحیح اور شاذ دونوں قسم کی وجوہ پائی جاتی ہیں۔ البتہ قراءت سبعہ میں شہرت اور متفق علیہ صحیح وجوہ کی کثرت کی وجہ سے طمانیت اور میلان خاطر زیادہ ہوتا ہے[1]۔" (محقق صاحب کے مقابلہ پر حافظ صاحب نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر اسے منزل من اللہ ہی قرار دیدیا! صدیق)

صحت قراءت کیلئے بعض متاخرین کا تواتر کو شرط کہنا صحیح نہیں

ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ مرشد الوجیز میں کہتے ہیں:

"متاخرین مقریوں اور ان کے مقلدین کی زبان پر چڑھا ہوا ہے کہ قراءت سبعہ بتمام و کمال متواتر ہیں یعنی قراء سبعہ سے جو حرف منقول ہے وہ متواتر من اللہ اور واجب التسلیم ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں مگر صرف ان حروف کے بارے میں جن کو ائمہ سے نقل کرنے میں تمام طرق اور رواۃ متفق ہیں اور کوئی منکر نہیں۔ جبکہ بعض حروف میں تفرقہ و اختلاف شائع اور مشہور ہے۔ پس اس حال میں کم از کم ان حروف کے اندر تو یہ ضابطہ ماننا پڑے گا جن میں تواتر ثابت نہیں ہوا"[2]......... (ابو شامہ صاحب بھی قراءتِ سبعہ کو بتمامہ واجب التسلیم نہیں مانتے۔ صدیق)

محقق ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"بعض متاخرین نے صحت قراءۃ کیلئے رسم و عربیت کی موافقت کیساتھ تواتر کی شرط لگائی ہے اور صحت سند کو کافی نہیں سمجھا۔ وہ کہتے ہیں کہ تواتر کے بغیر قرآن ثابت نہیں ہو سکتا۔ مگر ان لوگوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ جب کوئی حرف تواتر سے ثابت ہو جائے تو اس کیلئے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی بلکہ اس کا قبول کرنا بلا شرط واجب ہے، کیونکہ وہ قطعاً قرآن ہے۔ لیکن جب ہم ہر حرف کے لئے تواتر کو شرط لگا دیں تو قراء سبعہ کی بہت سی اختلافی وجوہ مرتفع ہو جائیں گی۔ (یعنی ان کے ثبوت کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہے گی) پہلے میرا بھی یہی خیال تھا مگر جب مجھے اس کی خرابی معلوم ہوئی تو میں نے ائمہ سلف کی رائے کی جانب رجوع کر لیا۔[3]" [منجد المقرئین] (موصوف محقق صاحب بھی سلفی ہی نکلے تو وہ اپنے عجمی سلفیوں سے کیسے انحراف کر سکتے ہیں! صدیق)

حضرت محقق رحمۃ اللہ علیہ نے متاخرین کی جس رائے کا ذکر کیا ہے وہ چھٹی صدی کے بعد بعض علماء مصر نے قائم کی تھی، جس پر وہ صدیوں قائم رہے، چنانچہ سید الصفاقسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (ظاہر ہے کہ اسی طرح سلف نے تیسری چوتھی صدی میں دوسری رائے قائم کی۔ صدیق)

"مذاہب اربعہ کے فقہاء اصولی اور تمام محدثین و قراء کا مذہب ہے کہ صحتِ قراءۃ کے لئے تواتر شرط ہے۔" اس کے بعد مذکورہ بالا ضابطہ نقل کر کے وہ ان الفاظ سے اس کی تردید کرتے ہیں: "یہ بدعت ہے جس سے غیر قرآن، قرآن کے مساوی ہو جاتا ہے۔ اور اختلافِ قراءۃ سے تواتر کے ثبوت میں کوئی خرابی نہیں آتی کیونکہ ایک قراءۃ کسی قوم کو متواتر آ پہنچی اور دوسری کو نہیں پہنچی۔ اس وجہ سے کسی قاری نے دوسرے کی قراءت نہیں

1۔ پہلی قسم کی حدیث: دیکھئے پیچھے صفحہ ۴۲ ...... 2۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۲۸

پڑھی، کیونکہ وہ اس کو تواتر کے طریق سے نہیں پہنچتی تھی۔" الخ پھر کہتے ہیں:"جو متواتر نہیں وہ شاذ ہے اور اس وقت عشرہ کے علاوہ ہر قراءت شاذ ہے۔[1]" [غیث النفع](غور کیجئے کہ سید صاحب اس کو بدعت قرار دے رہے ہیں، نیز وہ اس بدعت کے علاوہ قراءاتِ عشرہ کے علاوہ کو شاذ قرار دے رہے ہیں۔ صدیق)

سید الصفاقسی رحمۃ اللہ علیہ نے شدّت سے کام لیا ہے ورنہ مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر ایسا کہنا صحیح نہیں۔

اوّل: اُصولی فقہاء و محدثین کہتے ہیں کہ قرآن متواتر ہے، یہ نہیں کہتے کہ اس کی ہر اختلافی وجہ متواتر ہے۔ باقی رہے قراءتوں میں سے مشاہیر ائمہ کا مسلک اوپر بیان ہو چکا ہے اور حضرت محقق رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصریح کے بعد کہ جملہ اسلاف کا یہی مذہب ہے اور ان میں سے کوئی اس کے خلاف نہیں سید رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا دعویٰ ہے جو قابلِ قبول نہیں۔

دوم: قراءاتِ سبعہ اور عشرہ کی ہر اختلافی وجہ کے متواتر ہونے کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا بلکہ علامہ دانیؒ وغیرہ کی تصریحات اس کے متواتر ہونے کے خلاف موجود ہیں۔ (پھر ایک غیر متواتر چیز کیونکر صحیح ہو سکتی ہے جبکہ آگے خود کہتے ہیں کہ قرآن تو تواتر ہی سے ثابت ہوتا ہے۔ صدیق)

سوم: کسی وجہ کے غیر متواتر ہونے سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ وہ ضرور شاذ ہے جبکہ ان کے درمیان صحیح و مشہور کا مرتبہ موجود ہے خود سیدؒ اور دیگر شیوخِ مصر نے اپنی کتابوں میں ایسی وجوہ بیان کی ہیں اور سیدؒ کا یہ کہنا کہ کسی قاری نے دوسرے کی قراءت اس لئے نہیں پڑھی کہ وہ اسے تواتر سے نہیں پہنچی بے معنی بات ہے۔ شاید وہ رواۃ اور طرق کے اختلاف کے بارہ میں بھی یہی کہیں گے حالانکہ وہاں تو شیخ اور امام ایک ہی ہے اور آیا یہ ممکن ہے کہ جو وجہ عاصمؒ اور ابنِ کثیرؒ کو تواتر سے پہنچی ہو وہ بصریؒ کو جو ان کے شاگرد ہیں، نہیں پہنچی اور جو حرف حمزہ کو پہنچا وہ کسائی کو نہیں پہنچا حالانکہ یہ امام حمزہ کے شاگرد ہیں، ہرگز نہیں۔ حق بات وہی ہے جو ائمہ سلف نے بیان کی اور نتیجہ بحث یہ ہے کہ قرآن میں جو الفاظ پڑھے جاتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں:(یعنی موصوف کے حق کا معیار سلفیت ہے خواہ وہ عجمی ہی ہوں۔ صدیق)

(۱) جو سب کے نزدیک بالاتفاق متواتر ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔

(۲) جو ایک جماعت کے نزدیک متواتر ہو۔ جن حضرات کو تواتر سے پہنچی ان کے طرق کا اس پر اجماع و اتفاق ہونا چاہئے۔

ان دونوں قسموں کے الفاظ کیلئے نہ عربیت کی موافقت کی شرط ہے اور نہ رسم کی مطابقت کی، مگر امر واقع میں ناممکن ہے کہ عربیت کی کسی وجہ کے اور رسم کے احتمالاً مطابق نہ ہوں کیونکہ متواتر ہونے کی صورت میں اس کا نبی ﷺ سے منقول ہونا اور اس کا منجانب اللہ ہونا قطعی ہو گا جو عربیت کے مخالف نہیں ہو سکتا۔

(۳) صحیح و مشہور جس کو حضور نبی ﷺ سے ثقہ وضابط وعادل بسند متصل روایت کریں اور ائمہ فن کے نزدیک مشہور ہو مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو اس کو اسی شرط سے قبول کیا جائے گا کہ وہ اس ضابطہ کے موافق

[1] ایضاً۔

ہو ورنہ ضعیف و شاذ یا باطل ہے۔ کما مرّ (یعنی چت بھی میری، پٹ بھی میری، اَنڈا میرے سلف کا۔ بس میری بات مان لو! صدیق)[1]

اشکال

جب نبی ﷺ سے صاحبِ اختیار تک تواتر شرط نہیں ہے صرف صحت نقل کافی ہے تو قراءات کو متواتر کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ (غور کیجئے کہ یہ اشکال کتنا معقول ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مختلف النوع قراءات گھڑنے والوں سے، جن کو صاحبِ اختیار کہا جارہا ہے، رسولؐ تک تواتر نہیں ہے اور اس سلسلہ میں ہم پیچھے رشدیوں ہی سے حوالے دے چکے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اختیار ہونے پر' تواتر کہاں ہو گا؟ البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو اختیار کس نے دیا، اللہ نے یا رسولؐ نے یا مُلّانے؟ صدیق)

حل

امام عبد العظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مقبول قراءات کے بارے میں (ضابطہ کے) یہ تین ارکان علم قطعی کا فائدہ دینے میں تواتر کے مساوی ہیں۔ اس مساوات کا بیان یہ ہے کہ مصحف کے اندر (کتابت شدہ صورت میں) جو کچھ ہے اس پر سب سے بہتر زمانہ یعنی صحابہ کے زمانہ کے ائمہ کا تواتر اور اجماع تھا۔ پھر جب کسی وجہ کی روایت کی سند صحیح ہو تو قواعدِ لغت اور مصحف متواتر کی رسم کے ساتھ موافقت روایت کے علم قطعی کا فائدہ پر قرینہ بن جاتی ہے۔ اگرچہ روایت آحاد میں سے ہو۔ نیز یہ بھی مت بھولو کہ علم حدیث میں یہ بات طے شدہ ہے کہ قرائن کے ہوتے ہوئے خبر واحد علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔ گویا مصحف کے متواتر و ثقہ بننے سے پیشتر تو سند میں تواتر کو طلب کیا جا سکتا تھا لیکن متفقہ مصحف کے وجود کے بعد روایت کی صحت و شہرت ہی کافی ہے جبکہ وہ رسم خط اور عربی زبان کے موافق ہو۔" (مناھل العرفان فی علوم القرآن: ص۔ ۴۲۰، ۴۲۱) (یہاں یہ بات قول فیصل بن جاتی ہے کہ مصحف کے اندر کتابت شدہ صورت میں جو کچھ ہے... وہی قرآن ہے۔ باقی دیگر مصاحف عجمیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ صدیق)

کواکب دریہ میں محقق ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ روایت کی سند کے صحیح ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ عادل و ضابط اپنے جیسوں سے اس قراءت کو روایت کریں اور اسی طرح یہ سلسلہ آخر تک چلے۔ پھر وہ قراءت ماہرینِ فن کے نزدیک غلط اور شاذ نہ ہو بلکہ مشہور ہو۔

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مصحف میں جو کچھ ہے وہ اجماعی اور متواتر ہے۔ اب صرف اس کی ادائیگی کا مسئلہ رہ گیا؟ تو اس کی ادائیگی کا کوئی طریقہ اگر سند صحیح سے ہو اگرچہ متواتر نہ ہو، تب بھی وہ متواتر کے حکم میں ہے اور اس کا وہی حکم ہو گا جو متواتر کا ہوتا ہے۔ غرض حکم کے اعتبار سے وہ متواتر ہے۔ اس لئے ان کو قراءاتِ متواترہ کہا جاتا ہے[2]۔

(غور کیجئے کہ مصحف کے اندر کتابت شدہ صورت میں جو کچھ ہے اور مصحف میں جو کچھ ہے وہ اجماعی اور

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۶ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۷

متواتر ہے تو پھر مصحف کے مصاحف کیسے بنائے جاسکتے ہیں؟ کیا یہ بدعت نہیں ہو گا؟۔صدیق)

انکارِ قراءات کا حکم معلوم کرنے کے چند ضابطے

”تحقیقی بات جس کی تائید دلیل سے ہوتی ہے یہ ہے کہ قراءات عشرہ سب کی سب متواتر ہیں اور یہی محقق اصولیوں اور قراء مثلاً ابن سبکی رحمۃ اللہ علیہ، ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ اور نویری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، بلکہ ابو شامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی منقول ہے اور نقل کرنے والوں نے اس قول کو صحیح کہا ہے۔“(مناھل العرفان فی علوم القرآن: ص ۴۳۴)(قراءات سبعہ قراءات عشرہ بن گئیں۔صدیق)

لیکن قراءات کا جو ضابطہ ذکر ہو چکا ہے اس کی رُو سے ان کی سند دو مرحلوں میں ہے۔ایک مرحلہ وہ ہے جو ہم سے قراء سبعہ و عشرہ تک پہنچتا ہے اور دوسرا مرحلہ وہ ہے جو ان قراء عشرہ سے رسول اللہ تک جاتا ہے[1]۔(جو کہ متواتر نہیں ہے۔صدیق)

پہلا مرحلہ

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ قراءات کی دو نوع ہیں:

پہلی نوع متواتر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کو ایک اتنی بڑی جماعت نے اتنی ہی بڑی جماعت سے نقل کیا ہو جس کا جھوٹ پر اتفاق ممکن نہ ہو۔اس کی مثال قرآن مجید کا وہ حصہ ہے جس میں تمام طرق متفق ہوں اور قراءات میں اکثر حصہ ایسا ہی ہے۔(معاذ اللہ قرآن کے بھی حصے ہو گئے، کچھ میں عجمیوں کے بنائے ہوئے تمام طرق متفق ہیں اور کچھ حصوں میں نہیں!۔صدیق)

دوسری نوع مشہور کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کو عادل وضابط راوی نے اپنے جیسے سے نقل کیا ہو اور یہ سلسلہ ایسے ہی چلا ہو۔علاوہ ازیں یہ عربیت کے موافق بھی ہو اور مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق بھی، خواہ وہ قراء سبعہ، عشرہ یا دیگر مقبول ائمہ قراء سے منقول ہو۔پھر قراء میں اس کی شہرت ہو گئی ہو اور انہوں نے اس کو غلط یا شاذ میں شمار نہ کیا ہو۔یہ نوع درجہ متواتر کو نہیں پہنچتی اس کی مثال قراءت کا وہ حصہ ہے جس کے نقل میں طرق کا اختلاف ہے۔یہ دونوں انواع وہ ہیں جن کی قراءت کی جاتی ہے اور جن پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ان میں سے کسی شے کا بھی انکار جائز نہیں۔“ (مناھل العرفان: ص ۴۳۴)

علامہ ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ ائمہ قراءات تک تواتر قراءت صرف اتنے حصے میں ہے جن میں طرق کا اتفاق ہے اور جو مختلف فیہ حصہ ہے اس میں شہرت تو پائی جاتی ہے تواتر نہیں پایا جاتا۔[2](کتنی اہم حقیقت ان کے قلم سے نکل گئی کہ ائمہ قراءات تک تواتر قراءات سب میں نہیں!۔صدیق)

دوسرا مرحلہ

قراءات کے بارے میں جو ضابطہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب اختیار ائمہ (ان ائمہ کو ائمہ کس نے بنایا اور اختیار کس نے دیا؟ اللہ نے یا رسول نے؟ صدیق) نے اَخذ قراءت میں تواتر کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ عربیت اور رسم مصحف کی موافقت کے ساتھ صرف صحت سند پر اکتفاء کیا۔علاوہ

[1] ایضاً۔صفحہ ۱۳۸ ...... [2] ایضاً۔صفحہ ۱۳۸

ازیں بعض متاخرین نے تواتر کو شرط قرار دیا لیکن ان کے قول کو رَد کیا گیا اور علامہ ابنِ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تواتر کے شرط ہونے کے قول سے رجوع کیا۔ (بات صاف ہوگئی کہ اصحابِ اختیار ائمہ نے اخذ قراءات میں تواتر کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ اپنی مرضی سے اختیار کرتے رہے! تو پھر قراءات مختلفہ منزل من اللہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ نہ ہی وہ قولِ رسول ہو سکتی ہیں۔ صدیق)

"نقل کردہ تمام قراءات کی چند قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کی آج کل قراءت کی جاتی ہے اور یہ وہ ہے جس میں تین باتیں جمع ہوں۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقہ لوگوں کے واسطے سے منقول ہو۔ دوسرے یہ کہ عربیت جس میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں اس کی کوئی وجہ بنتی ہو اور خط مصحف کے موافق بھی ہو۔"[1] (حوالہ ندارد!)

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ فی نفسہٖ تواتر پایا گیا ہو، لیکن جب ائمہ نے ضابطہ میں تواتر کا التزام نہیں کیا تو تواتر کا قول اختیار کرنا بہر حال ممکن نہیں بلکہ صحت سند پر ہی اکتفاء کیا جائے گا۔ (یعنی غیر متواتر، اختیار ہی کو مانا جائے گا۔ صدیق)

مذکورہ بالا دونوں مرحلوں کو جمع کیا جائے تو حاصل یہ ہو گا کہ قراءات کی نقل میں تواتر ضروری مفقود ہے۔ البتہ بعد کے قرون میں تواتر اور تلقّی بالقبول کے پائے جانے کے باعث یہ چونکہ مفید علم ہے، اس لئے یہ تواتر تقدیری یا تواتر نظری ہے[2]۔ (واضح ہو گیا کہ قراءات میں تواتر رسولؐ تک مفقود ہے، حالانکہ وہ بہت ضروری ہے۔ پس یہ سب گورکھ دھندا محض سازش ہے۔ صدیق)

قرآن اور چیز ہے اور قراءات اور چیز ہیں

(۱) قرآن اور چیز ہے اور قراءات اور چیز ہیں۔ قرآن تو اس چیز کا نام ہے جو مصاحف کے اندر ثبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا اور تواتر سے نقل ہوتا چلا آیا۔ (موصوف کا یہ عقیدہ محض دھاندلی ہے یونکہ ہم تک وہ مصاحف نہیں پہنچے جن میں قرآن ثبت ہے اور رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل کیا گیا اور تواتر سے نقل ہوتا چلا آیا۔ اگر کسی اہلحدیث یا دیوبندی کے پاس ایسے مصاحف ہیں تو وہ ہمیں بھی دکھادیں۔ مگر حقیقت پھر بھی وہی رہے گی کہ وہ مصاحف ہم تک تواتر سے نہیں پہنچے! صدیق) جب کہ قراءات زبان سے اس کی ادائیگی کا نام ہے۔ قرآن ایک ہے اور قراءات متعدد ہیں[3]۔ (ماشاء اللہ۔ مان لیا کہ قرآن ایک ہے۔ قراءات متعدّد ہیں یعنی اسے پڑھنے کے لہجے متعدّد ہیں)

(۲) **مناهل العرفان** میں عبدالعظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بعض بڑے علماء نے قراءات پر طعن کیا ہے حالانکہ قراءات اگر متواتر ہوں تو ان کا طعن موجب تکفیر ہو گا اس کا جواب دیتے ہوئے مناھل العرفان کے مصنف لکھتے ہیں کہ تواتر کے قول کو لیتے ہوئے کسی قراءت کا انکار ضروری نہیں کہ موجبِ تکفیر ہو کیونکہ تکفیر اس وقت کی جاتی ہے کہ جب کوئی اس کے تواتر کا علم ہوتے ہوئے انکار کرے جبکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے کے بارے میں کچھ لوگوں کے نزدیک تواتر

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۳۹ ...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۳۹ ...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۱۳۹

ثابت ہو اور کچھ لوگوں کے نزدیک تواتر ثابت نہ ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کا طعن مختلف فیہ حصہ میں ہو جو ادائیگی کے قبیل سے ہو۔ رہا متفق علیہ حصہ تو وہ طعن کا محل نہیں ہے اور ہم تواتر کا قول صرف متفق علیہ میں کرتے ہیں مختلف فیہ میں نہیں کرتے[1]۔"

(بعض بڑے علماء نے قراءات پر طعن کیا ہے' یہ بھی ایک حقیقت ہے مگر افسوس کہ رُشدی حضرات کہتے ہیں کہ قراءات پر امت کا اجماع ہے اور تلقی بالقبول بھی ہے۔ کیا یہ صریح کذب بیانی نہیں؟۔ صدیق)

(۳)۔ نبی ﷺ سے منقول اختلافات کی کوئی ترتیب بعینہٖ واجب نہیں تھی لہٰذا اصحابِ اختیار ائمہ نے شرائط کی پابندی کرتے ہوئے اپنی اپنی ترتیب سے قراءات اختیار کیں۔ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے[2]۔ (کیا اصحابِ اختیار ائمہ، اللہ یا رسولؐ کے بنائے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ نہیں۔ بلکہ یہ خود ساختہ صاحبِ اختیار تھے اور خود ساختہ ہی امام تھے۔ صدیق)

اِنکار قراءات کا حکم

(۱) قرآن یا اس کے کسی جزو کا انکار کفر ہے۔

(۲) کوئی اگر بعض قراءتوں کو تسلیم کرتا ہو مثلاً روایت حفص کو مانتا ہو اور دیگر کا انکار کرتا ہو تو اس میں مندرجہ ذیل شقیں ہیں۔

(الف)۔ کسی محقق کے نزدیک دیگر قراءتوں کا تواتر ثابت نہ ہو اس وجہ سے ان کا انکار کرتا ہو۔ اس پر تکفیر نہ ہو گی۔

(ب)۔ اس کو دیگر قراءتوں کا تواتر سے ثابت ہونا معلوم نہ ہو جیسا کہ عام طور پر عوام کو دیگر قراءتوں کا علم نہیں ہوتا اور صرف ان ہی لوگوں کا ان کو علم ہوتا ہے جو ان کے پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوں۔ ایسی لاعلمی کی وجہ سے انکار پر بھی تکفیر نہ کی جائے گی، البتہ ایسے شخص کو حقیقتِ حال سے باخبر کیا جائے گا۔

(ج)۔ تواتر تسلیم ہونے کے بعد بھی انکار کرے تب بھی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ حقیقتاً یہ تواتر ضروری و بدیہی نہیں بلکہ نظری و حکمی ہے جس کے انکار پر تکفیر نہیں کی جاتی۔ البتہ سخت گمراہی کی بات ہے"[3]

(ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب کا مضمون میں نے تقریباً سارا ہی نقل کر دیا سوائے عربی عبارات کے۔ اب آپ خود نتائج اخذ کر لیجئے کہ سبعہ احرف سے آپ کیا سمجھے۔ صدیق)

اجماع کی تعریف

اب اس تمام بحث کے ساتھ ہی اجماع کی تعریف بھی دیکھتے چلئے۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دیوبندی و حنفی اپنے مضمون "قرآن کے سات حروف" میں فرماتے ہیں:

"حافظ ابنِ جریر اور ان کے متبعین نے چھ حروف کو ختم کرنے پر سب سے بڑی دلیل اجماع صحابہؓ پیش کی

۱۔ رُشد قراءات نمبر حصہ اوّل۔ صفحہ ۱۳۹۔ ۱۴۰ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۴۰ ...... ۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۴۰

ہے، لیکن اگر حضرت ابنِ مسعودؓ کسی اور حرف پر پڑھتے اور اس کی کتابت کو جائز سمجھتے تھے تو یہ اجماع کیسے محقق ہو سکتا ہے۔ جس اجماع میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسے فقیہ صحابی شامل نہ ہوں وہ اجماع کہلانے کا مستحق ہی کہاں ہے۔ بعض حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابنِ مسعودؓ نے بعد میں حضرت عثمانؓ کی رائے کو قبول کر لیا تھا، لیکن اس بارے میں کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے"۔[1]

تلقی بالقبول۔ اس اصطلاح کے معنی ہیں کہ امت نے اسے بخوشی قبول کر لیا ہوا ہے۔ یہ بھی صریح کذب بیانی ہے یونکہ امت کی اکثریت تو قراءات ہی سے ناواقف ہے کہ یہ کس بلا کا نام ہے؟ نا کہ سبعہ احرف جس کے معنی خود رُشدیوں کو معلوم نہیں۔(صدیق)

اب ذرا ڈاکٹر مفتی صاحب کے اس مضمون پر سنجیدگی سے غور کیجئے کہ وہ حدیثوں کے "سبعہ اَحرف" سے اختلافِ قراءات کی سات نوعیتیں مراد لے رہے ہیں۔ جو کہ انہوں نے اوپر کچھ وضاحت سے بیان کر دی ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے پہلی چھ نوعیتیں عجمی سازش کے تحت قرآن دشمنی پر مبنی ہیں یونکہ قرآن کریم میں نہ تو اختلاف ہو سکتا ہے(۴/۸۲) اور نہ ہی اس کے الفاظ و حروف یا اعراب وغیرہ میں تبدّل ہو سکتا ہے (۶/۳۴، ۶۴/۱۰، ۶/۱۱۶، ۲۷/۱۸)ہاں البتہ جن لوگوں نے یا جو لوگ الکتاب میں اختلاف کریں وہ ضد میں آکر نیکی سے دُور ہو جاتے ہیں(۲/۱۷۶) یونکہ اللہ تعالیٰ نے "الکتاب" حق سے نازل کی ہے۔ کُتُب نازل نہیں کیں۔

قرآن پر ساتواں حملہ

لیکن عجمی سازشی اور رُشدی حضرات اس ایک کتاب کو بہت سی کتابیں بنانا چاہتے ہیں۔ ایسا وہ یقیناً قرآن دشمنی کی ضد میں کر رہے ہیں۔ تو وہ (راہِ حق) سے بہت دُور جا پڑے ہیں کہ کہتے ہیں کہ فلاں آیت یوں بھی ہے اور یوں بھی ہے یعنی وہ مذکورہ چھ تبدیلیاں کر دیتے ہیں اور الزام رسول پر اور اللہ پر ڈال دیتے ہیں۔ دنیا کی سب سے عظیم کتاب کے بارے میں شک پیدا کرتے ہیں(۹/۱۴، ۸/۳۸) یہ لوگ اس طرح شک بلکہ شکوک پیدا کر کے اس کو چیستان یا بازیچۂ اطفال بنانا چاہتے ہیں، کہ اچھا بتاؤ یہ کونسے قرآن کی قراءت ہے یا کون سے قرآن کی آیت؟ جواب ہو گا کہ "مُصحَفُ المدینہ النبویہ وَفق رَوایۃ قالون' عن الامام نافع" یا "مصحف المدینۃ النبویہ وفق روایۃ وَرش عن الامام نافع" یا "مصحف المدینۃ النبویۃ بروایہ الدوری عن ابی عمرو البصری" وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سے بیس قرآن کے نام بروایت فلاں فلاں کیلئے جایا کریں گے۔ جو یہ پہیلی بوجھ لے گا وہ عجمی رُشدیوں سے ڈالر یا ریال میں انعام کا مستحق ہو گا۔ خیال رہے کہ ابھی تو صرف یہ سوال ہوتا ہے کہ واہ واہ قاری صاحب یہ کس کی قراءت ہے تو جواب ملتا ہے کہ یہ فلاں پانی پتی صاحب کی قراءت ہے (یعنی لہجہ ہے) یا قاری عبد الباسط مصری کی قراءت ہے یا فلاں فلاں کی۔ سب یہی جانتے ہیں کہ مختلف انداز و لہجات میں مختلف جگہوں کے حضرات قراء مختلف قراءات کرتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ اب عجمی رُشدیوں کی کاوش سے وہ صرف مختلف لہجات کی قراءات نہیں رہیں بلکہ مختلف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کتابت کرا کر شائع کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ سارا علم و فن مختلف لہجات تک محدود تھا۔ اور فاضل ڈاکٹر مفتی صاحب کی ساتویں نوعیت یہی ہے اور یہی صحیح ہے کہ

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۷۱

لہجے کا اختلاف تھا، ہے اور رہے گا۔

ڈاکٹر مفتی صاحب دوسری قسم کی حدیثیں پیش کرتے ہیں جن میں آسانی و تسہیل کی خاطر سات کے عدد کا ذکر ہے۔ ان میں غور کیجئے تو آپ کو حدیثی ' روایتی اضطراب کتنے منفرد طریقے پر نظر آئے گا کہ جبریل نے رسول کو ایک حرف پر قرآن پڑھایا تو آپ نے ان سے مراجعت کی اور مزید طلب کرتے رہے اور وہ قرآن کے حرفوں میں اضافہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سات حرفوں تک پہنچ گئے۔ (یعنی خادم بنی آدم، رسول اللہ سلامٌ علیہ کو پڑھا رہا ہے اور آپ اس سے مراجعت کرتے ہیں تو وہ ہر طلب پر قرآن کے حرفوں میں اضافہ کرتا ہے۔ معاذ اللہ) یعنی اس کو بھی ائمہ قراءات کی طرح اختیار تھا کہ جو چاہو کر لو یا قراءت کر لو اور ایک کی سات بنا دو پھر ائمہ اس سے سینکڑوں بنا دیں گے۔ دوسری حدیث میں جبریل کہتا ہے کہ اے محمد قرآن کو ایک حرف پر پڑھیے، مگر **میکائیل** اپنی ٹانگ اڑاتا ہے اور نبی سلامٌ علیہ سے کہتا ہے کہ اس میں اضافہ کروایئے................. یہاں تک کہ (شاید سات پھیرے مکمل ہو گئے) معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا۔ جبریل نے کہا ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے................. جو چاہو حرف استعمال کر لو جیسے **تعال** کے معنی کو **اقبل** ، **هلم** ، **اذهب** ، **اسرع** ، **عجل** اور **حیَّ** کے الفاظ سے ادا کر لو۔ کہئے ہے نا مزیدار حدیث شریف! شکر ہے کہ جبریل نے یہ نہیں کہا کہ ”جیبتھی نال آ“ بھی کہہ سکتے ہو! نیز یہ بھی غور کیجئے کہ جبریل اور **میکائیل** دونوں قرآنی وحی لے کر آرہے تھے (مگر مشرکین مکہ خواہ مخواہ میں صرف جبریل کے بارے میں خلش میں مبتلا تھے ۲/۹۷) مگر یہ کتنی مزیدار بات ہے کہ جبریل ایک بات کہتا ہے تو **میکائیل** اس میں اضافہ کرنے کو کہتا ہے۔ اور اس کی بات مان لی جاتی ہے اس کے معنی کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو بھی معلوم نہیں تھا کہ قرآن کریم کو کتنے حروف پر نازل کرنا چاہئے تاکہ ان پڑھ امت ' بالخصوص عرب، قرآن پڑھ سکیں۔ وہ بھی مختلف الفاظ و اعراب و ترتیب کے ساتھ۔

اصل قرآن ایک ہی ہوا

غور کیجئے کہ اگر رُشدیوں کی منطق مان بھی لی جائے تو بھی تو اصل قرآن ایک ہی ہوا جو کہ نازل ہوا تھا۔ جسے پڑھنے میں امتِ عرب کو قباحت ہو رہی تھی تو انہیں کچھ مقامات پر اپنے اپنے لہجوں میں پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

(۱)۔... لیکن الفاظ و اعراب و ترتیبِ الفاظ بدلنے کی اجازت کس نے دی؟ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اصل قرآن کون سا ہے جس کے پڑھنے میں قباحت ہو رہی تھی؟

(۲)۔... وہ اصل قرآن کونسا ہے جس کی تفسیر رُشدی حضرات قراءاتِ مختلفہ سے کر رہے ہیں؟ کاش کہ رُشدی حضرات نے ' اپنے سَلف کے مطابق ' اس روایت قرآن یا اصل قرآن کی نشاندہی بھی کر دی ہوتی کہ اصل قرآن جس کو ام الکتاب کہا جاتا ہے کونسا ہے، روایت حفص یا روایت رُشد؟ مزید یہ بھی سوچئے کہ جبریل و **میکائیل** تو (بنو غفار کے تالاب کے پاس یا مروہ کے پتھروں کے پاس آئے تھے۔ اس میں صحیح کونسا مقام ہے؟ یہ رُشدیوں کو بھی معلوم نہیں) مدینہ المنورہ میں نازل ہوئے (معراج کی طرح مکہ معظمہ میں نہیں) کب؟ یعنی کس سنہ ہجری یا صدی میں' یہ رُشدیوں نے نہیں لکھا) تو اس وقت جبریل نے تقریباً چار یا سات پھیرے آسمان کے لگائے تو سبعہ احرف کا نزول شروع ہوا۔

.(۳)۔... سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر مکہ معظمہ میں نازل شدہ تقریباً پچاسی (۸۵) سورتوں کا کیا بنا؟ کیا ان کے لئے بھی سبعہ احرف اب نازل ہونا شروع ہوئے یا وہ بغیر سبعہ احرف کے ایک ہی حرف پر باقی رکھی گئیں جبکہ وہ تو قرآن کے تقریباً دو تہائی کے برابر سورتیں ہیں؟

.(۴)۔... اگر رُشدی حضرات آغازِ نزول سبعہ اَحرف کے سال وصدی یا وقت کا تعین کر دیں تو یہ جاننا آسان ہو جائے گا کہ کتنی سورتوں کے لئے سبعہ اَحرف کا نزول ہوا؟

.(۵)۔... جب مدینہ منورہ میں کسی وقت (جو کسی رُشدی کو معلوم نہیں) سبعہ اَحرف کا نزول شروع ہوا تو اس کی نوعیت کیا تھی؟ کیا پوری پوری سورۃ یا پوری پوری آیات مختلف مختلف طریقوں پر نازل ہونا شروع ہوئیں یا اصل کتاب جو مکہ معظمہ سے ایک ہی حرف پر نازل ہو رہی تھی اسی طرح سے نازل ہوتی رہی اور اس کے سبعہ احرف علیحدہ سے نازل ہوتے رہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مِینُکمل لے کر نازل ہوتا ہو یونکہ یہ اسی کی کارکردگی یا مشاورت (شب معراج میں مثل موسیٰ علیہ السلام کی مشاورت کے کہ نمازیں کم کرائیے) تھی۔ کہ ایک حرف کی بجائے سات حروف (سبعہ احرف) نازل ہونا شروع ہوئے۔

.(۶)۔... سبعہ اَحرف کا نزول تو مدینہ منورہ میں (کسی نامعلوم وقت میں) شروع ہوا۔ یعنی مدنی سورتوں میں تو پھر مکی سورتوں کے لئے کب' کہاں اور کس طرح سبعہ احرف کا نزول ہوا؟

.(۷)۔... مکی سورتوں کے لئے سبعہ اَحرف کے نزول کو اُمت، عرب و غیر عرب میں کس طرح نشر کیا گیا؟

.(۸)۔... ظاہر ہے کہ جن صحابہؓ کے پاس مکی دَور میں لکھے ہوئے نسخے تھے ان میں ترامیم ہونا چاہئے تھیں ورنہ وہ نسخے نامکمل یا شاید غیر معتبر ہوتے اور پھر حضرات ابو کر صدیقؓ اور عثمانؓ غنی کے جمع قرآن کے وقت حضرت زیدؓ کی طرف سے بھی وہ نسخے غیر معتبر قرار دیئے جاتے تو پھر دو دو شہادتیں کہاں سے ملتیں؟ اس طرح سے تو مصحف عثمان (رُشدیوں کے مطابق: مصاحف عثمان) بھی غیر معتبر ہو گئے۔ (معاذ اللہ)

.(۹)۔... آٹھواں حملہ (رسول پر)

تمام انبیاء کرام اور محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کا بنیادی کام، بنیادی فریضہ بلاغ تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغامِ ہدایت کو لوگوں تک پہنچانا۔ اور رشدیوں و سلفیوں کی روایات کے مطابق بھی رسول نے یہی ارشاد فرمایا تھا کہ "مجھ سے آگے پہچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو"۔ **قَالَ رَسُول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بَلِّغُوا عَنِّي وَلَو آيَة** (صحیح بخاری، جلد ۲ کتاب انبیاء، باب ۳۵۰، مَا ذُکِرَ عن بَنِي اسرائیل حدیث نمبر ۶۷۸) یعنی اس طرح سے تمام آیات الٰہی کو آگے پہنچانا تھا۔ مگر افسوس کہ' سَلفیوں اور رُشدیوں کے مطابق، نہ تو رسول ہی نے اپنا فریضہ ادا کیا، کہ سبعہ اَحرف کو آگے پہنچاتے، اس کا اعلانِ عام کرتے، اور نہ ہی صحابہؓ نے یہ فریضہ ادا کیا۔ حد تو یہ ہے کہ رسول نے خود حضرت عمرؓ، حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت ہشامؓ بن حکیم و دیگر صحابہؓ کو قرآن کریم پڑھایا، سکھایا، سمجھایا مگر ان کو یہ نہیں بتایا کہ قرآن مبین نہیں، بلکہ اس کی تفسیر کے لئے سبعہ اَحرف نازل کئے گئے ہیں۔ اور کئے جا رہے ہیں، اور اس کی تفسیر و تشریح کے لئے اس کے **مثلہٗ و معہٗ** احادیث بھی نازل کی جا رہی ہیں! مکہ معظمہ میں تو خیر سبعہ احرف نازل نہیں ہوئے تھے مگر مدینہ منورہ میں تو کسی کسی وقت، نازل ہونا شروع ہو گئے تھے تب بھی صحابہؓ کو نہ بتایا اور نہ ہی اسکے اعلانِ عام یا بلاغ کا کوئی انتظام کیا

(معاذ اللہ)۔بتایئے یہ کس پر حملہ ہوا؟

.(۱۰)۔... سبعہ اَحرف کے اختلافاتِ قراءات یا متنوعہ تبدیلیاں قرآن مبین میں مدینہ منورہ میں کسی وقت نازل ہونا شروع ہوئیں تو پھر تو یہ صرف (۲۹ = ۸۵ - ۱۱۴) ۲۹ سورتوں میں ہونا چاہئے۔ مگر رُشدیوں کے مطابق یہ متنوع قراءات و اختلافات و تبدیلیاں تو مکی سورتوں میں بھی کر دی گئیں۔ مثلاً ایک رُشدی صاحب نے ایک مصری عالم ڈاکٹر احمد عیسیٰ المعصراوی کی کتاب ''القراءات الواردۃ فی السنہ ''[۱] کی کل ۱۹۶ روایات میں سے ۲۶ منتخب روایات کا ترجمہ پیش کیا ہے جن میں برّصغیر پاک و ہند میں مروّج روایت حفص سے قراءات کا فرق موجود ہے۔ ان ۲۶ میں سے ۲۰ مکی سورتوں میں اختلافِ قراءات بتارہے ہیں! قرآن کریم کی وہ سورتیں یہ ہیں: الفاتحہ، الاعراف، الانفال، یونس، ھود، الحجر، الکھف، مریم، طٰہٰ، المؤمنون، الروم، یٰسٓ، غافر (مومن)، الزخرف، الطور، الواقعہ، التکویر، الانفطار، الفجر اور الھمزہ۔ اور صرف ۶ مدنی سورتوں میں اختلافِ قراءات بتایا ہے وہ مدنی سورتیں یہ ہیں: سورہ البقرہ، اٰل عمران، النساء، المائدہ، التوبۃ اور الرعد۔ اور ان روایات کے لئے انہوں نے تقریباً ۱۹ صفحات کالے کئے ہیں۔ (انہیں یہاں دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں یونکہ وہ صرف اختلاف۔ اختلاف یا تحریف ہی ہے) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکی سورتوں میں یہ اختلاف یا تبدّل یا سبعہ احرف کہاں سے اور کیسے آ گئے؟ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ تک کو سورہ الفرقان کی سبعہ احرف والی قراءات کا علم نہیں تھا (جبکہ یہ مکی سورت ہے اور یہ صحابہؓ مکہ ہی سے رسول کے زیرِ تربیت تھے) ہاں البتہ عجمیوں سَلفیوں و رشدیوں کو معلوم تھا۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ یہ عجمیوں کا کارنامہ ہے جو کہ انہوں نے اپنے خلف تک پہنچا دیا اور سازش کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا کہ سبعہ قراءات کی بیسیوں قراءات بنالیں اور ان کو نہ صرف مدنی بلکہ مکی سورتوں تک داخل کر دیا جبکہ سبعہ قراءات یا سبعہ احرف مدینہ میں کسی وقت (رسول کے آخری چھ ماہ میں) نازل ہوئے مگر رسول اللہ نے اس امر کا اعلان عام نہیں فرمایا بلکہ وہ رُشدیوں کے لئے چھوڑ دیا۔

.(۱۱)۔... 'رُشد' قراءات نمبر حصہ اوّل کے فاضل اداریہ نگار (فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ، رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور) جو کہ محقق بھی ہیں، جناب حافظ نعیم الرحمٰن ناصف صاحب (نائب مدیر، رُشد) اپنے تحریر کردہ اداریہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''یہی قراءاتِ قرآنیہ تفسیر قرآن میں مجمل معنی کی وضاحت کر رہی ہوتی ہیں (وہ مجمل قرآن کون سا ہے ؟؟ صدیق)، انہیں قراءت کی بنیاد پر استنباطِ احکام میں ایک فقیہ کو راجح مسلک کا علم ہوتا ہے، یہی قراءات عقیدۂ سلف کی توضیح اور نکھار میں مدد و معاون ثابت ہو رہی ہوتی ہیں۔ انہیں کی بنیاد پر قرآن کریم کو وہ امتیاز اور اعجاز ملتا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں کفار کو چیلنج کی صورت میں کیا گیا کہ:
>
> ''اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری ہے، یہ ہماری نہیں، تو اس کی مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلا لو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ، لیکن تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً کبھی نہیں کر سکتے............'' (۲/۲۳)

[۱] ترجمہ و انتخاب: عمران حیدر۔ فاضل کلیہ الشریعۃ، جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی۔ لاہور۔ ماہنامہ 'رُشد' قراءات نمبر۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۱۷۔۳۹

اور سب سے بڑھ کر قرآن کریم کا نطق اور کیفیت ادائی جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول اللہ ﷺ نے سکھائی تھی، سے آشنائی ملتی ہے"[1]

غور کیجئے کہ فاضل نائب مدیر و محقق صاحب نے ان چند جملوں میں کتنی اہم باتوں کا انکشاف کیا:

قرآن پر نواں حملہ

.(۱)۔... قرآن میں مجمل معنی کی تفسیر و وضاحت متنوع قراءات کر رہی ہوتی ہیں۔ گویا کہ قرآن مجمل ہے اور یہی بات ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ سلفیوں اور رُشدیوں کا قرآن مبین پر یہ ایک اہم حملہ ہے اگر اس کے معنی مجمل ہیں تو پھر اللہ نے، نعوذ باللہ، جھوٹ بولا ہے کہ قرآن تو مبین ہے (۱/۱۵) ہم رشدیوں کا عقیدہ نہیں مانتے یونکہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہم تو قرآن کو مبین و حکیم مانتے ہیں (۲/۳۶) ہاں اگر کہیں معنی فوری طور پر سمجھ نہیں آتے تو اس آیت کو متشابہ سمجھ کر اس پر غور و خوض کرتے ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے کہ اس نے دو طرح کی آیات نازل فرمائیں۔ ایک محکمات اور دوسری متشابہات (۳/۷)۔ اللہ تعالیٰ نے تیسری قسم مجمل آیات نہیں بتائیں۔

دوسری بات کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق تو احسن تفسیر (۲۵/۳۳) خود اللہ تعالیٰ قرآن مبین ہی میں بیان کر دیتا ہے (تصریف الآیات کے ذریعہ ۶/۶۵ وغیرہ) تو پھر یہ سلفی و رُشدی حضرات کونسی تفسیر کر رہے ہیں؟ کیا ان کی تفسیر احسن تفسیر سے بھی بڑھ کر احسن ہے کیونکہ ان کے سلف کر گئے ہیں؟

تیسری اہم بات کہ وہ اصل نسخہ قرآن یا مصحف کون سا ہے جس کے معنی مجمل ہوتے ہیں اور سلفیوں و رشدیوں کو ان کی تفسیر متنوع قراءات کے بنائے ہوئے مصاحف میں ملتی ہے؟؟؟۔

.(۲)۔... استنباط احکام میں ایک فقیہ کو راجح مسلک کا علم متنوع قراءات کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یہاں بھی محقق صاحب کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں یونکہ فقہانے جو کچھ استنباط کئے ہیں وہ صرف ایک قرآن کی تصریف الآیات سے کئے ہیں جبکہ رشدیوں کے ہاں اگر کوئی مُقلّد نہیں' فقیہ ہوتا ہے تو وہ تو (نام نہاد) احادیثِ عجم سے مدد لیتا ہے اور ان ہی سے استنباط کرتا ہے اور قرآن کو تو مہجور کرتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو اپنی آیات میں ایک آدھ لفظ بڑھانے میں کوئی جھجک تھی کہ اس نے اصل نسخہ میں الفاظ نہیں بڑھائے بلکہ متنوع یا اختلافی قراءات میں بڑھائے؟؟

.(۳)۔... یہی متنوع یا اختلافی قراءات، عقیدہ سلف کی توضیح اور نکھار میں مدد و معاون ثابت ہو رہی ہوتی ہیں۔ یہ سب سے اہم حقیقت ہے جو کہ محقق صاحب کے قلمِ مبارک سے اس اداریہ میں نکل گئی کہ رشدیوں کے سلف، عجمیوں کے عقیدہ سلف کی توضیح اور نکھار میں یہ بناوٹی قراءتیں مدد و معاون ہوتی ہیں کہ کِس کِس طرح سے قرآن مبین میں تحریف کی جائے!

.(۴)۔... انہیں متنوع یا اختلافی قراءات کی بنیاد پر قرآن کریم کو وہ امتیاز اور اعجاز ملتا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں کفار

[1]۔ ماہنامہ رُشد' قراءات نمبر حصہ اوّل۔ اداریہ بنام "مدارس دینیہ میں تدریسِ قراءات کی ضرورت اور رُشد 'قراءات نمبر' کی اشاعت کا پس منظر" صفحہ ۲۔

کو چیلنج کی صورت میں کیا گیا کہ جو یہ کتاب ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی ہے اس کی مانند ایک ہی سورۃ بنالاؤ، (یہاں بات ایک کتاب کی مانند ایک ہی سورۃ بنالانے کا چیلنج دیا گیا۔ ایک سے زائد کتابوں کا نہیں۔ صدیق) تو یہاں محقق صاحب پھر کذب بیانی کر گئے کہ ان قراءات سے قرآن کو امتیاز و اعجاز ملتا ہے! عجمی سلف کی سازشوں کے نتیجہ میں ایک قرآن کی اتنی بہت سی قراءتیں بن گئیں، اتنے بہت سے صحیفے تیار کئے جارہے ہیں، سورتوں میں تحریف کر دی گئی، اعراب بدل دیئے گئے، الفاظ گھٹا بڑھا دیئے گئے۔ الفاظ کا تقدم و تأخر کر دیا، آیات نکالدیں اور اب آیات بڑھانے کی بھی تیاری ہو رہی ہے پھر بھی محقق صاحب کہتے ہیں کہ یہ امتیاز و اعجاز ہے۔ پیچھے میں تحریر کر چکا ہوں کہ قرآن کی سورتیں بھی بدل دیں اور نئی سورتیں بنالیں اور محقق صاحب کہتے ہیں کہ یہ امتیاز و اعجاز ہے! معاذ اللہ۔ کیا یہ قرآنی چیلنج کا جواب نہیں کہ ایک سورۃ تو کچھ نہیں ہم نے (عجمی رشدیوں نے) تو پورے کے پورے، ایک کی بجائے، بیس قرآن بنادیئے۔

.(۵)۔۔۔ یہاں محقق صاحب نے قرآن کریم کی جو آیت تحریر کی ہے (سورہ البقرہ:۲۳) اس کے ترجمہ میں انہوں نے خود لفظ کتاب لکھا ہے (یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری ہے) مگر ان کی کذب بیانی ملاحظہ ہو کہ (ایک) کتاب لکھنے کے باوجود وہ بہت سی مختلف کتابیں لکھوا کر ان کو قرآن کا نام دینا چاہتے ہیں اور اس طرح امت کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن ایک نہیں بلکہ سات [۷] نازل ہوئے۔ سات نہیں دس [۱۰] نازل ہوئے، دس نہیں بیس [۲۰] نازل ہوئے۔ بیس نہیں اسّی [۸۰] نازل ہوئے..................

.(۶)۔۔۔ سب سے بڑھ کر قرآن کریم کا نطق اور کیفیتِ ادائی جو صحابہؓ کو رسول سلامٌ علیہ نے سکھائی تھی، اس سے آشنائی ملتی ہے' تو یہ بھی کذب بیانی ہے۔ کہ رسول نے مترادفات، تبدّل الفاظ، تقدم و تأخر، تبدّل اعراب وغیرہ یا مختلف لہجات میں قراءات کرنا سکھایا تھا۔

رسول پر حملہ

رسول اللہ سلامٌ علیہ دنیا کی سب سے زیادہ بڑی و پُر وقار ہستی تھے وہ اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتے تھے کہ اپنے خالق و مالک کے کلام کے لئے کہہ دیں کہ یوں پڑھ لو اور یوں بھی پڑھ لو اور یہ تبدیلی بھی کر لو اور وہ تبدیلی بھی کر لو۔ یا اس کو گا گا کر پڑھو یا دف بجا بجا کر پڑھو۔........... وہ تو قبیلہ قریش کے ایک اہم فرد تھے، ان ہی کی زبان بولتے تھے، اسی زبان میں لکھتے تھے اور چونکہ قرآن کریم انہی کی زبانِ (قریش) میں نازل ہوا تھا عجمی زبان میں نہیں (۱۶/ ۱۰۳، ۲۶/ ۱۹۵، ۱۲/ ۴۶) اسی لئے اسی زبان میں قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور وہی تمام صحابہؓ کو سکھاتے تھے۔ اس کا نطق یا کیفیتِ ادائی ایک ہی تھی اس میں کوئی فرق نہیں تھا۔ آگے "علمِ قراءات اور تفسیرِ قرآن" کا عنوان لگا کر محقق صاحب اپنے اسی اداریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"تفسیر کا معنی ہے الفاظِ قرآنیہ کا مفہوم اس طرح پوری وضاحت سے بیان کر دیا جائے کہ اس میں کوئی' ابہام یا اجمال باقی نہ رہے۔ سو جہاں اس مقصد کے حصول کے لئے دیگر علوم معاون ثابت ہوتے ہیں وہی علم قراءت بھی مجمل الفاظ کی تفصیل اور ابہام کی توضیح کرتا نظر آتا ہے۔ مثلاً، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ (النساء:۱۲)

آیت مذکورہ میں لفظ اُخٌ اور اُختٌ میں ابہام ہے کہ وراثت کی تقسیم میں ذکر کیا گیا حصہ کس بھائی اور اور بہن کا ہے ؟ حقیقی (سگے) بھائی اور بہن مراد ہیں، علاتی (جو باپ کی طرف سے ہو) یا اخیافی (جو ماں کی طرف سے ہوں)۔ تو دوسری قراءت میں اس کی وضاحت یوں موجود ہے: وَ لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِن اُمٍ

یعنی جو "اخیافی بہن بھائی ہوں' ان کا وراثت میں یہ حصہ ہے۔"[1]

.(۱)۔... غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی آیت مبین کو فاضل رُشدی محقق صاحب مبہم و مجمل بتا رہے ہیں کہ وراثت کی تقسیم میں ذکر کیا گیا حصہ کس بھائی اور بہن کا ہے ؟

پہلی بات تو یہ کہ وہ قرآن کریم کے منکر ہیں یونکہ وہ قرآن کو مبین (۱۰/۱۵) نہیں مان رہے بلکہ مبہم و مجمل مان رہے ہیں۔

دوسری بات کہ وہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ کے اس حصہ کے معنی محدود کر رہے ہیں کہ حصہ صرف اخیافی بہن بھائی کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے تو آیت اس طرح نازل کی کہ اس میں حصہ داروں کی قسم محدود نہیں کی، مگر رُشدی صاحب نے اس کی دو قسمیں بنا دیں اور حصہ صرف ایک میں محدود کر دیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت وحی خفی سے دی ہے ؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی اس کی اجازت نہ دی۔ ایک اور رُشدی صاحب نے قرآن کریم کی سورہ الحاقہ کی آیات ۴۴۔۴۷ لکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ " اس کا مطلب تو صاف ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ بھی قرآن میں نقص و زیادتی کے مجاز نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو اللہ ان کی شہ رگ کاٹ دیتے اور انہیں ایسے عذاب سے دوچار کرتے کہ کوئی چھڑانے والا نہ ہوتا۔"[2]

قرآن کریم کی قراءت میں "مِنْ اُمٍ" کے الفاظ بڑھانا کیا قرآن کے الفاظ میں زیادتی کرنا نہیں ؟ جب رسول کو بھی زیادتی کرنے کی اجازت نہیں تو عجمی رشدی صاحب کو یہ اجازت کیسے مل گئی ؟ کیا یہ قرآن دشمنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امر کو کھلا چھوڑ دے کہ جو جو موجود ہوں (خواہ اخیافی یا سگے یا علاتی) ان کو حصہ دے دو۔ مگر رُشدی صاحب کو اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ منظور نہیں۔ ذرا سوچئے کہ اگر اخیافی بہن بھائی نہ ہوں تو پھر کلالہ کا حصہ کس کو جائے گا؟ شاید رُشدی صاحب کو ملے گا!

.(۲)۔... سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ اگر' نعوذ باللہ، آیت کریمہ کا یہ حصہ مبہم یا مجمل تھا تو پھر صحابہؓ نے کیوں نہیں اس کی وضاحت چاہی کہ اللہ تعالیٰ مزید وحی نازل فرما کر اس کی وضاحت فرما دیتا۔ آخر اس آیت کریمہ کے بعد اسی سورہ النساء کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے کلالہ کی مزید وضاحت کی ہے تو کیا صحابہ کے سوال کا جواب نہ دیتا؟ ظاہر ہے کہ اس نے ضرورت کی ہر بات جتنی ضرورت تھی اتنی وضاحت سے بتادی ہوئی ہے (۶/۵۹، ۶/۱۱۴) اس لئے کوئی لفظ گھٹانا بڑھانا عجمیوں کی کھلی شیطنت ہے۔

.(۳)۔... ایک اور اہم حقیقت یہ ہے کہ موصوف رُشدی صاحب نے کلالہ کے بارے میں وراثت کی آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے آیت میں دو الفاظ "مِن اُمٍ" تو بڑھا دیئے مگر کوئی حوالہ نہیں دیا کہ یہ الفاظ وہ کس قراءت کی بنیاد پر

[1] ایضاً۔ صفحہ ۳ ...... [2] ایضاً۔ قرآن کریم کی روشنی میں ثبوتِ قراءات" از قاری صہیب احمد میر محمدی۔ صفحہ ۱۰

بڑھا رہے ہیں؟ میری معلومات کے مطابق تو سعودی عرب سے طبع شدہ چاروں قراءتوں (حفص، ورش، قالون اور دوری) میں تو یہ الفاظ (بڑھے ہوئے) نہیں ہیں۔ اس کے معنی کہ سلفی رُشدیوں نے لاہور میں جو دیگر سولہ[16] قراء تیں تیار کی ہیں یہ ان میں سے ہیں۔ اس طرح انہوں نے ایک اور فقہی فرقہ کی بنیاد رکھ دی جو کلالہ کی وراثت صرف اخیافی بہن بھائی میں تقسیم کیا کرے گا اور اگر کوئی اخیافی بہن بھائی نہ ہوا تو علاتی بہن بھائی کو کچھ نہیں دیا کرے گا بلکہ اس حصہ کو خود ہڑپ کر جایا کرے گا!

یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے سورہ المائدہ کی آیتِ وضو میں لفظ "اَرْجُلَكُمْ" کو "اَرْجُلِكُمْ" بنا کر ایک فرقہ کو قائم رہنے میں تقویت پہنچائی ہے۔ (اس تحریفِ اعراب پر پیچھے لکھا جا چکا ہے)۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ پچھلے تقریباً تیرہ ۱۳ سو سالوں میں وہ فرقہ اتنی ہمت نہ کر سکا کہ اپنا قرآن علیحدہ سے شائع کر کے دنیا کو دکھا سکے کہ دیکھو ہماری قراءت سنّیوں سے مختلف ہے (جبکہ اور بھی بہت سی سورتوں یا آیات میں تحریف کا ان پر الزام لگایا جاتا ہے اور کچھ نہ کچھ سورتیں جعلی بنائی ہوئی ان کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہیں) اس لئے ہمارا ایمانی وعقائدی وعباداتی عمل سنیوں سے مختلف ہے۔ جبکہ سنیوں نے اپنے سلف' عجمیوں کی سازش کے تحت آج مدینہ المنورہ سے چار مختلف قرآن، مختلف روایتوں کے نام سے، باقاعدہ شائع کرانا شروع کر دیئے ہیں جن میں عام طور پر اعراب، وقوف وغیرہ کے اختلافات ہیں جن سے عام طور پر معنی بہت زیادہ نہیں بدلتے مگر قراءتِ قریش تو ضرور بدلتی ہے۔ نیز ایک نسخہ کا طرزِ تحریر بھی بدل دیا گیا ہے جس سے شاید یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف عثمان بغیر نقاط کے لکھوایا تھا تو صحابہؓ نے بھی بغیر نقاط ہی کے لکھا تھا۔ اس سے بڑی جہالت یا پھر مکّاری اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک زبان جو قرآن سے صدیوں پہلے سے چلی آرہی تھی اس کے حروف تہجی بغیر نقاط کے تھے۔ پھر جب وہ عجمیوں نے ایجاد کروائے تو ان میں بھی اختلاف تھا۔ اور اب بھی ہے۔ چنانچہ مدینۃ المنورہ سے چھپے ہوئے قرآنِ کریم بَروایت وَرش عن الامامِ نافع" میں الرحمٰن کے نون میں نقطہ نہیں، دین کے نون میں نقطہ نہیں۔ مستقیم کے ق پر صرف ایک نقطہ (ق)، يُنفِقُونَ کی ف کے نیچے نقطہ (ف)، كَفَرُوا کی ف کے نیچے نقطہ، فِي کے ف کے نیچے نقطہ فی۔ غرض سارا قرآن ان حروف تہجی کے مطابق لکھا گیا ہے جس سے شاید یہ بھی ثابت ہوتا ہو گا کہ عرب کے ہر قبیلہ کے حروف تہجی بھی مختلف انداز سے لکھے جاتے تھے۔ وہ تو شاید عجمیوں کا بس نہیں چلا ورنہ تو عربی حروف تہجی میں پ، چ، ڈ، ڑ، گ وغیرہ بھی شامل کر دیتے! معاذ اللہ

(۴)۔۔۔ اوپر کی مثال کی طرح ایک اور مثال یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۲۴ میں الفاظ "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ" کے آگے "اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى" کے الفاظ بڑھا کر قراءت کرتے تھے اور بتلاتے تھے کہ یہ آیت یوں ہے۔ (یعنی جن عورتوں سے تم ایک وقتِ مقررہ تک فائدہ اٹھاؤ/ تمتع کرو)۔ گویا کہ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى کے الفاظ آیت کریمہ کی قراءتِ رُشدی۔ میں بڑھانے سے جنسی بے راہروی یا فحاشی وعیاشی کا بہت بڑا باب (بمعنی گیٹ) کھل جائے گا اور اس روایتِ قراءت کے ماننے والے پھر قرآن کریم ہی کو متعہ کا جواز بنائیں گے۔ ابھی تو یہ صرف شیعہ عقیدہ کا حصہ ہے اور پارس (یعنی ایران[1]) کے علاوہ اس پر عمل نہیں کیا جاتا لیکن قراءتِ قرآنیہ میں شائع

[1] اس سلسلہ میں ایران کی شہلا حائری کی کتاب "نفسانی خواہش کا قانون" ملاحظہ کیجئے، مطبوعہ: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی

ہو جانے کے بعد تو یہ پھر برصغیر اور دیگر مسلمان ممالک میں بھی عام ہو جائے گا اور لاہور والوں کے تو مزے آ جائیں گے وہ رُشدیوں کے ہاں ماڈل ٹاؤن جا کر مُلّا جی سے درخواست کیا کریں گے کہ حضرت ہم آپ کی ہمشیرہ عزیزہ یا صاحبزادیٔ محترمہ سے کچھ وقت کے لئے تمتع کرنا چاہتے ہیں۔ پھر کیا مُلّا جی ڈنڈا لے کر اس کے پیچھے بھاگا کریں گے یا عارضی نکاح نامہ، مختصر مدتِ متعینہ کے لئے تیار کروا کر.................

اس طرح امت میں جو کہ پہلے ہی فرقوں میں بٹی ہوئی ہے، ایک اور نئے فرقہ کا اضافہ ہو جائے گا اور اس میں حرج بھی کیا ہے، یونکہ شیعوں نے تو پہلے ہی صحابیاتؓ وصحابہؓ پر متعہ کرنے کا الزام عائد کیا ہوا ہے، نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہاری اپنی حدیث شریفوں میں اس قسم کے واقعات درج ہیں کہ متعہ کی اجازت کبھی ملتی رہی کبھی بند ہوتی رہی۔ پھر جنگِ خیبر کے بعد متعہ کو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے حرام قرار دیدیا تھا................ مگر سبعہ قراءات کی طرح یہ ممانعت بہت سے صحابہ تک نہیں پہنچی چنانچہ.............. (معاذ اللہ)

رسول سلامٌ علیہ کے "متعہ" کو حرام قرار دینے کے بعد اب سلفی ورُشدی صاحبان اس کو پھر کھول کر رسول کے مقابلہ پر اللہ بننا چاہتے ہیں (نعوذ باللہ) یہ ہے شاخسانہ سبعہ قراءات کا اور نام نہاد احادیث شریفوں کا۔

بہر حال میری اطلاع کے مطابق اب تک سعودی عرب سے شائع شدہ چار قراءتوں (حفص، ورش، قالون اور دوری) کے مصاحف میں تو یہ الفاظ "اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّى" نہیں بڑھائے گئے ہیں۔ اس کے معنی آئندہ رُشدیوں کے تیار کردہ سولہ قراءتوں میں (یا کسی میں) یہ الفاظ بھی بڑھا کر نیا فرقہ کھڑا کر دیا جائے گا۔

.(۵)۔... اوپر ہی کی مثالوں کی طرح ایک اور مثال یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ہی قراءت میں سورہ الحج کی آیت نمبر ۵۲ میں الفاظ "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ" کے آگے "وَلَا مُحَدَّثٍ" بھی شامل ہے، جبکہ **المحدِثُ** کے معنی مجدّد ہوتے ہیں۔ گویا اس طرح سے رُشدی حضرات رسول و نبی کے بعد مجدّد بھی لانا چاہتے ہیں اور شاید وہ خود مجدّد بننے کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔ لیکن خیال رہے کہ "اَلْمُحدَثُ" کے معنی "وہ نئی بات جس کا ثبوت کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سلامٌ علیہ اور اجماعِ امت میں نہ ہو یعنی "بدعت" بھی ہیں۔ اس طرح سے رُشدی حضرات کا قراءات مختلفہ کا سارا چکر بدعت ہی ہے۔ یونکہ اس کا کوئی ثبوت، نصِ صریح، قرآن مبین میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ سنت ہو سکتا ہے یونکہ کوئی سنتِ رسول قرآن مبین کے علاوہ یا زائد نہیں ہو سکتی۔ جب قرآن مبین میں مختلف قراءات کا ذکر تک نہیں تو پھر اس کی سنت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ نہ ہی اِن قراءاتِ مختلفہ پر اجماعِ امت ہے۔ (اس کا حال میں پیچھے لکھ چکا)۔ اس لئے یہ سراسر بدعت ہے، کیونکہ قرآن مبین میں کچھ بھی بدلا نہیں جا سکتا حتیٰ کہ رسول بھی نہیں بدل سکتا (۱۵/۱۰) اور تمام بدعتیں ضلالت ہیں۔ بہر حال، اب تک سعودی عرب سے شائع شدہ چاروں قراءتوں (حفص، ورش، قالون اور دوری) میں یہ الفاظ "وَلَا مُحَدَّثٍ" شامل نہیں کئے گئے ہیں۔ اس کے معنی رُشدیوں کی تیار کردہ دیگر سولہ قراءتوں کے مصاحف میں یہ الفاظ شامل کر دیئے جائیں گے۔ پھر ہر رُشدی، جو کہ ابھی تک محقق ہے، مجدّد بن جائے گا، پھر تو اس امت کا اللہ ہی حافظ و نگہبان ہو۔

سبعہ اَحرف سے کیا مراد ہے؟

ادارہ رُشد کے مطابق سبعہ اَحرف والی حدیث کا مفہوم اُمت میں معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے، اس لئے ادارہ کا احساس ہے کہ اس باب میں اردو زبان میں بھرپور مواد کو بھی منتقل کیا جائے اور سبعہ اَحرف کے مفہوم کی تعیین کی کوشش بھی بروئے کار لائی جائے۔ چنانچہ ''رُشد'' قراءات نمبر حصہ اوّل میں انہوں نے اس عنوان پر تین ۳ تحریریں پیش کی تھیں۔ جن سے اختلافات ہی اختلافات کے سوا کچھ نہیں ملتا! جبکہ حصہ دوم میں چھ ۶ تحریریں شائع کیں اور آخری حصہ سوم میں بھی تین ۳ تحریریں پیش کیں (جبکہ دیگر تحریریں بھی اسی سے متعلق ہیں) ہم نے پچھلے صفحات میں آپ کو حصہ اول سے (دیوبندی، حنفی) ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب کی تحریر ''سبعہ اَحرف'' سے مراد اور قراءات عشرہ کی حجیت، تقریباً پوری، من وعن، مع اپنے تبصروں کے نقل کر دی (شاید قارئین کی سمجھ میں کچھ آ گیا ہو، یونکہ ہم نے اپنے تبصروں کے ساتھ ساتھ کچھ اور لکھنے والوں کے اہم اقتباسات بھی دے دیئے ہیں)۔ اب ہم ''رُشد'' قرآءات نمبر حصہ دوم سے مدینہ یونیورسٹی کے شعبہ کلیۃ القرآن کے سابق سربراہ الشیخ ابو مجاہد عبد العزیز القاری صاحب کے مقالہ بعنوان ''سبعۃ احرف سے کیا مراد ہے'' (ترجمہ از ڈاکٹر حافظ حسن مدنی صاحب) سے کچھ اقتباسات ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ شاید کہ وہ سبعہ اَحرف کے معنی سمجھ سکیں۔ (ہمیں افسوس ہے کہ ہم کو یہ نہیں معلوم کہ رُشدیوں کے الشیخ صاحب کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں / تھے۔ بظاہر وہ سلفی ہی معلوم ہوتے ہیں) موصوف ''سبعہ احرف سے کیا مراد ہے؟'' کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں:

۴۰۔ اقوال

'' 'سبعہ اَحرف' کا مفہوم کیا ہے اس کے بارے میں علماء کے مابین بہت اختلاف ہے حتیٰ کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے 'الاتقان' میں علماء کے ۴۰۔ اقوال ذکر کئے ہیں۔ (الاتقان ، ص ۱۳۱) لیکن اقوال کی یہ کثرت قاری کے لیے باعثِ خوف اور وجہِ مشقت نہیں ہے، کیونکہ اکثر اَقوال ایسے ہیں جو دلیل و نظر کی کسوٹی پر پورے نہیں اُترتے۔ بغور جائزہ لینے پر ایسے اَقوال بہت کم ہیں جن میں صحیح ہونے کی گنجائش ہے۔ ان میں سے چھ اَقوال کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

پہلا قول

ابن سعدان نحوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حدیث سبعہ اَحرف کا شمار ایسی اَحادیث میں ہوتا ہے جو اپنے مفہوم و مدعا میں صریح نہیں بلکہ متشابہ ہیں۔ (محمد بن سعدان الضرير الكوفي النحوي المقري ابو جعفر (م ۲۳۱) بغیۃ الوعاۃ ۱/۱۱۱) یعنی ان کا مقصد و مراد مخفی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ 'الحرف' ایسا لفظ ہے جو متعدد معانی پر بولا جاتا ہے جبکہ اَحادیث میں کسی ایک کا تعین نہیں کیا گیا، لہٰذا اس کے مفہوم کا تعین مشکل ہے۔

(غور کیجئے کہ قرآن کریم کی دو طرح کی آیات، محکم و متشابہ کے مثل نام نہاد احادیث بھی متشابہ ہونے لگیں! کیا ایک متشابہ روایت قرآن کی شرح ہو سکتی ہے؟؟ دوسرے یہ کہ یہ کس طرح کی قرآن کی شرح ہے کہ حدیث کا مقصد و مراد مخفی ہے؟؟ جبکہ اس طرح کی اور روایات بھی ہیں! معاذ اللہ۔ صدیق)

دوسرا قول

سبعہ اَحرف میں سبعہ کے لفظ سے حقیقتاً عدد مراد نہیں بلکہ یہ لفظ کثرت کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے اور عربی زبان میں یہ عام طریقہ ہے کہ 'سبعہ' کا لفظ بول کر اکائیوں میں کسی شے کا کثیر التعداد ہونا مراد لیا جاتا ہے۔ جس طرح 'سبعین' کا لفظ بول کر دہائیوں میں کثرت مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا مدعا یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کھلی رخصت دی گئی ہے کہ جس لغت کے مطابق چاہیں قرآن کی تلاوت کر لیں۔ یہ قول قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب ہے۔ (ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی (م ۵۴۴) الدیباج ۲/۴۶)

اور اس کو مان لینے سے اس نظریہ کی بھی تائید ہو جاتی ہے کہ قرآن کی بالمعنی قراءت مشروع ہے۔

(سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نام نہاد حدیث قرآن کریم کی کس آیتِ مجمل کی شرح ہے؟؟؟۔ صدیق)

تیسرا قول

سبعہ اَحرف سے احکام و معانی کی سات اَصناف مراد ہیں جو یہ ہیں:

- حلال و حرام
- امر
- توبیخ
- محکم
- متشابہ اور
- امثال

چوتھا قول

سبعہ اَحرف سے اہل عرب کی فصیح لغات میں سے ایسی سات لغات مراد ہیں جن پر قرآن نازل ہوا ہے۔ یہ سات لغات آپس میں بھی مختلف ہیں جن میں سے بعض لغات دوسری لغات کی بہ نسبت قرآن میں زیادہ بھی استعمال ہوئی ہیں۔ یہ قول ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شعب الایمان میں اس کی تائید کی ہے۔

(یہ اہلِ عرب کی فصیح لغات کس طرح ہو سکتی ہیں جبکہ ایک زبان کی ایک ہی فصیح لغت ہوتی ہے ایک سے زائد تو فصیح نہ ہوئیں۔ صدیق)

پانچواں قول

یہ سات لغات ایک کلمہ میں اور ایک ہی حرف میں بایں صورت ہیں کہ الفاظ میں تبدیلی کے باوجود معنی میں تبدیلی نہ آنے پائے۔ جس طرح کوئی شخص 'ادھر آؤ' کے مفہوم کے لئے 'ھلم' کی جگہ تعال، الی، قصدی، نحوی اور قربی' جیسے دیگر الفاظ استعمال کرتا ہے جو کہ الفاظ میں مختلف ہونے کے باوجود معنی میں یکساں ہیں۔ یہ قول ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

(حیّ کا لفظ کیوں نہیں استعمال کرتا؟ جبکہ مُلّا کی لغت کے مطابق اس کے معنی بھی آؤ ہی ہیں۔ صدیق)

اس کے بعد حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اب یہ تمام لغات باقی نہیں ہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک حرف اور ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا اور باقی جملہ مصاحف کو ضائع کر دینے کا حکم دے دیا، ماسوائے اس مصحف کے جس کو آپ نے خود جمع فرمایا، اس کے علاوہ ہر اس شخص پر جس کے پاس کوئی مصحف ہو آپ نے لازمی کر دیا کہ اس کو اپنے پاس نہ رکھے اور ضائع کر دے۔ لہٰذا امتِ مسلمہ نے اس سلسلے میں بالاتفاق آپ کی اطاعت کی، اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ جو کچھ آپ قرآن کے بارے میں کر رہے ہیں، مبنی بر حق اور درست ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خلیفۂ عادل کی اِطاعت کرتے ہوئے اور اپنی اور اپنے بعد آنے والے سارے اہلِ ملت کی خیر و بھلائی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے باقی چھ حروف کو ترک کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حروف کی معرفت ختم ہوتی چلی گئی اور اس کے اثرات و نشانات معدوم ہو گئے۔ چنانچہ آج ان حروف پر قراءت کی کوئی صورت نہیں۔" (تفسیر ابن جریر: ۱/۵۷-۶۴)

(جب وہ لغات باقی نہیں تو پھر قراءات باقی رہنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان نے مسلمین کو ایک حرف پر جمع کر دیا کہ یہی معنیٰ ہیں۔ صدیق)

اختلاف:

اس قول میں اَحرف کی تفسیر جن سات لغات کے ساتھ کی گئی ہے ان کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے۔

(۱)۔ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند **سعيد ابن عروبة عن قتادة عمن سمع ابن عباس** "، نقل کرتے ہیں کہ قرآن دو کعب (یعنی کعبِ قریش اور کعبِ خزاعہ) کی لغتوں میں نازل ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ (کہ بیک وقت دو لغتوں میں قرآن نازل ہوا) تو آپ نے کہا، کیونکہ دونوں کا گھر اور جائے اصل ایک ہی ہے۔ پھر ابو عبید نے "**بروایت كلبی عن أبی صالح عن ابن عباس**" یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآن سات لغات پر نازل ہوا جن میں پانچ لغات قبیلہ ہوازن کے عجز کی ہیں۔ ابو عبید کہ انہیں "**هوازن عليا**" بھی کہا جاتا ہے جو یہ ہیں: سعد بن بکر، جشم بن بکر، نصر بن معاویہ اور ثقیف۔

(جبکہ دونوں کا گھر اور جائے اصل ایک ہی ہے تو دو لغات کا کیا سوال؟۔ صدیق)

(۲)۔ بقول ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ (سھل بن محمد بن عثمان بن القاسم ابو حاتم السجستانی (م ۲۵۰) بغیۃ الوعاۃ: ۲/۶۰۶) ان سات لغات سے مراد قریش، ہذیل، تمیم، ازد، ربیعہ، ہوازن اور قبیلہ سعد بن بکر کی لغات ہیں۔

(۳)۔ ابو علی الاہوازی رحمۃ اللہ علیہ (الا لحسن بن علی بن ابراہیم بن یزداد بن ھرمز الاستاذ ابو علی الاھوازی شیخ القراء بالشام فی عصرہ (م ۴۴۶) ۱/۲۲۰) کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ سب لغات دراصل قریش کے بطون میں ہی ہیں۔

(۴)۔ بعض کے قول کے مطابق یہ سب 'مضر' قبیلہ میں سے ہیں۔

(۵)۔ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اصحابِ علم سے اس قول کو بھی نقل کیا ہے کہ یہ سات لغات: "ہذیل،

کنانہ، قیس، ضبط، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش'' کی ہیں۔(الاتقان:۱؍۱۳۵)

(غور کیا آپ نے؟اختلاف ہی اختلاف۔اس کو کہا جاتا ہے قرآن کریم کی شرح!صدیق)

چھٹا قول

ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو الفضل الرازی المری رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن الجزری المقری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ **الاحرف السبعة** سے 'کلماتِ قرآنیہ میں اختلاف اور تغایر' کی سات قسمیں مراد ہیں۔یعنی سبعہ حروف کے ذریعے کلماتِ قرآنی میں ہونے والی تبدیلی 'اختلاف کی سات قسموں' سے خالی نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ ان تغیرات اور اختلافات کی تعداد کے سات ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے، لیکن ان کے تعین اور وضاحت کے ضمن میں اختلاف ہے۔

(●)ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں(تاویل مشکل القرآن:ص۲۸) کہ میں قرآن میں سبعہ حروف کے ذریعے ہونے والی تبدیلیوں پر غور وفکر کرتا رہا جس کے نتیجے میں مجھے اختلاف کی سات صورتیں معلوم ہوئیں:

(۱)۔تغیر کی پہلی صورت یہ ہے کہ کسی کلمہ کے اعراب اور حرکت میں ایسی تبدیلی ہو جو نہ ان کے معنی میں تغیر کرے نہ صورت خطی میں۔جس طرح کہ فرمانِ الٰہی (هٰۤؤُلَاۤءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ) میں (هُنَّ اَطْهَرَ)یعنی راء پر پیش کے بجائے زبر۔

(۲)۔کسی کلمہ کے اعراب یا حرکت میں ایسی تبدیلی واقع ہو جو اس کے مفہوم و معنی کو تبدیل کر دے لیکن صورت خطی برقرار رہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان (رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا) میں (رَبُّنَا)یعنی باء کے ضمہ کے ساتھ۔(جسارت ملاحظہ ہو!صدیق)

(۳)۔کلمہ کے اعراب میں تبدیلی کی بجائے اس کے حروف میں ایسی تبدیلی ہو جس سے معنی تو متغیر ہو جائے، لیکن صورت خطی برقرار رہے۔مثلاً (وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا) کی بجائے (نَنْشِرُهَا)(جسارت ملاحظہ ہو!صدیق)

(۴)۔اختلاف کی چوتھی صورت یہ ہے کہ کسی کلمہ میں تغیر اس کی صورت خطی یعنی صورت و ہیئت پر تو اثر انداز ہو، لیکن معنیٰ میں کوئی فرق نہ آئے۔مثلاً(اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً) کی جگہ (اِلَّا زَقْیَةً) (یعنی لفظ ہی بدل دیا!صدیق)

(۵)۔تبدیلی اس طور ہو کہ کلمہ کی شکل و صورت کے ساتھ معنی بھی تبدیل ہو جائیں جیسے (طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ) کی جگہ (طَلْعٍ مَّنْضُوْدٍ)(یعنی دونوں کی تبدیلی!جسارت ملاحظہ ہو!صدیق)

(۶)۔اختلاف کی نوعیت تقدیم و تاخیر کی قبیل سے ہو مثال کے طور پر (وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ)کی بجائے(وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ) پڑھا جائے۔(کتنی بڑی جسارت ہے!صدیق)

(۷)۔کلمات میں زیادتی یا نقص۔مثلاً(وَ مَا عَمِلَتْهُ اَیْدِیْهِمْ) کی بجائے(وَ مَا عَمِلَتْ اَیْدِیْهِمْ)اور (اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ) کی بجائے(اِنَّ اللّٰهَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ)

(یعنی حرف ولفظ ہی غائب کر دیئے۔ جسارت!صدیق)

(●)ابو الفضل الرازی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق تغیرات کی سات قسمیں یہ ہیں: [اس قول کو سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور رازی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اللوائح کی طرف اس کی نسبت کی ہے، اتقان (ابو الفضل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ جس کے طابع ہیں) میں 'اللوائح' یعنی ہمزہ کے ساتھ ہے جبکہ اصل میں اس کتاب کا نام 'اللوامح' بالمیم ہے۔]

(۱)۔ واحد، تثنیہ، جمع اور تذکیر ومبالغہ جیسے اسماء کے اوزان کا مختلف ہونا(یعنی واحد کی جگہ تثنیہ یا مذکر کی بجائے مؤنث۔

(۲)۔ افعال (ماضی، مضارع، امر، نہی) کا ایک دوسرے سے تبدیل ہو جانا، اس طرح وہ اسماء جن کی طرف فعل کی نسبت ہوتی ہے۔(مثلاً مذکر، مؤنث، متکلم، مخاطب اور فاعل ومفعول) کا مختلف ہونا۔

(۳)۔ اعراب کی مختلف وجوہ کے ذریعے وجود میں آنے والی تبدیلی۔

(۴)۔ کمی اور زیادتی کی قسم سے وجود میں آنے والی تبدیلی۔

(۵)۔ تقدیم وتاخیر کی قبیل سے ہونے والی تبدیلیاں۔

(۶)۔ ایک کلمہ کے حروف کا قلب...... یا ایک کلمہ کا دوسرے کلمہ سے تبادلہ یا دوسرے حروف سے تبادلہ۔

(۷)۔ مختلف لغات کے ضمن میں ہونے والی تبدیلیاں۔ (یعنی یہ تبدیلیاں اوپر کی بتائی ہوئی تبدیلیوں ہی جیسی ہیں۔ اسی کو جسارت کہا جاتا ہے!صدیق)

(●)ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (النشر: ۱/۲۶) کہ میں نے صحیح، شاذ منکر اور ضعیف یعنی قراءت کی ہر قسم کا بغور جائزہ لیا ہے۔ جس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جملہ حروف کا باہمی اختلاف ان سات صورتوں سے خالی نہیں۔

(۱)۔ معنی اور شکل و صورت میں تبدیلی کی بجائے کسی کلمہ کی حرکات میں تغیر ہو، جس طرح کہ (الْبُخْل) میں چار قسم کی حرکات اور (يَحْسِبُ) میں دو قسم کی حرکات پڑھنا جائز ہے۔

(۲)۔ معانی میں تغیر ہو فقط! جیسے (فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ اِلَيْهِ) میں (كَلِمَتٍ فَتَابَ اِلَيْهِ) اور (وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ) کی بجائے (وَادَّكَرَ بَعْدَ اَمَهٍ)

(۳)۔ معنی میں تغیر کے ساتھ ساتھ حروف میں تبدیلی ہو جائے، لیکن صورت خطی تبدیل نہ ہو۔ مثلاً (تَبْلُوْا) کو (تَتْلُوْا) اور (نُنَجِّيْكَ) کو (نُنْحِيْكَ) یعنی حاء کے ساتھ۔

(۴)۔ حروف میں تغیر کے باوجود معنی میں تبدیلی نہ ہو جب کہ صورت تبدیل ہو جائے۔ جیسے (بَصْطَةٍ) کی بجائے (بَسْطه) اور (اَلصِّرَاط) کی جگہ (اَلسِّرَاط)

(۵)۔ معنی اور صورت دونوں میں تبدیلی ہو جائے جیسے (اَشَدَّ مِنْكُمْ) اور (مِنْهُمْ) ...... (يَاْتَلِ) اور (يَتَاَلَّ)...... (فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ) کی جگہ (فَامْضَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ)

(۶)۔ تبدیلی تقدیم و تاخیر کی قبیل سے ہو، مثلاً(فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ) کی جگہ (فَيُقْتَلُوْنَ وَ يَقْتُلُوْنَ)اور(جَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ)کی بجائے(جَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ)

(۷)۔ بعض کلمات میں کمی کر دی جائے یا بعض میں زیادتی حروف ہو جائے۔ جیسے وصّٰی کی جگہ أوصٰی اور(وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى) کی جگہ (وَمَا خَلَقُ الذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى)یعنی راء کے کسرہ کے ساتھ۔ (جسارت پر غور کیجئے!صدیق)

ابو مجاہد رحمۃ اللہ (صاحب مضمون) کہتے ہیں: ایسے اقوال جن کی طرف 'سبعہ احرف' کی توضیح کے سلسلے میں رجوع کیا جا سکتا ہے اور جو عقل و نظر کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں یہی مذکورہ بالا چھ اقوال ہیں۔ جن کی حقیقت اور صواب و خطاء کا فیصلہ بڑی بحث و تمحیص اور دقتِ نظر کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔ سو جب ہمارے سامنے ان اقوال کے حقائق اور ان کے دلائل واضح ہو جائیں تب ہی ان میں قول مختار کا حتمی فیصلہ کرنا ممکن ہو سکے گا"[۱]۔(کیا یہ تمام اختلافی حروف عقل و نظر کی کسوٹی پر پورا اترتے ہیں؟صدیق)

"سبعہ اَحرف سے کیا مراد ہے" کے بارے میں مختلف اختلافی اقوال تحریر کر کے موصوف نے اس بارے میں واضح کر دیا کہ ہر مسئلہ کی طرح اس میں بھی اختلاف ہی اختلاف ہے۔ اور "**مقتدرہ**" کی یہی سازش تھی کہ ہر چیز کو اختلافی بنا کر ہمیشہ کیلئے کنفیوژن پیدا کر دو سو وہ ان کے ایجنٹوں نے سلف کے نام سے پیدا کر دیا۔ اب یہ اختلافات تحریر کرنے کے بعد موصوف نے ان اختلافی اقوال پر اختلافی بحث و تمحیص کی کوشش میں تقریباً دس ۱۰ صفحات اور سیاہ کئے ہیں۔ مگر کسی خاص نتیجہ پر نہ پہنچ سکے البتہ ایک دو باتیں خاص لکھ گئے جو ہم آپ کے گوش گزار کئے دیتے ہیں۔ مثلاً:

(۱)۔۔۔ قولِ اول کی بحث میں ایک مقام پر موصوف نے لکھا کہ "نبی اکرم ﷺ اپنی امّت کو سکھانے اور تعلیم دلانے کے لئے مبعوث کئے گئے تھے جس میں آپ کو سبعہ اَحرف کی تعلیم دینے کا حکم بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے امت کو عملاً اس کی تعلیم دی اور انہیں ان حروف پر تلاوت کا حکم دیا۔ جس کو امت بجالائی (جیسا کہ احادیث سابقہ بھی اس پر مصرح ہیں)اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہ سبعہ احرف پر تلاوت کرتے رہے اور بخوبی ان کا علم رکھتے تھے۔"[۲]

ہمارے خیال میں موصوف نے اس بیان میں گڑبڑ کی ہے اور کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ یونکہ نبی اکرم سلامٌ علیہ کا بنیادی فریضہ جس کے لئے وہ مبعوث کئے گئے تھے القرآن الحکیم امت بلکہ انسانیت تک پہنچانا(بلاغ المبین) تھا۔ (۶۷/ ۵ ، ۱۹/ ۶ ، ۳۹/ ۳۳)اس حکم میں نہ تو قرآن حکیم کو سبعہ اَحرف پر نازل کرنے کا ذکر تھا اور نہ ہی سبعہ اَحرف کی تعلیم دینے کا حکم تھا۔ یہ موصوف کی من گھڑت ہے۔ اسی طرح جب قرآن مبین میں آپ کو کوئی ایسا حکم دیا ہی نہیں گیا تو امت کو عملاً اس کی تعلیم دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے، اور نہ ہی آپ نے امت کو ان حروف پر تلاوت کا حکم دیا۔ جس کو امت بجالاتی۔ (موصوف کی نام نہاد احادیث اس پر مصرح کیسے ہو سکتی ہیں۔ وہ تو ویسے ہی گھڑنت ہیں اور کوئی بھی عقیدہ قرآن کے علاوہ نہیں بنایا جا سکتا یونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن مبین ہی کو فرض کیا(۲۸/ ۸۵)اور اسی کو امت کے لئے شافی و کافی بنایا(۲۹/ ۵۱)اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مقتدر و جلیل القدر صحابی و خلیفۃ الرسول نے رسول

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۱۶۔ ۲۲۰ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۲۰

اور بہت سے صحابہ کرام کی موجودگی میں حَسْبُنَا کِتٰبُ اللہ کا نعرۂ ایمانی بلند کیا اور بشمول رسول سلامٌ علیہ کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی)

موصوف کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سبعہ اَحرف پر تلاوت کرتے رہے اور بخوبی ان کا علم رکھتے تھے بھی کذب بیانی ہے۔ یونکہ جب ان کو رسول نے اس طرح کی کوئی تعلیم، زائد از حکم الٰہی، دی ہی نہیں تو وہ سبعہ اَحرف پر تلاوت کس طرح کرتے رہے اور نہ ہی وہ ان کا علم رکھتے تھے جس کا جیتا جاگتا ثبوت خود موصوف کی گھڑنت روایات ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (اور کئی اور صحابی بھی جن کا نام لیتے ہوئے محدثین کو شاید شرم آئی اس لئے نہیں لکھا) جیسے صحابہؓ کبار نے کچھ حروف، کچھ کے کچھ تلاوت کر دیئے تو آپس میں مجادلہ کی کیفیت پیدا ہوگئی اور معاملہ رسول کے حضور ایک دوسرے کو گھسیٹتے ہوئے، پیش ہوا۔ (شاید مجوسی سلفیوں نے یہ روایت قرآن دشمنی میں گھڑی یونکہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ صحابہؓ تو آپس میں رُحَمَاءُ بَيْنَهُم (۴۸/۲۹) ہیں مگر مجوسی سلفی کہتے ہیں کہ وہ آپس میں متصادم رہتے تھے۔ نعوذ باللہ) جب معاملہ رسول کے حضور پیش ہوا تو انہوں نے فرمادیا کہ یہ آیت یا حروف یوں بھی ہیں اور یوں بھی ہیں۔ گویا کہ قرآن کریم ایک نہیں، کئی ہیں۔ یا کچھ آیات یا حروف باوقار کلام کی طرح ایک نہیں! یوں بھی پڑھ سکتے ہو اور یوں بھی پڑھ سکتے ہو! گویا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو یہ سلیقہ ہی نہیں کہ اپنا کلام باوقار، فصیح و بلیغ بنا کر نازل کرے۔ تم جس طرح چاہو یا جن الفاظ و مترادفات وغیرہ میں تم کو آسانی ہو۔ اس طرح پڑھ لیا کرو۔ یوں کہ یہ کتاب کی کیا حیثیت ہے یہ تو مجمل کتاب ہے، اصل حیثیت والی کتاب تو تم کو عجمی آکر دیں گے وہ مجمل نہ ہوگی بلکہ مشرح و مفصل اور عمل کرنے کے قابل ہوگی .... لیجئے اللہ اور رسول دونوں پر کتنا کامیاب حملہ ہو گیا کہ ایک قرآن کے بیس "۲۰" قرآن اشاعت کے لئے تیار کر لئے۔ اور ابھی تو ایک اور اصل قرآن آنا باقی ہے جو حضرتِ امام مہدی علیہ السلام لے کر آئیں گے تو یہ بیس قرآن ختم ہو جائیں گے (معاذ اللہ)۔ یہ ہے آپ کے غیر قرآنی عقائد کا شاخسانہ! (اس سے پہلے، پارس سے بعثت شدہ مظہر ظہور الٰہی و مہدی موعود، انیسویں صدی عیسوی میں، اپنی تحریر کردہ کتاب اقدس سے قرآن کریم اور شریعت اسلامی کو منسوخ کر چکا ہے۔ خیال رہے کہ سَلفی رُشدی خود قرآن کریم کی بہت سی آیات کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ مہدی موعود کے بعد بیسویں صدی میں ڈاکٹر خلیفہ رشاد نے قرآن میں تحریف کر کے، دو آیتیں منسوخ کر کے، شائع کیا اور اب اگر اکیسویں صدی میں رُشدی حضرات قرآن میں آیات میں اعراب، حروف، الفاظ، حک و اضافہ کر کے ایک کے بیس "۲۰" قرآن شائع کر رہے ہیں تو کیا حرج ہے!) یہ بھی خیال رہے کہ سَلفی رُشدی حضرات، ایک وقت، قرآن کو اُٹھا لئے جانے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی بحث در قول اول میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔ "یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے اُٹھا لئے جانے کا حکم دیدیں۔"[1] اب آپ خود فیصلہ کرلیں کہ اس قسم کے ہم عقیدہ لوگ کون ہیں؟ کوئی قرآن کے خلاف کس طرح کام کر رہا ہے اور کوئی کسی اور طرح!

.(۲)۔... موصوف اس قول اوّل ہی کی بحث و تمحیص میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"یہ بھی متفقہ بات ہے کہ عشرہ قراءات ان تمام حروف پر مشتمل ہیں جو نبی اکرم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر سب سے آخر

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۲۱

میں نازل کئے گئے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تاقیامت حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے اور ایسا ممکن نہیں کہ قرآن سے کچھ بھلا دیا گیا ہو، یامعدوم ہو گیا ہو۔ لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جملہ حروف جو نبی اکرم ﷺ پر سب سے آخر میں نازل ہوئے سب کے سب محفوظ ومامون ہیں"[1]

غور کیجئے کہ عشرہ قراءات ان تمام حروف پر مشتمل ہیں جو سب سے آخر میں نازل کئے گئے۔ یہاں موصوف کی استادی ملاحظہ ہو کہ سبعہ احرف کی بات نہیں کر رہے بلکہ ڈائرکٹ عشرہ قراءات فرمارہے ہیں۔ اور یہ کہ عشرہ قرآت ان تمام حروف پر مشتمل ہیں جو سب سے آخر میں نازل کئے گئے۔ یعنی مدنی دَور کے آخر میں نازل ہوئے۔ تو غور کیجئے کہ مکی دَور اور شروع و درمیان کے مدنی دَور کا کیا ہو گا کہ ان میں تو قراءاتِ عشرہ نازل ہی نہیں ہوئیں۔ جبکہ سَلفی رُشدی حضرات تمام مکّی صورتوں میں بھی اختلافی قراءات کے قائل اور مبلغ ہیں! پیچھے ہم لکھ آئے ہیں کہ جبریل ومِیْکٰئل مدینہ میں بنو غفار کے تالاب کے پاس یا مروہ کے پتھروں کے پاس نازل ہوئے تھے جہاں مِیْکٰئل کی مہربانی سے سات قراءات نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے سب سبعہ قراءات مدنی ہوئیں اور موصوف بھی اسی کے قائل ہیں کہ سبعہ کی جگہ عشرہ قراءات سب سے آخر میں نازل ہوئیں یعنی مدینہ منورہ میں۔ مگر انہی کے ایک اور سلفی رُشدی صاحب نے اس کے خلاف اسی رسالہ "رُشد" میں لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بنو غفار کا تالاب مکہ ہی میں واقع ہے۔ اس لئے سبعہ احرف شروع ہی سے نازل ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس عقیدہ کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ پچاسی ۸۵ سورتیں جو مکہ میں نازل ہوئی تھیں وہ کسی ایک کاتبِ وحی نے نہیں لکھی ہوں گی بلکہ اس کے لئے بیک وقت کئی کاتب چاہئے ہوتے ہوں گے، پھر مختلف سامانِ کتابت و مقامِ حفاظت بھی چاہئے ہوتے ہوں گے یونکہ ایک ہی سے سامانِ کتابت (پتھر، کھجور کی ٹہنیاں، کھجور کے پتے، چمڑے وہڈیاں وغیرہ) اگر ایک ہی صندوق میں رکھ دیئے جاتے تو آپس میں مل جانے کا پورا پورا احتمال تھا اور اس طرح وحی الٰہی کے گڈمڈ ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اسلئے یقیناً کئی قسم کا سامانِ کتابت اور کم از کم سات سے دس صندوق چاہئے ہوتے ہوں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کس طرح (Manage) ہو پاتا ہو گا۔ پھر اس کی حفاظت کا انتظام کیسے ہوتا ہو گا؟ جبکہ مکّہ المکرمہ میں مشرکین ہر وقت اور ہر طرح کی دشمنی میں لگے رہتے تھے تو انہوں نے کم از کم دس صندوق کس طرح بغیر کسی ملاوٹ کے قائم رہنے دیئے؟ اور پھر اتنے بہت سے صندوق رسول اللہ سلامٌ علیہ ہجرت کرتے ہوئے کس طرح مدینہ المنورہ اپنے ہمراہ لے گئے؟ نیز بقول مؤرخین و محدثین جب آپ سلامٌ علیہ کو مع بہت سے صحابہؓ کے شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا گیا تھا تو ان سالوں میں ان صندوقوں کی حفاظت کس طرح ہوئی؟ کیا کھجور کے پتے و ٹہنیاں سوکھی نہیں؟ (سوکھے پتے تو ایک بکری نے مدینہ میں کھا لئے تھے تو کچھ آیات ضائع ہو گئیں تھیں! معاذ اللہ) آگے موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تاقیامت حفاظت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے اور ایسا ممکن نہیں کہ قرآن سے کچھ بھلا دیا گیا ہو، یامعدوم ہو گیا ہو لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جملہ حروف جو نبی اکرم سلامٌ علیہ پر سب سے آخر میں نازل ہوئے سب کے سب محفوظ ومامون ہیں"۔ موصوف یہاں پر بھی کذب بیانی کر گئے یا پھر تقیہ سے کام لیا کہ لکھ دیا کہ "ایسا ممکن نہیں کہ قرآن سے کچھ بھلا دیا گیا ہو، یامعدوم ہو گیا ہو" موصوف اور ان کے تمام سلفی ورُشدی ساتھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن سے بہت کچھ

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۲۱

(تقریباً پانچ ۵۰۰ سو آیات) منسوخ کر دیا گیا۔ نیز یہ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے آخری رمضان میں عرضہ اُخرہ میں بہت کچھ منسوخ کر دیا گیا اور جو کچھ بچا وہ لکھا گیا!

نیز یہ غور کیجئے کہ ان رُشدی حضرات کے مطابق تو قراءات شاذہ بھی آج تک باقی ہیں گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قراءات شاذہ کی بھی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ اسی طرح ان کی ضعیف احادیث بھی آج تک محفوظ ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی ہوئی ہے؟ دراصل یہ بہت بڑا دھوکہ ہے جو امت کو دیا گیا ہے اور اس طرح عام مسلمانوں کو مزید گمراہ کیا جا رہا ہے۔

.(۳)۔... قول ثالث کی بحث و تمحیص میں کہ "اَحرف سبعہ سے احکام و معنی وغیرہ کی اقسام مراد ہیں"، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ،

"روایات سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ حروف سے مراد پڑھنے کی صورتیں ہی ہیں نہ کہ اَصناف معانی و احکام! جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ سے مختلف احادیث میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ مجھے جبریل پڑھایا کرتے تھے .... جو اصحابِ علم ان کو معانی و احکام کی اصناف قرار دیتے ہیں وہ اس فرمانِ نبوی کا کیا مفہوم بیان کریں گے کہ 'مجھے جبریل نے ایک صورت پر پڑھایا پھر دوسری صورت پر' .... اس غلط مفہوم کی تردید کے لئے ہمیں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث "احرف سبعہ روایت کرنے والے تابعی ابن شہاب زہریؒ کا قول بے حد کافی ہے کہ جس کا شمار تابعین میں حفاظ کے امام کی حیثیت سے ہوتا ہے.............. "[1]

غور کیجئے کہ موصوف نے 'بقول ان کی احادیث کے، جبریل کو رسول اکرم سلامٌ علیہ کا استاد بنا دیا! جبکہ جبریل مع دیگر تمام ملائکہ کے (بجز ابلیس کے) حضرت انسان کو اس کی تخلیق کے فوراً بعد ہی سجدہ کر چکا ہے یعنی انسان کی برتری کے سامنے سر جھکا کر اپنی کم مائیگی یا حقارت کا اعلان کر چکا ہے۔ تو وہ خاتم الانبیاء سلامٌ علیہ کی رفعت و بلندی (وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۹۴/۴) پر استاد کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ خادم کا خادم ہی رہے گا۔ وہ تو رسول کے قلب اطہر پر نزولِ وحی کا محض ایک ذریعہ، قوت، طاقت تھا جس طرح کہ مختلف Waves یا Rays لاسلکی، ریڈیو، ٹیلیویژن، موبائل ٹیلیفون یا کمپیوٹر وغیرہ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پیغام رسانی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ (سورہ المرسلات کی ابتدائی آیات پر غور کیجئے۔ سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا)۔ جبریل کو چھ سو پروں والا انسان یا انسان نما حیوان ماننا، محض حماقت کا غیر قرآنی، سلفی عقیدہ ہے۔ وہ رسول کا استاد ہرگز نہیں تھا۔

دوسری اہم بات یہ کہ آخر کو موصوف اپنے سلفی عقیدہ میں کھل کر سامنے آ گئے کہ "حدیث اَحرف سبعہ روایت کرنے والے تابعی ابنِ شہاب زہری کا قول بے حد کافی ہے۔" غور کیجئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو صرف اتنا اعلان فرمایا تھا (اور وہ بھی قرآن کریم کی مطابقت میں) کہ کتاب اللہ ہمیں کافی ہے۔ مگر موصوف ابنِ شہاب زہری کے لئے فرما رہے ہیں کہ ابنِ شہاب زہری کا قول بے حد کافی ہے۔ یعنی قرآن مبین ان کے لئے کافی نہیں، لیکن بخاری شریف کے ایک راوی کا قول انہیں کافی سے بھی زیادہ بے حد کافی ہے اسی کو کہتے کہ سلفیوں نے محدثین یعنی روایات کے

[1] ایضاً صفحہ ۲۲۳۔۲۲۴

راویوں ہی کو مقدس و معصوم بنالیا ہوا ہے کہ ان سے غلطی ہو نہیں سکتی، ان کا قول غلط ہو نہیں سکتا، یعنی انہوں نے ان راویان روایات کو، قرآن کی زبان میں اَرۡبَابًا مِن دُونِ اللّٰہ (۶۴/۳، ۸۰/۳، ۳۱/۹) بنالیا ہوا ہے اور جو کچھ غیر قرآن وہ بیان کرتے ہیں اس کو وہ اللہ کی طرف سے وحی مانتے ہیں (جیسا کہ تمام سلفی و رُشدیوں کا عقیدہ ہے۔ جس پر دوسری کتاب میں وضاحت سے لکھا جاچکا ہے۔)

یہ ابن شہاب زہری ہی وہ ہستی ہیں جن کی طرف بہت کچھ غیر معقول قسم کی روایات منسوب ہیں۔ علامہ تمنا عمادی صاحب مرحوم نے اپنی کتاب: "اعجاز القرآن و اختلافِ قراءت" میں انہی ابن شہاب زہری پر (جو بظاہر تابعی تھے) تنقید کی ہے اس کتاب نے سبعہ اَحرف کا عقیدہ رکھنے والوں کے دلوں میں ایک آگ لگادی، اور ایسے لوگوں نے ان کے خلاف لکھنا شروع کر دیا جو علامہ صاحب کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

.(۴)۔... موصوف قول رابع کی بحث میں، بحث کا نتیجہ انتہائی اہم اور حقیقت کے طور پر لکھ گئے:

"قرآن کریم کے بارے میں ان دو آثار صحیحہ سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ قرآن میں صرف ایک ہی لغت اور ایک ہی زبان ہے جو کہ صرف اور صرف قریش کی ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قول میں تو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو اس بات سے منع بھی کیا گیا ہے کہ وہ کسی شخص کو لغت ہذیل میں قرآن مت پڑھائیں"[1]

بس یہی حقیقت ہے کہ قرآن مبین کی صرف ایک ہی لغت اور ایک ہی زبان ہے اور ایک ہی لہجہ ہے جو کہ صرف اور صرف قریش ہی کا ہے۔ خیر القرون سے آج تک صرف لہجات یا تلفظ کا فرق رہا ہے اور وہ انسانی مجبوری و معذوری ہے۔ اور یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اردو کے بارے میں پنجاب کا لہجہ و تلفظ کچھ ہے۔ کے پی کے کا کچھ، بلوچستان کا کچھ، سندھ کا کچھ، اور کراچی کا کچھ۔ کراچی میں ایک بہت بڑی تعداد 'ر' کو 'ڑ' بولتی ہے۔ مثلاً "ارے" کو وہ "اڑے" بولتی ہے۔ ہندوستان میں بہت بڑی تعداد 'ز' یا "ذ" نہیں بول پاتے بلکہ 'جا' بولتے ہیں مثلاً 'ذات' کو وہ 'جات' بولتے ہیں اور دیہاتی لوگ تو 'جاتی' بولتے ہیں۔ کراچی میں میمن حضرات ذکریا کو جکریا بولتے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ سندھ و پنجاب کی اکثریت اقبال کو اِکبال بولتی ہے۔ جو پیار محبت میں بگڑ کر بَالا بن جاتا ہے بلکہ بعض لوگ تو بالے بھی بولتے ہیں۔ تو یہ مختلف لغات نہیں ہو گئیں۔ ہاں مختلف لہجات و تلفّظ ضرور ہوئے۔ مگر یہ پیار محبت قرآنی الفاظ کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ قرآنی الفاظ کو نہ تو بگاڑا جاسکتا ہے نہ ہی بدلا جاسکتا ہے۔ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ (۶۴/۱۰، ۳۴/۶، ۱۱۵/۶، ۲۷/۱۸) اور نہ ہی ان کے مترادفات 'بالا' اور 'بَالے' کی طرح استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ (۱۵/۱۰، ۱۸۱/۲) یہ تو ویسے بھی دیہاتی پن یا جہالت کی یادگار ہے۔ کوئی پڑھا لکھا شہری اقبال کی جگہ بالا یا بالے استعمال نہیں کرتا۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ کچھ کہنے کے بعد اپنا قول بھی نہیں بدلتا اور اس طرح اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ (۲۹/۵۰) کہ ایک مرتبہ تو قریش کی زبان و لہجہ پر قرآن مبین نازل فرمادے پھر کہے کہ اچھا ہذیل، تمیم، ازد اسد بن خزیمہ و کنانہ، قیس، ربیعہ، سعد بن بکر، (اس میں بھی ملّاؤں میں اختلاف ہے کہ کتنے قبیلوں کی لغات تھی) کی لغات پر، جن جن میں، آسانی ہو پڑھ سکتے ہو۔ اس طرح کے عقیدے غیر قرآنی و غیر اسلامی ہیں اور قرآن کریم کے ساتھ کھلواڑ ہیں۔ قرآن کو بازیچہ اطفال یا چیستان بنادینا ہے۔ اور یہی ظلم ہے کہ جو لوگ ایک لغت پر نہیں پڑھ پاتے ان سے سات

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۲۵

لغات پر پڑھایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا ظلم نہیں کرتا۔

(۵)۔... آگے، قول خامس کی بحث میں بھی موصوف دو جملے بہت عمدہ، مبنی بر حقیقت لکھ گئے:

"اہلِ عرب کا باہمی اختلاف دراصل لہجات میں ہے۔ ادغام کرنے، نہ کرنے، کسی حرف کو پستی سے یا فتح سے پڑھنے، جھٹکا دینے یا نہ دینے، لمبا کرنے یا نہ کرنے اور اسی طرح کی دیگر صورتوں میں فی الواقع اختلاف ہے اور قراءات کا بڑا مقصد بھی دوسرے طرزِ ادا کی مشقت کو دُور کرنا ہے جو ھَلُمَّ کی جگہ اَقبل اور تَعَال پڑھنے کی بجائے ان صورتوں میں زیادہ ہے اور ادا سے متعلق ہیں"[1]

آگے ایک اور اہم حقیقت لکھ گئے:

"زبانوں کا باہمی اختلاف بھی فی الحقیقت لہجات کا ہی ہے"[2]

آگے فرماتے ہیں:

"کیا ایک قریشی پر ہذیل کی زبان کے مطابق تلاوت کرنا بنسبت ایک عجمی کے عربی قرآن کو تلاوت کرنے سے زیادہ مشکل ہے؟ یقیناً نہیں .... کیونکہ قریشی اور ہذیل کی لغات باوجود فروعی فرق کے، حقیقتاً تو ایک ہی زبان ہے جبکہ عربی اور عجمی کی زبان مختلف ہے"۔[3]

غور کیجئے کہ اس بحث میں کیا صرف **لہجات** ہی مختلف ہونے کی فطری حقیقت سامنے نہیں آتی۔ مگر یہ ظالم سَلفی و رُشدی اب بھی قرآن ہی کو بدلنے پر مُصِر ہیں۔ اسی لئے آیت (۲۹ /۵۰) کے تحت ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا ظلم نہیں کرتا۔

اسی بحث خامس میں موصوف نے ایک اچھا سوال اُٹھایا ہے:

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی مصحف عثمانی میں سبعہ حروف بیک وقت موجود ہوں؟ یا صورت ایسی ہے کہ ایک حرف کے بجائے مختلف مصاحف میں مختلف حروف ہیں؟ اسی تسلسل میں وہ خود اس کا' گول مول جواب دیتے ہیں:

"اس مسئلہ میں جس رائے کو محققین نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر آخری مرتبہ جو حروف تلاوت کئے گئے ان میں سے کسی ایک کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مہمل کیا ہے اور نہ کسی کا ابطال کیا ہے اس طرح ان کے سلف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ مصاحبِ عثمانؓ کے ضمن میں ہی جملہ حروف (جو آپ پر آخری مرتبہ پیش ہوئے) محفوظ اور باقی ہیں اور تا قیامت کے لئے ان حروف میں سے کسی پر بھی تلاوت کی رخصت موجود ہے۔"[4]

موصوف کا یہ جواب مکر سے خالی نہیں یونکہ انہوں نے مصحف عثمانی (یعنی ایک مصحف) کو مصاحف بنا دیا اور تاثر یہ دیا کہ شایا مصاحفِ عثمان (بہت سے مصاحف) کے ضمن میں ہی جملہ حروف، جو آپ پر آخری مرتبہ پیش ہوئے، محفوظ اور باقی ہیں اور تا قیامت ان حروف میں سے کسی پر بھی تلاوت کی رخصت موجود ہے۔ گویا کہ آپ پر

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۲۵ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۲۶ ......۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۲۶ ۴۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۲۷

آخری مرتبہ بھی سات حروف پیش ہوئے اور چھ حروف منسوخ نہیں کئے گئے۔ اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سب گورکھ دھندا ہے کہ کبھی کچھ کہہ دو اور کبھی کچھ! غور کیجئے کہ یہ پانچواں قول ہے کیا جس پر بحث کا اختتام مکرر پر ہوا۔

"حافظ ابنِ جریر طبری فرماتے ہیں: اب یہ تمام لغات باقی نہیں ہیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک حرف اور ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا اور باقی جملہ مصاحف کو ضائع کر دینے کا حکم دے دیا، ماسوائے اس مصحف کے جس کو آپ نے خود جمع فرمایا، اس کے علاوہ ہر اس شخص پر جس کے پاس کوئی مصحف ہو آپ نے لازمی کر دیا کہ اس کو اپنے پاس نہ رکھے اور ضائع کر دے۔ لہٰذا امتِ مسلمہ نے اس سلسلہ میں بالاتفاق آپ کی اطاعت کی، اس امر کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کہ جو کچھ آپ قرآن کے بارے میں کر رہے ہیں، مبنی بر حق اور درست ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خلیفۂ عادل کی اطاعت کرتے ہوئے اور اپنی اور اپنے بعد آنے والے سارے اہلِ ملّت کی خیر و بھلائی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے باقی چھ حروف کو ترک کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حروف کی معرفت ختم ہوتی چلی گئی اور اس کے اثرات و نشانات معدوم ہو گئے۔ چنانچہ آج ان حروف پر قراءت کی کوئی صورت نہیں۔ (تفسیر ابنِ جریر: ۱ / ۵۷۔۶۴)[1]

غور سے پڑھیئے کہ ابنِ جریر نے کتنے واضح الفاظ میں چار حقیقتیں بتا دیں کہ:

☆۔... سوائے لغتِ قریش کے باقی تمام لغات یا حروف ختم کر دیئے گئے اور امت کو ایک حرف اور ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا۔

☆۔... دیگر لغات رکھنے والے مصاحب کو ضائع کر دینے کا حکم دیا جس کی اطاعت تمام صحابہؓ، تابعینؒ اور نو مسلمین نے کی۔ اور یہی اطاعتِ رسول ہوئی کہ رسول کے خلیفہ کی اطاعت کی گئی اور یہی اطاعت **أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ** ہوئی کہ خلیفۂ رسول، امیر المؤمنین، خلیفۂ راشد و عادل نے جو حکم اولی الامراء کی طرف بھیجا، اس کی انہوں نے اطاعت کی اور اطاعت کروائی۔ اور یہی مطلب و مفہوم یا منشائے الٰہی ہے، سورۃ النساء کی آیت کریمہ نمبر ۵۹ (۵۹/۴) کا کہ "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے امیر ہوں (ان کی بھی اطاعت کرو)"

☆۔... اس وقت صحابہؓ و تابعین سب نے اپنے خلیفۂ راشد و عادل پر اعتماد کیا کہ وہ قرآن کے بارے میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ مبنی بر حق اور درست ہے چنانچہ انہوں نے امت کی بھلائی کی خاطر باقی چھ حروف کو ترک کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حروف کی معرفت ختم ہوتی چلی گئی اور اس کے اثرات و نشانات معدوم ہو گئے۔

☆۔... چنانچہ آج ان حروف پر قراءت کی کوئی صورت نہیں۔ یہ بات ابنِ جریر نے اپنی وفات **۳۱۰ھ** سے قبل اپنی تفسیر القرآن میں لکھی تھی۔

اس کے معنی بالکل صاف ہیں کہ یہ سبعہ اَحرف کی قراءات عشرہ کا چکر ان کے بعد چوتھی پانچویں صدی ہجری میں چلایا گیا۔ جب کہ وہ پہلا شخص جس نے ان سات قراءات کو (ان کی معرفت ختم ہو جانے کے بعد زندہ کیا) جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابنِ مجاہد چوتھی صدی کا قاری تھا۔[2] "اساتذہ قراءات نے (شاید کہ "**مقتدرہ**" کے ایجنٹوں نے

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۱۷۔۲۱۸...... [2] رُشد۔ قرآن نمبر حصہ اوّل۔ صفحہ ۱۴

ایک غیر معروف یامعدوم چیز کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر، اپنی مرضی سے جس کی نظیر قرآن و سنت میں نہیں۔ صدیق) فنِ قراءت ایجاد کیا اور اس کے اصول وضوابط مقرر کئے، قراءت کی تدوین و تہذیب کی، صحیح، مشہور اور شاذ قراءت کے اصول و ارکان مقرر کئے، بڑی محنت سے روایات قراءت کو جمع کیا اور انہیں کتابی شکل دی"[1]۔ پھر پانچویں صدی ہجری میں امام ابو عمرو دانی اور چھٹی صدی ہجری میں قصیدہ شاطبیہ کے مصنف امام شاطبی نے (دونوں اندلس کے عجمی باشندے تھے۔ صدیق) جن کے لئے لکھا جاتا ہے کہ علامہ شاطبی کے بعد فنِ تجوید و قراءت میں جو بلند مقام آپ کو حاصل ہے وہ بلاشبہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے بعد اس فن پر آپ کی کوئی نظیر اب تک پیدا نہیں ہوئی۔ ان کے بعد آٹھویں سے نویں صدی میں قراءت اور سبعہ اَحرف پر امام جزری[2] نے کم از کم تیس سال تحقیق کی اور رُشدیوں کے نزدیک محقق ہی کے نام سے جانے گئے۔ (وہ بھی دمشقی یعنی عجمی ہی تھے)

اس تمام عرصہ میں یعنی تقریباً چودہ صدیوں میں کسی امام، علامہ، محقق بلکہ کسی بھی فرقہ کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ اپنی قراءت یا قراءات کے مطابق مصحفِ قرآنی شائع کر دے حتیٰ کہ چودھویں صدی ہجری میں جنگِ عظیم دوم تک یہ کارنامہ کوئی نہ انجام دے سکا۔ جبکہ جرمنی میں یہود اسکالروں کا گٹھ جوڑ بھی قرآن کریم کے ہر دَور کے بیالیس "۴۲۰۰۰" ہزار مصاحف قرآن جمع کرنے کے باوجود قرآن کریم کی تحریروں میں اختلاف نہ پکڑ پائے چنانچہ اب مجوسی **"مقتدرہ"**[3] پھر زور دار طریقہ پر حرکت میں آئی اور افریقی ممالک تیونس والجزائر میں سے کسی مقام سے اب سے پچاس سال پہلے ۱۳۸۳ھ یعنی ۱۹۶۴عیسوی میں (غالباً کسی آمر کے دَورِ حکمرانی میں) روایتِ وَرش عن نافع کے نام سے ایک مصحف شائع کروانے میں کامیاب ہو گئی جس میں عربی، مغربی یا افریقی طرزِ تحریر یا خط میں نقاط کے رَدوبدل کے ساتھ لکھی گئی، تاکہ مشرقی ممالک والے یا روایت حفص پڑھنے والے اس کو آسانی سے نہ پڑھ سکیں۔ کچھ عرصہ خاموشی رہی ،اور چونکہ مشرقی ممالک کے مسلمانوں کی طرف سے کوئی رِدِ عمل سامنے نہیں آیا،(یونکہ ان کو اس سانحہ کا علم ہی نہیں تھا اور نہ اب ہے تو تیونس ہی سے ۱۴۰۱ہجری یعنی ۱۹۸۱عیسوی میں روایتِ قالون عن نافع بھی شائع کر دی گئی۔ پھر غالباً ۱۴۱۰ہجری یعنی ۱۹۹۰عیسوی تک لبنان سے روایت دوری عن ابی عمر بصری شائع کر دی گئی جس میں سورہ مائدہ میں وضو والی آیت کریمہ میں اعراب کا فرق ڈال کر شیعہ فرقہ کو تقویت پہچائی گئی۔

اس دَوران مشرق میں سعودی عرب کے مسلم حکمران شاہ فیصل کو مروا دیا گیا۔ پھر شاہ فہد کے دَور میں ۱۴۰۵ ہجری میں یعنی ۱۹۸۴عیسوی میں شاہ فہد نے ایک ادارہ بنام **"مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف"**، مدینہ منورہ میں قائم کیا جس کا اہم اور بنیادی ہدف یہ تھا کہ مختلف روایات و قراءاتِ متواترہ جو مختلف اسلامی ممالک میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں، ان کے مطابق مصاحف کی طباعت کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے روایت حفص کے مطابق قرآن پر کام ۱۴۰۴ہجری میں شروع کیا گیا اور اس کے لئے ایک **لجنہ** (کمیٹی) بنائی گئی[4] یہ مصحف ۱۴۰۵ھ کو منظرِ عام پر آیا۔ مگر اس کی اشاعت ۱۴۰۹ہجری بمطابق ۱۹۸۸عیسوی ہوئی اور اس مصحف کو سرکاری طور پر **"مصحف المدينة النبوية"** کا نام دیا گیا۔[5] پھر آہستہ آہستہ تقریباً پچھلے دس سالوں میں **"مجمع الملك فهد لطباعة**

[1] رُشد، قرآن نمبر حصہ دوم۔ صفحہ ۷..... [2] ایضاً صفحہ ۷۔۸..... [3] اس حقیقت کو جاننے کے لئے دیکھئے: 'جنگل کی حویلی' یا "عیسائیت کی خفیہ سرنگ" از محمد آصف دہلوی سہارنپوری۔ صدیقی ٹرسٹ۔ کراچی (سلسلہ نمبر ۱۶۹۴)..... [4] 'رُشد' قرآن نمبر۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۵۸۵..... [5] ایضاً صفحہ ۵۸۵۔۵۸۶

المصحف الشریف"، المدینۃ المنورہ سے دیگر تین روایات (ورش، قالون اور دوری) میں بھی اشاعت شروع کرا کر مختلف افریقی و مغربی ممالک سے آنے والے حاجیوں کو بوقتِ رخصتی ائرپورٹ پر یہ مصاحف بانٹے جانے لگے۔

اب اس تحقیق کی ضرورت ہے کہ **مجمع الملك فهد** سے یہ کارنامہ کون انجام دلوا رہا ہے؟؟ کیا سعودی حکمران اس میں شامل ہیں؟ یا یہ پاکستانی، سلفی ورشدی مُلّا سعودی علماء کے ذریعہ یہ سازش کر رہے ہیں؟؟ ان میں مجوسی "**مقتدرہ**" کے کون کون ایجنٹ ہیں اور ان کی ڈور کہاں سے ہلائی جا رہی ہے؟؟؟

غور کیجئے کہ دنیا کے یہود و نصاریٰ و مجوس نے کیا اپنا ہدف حاصل نہیں کر لیا کہ ایک قرآن کے چار قرآن، جن میں اختلافات کم ہیں، شائع کرا لئے اور باقی سولہ مسودے پاکستانی سَلفی ورشدی محققین سے مرتب کروا لئے تکہ وہ ایک ایک کر کے شائع کرواتے جائیں اور پھر چیلنج کریں کہ تمہارا کونسا قرآن نازل شدہ "الکتاب" ہے؟؟ اور کیا تمہارے بیس[20] قرآنوں میں مختلف النوع اختلافات نہیں ہیں؟؟

.(۶)۔۔۔ آگے قول سادس کی بحث و تمحیص میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"ابنِ قتیبہ، رازی اور جزری کا یہ کہنا ہے کہ احرف سبعہ سے در حقیقت اختلاف اور تبدّل و تغیر کی انواع مراد ہیں جو کہ سات ہیں........... الخ

اس قول کی تردید مندرجہ ذیل امور کے ساتھ ہوتی ہے:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ انواع تغیر کی نشاندہی اور ان کی تعداد و تعین پر اتفاق ہونا ضروری امر ہے جبکہ یہ امر ان قائلین کے مابین مختلف ہے۔(یعنی ہر جگہ اختلاف ہی اختلاف ہے۔صدیق)

(۲) ثانیاً یہ ہے کہ حروف میں تعدّد کی اہم تر حکمت ان قبائل اور گروہوں کے لئے رخصت مہیا کرنا تھی جو پڑھنے لکھنے سے بہرہ ور نہیں اور ان کے لئے ان کی زبان پر جاری طرزِ ادا کے ماسوا دوسرے طرز پر تلاوت مشکل تھی۔ پھر چند مخصوص قبائل کے سِوا بالعموم اہلِ عرب پڑھنے لکھنے سے ناآشنا تھے۔ جبکہ انواع تغیر (جنہیں یہ اصحابِ علم بیان کرتے ہیں) کا بڑا اور اہم تعلق طرز کتابت اور صورت خطی سے ہے نہ کہ طرز ادا سے۔ مزید یہ کہ ان تمام انواع کا ادراک اور استنباط صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو بڑی بحث، گہرائی اور وسعتِ مطالعہ سے ان کا جائزہ لے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ مختلف رسوم الخط سے کافی واقفیت رکھتا ہو اور یہ معاملہ تو نہ صرف علماء بلکہ خاص علماء ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ سوچا جائے تو پھر ان حروف کا ان مسلمانوں کے لئے کیا فائدہ ہے جن کی آسانی اور سہولت کی خاطر انہیں نازل کیا گیا۔ اور جن کی مشقت دُور کرنے کے لئے متعدّد صورتوں کی اللہ تعالیٰ نے رخصت دی؟ اگر ہم اس قول کو مان لیں تو پھر ایسے اَن پڑھ مسلمان کس طور ان دقیق اور علمی وجوہات کو استعمال میں لاسکتے ہیں جو پڑھنے لکھنے سے بہرہ ور نہیں اور کس طرح وہ ان تک پہنچ سکتے ہیں؟ اگر سبعہ حروف سے مراد یہی ہے جو یہ کہتے ہیں تو بلاشبہ یہ تو ان پر مزید مشقت ہے اور ان سے کسی ایک کو اختیار کر کے پڑھنا تو ان کے واسطے از حد مشکل ہے اور یہ کیسا اختیار ہے، کیسی رخصت ہے؟ جزری، رازی اور ابنِ قتیبہ سے ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ ہمیں بتائیں کہ ایسے

لوگ (جن کا ابھی ذکر ہوا ہے) کس طرح ان کی ذکر کردہ انواع اختلاف کو یا کسی ایک کو استعمال کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور کس طرح وہ ان پر قرآن کو پڑھ سکیں گے؟ اس میں ان کے لئے رخصت کا کون سا پہلو ہے اور ان کے لئے اس میں کس طرح سے آسانی اور تیسیر ہے؟ اس تجزیہ سے ہمارا مقصد ہر گز یہ نہیں کہ ہم ان انواع تغیر کا انکار کرنے پر مُصر ہیں۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ان اصحاب علم میں سے ہر ایک کی عبارت دوسرے سے حد درجہ مختلف اور متغائر ہے۔ حالانکہ یہ سب علماء بڑی بحث و تمحیص، قرآن کے متعدّد بار مطالعہ اور حد درجہ محنت و مشقت کے بعد اس مقام پر پہنچے کہ ان انواعِ اختلاف کو اخذ کر سکیں اور بعد میں ان کی تعیین کر سکیں۔[1] غور کیجئے موصوف نے خود کتنی شان سے مان لیا کہ اس مسئلہ میں تینوں کی رائے بھی مختلف ہے۔ گویا کہ اختلاف ہی اختلاف کا راج ہے اور کیوں نہ ہو جب معاملہ ہے ہی گھڑا گھڑایا ہے!

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس بحث میں جو نکتے اُٹھائے گئے ہیں وہ بہت اہم ہیں اور ان کا ہماری طرف سے صرف ایک ہی حل ہے کہ اس گورکھ دھندے کو چھوڑ کر صرف ایک قرآن کریم، جو کہ برّصغیر پاک وہند، بقیہ ایشیا، سعودی عرب وغیرہ میں پڑھا جا رہا ہے اور بچوں بڑوں کو سکھایا پڑھایا جاتا ہے اسی کو پکڑ لینے سے سارے مسئلے ختم ہو جاتے ہیں۔ آگے موصوف ان تینوں ائمہ کی آراء کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے اور اختلافات دکھاتے ہوئے ایک اور بات اچھی لکھ گئے:

> ”ان سب باتوں کے باوجود ایک نوع ایسی بھی ہے جو صرف امام رازیؒ نے ذکر کی ہے اور باقی دو اس کی طرف متوجہ نہیں ہو پائے اور وہ نوع ہے ”اختلاف لہجات“ کی اور جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ یہی نوع اس بحث میں اہم تر ہے۔“ [2]

اصل بات صرف یہی ہے، جس کو گورکھ دھندا بنا دیا گیا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم، الکتاب کی حیثیت سے ایک ہی نازل ہوا: نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ (۲/۱۷۶) نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۳/۳) وَ الْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ (۴/۱۳۶) اِنَّ وَلِىّۦَ اللّٰهُ الَّذِىْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ (۷/۱۹۶) وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ (۱۶/۸۹) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۚ (۷۶/۲۳)، وَ هُوَ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ (۶/۱۱۴)، اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (۱۸/۱)، اَللّٰهُ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِيْزَانَ ؕ (۴۲/۱۷)، اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۴/۱۰۵)، وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۵/۴۸)، وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ (۱۶/۶۴)، مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى (۲۰/۲)، لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا (۲۱/۱۰)، وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ (۲۹/۴۷)، اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ (۲۹/۵۱)، اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۳۹/۲)، اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ (۳۹/۴۱)، لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ (۵۹/۲۱)، وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ (۶/۹۲)، (۶/۱۵۵)، اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۱۲/۲) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ (۱۴/۱) (۳۸/۲۹)، كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (۷/۲)، یہ پچیس ۲۵ آیات ہیں جن میں الکتٰب ، کتٰبٌ اور القرآن کا صیغہ واحد استعمال ہوا ہے (ایمان والوں کے لئے تو کسی حقیقت کو ماننے کے لئے صرف ایک ہی آیت کافی ہوتی ہے۔ لیکن بے ایمان یا دشمن قرآن اور ہٹ دھرم کیلئے، پچیس ۲۵ آیات کیا پورا قرآن بھی ناکافی ہے۔ وہ تو کسی اپنے سَلف ہی کو شافی و

---

[1] رُشد‘ قرآن نمبر حصہ دوم۔ صفحہ ۲۲۷۔۲۲۸...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۲۲۹

کافی مانتا رہے گا) یعنی اللہ تعالیٰ نے صرف ایک "الکتٰب" قرآن مبین نازل کیا۔ چار یا سات یا دس یا بیس نازل نہیں کیئے۔ یہ تو انسانوں نے ایک قرآن کے، مثل عیسائیوں کی انجیل کے، چار شائع کرنا شروع کر دیئے اور مزید سولہ[16] مسودے اشاعت کے لئے تیار کر لئے ہیں۔ قرآن مبین صرف ایک ہی قراءت، قراءت قریش میں پڑھا جاتا تھا، لیکن فطری حقیقت ہے کہ تمام لوگوں کا تلفّظ یا لہجہ ایک نہیں ہو سکتا جبکہ دنیا کے مختلف علاقوں میں لوگ مسلم ہو رہے تھے اور قرآن مبین کی تلاوت کرتے تھے۔ تو تلفّظ و لہجہ میں فرق فطری طور پر ہوتا تھا۔ دشمن یعنی "**مقتدرہ**" کے دانشوروں کو ایک موقعہ ہاتھ لگ گیا اور انہوں نے مختلف لہجات کو قراءات کا نام دینا شروع کر دیا اور روایات گھڑنا شروع کر دیا۔ **مقتدرہ** کے ایجنٹ اور بیوقوف قسم کے مسلمان اس کو پھیلاتے اور بڑھاتے رہے حتیٰ کہ تابعین و تبع تابعین کے نام سے قراءات مشہور کرنا شروع کر دیا۔ پھر ان کے امام بھی بنا ڈالے اور چوتھی صدی ہجری میں ابن مجاہد نے سات قراءات پر منحصر ایک کتاب بھی لکھ ڈالی۔ لیجئے "**مقتدرہ**" کی سازش اس حد تک کامیاب ہوئی۔ مگر پھر بھی کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ سات مختلف النوع قراءات یا حروف میں قرآن کریم کے نسخے طبع کرے۔ یہ شرف تقریباً چودہ سو سال کے بعد سعودی عرب کو حاصل ہوا کہ وہاں سے چار مختلف قراءات کے نام سے قرآن کریم طبع ہونا شروع ہو گئے (تفصیل پیچھے لکھ چکا ہوں) اور پھر ان سے بھی بڑا اشرف لاہور کے سلفی رُشدیوں کو حاصل ہوا کہ اُنہوں نے، مع شاذہ قراءات کے، مزید سولہ[16] نسخے طباعت کے لئے تیار کر لئے ہیں جن کی طباعت کویت سے کرانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ میں نے مع شاذہ قراءات اس لئے لکھا ہے کہ رُشدیوں ہی کے کئی امام و محقق یہ لکھ چکے ہیں کہ عشرہ قراءات کے علاوہ باقی قراءات شاذہ ہیں۔ نیز وہ یہ بھی اعترافِ حقیقت کر چکے ہیں کہ "قرآن کریم کا اسنادی اور عددی تواتر رسول تک نہیں بلکہ صرف ائمہ عشرہ تک ہے"۔ (یہ دونوں حقیقتیں میں پیچھے مع حوالے کے بتا چکا ہوں)

اس کے آگے موصوف لکھتے ہیں کہ اس تمام بحث کا خلاصہ ان تین نکات میں نکال لیا جائے کہ اختلاف کی تین ہی صورتیں ہیں:

(۱) جس میں لفظ مختلف ہو جائیں اور معنی ایک رہے، اس صورت کو لغت میں 'الترادف' سے موسوم کیا جاتا ہے، مثلاً 'ھلم' کی جگہ '**تعال**' اور '**اقبل**'

(۲) جس میں معنی اور لفظ دونوں مختلف ہو جائیں، لیکن یہ اختلاف تضاد کی نوعیت کا نہ ہو، تنوع کی قبیل سے ہو۔ جس طرح قَالَ اور قُلْ ، بَاعِدْ اور بَاعَدَ. مَالِكِ اور مَلِكِ ، اَوْصَى اور وَصَّى۔

(۳) لہجات میں اختلاف یعنی کسی لفظ کی اَدا میں تبدیلی اصل لفظ اور معنی کی بقا کے ساتھ۔ مثال کے طور پر کسی کو جھکا کر یا سیدھا پڑھنا، مد اور قصر، ادغام اور عدم ادغام اسی طرح نرمی سے یا جھٹکا دے کر پڑھنا (پریشان مت ہویئے یہ اور اسی قسم کی بہت سی اصطلاحات سلفیوں کی خود ساختہ ہیں۔ یہ اللہ اور رسولؐ نے نہیں دیں۔ صدیق)

غور کیجئے، موصوف نے سبعہ اَحرف کی صرف تین اختلافی صورتیں بنا دیں۔ شاید وہ سبعہ اَحرف سے کیا مراد ہے واضح کر گئے! لیکن اس کے فوراً بعد پھر سرخی لگاتے ہیں۔

”حروفِ سبعہ سے مراد کیا ہے؟“

اور لکھتے ہیں:

”یہاں تک ذکر ہونے والی پوری بحث اور معارضات سے قاری کے ذہن میں از خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سارے اقوال ہی درست نہیں تو پھر اَحرف سبعہ سے مراد کیا ہے؟ اور اس کی ایسی کیا تفسیر کی جائے کہ نفس کو قرار اور دل کو اطمینان نصیب ہو جائے؟ اس سے پہلے کہ ہم آپ کے ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دیں، ہم اس بات کو دھرانا چاہتے ہیں جو حروف سبعہ سے متعلقہ بے شمار احادیث کے ذکر کے وقت ہم نے کہی تھی اور جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ہم نے اس کے جملہ طرق اور سند و متن میں الفاظ و صحت کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے لیکن اس سب کچھ کے باوجود ہمیں ان تمام سے کوئی بھی ایسی صریح عبارت دستیاب نہیں ہو سکی جو سبعہ اَحرف کے مراد اور مفہوم کو متعین کر دے۔ چنانچہ سبعہ احرف کا مفہوم اور مراد کیا ہے، یہ ابھی تک واضح نہیں ہو سکا۔“[1]

غور کیجئے کہ تقریباً پندرہ صفحے سیاہ کرنے کے بعد بھی موصوف پر سبعہ اَحرف کا مفہوم اور مراد واضح نہ ہو سکا! جب کہ ہم تو بہت بڑی بات کرتے ہیں کہ قرآن کریم سے، اگر ہمارے قرآن کریم سے نہیں تو چلو اپنے اختلافی انیس[19] قرآنوں میں سے، نص صریح پیش کرو کہ قرآن کریم سبعہ اَحرف میں نازل کیا گیا۔ مگر افسوس کہ یہ سلفیوں کے مقلدین اور رشدی حضرات قرآن کریم تو کیا اپنے سلفیوں کے لٹریچر میں سے بھی سبعہ احرف کا مفہوم یا مراد کیا ہے نہیں بتاسکتے، مگر پھر بھی سبعہ قراءات مختلفہ بلکہ عشرہ و عشرین مختلفہ امت پر تھوپ کر اس کو مزید اختلاف و انتشار میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ آپس ہی میں لڑتے مرتے رہیں یا اختلافات و کنفیوژن کے تحت قرآن و اسلام ہی سے مرتد ہو جائیں۔ یونکہ یہ سوال عام ہو جائے گا کہ آپ کون سے قرآن کی اتباع کر رہے ہیں معروف نسخے کی یا سلفی رشدیوں کے کسی نسخے کی؟ یہ سلفی رشدیوں کے نسخے پچھلے چودہ سو سال سے کہاں تھے؟؟ یہ نسخے تو وہ بھی نہیں جو حضرتِ امام مہدی لے کر آنے والے ہیں! تو پھر یہ کون سے امام کے پاس سے آئے ہیں؟ آگے موصوف نے مزید تیرہ[13] صفحات اختلاف ہی اختلاف اجاگر کرنے میں سیاہ کر دیئے ہیں ان کو نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ ان کا ایک اقتباس نقل کر کے ان پر بحث کو ختم کرتا ہوں۔ یہ اقتباس موصوف کی محنت سے لکھے گئے تقریباً ستائیس[27] صفحات کا لُبِّ لُباب سمجھ لیجئے:

”ہم کہتے ہیں کہ: سب سے پہلے تو قرآن میں ایسا کلمہ ہی کوئی نہیں جس کو سات وجوہ پر پڑھا گیا ہو۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سبعہ اَحرف میں سے ایک اہم تعداد کو نبی اکرم ﷺ پر عرضۂ اخیرہ میں منسوخ کر دیا گیا تھا۔ اور اسکے بعد نبی اکرم ﷺ نے جبریل پر دو مرتبہ قرآن کی تلاوت کر کے بذریعہ نص قرآن کی آخری قراءات کو ثابت کر دیا اور آیات کی ترتیب، گنتی اور منزل وجوہ کی حتمی تعیین کر دی۔ چنانچہ اس میں کوئی بھی ایسا حرف باقی نہیں رہا جو مواضع اختلاف میں چھ وجوہ سے زیادہ پر تلاوت ہو سکے۔ لہٰذا اب قرآن میں کوئی بھی کلمہ ایسا نہیں ہے جس میں چھ سے زیادہ متواتر وجوہ کی تلاوت جائز ہو۔ سوائے ان متواتر روایت کے

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۳۰

ذریعہ ثابت ہونے والی وجوہ کے جو قراءاربعہ نے روایت کی ہیں اور جنہیں 'اتحاف فضلاء البشر' میں 'البناء' نے ذکر کیا ہے۔ ان روایات کی اسانید اگرچہ حدِ تواتر کو نہیں پہنچتیں اور علماء ان پر شاذ قراءات کا حکم لگانے میں متفق ہیں تاہم یہ قراءات صحیح الاسناد ہیں اور اہلِ فن کے ہاں معلوم طرق سے مروی ہیں۔ ان قراءات کو شامل کر کے ہم مروی وجوہ کی تعداد کسی بھی حرف میں سات تک کر سکتے ہیں لیکن ان کے شامل ہونے کے بعد بھی کوئی ایسا کلمہ نہیں جس میں پھر بھی سات سے زیادہ وجوہ ممکن ہوں۔''[۱]

غور کیجئے کہ موصوف اپنے مضمون کو ختم کرتے کرتے کیسے کیسے عقدۂ لاینحل کھول گئے:

.(۱)۔...''قرآن میں ایسا کلمہ ہی کوئی نہیں جس کو سات وجوہ پر پڑھا گیا ہو''۔یعنی پورا کا پورا قرآنِ کریم سات حروف یا وجوہ پر نہیں پڑھا گیا بلکہ جگہ بے جگہ، یعنی جہاں جہاں سلفیوں کی مرضی ہوئی، اختلاف یا تبدّل یا تنوع پیدا کر دیا گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایسی کیا ضرورت پیش آگئی کہ مختلف النوع قرآن کریم شائع کرنا شروع کر دیا گیا؟؟ کیا چودہ صدیوں سے ایک ہی قرآن شافی وکافی نہیں تھا؟؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ کارنامہ دشمنانِ قرآن کی خواہش وسازش پوری کرنے کے لئے کیا یا کروایا گیا!

.(۲)۔...''سبعہ اَحرف میں سے ایک اہم تعداد کو نبی اکرم سلامٌ علیہ پر عرضۂ اَخیرہ میں منسوخ کر دیا گیا تھا'' یعنی موصوف کو منسوخ کی جانے والی تعداد نہیں معلوم!

.(۳)۔...نبی اکرم سلامٌ علیہ نے جبریل پر دو مرتبہ قرآن کی تلاوت کر کے بذریعہ نص قرآن کی آخری قراءات کو ثابت کر دیا اور آیات کی ترتیب، گنتی اور منزّل وجوہ کی حتمی تعین کر دی۔ گویا کہ سبعہ قراءات میں سے کم از کم تین قراءات باقی رہ گئیں اور چار منسوخ ہو گئیں (قراءات جمع کا صیغہ ہے اور کم از کم تین یا اس سے زائد پر استعمال ہوتا ہے)۔ جبکہ موصوف اپنے اسی مضمون میں قول خامس اور اس کی بحث وتمحیص میں یہ لکھ چکے ہیں کہ حافظ ابنِ جریر کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو ایک حرف اور ایک ہی مصحف پر جمع کر دیا تھا جو کہ ایک حرف پر تھا اور باقی چھ حروف کو ختم کر دیا تھا اور امت پر ان چھ کی تلاوت، ممنوع ومنسوخ کر دی تھی۔[۲] ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل رسول ہی کی اتباع واطاعت میں تھا کہ عرضۂ اَخیرہ میں چھ حروف منسوخ کر کے صرف ایک قراءت قریش ہی باقی رکھی گئی تھی۔ تو پھر اب موصوف چار حروف یا قراءات کیسے باقی رکھ سکتے ہیں؟ اس کے لئے موصوف نے تھوڑا سا مکر سے کام لے کر اپنا پچھلا جملہ لکھا کہ ''سبعہ حروف میں سے ایک اہم تعداد کو نبی اکرم سلامٌ علیہ پر عرضۂ اَخیرہ میں منسوخ کر دیا گیا تھا''۔ حافظ ابنِ جریر اور اس جملہ کے تضاد یا مکر کو نوٹ کر لیجئے۔

یہاں پر ایک بہت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماہِ رمضان میں پورے قرآن کو، جن میں نہ جانے کتنی قراءتیں و حروف شامل کر دیئے گئے تھے، دو مرتبہ پڑھ کر بڑے حافظ جی کو سنانا، پھر اس کی تصحیح لینا، کچھ بھلانا، کچھ نیا شامل کرنا وغیرہ (معاذ اللہ) ممکن بھی تھا؟؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ ہمارے پاکستانی قاری کی طرح سپر اسپیڈ سے پانچ روز میں یا دس روز میں ختمِ قرآن کر لیتے تھے اور سپر اسپیڈ ہی میں تصحیح بھی کر لیتے تھے؟ یا پھر کہیں بڑے حافظ جی کے سینے پر' پروں کے بیچ' ہاتھ مار کر کوئی جادو کر دیتے تھے کہ ان کی بھی اسپیڈ سپر ہو جاتی تھی (معاذ اللہ) جب رسول پر جادو کا اثر ہو جاتا تھا

[۱] ایضاً۔ صفحہ ۲۳۹ ...... [۲] ایضاً۔ صفحہ ۲۱۷ اور ۲۲۶

یاہو گیا تھا، بقول ہمارے سلفی مُلّا کے، تو پھر تو وہ دوسروں پر بھی جادو کر سکتے ہوں گے! غور کیجئے کہ بڑے حافظ جی کو روزانہ رات میں دو مرتبہ قرآن کریم سبعہ قراءات میں سنانا، پھر حکمرانی کرنا، بازاروں کا چکر لگانا، گھر داری اور اہل بیتؓ کی خبر گیری کرنا، جنگ کی تیاری کرنا۔ وفود و سفراء سے ملاقاتیں کرنا۔ دن کے دیگر معمولاتِ زندگی و حکومت چلانا............... کیا یہ سب ایک ماہ میں بغیر جادو کے ممکن تھا؟؟ اور پھر تمام صحابہ کو منسوخ آیات و آخری بچی کھچی روایت کے بارے میں مطلع کرنا۔ کاتبین سے ان کو لکھوانا اور ان کا بلاغ کرنا ممکن تھا۔ یہ علیحدہ راز کی بات ہے کہ رسول سلامٌ علیہ کا بلاغ حضرات عمر، ابی بن کعب، ہشام بن حکیم رضوان اللہ علیہم اجمعین تک نہیں پہنچا لیکن چوتھی صدی میں اماموں اور محققین تک پہنچ گیا!

محترم مُلّا صاحبان! ایسی ناممکن یا مزاحیہ بات لکھتے وقت کچھ تو عقل سے کام لے لیا کریں کہ کیا لکھ رہے ہیں، نیز تھوڑا سا احساس یا غیرت بھی کر لیا کریں کہ کس کے لئے کیا لکھ رہے ہیں۔ ہر وہ بات صحیح نہیں ہو سکتی جو آپ کے سلف لکھ گئے اور نہ ہی اللہ یا رسول کا ایسا کوئی حکم ہے کہ سَلف کی بات آنکھیں، دل و دماغ اور کان بند کر کے مان لیا کرو (انہیں تین چیزوں کے استعمال کے بارے میں یوم قیامت سوال ہو گا(۳۶/۱۷) حد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کریمہ پر بھی آنکھیں بند کر کے گرنے کو نہیں کہا(۷۳/۲۵) بلکہ جو لوگ عقل نہیں استعمال کرتے اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھور ڈنگر بلکہ ان سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔(۱۷۹/۷ ، ۲۲/۸ ، ۴۴/۲۵) اور ایسے لوگوں پر وہ نجاست ڈال دیتا ہے۔(۱۰۰/۱۰)

.(۴)۔... آگے موصوف فرماتے ہیں: ”چنانچہ اس میں کوئی بھی ایسا حرف باقی نہیں رہا جو مواضع اختلاف میں چھ وجوہ سے زیادہ پر تلاوت ہو سکے۔ لہٰذا اب قرآن میں کوئی بھی کلمہ ایسا نہیں ہے جس میں چھ سے زیادہ متواتر وجوہ کی تلاوت جائز ہو۔“ معلوم نہیں موصوف اب یہ چھ کا لفظ یا تصور کہاں سے لے آئے۔ اگر چھ قراءات منسوخ ہو چکیں تو پھر ان پر یا ان سے زائد پر تلاوت کیسے جائز ہو سکتی ہے؟؟؟

.(۵)۔...ہاں وہ قراءات جائز ہو سکتی ہیں جو متواتر روایات کے ذریعہ ثابت ہوں جو قراء اربعہ نے روایت کی ہیں۔ یہ قراء اربعہ کون ہیں اور کہاں سے آئے؟ ابھی تک قراء سبعہ یا عشرہ کی حکمرانی تھی! اگر ان قراء اربعہ کی روایات بھی جائز ہیں تو پھر جائز قراءات کتنی ہوئیں؟ یہ محض اختلاف بڑھانے اور کنفیوژن قائم رکھنے کے لئے جائز قرار دی جا رہی ہیں!

.(۶)۔... سب سے دلچسپ بات یہ کہ موصوف ان چار قراء کی روایات کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ اُن روایات کی اسانید تواتر کو نہیں پہنچتیں اور علماء ان پر شاذ قراءات کا حکم لگانے میں متفق ہیں تاہم یہ قراءات صحیح الاسناد ہیں اور اہل فن کے ہاں معلوم طرق سے مروی ہیں۔“ غور کیجئے کہ ان اربعہ قراءات کی روایات کی اسانید حد تواتر کو نہیں پہنچتیں یعنی غیر متواتر ہیں مگر صحیح الاسناد ہیں مگر علماء ان پر شاذ قراءات کا حکم لگانے میں متفق ہیں تو شاید موصوف کا اشارہ قراءات عشرہ کے علاوہ دیگر قراءات اربعہ کے بارے میں ہے جس کے بارے میں موصوف کے بقول بھی، اور کئی سَلفی رُشدی حضرات کے ان تین رسالوں (رُشد) میں مضامین کے مطابق، قراءات عشرہ کے علاوہ سب شاذ قراءات ہیں! مگر افسوس کہ سَلفی رُشدی محققین نے انہی شاذ قراءات کو اپنی سولہ[۱۶] قراءات میں مدوّن و مرتب کیا ہے۔ ہم یہاں پر محترم ڈاکٹر عبد العزیز القاری صاحب کے مدبرانہ مضمون پر تبصرہ ختم کرتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں۔

کیاحدیث سبعۃ اَحرف متشابہات میں سے ہے؟

اب ہم پاکستان میں پانی پتی سلسلہ قراءات کے بانی استاد (خیال رہے کہ پانی پتی قراءت یا مصری قراءت وغیرہ محض ان علاقوں کے لہجات ہیں مختلف النوع و مختلفہ قراءات نہیں) محقق عالمِ دین اور فن قراءت کے نامور استاد مولانا و شیخ القراء قاری محمد طاہر رحیمی صاحب مرحوم کی ایک تحریر، جو کہ ادارہ رُشد نے اپنے حصہ دوم میں شائع کی ہے بنام "کیا حدیث سبعۃ اَحرف متشابہات میں سے ہے؟" کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھئے کہ اس عنوان سے آپ پریشان نہ ہوئیے یونکہ متشابہات توصرف آیاتِ الٰہی میں ہوتی ہیں' بموجب حکم الٰہی (۳/۷، ۳۹/۲۳) مگر افسوس کہ چونکہ سَلفی رُشدی حضرات اپنی گھڑنت روایات کو بھی (نام نہاد احادیث) قرآن کی طرح نازل شدہ اور **مثلہٗ و معہٗ** مانتے ہیں، بلکہ قرآن پر قاضی بھی مانتے ہیں اس لئے ادارہ نے یہ متشابہات والا عنوان قائم کیا ہے۔ اب دیکھئے کہ موصوف سبعہ اَحرف سے کیامراد ہے کے بارے میں کیافرماتے ہیں:

"در حقیقت سبعہ اَحرف کے متعلق پانچ طرح کی احادیث وارد ہوئی ہیں:

اوّل: وہ احادیث جن میں سبعہ اَحرف بمعنی 'سبعہ معانی آیات قرآنیہ ہے، یہ وہ احادیث ہیں جن میں "**انزل القرآن علی سبعۃ أحرف لکل آیۃ منھا ظھر و بطن و لکل حدٌ مطلعٌ**" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں............مقصد یہ ہے کہ ہر آیت کے سبعہ معانی ہیں:

(۱)۔ظاہری لغوی معنی (۲)۔باطنی تفسیری مقصودی معنی

(۳)۔اَسرار و نکاتِ بلاغت (۴)۔خواص و کیفیات

(۵)۔فوائد و معارف (۶)۔اَحکام مستنبطہ

(۷)۔مسائل سلوک مستنبطہ .... (یعنی یہاں سے وہ تصوف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔صدیق)

دوم: وہ احادیث جن میں سبعہ ابوابِ جنت سے 'سبعہ انواع مضامین' پر نزول قرآن کا تذکرہ ہے، ان احادیث میں سبعہ احرف بمعنی سبعہ انواع مضامین قرآن ہے، مثلاً حدیث ابنِ مسعودؓ، مرفوعاً کے مطابق پہلی کتب سماویہ صرف ایک ایک جنتی دروازہ سے، صرف ایک ایک مضمون پر ہی مشتمل ہو کر نازل ہوئی ہیں (مثلاً زبور میں صرف تذکیر و موعظت کا اور انجیل میں صرف مجد و ثناءِ باری کا ذکر تھا) لیکن قرآن کریم سات جنتی دروازوں سے سات قسم کے مضامین پر مشتمل ہو کر نازل ہوا ہے، وہ یہ ہیں؟

(۱)۔ترکِ منہی (۲)۔علم بالاٴمر

(۳)۔تحلیلِ حلال (۴)۔تحریمِ حرام

(۵)۔**علم بالمحکم** (۶)۔ایمان بالمتشابہ

(۷)۔اتّعاظ بالامثال

(قارئین! یہ تمام اصطلاحات واقسام پڑھ کر گھبرائیے نہیں۔ اصطلاحات بنانا اور ہر چیز میں قسمیں بنانا علماء اور بالخصوص دیوبندی علماء کا خاصہ ہے حتیٰ کہ انہوں نے **کُلِّ بِدعۃ ضَلالۃ** کے مقابلہ پر بدعت کی بھی دو

قسمیں کرڈالیں۔ ایک بدعت حسنہ اور دوسری بدعت سیئہ)

سوم: وہ احادیث جن میں ابتداً تسہیلِ امت کے لئے 'سبعہ کلمات مترادفات' کے مطابق قراءتِ قرآن کی اجازت کا تذکرہ ہے۔ لیکن بعد میں یہ اجازت عرضۂ اخیرہ سے بھی قبل منسوخ وموقوف ہو گئی۔ اور قراءتِ بالمترادفات کی قطعاً ممانعت ہے۔ (قارئین! موصوف کے اس فتویٰ کو نوٹ کرلیں۔ صدیق)

چہارم: وہ احادیث جن میں تسہیل امت ہی کے لئے سبعہ اَحرف بمعنی 'سبعہ لغاتِ عرب' پر نزولِ قرآن کا تذکرہ ہے جنہیں قراء واہل فن اپنی اصطلاح میں 'اصول' اور 'فروش کلیہ' سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً................ حَتّٰی کی بجائے عَتّٰی ہذیل کا لغت ہے، لمبی تارحمت، نعمت وغیرہ پر وقف بالہاء قریشی اور وقف بالتابنی طے کا لغت ہے،................

نیز یہ وہ احادیث ہیں جن میں مطلق "انزل القرآن علی سبعۃ اُحرف" کے الفاظ کے بعد کلھا شافٍ کافٍ آیا ہے................ اہلِ عرب کو سہولت و آسانی کے لئے قرآن کریم کو نقل وروایت اور تلقی ومشافہت کی روشنی میں سات لہجات ولغات میں قراءت کرنے کی اجازت دی گئی۔ کہ ان سات لغات والے قبائل میں سے ہر قبیلے کو اپنے لغت کے مطابق تلاوت کرنے کی اجازت ورخصت دے دی گئی۔ امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ کے مطابق وہ سات لغات یہ ہیں:

(۱) قریش... (۲) ہذیل... (۳) ثقیف... (۴) ہوازن... (۵) کنانہ (۶) تمیم اور... (۷) یمن

اور بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ وہ سات لغات یہ ہیں:

(۱) قریش (۲) خزاعہ (۳) سعد بن بکر (۴) جشم بن بکر (۵) نصر بن معاویہ (۶) ثقیف اور (۷) بنی درام

[فضائل القرآن الامام ابی عبید۔ ص ۲۰۴]

(غور کیجئے کہ موصوف خود مان رہے ہیں کہ فنِ قراءت، رسول اللہ سلامٌ علیہ کا دیا ہوا نہیں بلکہ قراء واہل فن کا بنایا ہوا ہے اور اصطلاحات بھی انہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ نیز یہ بھی نوٹ کیجئے کہ موصوف خود لہجات کی بات کر گئے مگر لغات زبردستی میں گھسا رہے ہیں، جبکہ قبیلوں کے معاملہ میں بھی اختلاف ہے۔ اور ایک صحابیِ رسول حضرت عبد اللہ بن عباس (م ۶۹ھ) کا موازنہ تیسری صدی ہجری کے ابوعبید قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) سے کر رہے ہیں۔ صدیق)

....

اُمیّت (ناخواندگی ونانوشتگی) عرب کا مشہور وصف تھا، اُمیین کے لئے بالخصوص ایک حرف ولغت کی پابندی میں زیادہ مشقت کا سامنا ہوتا لہٰذا سبعہ لغات واحرف کی اجازت دی گئی (یہ اجازت وسہولت غیر عرب کو کیوں نہیں دی گئی؟ صدیق) اس طرح سن رسیدہ مردوں عورتوں اور صغیر السن بچوں بچیوں کے لئے بھی ایک لغت کی پابندی کی صورت میں دشواری دوچند ہو جاتی، اس وجہ سے بھی صغیر وکبیر عرب امیین کی سہولت کے لئے ان کی لغات کے اختلاف وتفاوت کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سبعہ احرف ولغات عربیہ متعدّدہ مختلفہ کی اجازت دے دی گئی۔ جس سے یہ غرض مقصود بدرجہ اتم پوری ہو گئی کہ کم سے کم عرصے میں روئے زمین پر قرآنی قانون نافذ وشائع ہو کر فساد کا

قلع قمع ہو جائے۔ (غور کیجئے کہ موصوف امیت بمعنی ناخواندگی وناتوشتگی لے رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں اُمّی یا اُمیّین ان عرب کا وصف بتاتے ہیں جن تک اللہ کا کوئی نبی یا اللہ کی کوئی کتاب نہیں پہنچی تھی اور نہ وہ اس کو پڑھتے تھے (۷۸/۲ ، ۱۹/۵ ، ۴۶ ، ۲۸/۴۴ ، ۴۴/۳۴ ، ۶/۳۶ ، ۳/۳۲ ، ۲۰/۳) جبکہ موصوف یہ مشہور وصف عرب کا بتا رہے ہیں جبکہ یہ سارے مُلّا اسی دَورِ جہالت کے عرب شعراء وغیرہ کے اشعار سے عربی سیکھ کر تفسیروں پر تفسیریں لکھتے رہتے ہیں! انہی شعراء کے سبعہ معلقات کعبہ کی دیواروں پر لکھ کر لٹکائے جاتے تھے اور وہ آج تک ملاؤں کے پاس محفوظ ہیں! یہ الگ بات ہے کہ شعراء کو اپنے قصیدے یا سبعہ معلقات لکھنے کے لئے اور لٹکانے کے لئے ایسی چیز مثل کوئی خاص کپڑا یا جھلی وغیرہ میسر تھی اور وہ ہڈیوں، پتوں اور پتھروں وغیرہ پر نہیں لکھ کر لٹکاتے تھے جبکہ ظالم مُلّا کہتا ہے کہ اللہ کی الکتاب لکھنے کیلئے کوئی اچھی چیز میسر نہ تھی بلکہ وہ کھجور کی ٹہنیوں وپتوں، ہڈیوں، پتھروں وغیرہ پر بے ترتیب لکھا جاتا تھا۔ معاذ اللہ۔ صدیق)......................

پنجم: وہ احادیث جن میں "سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ انواع اختلافاتِ قراءت" پر نزول کا تذکرہ ہے جن کو قراء واہل فن اپنی اصطلاح میں "جزوی فرش الحروف" سے تعبیر کرتے ہیں، یہ وہ احادیث ہیں جن میں جزو غالب کے طور پر مختلف قراءات اور مخصوص فرشی اختلافات کی بابت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے باہم مخاصمہ و نزاع کا اور پھر سبعہ احرف پر نزولِ قرآن کے حوالے سے ہر صحابی کی قراءت کے متعلق فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "قد أحسنت"، "كذلك انزلت"، "قد أصبتَ" وغیرہ کا بیان ہے .... ان احادیث میں سبعہ اَحرف کا مصداق جزوی و مخصوص فرش الحروف کی سبعہ انواع اختلاف لفظی و قراءتی ہیں۔

'حرف' کے اصل معنی 'وجہ' اور 'نوع' کے ہیں اور یہاں قراءت و تلفظِ الفاظ قرآنیہ کی سات اوجہ وانواع مراد ہیں جو بقول علامہ محقق ابن الجزریؒ الحصن الحصین حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ تغیر حرکت مع اتحاد المعنی أُفٍّ ، أُفِّ ، أُفَّ ، يَحْسَبُ ، يَحْسِبُ

(۲)۔ تغیر حرکت مع اختلاف المعنی وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُم ، وَ قَدْ اَخِذَ مِيْثَاقُكُم ، وَاتَّخِذُوا ، وَاتَّخَذُوا

(۳)۔ تغیر حرف مع اتحاد المعنی (بصطة ، بسطة)

(۴)۔ تغیر حرف مع اختلاف المعنی دون الکتابۃ (تَبْلُوا ، تَتْلُوا)

(۵)۔ تغیر حرف مع اختلاف المعنی والکتابۃ جمیعاً (اَشَدّ مِنهُمْ ، أَشَد مِنكُمْ

(۶)۔ تقدیم وتاخیر (وَ قَتَلُوا وَقُتِلُوا ، اور وَ قُتِلُوا وَ قَتَلُوا)

(۷)۔ زیادت ونقص حرف (وَمَا عَمِلَتْهُ ، وَمَا عَمِلَتْ) .... [۱]

غور کیجئے کہ ہر بات میں، ہر چیز میں اختلاف ہی اختلاف اور ایک قرآن کریم کے الفاظ و اعراب وغیرہ میں مختلف النوع تبدل کرنے کی کوشش تا کہ اختلافات کے نتیجہ میں امّت اور قرآن کریم کا شیرازہ بکھر جائے۔

[۱] ایضاً۔ صفحہ ۲۴۳۔۲۴۸ (ملخصاً)

(معاذ اللہ) آگے موصوف نئی سرخی لگاتے ہیں:

مختلف قراءات کی متنوع و معجزانہ توجیہات و تعبیرات کی چند مثالیں:

.مثال نمبر ۱: بقرہ رکوع نمبر ۲ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ میں دو قراءتیں ہیں۔ ایک اسی طرح بابِ ضَرَبَ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ "منافقین کے لئے دردناک عذاب ہے بسبب اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے" دوسری بِمَا كَانُوْا يُكَذِّبُوْنَ باب تفعیل سے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "بسبب اس کے کہ وہ جھٹلاتے بھی تھے۔ فیا سبحان اللہ!

.مثال نمبر ۲: بقرہ رکوع نمبر ۴ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا میں دو قراءتیں ہیں۔ ایک اسی طرح فَاَزَلَّهُمَا ازلال سے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہما السلام دونوں کو جنت سے پھسلا دیا۔" دوسری فَاَزَالَهُمَا ازالہ سے، جس کے معنی یہ ہیں کہ "شیطان نے ان دونوں کو جنت سے ہٹا دیا اور دُور کر دیا۔ پس ان کے اس عیش سے نکال دیا جس میں وہ تھے"۔ ظاہر ہے کہ پھسلانے کے نتیجے ہی میں دونوں کو جنت سے نکالا گیا لہٰذا دونوں قراءتوں کی تعبیرات کا حاصل مفہوم ایک ہی ہوا۔ فیا سبحان اللہ!

.مثال نمبر ۳: بقرہ رکوع نمبر ۴ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ بنصب اٰدَمُ و رفع كَلِمٰتٌ میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح برفع اٰدَمُ و نصب كَلِمٰتٍ ۔ جس کے معنی یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی جانب سے کچھ دعائیہ کلمات حاصل کر لئے۔ دوسری فَتَلَقّٰۤى اٰدَمَ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰت بنصب آدم و رفع كَلِمٰتٌ ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ "آدم علیہ السلام کو اپنے پروردگار کی جانب سے چند کلمات حاصل ہو گئے" پہلی قراءت حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری کے لحاظ سے ہے جبکہ دوسری قراءت بارگاہِ الٰہی میں اس گریہ و زاری کی قبولیت اور پھر اس کے نتیجے میں عطاءِ کلمات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ فیا سبحان اللہ۔

.مثال نمبر ۴: بقرہ رکوع نمبر ۶ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح وَلَا يُقْبَلُ بیا التذکیر، کیونکہ شَفَاعَةٌ کی تانیث غیر حقیقی اور صرف لفظی ہے اور فعل و فاعل میں منھا کا فاصلہ بھی ہے اس لئے اس کو تذکیر کی یاء سے پڑھا گیا جیسا کہ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ انعام رکوع نمبر ۲۰ اور لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ القلم رکوع نمبر ۲ میں بھی فاعل کی لفظی تانیث کی وجہ سے تذکیر آئی ہے دوسری وَلَا تُقْبَل بتاء التانیث کیونکہ اس کا فاعل شَفَاعَةٌ ہے جو لفظاً مؤنث ہے اس لیے فعل کا مؤنث لانا بھی بلاشبہ درست ہے۔ فیا سبحان اللہ

.مثال نمبر ۵: بقرہ رکوع نمبر ۹ وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح بالتوحید، کیونکہ خطیئہ سے مراد کفر اور جنسِ کبائر ہے دوسری خَطِيْٓـٰٔتُهٗ بالجمع، کیونکہ خطیئات سے مراد کبیرہ گناہ ہیں جو متعدد ہیں نیز کفار بہت سے ہیں جن پر آیت کا آخر فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ دال ہے یا کفر پر قائم رہنے کو بار بار گناہ کے مرتبے میں قرار دیا گیا ہے۔ فیا سبحان اللہ۔

.مثال نمبر ۶: بقرہ رکوع نمبر ۱۵ فَاُمَتِّعُهٗ میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح بتشدید التاء، باب تفعیل

سے ، جو کثرت پر دال ہے یعنی "میں کافروں کو تھوڑے زمانے اور صرف دنیوی زندگی کی حد تک خوب سامانِ عیش دوں گا" دوسری فَأُمْتِعُهُ بتخفیف التاء، باب افعال سے اور یہ قَلِيْلًا کے مناسب ہے جو بعد میں آرہا ہے یعنی "بمقابلۂ نعمائے آخرت میں کافروں کو صرف دنیوی زندگی کا تھوڑا بہت سامانِ عیش دوں گا" حاصل یہ ہے کہ تکثیر بلحاظِ نعمائے دنیا اور تقلیل بمقابلۂ نعمائے آخرت ہے، ظاہر ہے کہ دونوں ہی قراءتیں اپنی اپنی جگہ بر حق ہیں۔ فیا سبحان اللہ

.مثال نمبر ۷: بقرہ رکوع نمبر ١٦ اَمْ تَقُوْلُوْنَ میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح بتاء الخطاب ، اس میں ما قبل کے چار خطابات قُلْ اَتُحَاجُّوْنَنَا ، وَرَبُّكُمْ ، وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ اور بعد کے دو خطابات ءَ اَنْتُمْ ، عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ان چھ ضمائرِ خطاب کی رعایت ہے دوسری أَمْ يَقُوْلُوْنَ بیاء الغیب، اس میں ما قبل کی پانچ ضمائرِ غیب فَاِنْ اٰمَنُوْا ، فَقَدِ اهْتَدَوْا ، وَاِنْ تَوَلَّوْا ، فَاِنَّمَا هُمْ ، فَسَيَكْفِيْكَهُمُ الله کی رعایت ہے نیز اس میں قل أتحاجّوننا وغیرہ کے خطابات کے لحاظ سے خطاب سے غیب کی طرف التفات کی خوبی بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ سورۂ یونس رکوع نمبر ۳ میں (حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ) کے بعد (وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ) میں بھی خطاب سے غیب کی طرف التفات ہے۔ فیا سبحان اللہ!

.مثال نمبر ۸: بقرہ رکوع نمبر ١٨ (وَتَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ) میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح حَتّٰى يَطْهُرْنَ باب كَرُمَ سے، اس کے معنی یہ ہیں کہ "حیض والی عورتوں سے صحبت اِس وقت جائز ہے جبکہ خون کی بندش کے ذریعہ بس نفسِ طہر انہیں حاصل ہو جائے۔" یہ ان عورتوں کے بارے میں ہے جن کا خون پورے دس دن پر بند ہوا ہو، دوسری حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ باب اِفَعَّل سے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ "حیض والی عورتوں سے صحبت اس وقت جائز ہے جبکہ وہ خوب پاک صاف ہو جائیں" یعنی خون کی بندش کے بعد غسل بھی کر لیں، کیونکہ تخفیف کے مقابلہ میں تشدید معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، یہ ان عورتوں کے متعلق ہے جن کا خون دس دن سے کم پر بند ہوا ہو ان سے بغیر غسل کئے صحبت جائز نہیں اس طرح دو قراءتوں میں سے ہر قراءت ایک مستقل حکم اور معنیٰ پر دلالت کر رہی ہے۔ فیا سبحان اللہ!

.مثال نمبر ۹: نساء رکوع نمبر ١٣ (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوْا) میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح فَتَبَيَّنُوا، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ "کسی نو مسلم کو جلد سے قتل نہ کر دو بلکہ تحقیق کر لو۔" دوسری فَتَثَبَّتُوْا اس کے معنی یہ ہیں کہ "اطمینان سے کام لو جلدی نہ کرو" ظاہر ہے کہ دونوں باتوں میں کوئی ضدیت نہیں کیونکہ اوّلاً اطمینانیت و سکون سے کام لیا جائے گا تو ثانیاً اسی کے نتیجے میں تحقیقِ صورتِ حال کا وقوع ہو گا۔ فیا سبحان اللہ

.مثال نمبر ١٠: مائدہ رکوع نمبر ٢ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ میں دو قراءتیں ہیں ایک اسی طرح وَ اَرْجُلَكُمْ .بنصب اللام اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ "وضو میں دونوں ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا مطلوب ہے" کیونکہ اس صورت میں یہ لفظ وُجُوْهَكُمْ پر معطوف ہو گا جو مغسول ہے۔ دوسری وَ اَرْجُلِكُمْ (بجر اللام) اس کا مفہوم

یہ ہے کہ ''وضو میں پاؤں کا مسح مطلوب ہے'' کیونکہ اس صورت میں یہ بِرُءُوسِکُمْ کے لفظ رُءُوسِکُمْ پر معطوف ہو گا جو ممسوح ہے۔ آنحضرت نے اس کی تشریح یوں فرمادی کہ یہ دو مختلف حالتوں کے لحاظ سے دو مستقل احکامِ شرعیہ ہیں کہ مسح (**علی قراءۃ الجرّ**) موزے پہننے والے کے لئے ہے اور غسل (**علی قراءۃ النصب**) موزے نہ پہننے والے کے لئے ہے۔ فیا سبحان اللہ! [النشر: ۲۸/۱، ۲۹ مناھل العرفان للزرقانی: ۱۴۰/۱، ۱۴۱، مقدمہ کتاب المبانی: ۲۳۱، ۲۳۰] ''[1]

غور کیجئے کہ ان دس مثالوں میں سے آٹھ مثالیں صرف سورہ بقرہ سے دی گئی ہیں۔ اس کے معنی کہ مکی سورتوں میں بھی اختلاف قراءت پیدا کیا گیا جبکہ سبعہ قراءات مدینہ میں نازل ہوئیں تھیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا ابلاغ عام کیوں نہیں کیا گیا؟ اور اتنا طویل عرصہ گزرنے کے بعد اس کا ابلاغ کیونکر ممکن تھا جبکہ مسلم مملکت بہت پھیل چکی تھی؟ نیز ان دس مثالوں کے بعد تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن ایک نہیں تھا! جبکہ اللہ تعالیٰ تو ایک ہی القرآن بتاتا ہے۔ اگر آیات میں حروف کی قراءات ایک سے زائد تھیں تو وہ تو اسی القرآن الکریم میں لکھی ہونی چاہئے تھیں ان کو زبانی کلامی کیوں رکھا گیا کہ چودہ سو سال بعد سلفی رُشدی ان کو تحریر میں لا کر ایک القرآن کے بیس[20] قرآن بنادیں! مزید اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے کہ جب ایک ہی مصحف قرآن میں ایک سے زائد قراءات لکھی ہوئی نہیں تو پھر قاری دوسری قراءت کو کیونکر جان سکے گا اور اس پر عمل کس طرح کر سکے گا؟ زندہ مثال موصوف کی اوپر درج شدہ مثال نمبر ۱۰ ہے کہ سورہ مائدہ رکوع نمبر ۲ میں آیت وضو میں الفاظ ہیں وَ اَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ میں لفظ اَرْجُلَکُمْ میں حرف 'ل' پر زبر ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ 'وضو میں دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھو'۔ اور امت میں، سوائے ایک فرقہ کے، سب کا عمل اسی پر ہے۔ جبکہ سلفی رُشدیوں نے جو دوسری روایت قراءت بنائی ہے اس میں لفظ اَرْجُلِکُمْ ہے یعنی 'ل' کے نیچے زیر ہے۔ اس کے معنی ہو گئے کہ پاؤں کا بھی ٹخنوں تک مسح کرو۔ صرف ایک زبر کے زیر میں بدل دینے سے کتنا بڑا اختلاف پیدا ہو گیا! معنی میں کتنا زبردست فرق پڑ گیا! پاؤں پر مسح کرنے والا ایک علیحدہ فرقہ بن گیا امت ایک نہ رہی۔ اب پندرھویں صدی ہجری میں محقق عالم دین اور فن قراءت کے نامور استاد شیخ القراء جناب قاری محمد طاہر رحیمی صاحب مرحوم فرمارہے ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ نے اس کی تشریح یوں فرمادی کہ یہ دو مختلف حالتوں کے لحاظ سے دو مستقل احکام شرعیہ ہیں کہ مسح (**علی قراءۃ الجر**) موزے پہننے والے کے لئے ہے اور غسل (علی قراءۃ النصب) موزے نہ پہننے والے کے لئے ہے''۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ دو مستقل احکام ایک ہی الکتاب کی ایک یا دوسری آیت میں نہیں دے سکتا تھا۔ اس کیلئے اس نے ایک اور قراءت اتاری تو آنحضرت ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی۔ کہاں کس کے سامنے یہ تشریح فرمائی اس کا کوئی حوالہ موصوف نے نہیں دیا!

غور طلب حقیقت یہ ہے کہ دوسرے سلفی و رُشدی حضرات یہ تحریر فرماتے رہے ہیں کہ یہ دوسری تیسری قراءات (پہلی قراءت) کی تشریح ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ بھی کذب بیانی و دھوکہ ہے یونکہ دوسری قراءت میں صرف زبر کی جگہ زیر کا فرق ہے اور آنحضرت سلامٌ علیہ کی طرف منسوب یہ تشریح کہیں نہیں! نیز یہ بتائیں کہ یہ پہلی قراءت

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۵۰۔۲۵۱

یا اصل قراءت کون سی ہے جس کی یہ تشریح ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ پہلی یا اصل قراءت روایت حفص ہی ہے جو ساری دنیا میں پڑھی پڑھائی جاتی رہی ہے اور طبع ہوتی رہی ہے۔ جنگ عظیم دوم کے زمانہ تک ساری دنیا سے جمع کردہ بیالیس ہزار (۴۲،۰۰۰) قرآنی نسخوں میں یہود و نصاریٰ و مجوس کوئی دوسری روایت کا نسخہ نہ پا سکے۔ تو پھر اصل قراءت تو روایت حفص ہی ہوئی۔ یہ تو جنگِ عظیم دوم کے بعد کسی آمر کے ذریعہ تیونس الجزائر میں (۱۹۶۴ء میں) روایت ورش خط بدل کر خطِ مغربی میں شائع کرائی گئی۔ تاکہ امت میں تفریق پیدا کی جا سکے اور قرآن کریم کو مشکوک کر دیا جائے۔ (اس سے پہلے خطِ مغربی نام کی کوئی چیز نہیں تھی)

دراصل وضو میں پاؤں کا دھونا یا مسح کرنا ایک فقہی مسئلہ ہے جس میں قیاس کا زیادہ عمل دخل ہے۔ بلکہ وہ تو اتنا قیاسی ہے کہ آپ سوال کر دیں تو فقہاء حضرات موزوں کی نہ جانے کتنی قسمیں پیش کر دیں گے اور پھر کسی قسم پر موصوف کی تشریح لاگو کریں گے اور کسی پر نہیں۔ لب لباب یہ کہ یہ سب گورکھ دھندا ہے!

آگے دیکھئے، موصوف کیا سرخی لگاتے ہیں: (رُشد: حصہ دوم۔ صفحہ ۲۵۱۔۲۵۸)

”دَورِ عثمانی میں بعض غیر فصیح سبعہ اَحرف و لغات کی موقوفیت

دَورِ عثمانی کے مصاحفِ عثمانیہ میں ’سبعہ کلماتِ مترادفات‘ کے ان مواقع میں جن میں الفاظ کئی تھے مگر معنی سب کے ایک ہی تھے ہر ہر جگہ حرف قریش کے مطابق صرف ایک ایک اسی کلمۂ مترادفہ کو باقی رکھ کر، جس کے موافق اولاً قرآن کریم نازل ہوا تھا۔ عثمانی مصاحف لکھے گئے اور بقیہ چھ لغاتِ مترادفہ کا ان مصاحف میں قطعاً لحاظ نہ رکھا گیا مثلاً قل تعالوا، قُلْ هَلُمَّ میں اَقْبِلُوْا اَسْرِعُوْا اِعْجَلُوْا اور تَعَالٰی اَقْبِلْ اَسْرِع اِعْجَل کا اور مَشَوْا فِيْهِ میں مُرُّوْا فِيْهِ سَعَوْا فِيْهِ کا اور لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا انْظُرُوْنَا میں اَخِّرُوْنَا اُرْقُبُوْنَا کا اور وَ اَقْوَمُ قِيْلًا میں اَصْوَبُ قِيْلًا اَهْيَا قِيْلًا کا لحاظ نہ رکھا گیا۔ (غور کیجئے کہ قرآنی سبعہ احرف اور ان میں غیر فصیح حروف و لغات! یہ چوٹ کس پر ہوئی؟ صدیق)

مگر مترادفات کے علاوہ ”سبعہ لغاتِ عرب“ اور ”سبعہ انواع اختلافِ قراءت“ کا ان مصاحف عثمانیہ میں عرضۂ اخیرہ اور لغتِ قریش کی روشنی میں یقیناً لحاظ رکھا گیا تھا۔ اور ان کو ثابت و بدستور رکھا گیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ دورِ عثمانی میں قریشی حرف و لغت و وجہِ اختلافی کو تو حسبِ سابق کلی طور پر باقی رکھا گیا تھا اور اس کا کوئی فرد بھی موقوف نہ کیا گیا تھا لیکن غیر قریشی باقی چھ احرف و لغات و انواع اختلافِ قراءت میں سے جزوِ غالب کے طور پر صرف ان احرف و لغات و اختلافاتِ قراءت کو باقی رکھا گیا تھا جو اس عرضۂ اخیرہ اور آخری دَورِ نبوی میں بھی مقروء ہوئے تھے جو حضور امین ﷺ نے آخری سال وفات میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ماہِ رمضان المبارک میں فرمایا تھا اور لغتِ قریش کے تابع ہو کر وہ لغات و اختلافات عند قریش بھی معتبر و متداول و مقبول و مستعمل ہونے لگ گئے تھے اور انہیں کی لغت میں شامل ہو گئے تھے۔ (یہاں موصوف نے مان لیا کہ قرآن کریم اولاً صرف قریش کی لغت یا لہجہ یعنی قراءت پر نازل ہوا تھا اور مصاحف عثمانی اسی میں لکھے گئے۔ رُشدی بالکل جھوٹ بولتے ہیں کہ ان میں ساتوں قراءتوں کا لحاظ رکھا گیا۔ صدیق)

عرضۂ اخیرہ کے مطابق اختلافاتِ قراءت

نیز غیر قریشی لغاتِ ستہ فصیحہ معتبرہ عند قریش غیر منسوخ کی امثلہ

(۱) امالہ نجد تمیم کا قیس کا لغت

(۲) فُعل کے وزن میں عین کلمہ کا سکون مثلاً عُذْراً أَوْ نُذراً ، نُکرًا یُسرًا تمیم اسد قیس کا لغت

(۳) ضَعف میں ضاد کا فتحہ تمیم کا لغت

(۴) ہمزۂ ساکنہ کی تحقیق مثلاً یُؤْمِنُوْنُ ، کَدَأْبِ بِئْسَ وغیرہ تمیم کا لغت

(۵) بِزُعْمِهِمْ میں زا کا ضمہ اسدی لغت

(۶) یَقْنَط میں نون کا فتحہ نجد کا لغت

(۷) مَنْ یَرْتَدَّ میں اسی طرح ادغام تمیم کا لغت

(۸) خُطُوٰتِ میں طا کا سکون تمیم و بعض قیس کا لغت

(۹) قِیْلَ وغیرہ میں اشمال عقیل اسد قیس کا لغت

(۱۰) آیاتِ زوائد وَجْهِيَ لِلّٰه وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ے، یَوْمَ یِأْتِ ے لَا تَکَلَّمُ وغیرہما میں یا کا حذف ہذیل کا لغت

(۱۱) یٰاَیُّهُ السّٰحِرُ وغیرہ میں ہا کا ضمہ بنی اسد کا لغت

(۱۲) لمبی تا مثلاً ذِکْرُ رَحْمتِ رَبِّكَ ، یَعرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ وغیرہما وقف بالتّا (رحمت نعمت) بنی طے کا لغت (اور مروّجۂ غالب روایت حفص میں بھی ان میں سے اکثر و بیشتر لغات مقروء و موجود ہیں) وغیرہ ذلک۔

دورِ عثمانی میں ایسے اختلافاتِ قراءت اور ایسے لغات قطعاً منسوخ نہ ہوئے تھے بلکہ بحال و بدستور ہی رہے تھے۔ البتہ ان کے علاوہ حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دَور مبارک میں سداً لباب النزاع و اعتباراً لانتهاء الحكم بانتهاء العلّة باجماع صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان بعض اختلافاتِ قراءت کو جو عرضۂ اخیرہ میں مقروء نہ ہوئے تھے نیز غیر قریشی ان بعض چھ احرف و لغات کو جو نہ تو عرضۂ اخیرہ میں مقروء ہوئے تھے اور نہ ہی وہ عند قریش معتبر و مقبول و متداول و مستعمل تھے موقوف قرار دے دیا تھا۔ مثلاً وَ جَآءَ سَکْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْت والا اختلاف قراءت موقوف فرما دیا جو عرضۂ اخیرہ میں نہ تھا۔ سورہ الیل میں وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰى والی قراءت کی ممانعت فرمادی جو عرضۂ اخیرہ میں نہ تھی۔ سورۃ الذاریات میں اِنِّیْ اَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ والی قراءت موقوف فرمادی جو عرضۂ اخیرہ میں نہ تھی۔ اسی طرح حَتّٰی کی جگہ عَتّٰی بلغة هذیل پڑھنے کی اجازت موقوف فرمادی۔ علامت مضارع کا کسرہ تِعْلَمُوْنَ ، اِعْهَد وغیرہ بلغة اسد پڑھنا ناجائز قرار دے دیا، رِدُّوا میں بلغة بنی تمیم را کو کسرہ سے پڑھنے کی ممانعت فرمادی، کیونکہ عرب لسانی تعصب کا جو اندیشہ شروع زمانۂ اسلام میں تھا اب اس کا خاتمہ ہو چکا تھا لہٰذا صرف لغات معتبرہ عند قریش پر اکتفا کیا گیا اور پچاس ہزار (۵۰،۰۰۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع و اتفاق سے لغات غیر

معتبرہ عند قریش کی اجازت موقوف کر دی گئی [1]۔ (صحابہ کرام کے اتنے بڑے اجتماع کا اجماع و اتفاق نوٹ کر لیجئے کہ مصحف عثمانی صرف لغات قریش میں تحریر کیا گیا۔ صدیق)

عرضۂ اخیرہ میں غیر میں غیر مقروء اختلافات قراءت

نیز غیر قریشی لغات ستۂ منسوخۂ شاذہ غیر فصیحہ غیر معتبرہ عند قریش کی بعض دیگر امثلہ

(۱)۔ اِذَا جَاءَ فَتْحُ اللّٰهِ وَالنَّصْرُ

(۲)۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدِنَاكَ

(۳)۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّ قَدْ تَبَّ

(۴)۔ جملہ قراءات تفسیریہ مثلاً سورۃ البقرۃ رکوع ۲۵ میں اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مَنْ رَّبِّكُمْ کے بعد فِيْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ۔ سورۃ الانفال رکوع ۱۰ میں وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ۔ سورۃ الجمعہ رکوع ۲ فَامْضُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ سورۃ القارعہ میں كَالصَّوْفِ الْمَنْفُوْشِ سورۃ الکہف ۱۰ میں يَاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا۔ سورۃ المائدہ رکوع ۶ میں فَاقْطَعُوْا اَيْمَانَهُمَا۔ اسی سورت کے رکوع ۱۲ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ۔ سورۃ یٰسٓ رکوع ۲، ۴ میں اِنْ كَانَتْ اِلَّا زَقِيَّةً وَّاحِدَةً سورۃ الاحزاب رکوع ۱ میں وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَ هُوَ اَبُوْهُمْ، سورۃ الاسراء رکوع ۳ میں وَ وَصّٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا الخ۔ سورۃ الفاتحہ میں صِرَاطَ مَنْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ... وَ غَيْرِ الضَّآلِّيْنَ۔ سورۃ الواقعہ رکوع ۳ میں وَ تَجْعَلُوْنَ شُكْرَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ۔ سورۃ النساء رکوع نمبر ۲ میں وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ منْ اُمٍّ۔ سورۃ البقرۃ رکوع ۳۱ میں وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ۔ سورۃ القلم رکوع ۲ میں وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْهِقُوْنَكَ۔ سورۃ البقرۃ رکوع ۲۳ میں وَعَلَى الَّذِيْنَ يَطَّوَّقُوْنَهٗ۔ وغیرہ ذلک

(۵)۔ بِزِعْمِهِمْ میں زا کسرہ، بعض بنی تمیم و قیس کی لغت

(۶)۔ يَقْنُطُ میں نون کا ضمہ بھی بعض تمیم و قیس کی لغت جو باب نصر سے ہے۔

(۷)۔ قِيْلَ کے بجائے قُوْلَ بنی فقعس کی لغت

(۸)۔ غَيْرَ يَاسِنٍ بنی تمیم کی لغت

(۹)۔ مَاهٰذَا بَشَرٌ بلغت ہذیل

(۱۰)۔ أَنَّ کی بجائے عَنَّ بلغت تمیم

(۱۱)۔ اَعْطٰى کی جگہ اَنْطٰى بلغت سعد بن بکر و ہذیل وغیرہما

(۱۲)۔ أَنَّكَ کی بجائے عَنَّكَ بلغت قیس و اسد و غیر ذلک

عہدِ عثمانی میں یہ تمام لغات غیر معتبرہ عند قریش منسوخ کر دی گئی تھیں۔ اب اگر لغت قریش کی تابعیت

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۵۱۔ ۲۵۲

سے قطع نظر کر کے فی حد ذاتہ ان باقی چھ اَحرف و لغات معتبرہ عند قریش کی طرف نظر کی جائے جو اوّلا مذکور ہوئیں مثلاً امالہ، سکون عین فعل، فتحہ ضعف، تحقیق ہمزۂ ساکنہ وغیرہ تب تو یہ کہا جائے گا کہ دَورِ عثمانی میں ساتوں ہی حروف ولغات کو باقی رکھا گیا تھا اگرچہ ان میں کلیت واغلبیت کا فرق ضروری تھا لیکن اگر لغت قریش کی تابعیت کو ملحوظ رکھ کر متبوع اور اصل لغت قریش کی طرف نظر کی جائے تو پھر مجازاً بایں معنی کہ تابع محکم متبوع ہی ہوتا ہے یہ کہنا بھی درست ہو گا کہ دَورِ عثمانی میں صرف لغت قریش ہی کو باقی رکھا گیا تھا اور اس کے علاوہ باقی چھ احرف ولغات کو جزوِ مغلوب کے طور پر موقوف قرار دے دیا گیا تھا۔

باقی لغت قریش کو متبوع اس لیے کہا گیا کہ وہ جامع اللغات ہونے کے سبب باقی چھ احرف و لغات کے بعض اجزاء کو بھی شامل و محیط وحاوی تھی اس بناپر مجازاًان بعض احرف ولغات ستہ باقیہ معتبرہ عند قریش کو بھی لغت قریش ہی کا نام دے دیا گیا"[1]۔

"لغت قریش کے جامع اللغات ہونے اور مصاحف عثمانیہ میں جملہ سبعہ اَحرف کی بقائیت کے چند دلائل کا تذکرہ:

دلیل نمبر ۱: صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے 'کتاب فضائل القرآن' میں ایک باب کا یہ عنوان قائم فرمایا ہے:

باب أنزل القرآن بلسان قريش و العرب قرآنا عربيا بلسان عربي مبين اور اس کے تحت جمع عثمانی کی بابت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت فرمائی ہے:

قال عثمان لهم اذا اختلفتم أنتم و زيد بن ثابت في عربية القرآن فاكتبوها بلسان قريش فان القرآن أنزل بلسانهم ففعلوا (صحیح البخاری)

اس حدیث کے ترجمۃ الباب میں 'بلسان قریش' کے ساتھ "والعرب" کے اضافہ سے امام بخاری کا یہی مقصد ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف عثمانیہ کی رسم الخط تو خاص اصل قریشی لغت' ہی کے اتباع کا حکم صادر فرمایا تھا۔ مگر قراء تاًان مصاحف عثمانیہ میں جملہ سبعہ احرف و لغاتِ عرب موجود تھے (لغت قریش بالکلیہ، لغات ستہ بالاغلبية) نیز یہ کہ لغت قریش میں نزول قرآن کا مقصد یہ ہے کہ بالجملہ قرآن سب ہی لغات عربیہ میں اترا ہے، کیونکہ لغت قریش بقیہ تمام لغات عرب کے جزوی حصے پر مشتمل و حاوی تھی۔ جس کا پسِ منظر یہ تھا کہ قریش باقی قبائل سے اختلاط رکھتے تھے اور ان کی لغات میں سے جید و فصیح لغات کی چھانٹی کر کے انہیں اپنی لغت میں شامل کر لیا کرتے تھے، لہٰذا لغت قریش میں نزول قرآن کا مقصد یہ ہے کہ بالجملہ قرآن سب ہی لغات عربیہ میں اترا ہے اور حدیث ہٰذا کے ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی ہدفِ مطلوب ہے۔(مان لیا کہ قرآن صرف لغتِ قریش میں نازل ہوا تھا۔ صدیق)

دلیل نمبر ۲: لغت قریش اپنے ماحول کی بہت سی لغات سے متاثر ہوئی اور دوسری لغات کے بہت سے الفاظ اور صیغے چن کر قریش نے اپنی لغت میں شامل کر لئے تھے جس کے متعدد عوامل و مواقع انہیں مہیا

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۵۲۔۲۵۳

ہوتے تھے مثلاً وہ بیت اللہ کے مجاورین اور مرجع الخلائق تھے، سردی و گرمی میں قریش دو اسفار کرتے تھے، عرب میں متعدّد بازار لگتے تھے، شعر و نقدِ ادب عربی کی مختلف مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں پس جب ہم لغتِ قریش بولتے ہیں تو گویا ہم اس سے وہ پوری لغت عربیہ مشترکہ مراد لیتے ہیں جو عرب کے ان جملہ چیدہ چیدہ فصیح ادباء، شعراء، خطباء کی مشترکہ زبان تھی جنہیں قرآن نے اپنے مثل صرف ایک صورت یا صرف ایک جملہ ہی بنا کر پیش کرنے کا چیلنج کیا تھا۔

دلیل نمبر ۳: ترجمہ: 'قریش' دیگر قبائل کے لغات ولہجات میں سے انتخاب و چناؤ کے بارے میں سب سے زیادہ باذوق واقع ہوئے تھے کہ وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے جو انتہائی فصیح ہوتے، بولتے وقت زبان پر بہت آسان، سننے میں پر شوکت، اندرونی جذبات و احساسات کے اظہار میں سب سے قوی اور ذہنی افکار و معانی کی تعبیر میں انتہائی واضح ہوتے تھے لہٰذا قریش افصح العرب قرار پائے۔ (الصاحبی فی فقہ اللغۃ: ۲۳)
(پھر بھی ان کو اور رسول کو بھی ان پڑھ ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے! صدیق)

دلیل نمبر ۴: ترجمہ: ''فراء کہتے ہیں کہ عرب ہر سال موسم میں آتے اور جاہلیت کے طریق پر حج کرتے تھے، قریش اس موقع پر سب عرب کے لغات سنتے اور جو لغت انہیں اچھی لگتی اسے بولنا شروع کر دیتے تھے اس طرح وہ افصح العرب بن گئے اور ان کی لغت کریہ و قبیح الفاظ سے خالی و محفوظ ہو گئی۔ امالی میں ثعلب نے بھی یہی فراء رحمۃ اللہ علیہ والی تقریر کی ہے۔'' [الزھر: ۱/۲۱۱،۲۲۱]

دلیل نمبر ۵: ترجمہ: ''قریش کے لوگ موسم حج اور عرب کے بازاروں میں نشیب و فراز سے آنے والے وفود عرب کے الفاظ میں سے جن الفاظ کو ملیح و لطیف سمجھتے ان کا چناؤ کر لیتے تھے اور پھر مزید تنقیح و تہذیب کے بعد انہیں اپنی اس مسلّمہ متفقہ ٹکسالی لغت کے دائرہ میں شامل کر لیتے جس کی مقتدائیت سب عرب کے یہاں مسلّم تھی، اسی سیاست راشدہ کے موافق قرآن کریم سبعہ احرف پر نازل ہوا، قرآن نے قریشیوں کی سیاست کے اندازے سے کہیں اونچے معیار پر قبائل عرب کی لغات میں سے جو لغات چاہیں منتخب کر لیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی بناء پر یہ کہنا یقیناً صواب و حق ہے کہ ''قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے'' کیونکہ اس نکتے کی روشنی میں کل عرب کی سب لغتیں قریشیوں کی ایک ہی لغت میں **متشخص** و مجتمع ہو گئی تھی۔
[مناھل العرفان: ۱/۱۳۹،۱۴۰] (غور کیجئے!۔ صدیق)

دلیل نمبر ۶: ترجمہ: ''اس بات سے آپ کی توجہ ہرگز نہ ہٹنے پائے کہ لغت قریش جملہ لغات عرب کی قائد و محافظ تھی، دوسری لغات کے جن الفاظ میں اہل قریش مٹھاس پاتے اور ان کے ذوق میں وہ الفاظ لطیف و فصیح ہوتے اوّلاً قریش انہیں اخذ کرتے اور پھر ان کی اقتداء میں باقی سب لوگ بھی انہیں اپنے استعمال میں لانے لگتے تھے، اس اعتبار سے لغت قریش میں ان سب لغات کا تشخص موجود ہے اور اس بناء پر یہ کہنا درست ہے کہ ''لسان قریش ہی عمومی لسانِ عربی ہے اور اسی میں قرآن نازل ہوا ہے۔'' [مناھل العرفان: ۱/۱۷۴] (تو پھر سبعہ احرف پر نزول کہاں ہوا؟؟؟ صدیق)

دلیل نمبر۷: ترجمہ: ”وجوہ سبعہ جن کے موافق قرآن کریم نازل ہوا ہے یہ سب لغتِ قریش ہی کے اندر واقع ہیں۔ جس کا پسِ منظر یہ ہے کہ قریش زمانہ قبل از نزول وحی و قرآن میں سب لغاتِ عرب کی چھان پھٹک کرتے تھے اور بازار ہائے عرب مواسم عرب، تاریخی واقعاتِ عرب نیز حج و عمرہ کے مواقع پر جائزہ لیا کرتے تھے اور ہر قبیلے کی لغات میں سے جو الفاظ انہیں چاشنی دار لگتے انہیں اخذ کر لیا کرتے اور پھر مزید تہذیب و تنقیح کے بعد ان کا اپنی زبان میں استعمال شروع کر دیا کرتے تھے اس طرح لغت قریش، قبائل عرب کی جملہ لغات میں سے پسندیدہ ومنتخب الفاظ کا مرکز واجتماعی نقطہ قرار پا گئی۔“ (مناھل العرفان ۱/۱۸۲، ۱۸۳)

دلیل نمبر۸: علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ”جس قائل نے یہ کہا ہے کہ ”قرآن لغت قریش میں نازل ہوا ہے“ میرے نزدیک اس کا مقصد یہ ہے کہ ”اکثر و بیشتر ایسا ہی ہے“ واللہ اعلم۔ وجہ یہ ہے کہ قراءات صحیحہ میں غیر لغت قریش بھی موجود ہے مثلاً ہمزات وغیرہ کی تحقیق (بلغة تميم) باوجودیکہ قریش تحقیق نہیں کرتے (بلکہ ابدال کرتے ہیں)“ [تفسیر القرطبی:۱/۴۳]

دلیل نمبر۹: اختلافاتِ قراءات کی بابت مصاحف عثمانیہ میں باہم خلافات پائے جاتے ہیں مثلاً

(۱)۔ مصاحف اہل مدینہ و شام میں سورۂ بقرۃ رکوع ۱۶ میں وَاَوْصٰى بِهَا اور مصحف کوفیین میں وَوَصّٰى بِهَا مرسوم تھا۔

(۲)۔ مصحف اہل حرمین میں سورۃ الانعام رکوع ۸ میں لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا اور مصحف کوفیین میں لَئِنْ اَنْجٰنَا مرسوم تھا۔

(۳)۔ مصاحف مکیہ وشامیہ میں سورۃ الاسراء رکوع ۱۰ میں قُلْ کی بجائے قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيْ مرسوم تھا۔

(۴)۔ مصاحف مدنیہ وشامیہ میں سورۃ الحدید رکوع ۳ میں فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ کی بجائے فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِيُّ بحذف هو مرسوم تھا، وغیر وذلک۔ (آج کہاں ہیں وہ مصاحف؟ اس کا حوالہ وثبوت کیا ہے؟ صدیق)

اگر مصاحف عثمانیہ میں صرف ایک ہی اختلافی وجہ ہوتی تو قطعاً ان کے مابین اس قسم کے خلافات نہ پائے جاتے۔ معلوم ہوا کہ جزوی فرش الحروف اور مخصوص کلمات خلافیہ کی بابت عرضۂ اخیرہ والے جملہ سبعہ اختلافاتِ قراءت مصاحف عثمانیہ میں موجود تھے۔ (بغیر نقاط و اعراب کے یہ الفاظ کس طرح لکھے گئے تھے؟۔ صدیق)

دلیل نمبر۱۰: دَورِ عثمانی کے مصاحف میں سبعہ لغات و سبعہ اختلافاتِ قراءت کی بقائیت کی ایک قوی ترین دلیل یہ ہے کہ دَورِ عثمانی کی رسم میں جو مصاحف لکھے گئے تھے وہ غیر منقوط اور غیر مشکل و بے اعراب تھے تاکہ حرف قریش کے علاوہ دیگر احرف و لغات کی نیز جملہ سبعہ اختلافاتِ قراءت کی بھی رعایت برقرار رہ سکے مثلاً موسیٰ میں سین کی کھڑی زبر تاکہ امالے والے لغت کی رعایت بھی ملحوظ رہے۔ وزن فُعل میں عین کلمہ کو

سکون سے خالی رکھا تا کہ یہ لفظ لغت ضمہ کا بھی حامل ہو سکے **ضُعف** میں ضاد کا ضمہ نہ لکھا تا کہ یہ فتحہ والے لغتِ تمیم کو بھی شامل ہو جائے **یُؤمِنُونَ** وغیرہ میں واو پر جزم نہ بنائی تا کہ تحقیق ہمزہ والے لغت تمیم کی بھی رعایت ملحوظ رہے۔ **بزَعْمِهِمْ** میں زا کو فتحہ سے خالی رکھا تا کہ یہ لفظ ضمہ ٔزا والے اسدی لغت کا بھی حامل ہو سکے۔ **وَلَا يُقْبَلُ** بقرۃ رکوع ۶ میں یا کے نیچے دو (۲) نقطے نہ بنائے تا کہ تا والی قراءت بھی ظاہر ہو جائے۔ **قَدَرُهُ**، بقرہ رکوع ۳۱میں دال پر زبر نہ بنائی تا کہ جزم والی قراءت کی بھی گنجائش رہے۔ **هَيْتَ** میں ہا کو زبر سے، یا کو دو نقطوں سے اور تا کو زبر سے خالی رکھا تا کہ یہی ایک رسم **هَيْتُ**، **هِيْتَ** ، **هِئْتَ** والی لغات و قراءات کو بھی شامل ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان مصاحف عثمانیہ کو نقاط و اعراب سے خالی رکھا (غور کیجئے کہ بقول ملّا جی کے اس وقت تک، یعنی مصحف عثمانیہ لکھے جانے تک، نہ تو نقطے ایجاد ہوئے تھے اور نہ ہی اعراب تو پھر مصاحف عثمانیہ کو نقاط و اعراب سے خالی کیونکر رکھا؟؟ کہئے ہے نا سفید جھوٹ و کذب بیانی اور بہت بڑا دھوکہ! نیز یہ غور کیجئے کہ موصوف نے صرف اعراب و نقاط کی مثالیں دی ہیں۔ جہاں تبدل الفاظ، تغیر الفاظ، حک و اضافہ کیا گیا ہے وہ کیسے ان اعراب اور نقاط میں سموئے جائیں گے؟ صدیق) تا کہ وہ مصاحف جملہ لغات و اختلافات و احرف و قراءات کے حامل ہو سکیں، یہ قول علامہ ابن الجزری اور علامہ قرطبی و امام ابو عمر والدانی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم سے منقول ہے۔ (یہ علامے کتنی صدیوں بعد ظاہر ہوئے؟۔ صدیق)

اس پورے بیان سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مصاحف عثمانیہ میں حرف و لغت قریش کے علاوہ دیگر لغات و احرف کو بالکلیہ ہی منسوخ نہ فرمایا تھا بلکہ صرف الجزئیہ نادراً و قلیلاً فقط انہی لغات کو موقوف فرمایا تھا جو عند قریش معتبر و متداول و مستعمل نہ تھے۔ باقی بالاغلبیہ ان احرف و لغات ستہ کو یقیناً ثابت و باقی رکھا تھا جو قریش کے نزدیک معتبر و متداول و مستعمل تھے۔ نیز اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ محض سطحی نظر میں جو بعض حضرات علمائے کرام یہ فرمادیا کرتے ہیں کہ عہد عثمانی میں صرف ایک ہی لغت باقی رہ گیا تھا اور باقی سب لغات ختم ہو گئے تھے اس لیے آج اختلافِ قراءت کی گنجائش نہیں یہ بات سراسر خلاف واقعہ ہے کیونکہ حالیہ جملہ قراءات عشرہ لغت قریش اور اس کے توابع باقی لغات ستہ فصیحہ معتبرہ عند قریش کی روشنی میں اس آخری عرضے والے سبعہ لغات و سبعہ وجوہِ اختلافی قراءت کے مطابق مدوّن ہوئی ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری سال وفات میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ ماہِ رمضان المبارک میں فرمایا تھا۔ اس مضمون کی مزید تفصیلات و تحقیقات ناچیز رقم کی تازہ ترین تالیف "دفاعِ قراءات" میں دیکھی جاسکتی ہیں"[1]۔ (کہیں کچھ تو کہیں کچھ! عرضہ ٔ اخیرہ والی بات اور وہ بھی دو مرتبہ کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ صدیق)

ایک شبہ اور اس کا جواب

''شبہ: یہ ہے کہ علامہ ابنِ جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول دورِ عثمانی میں سبعہ احرف میں سے صرف ایک قریشی حرف ہی کو باقی رکھا گیا تھا اور باقی غیر قریشی چھ احرف کو موقوف قرار دے دیا گیا تھا، پھر سبعہ احرف کی بقائیت کا قول کیونکر درست ہوا؟

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۵۳۔۲۵۷

الجواب: طبری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع عثمانی میں سبعہ احرف میں سے جو صرف ایک ہی حرف قریش کے بقاء کا قول کیا ہے طبری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں راجح اور آخری تحقیق کے مطابق اس کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں بدوی قسم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رعایت کی وجہ سے سَات کلمات ولغات کی حد تک ہم معنی متبادل کلمہ ولغت پڑھنے کی اجازت تھی (یہ سراسر غلط بیانی ہے یونکہ یہ آج بھی بدوی زبان عربی ہی سے عربی سیکھتے ہیں! صدیق) لیکن پھر اولاً حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ ہی میں یہ اجازت ختم کر دی گئی اس کے بعد ثانیاً جمع عثمانی کے وقت ان ستہ مترادفات کی منسوخیت کی مزید اشاعت و تشہیر کی گئی اب خاص اس ایک ہی قریشی کلمۂ مترادفہ کے پڑھنے کی اجازت ہے جس کے مطابق اولاً قرآن کریم نازل ہوا تھا مثلاً هَلُمَّ کی جگہ تَعَالَ پڑھنے کی اجازت قطعاً موقوف قرار دے دی گئی۔ (مگر رُشدی حضرات تو اب بھی اس طرح کے مترادفات پر مصر ہیں۔ نیز یہ مقصد آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے تو کہیں نہیں لکھا۔ لیکن آپ نے اخذ کر لیا! محض اس لئے کہ آپ گھما پھرا کر اپنے مطلب وعقیدہ کی طرف لانا چاہتے ہیں ورنہ نہ تو ان قراءات کا ذکر قرآن میں ہے نہ پڑھنے کی اجازت ہی ان کی منسوخی کی اطلاع۔ یہ سب کچھ دشمنان کی صدیوں بعد کی کاروائی ہے۔ صدیق)

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ قطعاً اس کے قائل نہیں کہ "سبعہ لغات غیر مترادفات" اور سبعہ وجوہ انواع اختلاف قراءات" میں سے بھی صرف ایک ہی قریشی لغت اور صرف ایک ہی اختلافی وجہ قراءت پڑھنے کی اجازت ہے اور باقی چھ لغات اور چھ اختلافی وجوہ قراءت ختم کر دی گئی ہیں۔ اس کی قوی ترین دلیل یہ ہے کہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نسخ مترادفات ستہ کے باوجود اختلافِ قراءت کے یقیناً مثبت و قائل ہیں جیسا کہ

(۱)۔ تفسیرِ طبری میں مختلف قراءات کا تذکرہ موجود ہے۔

(۲)۔ نیز طبری مقدمہ کتاب المبانی ص ۲۳۰ میں فرماتے ہیں:

"یہ سب قراءات جن میں معنی بھی مختلف ہو جاتے ہیں صحیح اور منجانب اللہ نازل شدہ ہیں لیکن بایں ہمہ یہ ان سبعہ احرف (بمعنی مترادفہ مختلفہ المادہ) سے خارج وجداگانہ ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے ان کے نزول کا ذکر کس آیت وسورۃ میں کیا ہے؟؟ صدیق)

(۳) نیز طبری رحمۃ اللہ علیہ نے 'الجامع' نامی ایک بڑی کتاب قراءات پر تالیف کی جس میں بیس سے زائد قراءات کا تذکرہ کیا۔ [النشر: ۱/۳۵] ظاہر ہے کہ یہ تمام قراء تیں 'سبعہ لغات غیر مترادفہ' اور 'سبعہ انواع اختلاف قراءت' کی روشنی میں مدوّن ہو کر معرض وجود میں آئی ہیں لہٰذا یقیناً یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی سبعہ احرف بمعنی سبعہ مترادفات اور سبعہ احرف بمعنی سبعہ لغات غیر مترادفہ، اور سبعہ انواع اختلافِ قراءت' یہ تین مستقل انواع واقسام کی احادیث ہیں جن میں سے 'سبعہ احرف بمعنی مترادفات' والی احادیث تو صرف ابتدائے اسلام کے زمانے میں معمول تھیں (ثابت کیجئے کہ سبعہ احرف والی قراءات ابتدائے اسلام یعنی مکی دَور میں بھی نازل ہوئی تھیں! صدیق) اور اس کے بعد موقوف و منسوخ ہو چکی ہیں۔ لیکن 'سبعہ احرف بمعنی سبعہ لغاتِ غیر مترادفہ' نیز 'سبعہ احرف بمعنی سبعہ انواع اختلاف قراءات' والی احادیث اب بھی بتفاصیل محررہ صدر یقیناً معمول وباقی ہیں اور یہ لغات واختلافات

قراءات عرضۂ اخیرہ اور قریشی لغت کی روشنی میں بدستور ہیں منسوخ قطعاً نہیں۔ چنانچہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب القراءات میں اپنی تحقیقی رائے کی ترجمانی یوں فرمائی ہے:

ہر وہ قراءت جس کے متعلق بروئے صحت یہ بات ہمارے نزدیک ثابت ہو چکی ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی تعلیم دی ہے وہ ان احرف سبعہ میں سے ہے جن کے موافق اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کو اور آپؐ کی امت کو تلاوت قرآن کی اجازت عنایت فرمائی ہے (کہاں ہیں وہ اجازت ؟ صدیق) لہٰذا جب کوئی شخص ایسی قراءت پڑھے بشرطیکہ وہ رسم عثمانی کی موافقت کرنے والا ہو ہمیں قطعاً اس کی تغلیط کا حق نہیں پہنچتا" [الابانۃ: ۱۲،۲۰][1]

غور کیجئے یہاں موصوف نے علامہ طبری کے بھی دونوں رخ دکھانے کی کوشش کی ہے تاکہ قراءات کے بارے میں سلفی ورشدیوں کا غیر قرآنی عقیدہ ثابت ہو جائے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ سبعہ احرف کیا ہے؟ سبعہ لغات غیر مترادفہ، سبعہ انواع اختلاف قراءات، سبعہ احرف بمعنی سبعہ مترادفات کیا ہیں؟ نیز یہ بھی غور کرلیجئے کہ علامہ طبری، جنہوں نے کہا کہ عرضۂ اخیرہ میں سوائے قراءت قریش کے دیگر قراءات منسوخ کر دی گئی تھیں وہی دیگر قراءات کو "منسوخ قطعاً نہیں" قرار دے رہے ہیں اور 'الجامع' نامی کتاب تالیف کر رہے ہیں جس میں بیس ۲۰ سے زائد قراءات کا تذکرہ کیا تھا! (کیا یہ تقیہ بازی یا دھوکہ نہیں؟؟۔ صدیق)

شیخ القراء جناب قاری محمد طاہر رحیمی صاحب مرحوم، آگے "تشکیل قراءات کا پسِ منظر" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"تشکیل قراءات کا پسِ منظر:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم، سات قبائل عرب کی سات لغات قریش [۱]، ہذیل [۲]، ثقیف [۳]، ہوازن [۴]، کنانہ [۵]، تمیم [۶]، یمن [۷]، کی اجازت کے ساتھ نازل ہوا ہے، لیکن ہر قبیلہ کو اپنی لغت میں آزادنہ پڑھنے کی قطعی کھلی چھٹی ورخصت نہ تھی بلکہ وہ اس بارے میں تلقین وتوقیف وتعلیم نبوی کے تابع وپابند تھے۔ (یہ بات کسی اور نے نہیں لکھی بلکہ قراءات سبعہ کی وجہ ہی دیگر قبائل کی لغات بتائی گئیں! صدیق) قراءات کے اُصولی اختلافات انہیں سبعہ لغات سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ رمضان المبارک میں حضور علیہ السلام کے متعدّد دَوروں میں قرآن کریم کے متعدّد کلمات وفرش الحروف، قرآنی شان اعجازی کے حامل، علم بیان وعلم بدیع کے انواع والوان کے ساتھ مختلف طرق تلفظ وانداز واَسالیب بیان وتراکیب عربیت وبلاغت پر نازل ہوئے اور وہ یہ ہیں:

(۱)۔ ابدال الحرف بالحرف مع تغیر المعنیٰ بدون تغیر صورت رسم (تَبْلُوْا۔ تَتْلُوْا)

(۲)۔ ابدال الحرف بالحرف مع تغیر المعنیٰ والصورۃ۔ (مِنْکُم ۔ مِنْهُمْ)

---

[1] ایضاً۔ رُشد حصہ دوم صفحہ ۲۵۷۔۲۵۸

(۳)۔ابدال الحرکۃ بالحرکۃ مع تغیر المعنیٰ(وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ ، وَقَدْ اُخِذَ مِیْثَاقُکُم)

(۴)۔زیادت ونقص(وَسَارِعُوْا، سَارِعُوْا)

(۵)۔تقدیم وتاخیر (فَیَقْتُلُوْنَ و یُقْتَلُوْنَ، فَیُقْتَلُوْنَ و یَقْتُلُوْنَ)

(٦) اختلاف صیغ (لا تُضَآرَّ، لا تُضَآرُّ، لا یَضِرْکُم، لا یضُرُّکُمْ، وَلَا یُقْبَل ، ولا تُقْبَلُ، یَعْمَلُوْنَ، تَعْمَلُوْنَ)

(۷)۔ ابدال المادہ بالمادہ (فَتَبَیَّنُوْا، فَتَثَبَّتُوْا) قراءات کے فرش الحروف انہیں طرق تلفظ واسالیب بیان سے ماخوذ ہیں۔(یہ عقیدہ غیر قرآنی ہے اس لئے مانا نہیں جاسکتا نیز یہ نہیں ہو سکتا کہ مختلف قراءتوں میں تغیر المعنیٰ بھی ہو جائے تو ان کو مانا جائے۔ یہ عقیدہ کتاب اللہ کی تقدیس وعظمت کے بھی خلاف ہے یہ جال تو اب دیگر کتب سماوی کا ہے کہ ہر ایک کی الگ الگ کتاب ہے اور لکھنے والے بھی الگ الگ ہیں۔صدیق)

پھر مرّوجہ قراءات کی اَسانید میں مندرجہ ذیل سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدار ومرکز ومرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔عثمان، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابوالدرداء، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم (کیا یہ صحابہ کبارؓ جو مدار، مرکز ومرجع قراءات بتائے جارہے ہیں وہ اوپر بتائے گئے سات قبائل میں سے تھے؟؟صدیق)

اولاً: حضور علیہ السلام نے ان سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کو اُصول ولغات تو خاص انہی کی لغت قبیلہ کے مطابق ہی پڑھائیں البتہ فرش الحروف قسم کی وجوہ خلافیہ منزل تقسیم کرکے متفرقاً پڑھائیں کہ بعض وجوہ ایک صحابی کو اور بعض دوسرے کو۔ وعلیٰ ہذا القیاس(معاذ اللہ)

ثانیاً: ان سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی اختلافات جو بطریق تواتر وقطعیت، آخری دَورِ نبویؐ کے مطابق ثابت مروی تھے انہیں اختلافات کی مصاحف عثمانیہ میں رعایت کی گئی ہے اور ان کے علاوہ باقی قراءات واختلافات اَحادیہ شاذہ کی رعایت کو ترک کردیا گیا۔

ثالثاً: آگے ان ساتوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی خاص خاص اختلافات جو تلقین نبوی سے پڑھے اور محفوظ کیے تھے ان ائمہ قراءات کو بالواسطہ یا بلاواسطہ پڑھائے۔(تو پھر یہ سات صحابہؓ ائمہ قراءت کیوں نہیں کہلائے؟صدیق) بعض ائمہ قراءات نے ان ساتوں میں سے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے پڑھا بس یہی وہ مرحلہ ہے جس میں بعض لغت کا بعض لغات میں اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منقول فرش الحروف کا دوسرے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منقول فرش الحروف کے ساتھ باہم انضمام وتداخل واجتماع وتشارک شروع ہوا اور اسی بنیاد پر اور انہیں منقول وجوہ کی روشنی میں آگے آئمہ ٔقراءات نے ذاتی وشخصی طور پر خاص خاص مختلف الانتخاب ترتیبات اور متعدّد اختیارات کی تدوین کی اور یہی اختیارات آگے قراءات کے نام سے موسوم ہوئے۔(یعنی مان لیا کہ یہ قراءات ائمہ کی اختیاری ہیں۔صدیق)

نتیجہ یہ کہ مرّوجہ قراءات عشرہ کی ترتیب اس طریقہ سے ہوئی کہ مصاحف عثمانیہ کے متعدّد مقری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین نے اور تابعین سے تبع تابعین نے اور ان سے ائمہ مشہورین نے احرف سبعہ کی روشنی

میں متعدّد قراءات حاصل کیں، کیونکہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احرف سبعہ کو اپنے مابعد کے لوگوں تک نقل کیا تو وہ لغات باہم متداخل اور مخلوط ہو گئیں (تو پھر یہ کسی ایک قراءت پر قائم تو نہ رہے تو تواتر کیسے قائم رہ سکتا تھا؟ صدیق) حتیٰ کہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے اخذ کرنے والا قاری کچھ حصہ ایک صحابی کی تلقین کردہ لغت کے مطابق اور کچھ دوسرے صحابی کی تلقین کردہ لغت کے مطابق پڑھنے لگا اسی کے نتیجہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اَخذ کردہ قراءات متعدد ہو گئیں مگر یہ سب اَحرف سبعہ سے خارج قطعاً نہیں۔ (یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ اس کے معنٰی وہ انتہائی غیر ذمہ دار لوگ تھے! نیز یہاں پر دھوکہ دہی یہ ہے کہ لہجات کو لغات بنایا جارہا ہے۔ صدیق)

تو یہ سب قراءات کثیرہ منتشرہ، نتیجہ ہیں نزول القرآن علیٰ سبعۃ احرف کا، ہر قراءت کی ترتیب فقط ایک ہی لغت عربیہ کے لحاظ سے نہیں کہ پورا قرآن من اوّلہ الٰی آخرہٖ فقط اُسی ایک ہی لغت کے مطابق پڑھا جاتا ہو اور دوسری لغات میں سے کسی لغت کا کوئی لفظ بھی قطعاً اس میں شامل نہ ہو ایسا ہرگز نہیں بلکہ ہر قراءت میں سب کی سب لغات عرب کا اشتراک و تداخل موجود ہے"۔ (پھر ہر قراءت کی کیا ضرورت رہ گئی۔ کوئی بھی ایک امت کیلئے کافی ہونا چاہئے۔ خود مان لیا کہ یہ سب ملغوبہ ہے۔ صدیق)[1]

اب آپ موصوف کا "خلاصہ کتاب دفاع قراءات" میں سے یہ اقتباس بھی پڑھتے چلیئے:

"مصحف عثمانی اور سبعہ اَحرف کا منکر کافر و واجب القتل ہے

(۱)۔ ترجمہ: "ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ قرآن جسے عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بموافقت صحابہ رضی اللہ عنہم جمع فرمایا ہے اگر کوئی منکر اُس کے صرف بعض حصے کا بھی انکار کردے تو وہ بھی کافر ہو گا۔ اُس کا حکم، مرتد کا سا ہو گا اولاً اس کو توبہ کی دعوت دی جائے باز آجائے تو ٹھیک و گرنہ اُس کی گردن اُڑادی جائے۔" [تفسیر قرطبی: ۱/۶۰]

(۲)۔ ترجمہ: "عثمانی مصحف کی کسی ایک چیز کے انکار کرنے والے پر بھی مرتد کا سا حکم لگایا جائے گا کہ اس کو توبہ کی دعوت دی جائے گی اگر انکار کرے تو قتل کر دیا جائے۔" (ابو عبید) [فضائل القرآن، ص ۱۹۴]

(۳)۔ ترجمہ: "جو شخص رسم مصحف عثمانی کے برخلاف شاذ قراءتوں کے پڑھنے پر اصرار و ہٹ دھرمی کرے اور لوگوں کو اس کی دعوت دے وہ واجب القتل ہے۔" (أبو العباس المهدوي) [منجد المقرئین، ص ۲۲۱]

(۴)۔ ترجمہ: "روافض کی مصنوعی قراءتیں اپنے تذکرہ فی القرآن کی بابت حضرت علی رضی اللہ عنہ سن لیتے تو خود اُن پر حد نافذ فرماتے اور اُن کے قتل کا فیصلہ صادر فرماتے۔" (أبوبکر بن الانباری) [تفسیر القرطبی: ۱/۶۰]

(روافض کی تحریفی قراءتوں اور آپ کی قراءتوں میں کیا فرق ہے؟؟ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں۔ صدیق)

(۵)۔ ترجمہ: "چونکہ سبعہ احرف پر انزال قرآن کی احادیث متواتر ہیں اس بناء پر تواتر کے علم کے باوجود سرے سے سبعہ احرف ہی کا منکر بلاشبہ کافر ہے۔" (حسن ضیاء الدین عتر) [الاحرف السبعة و منزلة القراءات منها، ص ۱۰۱] (یہ تو آپ پیچھے خود مان چکے کہ ان روایات کا تواتر رسول سلامٌ علیہ تک نہیں پہنچتا! صدیق)

(۶)۔ ترجمہ: "جس قراءت میں صحت سند، موافقت عربیت، موافقت رسم یہ تینوں چیزیں جمع ہوں اُس

[1] ایضاً صفحہ ۵۹۱۔ ۵۹۲

کے نزول من الغیب کی قطعی تصدیق کی جائے گی اور اُس کے منکر کو کافر قرار دیا جائے گا۔" (یعنی ایمان و کفر کا معیار / مدار مُلّا ہے، اللہ نہیں! معاذ اللہ۔ صدیق) (ابو محمد مکی) [النشر الکبیر : ۱/۱۴]

(۷)۔ عثمانی مصاحف اور مروّجہ قراءات میں جامع اللغات لغت قریش کی شکل میں سب ہی احرف سبعہ کچھ حصے کے لحاظ سے یقیناً بدستور اور قطعاً ثابت و قائم علی حالہا ہیں۔

(۸)۔ قراءات متواترہ کے مقابلہ میں روافض و ملاحدہ کوفہ کی سازش، رافضیانہ جعلی و من گھڑت قراءتوں کی بابت تھی۔ (کیااُن میں اور اِن میں کوئی فرق ہے؟ دونوں قراءتیں عجمیوں ہی کی گھڑی ہوئی ہیں۔ صدیق)

(۹)۔ عثمانی مصاحف میں نقطے اور اعراب اس بناء پر نہ دیئے گئے تھے کہ قراءت کے جملہ اختلافات منقولہ کو یہ رسم شامل و محیط ہو جائے یہ نہیں کہ نقطے اور اعراب نہ ہونے کی بناء پر اختلاف قراءت پیدا ہوا ہے"۔ (یعنی مان لیا کہ نقطے موجود تھے۔ مگر مُلّا جی کی ہٹ دھرمی نے انہیں غائب کر دیا تھا۔ صدیق)[1]

تحقیر آمیز زبان کا نمونہ

غور کیجئے کہ جو فتویٰ اللہ تعالیٰ ورسول اللہ سلامٌ علیہ یا خلفائے راشدینؓ نے کسی نے نہیں دیا وہ ان ملّاؤں نے دے دیا! اور یہ سب شیخ القراء صاحب مرحوم نے علامہ تمنا عمادی صاحب مرحوم کی وفات کے تقریباً ۲۷۔۲۸ سال بعد ان کی کتاب "اعجاز القرآن و اختلافِ قراءت" کے آخری حصہ اختلاف قراءت کے جواب میں کتاب "دفاع قراءات" لکھ کر دیا۔ اس تقریباً ایک ہزار صفحات کی کتاب کا خلاصہ انہوں نے خود سولہ صفحات میں لکھا جو کہ رُشد والوں نے اپنے قرآن نمبر حصہ دوم میں شائع کیا ہے۔ اس میں وہ اپنے پیش لفظ میں علامہ تمنا عمادی صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ہم نے کتابِ ہٰذا میں اختلافِ قراءات اور 'سبعہ اَحرف' کے متعلق چند جدید شبہات کے بفضلہٖ تعالیٰ تشفی بخش اور دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔ جس ناقد نے یہ شبہات عائد کئے ہیں اُس نے سبعہ اَحرف جیسی عظیم حدیث متواتر تک کو موضوع کہہ دیا ہے گویا اُس نے اس حرکتِ عظیمہ سے پورے اسلاف امّت پر سے اعتماد اُٹھا دیا۔ کوئی صحیح العقیدہ سنی مسلمان، جو ایک شمہ بھر بھی علم و شعور رکھتا ہوتا ایسا قول کرنے کی قطعاً جرأت و بیباکی نہیں کر سکتا یہ قول صرف اسی جاہل مطلق سے سرزد ہو سکتا ہے جس کو ایک شمہ بھی علم حاصل نہ ہو مگر ناقد تو علامۃ الزمان اور ثانی مجدّد الف ثانی کے خواب دیکھ رہے ہیں پھر نہ معلوم! اُن سے ایسا جاہلانہ قول کیونکر صادر ہو گیا؟"[2]

ہمارا خیال ہے کہ موصوف مرحوم چونکہ سَلَفی تھے یعنی اپنے سَلَف کو اَرباباً مِن دُونِ اللہ ماننے والے، اس لئے وہ علامہ صاحب مرحوم کی حدیث کے راویوں یا قراءات کے راویوں پر تنقید برداشت نہ کر پائے اور چراغ پا ہو گئے اور ان کے رَدّ میں تقریباً ایک ہزار صفحات کی کتاب لکھ ماری............ مگر افسوس! کہ پھر بھی قرآنی نص صریح سے یہ ثابت نہ کر سکے کہ قرآن کریم ایک نہیں سات، دس یا بیس نازل ہوئے تھے۔ چلئے روایت حفص کو، جو ساری دنیا میں مروج ہے، چھوڑ کر آپ اپنی بیس میں سے کسی بھی روایت سے نص صریح دکھا دیں کہ قرآن کریم سبعہ احرف یا عشرہ

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۸۲۔۵۸۳ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۷۹

قراءات یا عشرین قراءات پر نازل ہوا تھا۔ صرف (نام نہاد) حدیث کی بنیاد پر اتنا بڑا اُصولی عقیدہ نہیں بنایا جاسکتا۔ وہ بھی جب، جبکہ الفاظ سبعہ اَحرف کے معنی میں آج تک اختلاف ہی اختلاف ہے اور کوئی اس کے صحیح معنی نہیں بتا سکا۔ صرف یہی حقیقت اس نام نہاد حدیثِ سبعہ اَحرف کے گھڑنت ہونے کی حتمی دلیل ہونے کے لئے کافی ہے۔ موصوف شیخ القراء صاحب مرحوم بھی اس کے معنی واضح نہ کر سکے!

حقارت آمیز رویّہ

(۲)۔ علامہ تمنا عمادی صاحب مرحوم کے بارے میں یہ حقارت آمیز رویّہ صرف سلفی شیخ القراء صاحب مرحوم سے مخصوص نہیں بلکہ رُشدی صاحبان نے بھی یہی رویّہ اختیار کیا ہوا ہے۔ مثلاً 'رُشد' قرآن نمبر حصہ اوّل میں "منکر قراءات علامہ تمنا عمادی کے نظریات کا جائزہ" نامی مضمون میں قاری محمد صفدر صاحب لکھتے ہیں:

"جس طرح ماضی میں اعداء اسلام نے قرآن اور اس کی تعلیمات کو تار عنکبوت ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کی۔ اسی طرح موجودہ زمانہ میں بھی مستشرقین نے اپنی بھرپور کوشش اور وسائل کو صرف کیا جس کی وجہ سے چند ضعیف الاعتقادات اور سطحی علم رکھنے والے "علامہ" صاحبان بھی ان باطل نظریات وعقائد کے نہ صرف حامی ہوئے بلکہ ان کی ترویج و اشاعت میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ انہی میں سے ایک علامہ تمنا عمادی ہیں جنہوں نے اس کارِ خیر میں اپنا حصہ ڈالتے ہوئے جمع "قرآن اور اعجاز القرآن" نامی کتب تحریر کیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں خاب و خاسر اور ناکام و نامراد کرنے کے لئے ایسے افراد پیدا کئے، جنہوں نے قرآن اور اس کے متعلقہ علوم معارف کو خوب اَحسن طریقے سے لوگوں کے سامنے واضح کیا"[1]

(۳)۔ اسی طرح ایک اور رُشدی صاحب جناب محمد فیروز الدین شاہ کھگہ صاحب لیکچرر یونیورسٹی آف سرگودھا اپنے مضمون "قراءاتِ قرآنیہ اور مسلّم متجدّدین" میں "علامہ تمنا عمادی" کی سرخی کے نیچے لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں فتنہ انکارِ حدیث کی اشاعت میں علامہ تمنا عمادی کا نام معروف ہے۔ اُس نے قرآنی قراءات اور حدیث سبعہ احرف کو وضعی قرار دیتے ہوئے قراءات کے امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ کو شیعہ ثابت کیا ہے۔ اس حوالہ سے اُس کی کتاب 'اعجاز القرآن واختلاف قراءات" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اُس نے تدوین قرآن کے متعلق بخاری و مسلم کی روایات کو افسانہ قرار دیا ہے۔ اور قراءات کو مستشرقین کے نظریات کے مطابق نتیجہ قلم قرار دیا ہے۔ اُس کے نزدیک اختلافِ قراءات کوفہ کے ملاحدہ کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ملاحدۂ کوفہ نے مراکز میں اپنے ایجنٹ مقرر کر دیئے تھے اور وہ خود ساختہ اختلافِ قراءات کو خود ساختہ اسناد کے ساتھ مراکز میں بھیج دیتے تھے۔ تمنا عمادی نے حدیث سبعہ اَحرف کو بھی موضوع قرار دیا ہے۔ امام نافع رحمۃ اللہ کو مدینہ میں کوفیوں کا ایجنٹ اور ان کی قراءت کی سنیت کو مخدوش کہا ہے۔ اُس کے نزدیک ابن جریر طبری رحمۃ اللہ کے قول پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن میں صرف لغت قریش کو باقی رکھ کر بقیہ چھ لغات کو ختم کر دیا تھا، تو اب موجودہ قراءات کہاں سے پیدا ہو گئیں؟ نیز تمنا عمادی علیہ ماعلیہ

[1] رُشد۔ قرآن نمبر حصہ اوّل۔ صفحہ ۴۵۶

نے ساتوں ائمہ قراء پر بلا دلیل نقد و طعن اور شبہات و اعتراضات ذکر کئے ہیں، جن کا حقائق و دلائل سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں........''[1]

ایک اور رُشدی صاحب پروفیسر محمد رفیق چودھری صاحب، ناظم مکتبہ قرانیات، اردو بازار و مدرس دارالہدیٰ انٹر نیشنل، لاہور۔ اپنے مضمون ''قراءتوں کا اختلاف اور منکرینِ حدیث'' میں ایک

(۴)۔ ''عقل کے اندھے منکرین حدیث اگر کبھی اپنے ہاں کا کوئی لکھا ہوا قرآن ہی کھول کر دیکھ لیتے تو ان کو اس کے اندر بھی قراءتوں کا اختلاف نظر آ جاتا جہاں کئی قرآنی الفاظ کی دو دو قراءتیں لکھی ہوئی موجود ہیں........... (ایسی مثال آپ ہی بتادیں جہاں قرآنی الفاظ کی دو دو قراءتیں، ایک ہی جگہ، لکھی ہوئی ہوں۔ صدیق) لیکن منکرینِ حدیث بڑے ڈھیٹ اور بے شرم واقع ہوئے ہیں''[2]

یہ حقیر زبان استعمال کرنے والے تو رُشد کے لکھنے والے تو صرف یہی نہیں بلکہ رُشد کے نائب مدیر و محقق جناب حافظ نعیم الرحمٰن ناصف صاحب 'رُشد' حصہ سوم کے اداریہ میں فرماتے ہیں کہ:

(۵)۔ ''سندھ سے ایک مجہول پرویزی شخص نے ''قرآن مظلوم کی فریاد'' کے نام سے ''رُشد قراءات نمبر'' پر ایک تنقیدی کتابچہ لکھا ہے۔ اس شخص کا علمی محاکمہ کرنے کی بجائے ہم صرف اس کی تحریر کے چند نمونے' پیش کریں گے جس سے اس کی خباثت ابھر کر سامنے آجائے گی...............

حدیث سبعہ اَحرف پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے ''سو ایسی حدیثیں امام زہری اور امام بخاری کے جھوٹ نہ ہوں گی تو اور کیا ہوں گی۔

یہ شخص اس کتابچہ میں ایک بحث کا عنوان یوں دیتا ہے۔

امام مسلم و امام بخاری کی جناب رسول اللہ ﷺ کو گالیں (گالیاں) [کیا علم حدیث قرآن کی تفسیر کر سکتا ہے۔ ص ۱۳۷)

ائمہ حدیث پر تبرّا بھیج کر آسمان پر تھوکنے کی کوشش کرنے والا لعنتی کردار یہ شخص وہ ہے جس نے 'رُشد' قراءات نمبر پر نقد کیا ہے۔..................

.... ہمیں اس گروہ ملعونہ کی اصلیت طشت ازبام نہ کرنا ہوتی تو ہم کبھی بھی ان عظیم ہستیوں کے بارے میں استعمال کی گئی بازاری زبان کو رشد کے صفحات پر نہ لاتے.....................

.... اور یہ احادیث اس گروہ کی قرآنی چکربازیوں کے کے سامنے مضبوط چٹان ہیں''[3]

قارئین غور کیجئے: اُس، اُس، جاہل مطلق، جاہلانہ قول، ضعیف الاعتقاد اور سطحی علم رکھنے والے، عقل کے اندھے، ڈھیٹ اور بے شرم، مجہول پرویزی شخص، خباثت، کہتا ہے، یہ شخص، لعنتی کردار یہ شخص، قرآنی چکربازیوں۔ وغیر ہم کے الفاظ و اصطلاحات کیا ایک جامعہ کے محققین کو زیب دیتے ہیں! غرض یہ کہ اس قسم کا رویۂ منکرینِ حدیث کے لئے تینوں حصوں رُشد (میں استعمال کیا گیا ہے یونکہ رشدیوں کو قرآنی چکربازیوں نے پوری طرح سے ظاہر کر دیا ہے کہ رُشدی قرآن دشمن ہیں اور قرآن دشمنی کی سازش میں مجوسی و عجمیوں کے شریک ہیں! اب ایک حیران کن نمونہ

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۱۶ ......[2]۔ رُشد قرآن نمبر حصہ سوم۔ صفحہ ۷۵۵ ......[3]۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۸۔۱۹

اور دیکھتے چلیئے کہ رُشد کے ادارہ نے ایک معذرت اس طرح شائع کی ہے:

معذرت

ماہنامہ رُشد قراءات نمبر (حصہ اوّل) کے بعض مقامات پر سہواً حفظہُ اللہ اور رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاط ہوا ہے، یا پھر کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے بعض حضرات کے ناموں کے ساتھ رحمہ اللہ کا اضافہ ہوگیا ہے، خصوصاً صفحہ نمبر ۷۰۴ پر منکر قراءات علامہ تمنا عمادی کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھا گیا۔ اس غلطی پر ادارہ تمام قارئین سے معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)[1]

نوٹ:

قارئین! ذرا رُشدیوں کی پست اخلاقی کی حالت، اوپر کی مثالوں کے علاوہ، نوٹ کرتے چلیئے کہ اپنے ان تینوں رسالوں میں انہوں نے کئی علماء کے مضامین ان کے بعد از مرگ شائع کئے ہیں بغیر ان کو مرحوم لکھے ہوئے یا کوئی اور ایسا اشارہ کرتے ہوئے، تا کہ قارئین اسی دھوکہ میں رہیں کہ تمام لکھنے والے زندہ ہیں! اور رُشدیوں کا ساتھ دے رہے ہیں!

جناب شیخ القراء مرحوم کے اپنی تحریر میں جناب علامہ تمنا عمادی مرحوم کے لئے حقارت آمیز جملے آجانے سے ہماری بحث 'سبعہ اَحرف' میں یہ کچھ جملے معترضہ آگئے تھے یونکہ ان کا آنا بھی ضروری تھا تا کہ قارئین کو سلفی و رُشدی حضرات کا رویّہ یا اخلاقِ بلند معلوم ہو جائے۔ آیئے ہم پھر اصل بحث کی طرف آتے ہیں جس کا عُقدہ ابھی تک نہیں کھلا ہے کہ 'سبعہ اَحرف' کیا ہے؟ یا اس کا مفہوم کیا ہے؟ چنانچہ 'رُشد' حصہ دوم میں لکھنے والے پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب (پرنسپل: قائدِ ملت گورنمنٹ ڈگری کالج، لیاقت آباد، چیف ایڈیٹر علوم اسلامیہ انٹرنیشنل) اپنے مضمون "قراءت کی حجیت، اہمیت اور اُمت کا تعامل" میں مفہوم سبعہ اَحرف کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں:

مفہوم سبعہ اَحرف

اَحرف حرف کی جمع ہے، حرف لغت میں تین معنی میں مستعمل ہے، قرآن کریم میں کبھی حد، طرف اور جانب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کبھی انحراف کے معنی میں اور کبھی قدرت علی الفعل کے معنی میں۔ سبعۃ کے مفہوم میں بہت زیادہ اختلافات منقول ہیں، چالیس سے زیادہ اَقوال ہیں، بعض مستقل تصانیف اس پہلو پر تحریر کی گئی ہیں۔

- ...ایک رائے ہے قرآن کریم کا ہر کلمہ سات طرح سے پڑھا جاسکتا ہے۔
- ...دوسری رائے ہے سبعہ کا لفظ قرآن کریم میں کثرت کے اظہار کے لئے آیا ہے، کسی مخصوص عدد کے لئے نہیں۔
- ...تیسری رائے ہے اس سے احکام سبعہ مراد ہیں۔
- ...چوتھی رائے ہے اس سے زجر و امر حلال و حرام اور محکم و متشابہ مراد ہے۔
- ...پانچویں رائے ہے وعدہ وعید حلال و حرام مواعظ و امثال و احتجاج مراد ہے۔

---

[1] رُشد۔ قرآن نمبر (حصہ دوم) صفحہ ۷۹۲

. ●۔... چھٹی رائے ہے مراد سات لغات ہیں، یعنی مختلف قبائل کی سات لغات۔

. ●۔... ساتویں رائے ہے اس سے عربوں کے سات لہجے مراد ہیں۔

. ●۔... آٹھویں رائے ہے کہ سات مشہور قرآنی قراءتیں مراد ہیں۔

علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے تیس سال اس مسئلہ پر غور وفکر کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس سے مراد تمام قراءتوں میں سات طرح کے اختلافات مراد ہیں اور یہ اختلاف

(۱)۔ یا تو حرکات کا ہے

(۲)۔ یا صرف معنی میں تبدیلی کا ہے

(۳)۔ یا حروف میں ایسی تبدیلی کا ہے جس سے معنی میں تبدیلی نہ آئے

(۴)۔ یا حروف میں ایسی تبدیلی کا ہے جس سے معنی میں تبدیلی آئے۔

(۵)۔ یا معنی اور صورت دونوں میں تبدیلی آئے

(۶)۔ یا تقدیم و تاخیر کی تبدیلی

(۷)۔ یا الفاظ میں کمی و بیشی وہ جیسے اوصٰی اور وصّٰی

علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے پر اکثر اہل علم کا اتفاق ہے۔

لیکن ایک اور نکتہ پر اختلاف ہے کہ سات لہجوں میں تلاوت کی اجازت ہمیشہ کے لئے تھی یا فقط عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لئے تھی، بعض کی رائے ہے جس میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں کہ مصحفِ عثمانی کے بعد اب چھے حروف ختم ہو گئے، فقط ایک پر تلاوت باقی رہ گئی ہے، لیکن پھر سوال پیدا ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو چھ قراءت ختم کرنے کا اختیار تھا؟ طبری رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ سات قراءات میں تلاوت کی اجازت ابتدائی عہد میں لوگوں کی آسانی کے لئے دی گئی تھی، یہ لازمی نہیں تھی، لیکن جب یہ اختلافِ قراءت اُمت کے اختلاف کا سبب بننے لگا تو فقط ایک لغت قریش پر قرآن کو باقی رکھا۔ (نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو گئی تھی کہ اسے معلوم نہ تھا کہ سات قراءات میں تلاوت کی اجازت دینے سے امت میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ جب اختلاف پیدا ہو گیا تو اس اجازت کو منسوخ کر کے صرف ایک لغت قریش پر قرآن کو باقی رکھا۔ صدیق)

دوسری رائے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کی ہے کہ ساتوں قراءات مصحف عثمانی میں موجود ہیں (کہاں ہیں وہ؟ صدیق) اور ان پر صحابہ کا اجماع ہے، مصحف عثمانی اسی مصحف کی نقل ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تیار کیا تھا، لہٰذا ساتوں قراءات میں پڑھنے سے منع کرنا جائز نہیں ہو گا۔ اس کی تائید قرآن وحدیث سے بھی ہوتی ہے۔

سات حروف میں نزول قرآن کی حکمت

ڈاکٹر محمد سالم لکھتے ہیں:

(۱)۔ اس کی پہلی حکمت یہ ہے کہ اُمت میں بچے، بوڑھے، ضعیف سب ہیں، ان کی آسانی کے لئے اجازت دی گئی۔

(۲)۔ مختلف لہجوں میں قرآن کی تلاوت یہ قرآن کا اعجاز ہے۔

(۳)۔ اُمت کو لغت قریش پر جمع کر دیا کہ یہ معیاری لہجہ ورسم خط ہے، قرآن ہمیشہ اسی پر لکھا جائے گا، لیکن ہر قبیلہ کے لب ولہجہ کو بھی عزت دینے اور محفوظ رکھنے کے لئے اجازت دے دی گئی کہ ان کے لہجہ میں بھی تلاوت کی جاسکتی ہے۔

(۴)۔ دلائل نبوت میں ایک دلیل و معجزہ تھا کہ آپ ہر قبیلہ سے اس کے لہجہ میں بات کر لیا کرتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ اُمی تھے، یہ معجزہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے قرآن کریم کی صورت میں زندہ وپائندہ ہے۔ (پھر تو سب کو ایمان، یہ معجزہ دیکھ کر ہی لے آنا چاہئے تھا! مگر ایسا نہیں ہوا نیز یہ کہ قرآن تو کہتا ہے کہ رسول ؐ کو کوئی معجزہ نہیں دیا گیا۔ ۱۳/۲۷، ۶/۳۵ وغیرہ۔ صدیق)

حجیت قراءت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

قرآن کے مخاطب صرف قریش یا عرب قبائل نہیں بلکہ قیامت تک آنے والی ساری نسل انسانیت ہے اس لئے قرآن کریم نے اسلامی تعلیمات کو آسان و سہل بنایا ہے اور یہی حکم آپ ﷺ اور علماء اُمت کو ہے، ارشاد ربانی ہے: (يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ)

"اللہ آسانی چاہتا ہے، تنگی و مشکل نہیں۔"

ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی پیدا کی ہے۔ متعدّد مقامات پر فرمایا ہم نے قرآن کو آسان بنایا ہے۔ ظاہر ہے مختلف لہجوں میں تلاوت کی اجازت آسانی پیدا کرنا ہے، اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا: (فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ)

قرآن ایک کلامِ الٰہی ہے، جس کا اجراء عام انسانی زبانوں پر غالباً مشکل ہوتا ہے، لہٰذا لسان نبوی ﷺ پر اجراء کر کے اس کی تعلیم کو سہل بنا دیا گیا۔ اشارۃ النص سے واضح ہوتا ہے، قرآن کریم کی مختلف لہجوں میں تلاوت منشاءِ قرآنی کے مطابق ہے۔"[۱] (مگر افسوس کہ موصوف وہ آیت نہ پیش کر سکے جس میں مختلف لہجوں میں تلاوت کی اجازت دی گئی ہو یا اس طرف اشارہ ہی کیا گیا ہو۔ اس لئے موصوف کا یہ بیان محض کذب بیانی ہے۔ صدیق)

آیئے اب ایک اور بحث کو دیکھتے ہیں۔ یہ ہیں جناب پروفیسر قاری تاج افسر صاحب (پروفیسر کلیہ اُصول الدین، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) جو اپنے مضمون بنام "اَحرف سبعہ اور ان کا مفہوم۔ قراءات قرآنیہ کے تناظر میں" کے شروع میں (دوسرے پیراگراف میں) قرآن عظیم کی عظمت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

جب اجتماعی عقل انسانی اپنے عروج کو پہنچی تو (اللہ تعالیٰ نے) امام الانبیاء ﷺ کی بعثت فرما کر ایسی کتاب

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۳۱۱۔۳۱۲

کی نعمت سے نوازا جس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا۔ اور خود لینے کا مفہوم قطعاً یہ نہیں کہ فرشتوں کے ذریعہ حفاظت کی بلکہ انسانوں میں سے ہی اہل حق نے اس کا ذمہ قبول کیا۔ اور کتاب ایسی جامع کہ قیامت تک آنے والی انسانیت اپنے ہر دَور میں پیش آنے والے مسائل اور اجتماعی ترقی کا راز اس میں پا سکتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب تاریک رات کی طرح فتنے پیدا ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ان سے کیسے بچا جا سکتا ہے ؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی کتاب قرآن حکیم کے ذریعے سے، کیونکہ اس میں پہلے لوگوں کے واقعات اور تجربات آئندہ آنے والے حالات کے متعلق پیش گوئیاں اور زمانہ حال کے لوگوں کے لئے راہنمائی کے اسباب موجود ہیں۔ یہ کتاب مقدس ایک حقیقت ہے، جھوٹ اور لغو نہیں ہے۔ جس نے غرور کی بنیاد پر اس کو چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اس کی کمر توڑ دے گا اور جس نے اس کے علاوہ کہیں سے ہدایت تلاش کی تو اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کر دے گا، اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے"۔[1] (سنن الترمذی، باب ما جاء فی فضل القرآن ۸/ ۲۱۸، اسلام آباد)

قارئین غور کیجئے کہ پروفیسر صاحب نے دو کتنی زبردست حقیقتیں اپنے اس پیراگراف میں تحریر کر دیں۔ پہلی حقیقت کہ جب اجتماعی عقل اِنسانی اپنے عروج کو پہنچی تو محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت، اپنی آخری کتاب ہدایت انسانیت تک پہنچانے کے لئے فرمائی۔ صاف ظاہر ہے کہ پھر کتابِ ہدایت کی تلاوت، فہم اور اس پر عمل عرب اور انسانیت کے لئے مشکل نہیں تھا۔ اور اتنا مشکل کہ چودہ سو سال بعد بھی "سبعہ اَحرف" کا مفہوم واضح نہیں۔ یہ اس لئے واضح نہیں کہ یہ قرآن حکیم کا فرمان نہیں، نہ ہی اس کا حصہ ہے، نہ ہی اس کے الفاظ وعبارت۔

دوسری حقیقت کہ ہدایت صرف قرآن حکیم ہی سے ہے، کہیں اور سے یعنی کسی اور کتاب مثل (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ یا غیر اللہ کے اقوال سے نہیں۔ جو کوئی قرآن کے علاوہ کہیں سے ہدایت تلاش کرے گا یعنی حدیث و فقہ و فتاویٰ و اقوال من دون اللہ سے وہ گمراہ ہو جائے گا۔ تمام فرقوں کا یہی حال ہے کہ وہ قرآن حکیم کے علاوہ سے ہدایت تلاش کرتے ہیں۔ اور یہاں سلفی ورُشدی صاحبان بھی ایک نام نہاد حدیث ہی سے ہدایت تلاش کر رہے ہیں مگر اس حدیث کے معنی و مفہوم ہی متعین کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ وہ قرآن کریم میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ ایک قرآن کے متعدّد قرآن شائع کروا رہے ہیں! معاذ اللہ۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہو! ذرا زحمت کر کے موضوعاتِ کبیر، احادیث ضعیفہ کا مجموعہ وغیرہ قسم کی کتابیں دیکھئے شاید یہ حدیث ضعیف یا موضوع ہو اور قرآن سے جان چھوٹ جائے اور حدیث کی بات بن جائے!

آگے پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ!

سبعہ اَحرف کا مفہوم اور اہلِ علم کا اس میں اختلاف

"جب قرآن حکیم کا نزول سبعہ احرف پر ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا تو پھر 'احرف' سے کیا مراد ہے؟ اور موجودہ قراءات کی 'احرف سبعہ' کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ (مان لیا کہ سبعہ احرف، نزول قرآن

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۸۶

سے ثابت نہیں۔صدیق)

یہ ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جو سلفاً خلفاً مختلف فیہ چلا آرہا ہے، کیونکہ ’حرف‘ لفظ مشترک ہے جو حافہ، ناحیہ، وجہ، طرف، حداد اور ٹکڑا کے معنی میں آتا ہے۔(یہ مسئلہ مختلف فیہ کیوں چلا آرہا ہے؟ آپ کے ذخیرہ روایات و قراءات وغیرہ نے اس کی وضاحت / تشریح / تفسیر نہیں کی؟ یہ تو باعثِ شرم ہے۔ صدیق)

چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں اہل علم کے چالیس اَقوال نقل کئے ہیں۔ [الاتقان: ۱/۴۵]

تاہم ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن پر کوئی دلیل نہیں بلکہ کبھی تو وہ اس حدیث کے مضمون کے مخالف نظر آتے ہیں مثلاً

(۱)۔یہ کہ سبعہ احرف سے مراد یہ سات اشیاء ہیں: مطلق، مقید، عام، خاص نص، موول، ناسخ و منسوخ، مجمل و مفسر، استثناء اور اس کی اقسام، اور یہ بعض اُصولیین کا مذہب ہے۔

(۲)۔یہ کہ اس سے مراد حذف و صلہ، تقدیم و تاخیر، قلب و استعارہ، تکرار و کنایہ، حقیقۃ و مجاز، مجمل و مفسر ظاہر اور غریب ہیں اور یہ بعض اہل لغت کا مذہب ہے۔

(۳)۔یہ کہ سبعہ اَحرف سے مراد تذکیر و تانیث، شرط و جزاء، تصریف واِعراب، اقسام اور جواب اقسام جمع و تفریق، تصغیر و تعظیم اور اختلافات ادوات (جس سے معنی میں تبدیلی آرہی ہو یا نہیں)۔یہ بعض نحویوں کا مذہب ہے۔

(۴)۔یہ کہ اس سے مراد معاملات کی سات اَقسام ہیں اور وہ یہ ہیں زہد و قناعت، حزم و خدمت، سخاوت و استغناء، مجاہدہ و مراقبہ، خوف و رجاء، صبر و شکر اور محبت و شوق یہ بعض صوفیاء کا مذہب ہے۔

(۵)۔یہ کہ سبعہ احرف سے مراد وہ سات علوم ہیں جن پر قرآن حکیم مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔علم الاثبات والایجاد جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: (اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ) [آل عمران: ۱۹۰]

۲۔علم التوحید والتنزیہ جیسے: (قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ) [الاخلاص: ۱]

۳۔علم صفات الذات جیسے: (وَ لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ) [المنافقون: ۸] (اَلْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ) [الجمعۃ: ۱]

۴۔علم صفات الفعل جیسے: (وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ) [النساء: ۳۶]، (وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ) [البقرۃ: ۴۳] (لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا) (آل عمران: ۱۳۰)

۵۔علم صفات العفو و العذاب جیسے: (نَبِّیْٔ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِیْ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾) [الغافر: ۴۹]

۶۔علم الحشر والحساب جیسے (اِنَّ السَّاعَۃَ لَاٰتِیَۃٌ) [الحج: ۴۹] (اِقْرَاْ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا) [الاسراء: ۱۴]

۷۔علم النبوات والامامات جیسے (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ) [سورۃ النساء: ۵۹، البرھان: ۱/۲۲۴، الاتقان: ۱/۴۸] یہ اقوال چند وجوہات کی بنا پر صحیح معلوم نہیں ہوتے۔

اَولاً: اِن اقوال کے قائلین اپنے اقوال پر کوئی دلیل شرعی ذکر نہیں کرتے اور نہ کسی بحث علمی کی بنیاد پر یہ بات کہی گئی ہے بلکہ اس سے ہر طبقہ کے اپنے تخصص کی عکاسی ہوتی ہے کوئی نحوی ہے تو اس نے نحوی اُصولوں کو بنیاد بنایا کوئی صوفی ہے تو اس نے اپنے تصوف کی روشنی میں توجیہ کر دی ہے یہی معاملہ فقہاء اور اُصولیین کا بھی ہے۔

ثانیاً: ان میں سے کوئی قول بھی دلالت حدیث کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اس لیے کہ حدیث میں جو اَحرف سبعہ کو موضوع بنایا گیا ہے اس کا تعلق قراءات اور کیفیات نطق کے ساتھ ہے (یعنی لہجات یا کیفیات ادائیگی۔ صدیق) اور اسی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اختلاف حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہم اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا اختلاف دوسرے قاری کے ساتھ ہوا۔ جبکہ مذکورہ اَقوال کا تعلق مفاہیم اور علمی استنباطات سے ہے۔

ثالثاً: سبعہ اَحرف کے یہ مفاہیم قرآن کے سبعہ اَحرف پر نازل ہونے کی حکمتوں کے ساتھ بھی مطابقت نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ حکمت تسہیل اور تیسیر علی الامۃ تھی تاکہ تمام لوگ قرآن حکیم کی تلاوت کر سکیں اس لیے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کی طلب، تسہیل امت کیلئے کی تھی۔

چنانچہ حدیث مذکور میں کہا گیا ہے: **یا جبرائیل انی بعثت الی أمة أميين منهم العجوز و الشیخ الکبیر و الغلام والجارية والرجل الذی لم یقرأ کتابا قط قال یا محمد: ان القرآن أنزل علی سبعة أحرف**

جبکہ مذکورہ بالا مفاہیم اس کو اور زیادہ مشکل بنا رہے ہیں۔ (یہ حقیقت ہے۔ مگر کوئی نہیں مانتا۔ صدیق)

رابعاً: ان آراء میں سے اکثر باہم متداخل بھی ہیں یا اس قدر قریب ہیں کہ ان کو مستقل رائے شمار نہیں کیا جا سکتا"۔[1]

بعض دوسرے قابلِ ذکر اقوال

"پہلا قول: پہلا قول أبو جعفر بن سعدان النحوی رحمه الله (ابو جعفر محمد بن سعدان النحوی رحمہ اللہ مشہور قراء میں سے ایک ہیں۔ قراءت میں پہلے امام حمزہ کے متبعین میں سے تھے پھر خود ایک قراءت کی نسبت کے ساتھ مشہور ہوئے (تو کیا وہ قراءت قراءاتِ سبعہ میں سے نہیں؟۔ صدیق) ۔۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ [أنباء الرواة: ۳/۱۴۰] کا ہے کہ سبعہ احرف والی حدیث ان مشکلات میں سے ہے جن کا معنی کوئی بھی نہیں معلوم کر سکتا۔ اس لیے کہ حرف کبھی حروف ہجاء کے ایک حرف پر بھی بولا جاتا ہے اور کبھی کسی پوری غزل یا قصیدے کو بھی حرف کہہ دیتے ہیں اور حرف جهة کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ [البرهان فی علوم القرآن: ۱/۲۱۳] تو ایسے مشترک لفظ کے مفہوم کی تحدید انتہائی مشکل ہے یہی رائے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی بھی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ سنن نسائی کی شرح زهر الربی: ۱/۱۵۰ میں فرماتے ہیں:

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۸۸۔۲۹۰

''ان هذا القرآن أنزل علی سبعة أحرف فی المراد به أكثر من ثلاثين قولا حكيتها فی الاتقان والمختار عندی انه من المتشابه الذی لا يدری تأويله'' [ط: القاهرہ]

لیکن یہ رائے کچھ زیادہ وجیہ معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کے درمیان اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور جن نمازیوں سے ان کا قراءت میں اختلاف ہوا تھا ان کے درمیان فیصلہ فرماتے ہوئے سب کی قراءت کو سن کر ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن حکیم سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ تو اس بات سے اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ اس کا معنی گو کہ متعین کرنا مشکل ہے لیکن معنی احتمالی کی گنجائش موجود ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر ان معانی پر غور کیا جائے تو لغوی اعتبار سے بھی سوائے ایک کے متعین نہیں کیا جا سکتا مثلاً اگر حرف بمعنی کلمہ (کلمہ بمعنی قصیدہ اور غزل کے ہے اور یہ لغت عرب میں مستعمل ہے) لے لیا جائے تو یہ محال ہے اس لیے کہ قرآن سات کلمات سے مرکب تو نہیں ہے بلکہ ہزاروں کلمات پر مشتمل ہے۔ اگر حروف ہجاء میں سے حرف مراد لیا جائے تو یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ قرآن میں صرف سات حروف ہجاء ہی تو استعمال نہیں ہوئے بلکہ پورے ۲۹ حروف ہجاء استعمال ہوئے ہیں۔

اس سے حرف بمعنی جهة خود بخود متعین ہو جاتا ہے، البتہ مفہوم اور مراد کا اختلاف رہ جاتا ہے جس کی تفصیل آ رہی ہے۔ [منهج الفرقان فی علوم القرآن للشیخ محمد علی سلامة ص ۲۰]

دوسرا قول:

امام قاضی عیاض رحمہ اللہ کا ہے ان کے ہاں 'سبعہ احرف' سے مراد آسانی اور سہولت ہے خاص عدد مراد نہیں ہے ان کی دلیل عرب کے استعمالات ہیں کہ وہ سبع بول کر کثرت مراد لیتے ہیں سبعون سے مراد عشرات اور سبع مائة سے مراد سینکڑے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یہی مراد ہے۔
(اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ) [البقرۃ: ۲۶۱، الاتقان: ۴۶/۱]

اور اس رائے کی طرف محمد جمال الدین قاسمی مصری رحمہ اللہ کا میلان بھی معلوم ہوتا ہے۔ [محاسن التاویل: ۲۸۷/۱، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی رائے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: و الا ظهر ما ذكرنا من ارادة الكثرة من السبعة لا التحديد فيشمل ما ذكره ابن قتيبة وغيره]
لیکن یہ رائے بھی احادیث کے ساتھ مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے محل نظر ہے، مثلاً

(۱)۔ حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کے واسطہ سے سوال کیا کہ میری اُمت اس کی طاقت نہیں رکھتی تو پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے دو حرف پر پڑھنے کو کہا پھر تیسری مرتبہ ایسا ہی ہوا بعض روایات کے مطابق چوتھی مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حکم لائے کہ آپ کی اُمت کو 'سبعہ احرف' پر پڑھنے کی اجازت ہے۔

[اس حدیث کو امام مسلم، امام نسائی، امام ابو داؤد اور امام احمد رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے]

اس بار بار سوال کرنے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے جواب لانے سے حدیث کا سیاق ایک خاص عدد کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

(ب)۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں یہ صراحت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حرف پر قرآن پڑھایا تو آپ نے زیادہ کا مطالبہ کیا یہاں تک کہ سات حروف پر بات ختم ہو گئی۔ [حدیث درج ذیل ہے۔ **عن عبد الله بن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أقرأني جبرائيل على حرف فراجعته فلم أزل استزيده فيزيدني حتى انتهى الى سبعة أحرف ، صحيح بخاري كتاب فضائل القرآن** : ۹/۲۷، ۲۸، صحیح مسلم: ۱/۲۷۳]

اس حدیث سے بھی سات کے عدد کی صراحت معلوم ہوتی ہے۔ نیز احادیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے۔

تیسرا قول:

خلیل بن احمد متوفی رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۰ھ کا ہے اور وہ یہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد سبع قراءات (سات قراءات) ہیں گویا حرف بمعنی قراءت ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس قول پر لازم آتا ہے کہ ہر کلمہ قرآنی سات دفعہ نازل ہوا، لیکن یہ محال ہے اس لیے کہ سات دفعہ مختلف انداز سے پڑھنا بہت کم حرف میں ثابت ہے، لیکن اگر ان کے استدلال پر غور کیا جائے اور وہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: **فقرأ القراءة الى سبعة يقرأ** جبکہ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند جملے پہلے یہ فرما چکے ہیں **يقرأ على حروف كثيرة** تو اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد حرف سے قراءت ہے اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس سے ملتی جلتی ہے۔ فرماتے ہیں **فقرأ قراءة أنكرتها عليه** اور چند جملے بعد اسی لفظ کو دھرایا اور فرمایا **ان هذا قراءة سوى قراءة صاحبه** جبکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اختلاف حروف میں تھا اس لئے یہ کہنا بجا ہو گا کہ یہ حضرات حرف سے مراد قراءت ہی لیتے ہیں اس کلام کے بعد یہی سمجھ میں آتا ہے کہ خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مراد قراءۃ سے **المقرو**، ہے اور **مقروء** وہی مختلف اوجہ لغات ہیں یہی جمہور کا مسلک ہے کہ "احرف" سے مراد اوجہ لغات ہیں اور اگر ان کی مراد کوئی اور ہے تو **على المعترض البيان**۔

چوتھا قول:

بعض کا خیال ہے کہ سبعہ احرف (سات حروف) سے مراد احکام کی سات اصناف ہیں اور ان کی دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ پہلی کتاب ایک دروازہ اور ایک ہی حرف پر نازل ہوئی تھیں جب کہ قرآن سات دروازوں اور سات حروف پر

نازل ہوا ہے اور وہ زجر و امر، حلال و حرام محکم ومتشابہ اور امثال ہیں۔[اس حدیث کی تخریج امام طبری نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔ تفصیل کے لئے جامع البیان عن تاویل القرآن: ۱/۲۷،۲۸ دیکھ لی جائے،الاتقان: ۱/۴۸] لیکن یہ رائے بھی مضبوط اشکالات کے سامنے کمزور پڑ جاتی ہے۔ مثلاً

(۱)۔ حدیث میں سبعہ احرف کا تعلق قراءت اور کیفیت نطق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا (فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ) جبکہ مذکورہ بالا اشیاء کا تعلق احکام سے ہے الفاظ کی ادائیگی سے نہیں۔

(۲)۔ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ضعف پر اجماع نقل کیا ہے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا انقطاع ثابت کیا ہے اس طرح کہ یہ حدیث ابو سلمہ بن عبدالرحمان حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کر رہے ہیں جبکہ ابو سلمہ کی ملاقات ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا حجت نہ ہوئی۔ [البرھان: ۱/۲۱۶،۲۱۷،فتح الباری: ۹/۲۴]

(۳)۔ اس رائے کے قائلین کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استنباط میں غلطی لگی ہے اصل بات یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دو چیزوں کا اجمالی ذکر ابتدا میں کیا ایک سبعہ ابواب اور دوسری سبعہ احرف۔ پھر تفصیل بیان کرتے وقت ایک کی تفصیل بیان کر دی اور وہ مذکورہ بالا اشیاء ہیں۔ امر، زجر، حلال و حرام، محکم ومتشابہ اور امثال، تو درحقیقت یہ تفصیل سبعہ ابواب کی ہے نہ کہ سبعہ احرف کی۔[النشر: ۱/۲۵]

پانچواں قول

'سبعہ احرف' سے مراد وجوہ لہجات ہیں جیسے ادغام و اظہار، **تفخیم** و ترقیق، امالہ و اشباع، مد اور قصر، تشدید و تخفیف و تسہیل وغیرہ، لیکن یہ رائے بھی قابل اعتناء اس لیے نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں سبعہ احرف کی ایک وجہ میں آسکتی ہیں اور اس کو اختلاف لہجات کا نام دیا جا سکتا ہے اس لیے کہ یہ ایک وجہ تو ہو سکتی ہے سات نہیں ہو سکتی"[۱]۔ (اور یہی حقیقت ہے کہ اختلاف لہجات کو بنیاد بنا کر قرآن کریم کے خلاف سبعہ قراءات کے نام سے سازش کی گئی۔ صدیق)

"آگے جو اَقوال آرہے ہیں ان میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے بلکہ ان کو ایک دوسرے کی تشریح قرار دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے ان میں سے

پہلا قول:

ابو حاتم **السجستانی** رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۵۵ھ) کا ہے جن کی رائے میں سبعہ اَحرف سے مراد لغات عرب کی سات وجہیں ہیں۔

پہلی: ایک کلمے کے بدلے میں دوسرا کلمہ پڑھنا جیسے **كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْش** [القارعة: ۵] کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ **کالصوف المنفوش** پڑھتے تھے اور قراءت متواترہ میں **فتبینوا** کو حمزہ و کسائی **فتثبتوا** پڑھتے ہیں۔ [سورۃ النساء: ۹۵، سورۃ الحجرات: ۶] (یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی

[۱] ایضاً۔ صفحہ ۲۹۰۔۲۹۲

اللہ عنہ پر بہتان ہے۔ صدیق)

دوسری: ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا جیسے لغت دوس میں لام تعریف کو میم سے بدل کر پڑھتے ہیں اس کی تائید حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے ایک قبیلے کی آمد اور حضور کے ساتھ اس کی گفتگو کا ذکر کیا انہوں نے کہا **امن امبر امصیام فی امسفر** تو جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **لیس من امبر الصیام فی امسفر** جبکہ دوسرے اہل لغت اس کو **امن البر الصیام فی السفر** اور **لیس من البر الصیام فی السفر** پڑھتے ہیں۔ [البدور الزاھرۃ : ۱۸۱، ۲۹۹، پہلا بیان سے جبکہ دوسرا ثبت سے ہے] اس اس طرح بنوہذیل حتی حین کو عتی حین پڑھتے ہیں۔ [اور قراءت متواترہ میں حمزہ کسائی اور خلف تبلوا کو تتلوا پڑھتے ہیں۔ [البدور الزاھرۃ : ۱۴۲]

تیسری: تقدیم و تاخیر کرکے پڑھنا۔ چنانچہ اہل عرب کے ہاں **عرضت الناقۃ علی الحوض** اور **عرضت الحوض علی الناقۃ** یکساں معنی میں مستعمل ہیں اور قراءت متواترہ میں **فیقتلون** مضارع معروف اور **و یقتلون** مضارع مجہول جبکہ حمزہ و کسائی پہلے کو مجہول اور دوسرے کو معلوم پڑھتے ہیں۔

[التوبہ: ۱۱۱، البدور الزاھرۃ: ۱۳۸]

چوتھی: کسی کلمے یا حرف میں زیادتی یا نقصان کرنا جیسے (فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ) [سورۃ المنافقون: ۱۰] کو ابو عمرو البصری رحمۃ اللہ علیہ نے **فاصدق و اکون من الصالحین** اسی طرح **وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ** [البقرۃ: ۱۱۶] کو ابن عامر الشامی بغیر واؤ کے **قالوا اتخذ اللہ** پڑھتے ہیں۔

پانچویں: مبنی کی حرکات کا اختلاف جیسے (وَالَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ) [النساء: ۳۷، الحدید: ۲۴] باء کے ضمہ اور خاء کے سکون کے ساتھ عام قراء کی قراءت ہے اور حمزہ و کسائی **بالبخل** باء اور خاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ [البدور الزاھرۃ: ۷۷، ۳۱۳]

چھٹی: اعراب کا اختلاف: جیسے حارث بن کعب رضی اللہ عنہ تثنیہ میں رفع، نصب، جر الف کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں **جاءنی رجلان رأیت رجلان مررت برجلان** جبکہ باقی اہل لغت رفع الف کے ساتھ اور نصب و جر یائے لین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ [**کتاب المبانی : ۲۲۱**، اور اس کے بعد کو دیکھ لیا جائے] اور قرآن حکیم میں (قَالُوْٓا اِنَّ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ) [طٰہٰ : ۶۳] کو مکی بصری اور حفص کے علاوہ باقی قراء **ھذان** پڑھتے ہیں۔ [البدور الزاھرۃ: ۲۵۹]

ساتویں: اختلاف لہجات و ادا: جیسے بعض اہل لغت امالہ کرتے تھے جبکہ دوسروں کے ہاں امالہ نہ تھا اسی طرح کچھ ادغام کرکے پڑھتے تھے اور بعض اظہار کرتے تھے۔

دوسرا قول:

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۷۶ھ) اور الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۰۳ھ) کا قول بھی اس سے ملتا جلتا ہے انکے نزدیک وہ 'اوجہ سَبعہ' یہ ہیں:

پہلی: تقدیم و تاخیر کا اختلاف اس کا ذکر سجستانی کی رائے میں گذر چکا ہے۔

دوسری: زیادتی اور نقصان کا اختلاف اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔

تیسری: ایسا اختلاف جس کی بنا پر لفظ کی صورت رسمی اور معنی دونوں بدلتے ہوں جیسے وَطَلْحٍ مَنْضُوْدٍ [سورۃ الواقعہ: ۲۹] اور طَلْعٍ مَنْضُوْدٍ بعض اہل لغت کے ہاں دونوں جدا چیزیں ہیں اور ان کے معانی میں اختلاف ہے یہ مثال ان کی بن سکتی ہے البتہ جن کے نزدیک دونوں لفظ ہم معنی ہیں ان کے نزدیک یہ مثال نہیں بن سکتی۔

چوتھی: ایسا اختلاف جو معنی کی تبدیلی کا سبب بنتا ہو لیکن صورت دونوں قراءتوں کی ایک ہی ہو جیسے (وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا) [البقرۃ:۲۵۹] 'ز' کے ساتھ جو موت کے بعد دوبارہ اُٹھانے کے معنی میں مستعمل ہے جبکہ نافع، مکی اور بصری رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں اس کو نُنْشِرُهَا کے ساتھ پڑھا گیا ہے جس کے معنی پھیلا دینے کے ہیں۔

پانچویں: ایسا اختلاف جو کلمہ کی اصل و حقیقت میں ہو ظاہری لفظ اور معنی میں کوئی اختلاف نہ ہو جیسے (وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ) افتعال سے اور لَا يَتَاَلَّ اُولُو الْفَضْلِ تفعل سے۔ [النور: ۲۲، پہلا باب افتعال اور دوسرا تفعل سے ہے]

چھٹی: ایسا اختلاف جس میں ظاہری اختلاف ہو البتہ معنی نہ بدلتا ہو جیسے كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ اور اَلصُّوْفِ الْمَنْفُوْشِ

ساتویں: ایسا اختلاف جو اعراب اور بناتا ہو جیسا (رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا) بصیغۂ امر اور مکی، بصری اور ہشام رحمۃ اللہ علیہم اس کو بَعِّد بصیغۂ ماضی پڑھتے ہیں۔

تیسرا قول:

ابو الفضل عبد الرحمان بن احمد بن الحسن الرازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ان کے نزدیک بھی 'احرف' سے مراد وجوہ تغیر ہیں جن میں اختلاف واقع ہوا ہے اور وہ اوجہ یہ ہیں:

(۱)۔ اسماء کا اختلاف یعنی ایک قراءت وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ جبکہ ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ لِاَمَانَتِهِمْ مفرد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۲)۔ افعال کا اختلاف جیسا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ماضی اور امر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

(۳)۔ وجوہ اعراب کا اختلاف جیسے (وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ) جمہور کے ہاں بفتح الراء ہے اور امام حمزہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو بضم الراء پڑھتے ہیں۔

(۴)۔ زیادتی و نقصان کا اختلاف جیسے (وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ) کو ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ 'مِن' کے اضافہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۵)۔ تقدیم و تاخیر کا اختلاف جیسے و قاتلوا و قتلوا کو حمزہ اور کسائی رحمۃ اللہ علیہما و قتلوا و قاتلوا

پڑھتے ہیں۔

(۶)۔ایک کلمے کی دوسرے کلمے کے ساتھ تبدیلی کا اختلاف جیسے (وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا) کو قراءسبعہ میں سے نافع، مکی اور بصری رحمۃ اللہ علیہم نُنْشِرُهَا بالراء پڑھتے ہیں۔

(۷)۔ مختلف لہجات کا اختلاف: جیسے امالہ اور عدم امالہ اسی طرح تفخیم وترقیق ادغام اور اظہار کا اختلاف وغیرہ جیسے (وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ) میں اتاك اور موسی کو حمزہ اور کسائی رحمہ اللہ علیہما امالہ کبریٰ اور ورش امالہ صغریٰ سے پڑھتے ہیں اسی طرح بصری دوسرے میں بھی تقلیل کرتے ہیں۔

چوتھا قول

خاتمہ المحققین امام محمد بن محمد الجزری رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۳۳ھ) کا ہے جنہوں نے ۳۰ سال سے زائد عرصہ اس حدیث میں غور وخوض کے بعد فرمایا کہ میں نے تمام قراءت صحیحہ، شاذہ، ضعیفہ اور منکرہ کا تجزیہ کیا تو وہ اختلاف کی سات وجوہ سے باہر نہیں ہیں۔

پہلی: حرکات کا اختلاف جس کی بنیاد پر نہ صورتِ لفظ بدلتی ہے نہ معنی بدلتا ہے۔ جیسے البخل بضم الباء وسکون الخاء اور البخل بالفتحتین

دوسری: حرکات کا اختلاف اس طرح ہو کہ اس میں تغیر معنی تو ہو لیکن صورت رسمیہ تبدیل نہ ہو جیسے فتلقی آدم ، ضمہ کے ساتھ، من ربه کلمات ، منصوب بالجر، جو کہ جمہور قراءسبعہ کی قراءت ہے جبکہ ابن کثیر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آدم منصوب بر مفعولیت اور کلمات مرفوع بر فاعلیت ہے۔

تیسری: حروف کا اختلاف جس کی بنیاد پر معنی تبدیل ہو لیکن صورت رسمیہ تبدیل نہ ہو جیسے تبلوا اور تتلوا سورۃ یونس کی آیت هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ میں حمزہ وکسائی رحمہ اللہ علیہما اس کو دو تاء سے پڑھتے ہیں جس کے معنی پیچھے آنے کے ہیں جبکہ باقی حضرات باء کے ساتھ پڑھتے ہیں جو امتحان کے معنی میں آتا ہے۔

چوتھی: وجہ بالا کا عکس یعنی حروف کا ایسا اختلاف جس میں صورت کلمہ تبدیل ہو لیکن معنی میں کوئی اختلاف نہ ہو بلکہ یکساں ہو جیسے (وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً) میں خلاد کی ایک روایت نافع، بزی، ابن ذکوان، شعبہ اور کسائی رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں صاد کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ جبکہ خلاد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت اور باقی قراءسبعہ کے ہاں سین کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

پانچویں: حروف کا ایسا اختلاف جس میں صورت کلمہ اور معنی دونوں تبدیل ہو رہے ہیں جیسے فَامْضُوْا الی ذِكْرِ الله

چھٹی: تقدیم وتاخیر کا اختلاف۔ اس میں علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو الفضل الرازی رحمۃ اللہ علیہ دونوں کا اتفاق ہے۔

ساتویں: کمی اور زیادتی کا اختلاف۔ اس رائے میں بھی ہر دو حضرات کا اشتراک ہے۔

یہ وہ چار اقوال ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل متقارب ہیں بلکہ بقول حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک

نے اپنے پیشرو کے قول کی وضاحت کی اور اس کی تنقیح کی ہے۔ اور یہ بات چند دلائل کی بنیاد پر صحیح بھی ہے۔

پہلی دلیل: عہد کے اعتبار سے بھی یہ تمام حضرات یہی ترتیب رکھتے ہیں چنانچہ ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ سب سے اقدم ہیں جن کی وفات ۲۵۵ھ میں ہے اور اس کے بعد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جو ۲۷۶ھ میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد قاضی ابو بکر محمد بن الطیب الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جو ۴۰۳ھ میں فوت ہوئے ہیں جبکہ ابو الفضل الرازی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۴۵۰ھ اور امام المحققین محمد بن الجزری الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۸۳۳ھ میں ہے اور سجستانی سے ابن قتیبۃ کا شرف تلمذ بھی ثابت ہے۔

دوسری دلیل: ان اَقوال اربعہ میں بہت حد تک اشتراک اور یکسانیت پائی جاتی ہے زیادہ سے زیادہ یہی فرق سامنے آتا ہے کہ ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ وجوہِ اختلاف لغاتِ سبعہ میں مانتے ہیں جبکہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ وجوہِ اختلاف قراءتِ قرآنیہ میں مانتے ہیں اور ابو الفضل الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قتیبہ کی اوجہ سبعہ کی تصدیق کرتے ہوئے اختلافِ لہجات کا اضافہ کر دیا جو سجستانی کے قول میں نمایاں ہے اس طرح علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل موافقت کر دی ہے اور الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہی بات نقل کر دی ہے۔ تو یہ سب کچھ نزاع لفظی اور پہلے قول کی تصدیق ہی ہے۔

لیکن اس تمام تر بحث کو قبول کر لینے کے بعد بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ احرف سبعہ سے مراد کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ائمہ عظام میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ احرف سبعہ کی تفصیل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک استناجِ عقلی ہوتا ہے اور ایک استنباطِ فقہی نصی ہوتا ہے۔ یہ تمام اقوال استناج عقلی تو ہیں یعنی قراءات متواترہ پر غور کیا جائے تو کل یہی اوجہ سامنے آتی ہیں اور یہی تصریح امام ابنِ الجزری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے کہ میں نے ۳۰ سال سے زیادہ عرصہ اس پر غور کیا تو میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈال دی کہ قراءات کا اختلاف ان سات اوجہ سے باہر نہیں ہے اور یہ بات تو تمام کے نزدیک درجہ تسلیم تک پہنچ چکی ہے، لیکن استنباط فقہی نصی کا مسئلہ ابھی تک باقی ہے کہ نص حدیث سے کیا مراد ہے؟

اسی طرح حدیث بالا کی روشنی میں احرف سبعہ کے نزول کو تخفیف اور تیسیر علی الامۃ قرار دیا گیا ہے تو ان مذکورہ بالا اوجہ کی تخفیف اور تیسیر کے ساتھ کیا مناسبت بنتی ہے؟ مثلاً تقدیم و تاخیر کے اختلاف کا ایک اعرابی بدّو کے ساتھ کیا واسطہ؟ اسی طرح زیادتی و نقصان اور اختلاف اعراب یا اختلاف حروف جس میں تغیر معنی و صورت ہو یا نہ ہو ان تمام چیزوں کا تعلق تسہیل و تیسیر کے ساتھ کمزور ترین نظر آتا ہے۔

البتہ ایک قول اس بارے میں خاصا اقرب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ 'حروف سبعہ' سے مراد لغاتِ سبعہ ہیں اور یہ اہل عرب کے افصح ترین لغات ہیں خواہ وہ لغاتِ سبعہ ایک کلمہ میں مکمل اتفاق رکھتے ہوں یا ان میں باہم اختلاف ہو اور وہ اختلاف دو وجہوں میں یا تین وجوہ میں یا چار میں یا اس سے زیادہ میں ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک کلمہ تمام لغات میں ایک ہی وضع اور کیفیت کا ہوتا ہے تو ان میں ایک ہی قراءۃ ہو گی اور کبھی ایک لغت کے لوگ کیفیت نطق میں اختلاف کر رہے ہوتے ہیں تو ایک لغت میں دو قراءتیں ہو جاتی ہیں۔

یہ قول جمہور اہل علم اور محققینِ فن کا ہے۔ جن میں مکی بن ابی طالب القیسی رحمۃ اللہ علیہ ابو عبید القاسم بن سلام

ابو حاتم السجستانی رحمۃ اللہ علیہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ، ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور عصر حدیث کے ادب اور فن بلاغت کے امام مصطفیٰ صادق الرافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔

البتہ اس قول پر دو اعتراض ہو سکتے ہیں لیکن دونوں مضبوط دلائل کے سامنے کمزور ہیں۔

پہلا اعتراض: اگر احرف سبعہ سے مراد لغات سبعہ ہیں تو پھر ہر کلمہ میں سات وجوہ قراءات ہونی چاہئیں جبکہ عملاً کم یا زیادہ ہوتی ہیں؟

اس کا جواب یہی ہے کہ کبھی مختلف لغات ایک کلمہ پر متفق ہو جاتے ہیں تو ان میں ایک ہی قراءۃ ہو گی اور کبھی سات لغات میں دو وجہوں پر اختلاف ہوتا ہے تو ان میں دو ہی قراءتیں ہوں گی۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوا۔(بہت خوب! کیا یہ لفظی یا اصطلاحی ہیر پھیر نہیں؟صدیق)

دوسرا اعتراض: اگر لغات کا اختلاف مراد ہے تو پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیوں کر رہے ہیں جبکہ دونوں کا لغت قریش کا لغت ہے؟ اور ایک لغت میں باہم مختلف ہونا اس قول کی تردید کرنا ہے۔

جواب: قرآن کریم کی تلاوت کا دارومدار لغت پر نہیں رہا بلکہ اعتماد سماع پر ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو جیسے لغت میں پڑھایا وہ اسی کا پابند ٹھہرا۔(یہ رسول سلامؑ علیہ پر بہتان ہے۔ صدیق) اس کی مضبوط دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت ہے جس میں فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک سورۃ میں قراءت کا اختلاف ہوا دونوں کا دعویٰ یہی تھا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پڑھایا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ویسے ہی پڑھو جیسے تمہیں پڑھایا گیا ہے۔(نعوذ باللہ !رسولؐ نے کسی کو کچھ، کسی کو کچھ پڑھایا۔ صدیق)

اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول بھی اسی پر دال ہے جب انہوں نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا تو دونوں نے یہی کہا کہ **هٰكذا أقرأنيها رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی یہی جملہ دہرایا کہ یہ سورۃ الفرقان اس طریقے پر نہیں پڑھتے جس طرح آپ نے مجھے پڑھایا ہے تو ان میں سے کسی نے بھی اپنے لغت کی طرف نسبت نہیں کی کہ تیری قراءت لغت قریش کے خلاف ہے بلکہ نسبت سماع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اس سے صراحت ہو گئی کہ اعتماد سماع عن النبی رضی اللہ عنہ پر ہے نہ کہ لغت پر تو یہ اعتراض بھی مندفع ہو جاتا ہے۔

پھر اعتماد سماع پر ہونے کی وجہ سے لغات کا اختلاط ہوا اور عرضۂ اخیرہ سے پہلے ان لغات سبعہ کے وہ ابعاض جن کا تعلق تخفیف اور تیسیر کے ساتھ تھا وہ منسوخ ہو گئے اور باقی ابعاضِ سبعہ آج تک موجود ہیں۔
اور جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے باجماع صحابہ **رسم المصحف** کا التزام کیا تو وہ اوجہ جن کو رسم عثمانی کا شمول نہ ہو سکا تو وہ شاذہ ٹھہریں(کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ ورسول نے انہیں شاذہ قرار نہیں دیا مگر وہ حادثاتی طور

پر ہو گئیں! جو چیز قرآن نہ سمجھی جائے اس سے تفسیر و فقہ اور نحو و ادب کے احکام میں استنباط کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ کیا ایک ناجائز چیز سے استنباط جائز ہو جائے گا؟ صدیق) اور اس پر اجماع صحابہ ثابت ہو چکا ہے اب ان قراءت کو تفسیر و فقہ اور نحو و ادب کے احکام میں استنباط کے طور پر تو لیا جاتا ہے، لیکن قرآن سمجھ کر ان کی تلاوت ناجائز ہے اس لیے کہ قرآن مکمل طور پر متواتر ہے۔ (وہ کون سی قراءت والا قرآن ہے؟ صدیق)"[1]

ان تمام تفصیلی اقتباسات سے بھی بات کچھ نہیں بنی، سوائے کنفیوژن، کنفیوژن کے۔ اب ایک اور زاویہ سے اس پر نظر ڈالئے کہ رُشد کے ایک اور فاضل لکھاری قاری نجم الصّبیح تھانوی صاحب (صدر مدرس شعبہ تجوید و قراءات، مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور) اپنے مضمون "متنوع قرآءات کا ثبوت مصاحف عثمانیہ کی روشنی میں" ایک ذیلی سرخی "حضرت عثمان نے جو تلف کیا، وہ کیا تھا؟" کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرضۂ اَخیرہ والے قرآن کو ہی نقل کیا تھا جب کہ عرضۂ اَخیرہ والا قرآن وہ قرآن تھا جس میں آخری احکام اور جو تبدیلی مقصود تھی، کر دی گئی، اب یہ قرآن جو تبدیلیوں سے مبرا تھا، اسی کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف نقل کئے۔ اور تبدیل شدہ چیزیں جن میں منسوخ آیات، شاذ قراءات اور سبعہ احرف میں سے جزوی چیزیں بدلی جا چکی تھیں (وہ علیحدہ سے کہاں تھا؟؟ صدیق) اور لوگوں میں شائع ہو چکی تھیں اور وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع شدہ قرآن کی اطلاع نہ پا سکے، نتیجتاً جس کسی کے پاس جو کچھ تھا وہ تلاوت کرتا رہا۔ جس سے اختلافات کا ہونا لازمی امر تھا۔ اب جو مصاحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تلف کئے تھے، ان میں یہ چیزیں شامل تھیں، مثلاً ایسی منسوخ آیات جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی مگر لوگ پڑھ رہے تھے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

پہلے یہ آیت نازل ہوئی حٰفِظُوْا علَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْعَصْر۔ تو جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، ہم اسے پڑھتے رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی: حٰفِظُوا عَلَی الصَّلَوَاتِ والصَّلٰوۃِ الوُسْطٰی (فتح الباری: ۸ / ۸۹۱) اور یہ منسوخ شدہ آیت عرضۂ اَخیرہ میں موجود نہیں تھی۔ (یہ محض کذب و افتراء ہے ایسا تو عام انسانوں کی کتابوں میں بھی نہیں ہوتا نہ کہ خالقِ انسان کی کتاب میں منسوخ و ناسخ! یہ محض عجمیوں کی شیطنت ہے۔ صدیق) اسی طرح کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن لکھتے ہوئے تفسیری کلمات بھی ساتھ لکھ دیتے تھے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وہ قرآن کے متن کے ساتھ اس کی تفسیر کو لکھنا حرام نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ اسے مصحف کی بجائے ایک صحیفہ سمجھتے تھے۔ اور اس میں جو چاہتے لکھ لیتے، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ اس کو ممنوع سمجھتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک مدت گزرنے کے بعد لوگ اسے بھی قرآن سمجھ لیں۔"[2]

اللہ تعالیٰ پر حملہ:

اب ذرا موصوف کے اس اقتباس پر غور کر لیجئے اور دیکھئے کہ کیا کیا عقدہ کشائی کی گئی ہے:

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۹۳۔۲۹۷...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۰۱۔۱۰۲

.(۱)۔... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرضۂ اخیرہ والے قرآن کو ہی نقل کیا تھا"۔ اس کے معنی کہ عرضۂ اخیرہ سے پہلے قرآن مختلف تھا۔ اس کا ثبوت وہ خود دیتے ہیں کہ :

.(۲)۔... "جبکہ عرضۂ اخیرہ والا قرآن وہ قرآن تھا جس میں آخری احکام اور جو تبدیلی مقصود تھی کر دی گئی۔ اب یہ قرآن تبدیلیوں سے مبرّا تھا، اسی کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف نقل کئے اور تبدیل شدہ چیزیں جن میں منسوخ آیات، شاذ قراءات اور سبعہ اَحرف میں سے جزوی چیزیں بدلی جاچکی تھیں اور لوگوں میں شائع ہو چکی تھیں"

غور کیجئے کہ موصوف نے اللہ تعالیٰ کی شان بے مثال پر کتنا بڑا حملہ کیا ہے! معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ اپنا آخری کلام، انسانیت کے نام، نازل کرتا رہا اور اسے بدلتا رہا، نازل کرتا رہا اور اسے منسوخ کرتا رہا۔ پھر اور کچھ نازل کرتا رہا اور بدلتا رہا حتیٰ کہ تیئیس سال میں عرضۂ اخیرہ کا سنہری موقعہ آ گیا تو یہ نزول و منسوخیت کا سلسلہ بند کرنا پڑا!

ظالمو! کچھ تو سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ کی شان کو کیا بنا دیا۔ کیا لکھ رہے ہو؟ محض اس لئے کہ آپ کے عجمی سلف یہ لکھ گئے ہیں تو وہ اب بدلا نہیں جا سکتا لیکن اللہ کا لکھا یا لکھوایا بدلا جا سکتا ہے! کبھی یہ سوچا کہ اس زمانہ میں نہ لاسلکی، ٹیلیفون، ریڈیو، ٹیلیویژن، کمپیوٹر، ای میل، فیس بک، ٹوئٹر۔ حتیٰ کہ لاؤڈ اسپیکر بھی نہیں ہوتا تھا، اور بقول مُلاؤں کے کاغذ بھی نہیں ہوتا تھا نتیجتاً قرآن کریم کھجور کی ٹہنیوں، پتوں، چمڑوں، ہڈیوں اور پتھروں پر لکھا جاتا تھا تو پھر ان میں وقت بے وقت منسوخیاں و تبدیلیاں کیونکر کی جا سکتی تھیں اور پھر ان کی اشاعت یا ابلاغ صحابہؓ تک کس طرح کیا جا سکتا تھا؟؟

.(۳)۔... لوگ "حضرت ابو بکرؓ کے پاس جمع شدہ قرآن کی اطلاع نہ پا سکے نتیجتاً جس کسی کے پاس جو کچھ تھا وہ تلاوت کرتا رہا۔ جس سے اختلاف کا ہونا لازمی امر تھا"۔ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس جمع شدہ قرآن یعنی مصحف امام کو چھپا کر رکھا تھا اور وہ اس کا ابلاغ نہیں کر رہے تھے اور نہ اَوروں کو اس سے نقل کرنے کی اجازت تھی؟ اس صورت میں تو یقیناً اختلاف ہو سکتا تھا۔ مگر اللہ عالم الغیب کو آنے والے وقت کی خبر تھی اور اس نے اپنے رسول سلامٌ علیہ ہی سے مصحف امام لکھوا دیا تھا اور اس کا ابلاغ بھی کرا دیا تھا۔ اور بہت سے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے پاس وہ پورا کا پورا لکھا ہوا موجود تھا اور سونے پہ سہاگہ کے مصداق، حفظ بھی تھا۔ باقی سب عجمی مجوسیوں کی بنائی ہوئی کہانیاں ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول اور وہ بھی آخری رسول و نبی' الکتاب کے ابلاغ کے بغیر چلا جائے جبکہ یہی اس کا بنیادی فریضہ تھا؟ عجمیوں نے اللہ تعالیٰ پر، اسکے رسول پر، اس کی الکتاب پر جو حملے کئے وہ محض شکوک و شبہات اور کنفیوژن پیدا کرنے کیلئے تاکہ اختلافات پیدا ہوں اور وہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ نتیجتاً آج بھی ان کے چیلے یا ایجنٹ وہی کام دانستہ یا نادانستہ طور پر کر رہے ہیں۔

.(۴)۔... "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف تلف کئے تھے ان میں یہ چیزیں شامل تھیں مثلاً ایسی منسوخ آیات جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی مگر لوگ پڑھ رہے تھے"۔ تو یہ کس کی غلطی تھی کہ وہ نازل کرتا رہا اور منسوخ کرتا رہا، نازل کرتا رہا منسوخ کرتا رہا؟ یا یہ کس کی غفلت تھی کہ وہ منسوخ شدہ آیات کا ابلاغِ عام نہ کر سکا جس طرح سبعہ قراءات کا ابلاغِ عام نہ کر سکا؟ معاذ اللہ۔ ذرا سوچئے؟ کیا ایسی لچر بات یا الزام کوئی اللہ و رسول کو ماننے والا کر سکتا ہے؟ یقیناً یہ عجمی مجوسیوں کی شیطنت ہے۔

.(۵)۔... اُسی طرح کچھ صحابہؓ قرآن لکھتے ہوئے تفسیری کلمات بھی ساتھ لکھ دیتے تھے" کہاں لکھ دیتے تھے قرآن

کے متن میں یا حاشیہ میں؟ پھر کیا وہ رسول کی موجودگی میں (یونکہ وہ تو رسول ہی سے املا لیتے تھے یا مصحف امام سے نقل کرتے تھے) قرآن کا متن اور اس کے تفسیری کلمات کھجور کی ٹہنیوں و پتوں، چمڑے، یا پتھروں وغیرہ پر لکھتے تھے یا ان کے پاس کاغذ یا اس قسم کی لکھنے کی کوئی اور چیز موجود تھی۔ ذرا سوچئے! وہ حاشیہ کس چیز پر لکھتے تھے؟؟

(۶)۔... حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ قرآن کے متن کے ساتھ اس کی تفسیر کو لکھنا حرام نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ اسے مصحف کی بجائے ایک صحیفہ سمجھتے تھے اور اس میں جو چاہتے لکھ لیتے" معاذ اللہ! اتنے بڑے جلیل القدر صحابی پر یہ کتنا بڑا الزام و بہتان ہے۔ کہ وہ قرآن کے مصحف کو ایک صحیفہ یعنی بیاض، رَف کاپی یا نوٹ بُک سمجھتے تھے اور اس میں جو چاہتے لکھ لیتے! یعنی قرآنی مصحف کی کوئی عزت و تقدس نہیں تھا۔ معاذ اللہ! یعنی رسولی تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ و رسول کے حکم کے باوجود وہ اس کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ و رسول سلامٌ علیہ کی اطاعت نہیں کی! معاذ اللہ! اس قسم کے الزامات اور حملے تو صحابہؓ کبار پر، عجمی مجوسیوں نے، عام کئے ہیں یونکہ "**مقتدرہ**" کے مقاصد میں صحابہ دشمنی بھی شامل تھی[1]۔ ذرا سوچئے کہ کیا ایک جلیل القدر صحابی اللہ اور رسول سلامٌ علیہ کی نافرمانی کر سکتے تھے؟ کیا وہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے منکر تھے؟ جبکہ انہوں نے خود اپنے کانوں سے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زبان اقدس سے نکلا ہوا حکم سنا تھا کہ مجھ سے صرف قرآن لکھو۔ اگر کچھ اور لکھا ہے تو وہ مٹا دو۔ (صحیح مسلم) نیز اللہ تعالیٰ کا حکم بھی سنا اور پڑھا تھا کہ "(اے رسول) آپ کہہ دیجئے: اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (یہ الکتاب ان کے پاس آگئی ہے) تو (اب اس کے آنے) سے انہیں خوش ہونا چاہئے (اور اے رسول) جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں یہ الکتاب اس سے (بدرجہا) بہتر ہے (۵۸/۱۰) کیا ان دونوں حکموں کے بعد کسی بھی صحابی کی اتنی ہمت ہو سکتی تھی کہ اس کی خلاف ورزی کرے اور وہ بھی کھلم کھلا عجمیوں کو بتا کر کہ دیکھو میں تو تفسیر لکھتا تھا یا حدیث لکھتا تھا۔ غور کیجئے!

مُلّا جی آپ کو بہکائیں گے کہ کچھ صحابیوں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ سے اجازت لے لی تھی کہ وہ ان سے قرآن کے علاوہ حدیث بھی لکھ سکتے ہیں۔ تو ذرا غور کیجئے، تدبّر کیجئے، سوچئے کہ پہلی بات تو یہ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ صرف قرآن کریم کی آیات ہی سناتے تھے (۲/۱۵۱، ۳/۱۶۴، ۶/۱۳۱، ۱۰/۱۵، ۱۳/۳۰، ۲۸/۵۹، ۲/۶۲، ۲۵/۴۵، ۶/۴۵، ۴۵/۱۱، ۲/۶۵، ۹۸ وغیرہ) وہ قرآن کے علاوہ اپنی طرف سے اس کی تفسیر نہ کرتے تھے اور نہ سناتے تھے، یونکہ قرآن کریم کی تفسیر تو خود اللہ تعالیٰ تصریف الآیات کے ذریعہ کر رہا تھا۔ (۶/۴۶، ۶/۶۵، ۶/۱۰۶، ۷/۵۸ وغیرہم) دوسری بات یہ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ (نام نہاد) احادیث بھی نہیں سناتے تھے۔ قرآن کی طرح حدیث کی کوئی کتاب ان کے پاس نہیں تھی نہ ہی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی۔ اس لئے حدیث کا علیحدہ سے کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ تو عجمیوں کی شیطنت و شرارت تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی احسن تفسیر کی جگہ اپنی اپنی رائے اور (نام نہاد) احادیث کے حوالوں سے تفسیریں کرنا شروع کر دیں اور **مثلہٗ و معہٗ** والی روایت بھی گھڑ لی۔ اور رسول سے اجازت لے کر لکھنے کی روایت بھی گھڑ لی تاکہ عوام الناس کو گمراہ کیا جا سکے۔ خیال رہے کہ جس طرح اللہ اپنی بات بدلا نہیں کرتا اسی طرح رسول بھی اپنی بات نہیں بدلتا۔ جبکہ رسول کا حکم اللہ تعالیٰ ہی کے حکم (۵۸/۱۰) کے تحت تھا۔ اور آج مُلّا ہم سے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول سُنا سُنا کر عجمیوں کی روایات کی اطاعت کرانا چاہتا ہے تاکہ اس کا حلوہ مانڈہ چلتا رہے۔

[1] اس صحابہ دشمنی کی تفصیل پیچھے تحریر کر چکا ہوں۔ وہاں دیکھئے۔

اب ذراموصوف کے مضمون کابقیہ اقتباس ملاحظہ ہو جس سے آپ کو عجمی کارناموں و قراءتوں کا علم ہو گا اور ذرا سے تفکر سے آپ حقیقت تک پہنچ سکیں گے:

"جمع صدیقی اور جمع عثمانی میں یہ تمام چیزیں نکالی گئی تھیں اور انہوں نے سات حروف میں سے چھ کو قطعاً ختم نہیں کیا تھابلکہ انہوں نے وہی کچھ نکالا تھاجو عرضہ اَخیرہ کے وقت اللہ کی طرف سے نکال دیا گیا تھا۔

قاضی ابو بکر باقلانی رحمہ اللہ اپنی کتاب الانتصار میں فرماتے ہیں:

"ہم اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ قرآن جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایااس کے لکھنے کا حکم فرمایا۔ اس کو منسوخ نہیں کیااور نہ اس کے نزول کے بعد اس کی تلاوت کو منسوخ کیا یہ وہی قرآن ہے جو 'مابین الدفتین' پایاجاتاہے اور جس کو مصاحف عثمانیہ میں ثبت کر دیا گیاہے۔ اس قرآن میں نہ کوئی کمی ہے اور نہ ہی کوئی زیادتی۔ اس کی ترتیب اور ضبط ٹھیک اسی انداز پر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے لوح محفوظ میں ضبط فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سورتوں کی ترتیب (بحکم الٰہی) کی اور اس میں اپنی مرضی سے تغیر و تبدل نہیں کیا پھر اُمت نے اس مصحف کو اسی ترتیب کے مطابق یاد کیا۔" [الاتقان في علوم القرآن: ۱/۶۵](اوپر بیان شدہ تمام باتوں کی اس عقیدہ سے تردید ہو گئی نیز کیالوح محفوظ میں شاذ قراءات اور دیگر منسوخ آیات وغیرہ بھی محفوظ نہیں؟ تو پھر تو اللہ تعالیٰ کو لوح محفوظ میں بھی تبدیلی کرنی پڑی ہو گی! نعوذ باللہ۔ صدیق)

والد گرامی قدر فضیلۃ الشیخ القاری المقری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں:

"یہ خیال بہت سے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی بڑی مضبوطی سے قائم ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف اپنے دورِ خلافت میں لکھوائے تھے وہ اختلاف قراءت کو ختم کرنے کے لیے تھے۔ یہ غلط تخیل بالعموم کالجوں کے پروفیسروں اور بعض غیر محقق علماء میں، میں نے پایاہے۔ سوچنا چاہئے کہ جو اختلاف قراءات منزل من السماء ہے اور جس کے لیے بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائیں مانگی ہیں، جیسا کہ اَحادیث میں ہے اور جس کے متعلق مشہور حدیث 'أنزل القرآن علی سبعة أحرف' شاہد ہے، اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیسے ختم کر سکتے ہیں۔" (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حکم الٰہی کا مظہر ہوتاہے اور شریعت کے اَحکام میں حجت ہوتاہے اسے کوئی بھی اُمتی اپنی مرضی سے تبدیل یا منسوخ نہیں کر سکتا)" [تیسیر التجوید کے حواشی مفیدہ، ص۵۹] (غور کیجئے موصوف کے والد گرامی اپنے سلف ہی کے عقیدہ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ صدیق)

ایک اِشکال کا ازالہ

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تمام لغات اور حروف کو منسوخ کر دیا تھا اور صرف ایک حرف اور لغت کو باقی رکھا اور وہ لغت قریش تھی اس لیے بس یہی ایک قراءت ہے جو اس وقت پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔

جواب: اوّل تو یہ تسلیم ہی نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لغت قریش کے علاوہ باقی تمام لغات کو ختم کر دیا

تھا۔ (آپ جو چاہیں مانیں یا نہ مانیں۔ الزام تو ہم پر ہی ہے۔ صدیق) اس لیے کہ روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ ہی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لغت قریش کے سوا بعض اور لغات بھی موجود ہیں چنانچہ ان کے لیے **مَجْرِيْهَا** (ہود) میں را اور اس کے بعد والے **الف** کا اِمالہ ہے۔ حالانکہ امالہ عام اہل نجد کا لغت ہے، اسی طرح **فعل** کے وزن میں عین کا ضمہ حجازی اور سکون تمیمی لغت ہے اور روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ میں دونوں ہی لغت موجود ہیں۔

اسی طرح ہمزۂ ساکنہ کی تحقیق تمیمی لغت ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پس معلوم ہوا کہ قریش کے علاوہ باقی سب لغت ہی ختم نہیں کر دیئے گئے تھے۔ بلکہ اُن لغات کو ختم کیا گیا تھا جو غیر فصیح تھے (کیا اللہ تعالیٰ نے غیر فصیح لغات میں نزول کیا تھا؟ نیز ان کو ختم کرنے کی اتھارٹی کس نے دی تھی؟ صدیق) (ان کو عرضہ اخیرہ میں منسوخ کیا گیا تھا) اور قریش کے یہاں معتبر نہیں تھے (جب وہ قریش کے ہاں معتبر نہیں تھے تو پھر زید رضی اللہ عنہ سے پہلے کیسے لکھے گئے تھے؟ نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ قرآن قریش ہی کی لغت پر نازل ہوا تھا۔ صدیق) مثلاً ہذیل کے یہاں **حتی** کے بجائے **عتی** اور اسد کے یہاں **تِعْلَمُون**، **أَعْهَد** وغیرہ میں علامت مضارع کا کسرہ اور بنو تمیم کے یہاں **رُدَّتْ**، **رُدُّوا** میں را کا کسرہ اور **غير اسن** کے بجائے **غير ياسن** پڑھا جاتا تھا۔

البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف میں رسم الخط قریشی ہی رکھا تھا۔ جس کی چند وجوہ ہیں:

(۱)۔ پہلے زمانہ میں وسعت و رخصت اور سہولت و آسانی کے لئے قرآن کو سات لغات میں پڑھنے کی اجازت تھی اور ہر قبیلہ اپنے اپنے لغت میں تلاوت کرتا تھا۔ اس لیے مختلف قبائل کے عوام نے کم علمی کی وجہ سے ایک دوسرے کے لغت کی تردید و تنقیص شروع کر دی۔ (یہ کونسا زمانہ تھا اور کتنے عرصہ رہا؟ صدیق)

(۲)۔ بعض حضرات نے تفسیری جملے والفاظ اپنی قراءت میں شامل کر لیے تھے۔ (یہ محض گھڑنت ہے۔ صدیق)

(۳)۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے ناواقفیت کی بنا پر منسوخ التلاوت آیات بھی اپنی قراءت میں داخل کر لیں (پھر کیا لوح محفوظ میں ترمیم کی گئی؟ اگر ہاں تو اس کے معنی اس کتاب میں بھی کانٹ چھانٹ کے نشانات لگے ہوئے ہوں گے جیسے ایک بچہ کی کاپی! معاذ اللہ۔ صدیق)

ان حالات کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے کئی نسخے صرف لغت قریش ہی کے موافق اعراب اور نقطوں کے بغیر لکھوا کر معلمین سمیت مختلف اَطراف و ممالک میں بھیجے جائیں تا کہ سب لوگ انہی کے موافق تلاوت کریں اور نظم وضبط اور امن قائم ہو جائے۔ (جب صرف لغت قریش ہی کے موافق لکھوایا تو پھر سبعہ قراءات اور عشرہ قراءات یقیناً بعد میں عجمیوں کی گھڑنت ہیں۔ صدیق)

اور لغت قریش کا رسم الخط اس بنا پر اختیار کیا کہ قرآن کا اکثر و بیشتر حصہ اُسی کے موافق اُترا تھا نیز قرآن سب سے پہلے اسی لغت کے موافق نازل ہوا تھا۔ پھر آسانی اور رخصت کی غرض سے اور لغات میں پڑھنے کی اجازت ہو گئی تھی (یہ اجازت کب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غلطی کی تصحیح کب کی؟ نعوذ باللہ۔ صدیق) اور مصاحف کو نقطوں اور حرکتوں سے خالی اس لیے رکھا کہ ایک ہی قرآن سے مختلف لغات و حروف سبعہ

اور منقول طور پر لکھوایا اور یہ مصاحف بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع سے لکھے گئے۔ پھر آپ نے ایک مصحف کو خاص اپنی تلاوت کے لئے رکھ لیا۔ جسے 'مصحف امام' کہا جاتا ہے اور ایک نسخہ اہل مدینہ کو عنایت کیا اور ایک ایک مصحف کوفہ، بصرہ، شام، بحرین، یمن کی طرف معلمین قراءات سمیت روانہ فرمایا۔ (مدنی مصحف کے معلّم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کوفی کے حضرت ابو عبد الرحمٰن سلمی رضی اللہ عنہ اور بصری کے حضرت عامر بن قیس رضی اللہ عنہ اور شامی کے حضرت مغیرہ بن ابی شہاب رضی اللہ عنہ اور مکی کے حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ تھے)

اگر لغات و قراءات اور 'سبع احرف' کے نسخ کو تسلیم کر لیں تو لازم آئے گا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین، تبع تابعین، جملہ ائمہ و مشائخ اور بعد کے سب لوگ آج تک ایک منسوخ چیز کی خدمت و تبلیغ اور تعلیم و اشاعت میں لگے رہے۔ حالانکہ جو چیز قرآن میں نہ ہو۔ اس کے پڑھنے، سننے اور لکھنے پر تو ادنیٰ درجہ کا مومن بھی صبر نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ ذمہ دار اکابر اور خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تو یہ بات بالکل ناممکن ہے۔ (کیا جہالت کا سوال ہے! کیا جو قرآن آج ہمارے پاس ہے وہ اس مصحف کے مطابق نہیں جو عثمانؓ نے ۱۲ ہزار صحابہؓ کے اجماع سے لکھایا تھا؟ تو کیا وہ ۱۲ ہزار صحابہؓ نے ایک منسوخ چیز کی اشاعت کروائی تھی؟ صدیق)

اور ائمہ کے طبقات و حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ۷۵ سال سے لے کر ۹۹ سال تک عمر پائی اور ہر ایک نے قرآن مجید اور اس کی قراءات کی خدمت میں ۶۰ برس سے زیادہ عرصہ صرف کیا۔ روزانہ بے شمار طلباء ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ (اندازہ کیجئے کہ ایک غلط کام ۶۰ برس تک کیا جائے تو کم از کم دو نسلیں تو متاثر ہوں گی۔ اسی طرح اگر ۶۰ برس تک کوئی غلط چیز پڑھائی جائے اور اس کا پروپیگنڈہ بھی کیا جائے اور کرنے والے بھی بہت ہوں تو عوام الناس جو کہ کم علم ہی ہوتے ہیں وہ تو متاثر ہو کر ضرور گمراہ ہوں گے۔ صدیق)

چنانچہ امام نافع رحمۃ اللہ علیہ فجر سے پہلے تہجد کے وقت پڑھانا شروع کرتے اور عشاء تک برابر پڑھاتے رہتے تھے۔ (کیا ایک نشست میں یہ ممکن ہے؟ صدیق) امام ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ کے گرد مجمع دیکھ کر ان کے شیخ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تعجب سے کہا تھا کہ کیا علماء اَرباب بن گئے؟ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ (موصوف کے قلم سے یہ حقیقت نکل ہی گئی کہ علماء و محدثین کو ارباب بنالیا گیا۔ صدیق)

اسی طرح ائمہ قراءات کے بعد ہر قرن و ہر زمانہ اور ہر زبان میں علماء قراءات اور مشائخ اہل اَدا نے اس اشرف ترین علم کی خدمت کی۔ اس کی تعلیم و تبلیغ، تصنیف و تالیف اور اشاعت میں کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کیا۔ ان حضرات نے اس علم کی ترویج اور نشر و احیاء کے لیے اپنی ذات کو ہر لحاظ سے فارغ کر لیا تھا اور اس کی خاطر اپنی عزیز ترین عمریں اور پاکیزہ زندگیاں وقف کر دی تھیں اور تعلیم و تالیف دونوں ہی طریقوں سے 'اختلافی وجوہ' اور 'اختلاف قراءات' کی صیانت و حفاظت اور نشر و توضیح کا کام کیا اور اس فن

میں قابلِ فخر تصانیف یادگار چھوڑیں۔

'وجوہ قراءات' کے متعلق تیسری صدی سے آج تک صدہا کتابیں تالیف کی گئی ہیں اور وہ سب اس فن کی معتبر اور نہایت صحیح تصانیف شمار ہوتی ہیں۔ (گویا یہ کارنامہ بھی روایات کی طرح تیسری صدی ہی کا ہے۔ صدیق)

(۱)۔ سب سے پہلے ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۲۴ھ] نے **کتاب القراءات** (۲۵ قراءتوں میں) لکھیں۔

(۲)۔ امام ابوحاتم سہل بن محمد بن عثمان سجستانی نحوی مقری بصری رحمۃ اللہ علیہ [م ۲۴۸ھ] شاگرد امام یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے **کتاب القراءات** لکھی جس میں ۲۵ قراءات شامل تھیں۔ (یعنی سات سے پچیس ہوگئی تھیں! صدیق)

(۳)۔ قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ [۲۸۲ھ] شاگرد قالون رحمۃ اللہ علیہ نے **کتاب القراءات** (۲۰ سے زیادہ قراءتوں میں) لکھی۔

(۴)۔ امام التاریخ طبری رحمۃ اللہ علیہ [۳۱۰ھ] نے **کتاب الجامع** (۲۰ سے کچھ زائد قراءات میں) تصنیف کی۔

(۵)۔ ابوبکر داجونی رحمۃ اللہ علیہ [۳۲۴ھ] نے بہت سی قراءتوں کو ایک تالیف میں جمع کیا۔

(۶)۔ ابن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ [۳۲۴ھ] نے **کتاب السبعۃ** تحریر کی۔

(۷)۔ **کتاب القراءات** تالیف احمد شذائی رحمۃ اللہ علیہ [۳۷۰ھ]

(۸)۔ **کتاب الشامل** اور

(۹)۔ **کتاب الغایۃ** (دس قراءتوں میں) یہ دونوں تالیف ابن مہران رحمۃ اللہ علیہ [۳۸۱ھ] نے لکھیں۔

(۱۰)۔ **کتاب المنتہی** (بہت سی قراءتوں میں) تالیف خزاعی رحمۃ اللہ علیہ [۴۰۸ھ] ہے۔

نوٹ: اس موقع پر یہ بات یاد رکھیں کہ ہر مصنف نے اپنی تالیف میں وہی قراءتیں بیان کی ہیں جو اس کو متصل اور صحیح سند سے پہنچی تھیں اور وہ سبھی 'سبعہ احرف' کے مصداق میں شامل ہیں، لیکن اس وقت دس قراءات متواترہ ہیں۔

(۱۱ تا ۱۳)۔ چوتھی صدی کے آخر میں اندلس اور مغربی شہروں میں کسی قراءات کا رواج نہ تھا، (اس حقیقت پر غور کیجئے۔ صدیق) پس ان شہروں سے سب سے پہلے ابوعمر طلمنکی رحمۃ اللہ علیہ [۴۲۹ھ] نے پھر ابومحمد مکی رحمۃ اللہ علیہ [۴۳۷ھ] اور امام ابوعمر ودانی رحمۃ اللہ علیہ [۴۴۴ھ] نے قراءات کی تحصیل کے لیے سفر کیا اور مصر وغیرہ سے پڑھ کر ان کو اندلس میں پہنچایا اور بیش بہا کتب علم قراءات میں تحریر کیں۔ (یعنی کوئی خطہ اس سے خالی نہ چھوڑا اور اندلس میں بھی پہنچا دیا۔ صدیق)

(۱۴)۔ پانچویں صدی میں ابوعلی اہوازی رحمۃ اللہ علیہ [۴۴۶ھ] دمشق میں اُستاذ القراءات تھے۔ انہوں نے **الوجیز** (۸ قراءتوں میں) اور '**ایجاز**' اور '**ایضاح**' وغیرہ کتب علم قراءات میں لکھیں۔

(۱۵)۔ اسی عرصہ میں ابوالقاسم ہذلی رحمۃ اللہ علیہ [۴۶۵ھ] نے مشرق سے مغرب تک کا سفر کیا اور بہت سے ملکوں اور شہروں میں پھرتے اور ائمہ قراءات سے روایت کرتے رہے، حتیٰ کہ ماوراء النہر تک پہنچ گئے۔ نیز غزنی وغیرہ میں بھی قراءات پڑھیں۔ پھر **کتاب الکامل** (۵۰ قراءتوں اور ۱۴۵۹ روایات وطرق میں)

تالیف کی۔ خود فرماتے ہیں کہ میں مغرب کے شہروں کے اخیر سے لے کر فرغانہ کے ابواب تک دائیں بائیں پہاڑ، ہموار زمین خشکی، تری غرض کہ ہر جگہ پھرا ہوں اور میں نے ۳۶۵ شیوخ سے ملاقات کی۔ (۲۵ سے پچاس قراءات پانچویں صدی میں بنادی گئیں۔ صدیق)

(۱۶)۔ اسی زمانہ میں مکہ مکرمہ میں عبد الکریم طبری رحمۃ اللہ علیہ [۴۷۸ھ] استاذ القراءات تھے۔ انہون نے کتاب **سوق العروس** (۱۵۵۰ روایات وطرق میں) لکھی۔ (غور کیجئے، عجمیوں کا کارنامہ! صدیق)

(۱۷)۔ ابو القاسم عیسیٰ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ [۶۲۹ھ] نے **کتاب الجامع الاکبر و البحر الاذخر** (۷۰۰۰ روایات وطرق میں) تالیف کی (**النشر فی القراءات العشر**) (غور کیجئے عجمیوں کا کارنامہ! صدیق)

کیا کوئی عقل سلیم اس بات کو باور کر سکتی ہے کہ یہ مقدس جماعتیں جن پر دین کا مدار ہے (یہ مقدس جماعتیں کیونکر اور کیسے ہو گئیں؟؟ کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں مقدس قرار دیا تھا یا رسول سلامؐ علیہ نے پیش گوئی کی تھی کہ ہمارے بعد عجمی مجوسیوں کی مقدس جماعتیں آئیں گی اور وہ احادیث، تفسیر، فقہ اور قراءات گھڑیں گی جن کی تعداد سات ہزار روایات وطرق تک جا پہنچے گی! صدیق)) قرآن میں کوئی ایسی چیز پڑھیں یا لکھیں جو قرآن میں نہ ہو، **نعوذ باللہ من ھذہ العقیدۃ الباطلۃ** غرض کہ اب اُمت کے پاس دس متواتر قراءتیں اور ان کی دو دو روایتیں باقی ہیں۔ حق تعالیٰ منکرین قراءات کو توبہ کی اور ہمیں حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین (غور کیجئے یہ کتنی قراءتیں ہوئیں۔ نیز اوپر بیان کردہ سینکڑوں روایات وطرق کہاں گئے۔ صدیق)

قرآن کریم میں دو طرح کے الفاظ ہیں:

(۱)۔ اتفاقی جن کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ہی طرح روایت کیا ہے۔

(۲)۔ اختلافی جن کو عرب کے لغات کے مختلف فیہ ہونے کی بنا پر حق تعالیٰ نے کئی کئی طرح نازل فرمایا ہے اور پھر انہی الفاظ سے ائمہ قراءات نے قواعد اور شروط کی پابندی کرتے ہوئے مختلف ترتیبیں اختیار کر لیں۔

جن کی بناء پر دورِ اوّل میں بے شمار قراءتیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں جن کی تعداد ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے پچیس لکھی ہے۔ بعد میں جوں جوں لوگوں میں سستی پیدا ہوتی گئی۔ شوق اور ہمت گھٹتی چلی گئی اور قوت ضبط و حافظہ میں کمی ہوتی گئی تو ان قراءات کی تعداد بھی کم ہوتے ہوتے دس قراءات اور بیس روایات تک رہ گئی۔ پھر اس علم کی نسبت ان قراءات و روایات کے ائمہ ہی کی طرف ہونے لگی، کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو اس علم کی خدمت و اشاعت کے لیے فارغ و مخصوص کر لیا تھا۔ اسی لیے وہ اس میں مشہور ہو گئے اور عوام و خواص سب نے ان پر اعتماد کر لیا۔ اس وقت قراءت سے یہ دس قراءات دس ائمہ رحمہم اللہ کی طرف منسوب ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے دو دو راوی ہیں اور انہی کی دو دو روایتیں مل کر ایک قراءت بنتی ہے"۔ [1] (یہ سبعہ سے دس کیسے ہو گئیں؟ کیا یہ کام آپ کے اپنے ہی معیار کے مطابق اسلامی ہے؟ کیا آپ کے ائمہ اللہ و رسول کی بتائی ہوئی سبعہ کو بڑھا کر عشرہ کر سکتے ہیں؟ صدیق)

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۰۲۔۱۰۵

قارئین اس اقتباس کو پھر سے غور سے پڑھئے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان ائمہ قراءات کو بھی، محدثین کی طرح، کس طرح ارباباً مِن دُون اللہ بنا دیا گیا کہ وہ تہجد کے وقت سے عشاء کے وقت تک برابر پڑھاتے رہتے تھے اور ساٹھ ساٹھ برس تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ذرا غور کیجئے کہ کیا یہ انسانی ناطے سے ممکن بھی ہے؟؟ دوم یہ کہ کیا یہ ائمہ رسول وصحابہؓ سب سے بہت آگے نہیں بڑھ گئے تھے؟؟ دراصل یہ ان کا کمال نہیں تھا بلکہ یہ ان کے اندھے ماننے والوں کا کمال ہے کہ انہوں نے اپنے سلف کی جھوٹی شان پر یقین کر لیا اور اس کو بھی من وعن مان لیا۔

دوسری اہم حقیقت کہ سبعہ قراءات کا سارا چکر، مثل (نام نہاد) احادیث کے، تیسری صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک چلا اور پھلا پھُولا۔ (امام جزری' ۸۳۳ھ اور امام حجر عسقلانی و۸۵۲ھ اور سیوطی و۸۵۰ھ) جس میں سبعہ قراءات کا شوشہ چھوڑا گیا اور وہ بڑھتے بڑھتے ۵۰ قراءتوں اور ۷۰۰۰ روایات وطرق تک پہنچ گیا! اور روایات کا شوشہ چھوڑا گیا اور وہ بڑھتے بڑھتے تقریباً ۱۵۰۰ کتب تک پہنچ گیا![1]

اور اب پندرھویں صدی ہجری میں سلفی و رُشدی حضرات نے، اپنے سَلف کی اندھی تقلید میں، ۲۰ مختلف قراءتوں والے قرآن تیار کر لئے ہیں! دیکھئے اب آگے آگے ہوتا ہے کیا؟

تعارف علم قراءات

قارئین اب ہم آپ کو چند ڈائریکٹ سوال وجواب سے اقتباس پیش کرتے ہیں۔ یہ ہیں جناب حافظ قاری ڈاکٹر حمزہ مدنی صاحب مدیر رسالہ 'رُشد' قرآن نمبر۔ تلمیذ رشید جناب قاری محمد ابراہیم میر محمدی صاحب۔ جن کا سبعہ اَحرف یا سبعہ قراءات کیا ہیں یا اس کا مفہوم کیا ہے وغیرہ پر کوئی مضمون رسالہ کے تینوں حصوں میں شائع نہیں ہوا۔ (غالباً انہوں نے عقلمندی کا ثبوت دیا۔ صدیق) جبکہ رُشد قراءات نمبر کی فکر بھی حضرت شیخ القراء صاحب کی تحریک پر ہی پیدا ہوئی اس لئے ادارہ نے تمام قراءات نمبروں کا انتساب جناب ہی کی طرف کر دیا ہے[2]۔ ڈاکٹر حمزہ مدنی صاحب صرف رسالہ ہی کے مدیر نہیں بلکہ وہ مدیر کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ وانچارج مجلس التحقیق الاسلامی۔ لاہور بھی ہیں انہوں نے دو قسطوں میں ایک مضمون "تعارف علم قراءات.......... اہم سوالات وجوابات" کے نام سے ۸۸ صفحات میں لکھا ہے۔ جس میں ۳۷ سوال قائم کر کے ان کے جوابات دیئے ہیں۔ یہ مضمون چونکہ رُشد حصہ اوّل ہی سے شائع ہونا شروع ہو گیا تھا اس لئے یہ تو حقیقت ہے کہ 'رُشد' پڑھنے کے بعد لوگوں نے یہ سوالات نہیں اُٹھائے بلکہ یہ تو پہلے ہی لوگ اس قسم کے سوالات سبعہ اَحرف یا عشرہ قراءات وغیرہ سے متعلق روایات سُن کر کرتے رہے ہیں یا پھر ڈاکٹر صاحب کو خود اس قسم کے خدشات ذہن میں تھے (شاید آپس میں تبادلہ خیال کے نتیجہ میں) تو انہوں نے ان کی وضاحت کی کوشش کی تاکہ لوگوں کو ایک غیر قرآنی عقیدہ باور کرا کر عجمی اسلاف کو خوش کر سکیں۔ ان کے ۸۸ صفحات تو میں یہاں نقل نہیں کر سکتا، البتہ چند خاص خاص اقتباسات پیش کرتا ہوں:

. سوال نمبر (۱)۔...اختلاف قراءات کا شرعی مقام کیا ہے اور کیا قرآن کریم میں ثبوتِ قراءات کی کوئی بنیاد موجود ہے؟

غور کیجئے کہ میں شروع ہی سے یہ سوال اُٹھا تا رہا ہوں کہ سبعہ اَحرف یا سبعہ قراءات کا ثبوت قرآن کریم کی

[1] تاریخ القرآن از پروفیسر عبدالصمد صارم الازھری۔ صفحہ ۱۹۴...... [2] رُشد۔ قراءات نمبر حصہ سوم۔ صفحہ ۲۱

صریح عبارت النص سے دیجئے یونکہ یہ بہت اہم عقیدہ ہے۔ مگر کوئی بھی اس غیر قرآنی عقیدہ کا ثبوت قرآن کریم کی صریح عبارت النص سے نہ دے سکا یہاں محترم ڈاکٹر صاحب نے یہ مان لیا ہے کہ متن قرآن میں قراءات کا وجود موجود نہیں ہے۔ مگر پھر وہ اپنی فلاسفی ''یُسر'' کے لفظ کے سہارے سے دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنی الکتاب کے بارے میں فلاسفی دی اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ (۵۸/۴۴) ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں''۔ یعنی قرآنِ کریم رسول سلامٌ علیہ کی زبان میں آسان کر دیا اور رسول کی زبان عربی مبین قریشی تھی۔ اس لئے اس کی مزید سات لغات میں آسانی کی ضرورت نہ تھی۔ وہ سب گھڑنت ہے۔

''جواب: بنیادی بات جو ہر مسلمان کے پیش نظر رہنی چاہئے اور جو اسلام کا بنیادی تقاضا ہے، وہ وحی کی پابندی ہے۔ جو مسلمان وحی کو نہیں مانتا وہ گویا وحی بھیجنے والی ہستی یعنی اللہ کو نہیں مانتا اور جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے وہ یہ بھی ضرور مانے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بلا مقصد پیدا نہیں فرمایا، بلکہ کسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کے بیان کی اب دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ خالق خود آ کر مخلوق کو مقصدِ تخلیق بتائے، دوسرا یہ کہ وہ کسی کو نمائندہ بنا کر بھیج دے۔ (یہاں حافظ صاحب قرآن مبین کو درمیان سے نکال گئے یونکہ وہ خالق کے بھیجے ہوئے پیغام کو مانتے ہی نہیں۔ یونکہ اس میں عجمیوں کی گھڑنت قراءات کا کوئی تذکرہ نہیں۔ جبکہ رسول سلامٌ علیہ کی طرف عجمیوں کی کسی طرح کی گھڑنت کو بھی منسوب کر دو اور جو نہ مانے اس پر منکر حدیث ہونے کا فتویٰ لگا دو۔ صدیق) ہر دو صورت میں اس نے جو بات کہنی ہے وہ اس کا مطالبہ کہلائے گا۔ اللہ رب العزت اگر اپنا مطالبہ براہِ راست بیان کرنے کے بجائے کسی واسطہ سے مخلوق سے کریں تو عموماً وحی اس کو کہا جاتا ہے اور یہ بات متعین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بات وحی کے ذریعے سے مخلوق کو بیان کی ہے، چنانچہ عقائد اہل سنت میں یہ بنیادی بات ہے کہ ثابت شدہ وحی میں اگر ایک بات آ جائے تو مسلمان کو اس سے بہر حال انکار نہیں ہو سکتا۔ وحی کے دو ماخذ ہیں: قرآن اور سنت۔ (یہ دونوں ماخذ قرآن مبین میں کس جگہ بیان ہوئے ہیں۔ صدیق) دونوں قسموں کی وحی کی بنیاد رسول ہوتا ہے، چنانچہ رسول ﷺ سے اگر ایک بات ثابت ہو جائے (کیا رسول سے قرآن مبین کے علاوہ، جسے سنت کہا جاتا ہے، کچھ اور مثل نام نہاد روایات، بھی ثابت ہے؟ صدیق) تو کسی شے کے شرعی ہونے کے لیے یہی کافی ہے، اگرچہ وہ قرآن کریم میں بظاہر بیان نہ بھی ہوئی ہو۔ اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ثبوتِ قراءات کا مسئلہ دونوں قسموں کی وحی سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں قراءات کی حقیقت کے بارے میں جو بحث موجود ہے، میرے مطابق وہ قرآن مجید کی اُن آیات میں ہے، جن میں اُمت کے ساتھ آسانی اور مشقت کے خاتمے کی بات کی گئی ہے۔ ایسی آیات کافی ساری ہیں۔ چند آیات یوں ہیں، فرمایا: (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ) (الحج: ۷۸) اور (يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ) [البقرة: ۱۸۵] اور اس طرح کی دیگر آیات۔ اب دین میں 'یسر' کے حوالے سے اور مشقت کے خاتمے کے سلسلہ میں بے شمار قسم کے

احکامات موجود ہیں، وہ سارے 'یسر' ہی کی تشریحات کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس پہلو سے دیکھیں تو ہمارے کاروبار میں 'یسر' کی رعایت کی گئی ہے، ہمارے معاملات میں 'یسر' کی سہولت ہے، نکاح و بیاہ کے معاملات میں 'یسر' کو مد نظر رکھا گیا ہے، تمام امورِ دین میں 'یسر' کی بحث موجود ہے۔ اسی طرح ہمارے دین کے اندر اگر کوئی چیز پڑھنے سے متعلق ہے اس میں بھی 'یسر' ہے۔ دین کا کوئی ایسا عضو نہیں ہے جس میں 'یسر' نہ ہو۔ تلاوتِ قرآن بھی دین کا ایک حصہ ہے، لہٰذا اس میں بھی 'یسر' کا پہلو ملحوظ رہنا چاہئے۔ اس پہلو سے اگرچہ متنِ قرآن میں بظاہر قراءات کا وجود موجود نہیں ہے، لیکن 'یسر' کے عمومات کے تحت لازماً موجود ہے۔ اس کو آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ جیسے **أقیموا الصلٰوۃ** میں 'صلوۃ' کے عموم میں صلوٰۃ (دعا) کے ہر قسم کے افراد داخل ہیں۔ صلوٰۃ (دعا) کی ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں، آپ لیٹ کر بھی دعا کرتے ہیں، بیٹھ کر بھی دعا کرتے ہیں، کھڑے ہو کر بھی دعا کرتے ہیں، اسی طرح دس منٹ کھڑے ہو کر دعا کرنا، دو منٹ کھڑے ہو کر دعا کرنا، رکوع و سجدہ میں دعا کرنا، تشہد میں دعا کرنا وغیرہ یہ سارے دعا کے ہی افراد ہیں۔ شرعی صلوٰۃ کی جو بھی کیفیت ہو، وہ بھی دعا ہی ہے، چنانچہ (**أقیموا الصلوۃ**) [الانعام:۷۲] سے مراد اللہ تعالیٰ کی مخصوص قسم کی صلوٰۃ ہے جس کا ذکر کتب حدیث میں **کتاب الصلوۃ** کے ضمن میں ملتا ہے۔ صلوٰۃ کا سنت سے کوئی ایسا معنی متعین کرنا جو بظاہر قرآن کی عبارت سے سامنے نہ آ رہا ہو، تو وہ معنی چونکہ قرآن ہی سے اَخذ شدہ ہو گا، کیونکہ بقول امام شافعیؒ آپ ﷺ نے کچھ بیان کیا ہے وہ قرآن مجید ہی سے اخذ کر کے بیان فرمایا ہے، (کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ **مثلهٗ و معهٗ** والی امام شافعی کی گھڑنت بھی قرآن ہی سے اخذ کر کے بیان کی گئی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسکے خلاف چیلنج کیا ہوا ہے: ۲/۲۳، ۱۰/۳۸، ۱۱/۱۳، ۱۷/۸۸، ۵۲/۳۴۔ صدیق) چنانچہ اسے خارج از قرآن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر اللہ کے رسول (**أقیموا الصلوۃ**) [الانعام:۷۳] کہہ کر دعا کا کوئی فرد متعین کر دیں (جیسا کہ پرویز اور دیگر منکرین حدیث بھی صلوٰۃ کا کوئی معنی اس کے عمومات میں سے متعین کرتے ہیں) تو وہ قرآن کے خلاف نہیں ہو گا۔ اس پہلو سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ (**یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسرَ**) [البقرۃ:۱۸۵] کہہ کر اللہ کے رسول ﷺ نے اگر 'یسر' کا کوئی عملی نظام ہمیں دیا ہے تو وہ قرآن مجید سے خارج نہیں ہے۔ جیسے اللہ کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی نماز (**أقیموا الصلوۃ**) [الانعام:۷۲] کے اندر داخل ہے، اسی طرح **یسر** کے ذیل میں رسول اللہ نے جو قراءتیں ذکر فرمائی ہیں وہ بھی عمومات قرآن میں ہی داخل ہیں۔ میرے خیال میں بحث کا ارتکاز اس نکتہ پر رہنا چاہئے کہ سنت کا کوئی حکم قرآن سے باہر نہیں ہے۔ اگر سنت کا کوئی حکم قرآن سے باہر نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قراءات کے بارے میں وارد شدہ آپ کا فرمان "**أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف**" [صحیح البخاری:۴۹۹۲] بھی قرآن مجید ہی میں کسی آیت کے عموم میں موجود ہے۔ (آخر یہ روایت کون سی آیت کی تفسیر ہے؟ صدیق) میری ناقص رائے کے مطابق وہ (**یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسرَ**) [الانعام:۷۲] کے عموم میں داخل ہے، جیسے نماز کا یہ نظام **أقیموا الصلوۃ** کے عموم میں نظر آتا

ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ اسبال الازار (ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانا) کی ممانعت قرآن میں کہاں وارد ہوئی ہے؟ تو میں اسے کہوں گا کہ قرآن مجید میں تکبر کی ممانعت کی گئی ہے اور اِسبال ازار بھی تکبر کے قبیل سے ہے۔ (صرف ملاؤں کے نزدیک۔ صدیق)

لغوی اعتبار سے تکبر کے متعدد افراد ہو سکتے تھے، اس کا ایک فرد اللہ کے رسول ﷺ نے متعین کر دیا ہے۔ تو رسول اللہ کا ارشاد "من جرّ ثوبه خیلاء لا ینظر الله الیه یوم القیٰمة" [صحیح البخاری: ۵۳۳۸] قرآن مجید کی تکبر والی آیات کی تشریح و تبیین کے ضمن میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ یہ حکم بھی قرآن کریم سے خارج نہ ہوا، بلکہ اس کے عموم میں داخل ہے۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر قراءات صرف صحیح حدیثوں سے ثابت ہو جائیں، تو چونکہ حدیث بھی مثل قرآن وحی ہے (عجمی مجوسیوں کا بنایا ہوا عقیدہ! قرآن کریم سے یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں۔ صدیق) چنانچہ تعدد قراءات کے شرعی استناد کے لئے صرف یہی کافی ہے۔ "أنزل القرآن علی سبعة أحرف" [صحیح البخاری: ۴۹۹۲] اور اس قسم کی دیگر حدیثیں بتاتی ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت میں متنوع اَسالیب تلاوت موجود ہیں۔ یہاں اتنا ذکر کر کے بات ختم کرتے ہیں کہ جب میں نے قراءات کے بارے میں روایات کے حوالے سے تحقیق کی تو قراءات کے بارے میں کمپیوٹر پر صرف ایک دفعہ کلک کرنے سے ساڑھے سات سو روایات سامنے آگئیں۔ (مگر ایک بھی آیت بطور نص صریح نہیں آئی! صدیق) جس مسئلے کے بارے میں ایک سطحی جائزے میں کم از کم ساڑھے سات سو روایات سامنے آگئیں تو اس مسئلہ کے شرعی ہونے کے بارے میں دو رائے کیسے ہو سکتی ہیں؟ (کیا معیار ہے! صدیق)

سوال نمبر ۲: قرآن تمام زمانوں اور تمام اقوام کے لیے ہدایت ہے، تو قراءتوں میں صرف اہل عرب کی رعایت کیوں؟

جواب: یہ بات اُصولی طور پر ٹھیک ہے کہ دین کی آسانیاں قیامت تک کے لوگوں کو سامنے رکھ کر دی گئی ہیں، لیکن جو آسانی قراءت (پڑھنے) سے متعلقہ ہے، وہ عربوں کے ساتھ مخصوص اس لئے ہے کیونکہ قرآن مجید کی تلاوت فارسی، اُردو یا انگریزی وغیرہ میں نہیں ہو سکتی، لہٰذا تلاوت میں اقوام عالم کے بجائے اہل عرب کی لسانی مشکلات کی رعایت رکھی گئی ہے۔

تمام اقوامِ عالم کی زبانوں کا ایک عالمی قاعدہ ہے کہ ہر ۳۰ میل بعد زبان کا لہجہ بدل جاتا ہے اور اسی طرح بسا اوقات لہجہ کے ساتھ ساتھ ایک بڑی لغت میں متعدد چھوٹی چھوٹی لغات معرض وجود میں آجاتی ہیں۔ یہ ارتقاء تقریباً ہر زبان میں موجود ہے، مثلاً اُردو زبان لے لیں یا پنجابی، فارسی لے لیں یا عربی، ہر زبان میں ۳۰ میل بعد لہجہ بدل جاتا ہے۔ اور اس حقیقت کا کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا۔ ابتداءِ نزولِ قرآن لغت قریش میں ہوا تھا، دیگر زبانوں کی طرح اس وقت عربی زبان بولنے والوں کی مشکل بھی یہی تھی کہ جس طرح آج کی عربی جدید میں ہر ۳۰ میل بعد عربوں کے لہجے بدلتے ہیں اُس دَور میں بھی بدلتے تھے۔

الغرض عربی زبان ہی کے حوالے سے لوگوں کو یہ مشکل پیدا ہوئی تھی اور یہ مشکل تاقیامت اہل عرب کے لیے ہی باقی ہے۔ اب میرے اور آپ جیسے لوگوں کے لیے تو عربی کا کوئی بھی لہجہ ہو تو وہ ہم نے غیر فطری طور پر ہی سیکھنا ہے۔ اگر عرب شروع سے ہمزہ قطعی میں تسہیل کرتے ہوتے، تو ہم بھی تسہیل سیکھ لیتے، اور اگر وہ شروع میں امالہ صغری کرتے تو ہم بھی امالہ ہی سیکھتے، چنانچہ ہمارے لیے تو کوئی لہجہ بھی مشکل یا آسان نہیں ہے، بلکہ تمام لہجے برابر ہیں۔[1]

آگے دیکھئے موصوف کا سوال نمبر ۴:-

سوال نمبر ۴: . قراءات سات نازل ہوئیں، جبکہ قراء کرام کے مطابق دس یا سترہ قراءات کیسے بن گئیں؟

جواب: قراءات سات نازل ہوئیں، اصطلاحِ قراء کی رُو سے یہ جملہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اصطلاح قراء میں قراءات اپنی لغوی معنی میں مستعمل نہیں۔ یہ بڑا اہم نقطہ ہے اس پر غور کرنا چاہئے۔ جیسے لغت میں فقہ کا مطلب ہے گہری سمجھ بوجھ، لیکن اصطلاحِ فقہاء میں صرف گہری سمجھ بوجھ کو فقہ نہیں کہتے، بلکہ عمل سے متعلقہ احکامات شرعیہ کی گہری سمجھ بوجھ کو فقہ کہتے ہیں۔ اگر قراءت اور قرآن کا فرق سمجھ لیا جائے تو سوال اور پیش کردہ اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اصل سوال یہ ہے کہ قراءات اور قرآن میں کیا فرق ہے؟ (یہ سوال موصوف نے خود بنالیا۔ صدیق)

قراء کے ہاں قراءات اور قرآن میں وہی فرق ہے جو محدثین کے ہاں حدیث اور سنت میں ہے۔ محدثین کے ہاں سنت کہتے ہیں قرآن کے علاوہ منزل من اللہ وحی کو (کیا یہ تعریف قرآن مبین نے کہیں کی ہے؟؟ اللہ تعالیٰ تو صرف الکتاب کو نازل شدہ وحی بتاتا ہے اور رسول سلامٌ علیہ بھی صرف قرآن مبین ہی کے وحی ہونے کی تصدیق فرماتے ہیں (۱۹ /۶) کسی اور چیز کی نہیں۔ اس لئے یہ سب عجمیوں اور رُشدیوں کی گھڑنت ہے۔ صدیق)، جو کہ امت کو آپ سے اقوال، اعمال اور تقریرات کی صورت میں ملی ہے، جبکہ حدیث سنت کی خبر کو کہتے ہیں، جو صحابہ بیان کرتے ہیں۔ اسی لیے محدثین نے حدیث کی تعریف یوں کی ہے: **هو ما أضيف الى رسول الله** "حدیث وہ شے ہے جو رسول اللہ کی طرف منسوب کی جائے۔" اس سنت کو بطورِ خبر بیان کرنے والا صحابی ہوتا ہے اور جس چیز کو وہ آگے بیان کرے گا وہ سنت ہوگی۔ (پھر وہی دھوکہ۔ صدیق) ایک مثال سے بات کھولتے ہیں۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے: " **انما الأعمال بالنيات**" [بخاری: ۱] جس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت یہ قولی سنت تھی، لیکن جب صحابہؓ نے اس کو آگے بیان کیا اس وقت یہ حدیث بن گئی۔ صحابہ کرام جس بات کو بیان کرتے ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ کی وہ چیز جس کو بیان کیا جارہا ہے دو علیحدہ چیزیں نہیں ہوتیں اس اعتبار سے محدثین کے ہاں سنت اور حدیث دونوں مترادف ہیں یعنی قریب المعنی ہیں۔ اسی طرح قرآن و قراءات میں فرق ہے۔ قرآن کہتے ہیں ان الفاظ وحی کو جو منزل من اللہ ہے اور قراءات اسی قرآن کی خبر کو کہتے ہیں، جب اس کو آگے روایت کیا جاتا

[1] رُشد قراءات نمبر۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۲۴۴۔۲۴۶

ہے۔اب ''انما الاعمال بالنیات'' [بخاری:۱] رسول اللہ ﷺ کی ایک قولی سنت ہے، لیکن اس کی مرویات زیادہ ہو سکتی ہیں۔ بعض محدثین نے اس سنت کی روایت ۷۰۰ تک نقل کی ہیں۔ اسی لیے محدثین جب کہتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دولاکھ ضعیف حدیثیں یاد ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے ارشادات یا افعال یا تقریرات سے متعلقہ مجھے اتنی نصوص یاد ہیں، کیونکہ محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ نفس سنن یہ ۳۵،۴۰ ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، تو پھر یہ لاکھوں حدیثیں کیسے بن گئیں؟ دراصل یہ روایات کی زیادتی ہوئی ہے۔ اور یاد رہے کہ روایات کے زیادہ ہونے سے ثبوتِ روایت میں قوت زیادہ آتی ہے۔ جتنی روایتیں اور سندیں زیادہ ہوں گی اتنی ہی روایت میں قطعیت پیدا ہو گی۔ حتی کہ اس ضمن میں اگر دولاکھ ضعیف روایتیں بھی ہوں تو بھی متابعات اور شواہد میں کام دے جاتی ہیں (تو کیا وہ وحی قرار پا جاتی ہیں ؟؟ یہ محض دھوکہ دہی اور فریبِ الفاظ ہے۔ صدیق)، چنانچہ قوت بڑھانے میں ان کا بھی کردار ہوتا ہے۔ منکرین حدیث کی یہ بات فنِ حدیث سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کا انتخاب تین لاکھ حدیثوں سے ہوا، اگر ان میں سے ایک لاکھ صحیح احادیث بھی شمار کریں، تو ساڑھے سات ہزار کا انتخاب یہ بتاتا ہے (جو کہ بارہواں یا تیرھواں حصہ بنتا ہے) کہ حدیث میں ۱۲، ۱۳ حصے ظن کا امکان ہوتا ہے اور صرف ایک حصہ امکان صحت کا ہوتا ہے۔ (یہ بارہ تیرہ حصے ظن نہیں بنا بلکہ ۹۷۔۹۸ حصے ظن بنا!صدیق) تو ہم جواب میں کہا کرتے ہیں کہ انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ روایت اور سنت میں کیا فرق ہے؟

اسی طرح جو قرآن مجید آسمانوں سے اترا ہے وہ صرف سات لہجات میں اترا ہے۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:'' أنزل القرآن علی سبعة أحرف '[بخاری:۴۹۹۲] ان سات اسالیب کو آگے نقل کیا گیا تو آگے نقل کرنے والے اگر ایک لاکھ تھے تو اب ایک لاکھ قراء تیں بنیں گی۔ واضح رہے کہ روایات کی اتنی کثرت دیکھ کر گھبرانے کے بجائے مطمئن ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ تواتر کے لیے روایات کی اتنی کثرت کم از کم ضرور ہونی چاہیئے، کیونکہ متواتر وہی ہوتا ہے، جسے عدد کثیر نقل کرے۔ المختصر اصطلاح قراء میں قراءات، روایت قرآن کو کہتے ہیں، جیسے حدیث روایت سنت کو کہتے ہیں، چنانچہ آپ اگر قراءات کی جگہ اخبار لگا دیں تب بھی لفظ صحیح ہے اور اگر قراءات کی جگہ روایات لگا دیں تب بھی لفظ صحیح ہے۔ ہم عام طور پر بولتے ہیں کہ قراءات متواترہ، اور خبر کی دو قسمیں ہیں: خبر متواتر اور خبر آحاد۔ تو اسی طرح قراءات کی بھی دو قسمیں ہیں: قراءات آحادہ اور قراءات متواترہ۔ اسی طرح شذوذ اور عدم شذوذ یہ سب خبر کی بحثیں ہیں اور قراءات بھی تو خبر ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قراء کے ہاں رائج ایک اور استعمال کے مطابق اگر وہ روایت امام کی ہو تو اس کو قراءات کہتے ہیں اور اگر وہی روایت امام کے شاگرد کی ہو تو اس کو روایت کہتے ہیں اور اگر امام کے شاگرد کے شاگرد کی ہو تو اس کو طریق کہتے ہیں۔ اب طریق ہو یا روایت ہو یا قراءات ہو تو تینوں میں خبر کا معنی موجود ہے، چنانچہ ہم معنی لفظ ہیں۔ اسی وجہ سے روایت حفص کو بسا اوقات قراءات حفص بھی کہہ دیتے ہیں اور امام نافع کی بات، اگرچہ قراءات نافع ہے، لیکن اس کے باوجود وہ روایتِ نافع

ہے۔ اس پہلو سے قراءات سات نازل ہوئی ہیں اور روائتیں کرنے والے ہزاروں تھے۔ ان ہزاروں میں سے جو معروف لوگ ہوئے ہیں تو وہ دس ہیں یا دس کے آگے ان کے شاگردوں میں بیس ہیں اور پھر ان بیس کے آگے ان کے ۸۰ شاگرد ہیں۔ اب آپ ان کو ۸۰ قراءاتیں کہہ لیں تو سبعہ احرف سے ان کا تضاد نہیں ہو گا، کیونکہ روایت اور مروی میں اس قسم کا فرق فطری ہے"۔[1] (قارئین براہِ کرم گہری نظر سے یہ گورکھ دھندا سمجھنے کی سنجیدہ کوشش کریں۔ صدیق)

آگے حصہ دوم میں ایک سوال ہے۔

سوال نمبر ۲۴: کیا سبعہ اَحرف میں موجود ہر لغت کا صراحتاً نزول ہوا تھا یا اس نزول کی نوعیت میں کچھ تفصیل تھی؟

جواب: جس طرح یہ نظریہ صحیح نہیں کہ 'سبعۃ اَحرف' کا نزول اللہ کی طرف سے نہیں ہوا، بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے انہیں جاری کر دیا تھا، اسی طرح اس بات پر زور دینا کہ 'حروفِ سبعہ' کے نزول کا معنی یہ ہے کہ ان کا ہر ہر جزء آسمانوں سے باقاعدہ صراحتاً اترا ہے، متعین نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے ضمن میں 'سبعة أحرف' میں شامل وہ مترادفات، جو کہ عرضۂ اَخیرہ میں بالاتفاق منسوخ کر دیئے گئے تھے، کے حوالے سے یہ اصرار کہ یہ باقاعدہ یوں نازل ہوئے کہ جس طرح قرآن مجید تیئس سالہ عرصہ میں آہستہ آہستہ اترا، متعین نہیں، کیونکہ معاملہ کی نوعیت کے بارے میں اس قسم کی تصریح دین میں کہیں موجود نہیں۔ دین میں تو صرف یہ بات آئی ہے کہ متعدّد اندازوں پر قرآن کو پڑھنے کی اجازت اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے، (کہاں ہے وہ اجازت؟؟ صدیق) لیکن نزول کی نوعیت کیا تھی؟ یہ کہیں واضح نہیں۔ اسی لیے ہم نے کہا کہ اس بحث کا کوئی خاص فائدہ نہیں، لیکن اس نوعیب کے بارے میں چونکہ بعض متقدمین اہل علم نے بحث چھیڑ دی ہے، چنانچہ ہم بھی بحث کر رہے ہیں۔

اللہ کی ہدایت، جو بصورت وحی انبیاء پر اترتی ہے (اور وہ الکتاب ہوتی ہے جس کیلئے امت مکلّف ہوتی ہے۔ صدیق) اسکے کئی ایک طریقے ہیں، جو محتاجِ بیان نہیں، (بتاتے کیوں نہیں وہ طریقے! صدیق) البتہ اس ضمن میں ایک بات متعین ہے کہ رسول کی بات امت کے حق میں اپنی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، کیونکہ رسول کا کام پیغام رسانی ہی کا ہے۔ وحی کے معنی 'خفیہ طریقے سے سریع الہام' کے ہیں۔ (الہام کا لفظ قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا۔ یہ عجمی ایجاد ہے! وحی وحی ہوتی ہے جس کا طریقہ قلب پر نزول بتایا گیا ہے۔ (۲/۹۷)، جبکہ سورہ الشوریٰ میں جو تین طریقے بتائے ہیں وہ بشر یعنی رسولوں سے بات کرنے کے طریقے ہیں (۴۲/۵۱)، اور اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر وحی کی تھی۔ ۴۲/۵۲) اب اس مفہوم میں نزول کی کئی صورتیں داخل ہو سکتی ہیں۔ وحی کے آنے کی نوعیت صرف یہی نہیں ہوتی کہ فرشتہ آسمانوں سے ہی ایک شے کو باقاعدہ لے کر اُترے، بلکہ یہ صورت بھی وحی ہی میں شامل ہے کہ ایک شے آپ کے سامنے یا آپ کے زمانہ میں کی جائے اور اس کا رد نازل نہ (یہ طریقے خود

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۴۷۔۲۴۹

ساختہ ہیں اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائے ۔ صدیق) ہو تو رسول اللہ ﷺ کی 'تقریر' اور اللہ تعالیٰ کے 'استصواب' سے وہ وحی قرار پا جائے۔ اسی طرح وحی کا ایک اسلوب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وقتی طور پر درپیش کسی مشکل کے حوالے سے نبی کو اللہ تعالیٰ یہ اجازت دیدیں کہ وہ اس مشکل کے حوالے سے نصوصِ شرعیہ اور دینی مقاصد و عمومی مصالح کی روشنی میں اجتہاد کر کے کوئی بات بیان کرے (یہ اجازت کہاں ہے؟صدیق)اور اللہ کی طرف سے خاموشی وتصویب اسے وحی کی صورت دیدے۔ الغرض (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝)[النجم:۳،۴] میں صرف وحی کا صراحتاً نزول شامل نہیں، بلکہ مذکورہ قسم کی وحی کی دیگر صورتیں بھی شامل ہیں۔(جو کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائی ہیں!صدیق)

'سبعة أحرف' کے ثبوت کے حوالے سے مشہور 'حدیث جبریل و میکٰئیل' سے یہ بات واضح ہے کہ 'حروفِ سبعہ' ایک ہی موقع پر مختصر وقت میں اتر آئے تھے۔(کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہی موقعہ پر مختصر وقت میں ہزاروں قراءتیں یا طرق اتر آئے ہوں؟؟ پھر ان کو لکھنے، یاد کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لئے کتنا عرصہ درکار تھا؟میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر رشدی صاحب کو ایسی بے عقلی کی بات کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے تھا۔ آخر جھوٹ پر جھوٹ کب تک چلے گا؟صدیق)اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ 'حروف سبعہ' میں شامل مترادفات کو پڑھنے کی اجازت ایک وقتی مشکل کے تحت دی گئی تھی، جسے بعد ازاں عرضۂ اخیرہ میں مشکل ختم ہونے پر خود نبی کریم ﷺ نے وحی کی روشنی میں منسوخ فرمادیا تھا(یہ مان لیا۔صدیق)عصر حاضر میں عام ذہنیت یہی ہے کہ ان کی تعداد احادیث میں وارد شدہ محض چند کلمات مثلاً **هلم** ، **تعال** اور **أقبل** وغیرہ تک ہی محدود تھی، جبکہ تحقیق کے مطابق یہ کئی ہزاروں پر مشتمل تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں وحی کی اجازت بھی یوں تھی کہ جن چیزوں کی ادائیگی ابتداءً بعض قبائلِ عرب کے لئے عدم استعمال کی وجہ سے مشکل تھی انہیں مخصوص مقامات میں ان کلمات سے ملتے جلتے کلمات یعنی مترادفات سے پڑھنے کی اجازت دیدی گئی ہو۔ ان کے بارے میں نزول کا معنی یہ سمجھ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اجازت دیدی تھی کہ جہاں کسی لفظ کی ادائیگی میں کسی کے لئے کوئی مشکل ہو، اسے اس کی لغت کے مطابق اس لفظ کے ہم معنی یا قریب المعنی لفظ سے کلمہ بدلنے کی رخصت دے دیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آہستہ آہستہ متعدد قبائل سے متعلق وہ لوگ قرآنی لغت سے مانوس ہو گئے تو مترادفات سے پڑھنے کی یہ اجازت بھی منسوخ کر دی گئی۔

مترادفات کے بارے میں اس توجیہ کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ مترادفات کے مطابق پڑھنے کی اجازت ایک وقتی مجبوری کے تحت بطور تدریج دی گئی تھی(اجازت بطور تدریج دی گئی تھی کیا یہ عقیدہ اوپر کے عقیدہ کے مطابق ہے جس کے مطابق حروف سبعہ ایک ہی موقعہ پر مختصر وقت میں اتر آئے تھے۔ تو مختصر وقت میں تدریج کا کیا سوال؟؟ صدیق) کیونکہ روایات کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ نیز ان کا اختلاف بھی حقیقی اختلاف کے قبیل سے ہوتا ہے، جس کے معانی پر انتہائی باریک قسم کے اثرات پڑتے ہیں۔ البتہ

'سبعة أحرف' میں شامل دیگر قسم کے اختلافات کا یا تو معانی پر کوئی اثر نہیں ہوتا، جیسے متنوع لہجوں کا اختلاف (یعنی قراء کی اصطلاح میں قراءات کا اصولی اختلاف)، یا اثر تو ہوتا ہے لیکن وہ توضیحِ معانی کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے، جیسے اسالیبِ بلاغت کا اختلاف (یعنی قراء کی اصطلاح میں قراءات کا فرشی اختلاف)۔

مترادفات سے متعلق ہماری اس توجیہ کو یہ بات بھی تقویت دیتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کے زمانہ میں عام معروف اندازے کے بالمقابل ان مترادفات کی تعداد کئی ہزاروں پر مشتمل تھی۔ ان کے حوالے سے متعدّد معروف کتبِ قراءات، خصوصاً کتاب المصاحف از ابن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے المستشرقین میں سے صرف ایک شخص آرتھر جیفری نے جو ایک انتہائی ناقص اور محدود جائزہ پیش کیا ہے، صرف اس میں ان کی تعداد ۶۰۰۰ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ان مترادفات کا حقیقی جائزہ اُن مصاحف کی روشنی میں لیا جانا ممکن ہوتا، جو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ختم کر دیئے تھے تو مترادفات کے قبیل کے یہ اختلافات مذکورہ تعداد سے کئی گنا بڑھ کر ہوتے۔ ان اختلافات کا ایک سرسری جائزہ لینے کے لیے مناسب ہو گا کہ قراءات نمبر (حصہ اوّل) میں مطبوع ڈاکٹر محمد اکرم چودھری کے مضمون کا قارئین دوبارہ مطالعہ کر لیں، جس سے یہ آسانی سے احساس ہو جائے گا کہ صحیح بخاری میں پیش کردہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مشاہدے کے مطابق بیان کردہ اختلافِ قراءات سے قطع نظر اس سے قبل مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں منسوخ التلاوۃ کلمات (اور تفسیری کلمات کو بطور قرآن پڑھنے) کے ضمن میں اختلاف قراءات کا جو معاملہ درپیش تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم خود اس سلسلہ میں انتہائی پریشان تھے۔ (اب یہ نئی کہانی سامنے آگئی! اس کا حوالہ؟ صدیق) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی توجہ دلانا تو صرف ایک سبب بن گیا، ورنہ جمع عثمانی کا اصل پسِ منظر آذر بائجان اور آرمینیہ وغیرہ علاقوں میں موجود اختلاف کے ساتھ ساتھ درحقیقت 'قراءات شاذہ' جو کہ **منسوخ التلاوۃ کلمات** اور تفسیری کلمات کا بطور قرآن رائج پذیر ہو جانا جیسے اختلافات پر مشتمل ہوتی ہیں، کے ضمن میں عرضہ اخیرہ میں منسوخ شدہ وہ اختلافِ قراءات بھی تھا جو کہ انتہائی پریشان کن نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کام کو کرنے کا ارادہ کیا تو ابتداء بھی اس کام کی بھرپور تائید کی گئی اور کر چکنے کے بعد بھی ہزاروں صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کے صحیح ہونے پر اتفاقِ رائے کا اظہار کیا۔

اسی طرح یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اصلاً '**سبعة أحرف**' کے موجود اختلافات پر تو صرف اس قدر کام کیا تھا کہ ایک ایسا جامع رسم، جو کہ قبل ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توقیفی طور پر چلا آرہا تھا اور اسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یکجا کر دیا تھا، پیش کر دیا جو کہ اعراب و نقط سے خالی ہونے کی وجہ سے جمیع غیر منسوخ اختلافاتِ قراءات کو شامل تھا (ایسا کوئی نمونہ کسی ایک سورۃ ہی کا بتا دیجئے جس میں اعراب و نقاط نہ ہوں اور دیگر قراءات موجود ہوں۔ صدیق) لیکن ان کا اصل کام، جس وجہ سے انہیں 'جامع القرآن' کا لقب ملا وہ یہ تھا کہ وہ غیر مصدقہ مصاحف، جو کہ منسوخ التلاوۃ کلمات کے ایک بڑے

ذخیرے پر مشتمل تھے، کو ختم کرنے اور اُمت میں متفقہ متنِ مصحف کو پیش کرنے کا باعث بنے۔ (متفقہ متن تو ایک ہی ہوتا ہے۔ صدیق) ورنہ جمع قرآن کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ کی خدمات بھی معمولی نہ تھیں کہ انہیں جامع القرآن کا لقب نہ ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین نے قرآن مجید کو محرف ثابت کرنے کیلئے اس کے متن کو خصوصاً موضوع بحث بنایا ہے اور اس ضمن میں جس شے سے انہوں نے بہت ہی فائدہ اُٹھایا ہے وہ اختلاف قراءات کے ضمن میں مترادفات کا اختلاف ہے، نا کہ لہجات و اسالیب بلاغت کے قبیل کا اختلاف۔ (اصل اختلاف تو یہی ہے۔ صدیق) کیونکہ ان دونوں شکلوں کا اختلاف قراءات تو ہر صورت میں رسمِ عثمانی میں آجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحت قراءات کی متفقہ شرط رسم عثمانی کی موافقت ہے اور موجودہ قراءات عشرہ کے اصولی و فرشی سب قسم کے اختلافات اس شرط پر پورا اترتے ہیں۔

نوٹ: قراءات شاذہ مترادفات کے قبیل کے **منسوخ التلاوۃ** کلمات اور تفسیری الفاظ پر مشتمل ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جو کہ ثبوت قرآن و قراءات متواترہ کی شرائط پر ثابت نہ ہو سکے۔ انہی کی ایک صورت اُن موضوع روایات (قراءات) پر بھی مشتمل ہے، جو کہ حضرت عثمانؓ وغیرہ کے زمانہ میں **منسوخ التلاوۃ** وغیرہ کے ضمن میں موجود اختلافِ قرآن سے فائدہ اُٹھا کر ملاحدہ اور یہود و نصاریٰ نے داخل کر دیں تھیں۔ (معاذ اللہ یہ کام پہلے قرن ہی میں شروع ہو گیا تھا! ان کے ساتھ مجوس بھی شامل تھے ان کا نام لیتے ہوئے کیوں شرماتے ہیں؟ صدیق) اگرچہ ماہرینِ فن نے ان کا اصطلاحی نام 'موضوع قراءات' ہی رکھا ہے۔ جمع عثمانی کے اسباب میں یہ سارے اسباب ہی پیشِ نظر تھے۔

یہاں ہمیں نزول '**سبعة أحرف**' کے ضمن میں امام طحاویؒ کی اس رائے کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ 'سبعۃ أحرف' میں حرف قریش کے علاوہ باقی حروف نازل ہی نہیں ہوئے تھے، بلکہ اجازت کے قبیل سے تھے، یہ تعبیر درست نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ جب صراحتاً روایات میں موجود ہے کہ قرآن کریم کا نزول 'حروف سبعہ' پر ہوا ہے، تو ہم نزول کا کس طرح انکار کر سکتے ہیں، بلکہ اس طرح تو ایک نیا سوال یہ پیدا ہو گا کہ اگر قرآن کا نزول محض لغت قریش پر ہوا تھا تو عرضہ اخیرہ میں چھ لغات کا منسوخ ہونے کا کیا معنی ہوا۔ نسخ تو منزل من اللہ احکام ہی کی تنسیخ کا نام ہے۔ اس لیے امام طحاویؒ کے بالمقابل امام ابن جریرؒ سمیت عام اہل علم کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ قرآن کا نزول سات حروف پر ہوا ہے۔ البتہ اگر امام موصوف کا مقصود یہ ہے کہ ایک حرف قریش اور اس کے ضمن میں قرآن مجید کی تمام الفاظ، آیات اور سورتوں کا تو باقاعدہ نزول ہوا تھا، جبکہ باقی چھ حروف کے نزول کی کیفیت عام نزول سے مختلف تھی، جیسا کہ ہم نے تفصیلاً پیش کیا ہے، تو اس بات میں واقعتاً کوئی حرج نہیں"۔ (بات گھما پھرا کر کرو تو ٹھیک ہے۔ صدیق)[1]

"**سوال نمبر ۲۵:** عرضہ اَخیرہ میں متعدّد قراءات منسوخ ہوئی ہیں یا نہیں؟ بالفاظِ دیگر موجودہ قراءات 'احرفِ سبعہ' کا کل ہیں یا بعض؟ وضاحت فرمایئے۔

[1] رُشد، قراءات نمبر۔ حصہ دوم۔ صفحہ ۳۲۶۔۳۲۹

جواب: پیچھے یہ بات زیرِ بحث آئی ہے کہ عرضہ اُخیرہ کے وقت متنوع قراءات میں سے بہت کچھ منسوخ ہوا ہے، اسی حوالے سے ہم بالاختصار اپنی بات کو دوبارہ دھرا دیتے ہیں کہ جب حدیث میں "**أنزل القرآن علی سبعة أحرف**" کا ذکر آتا ہے تو راجح رائے کے مطابق اس میں 'احرف سبعہ' سے ابتدائی زمانوں میں قرآن مجید کی سات لغات کا اختلاف مراد لیا جاتا تھا۔ قبل ازیں یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ کوئی بھی لغت ہو وہ متعدّد لہجات، مترادفات اور اَسالیب بلاغت وغیرہ کو شامل ہوتی ہے۔۔ تعدّدِ قراءات کے ضمن میں موجود تقدیم وتاخیر، حرکات وسکنات، غیب وخطاب اور حذف وزیادت وغیرہ کے قبیل کے اختلافات بات کو سمجھانے کے لیے متعدّد اَسالیب بلاغت سے تعلق رکھتے ہیں۔ علمائے قراءات کی اصطلاح میں اس قسم کے اختلاف کو **فرش الکلمات** کے نام سے بیان کیا جاتا ہے۔ لہجوں کے اختلاف کی مثالوں کے ضمن میں امالہ و تقلیل، اظہار وادِغام، مد وقصر اور ہمزہ قطعیہ میں تحقیق وتسہیل، نقل وابدال وغیرہ کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ انہیں قراء حضرات فروش کے بالمقابل اُصولی اختلاف کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔

باقی رہے مترادفات، تو ان کا دائرہ ابتدائی دَور میں بے حساب وبے شمار تھا، جس کا اندازہ کرنا انتہائی مشکل ہے (یعنی رسولؐ کے زمانہ ہی میں قرآن کو مذاق بنا دیا گیا۔ معاذ اللہ۔ صدیق) ان کے بارے میں پیچھے گزر چکا ہے کہ ان کے نزول کی نوعیت یہ تھی کہ ابتدائی زمانہ نزولِ قرآن کے دَور میں نبی کریم کو آپ کی طلب پر اس چیز کی اجازت دی گئی تھی کہ اگر کسی فرد کو کوئی لفظ زبان سے اَدا کرنا مشکل محسوس ہو تو آپ اس کو اس سے ملتے جلتے قریب المعنی لفظ سے تلفظ کی اجازت دے سکتے ہیں۔ (ان الفاظ میں اجازت کہاں ہے؟ قرآن تو بہت بڑی بات، یہ تو نام نہاد حدیث میں بھی نہیں! صدیق) چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے ایک فارسی نژاد شخص کو قرآن کریم کی آیت کریم **طَعَامُ الاَثِيْمِ** کو **طعام الظَّالم**، بعض روایات کے مطابق **طعام الظَلّام** اور بعض روایات کی رو سے **طعام الفَاجر** پڑھنے کی اجازت دیدی تھی، کیونکہ وہ بار بار سکھائے جانے پر **طَعَامُ الاَثِيْمِ** کو **طعام اليتيم** ہی پڑھتا تھا اور لفظ 'الاثیم' اس کی زبان پر چڑھتا نہیں تھا۔[مقدمہ تفسیر ابن کثیر] (کتنا بڑا افراڈ ہے کہاں اثیم اور یتیم، اور کہاں طعام الظالم اور طعام الظلام! صدیق) اس طرح کی اجازت کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب مختلف قراءات میں جو حیرت انگیز فرق نظر آتا ہے اس کا مطالعہ زیر بحث موضوع کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ذیل میں صرف سورہ الفاتحہ سے چند مثالیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں کہ وہ کس طرح مختلف قرآنی کلمات کو ملتے جلتے کلمات یعنی مترادفات سے بدل کر پڑھتے تھے۔ اگر دیگر سورتوں کا بھی اس ضمن میں جائزہ پیش کیا جائے تو مترادفات کے ضمن میں معاملہ کی گھمبیر صورتحال کا مکمل جائزہ سامنے آ سکتا ہے:

قرآنی کلمہ	تبدیلی	صحابی
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	مليك يوم الدين	ابی بن کعب، ابوہریرہ رضی اللہ عنہما
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	ملاكّ يوم الدين	ابی بن کعب، ابوہریرہ رضی اللہ عنہما

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ	ارشدنا الصراط المستقیم	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ	ثبتنا الصراط المستقیم	ابی بن کعب، علی رضی اللہ عنہما
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ	دلّنا الصراط المستقیم	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
اَھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ	اھدنا صراطا مستقیما	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ	صراط من أنعمت علیھم	ابن مسعود، عمر، ابن زبیر رضی اللہ عنہم
غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ	و غیر الضالین	ابی بن کعب، علی، عمر رضی اللہ عنہم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں روایات میں مذکور ہے کہ وہ سورہ الم نشرح میں وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَك کو و حللنا عنك وزرك اورو حططنا عنك وزرك پڑھا کرتے تھے۔[تفسیر القرطبی] (کیا وہ بھی فارسی تھے؟ معاذ اللہ۔ قرآن کریم کا شروع ہی میں تیاپانچہ ہو گیا تھا!! کیا اس قسم کی روایات مجوس، یہود و نصاریٰ کی گھڑی ہوئی نہیں؟ اور جو ان پر یقین رکھتے ہیں وہ جاہل نہیں؟ صدیق)

منسوخ التلاوہ قراءات میں موجود اس قسم کی قراءات کی تخریج معروف کتب تفاسیر طبری، قرطبی، ابن کثیر، بیضاوی سے بہ سہولت ممکن ہے۔ مترادفات کے حوالے سے علمائے قراءات سمیت جمیع اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ عرضۂ اخیرہ میں مترادفات کے قبیل کے تمام اختلافات بالعموم منسوخ ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں مرادفات کا اختلاف موجود نہیں تھا۔ عرضہ اخیرہ میں مترادفات کا اختلاف منسوخ ہو جانے کے بعد اب 'سبعة أحرف' کے ضمن میں جو اختلاف باقی بچا ہے وہ لہجوں اور اَسالیب بلاغت کے اختلافات کی دو نوعیّتوں پر مشتمل ہے، یہی وجہ ہے کہ علم قراءات پر لکھی جانے والی قدیم اور جدید کتب میں اصول و فروش کے نام سے انہی دو قسم کے اختلافات کو پیش کیا جاتا ہے۔[1]

''سوال نمبر ۲۷: قرآن کریم کی جمع ثالث کی نوعیت کیا تھی اور جمع عثمانی کا پس منظر کیا تھا، نیز بتائیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قراءات کے ضمن میں موجود اختلاف کو ختم کیا تھا یا نفس قراءات کو؟

جواب: (موصوف فرماتے ہیں:)

ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سارا قرآن اپنے دَور میں لکھوا دیا تھا، اسے جمع نبوی کا نام دیا گیا۔ اس بات کو سب مانتے ہیں، لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ آپ نے قرآن کریم ایک جگہ پر جمع نہیں فرمایا تھا، بلکہ متفرق حالت میں موجود تھا۔ (نعوذ باللہ انہوں نے الکتاب کو کتابی شکل نہیں دی تھی یہ بات تو نہ صرف عقل بلکہ قرآن کے بھی خلاف ہے۔ پھر کتاب نازل کرنے کا مقصد ہی پورا نہ ہوا۔ نیز اللہ کے رسول نے جو سارا قرآن لکھوا دیا تھا تو کیا وہ کتابی شکل میں نہیں تھا تو کیا پتھروں کا ڈھیر تھا جس کو عجمی مجوسیوں نے جمع نبوی کا نام دیا یونکہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب کہہ چکا تھا اور وہ کتابی شکل میں بین الدفتین ہی تھا۔ مگر موصوف کہتے ہیں تو وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا۔ صدیق) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسئلہ یہ

[1] ایضاً، صفحہ ۳۲۹۔۳۳۰

پیدا ہوا کہ قرآن مجید کے بے شمار قاری، [تقریباً سات سو] شہید ہو گئے۔ ان کے شہید ہونے کی وجہ سے اس ضرورت کا احساس پیدا ہوا کہ وہ قرآن، جو اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں مختلف لوگوں نے لکھا تھا، اسے ایک جگہ پر اکٹھا کر لیا جائے، ورنہ یہ نہ ہو کہ لوگ فوت ہوتے جائیں اور وہ جو لکھا ہوا قرآن ہے وہ ضائع نہ ہو جائے، تو حضرت ابو بکر ﷺ نے قرآن مجید پہلے سے موجود لکھے ہوئے قرآن کو متفرق لوگوں سے دو دو گواہیوں کے ساتھ اخذ کر کے ایک جگہ جمع کر دیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر ﷺ نے قراءتوں کو جمع کیا تھا یا قرآن کو جمع کیا تھا یا لکھے ہوئے قرآن کو جمع کیا تھا؟ جواب یہ ہے کہ لکھے ہوئے قرآن کو، جسے رسم الخط کہتے ہیں، یکجا کیا تھا، ورنہ قرآن کے پڑھنے والے ہزاروں لاکھوں میں تھے، چند سو کے شہید ہو جانے پر کونسی پریشانی لاحق ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لکھا ہوا قرآن ایک جگہ پر جمع کیا تھا۔ (کیا قرآن اس کے علاوہ بھی تھا جسے اللہ تعالیٰ نے الکتاب اور فی رقٍ منشور فرمایا ہے؟ صدیق)

شروع شروع میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کام سے بہت گھبرائے کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کیسے کروں، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار قائل کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان کا ذہن کھول دیا۔ پھر مناسب آدمی کی تلاش شروع ہوئی جو یہ کام کرے، تو نظر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر جا ٹھہری۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی اس کام سے بہت گھبرائے کہ یہ کام میں کیسے کروں، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے خود قرآن کریم کو ایک جگہ جمع نہیں فرمایا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ بھی اس حوالے سے کھول دیا۔ قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے عملاً یہ کام اتنا بوجھ والا محسوس ہوتا تھا کہ اگر مجھے اُحد پہاڑ اٹھا کر رکھ دینے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس کام سے زیادہ سہل تھا۔ سوچنے کی بات ہے کہ وہ کس چیز کا بوجھ سمجھتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ بوجھ کی نوعیت یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو کام میں کرنے جا رہا ہوں اس پر آئندہ قرآن کریم کی پرکھ کا معیار طے ہو گا۔ (یہ کہانی عجمیوں کی تراشیدہ ہے۔ صدیق)

بہر حال یہ کام کر لیا گیا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے دروازے پر بیٹھ گئے اور پہلے سے موجود لکھے ہوئے قرآن کو متفرق لوگوں سے دو دو گواہیوں کے ساتھ اخذ کر کے ایک جگہ جمع کر دیا۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ان دو گواہیوں کی نوعیت یہ تھی کہ ایک گواہی اس بات کی تھی یہ آیت مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے لکھوائی ہے اور دوسری گواہی اس بات کی کہ یہ میں نے خود آپ کی جناب سے براہِ راست لکھی ہے۔

ضروری محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اس بات کی وضاحت بھی کر دی جائے کہ رسول ﷺ نے اپنے زندگی میں مکمل قرآن جو لکھوا دیا تھا اس کی حکمت کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم چونکہ وحی باللفظ ہے، جس کے الفاظ کے بحفاظت اُمت کو منتقلی کافی مشکل امر تھا، چنانچہ آپ نے اس کو مکمل لکھوا دیا تاکہ کسی وقت الفاظ قرآن کے ضمن میں پیدا ہونے والے اختلاف کو حل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس لکھے ہوئے قرآن کو معیار بنا کر صحیح و غلط کا تعین کیا جا سکے، جیسا کہ اس کی مثال یوں ہے کہ آج کل بھی

جب ہم پڑھتے ہوئے بھول جاتے ہیں تو قرآن مجید کھول کر درست کا تعین کر لیتے ہیں۔ (یعنی حفظ و حافظ پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ تصدیق کیلئے لکھے ہوئے ہی کو معیار بنایا جاتا ہے۔ پتہ نہیں یہ حق بات موصوف رُشدی صاحب کے قلم مبارک سے کیسے نکل گئی! صدیق) الغرض قرآن کو لکھوانے کی دو وجہیں تھیں:

(۱)۔ قرآن مجید چونکہ وحی باللفظ ہے اور روایت باللفظ میں الفاظ کی تبدیلی کا چونکہ اندیشہ ہوتا ہے اس لیے قرآن کریم کا رسم خود لکھوادیا، تاکہ قرآن کے الفاظ محفوظ رہ سکیں۔

(۲)۔ مابعد ادوار میں قرآن یا اس کے لفظوں کے حوالے سے کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو کوئی ایسا معیار موجود ہو جو اختلاف کی صورت میں بطور معیار موجود ہو۔[1] (یہ معیار کیا متفرق ڈھیریوں کی شکل میں تھا؟ صدیق)

(موصوف نے مان لیا کہ رسولؐ نے اپنی زندگی میں مکمل قرآن لکھوادیا تھا تاکہ کسی وقت کسی قسم کے لفظی اختلاف کی صورت میں لکھے ہوئے قرآن کو معیار بنا کر صحیح و غلط کا تعین کیا جاسکے۔ تو لکھایا ہوا قرآن کیا الکتاب نہیں تھا؟ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذَالِكَ الْكِتٰبُ فرمایا؟ کیا وہ پتھروں ہڈیوں، پتوں کا ڈھیر تھا اور وہ بھی ایک جگہ پر نہیں! ذرا شیطانی ذہن کا اندازہ کیجئے۔ صدیق)

[1] ایضاً۔ صفحہ ۳۳۲۔۳۳۳

باب دوم

رُشد کے اربابِ دانش کی رائے

ادارہ ''رُشد'' نے اپنے پہلے اور دوسرے قراءات نمبر (دونوں) میں یہ ارادہ تحریر کیا تھا کہ ان تمام مضامین کے آخر میں ادارہ **کلیّۃ القرآن الکریم** کے اربابِ دانش کی رائے پر مبنی ایک مستقل مضمون بھی ہدیہ قارئین کیا جائے گا۔ جس میں شائع شدہ تمام مضامین میں پیش کردہ افکار کا خلاصہ و موازنہ پیش کرتے ہوئے ''سبعہ اَحرف'' کے مفہوم کے سلسلہ میں راجح مؤقف کی تعین کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ رُشد قراءات نمبر کے حصہ سوم میں یہ مضمون '' **سبعه أحرف ...... تنقیحات و توضیحات**'' کے نام سے تحریر کیا گیا ہے۔ اسے افادات جناب حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب (سرپرست اعلیٰ ماہنامہ رُشد ورئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ و مجلس التحقیق الاسلامی) قرار دیا گیا ہے اور جمع و ترتیب جناب قاری فہد اللہ مراد صاحب (فاضل کلیۃ القرآن جامعہ لاہور الاسلامیہ و رکن مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور) نے کی ہے۔ شروع میں ہی باکس کے اندر ادارہ کی طرف سے یہ عبارت دی گئی ہے، ملاحظہ ہو:

''سبعہ احرف'' سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں قبل ازیں ہم قراءات نمبر کی دو خصوصی اشاعتوں میں نو۹ مضامین شائع کر چکے ہیں، جبکہ شمارہ ہٰذا میں اس موضوع پر تین۳ مزید مضامین شامل ہیں جن میں سے یہ مضمون پہلے شائع ہونے والے تمام مضامین کی مباحث کو سمیٹتے ہوئے ادارہ کلیۃ القرآن کے ذمہ داران کی آراء کا خلاصہ ہے۔

جو لوگ عملی میدان میں تجوید و قراءات کے فن سے وابستہ ہیں ان کے ہاں یہ بحث زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کیونکہ وہ اسے محض ایک **نظری بحث** سمجھتے ہیں، جبکہ عملی پہلو سے تعدّد قراءات یا **اسالیبِ تلاوت** کا تنوع عہد نبوت (نزول) سے لے کر سلف سے خلف تک ہمیشہ امت میں حقیقتاً موجود رہا ہے۔ بحث صرف اس قدر ہے کہ واقعتاً جس تنوع تلاوت کو سب مانتے ہیں، اس کی زیادہ بہتر توجیہ و تعبیر کیا ہے؟ خیر القرون (صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ) کے دَور میں یہ بحث سرے سے موجود ہی نہ تھی۔ کیونکہ ان کے زمانوں میں یہ سب کچھ عرف و عمل میں موجود تھا۔ علوم کی باقاعدہ تدوین کا مرحلہ بعد میں پیش آیا۔ اس طرح واقعے میں موجود عملی اختلاف کو اصطلاحاتی زبان میں کس طرح بیان کیا جائے کہ وہ مسئلہ کی مناسب تعبیر بن جائے، بحث کا بنیادی نکتہ صرف اس قدر ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کی بحثیں تمام شرعی علوم وفنون میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم نظریات اور ان کی تعبیرات کے ایسے فنی اختلاف کو ہمیشہ لفظی شمار کرتے ہیں............''[۱]

ادارہ کلیۃ القرآن کے ذمہ داروں کی آراء کے خلاصہ سے پہلے ہم ادارہ کی ان تنقیحات پر نظر ڈالتے ہیں۔

(ا)۔... اس میں کوئی شک نہیں کہ فنِ تجوید و قراءات سے وابستہ افراد کے لئے سبعہ اَحرف یا عشرہ اَحرف کی بحث

[۱] رُشد، قراءات نمبر۳ صفحہ ۲۳۱

کی حیثیت صرف فنی یا نظری بحث ہی ہے وہ علمی و حقیقی نہیں۔ یونکہ وہ بیچارے نہ تو اتنا علم رکھتے ہیں کہ اس قسم کی تحقیقی بحثوں میں پڑیں اور اصلیت کا کھوج لگائیں۔ اور نہ ہی کسی سازش کا حصہ بننے کو تیار ہوتے ہیں۔ انہیں تو فن کے استادوں نے جو کچھ سکھا دیا اس سے وہ پیٹ پالنے کا دھندا بہتر طور پر کرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ اپنا فن نہ دکھائیں، نہ منائیں تو ان کو تو روٹی بھی میسر نہ آئے۔

.(۲)۔... اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عملی پہلو سے تعدّد قراءات یا اسالیب تلاوت کا تنوع عہد نبوت سے لے کر سلف سے خلف تک ہمیشہ امت میں حقیقتاً موجود رہا ہے یونکہ جزیرہ نمائے عرب میں بھی عربی بولنے والوں کے مختلف لہجات ہوتے تھے اور یہ ہر جگہ ہر ملک و قوم میں ہوتا ہے یونکہ یہ ایک فطری حقیقت ہے۔ ہمارے ہاں بھی لوگ قاری صاحب کو کاری صاحب کہتے ہیں (جبکہ سندھی زبان میں کاری کے معنی بدل جاتے ہیں) اقبال صاحب کو اکبال صاحب کہتے ہیں۔ مجھے خود کو بہت سے لوگ صِدیق کی بجائے صَدیق یا صِدیک کہتے ہیں۔ تو یہ تو لہجات کا فطری اختلاف یا تنوع ہے جو شروع سے چلا آ رہا ہے

.(۳)۔... یہ بھی حقیقت ہے کہ خیر القرون میں یہ بحث سرے سے موجود ہی نہ تھی کیونکہ سب فطری طور پر، فطری لہجات میں تلاوتِ قرآن کریم کرتے تھے۔

.(۴)۔... یہ بھی حقیقت ہے کہ خیر القرون میں ہی منافقین نے (جنہیں تابعین میں شمار کیا گیا) لہجات کی اس کمزوری کو اپنی گرفت میں لے لیا اور ان کو قراءات کا نام دیدیا۔

.(۵)۔... یہ بھی حقیقت ہے کہ خیر القرون کے بعد' دوسری سے تیسری صدی ہجری میں، ان لہجات یا قراءات میں کچھ نہ کچھ تحریف کر کے ان کو مستقل قراءات بنا کر ان کے امام بھی بنا دیئے گئے اور یہ روایت گھڑ لی گئی کہ "اللہ رب العزت نے خود نبی کریم سلامٌ علیہ کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ کوئی بھی شخص اپنی پسند اور اختیار کے مطابق قراءات کر سکتا ہے، یعنی ترتیب (Set) اپنی مرضی سے بنائی جاسکتی ہے"۔[۱]

.(۶)۔... یہ بھی حقیقت ہے کہ خیر القرون کے بعد چوتھی صدی ہجری میں ابن مجاہد نے سات قراءات کی تدوین کی اور پھر قاریوں میں یہ سلسلہ بڑھتا رہا۔ اور عام مسلمان اس سے بے خبر ہی رہا۔ وہ تنوع قراءات کو سُن سُن کر ہی لطف اندوز ہوتا رہا اور واہ، واہ یا سبحان اللہ کی تکبیریں بلند کرتا رہا اور اکثر اوقات قاریوں پر پیسے لٹاتا رہا! اور اس طرح یہ فن ان کا ذریعہ معاش بن گیا۔

.(۷)۔... یہ بھی حقیقت ہے کہ قراء حضرات نے اپنے اپنے اختیار سے سات قراءات کی دس بنالیں یعنی دس Set اختیار کر لئے، پھر دس کے بیس کر لئے اور بیس کے اسّی [۸۰] کر لئے۔ اب کوئی پہچانے تو پہچانے کیا کہ کونسا لہجہ یا قراءات مدنی ہے، مکی ہے، مصری ہے یا پانی پتی ہے؟ غور کیجئے کہ کیا ہندوستان کے علاقہ پانی پت میں عربی بولی جاتی تھی کہ ان کی لغت پر قراءات یا حروف کا نزول ہوا تھا؟ سیدھی بات یہ کہ یہ پانی پتی قراء کا منفرد لہجہ تھا جو پانی پتی قراءت کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ لاہور کے رُشدی قراء کے لہجہ میں کوئی انفرادیت نہ آسکی ورنہ لاہوری قراءت بھی مشہور ہو جاتی۔

.(۸)۔... ادارہ کلیۃ القرآن اور رُشدی محققین کی بحث صرف اس قدر ہے کہ واقعتاً جس تنوع تلاوت کو سب مانتے

[۱]۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۶۳

ہیں، اس کی زیادہ بہتر توجیہ و تعبیر کیا ہے؟ یعنی واقعے میں موجود عملی اختلاف کو اصطلاحاتی زبان میں کس طرح بیان کیا جائے کہ وہ مسئلہ کی مناسب تعبیر بن جائے۔ بحث کا بنیادی نکتہ صرف اس قدر ہے۔

یہاں پر ادارہ والے کذب بیانی یا بد دیانتی سے کام لے کر قارئین کو بیوقوف بنا گئے، گویا کہ وہ بڑی معصومیت سے اختلاف قراءات کے مسئلہ کو اصطلاحاتی زبان میں بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اختلافی مسئلہ کی مناسب تعبیر بن جائے، جبکہ وہ اپنی اس منفرد اور تاریخ اسلامی کے پہلے کام میں ساری محنت، اپنا غیر قرآنی عقیدہ ثابت کرنے پر صرف کرتے رہے کہ قرآن سبعہ احرف پر نازل ہوا ہے جس کے معنی دس اور بیس قراءات ہیں اور آگے بڑھ کر اسّی ۸۰ قراءات اور جو ان قراءات کو نہ مانے وہ کافر، مرتد اور واجب القتل ہے اور خارج از ملت اسلامیہ ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ ادارہ نے سبعہ اَحرف کی بحث کو حل کرنے کی کوشش کس طرح کی ہے چنانچہ قاری صاحب اپنا مضمون اس طرح شروع کرتے ہیں:

”انسانیت پر اللہ رب العزت کے لطف و کرم کی برکھا ابتدائے آفرینش سے موسلا دھار اور لگاتار برس رہی ہے۔ خصوصاً خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ پر تو اپنے فیضانِ ربوبیت کے وہ کرشمے ظاہر فرمائے ہیں کہ صرف اس میں کسی انسان کی پیدائش ہی دوسری امتوں کے افراد کے مقابلہ میں بے شمار رفعتوں اور لاتعداد رحمتوں کا مستحق بنا دیتی ہے۔

ان انعامات الٰہیہ میں سے سب سے بڑا انعام قرآن کریم ہے کہ جس کی تابش وضو سے چہار دانگ عالم کا ذرّہ ذرّہ چمک دمک رہا ہے۔ قرآن کریم اسی حسن و جمال کے ساتھ چودہ سو سال سے مسلسل اہل ایمان کو حلاوتِ ایمان، صاحبانِ فکر و دانش کو ذکاوت اذہان اور گم کردان راہ حق کو ہدایت کا سامان فراہم کر رہا ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کے کمالات لامتناہی، جس کے عجائبات نہ ختم ہونے والے، جس کی تلاوت اس کے حسن کو دوبالا کرے، علماء کبھی بھی اس سے سیر نہ ہوں، جس نے اسے تکبر اور نخوت کی وجہ سے ترک کر دیا اللہ نے اس کو پاش پاش کر دیا۔ اور جو اس کے علاوہ ہدایت کا متلاشی ہوا، اللہ نے اسے راہ ضلالت پر ڈال دیا۔ یہ دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کا حرف حرف، نقطہ نقطہ اور ہر ایک لہجہ اور طریق بالکل ویسے ہی محفوظ ہے جس طرح آپ پر نازل ہوا۔ اور آپ ﷺ نے اپنے حُب داروں اور غم خواروں کو پڑھایا۔ اگرچہ بعض عقل و خرد سے عاری، فہم فراست سے بیگانہ افراد حروف قرآن کریم کی صحت و ثبوت کو مشکوک کرنے کے درپے ہیں۔ لیکن باری تعالیٰ نے بھی یہ طے کر دیا:

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (الصف:۸)“[1]

غور کیجئے کہ موصوف نے کتنی عمدہ تمہید باندھی ہے

(۱)۔... پہلی حقیقت یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر سب سے بڑا انعام قرآن کریم ہے۔ (بخاری شریف نہیں، مسلم شریف نہیں، ترمذی شریف نہیں .... فتح الباری شریف نہیں) لیکن ابھی تھوڑا آگے بڑھتے ہی وہ اس حقیقت کے منکر ہو جائیں گے اور بخاری شریف و مسلم شریف وغیرہ کو اس قرآن کریم کے ساتھ شریک کرنے لگیں

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۳۱۔ ۲۳۲

گے کہ یہ تو قرآن کے **مثلهٗ و معهٗ** ہے اور بغیر اس کے قرآن کریم تو لنگڑا لولا ہے یہ اس کی بیساکھیاں ہیں یا وہیل چیئر ہیں۔ قرآن تو مجمل و ناقص ہے اس کی وضاحت یہ شریفیں کرتی ہیں اور اس کو مکمل یہ کرتی ہیں۔ (معاذ اللہ)

(۲)۔۔۔موصوف نے دوسری حقیقت یہ لکھی کہ جو اس قرآن کے علاوہ ہدایت کا متلاشی ہوا اللہ نے اسے راہ ضلالت پر ڈال دیا۔ جبکہ موصوف اور ان کے تمام سَلفی ورشدی ساتھی ہدایت اپنے سلف اور ان کی کتابوں میں تلاش کرتے ہیں اور قرآن کریم کو مہجور کر دیتے ہیں۔ سَلف کو انہوں نے "اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰه" بنایا ہوا ہے۔۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو منسوخ قرار دے دیتے ہیں یا ان کی من مانی تعبیر و تاویل کرتے ہیں یا پھر تطبیق دے کر اللہ کے کلام کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور اپنے سلف اور ان کے راویوں کی بات کو بالکل حق اور صحیح مانتے ہیں۔ کیا مجال کہ انسان کے بچوں سے غلطی یا کوتاہی ہو جائے! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں، جسے انہوں نے سب سے بڑا انعام قرار دیا ہے، فرمایا ہے:

"(اے محمد یہ) کتاب جو تم پر نازل ہوئی ہے اس سے تمہیں تنگدل نہیں ہونا چاہئے (یہ نازل) اس لئے (ہوئی ہے) کہ تم اس کے ذریعہ سے (لوگوں) ڈر سناؤ اور (یہ) ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ (لوگو!) جو (کتاب) تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نازل ہوئی ہے اُس کی پیروی کرو۔ اور اس کے سوا اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ (اور) تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔" (سورہ الاعراف: ۲۔۳)[۱]

بالکل صاف معنی ہیں کہ صرف قرآن کریم کی اتباع کرنا ہے اور دیگر اولیاء کی کتابوں کی نہیں۔ خواہ وہ عجمی ہوں یا عربی یا اُردو بولنے لکھنے والے۔ اور یہی حکم ۱۵۶/ ۶ اور ۵۵/ ۳۹ میں بھی دیا گیا ہے۔ اسی طرح سے سورہ الزخرف میں اللہ تعالیٰ نے منکرین قرآن کے سلف کا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے سلف ہی کی بات مانتے تھے اور انہی کی راہ پر چلنے کے لئے اَڑے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لے کر چھوڑا۔ (دیکھئے ۲۱۔۲۵/ ۴۳، ۱۷۰/ ۲ مزید دیکھئے ۲۱/ ۳۱، ۶۹۔ ۷۳/ ۳۷) ۔ مقصد یہ کہ اتباع صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ہے کسی اور کی کتاب کی نہیں، خواہ وہ رسول سلامٌ علیہ ہی کی طرف منسوب کیوں نہ ہو، یونکہ رسول کی کتاب تو وہی ہے جو اللہ کریم نے ان پر نازل فرمائی نا کہ عجمیوں کی لکھی کتابیں! اور رسول سلامٌ علیہ تو خود اللہ ہی کی نازل کردہ کتاب کی اتباع کرتے تھے: اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَیَّ (۵۰/ ۶، ۲۰۳/ ۷، ۱۵/ ۱۰، ۹/ ۴۶ وغیرہم)

(۳)۔۔۔موصوف نے تیسری حقیقت یہ لکھی کہ یہ دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کا حرف حرف، نقطہ نقطہ اور ہر ایک لہجہ اور طریق بالکل ویسے ہی محفوظ ہے جس طرح آپ پر نازل ہوا اور آپ سلامٌ علیہ نے اپنے حُب داروں اور غم خواروں کو پڑھایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ موصوف نے اسے واحد کتاب مان لیا یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک کی واحد کتاب لاشریک۔ ورنہ اگر وہ رُشدیوں کی طرح یہ کہتے کہ یہ بیس کتابیں ہیں تو کون انہیں روک سکتا تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کی، دنیا میں، یہ وہ واحد کتاب ہے جس کا حرف حرف، نقطہ نقطہ اور اعراب اعراب بالکل ویسے ہی محفوظ ہے جس طرح آپ پر نازل ہوا تھا ساری امت

[۱] ترجمہ از مولانا فتح محمد خان صاحب جالندھری۔ مولانا محمد صاحب جونا گڑھی، مولانا صلاح الدین یوسف صاحب اور مسعود احمد صاحب، جماعت المسلمین کا ترجمہ اس لئے نہیں دے رہا کہ تینوں اہل حدیث حضرات نے معنوی تحریف کی ہے یونکہ پہلی آیت میں کتاب نازل کرنے کا ذکر ہے اس لئے دوسری آیت میں بھی کتاب ہی کی اتباع کا حکم ہے مگر تینوں حضرات اس کو نہیں مانتے شاید ان الفاظ پر ایمان ہی نہیں رکھتے تھے۔

اور ساری دنیا یہ حقیقت مانتی ہے کہ اس کتابِ الٰہی میں شروع سے آج تک کوئی تبدیلی نہیں آئی مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ ہی کے ایک رُشدی ساتھی اسے جہالت کا عقیدہ قرار دیتے ہیں دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں:

"امر واقعہ یہ ہے کہ ایک عقیدہ جہالت کی بنیاد پر ذہنوں میں بچپن سے راسخ ہے کہ قرآن میں زیر، زبر، پیش اور شوشے کا فرق نہیں ہے۔ اب اس عقیدے کے اثبات کے لیے کچھ اصولوں کی روشنی میں قراءات کا انکار کیا جارہا ہے۔ حالانکہ انہی اصول وضوابط کی روشنی میں قرآن کا انکار بھی لازم آتا ہے لیکن وہاں اندھا عقیدہ تحقیق کے رستے میں حائل ہو جاتا ہے۔"[1]

غور کیجئے کہ رُشدیوں کے عقائد میں کس قدر اختلاف ہے یا پھر مکر یا تقیہ ہے کہ ایک کچھ فرمارہاہے اور دوسرا مکر کے ساتھ کچھ اور۔ نیز یہ بھی غور کیجئے کہ جھٹ قرآن کریم پر حملہ ہوتا ہے کہ: "قرآن کا انکار بھی لازم آتا ہے"۔ جب ہی تو ہم ان سَلفی ورُشدیوں کو منکرِ قرآن اور دشمنِ قرآن قرار دیتے ہیں۔

موصوف تقیہ سے یہ بھی لکھ گئے کہ اس واحد کتاب لاشریک کا نقطہ نقطہ بھی محفوظ ہے۔ وہ یہ راز خاموشی سے چھُپا گئے کہ ان کے تمام سلفی اور رُشدی ساتھی یہ مانتے ہی نہیں کہ قرآن کریم کے حروف پر نقطے بھی تھے! حتیٰ کہ سب سے آخر میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنی مصاحف لکھوائے اور دیگر صحابہؓ نے بھی لکھے تو وہ سب ہی بغیر نقاط و اعراب کے تھے۔ جو کہ بعد میں حجاج بن یوسف وغیرہ کے دَور میں لگائے گئے۔ یہ پتہ نہیں کہ رموز او قاف، رکوع، سجود، آیات وپارے کس نے بنائے؟ یقینا! یہ بھی عجمیوں کا کارنامہ ہوگا یونکہ عربی میں تو حرف "پ" ہوتا ہی نہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کے تیس ۳۰ پارے بنائے تو بخاری شریف کے بھی تیس پارے بنادیئے۔ آخر کو برابری جو کرنا تھی **مثلہٗ و معہٗ** کی۔ جہاں تک مسئلہ ہے لہجہ کا تو اس میں تو شک نہیں کہ دَورِ اوّل میں تمام قراءِ قرآن کے لہجے ایک سے نہیں ہوں گے اور آج بھی نہیں ہیں۔ یونکہ یہ ایک فطری حقیقت ہے کہ مقام کی تبدیلی سے (بقول رُشدیوں ہی کے ہر تیس میل بعد بمقابلہ تیس پارے) لہجہ بھی بدل جاتا ہے سو وہ مختلف ہی رہے ہوں گے۔ مگر کیا وہ آج تک ویسے ہی ہیں؟ اس کے لئے کسی کے پاس ایسا کوئی آلہ نہیں کہ وہ اس زمانہ کے لہجاتِ تلاوتِ قرآن سن سکے اور ان کو آج کے لہجات سے موازنہ کرکے فیصلہ کرسکے۔ ہاں یہ ممکنات میں سے ہے کہ تلاوت کرنے والوں نے ان لہجات کو ہی مقدس سمجھ کر ان کی نقل کرنے کی کوشش کی ہو۔ مگر جب فنون تجوید و قراءات ایجاد کئے گئے تو وہ دَورِ اوّل کے لہجات بھی کس طرح محفوظ رہ سکے ہوں گے؟

یہاں یہ بھی غور کیجئے کہ موصوف نے الفاظ "ہر ایک لہجہ" اور "طریق" استعمال کئے ہیں یعنی تقیہ سے قراءت کی جگہ لفظ لہجہ استعمال کیا ہے۔ گویا کہ قراءاتِ سبعہ کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ لہجات ہی لہجات تھے مگر لفظ طریق نے ان کے تقیہ کا بھانڈا پھوڑ دیا یونکہ یہ لفظ طرق یا طریق فنِ قراءت کی اصطلاح ہے۔ تو اصل میں بغیر تقیہ کے وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "ہر ایک قراءت اور طریق بالکل ویسے ہی محفوظ ہے جس طرح آپ پر نازل ہوا تھا اور آپ نے صحابہؓ کو پڑھایا سکھایا"۔ گویا کہ انہوں نے ایک تیر سے دو شکار کئے کہ مختلف ہر ایک قراءت آپ پر نازل ہوئی تھی اور آپ نے ویسے

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۶۳۰ مضمون "سلیم شاہ اور انور عباسی کی خدمت میں" از حافظ محمد زُبیر تیمی صاحب، فاضل کلیۃ الشریعہ، جامعہ لاہور الاسلامیہ۔ ریسرچ ایسوسی ایٹ، شعبہ تحقیق، قرآن اکیڈمی۔ لاہور

ہی صحابہ کو پڑھادی، سکھادی۔

.(۴)۔... موصوف نے چوتھی حقیقت یہ لکھی کہ "بعض عقل و خرد سے عاری، فہم و فراست سے بیگانہ افراد حروفِ قرآن کریم کی صحت و ثبوت کو مشکوک کرنے کے درپے ہیں" دراصل یہاں بھی وہ تقیہ سے کام لے گئے۔ اصل میں وہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ بعض عقل و خرد سے عاری عجمی فہم فراست سے بیگانہ افراد سبعہ حروفِ قرآن کریم یعنی بیس قرآنوں کی صحت و ثبوت کو مشکوک کرنے کے درپے ہیں۔ خیال رہے کہ لفظ حروف بھی فنِ قراءت کی اصطلاح ہے اور سارامسئلہ ہی سبعہ قراءات یاسبعہ اَحرف کا ہے کہ اس کا مفہوم اور اصلیت کیا ہے؟ اس کو صرف رُشدی حضرات سمجھے ہیں اور انہوں نے تاریخ اسلامی کا یہ پہلا کارنامہ کیا ہے کہ مدینہ منورہ۔ سعودی عرب کے ادارہ "**مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف**" سے چار مختلف قراءتوں کے قرآن کریم پچھلے چند سالوں سے طباعت کرا کر حجاج کو بانٹنا شروع کر دیئے ہیں اور اب کلیۃ القرآن الکریم' جامعہ لاہور الاسلامیہ کے تقریباً بارہ محققین نے تین سال محنت شاقہ کر کے تمام غیر متداولہ قراءات میں سولہ مصاحف تیار کر لئے ہیں۔ جنہیں کویت کے عالمی ادارہ حامل المسک الاسلامیہ کی سربراہ تنظیم "**لجنة الزكاة للشامية و الشويخ**" سے طبع کرانے کی تیاری ہے۔ اصل میں یہ یہود و نصاریٰ کی نقل' انہی کے ایماء پر' ہو رہی ہے کہ انہوں نے ایک انجیل کی ستر بنادی تھیں۔ پھر کچھ عقل و خرد سے عاری احبار و رہبان نے انہیں کم کرتے کرتے چار رہنے دیا۔ سَلفی اور رُشدیوں نے اب شروعات کی ہے کہ پہلے چار مصاحف متنوعہ طبع کرائے ہیں پھر بیس کریں گے اور پھر ستر ۷۰ یا اسّی ۸۰۔ معاذ اللہ۔

[نوٹ میرے قارئین کہیں لفظ تقیہ سے چونک نہ جائیں۔ دراصل لفظ "تقیہ" لفظ "توریہ" کا مترادف ہے، یعنی حُسن کے ساتھ جھوٹ بولنا یا ایسا مکر کرنا کہ سننے یا دیکھنے والا کچھ کا کچھ سمجھ لے۔ اور تمام اہل حدیث حضرات 'توریہ' کو جائز العمل مانتے ہیں اور اس پر عامل بھی ہیں]

آگے موصوف علمی بحث شروع کرنے سے پہلے قارئین کو ایک بات ذہن نشین کراتے ہیں کہ:

"حدیث سبعہ اَحرف کا ثبوت قراءات کے مسئلہ سے ایک اضافی تعلق ہے، کیونکہ ثبوت قراءات کے لئے دیگر وہ بیسیوں روایات نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں کہ جن میں آپؐ سے مختلف حروف کے موافق قرآن پڑھنا ثابت ہے جو کہ قراءات النبی ﷺ کے نام سے معروف ہیں۔ علاوہ ازیں تمام قراءات کی اسناد بالکل علیحدہ سے تواتر کے ساتھ بالکل اسی طرح نبی کریمؐ تک پہنچتی ہیں جس طرح اخبار آحاد و متواترہ کی اسناد آپؐ تک پہنچتی ہیں۔ سبعہ اَحرف کی حدیث کی توضیح و تشریح یہ خالصتاً ایک علمی اور تحقیقی مسئلہ ہے جس سے کسی کج فہم کو بہر حال یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہئے کہ آراء میں اختلاف سے ثبوت قراءات کا مسئلہ بھی مشکوک ہو جاتا ہے، بلکہ وہ ہر حال میں ثابت ہیں۔"[۱]

.(۱)۔... موصوف یہاں یہ تو فرما گئے کہ ثبوت قراءات کے لئے دیگر وہ بیسیوں روایات نبی اکرم سلامٌ علیہ سے منقول ہیں جن میں آپ سے مختلف حروف کے موافق قرآن پڑھنا ثابت ہے جو کہ قراءات النبی کے نام سے معروف ہیں لیکن اس کا کوئی حوالہ نہ دے سکے نہ ہی یہ بتا سکے کہ وہ قراۃ النبی کہاں ریکارڈ کی گئی ہیں؟ وہ ریکارڈنگ کہاں ملے گی؟

[۱] ایضاً۔ صفحہ ۲۳۲

.(۲)۔... دوسری خاص بات وہ یہ فرما گئے کہ تمام قراءات کی اسناد بالکل تواتر کے ساتھ بالکل اسی طرح نبی کریم تک پہنچتی ہیں جس طرح اخبار آحاد و متواترہ کی اسناد آپ تک پہنچتی ہیں یعنی وہ پھر ایک تیر سے دو شکار کر گئے کہ قراءات کی اسناد اور اخبار آحاد کی اسناد رسول اللہ سلامٌ علیہ تک پہنچتی ہیں! جبکہ ان ہی کے ایک رُشدی محقق ساتھی تواتر اسنادی کے عنوان کے تحت لکھ چکے ہیں کہ:

"قرآن مجید کے ثبوت میں اسنادی تواتر موجود ہے البتہ ائمہ عشرہ تک ہے۔ (یہاں قرآن مجید سے مراد ان کے وہ قرآن ہیں جو انہوں نے بنائے ہیں۔ صدیق)۔ اگرچہ اس سے آگے تواتر اسنادی و تواتر عددی موجود نہیں۔ کیونکہ ائمہ عشرہ سے قبل اختلاط وروایات کا دَور دَورہ تھا۔"[1]

"ذخیرہ احادیث میں مکمل تلاش و بسیار کے بعد ایک ہی ایسی مثال ملتی ہے جو عددی تواتر پر پوری اُترتی ہے"[2]

یعنی ان فاضل محقق نے تو ان کے دونوں دعووں یعنی قراءات عشرہ یا عشرین کی اسناد اور عام روایات آحاد (یعنی نام نہاد احادیث) کی اسناد کا رسول تک متواتر ہونے کا رَد کر دیا۔ اب کیا باقی بچا؟ ہم جیسے کج فہم لوگ بھی تو یہی کہتے ہیں اور مانتے ہیں یونکہ یہ ایمانی مسئلہ نہیں، یہ غیر قرآنی مسئلہ ہے۔ جبکہ ہمارا ایمان صرف واحد قرآن کریم پر ہے جس کا نزول واحد کتاب کی حیثیت سے ہوا۔ اس کے **مثلهٗ و معهٗ** کوئی اور کتاب نازل نہیں ہوئی۔ یہ **مثلهٗ و معهٗ** و قراءات عشرہ یا عشرین سب نزول قرآن اور رسول کے بعد بطور فن ایجاد کی گئیں۔

بہر حال موصوف نے تو اپنا فتویٰ دے ہی دیا کہ قراءات (مختلفہ و متنوع) ہر حال میں ثابت ہیں تو اب اس ہٹ دھرمی کا تو کوئی حل نہیں۔ ہاں البتہ اگر وہ یہ بتا سکیں کہ قراءات النبی کی ریکارڈنگ کہاں مل سکتی ہے (تاکہ ہم بھی سُن سکیں) اور اسناد قراءات کے راویوں کی بھی کوئی اسماء الرجال کی کتاب ہے یا نہیں (تاکہ ان کی بھی جانچ کی جا سکے) تو شاید مسئلہ حل ہونے میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔

آگے موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"وہ تمام ائمہ جو سبعہ احرف کی تفہیم کے سلسلہ میں کسی بھی مؤقف کے حامل ہیں، قراءتِ عشرہ کو قرآن اور حجت تسلیم کرتے ہیں۔ الحمد للہ ہمارا بھی ان کے قرآن ہونے پر مکمل یقین و اطمینان ہے اور ان کے منکر کو منکرِ قرآن ہونے کی وجہ سے **خارج عن الملة** سمجھتے ہیں۔"[3]

غور کیجئے کہ اب موصوف نے چکر دینا شروع کر دیا کہ سبعہ احرف، قراءاتِ عشرہ کو حجت تسلیم کر کے منکرین (سبعہ احرف یا سبعہ قراءات جنہیں عشرہ قراءات بنا دیا گیا پھر عشرین قراءات بنا دیا گیا) کو منکرِ قرآن اور **خرج عن الملة** قرار دیدیا گیا۔ یعنی موصوف نے یہ غیر قرآنی فتویٰ بھی جاری کر دیا۔ حالانکہ یہ فتویٰ اُلٹا انہی پر لاگو ہو جاتا ہے یونکہ وہ اپنے آپ کو سلفی یا اہلحدیث کہتے ہیں اور ایک قرآن کریم کو مانتے ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ روایات بھی شریک کرتے ہیں اس لئے وہ خود منکر قرآن ہیں اور اس فتویٰ کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔

---

[1] رُشد۔ قراءات نمبر حصہ دوم۔ مضمون 'تواتر کا مفہوم اور ثبوت قرآن کا ضابطہ از جناب محمد آصف ہارون صاحب، فاضل كلية الشريعة، جامعہ لاہور الاسلامیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور۔ صفحہ ۴۹۳۔ [2] ایضاً۔ صفحہ ۴۸۷ ...... [3] رُشد قراءات نمبر ۳۔ صفحہ ۲۳۲

آگے اسی تمہید میں وہ فرماتے ہیں:

"امت میں سبعہ اَحرف کی تشریح کے بارے میں اگرچہ کافی آراء پائی جاتی ہیں جنہیں امام زرکشیؒ نے البرھان میں پینتیس ۳۵ اور امام سیوطیؒ نے الاتقان میں چالیس ۴۰ تک شمار کیا ہے۔ لیکن ان میں اکثر ایسے ہیں جن کو حدیث سبعہ اَحرف سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ ہم صرف ان اقوال کا ذکر کریں گے جنہیں سلف نے سبعہ اَحرف کی تشریح میں درست تسلیم کیا ہے اور بعض اسباب اور دلائل کی بنیاد پر راجح قرار دیا ہے"۔[1]

غور کیجئے کہ سبعہ اَحرف کے بارے میں کتنی رائیں ہیں پینتیس سے چالیس۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی پیچیدہ چیز نازل کی کہ چودہ صدیوں تک کسی کو سمجھ نہ آئی، بس وہ مختلف آراء جمع کرتے رہے۔ مگر سبعہ اَحرف کے معنی یا مفہوم تک متعین نہ کر سکے۔ پھر دیکھئے فاضل محقق کے مطابق:

"حدیث "اُنزِلَ القُرآنُ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرَفٍ" کی تشریح میں سلف و خلف نے درج ذیل چار اقوال کو ترجیحاً اختیار کیا ہے:

(۱)۔ سبعہ احرف بمعنی سبعہ وجوہ

(۲)۔ سبعہ احرف بمعنی أوجه مقروءه لا تزيد عن السبع =

(۳)۔ سبعہ احرف بمعنی سبعه لغات مختلفة الألفاظ متفقه المعاني أي المترادفات =

(۴)۔ سبعہ احرف بمعنی سبعه لغات متفرقة في القرآن"[2]

یعنی کہ چودہ سو سال بعد بھی رُشدی محققین سبعہ اَحرف کے ایک معنی متعین نہ کر سکے! چنانچہ اوپر کے قول اول میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

قولِ اوّل:

سبعہ اَحرف بمعنی سبعہ وجوہ

اس قول کے قائلین میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، ابن قتیبہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو بکر الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ، عبد العظیم الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ، محمد علی الصابونی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے نام شامل ہیں۔

مذکورہ قول کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ سبعہ احرف سے مراد سبعہ وجوہ ہیں لیکن ان کے تعین میں اختلاف ہے۔

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

علامہ نظام الدین قمی نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن میں امام مالکؒ کے حوالہ سے سبعہ احرف کی درج ذیل تشریح نقل کرتے ہیں:

(۱)۔ مفرد اور جمع کا اختلاف: یعنی ایک قراءۃ میں صیغہ مفرد ہو اور دوسری میں جمع، جیسے وَتَمّتْ

---

[1] ایضاً صفحہ ۲۳۲۔۲۳۳ ...... [2] ایضاً صفحہ ۲۳۳

كَلِمَتُ رَبِّكَ اور وَتَمَّتْ كَلِمٰتُ رَبِّكَ

(۲)۔ تذکیر تانیث کا اختلاف: جیسے لَا يُقْبَلُ اور لَا تُقْبَلُ

(۳)۔ وجوہ اعراب کا اختلاف: جیسے هَلْ مِنْ خٰلِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ اور غَيْرِ اللّٰهِ

(۴)۔ صرفی ہیئت کا اختلاف: جیسے يَعْرِشُوْنَ اور يُعَرِّشُوْنَ

(۵)۔ ادوات (حروف نحویہ) کا اختلاف: جیسے وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ اور وَلٰكِنِ الشَّيٰطِيْنُ

(۶)۔ لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں جیسے نُنْشِزُهَا اور نَنْشُرُهَا۔

(۷)۔ لہجوں کا اختلاف: جیسے تخفیف، تفخیم، اِمالہ، مد، قصر، اظہار اور ادغام وغیرہ (بس ایک یہی صحیح بات ہے۔ صدیق)

ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد تدبرت وجوہ الاختلاف فی القراءات فوجدتها سبعته أوجه۔"

"میں نے قراءات کے اختلاف میں غور و فکر کیا تو میں نے سات وجوہ پائیں۔"

اوّل: کلمہ کے اِعراب کا اختلاف

یعنی حرکات کی ایسی تبدیلی جس سے صورت لفظ نہ بدلے۔ جیسے "وَهَلْ نُجَازِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ، وَهَلْ يُجَازٰيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرُ۔"

الثانی

کلمہ کے اعراب کی ایسی تبدیلی جس سے صورت کلمہ تو نہ بدلے البتہ معنی میں تغیر واقع ہو جائے۔ جیسے: "رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا"، "رَبُّنَا بٰعَدَ بَيْنَ اَسْفَارِنَا۔"

الثالث

کلمہ کے حروف میں ایسی تبدیلی جس سے صورت و کلمہ اور اعراب تو نہ بدلے معنی بدل جائے۔ "نُنْشِزُهَا یا نَنْشُرُهَا۔"

الرابع

کلمہ میں ایسا اختلاف جس سے صورت کلمہ بدل جائے لیکن معنی میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ جیسے "كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ اور كالصوف المنفوش"

الخامس

کلمہ کا ایسا اختلاف جس سے معنی اور صورت کلمہ دونوں تبدیل ہو جائیں جیسے "وَطَلْعٍ مَّنْضُوْدٍ اور وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ۔"

السادس

تقدیم و تاخیر کا اختلاف جیسے "وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور سكرة الحق بالموت۔"

السابع

نقص وزیادت کا اختلاف ہو، جیسے ”وَمَا عَمِلَتْ أَيْدِيهِمْ اور وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ “، [تاویل مشکل القرآن: ص ۳۷، ۳۸]

قاضی ابی بکر ابن الطیب الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ

قاضی ابی بکر الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سبعہ احرف کی وہی تشریح کی ہے جو امام بن قتیبہ نے فرمائی ہے۔ حتیٰ کہ مثالیں بھی وہی دی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کے موٴقف پر ہی ہیں۔

امام ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ولا ذلت استشكل هذا الحديث وافكر فيه وامعن النظر من نيف و ثلاثين سنته حتى فتح الله بما يمكن ان يكون صوابا ان شاء الله و ذلک انی تتبعت القراءت صحيحها وشاذها وضعيفها و منكرها فاذا هو يرجع اختلافها إلى سبعته أوجه من الاختلاف لا يخرج عنها“ [النشر: ۱/۲۶]

”میں اس حدیث کے مشکل ہونے کی وجہ سے اس پر مسلسل تیس سال تک غور وفکر کرتا رہا اور اس کے صحیح، شاذ، ضعیف اور منکر جمیع طرق کو کھنگالا یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے میرے اوپر کھول دیا کہ اس کی ممکن اور اقرب الی الصواب تشریح کیا ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اختلاف قراءت مندرجہ ذیل سات وجوہ مختلفہ میں منحصر ہے۔“

(۱)۔ حرکات کا ایسا اختلاف جس سے صورت کلمہ اور معنی نہ بدلے جیسے ’البخل‘ کی وجوہ اَربعہ اور یَحسَبُ کی دو وجوہ۔

(۲)۔ حرکات کی تبدیلی صرف معنی پر اثر انداز ہو۔ جیسے ’فتلقى ءادم من ربه كلمٰت‘

(۳)۔ حروف کی تبدیلی جس سے صورت کلمہ سلامت رہے اور معنی بدل جائے۔ جیسے ’تَبْلُوْا اور تَتْلُوْا

(۴)۔ حروف کی ایسی تبدیلی کہ صورت کلمہ تو بدل جائے لیکن معنی نہ بدلے، جیسے: ”بصطه اور بسطه، السرٰط الصرٰط

(۵)۔ صورت کلمہ اور معنی دونوں ہی بدل جائیں۔ ”فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللهِ. فامضوا الى ذكر الله اور أشد منكم ، أشد منهم“

(۶)۔ تقدیم اور تاخیر کا اختلاف: جیسے ”فيقتلون و يقتلون اور وجاءت سكرة الحق بالموت“

(۷)۔ نقص وزیادت کا اختلاف: جیسے ”وأوصى، ووصىٰ اور والذكر والأنثى“ [النشر، ج۱، ص۲۶]

اس کے بعد محقق فرماتے ہیں کہ ان وجوہ سے اختلاف قراءات باہر نہیں ہیں باقی رہا مسئلہ لہجات، اظہار، ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، مد و قصر، امالہ، فتح، تحقیق، تسہیل اور ابدال وغیرہ کا، جنہیں ہم اصول سے تعبیر کرتے ہیں تو اس سے معنی اور صورت کلمہ میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اس لئے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے اگر اس کو آپ شامل کرنا چاہیں بھی تو پہلی قسم کے ذیل میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

امام ابوالفضل الرازی رحمۃ اللہ علیہ

امام ابوالفضل الرازی رحمۃ اللہ علیہ احرف سبعہ کی تفسیر میں درج ذیل وجوہ سبعہ سے کرتے ہیں: (کیا یہ آیت ہے جس کی تفسیر ہو رہی ہے؟ صدیق)

(۱)۔ اَسماء میں مفرد، تثنیہ، جمع، تذکیر و تانیث اور مبالغہ وغیرہ کا اختلاف۔

(۲)۔ افعال میں ماضی، مضارع، امر، تانیث و تذکیر، مخاطب و متکلم، اسناد الی الفاعل اور مفعول کا اختلاف۔

(۳)۔ وجوہ اعراب کا اختلاف۔ (۴)۔ نقص و زیادت کا اختلاف۔

(۵)۔ تقدیم و تاخیر کا اختلاف۔ (۶)۔ ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ یا ایک حرف کو دوسرے سے بدل دینا۔

(۷)۔ اختلاف اللغات مثلاً فتح امالہ، تفخیم و ترقیق، و تسہیل اور ادغام و اظہار وغیرہ۔

جن اَئمہ متقدمین نے سبعہ احرف کی تشریح سبعہ وجوہ سے فرمائی ہے ان جمیع اقوال میں سے اَشمل اور اَحسن قول امام ابوالفضل رازیؒ ہی کا ہے باقی اَئمہ بعض انتہائی بنیادی باتوں سے صرف نظر کر گئے ہیں۔ متاخرین میں سے اس قول کی تائید کرنے والوں میں عبد العظیم الزرقانی صاحب مناھل العرفان ہیں۔ انہوں نے ہر طرح سے اس قول کی توثیق کی۔ اس کے علاوہ محمد علی الصابونیؒ نے التبیان میں اور مولانا تقی عثمانی نے علوم القرآن میں اس قول پر تفصیل سے تائیدی بحث کی ہے۔''[۴]

سبعہ اَحرف کی یہ تفصیل لکھنے کے بعد انہوں نے اس مؤقف کا جائزہ لیا اور اس پر سات اعتراضات وارد کئے ہیں۔ جنہیں یہاں نقل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آگے ہم قول ثانی کی طرف آتے ہیں:

''قول ثانی

سبعہ اَحرف بمعنی اَوجہ مقروءۃ لا تزید عن السبع

مذکورہ مؤقف کے مطابق سبعہ اَحرف کا مصداق کسی چیز کو قرار نہیں دیا گیا کہ 'اوجہ' سے مراد کیا ہے۔ نہ ہی انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس سے مراد سبعہ لغات ہیں اور نہ ہی یہ حضرات سبعہ وجوہ کے قائلین ہیں۔ جیسا کہ جزریؒ وغیرہ نے کہا ہے۔ لہٰذا یہ قول بنیادی طور پر ایک ناقص اور نامکمل مؤقف ہے۔ اس کے رَد سے پہلے قول کی وضاحت

[۴]۔ ایضاً۔ صفحہ ۲۳۳۔۲۳۵

ضروری ہے جو کہ قائلین نے نہیں کی۔

قول ثالث

سبعہ اَحرف بمعنی سبع لغات مختلفۃ الألفاظ متفقۃ المعانی أي المترادفات

سبعہ اَحرف سے مراد سبعہ لغات ہیں، اس طرح کہ ان کے الفاظ مختلف اور معانی متحد ہوں جیسے أقبل، **تعال، هلم، عجل، اسر، وانظر، آخر** اور **امهل** وغیرہ(معلوم نہیں کیوں حیّ کا لفظ نہیں لکھتے حالانکہ مُلّا کے نزدیک اس کے معنی بھی آؤ ہی ہیں۔صدیق)یا جس طرح لفظ 'أف' میں بعض لغات ہیں۔

اس قول کے قائلین میں بہت جلیل القدر علماء شامل ہیں جن میں امام ابن جریر طبریؒ، امام طحاویؒ، سفیان بن عیینہؒ، ابن عبد البرؒ، حافظ ابن کثیرؒ، امام ابن تیمیہؒ، عبد اللہ بن وہبؒ، امام قرطبیؒ اور مناع القطان شامل ہیں۔

امام ابن جریر الطبریؒ

امام ابن جریر طبریؒ اَحرف سبعہ کے بارے میں وارد مختلف تشریحات ذکر کرنے اور ان پر ردّ کرنے کے بعد راجح قول یوں بیان کرتے ہیں:

> احرف سبعہ جن پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا ہے وہ ایک لفظ اور ایک ہی کلمہ میں سات لغات ہیں، جن کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن معنی متفق ہیں۔ جیسے کوئی کہے **هلم، تعال، اقبل، الی، قصدی، نحوی** اور **قربی** وغیرہ کہ جو اختلاف الفاظ کے باوجود متفق المعانی ہیں۔(تفسیر طبری:۱/۴۷-۴۸)[۱]

حافظ ابن عبد البرؒ

> سبعہ اَحرف سے مراد متفق المعانی اور مختلف الالفاظ کلمات کی لغات وجوہ ہیں جیسے **اقبل، تعال، هلم** اور یہی کثیر اہل علم کا قول ہے۔(**التمهید لابن عبد البر: ۲۸۱/۸**)[۲]

امام قرطبیؒ

> امام قرطبیؒ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ وہ رائے جس پر اکثر اہل علم سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن وہب، طبری اور طحاوی وغیر ہم ہیں، وہ یہ ہے کہ احرف سبعہ سے قریب المعنی اور مختلف الالفاظ وجوہ سبعہ مراد ہیں۔(تفسیر قرطبی: ۱/۴۲)[۳]

امام ابن کثیرؒ

امام ابن کثیرؒ نے امام قرطبیؒ کے الفاظ میں ابن جریرؒ کے مؤقف کو بیان کرکے بھرپور انداز میں اس کی تائید کی ہے۔(ج۱/۶۱)

ابن جریرؒ اور ان کے ہم خیال حضرات کا مؤقف ہے کہ سبعہ اَحرف سے ایک ہی کلمہ میں مختلف لغات عرب کا اختلاف مراد ہے۔ جسے ہم مترادفات سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی ایک ہی کلمہ میں اس کی جگہ مختلف الفاظ استعمال کرنے

۱۔ عربی عبارات حذف کر دی گئیں۔ ...... ۲۔ عربی عبارات حذف کر دی گئیں۔ ......۳۔ عربی عبارات حذف کر دی گئیں۔

کی اجازت تھی جیسے ھلم، تعال اور اقبل وغیرہ۔ نیز یہ سبعہ اَحرف میں سے چھ حروف کے حذف، فسخ یا توقف کے قائل ہیں۔"[1]

اس کے بعد موصوف ان علماء پر تبصرہ و تنقید یا اعتراضات کرتے ہیں جن کا یہاں نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر قول رابع کی طرف آتے ہیں کہ

قول رابع

سبعہ احرف بمعنی سبع لغات متفرقۃ فی القرآن

اس قول کے قائلین میں حضرت عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ، ابن عطیہ، امام بیہقی، ابو حاتم السجستانی، ثعلب، احمد الازھری اور امام دانی وغیرہم شامل ہیں۔

حضرت عمرؓ

"نزل القرآن بلغة مضر" [فتح الباری:۹/۲۷]

"قرآن کریم مضر کی لغت میں نازل کیا گیا ہے۔"

○۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے لغاتِ مضر کی تعیین بھی کی ہے۔ جیسا کہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مضر کی سات لغات سے ھذیل، کنانہ، ضبہ، قیس، تیم الرباب، اسد بن خزیمہ اور قریش مراد ہیں۔"

حضرت ابن عباسؓ

"قرآن کریم سبع لغات پر نازل کیا گیا ہے جن میں پانچ عجز ھوازن سے ہیں جن میں سعد بن بکر، جیشم بن بکر، نصر ابن معاویہ اور ثقیف کی لغات شامل ہیں، انہیں علیا ھوازن بھی کہا جاتا ہے۔" (یعنی صرف دو صحابہؓ کی طرف منسوب ہے اور وہ بھی صاحب فتح الباری کی طرف سے! یعنی شاید یہ روایت بھی نہیں۔ صدیق) [فتح الباری:۸/۲۷]

ابو عبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ

سبعہ لغات کے قول کی نمائندہ شخصیت ابو عبید ہی ہیں، فرماتے ہیں:

"قرآن سبعہ احرف پر نازل ہوا ہے اور سبعہ احرف کا معنی صرف اور صرف لغات ہیں۔" (فضائل القرآن ۱۰/۱۷۵)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"سبعہ احرف کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ اک ہی حرف میں سات وجوہ پائی جائیں ایسا بالکل موجود نہیں۔

---

[1] ایضاً صفحہ ۲۴۲۔۲۴۳

بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن سبع لغات پر نازل ہوا ہے جو متفرق طور پر قرآن میں موجود ہیں۔ ایک حرف ایک لغت پر، دوسرا دوسری پر اور تیسرا ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری لغت پر ہے یہاں تک کہ سات لغات مکمل ہو جائیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام قبائل کی لغات ایک ہی تناسب سے موجود ہوں بلکہ بعض قبائل اس میں زیادہ سعادت مند ٹھہرے ہیں کہ ان کی لغات پر قرآن کا زیادہ حصہ نازل ہوا ہے۔'' (کیا یہ مذاق نہیں؟ صدیق) [فضائل القرآن:۲/۱۲۸،۹]

امام ابو حاتم **السجستانی** رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قرآن کریم لغت قریش، ھذیل، تمیم، ازد، ربیعہ، ھوازن اور سعد بن بکر پر نازل ہوا ہے۔''

[الاتقان:۱/۹۵، فتح الباری:۹/۲۷]

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ

ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی سبعہ احرف کی تشریح سبعہ لغات سے کرتے ہیں اور اس پر انہوں نے **المحرر الوجیز** کے مقدمہ میں تفصیلی بحث کی ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ قرآن کریم کو سبعہ لغات پر ہی کیوں اُتارا گیا ہے، ذیل میں ہم صرف ان کا سبعہ احرف بمعنی سبعہ لغات کے باب میں تائیدی قول پیش کرتے ہیں:

''بلاشبہ قرآن کریم لغات کی سات اقسام پر نازل کیا گیا ہے جس میں اعراب، اسماء اور الفاظ کی شکل کی تبدیلی کا اختلاف شامل ہے جو کسی ایک کلمہ میں نہیں بلکہ پورے قرآن میں پھیلا ہوا ہے۔'' [المحرر الوجیز:۱/۴۰،۳۹] (کتنی بڑی چوٹ ہے قرآن پر، صدیق)

دوسری جگہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں پوری بحث کو یوں دیکھتا ہوں کہ بنیادی زبان، جس پر قرآن نازل ہوا، قریش ہے اور پھر بنو سعد بن بکر۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود قریشی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرورش اور نشوونما بنو سعد میں پائی ہے اسی طرح آپ کی زبان میں کنانہ، ھذیل، ثقیف، خزاعہ، اسد ان کے حلفا کی ملاوٹ ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیس و تمیم اور وسطی جزیرۃ العرب کی لغات کے بھی امین ہیں۔ لہٰذا جب اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو قرآن کو ان جملہ عرب کی افصح لہجوں کی پوشاک پہنائی۔'' (المحرر الوجیز:۱/۴۲) (کیا لہجہ اور لغت میں فرق نہیں۔ صدیق)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان میں فرماتے ہیں:

''صحیح ترین مذہب یہی کہ احرف سبعہ سے مراد لغات سبعہ ہیں۔'' [البرھان:۱/۱۱۰]

اسی طرح امام محمد الازھری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **التھذیب** میں فرماتے ہیں:

''مختار مذہب یہی ہے کہ احرف سبعہ سے مراد سبعہ لغات ہی ہیں۔'' [البرھان:۱/۲۰۹]

ان کے علاوہ احمد بن الثعلب النحوی اور صاحب قاموس فیروز آبادی کا بھی یہی مذہب کہ سبعہ اَحرف کی صحیح تشریح سبعہ لغات ہی ہیں۔

مذکورہ قول پر وارد ہونے والے اعتراضات اور ان کا تجزیہ

مذکورہ قول پر ابھی تک جو اعتراضات کئے گئے وہ تین سے زیادہ نہیں ہیں۔ ذیل میں ہم ان اعتراضات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی علمی اور عقلی حیثیت واضح کرتے ہیں:

پہلا اعتراض

اس قول پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کے حاملین نے سبعہ لغات کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابوعبید قاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ، اور ابو حاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے سبعہ لغات کا مصداق جن قبائل کو ٹھہرایا ہے وہ مختلف ہیں۔ لہٰذا سبعہ احرف کی یہ تشریح قابل قبول نہیں ہے۔

اس اعتراض کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ جمع حضرات دو باتوں میں متفق ہیں۔ پہلی بات یہ کہ سبعہ احرف کی تشریح لغات عرب سے ہی کی جائے گی اور سبعہ لغاتِ عرب کوئی مترادفات کی قسم کا اختلاف نہیں ہے بلکہ سبعہ لغات قرآن مجید میں بکھری ہوئی ہے۔ اب اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ وہ کون سے افصح ترین قبائل ہیں جن کی لغات پر قرآن نازل ہوا ہے۔ اس بارے میں ہر ایک شخص، جو لغت و لسانیات کا ماہر اور عالم ہے، کا اپنا مشاہدہ ہے۔ اور آدمی کے کسی چیز کو دیکھنے کے خاص زاویے ہوتے ہیں جن کے مطابق وہ کسی چیز کو پرکھتا ہے۔ اس لیے تعیین قبائل میں مختلف الاقوال ہونا اس کے ضعف کا باعث نہیں ہے۔ اور اس سے قول کی بنیادی صحت پر کوئی زَد نہیں پڑتی، کیونکہ وہ بہر حال سبعہ لغات قبائل عرب ہی ہیں۔

دوسرا اعتراض

اس قول پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں تو تقریباً جمیع قبائل عرب کی لغات موجود ہیں جو کہ عملاً ثابت بھی ہو چکا ہے۔ تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ سبعہ احرف سے مراد سبعہ لغات عرب ہیں۔ (یہ تو ایک عام حقیقت ہے کہ دنیا کی شاید کوئی بھی زبان اس چیز سے خالی نہیں۔ ہر زبان ہی میں دوسری بہت سی زبانوں کے الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ صدیق)

یہ اعتراض یقیناً ایک اہم اعتراض ہے کہ استقراء عملاً اس بات کا انکار کر رہا ہے کہ قرآن مجید فقط لغات سبعہ پر ہی منحصر ہو۔ یقیناً یہ بات اسی طرح ہی ہے کہ قرآن مجید میں دیگر قبائل عرب کی لغات بھی موجود ہیں جن کی تعداد سات سے بہت زیادہ ہے لیکن اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم سات لغات سے زائد پر اترا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں اگر کسی لغت کے ایک دو حرف موجود ہیں تو اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم میں باقاعدہ اس لغت کا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ قرآن کریم میں جن لغات کا زیادہ حصہ موجود ہے تو ان میں سے بھی ان کی وہی لغات منتخب کی گئی ہیں جو

فصیح تھیں اور ان کے جو استعمالات غیر فصیح اور ردی قسم کے تھے ان کا یکسر خیال نہیں کیا گیا۔ اور جن لغات کے ایک دو الفاظ موجود ہیں وہ ان لغات سے نہیں لیے گئے بلکہ وہ لغت قریش سے ہی ماخوذ ہیں کیونکہ قریش مرجع الخلائق تھے۔ ان کے پاس جمیع عرب کی آمدورفت رہتی تھی اور وہ کسی بھی لغت کے بہترین الفاظ جو انہیں پسند آتے، اختیار کر لیتے تھے اور ان کا عام بول چال میں استعمال شروع کر دیتے تھے۔ لغت قریش کے افصح اللغات ہونے کی بھی بنیادی وجہ یہی ہے۔ جس کا اظہار کئی ماہرین لغت وبیان نے بھی کیا ہے۔ جیسا کہ قاری طاہر رحیمی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

(۱)۔ لغت قریش اپنے ماحول کی بہت سی لغات سے متاثر ہوئی۔ دوسری لغات کے بہت سے الفاظ اور صیغے چن کر قریش نے اپنی لغت میں شامل کر لئے تھے جس کے متعدد عوامل و مواقع انہیں مہیا ہوتے تھے مثلاً وہ بیت اللہ کے مجاورین اور مرجع الخلائق تھے، سردی و گرمی میں قریش دو اسفار کرتے تھے، عرب میں متعدد بازار لگتے تھے، شعر و نقدِ ادب عربی کی مختلف مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔ پس جب ہم لغتِ قریش بولتے ہیں تو گویا ہم اس سے وہ پوری لغت عربیہ مشترکہ مراد لیتے ہیں جو عرب کے ان جملہ چیدہ چیدہ فصیح ادباء، شعراء، خطباء کی مشترکہ زبان تھی جنہیں قرآن نے اپنے مثل صرف ایک سورت یا صرف ایک جملہ ہی بنا کر پیش کرنے کا چیلنج کیا تھا۔ [حیات ترمذی:۶۷۷] (تو پھر علیحدہ علیحدہ سات احرف پر نازل کرنے کا کیا فائدہ اس میں تو دیگر لغات پہلے ہی شامل ہیں؟ صدیق)

(۲)۔ ''قریش ' دیگر قبائل کے لغات ولہجات میں سے انتخاب وچناؤ کے بارے میں سب سے زیادہ باذوق واقع ہوئے تھے کو وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے جو انتہائی فصیح ہوتے، بولتے وقت زبان پر بہت آسان، سننے میں پرشوکت، اندرونی جذبات واحساسات کے اظہار میں سب سے قوی اور ذہنی افکار و معانی کی تعبیر میں انتہائی واضح ہوتے تھے لہٰذا قریش افصح العرب قرار پائے۔'' (الصاحی فی فقہ اللغۃ:۲۳)

(۳)۔ ''فراء کہتے ہیں کہ عرب ہر سال موسم میں آتے اور جاہلیت کے طریقے پر حج کرتے تھے، قریش اس موقع پر سب عرب کی لغات سنتے اور جو لغت انہیں اچھی لگتی اسے بولنا شروع کر دیتے تھے۔ اس طرح وہ افصح العرب بن گئے اور ان کی لغت کریہہ وقبیح الفاظ سے خالی و محفوظ ہو گئی۔ امالی میں ثعلب نے بھی یہی فراء رحمہ اللہ والی تقریر کی ہے۔'' (المزھر:۱/ ۲۱۱،۲۲۱)

(۴)۔ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:

''جس قائل نے یہ کہا ہے کہ ''قرآن لغت قریش میں نازل ہوا ہے'' میرے نزدیک اس کا مقصد یہ ہے کہ ''اکثر وبیشتر ایسا ہی ہے'' واللہ اعلم۔ وجہ یہ ہے کہ قراءات صحیحہ میں غیر لغت قریش بھی موجود ہے مثلاً ہمزات وغیرہ کی تحقیق (بلغة تمیم) باوجود یہ کہ قریش تحقیق نہیں کرتے (بلکہ ابدال کرتے ہیں) [حیات ترمذی:۶۷۸، بحوالہ تفسیر القرطبی:۱/ ۳۳]''

تیسرا اعتراض

اس قول پر تیسرا اعتراض جو اکثر کیا جاتا ہے اور عموماً اسی کی بنیاد پر اس قول کو مرجوح بھی قرار دیا جاتا

ہے، وہ یہ ہے کہ بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے وہ اس بات کا انکار کرتا ہے کہ سبعہ احرف سے مراد سبعہ لغات ہیں، کیونکہ اس قول سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ قبائل عرب کو سبعہ احرف کے ذریعہ جو آسانی دی گئی وہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنی اپنی لغت میں تلاوت کرے تاکہ اُسے قرآن پڑھنے میں مشکل نہ ہو، جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ہشام رضی اللہ عنہ دونوں قریشی ہیں۔ ان کا اختلاف اس قول کے موافق اس بات کا متقاضی ہے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کسی دوسری لغت پر تلاوت کر رہے ہیں یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری لغت کے مطابق قرآن سکھلایا تھا۔

اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ہشام رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہوں اور آپ کسی کو دوسری لغت کے مطابق قرآن پڑھا رہے ہوں۔ انہوں نے سُن کر یاد کر لیا ہو اور اسی کے مطابق پڑھنا شروع کر دیا ہو، یہ جواب اس لیے اطمینان بخش نہیں ہے کہ خود الفاظ حدیث اس کا انکار کر رہے ہیں کیونکہ ہشام اس بات کے مدعی تھے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پڑھایا ہے جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نہیں پڑھایا یعنی صرف یہ سماعت کی بنیاد پر تلاوت نہیں ہو رہی تھی بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پڑھایا تھا۔

اس کا ہماری نظر میں صحیح اور قرین قیاس جواب یہ ہے کہ نہ تو حضرت ہشام رضی اللہ عنہ لغت قریش کے خلاف پڑھ رہے تھے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لغت قریش کے علاوہ کسی دوسری لغت پر قرآن کریم سیکھا تھا بلکہ دونوں ہی لغت قریش پر تلاوت کرتے تھے، مذکورہ مسئلہ جس کی وجہ سے ان کے مابین نزاع ہوا ہے یہ اختیارات کا مسئلہ تھا نہ کہ لغات کا۔ وہ اس طرح سے کہ اللہ رب العزت نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اجازت دی تھی (یہ اجازت کہاں ہے؟ صدیق) کہ کوئی بھی شخص اپنی پسند اور اختیار کے مطابق قراءت کر سکتا ہے، یعنی ترتیب (Set) اپنی مرضی سے بنائی جا سکتی ہے۔ جس کو اس مثال سے زیادہ سمجھنا آسان ہے کہ سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیر ہم یہ جمیع انصاری صحابہ ہیں، لیکن تمام کے قرآن پڑھنے کے انداز مختلف تھے جو حرف ابی رضی اللہ عنہ، حرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حرف زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حرف ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہیں اور ان کے قراءت میں خاصا اختلاف تھا جیسا کہ کتب میں موجود ہے۔ اور بعینہ یہی مسئلہ سیدنا ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف کا تھا یعنی لغت کا اختلاف نہیں بلکہ اختیارات کا اختلاف تھا۔ (دونوں صحابہؓ ہیں انتہائی دانشور اور قرآن کے جاننے اور سمجھنے والے، تو اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ قرآن سات لغات عرب پر نازل ہوا ہے؟ دوم یہ کہ کیا وہ دوسرے قبائل کی لغات سے واقف نہ تھے؟ صدیق) اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ حروف تو صرف سات اترے تھے اور آج جو صحیح اور متواتر روایات اور طرق ہیں، جس کے مطابق قرآن پڑھنا

درست ہے، ان کی تعداد اسّی (۸۰) ہے تو یہ سب بھی اختیارات کی بنیاد پر ہوا ہے۔ (یعنی گھڑنت کو نبھانے کے لئے جو چاہو کر لو! صدیق)

راجح مؤقف

ہمارے فہم میں راجح مؤقف امام ابوعبیدؒ وغیرہم کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو احرف کی تشریح کسی ریاضیاتی اور استقرائی قول کی بنیاد پر نہیں کرنی پڑتی جس کا صدور آپ ﷺ کے احوال وظروف میں ممکن ہی نہ ہو اور ایک بے جا تکلف محسوس ہو، اور نہ ہی اس کی ایسی تشریح کی جاسکتی ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں ویسے ہی سبعہ احرف، جو اللہ رب العزت کا اُمت محمدیہ پر بہت بڑا احسان اور عنایت ہے، سے ہی ہاتھ دھونا پڑیں، اور نعوذ باللہ صحابہ کے ذمہ ہم ایسی بات ڈالیں جو ان کے بارے میں سوچنا ہی مشکل ہے کہ انہوں نے سبعہ احرف کو ویسے ہی ختم کر دیا تھا۔ اور امام ابوعبیدؒ وغیرہ کے قول کے موافق سبعہ احرف کا مفہوم بھی حل ہو جاتا ہے اور کسی غیر منطقی تاویل کا سہارا بھی نہیں لینا پڑتا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ مذکورہ جمیع تشریحات، اقوال اور اختلافات کا نفسِ قراءات پر بھی کوئی اثر پڑتا ہے تو یقیناً اس کا جواب نفی میں ہو گا کیونکہ مذکورہ جمیع علماء اور ان کے علاوہ اہل السنۃ والجماعۃ کے دیگر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ موجودہ قراءات عشرہ جو تواتر کے ساتھ ہماری طرف منقول ہیں، تمام کی تمام ثابت ہیں اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے اور جو شخص ان کے انکار کا مرتکب ہو گا وہ انکار قرآن کا مرتکب ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے"۔[1]

کہیئے قارئین آپ کو کیا سمجھ آیا کہ سبعہ اَحرف کیا ہیں جن پر قرآن کا نزول ہوا اور ایک کے بیس ۲۰ قرآن بنا دیئے گئے؟ کیا یہ اختلافی قرآن اللہ تعالیٰ نے خود نازل کئے تھے جو چودہ صدیوں تک سوائے ایک کے غائب رہے اور اب پندرھویں صدی میں عجمی، سلفی ورُشدی سازش کے تحت منصہ شہود پر آ گئے؟ اور آج جو روایات وطرق ہیں، جس کے مطابق قرآن پڑھنا درست ہے، ان کی تعداد اسّی ۸۰ ہے جو کہ سب اماموں کی مرضی یا اختیارات کی بنیاد پر ہوا ہے۔ یہ اختیار کیا اللہ تعالیٰ نے اماموں کو دیا تھا کہ تم اسّی ۸۰ مختلف النوع طرق بنالو؟ یا یہ اختیار رسول نے دیا تھا؟

رُشدی محقق، حافظ قاری فہد اللہ مراد صاحب نے سبعہ اَحرف اور سبعہ قراءات کی بحث کو سمیٹ کر یہ فتویٰ دیا ہے کہ موجودہ قراءات عشرہ جو تواتر کے ساتھ ہماری طرف منقول ہیں، تمام کی تمام ثابت ہیں (یونکہ ہم انہیں ثابت کہتے ہیں' توجو ہم کہیں وہ مان لو! صدیق) اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ (کتنی بڑی کذب بیانی ہے کہ اتنے بہت سے اختلافات خود دکھانے اور ان پر اعتراضات کرنے کے باوجود بھی ان میں اختلاف نہیں۔ صدیق) اور جو شخص ان کے انکار کا مرتکب ہو گا وہ انکار قرآن کا مرتکب ہے (یعنی بیس قرآنوں اور ان کے اسّی ۸۰ طرق کا منکر ہے) اور دائرہ اسلام سے خارج ہے (یعنی مُلّا کے خود ساختہ اسلام سے خارج ہے۔ صدیق)۔ معاذ اللہ

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۵۹۔ ۲۶۴

لطیفہ

پُر لطف بات یہ ہے کہ ''رُشد'' کے اسی حصہ سوم میں ''ماہنامہ محدث'' کے نامور اسکالر، معروف کالم نویس (مستقبل قریب کے علامہ!) جناب محمد عطاء اللہ صدیقی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ''آخر کس کافر نے انکار کیا ہے کہ یہ 'اختلافات' نہیں ہیں؟''[1]

مگر رُشدی محقق صاحب فرماتے ہیں کہ ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ قارئین خود غور کریں کہ ان دو رُشدیوں میں کون سفید جھوٹ لکھ رہا ہے اور کون سیاہ جھوٹ لکھ رہا ہے؟

ع ہم تو کچھ کہیں گے تو شکایت ہو گی!

آگے یہی نامور اسکالر و معروف کالم نویس رُشدی صاحب ''کیا ماہنامہ رُشد نے نئ 'بدعت' ایجاد کی ہے'' ؟ کے عنوان کے تحت اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

تحقیر آمیز زبان کا ایک اور نمونہ نمونہ

''مفتی طاہر مکی نے علمی بددیانتی کا ارتکاب کرتے ہوئے سارے حقائق اور تفصیلات پیش نہیں کیں۔ اُس نے 'رُشد' کے اختلافِ قراءت پر مبنی مصاحف کی اشاعت کو تاریخِ اسلام میں نئی بدعت (اُس نے اور نئی بدعت کی تراکیب قابلِ غور ہیں۔ صدیق) قرار دیتے ہوئے پراپیگنڈہ کا طومار باندھنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں اختلاف قراءت پر مبنی مصاحف کی اشاعت بہت عرصہ سے ہو رہی ہے۔ ماہنامہ رُشد کی جون ۲۰۰۹ء کی خصوصی اشاعت میں ایسے ۲۱ مصاحف کے پہلے صفحہ کے عکس بھی شائع کر دیئے گئے ہیں۔ کیا مفتی صاحب کی نگاہ سے یہ صفحات نہیں گذرے؟ کیا اسے تجاہل عارفانہ کہیں یا صریح دروغ گوئی اور بیہودہ پروپیگنڈے کا سفلی مذاق؟''[2]

قطع نظر رُشدی صاحب کی ادبی قابلیت اور دینی استطاعت کے، ہم تو اپنے قارئین کی توجہ ان کے سفید جھوٹ (خیال رہے کہ سفید جھوٹ دروغ گوئی کا عام فہم ترجمہ ہے) کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ''عالم اسلام میں اختلاف قراءت پر مبنی مصاحف کی اشاعت بہت عرصہ سے ہو رہی ہے''۔ کب سے ہو رہی ہے؟ اس کا رُشدی صاحب کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ انہوں نے جن ۲۱ مصاحف کے پہلے صفحے کے عکس کا ذکر کیا ہے تو اگر اندھوں کی طرح نہیں، آنکھیں کھول کر اور دماغ کو حاضر کر کے، صرف غور سے دیکھ ہی لیتے تو شاید سمجھ میں آ جاتا کہ ان میں سے چار تو مدینہ منورہ ہی کے حال کے شائع شدہ ہیں۔ کچھ کا پتہ ہی نہیں کہ وہ قرآن کریم کا پہلا صفحہ ہے بھی یا نہیں۔ یا یہ بھی دھوکہ ہے، کچھ پر کسی کسی ملک کا نام ہے مگر سال اشاعت نہیں۔ صرف چار عکس ایسے ہیں جن پر سال اشاعت تحریر شدہ ہے اور وہ یوں ہے۔ (۱) ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵م صفحہ ۲۳۰، (۲)۔ ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء صفحہ ۲۳۱، (۳)۔ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱م صفحہ ۲۳۶ اور (۴)۔ ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۴م صفحہ ۲۴۲۔ (رُشد حصہ اوّل)

یہاں ان صفحات کے عکس دیکھ کر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ سب سے پہلا اختلافی قراءت کا مصحف ۱۳۸۳ ہجری یعنی ۱۹۶۴ میلادی یا عیسوی میں شائع ہوا یعنی اب سے صرف پچاس سال پہلے۔ مگر رُشدی صاحب کے مطابق اختلاف قراءت پر مبنی مصاحف کی اشاعت بہت عرصہ سے ہو رہی ہے۔ ہے نا سفید جھوٹ! ہم تو یہ پہلے ہی عرض کر

[1] ایضاً۔ ۵۸۰...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۵۹۶۔۵۹۷

چکے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ تک یعنی ۱۹۴۵عیسوی تک تو دشمن اسلام خود کوئی اختلافی مصحف تو بڑی بات، کسی نسخے میں الفاظ واعراب کے اختلاف تک نہ پکڑ سکے تھے جبکہ انہوں نے بیالیس ہزار نسخے جمع کر کے جانچ کئے تھے۔ بلکہ اس کے فوری بعد بھی آرتھر جافری صاحب (Arthur Jeffery) اپنی زندگی میں کوئی اختلافی مصحف نہ تو تیار کر سکے نہ ہی اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ تیار کرواسکے۔ البتہ حدیث شریف کی کتاب "کتاب المصاحف" از ابنِ داؤد ضرور اہلحدیثوں کی مدد کے لئے چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر شائع کرا گئے۔ پھر جافری صاحب کے فوراً بعد مغربی۔ عربی طرز تحریر میں روایتِ وَرش ۱۳۸۳ھجری میں ان کے ایجنٹوں نے شائع کروادی۔ چونکہ وہ روایت دنیائے اسلام کے اسی خطہ تک محدود تھی اس لئے بقیہ دنیائے اسلام کو اس سازش کا علم بھی نہ ہو سکا۔ اسی لئے کسی قسم کا ردِّ عمل یا احتجاج بھی سامنے نہ آیا۔ اور بقول رُشدی صاحب ہی کے یہ خبیث سازش آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ اب سے دس پندرہ سال پہلے سے سعودی عرب سے ہماری مروجہ متواترہ قراءت حفص کے علاوہ تین اور روایات شائع ہونے لگیں۔ مگر عوام الناس اس سازش سے اب تک بے خبر ہیں۔ بھلا ہو رُشدیوں کا کہ انہوں نے ۲۰۰۹ء میں اس سازش کا بھانڈا اس طرح پھوڑا کہ چاہا کہ عوام الناس ان کے ہمنوا بن جائیں مگر چونکہ ماہنامہ رُشد تو عوام الناس کے ہاتھوں میں پہنچتا ہی نہیں اسلئے وہ اب بھی قرآن دشمنی کی اس سازش سے بے خبر ہیں۔ اور آئندہ بھی کافی عرصہ تک رہیں گے!

اسی عنوان "کیا ماہنامہ رُشد نے نئی بدعت ایجاد کی ہے؟" کے بالکل اوپر فاضل رُشدی اسکالر اور معروف کالم نویس صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اگر حدیث و سنت سے محبت کرنے والے کچھ مسلمانوں نے اختلاف قراءت کو 'محفوظ' کرنے کی نیت سے اس کی اشاعت کا پروگرام بنایا ہے تو اس میں اعتراض کی گنجائش کہاں ہے اور اس کی مخالفت میں خواہ مخواہ فتویٰ بازی اور درخواست نویسی کا مشغلہ کیوں اختیار کیا جائے؟"[1]

(۱)۔... غور کیجئے کہ پہلی حقیقت فاضل رُشدی صاحب نے یہ مان لیا کہ ان کے ساتھیوں نے اختلافِ قراءات کو 'محفوظ' کرنے کی نیت سے اس کی اشاعت کا پروگرام بنایا ہے!

(۲)۔... دوسری حقیقت تو یہاں یہ ثابت ہو گئی کہ اختلاف قراءات محفوظ نہیں تھیں اور محفوظ نہیں ہیں جب ہی تو ان کو محفوظ کرنے کے لئے اس کی اشاعت کا پروگرام رُشدیوں نے بنایا ہے (جبکہ اس کے بالکل مخالف بیان کہ ان کا ایسا کوئی پروگرام نہیں ہم انشاء اللہ آگے دکھائیں گے)

(۳)۔... تیسری حقیقت یہ ثابت ہو گئی کہ اختلافی قراءات اب سے تقریباً پچاس سال پہلے تک شائع نہیں ہوئی تھیں جب ہی تو اب شائع کرنے کا پروگرام ہے۔ جبکہ رُشدی حضرات مسلسل یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ یہ تو بہت عرصہ سے یا ہمیشہ سے شائع ہو رہی ہیں۔ جب کہ اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے کی کوئی اختلافی قراءت دکھانے سے اہلِ رُشد بالکل معذور ہیں۔ مگر جھوٹ بول بول کر دھوکہ ضرور دیتے رہیں گے!

(۴)۔... چوتھی حقیقت یہ بھی ثابت ہو گئی کہ اختلافی قراءات جو کہ ابھی تک غیر محفوظ ہیں تو پھر وہ متواتر بھی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے رُشدیوں کا یہ دعویٰ بھی باطل اور جھوٹ و کذب کا پلندہ ہے کہ اختلافی قراءات متواتر ہیں۔ پیچھے ہم خود

[1] ایضاً۔ صفحہ ۵۹۶

رُشدیوں کا اعترافِ حقیقت دکھا چکے ہیں کہ اختلافی قراءاتِ قرآنِ کریم کا اسنادی تواتر صرف ائمہ عشرہ تک موجود ہے اگرچہ اس سے آگے تواتر اسنادی و تواتر عددی موجود نہیں کیونکہ ائمہ عشرہ سے قبل اختلاط وروایات کا دَور دَورہ تھا"[1] کتنی بڑی حقیقت ہے! جس چیز کا تواتر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں وہ چیز صحیح کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ عقیدہ کیسے بن سکتی ہے؟ اس کو نہ ماننے والا دائرہ اسلام سے باہر کیسے ہو سکتا ہے؟

.ا۔... اب غور کیجئے کہ موصوف رُشدی صاحب نے یہ مان لیا کہ اہلِ رُشد نے اختلافِ قراءات کو 'محفوظ' کرنے کی نیت سے اس کی اشاعت کا پروگرام بنایا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ماہنامہ رُشد کے حصہ اوّل میں لکھا گیا تھا:

. ۲۔... "کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ نے جہاں خدمت قرآن کے بہت سے سلسلے شروع کر رکھے ہیں، (اللہ خیر کرے۔ معلوم نہیں کہ یہ رُشدی، قرآن کریم پر اور کیا کیا تیشے چلانے والے ہیں؟ صدیق) وہاں جمع کتابی کے سلسلہ میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا اور اس میں وہ کام کیا ہے جو تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت اور جامعیت کے اعتبار سے یگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ وہ یہ کہ قراءات قرآنیہ عشرہ متواترہ، جو کہ کلیات اور مدارس میں صدیوں سے پڑھائی جارہی ہیں اور جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ قواعد وضوابط اور پڑھنے کے انداز تو کتبِ قراءات میں موجود ہیں، لیکن باقاعدہ مصاحف کی شکل میں موجود نہیں ہیں، کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور کے فضلاء میں سے تقریباً بارہ محقق اساتذہ نے محنت شاقہ فرما کر تین سال کے عرصہ میں وہ تمام غیر متداولہ قراءات میں سولہ مصاحف تیار کر لئے ہیں اور جیسا کہ راقم نے پہلے عرض کیا ہے کہ یہ کام اپنی نوعیت اور جامعیت کے حوالے سے تاریخ اسلامی کا پہلا کام ہے۔ یہ کام کویت کے عالمی ادارہ "حامل المسك الاسلامیه" کی سربراہ تنظیم " لجنة الزكاة للشامية والشويخ " کے ایما سے کیا گیا ہے' جس کی مراجعت کے لئے مذکورہ تنظیم کے ذمہ داران کالجنہ مراجعہ المصاحف، مصر سے تعاقد ہے اور آج کل یہ مشروع اسی ادارہ کے زیرِ اہتمام تنفیذی مراحل میں ہے"۔[2]

غور کیجئے کہ موصوف رشدی صاحب کے اس اقتباس نے کیا کیا حقیقتیں واضح کر دیں:

.(ا)۔... تاریخ اسلام میں اپنی نوعیت کا پہلا کام، پہلی ایجاد۔ پہلی بدعت! مگر پھر بھی فاضل، نامور رُشدی اسکالر و معروف کالم نویس جناب محمد عطاء اللہ صدیقی صاحب نے اپنے گذشتہ ذکر شدہ مضمون میں یہ سرخی لگائی ہے کہ "کیا ماہنامہ رُشد نے نئی بدعت ایجاد کی ہے؟"[3] ان بچارے کو یہ معلوم ہی نہیں کہ بدعت کہتے ہی ہیں نئی چیز یا ایجاد کو، جو کہ رسول اللہ سلامؐ علیہ کے زمانہ میں نہ رہی ہو اور ان کے بعد دین میں ایجاد کی جائے۔ تو اس لحاظ سے قرآن کریم کے ایک مصحف جو کہ رسول سلامؐ علیہ کے زمانہ میں بین الدفتین تھا، کے علاوہ نئے، مختلف النوع مصاحب تیار کر کے شائع کرنا بدعت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک قرآن کریم کے بیس قرآن انسانی کاوش سے تیار کر کے تقریباً چودہ سو سال بعد شائع کرنا بدعت نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ صرف بدعت ہی نہیں بلکہ کھلی ہوئی قرآن دشمنی ہے۔ شیطنت ہے۔ یہ الکتاب کے خلاف خبیث سازش ہے۔ جب نام نہاد حدیثوں سے کام نہیں بنا تو اب قرآن کریم کو ختم کرنے کی سازش قراءات کے نام پر کی جارہی ہے! اور جھوٹ پر جھوٹ' رُشدی محققین' یہ بول رہے ہیں کہ مختلف قراءات بہت عرصہ سے شائع ہو

۱۔ رُشد، حصہ دوم۔ صفحہ ۴۹۳ ...... ۲۔ رُشد، حصہ اول۔ مضمون: حفاظت قرآن کریم کے قدیم وجدید ذرائع اور اس ضمن میں جامعہ لاہور اور دیگر اداروں کی خدمات کا جائزہ از قاری فہد اللہ مراد صاحب۔ صفحہ ۶۷۸، مزید دیکھئے حصہ دوم صفحہ ۲۷۷... ۳۔ ایضاً حصہ سوم صفحہ ۵۹۶

رہی ہیں۔ یہاں مان لیا کہ تاریخِ اسلامی میں یہ پہلی مرتبہ شائع کی جارہی ہیں۔

(۲)۔۔۔ یہ بھی مان لیا کہ قراءات قرآنیہ عشرہ متواترہ، جو کہ کلیات اور مدارس میں صدیوں سے پڑھائی جارہی ہیں اور جیسا کہ ہم نے پہلے کہا کہ قواعد وضوابط اور پڑھنے کے انداز تو کتبِ قراءات میں موجود ہیں لیکن باقاعدہ مصاحف کی شکل میں موجود نہیں ہیں۔ وہ اب تیار کر کے شائع کرنے کی تیاری ہے مگر رشدی محققین پھر بھی جھوٹ بول رہے ہیں کہ وہ تو بہت عرصہ سے شائع ہو رہی ہیں۔ کہئے، دونوں میں سے کسی کو تو اس سفید جھوٹ و دھوکہ دہی پر شرم کرنا چاہئے!

(۳)۔۔۔ یہ مان لیا کہ رُشدی محققین نے تین سال میں غیر متداولہ قراءات میں سولہ مصاحف تیار کر لئے ہیں جو کہ کویت کی "لجنة الزكاة للشاميه و الشويخ" اور مصر کی "لجنة مراجعة المصاحف" کے زیرِ اہتمام تنفیذی مراحل میں ہے۔ کہئے تاریخ اسلام کی سب سے بڑی بدعت، ایک کے بیس قرآن، کس نے تیار کروائے اور کون انہیں شائع کروا رہا ہے۔ یہی رُشدی حضرات کویت اور مصر کی لجنة کے ایما سے کر رہے ہیں۔ شاید (عجمی مجوسیوں و یہودیوں کی) "مقتدرہ" آج کل کویت، مصر یا لاہور سے آپریٹ (Operate) کر رہی ہے۔ یہ بچارے رُشدی محققین و دانشوران تو بہت معصوم آلہ کار ہیں۔ یہ تو محض اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور پیسہ کما رہے ہیں!

اب ذرا ماہنامہ رُشد' کے سرپرست اعلیٰ، جامعہ لاہور الاسلامیہ کے چانسلر، حفاظ گروپ (آف انڈسٹریز) کے بانی، مدرسہ رحمانیہ کے بانی جناب "حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب روپڑی کا ایک اقتباس بھی پڑھتے چلئے جو کہ ان کے انٹرویو کا حصہ ہے۔ یہ انٹرویو ایک پینل نے لیا تھا جو کہ ان کے اپنے ادارہ ہی کے رُشدیوں پر مشتمل تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

> "مُوسوعہ قراءات" کے ضمن میں جمع صوتی کا کام تو میں نے آپ کے سامنے ذکر کر دیا ہے (یعنی بیس قراء تیں ان کے صاحبزادگان وغیرہ کی آوازوں میں ٹیپ میں ریکارڈ کی جاچکی ہیں۔ صدیق) اب کچھ بات جمع کتابی کے حوالے سے بھی کر لیتے ہیں۔ جہاں ہم قرآن کریم کی صوتی جمع کی کوششوں میں شریک ہیں وہیں ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اللہ توفیق دے اور ہم کتابی صورت میں بھی روایت حفص کے مثل دیگر بیس قراءات میں قرآن کریم طبع کروا کر اہل علم کے سامنے لے آئیں۔ یہ کام بھی کلیۃ القرآن اور کویت کے ادارے "لجنة الزكاة للشاميه والشويخ" کے تعاون سے عرصہ تین سال سے جاری ہے۔.................. ...
>
> احساس پیدا ہوا کہ اللہ کی توفیق سے متعدد غیر متداول قراءات میں قرآن مجید کی طباعت ہونی چاہئے اور قرآن کے سلسلہ میں علمی اشیاء منظرِ عام پر لانی چاہئیں۔ اس ضمن میں جو پروگرام بنایا گیا اس کا رمزی نام 'جمع کتابی' تجویز کیا گیا۔ جمع کتابی کے سلسلے میں تاحال دنیا میں رائج چار متعدد روایات میں قرآن مطبوع ہیں' (یہ چار روایات میں کب سے طبع ہونا شروع ہوئے یہ تفصیل میں پیچھے دے چکا ہوں۔ صدیق) ہم نے ارادہ کیا ہے کہ جس طرح بیس روایتوں میں قرآن مبین ریکارڈ ہو رہا ہے، اسی طرح بیس روایتوں کے مصاحف چھپ کر نشر بھی ہوں۔

قرآن کریم کی جمع کتابی کے لئے ہم نے پچھلے دو تین سالوں میں کلیۃ القرآن کے فضلاء پر مشتمل دس بارہ افراد کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی، جس نے تقریباً ڈھائی تین سال سے عملی طور پر اس کام کو شروع کر رکھا تھا۔ الحمد للہ یہ کام ایک سال قبل پورا ہو چکا اور ہم نے جن مصاحف کو مکمل کیا ہے ان میں سے ہر مصحف کی سات دفعہ مراجعت بھی اس ٹیم سے کروا چکے ہیں۔ آج کل یہ کام کمپوزنگ وغیرہ کے مرحلہ میں ہے اور جیسے جیسے یہ کام تکمیل کی طرف بڑھتا رہے گا ویسے ویسے اس کا تعارف بھی ہم کرواتے رہیں گے۔ اس سلسلے میں ہمارے کام کو فائنل کرنے میں ہمارا ازہر شریف کی '**لجنة مراجعة المصاحف**' سے معاہدہ ہے، جس کی تقریباً تیرہ رکنی کمیٹی اس کام کی مراجعتِ نہائیہ کرے گی اور اس کے بعد یہ کام کویت کی طرف سے طبع ہو کر منظرِ عام پر آ جائے گا۔ مزید براں جس طرح بیس مصاحف کی علمی تیاری اور اس کی ابتدائی مراجعات کا کام دس بارہ افراد پر مشتمل ٹیم نے پاکستان میں مکمل کیا تھا، اسی طرح کمپیوٹر پر اس کام کے پورا ہونے پر اس کام کی پروف ریڈنگ کا کام بھی ہم ہی کریں گے"۔[1]

قارئین کرام! غور کیجئے کہ انٹرویو کے اس اقتباس نے تو مسئلہ بالکل حل کر دیا کہ 'مقتدرہ' مصر یا کویت میں نہیں بلکہ یہیں پاکستان میں لاہور سے آپریٹ کر رہی ہے اور ایک قرآنی مصحف کے بیس اختلافی قراءات وغیر متداولہ وغیر متواترہ کی تیاری اور طباعت و نشر اشاعت کی ساری پلاننگ یہیں ہوئی اور اس کو عملی جامہ بھی یہیں پہنایا جاتا ہے، صرف جلد کے اوپر کویت و مصر کی **لجنة** کا نام لکھ دیا جائے گا تا کہ یہاں قانونی گرفت سے بچا جا سکے۔۔ اس میں کتنی دیانتداری سے کام لیا جا رہا ہے اس کی روداد کی ایک جھلک ملاحظہ ہو؟

ماہنامہ رُشد، قراءات نمبر حصہ اوّل کی اشاعت جون ۲۰۰۹ء میں ہونے کے بعد' کراچی سے جناب ذاکر حسین صاحب نے ایک درخواست وفاقی وزیر' وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان کو ارسال کی اور ایک درخواست گورنر پنجاب کو ارسال کی کہ رُشدی حضرات ایک قرآن کریم کے ایک مصحف کی بجائے بیس اختلافی مصاحف شائع کرانا چاہتے ہیں اس کو روکا جائے۔ دونوں جگہوں سے فوری کاروائی کے احکامات جاری ہوئے چنانچہ وزارت مذہبی امور نے ادارہ رُشد کے سربراہ جناب حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب سے ماہنامہ رُشد کی کاپی مانگی تا کہ وہ اس کا مطالعہ کر کے کوئی کاروائی کر سکیں۔ جناب حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب نے ماہنامہ رُشد، قراءات نمبر کے دو حصے برائے ملاحظہ بھجوا دیئے اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر (قرآن) وفاقی وزارت مذہبی امور سے ملاقات بھی کی۔ اور مندرجہ ذیل تحریری گذارشات بھی کیں:

"یہ کہ ہمارے ادارے کا کام صرف تحقیق ہے جس طرح سرکاری یونیورسٹیاں ریسرچ کا کام (M. Phil اور Ph.d سکالرز سے کروا رہی ہیں۔ قرآن مجید کے مذکورہ بالا لہجوں اور علوم کے بارے میں تحریر کردہ مقالات کی ایک فہرست ماہنامہ رُشد لاہور کے "قراءات نمبر" (حصہ دوم) میں ص ۸۲۱ تا ۸۲۴ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

واضح رہے کہ ریسرچ کا یہ کام ہمارا ادارہ کنگ فہد کمپلیکس مدینہ منورہ اور انٹرنیشنل ریکارڈنگ کمپنی

[1] ماہنامہ رُشد۔ حصہ دوم۔ انٹرویو حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب۔ صفحہ ۲۷۷

(حامل المسك، کویت) کے لیے کر رہا ہے۔ ہمارا اپنا کوئی پروگرام پرنٹنگ / ریکارڈنگ کا نہیں ہے۔

درخواست دہندہ جن لہجوں کو متنازعہ قرار دے رہے ہیں وہ اُمت مسلمہ کے درمیان اجماعی ہیں۔ چاروں مسالک کے یکصد کے قریب مفتیان کرام کے فتاویٰ جات ص ۱۲۴ تا ۱۸۹ ماہنامہ رُشد (حصہ دوم) میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

انجمن حمایت اسلام لاہور کا شائع کردہ ۱۹۳۵ء والا قرآن کریم جو مرکزی حکومت کی طرف سے معیار مقرر ہے بھی ایسے متفقہ متنوع لہجوں کی جگہ جگہ نشاندہی کرتا ہے جس سے شکایت کنندہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔

مندرجہ بالا وضاحتوں کے بعد اُمید ہے کہ آپ ہمارے کام کے قانونی اور علمی ثقاہت سے آگاہ ہو گئے ہوں گے۔"[1] (ضمیمہ نمبر ۳)

قارئین! حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب کا خط پڑھ کر حافظ صاحب کی دیانتداری پر غور فرمائیے۔ قطع نظر اس حقیقت کے کہ ذاتی ملاقات میں انہوں نے اسسٹنٹ ڈائریکٹر صاحب کو کیا کچھ بتایا و سمجھایا، اس خط میں وہ ایک دم سے لہجوں کی بات پر آ گئے! کہ درخواست دہندہ لہجوں کو متنازعہ قرار دے رہے ہیں۔ کہئے ہے نا کتنی حیرت ناک حقیقت! کیا واقعی موصوف کے ادارے کا کام تحقیق کرنا ہے جیسا کہ انہوں نے تحریر فرمایا ہے؟ کیا رُشدی محققین واقعی لہجات پر تحقیق کر کے سولہ یا بیس لہجے تیار کر کے ان کی اشاعت کرانا چاہتے ہیں؟ کیا وہ 'اقبال' کی جگہ 'اِکبال' لکھتے رہے ہیں؟ کیا وہ 'عِشق' کی جگہ 'اِسک' لکھتے رہے ہیں۔ کیا وہ 'شیطنت' کی جگہ 'سَیتنت' لکھتے رہے ہیں؟ 'عزم' کی جگہ 'اَزم'؟ رحمٰن کی جگہ رخمٰن؟ اور اسی قسم کے دیگر لہجات۔ یا پھر وہ وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ کی جگہ وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِن اُمٍّ لکھتے رہے ہیں۔ یا اَوْ تحرِيرُ رَقَبَةٍ کی جگہ اَوْ تحرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤمِنَةٍ لکھتے رہے ہیں یعنی لفظ یا الفاظ آیات الٰہی میں بڑھاتے یا گھٹاتے رہے ہیں یا پھر اعراب قرآنی تبدیل کرتے رہے ہیں جیسے 'لِلعٰلَمِينَ' کو 'لِلعٰلِمِينَ' یا اَرْجُلَكُمْ کی جگہ اَرْجُلِكُمْ لکھتے رہے ہیں جس سے ایک نئے فرقہ کی بنیاد پڑ گئی یا مضبوط ہو گئی۔ یا نَغْفِرْلَكُمْ کو تُغْفَرلَكُم یا يُغْفَرلَكُم لکھا ہے یعنی حرف بھی تبدیل کیا اور اعراب بھی تبدیل کئے۔ یا وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنثٰى کو بغیر مَا خَلَقَ کے صرف وَ الذَّكَرِ وَالْاُنثٰى لکھا ہے یعنی الفاظ ہی کی کمی بیشی کر دی۔ یا وجاءت سكرة الموت بالحق میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کر کے وجاءت سكرة الحق بالموت لکھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ حافظ صاحب ذرا دیانتداری سے غور فرمائیے کہ یہ لہجات کا فرق ہے، جو کہ قدرتی یا فطری ہوتا ہے یا یہ تحریفِ آیاتِ قرآنی ہے؟ ظاہر ہے کہ قراءت میں لہجات فطری طور پر مختلف ہوتے ہیں مگر ان کو لکھا نہیں جاتا بلکہ حقیقی یا اصلی الفاظ و تلفظ ہی لکھے جاتے ہیں۔ اور وہ لہجات اپنے اپنے مقام یا قبیلہ کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے مثلاً مصری لہجہ یا پانی پتی لہجہ یا پنجابی لہجہ یا عربی لہجہ یا یمنی لہجہ وغیرہ مگر تبدل الفاظ یا حروف، تبدل و تاخر، اسماء کا اختلاف، افعال کا اختلاف، اعراب کا اختلاف، الفاظ کی کمی و بیشی، بدلیت وغیرہ کو لہجات نہیں کہا جاسکتا یہ اصل متن کی تحریف ہے۔ اور یہی یہودیوں کی شناخت ہے وہ الکتٰب کی تحریف میں راسخ ہو

[1] ماہنامہ رُشد، حصہ سوم، مضمون: اختلافِ قراءت پر مبنی مصحف کی اشاعت کے خلاف منفی پراپیگنڈہ......... حقائق کیا ہیں؟ صفحہ ۲۰۳، ضمیمہ نمبر ۳

چکے تھے اور اب بھی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"ترجمہ: کیا تم توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری بات آسانی سے مان جائیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کا کلام سنتا ہے اور اس کا مطلب بھی سمجھتا ہے لیکن پھر بھی جان بوجھ کر اس میں تحریف کر لینے کا عادی ہے" (۷۵/۲، ترجمہ جناب عبد الکریم اثری صاحب)

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ترجمہ: ان لوگوں کے لئے 'وَیْل' ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ تعالیٰ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں' ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو 'وَیْل' (ہلاکت) اور افسوس ہے" (۷۹/۲، ترجمہ جناب محمد جونا گڑھی صاحب)

حافظ صاحب ذرا غور فرمایئے کہ آپ کے رُشدی محققین بھی اپنے ہاتھوں سے آیات الٰہی میں مختلف قسم کی تبدیلیاں کر کے فرما رہے ہیں کہ یہ مُنزل من اللہ ہیں۔ یہ اللہ کی کتاب ہیں! جبکہ وہ الفاظ کتُب اللہ میں لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ ہاں اگر آپ ایک کی بیس کتاب اللہ بنا دیں اور اصرار کرتے رہیں کہ یہ تحریف شدہ کتابیں بھی کتاب اللہ ہیں تو پھر یہ وَیل آپ پر اور آپ کے رُشدی محققین کے لئے بھی حق ہو گا۔ غور کیجئے کہ اس تحریف کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

"ترجمہ: پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت نازل فرما دی اور ان کے دل سخت کر دیئے کہ وہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں۔ اور جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے، ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی (کہ اب رُشدی حضرات بھی کتُب اللہ سے خیانت کرتے ہوئے اس میں تحریف کے دانستہ طور پر مرتکب ہو رہے ہیں۔ صدیق)۔ ہاں تھوڑے سے ایسے نہیں بھی ہیں۔ پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگزر کرتا رہ' بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (۱۳/۵، ترجمہ جناب محمد جونا گڑھی صاحب)

اب دیکھئے کہ کلام اللہ میں تحریف کرنے والوں پر لعنت کے علاوہ ان کی اور کیا سزا ہے:

"ترجمہ: اے رسول! آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ کُڑھیئے جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان (منافقوں) میں سے ہوں۔ جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل باایمان نہیں۔ اور یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو غلط باتیں سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے، وہ کلمات کے اصلی موقعہ کو چھوڑ کر انہیں متغیر کر دیا کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا، اور جس کا خراب کرنا اللہ کو منظور ہو تو آپ اس کے لئے خدائی ہدایت میں سے کسی چیز کے مختار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں، ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی ذلّت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑی سخت سزا ہے" (۴۱/۵، ترجمہ: محمد جونا گڑھی صاحب)

حافظ صاحب، براہِ کرم غور فرمایئے کہ یہ آیت کریمہ صرف کفر میں سبقت کرنے والوں کے لئے نہیں، نہ ہی

صرف یہودیوں کیلئے مخصوص ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا اصول و قانون ہے کہ جو کوئی بھی کافر، یہودی، یہودیوں کا ایجنٹ، اہل حدیث، رُشدی، ایسا کرے گا کہ الکتاب کے کلمات میں تغیر و تبدل پیدا کرے گا اور اصرار کرے گا کہ ان تغیر شدہ کلمات کو الکتاب مانو تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو پاک نہیں کرے گا اور ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی ذلّت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کیلئے عذابٌ عظیم تیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنا فیصلہ چودہ سو سال پہلے ہی دیدیا ہوا ہے:

"ترجمہ: اور (اے رسول!) آپ کے رب کا کلام حق اور انصاف سے بھرپور ہے۔ اس کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا، وہ سننے والا ہے اور علم والا ہے" (۶/۱۱۵)

اب جو سازشی رشدی حضرات اس کے کلام کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں تو وہ اس کے اجر کے لئے بھی تیار ہو جائیں۔ آپ اس خیال میں نہ رہیں کہ چونکہ آپ کے ساتھی رُشدی محکمہ پنجاب اوقاف ڈیپارٹمنٹ کے مشیر ہیں تو وہ آپ کو دنیا کی ذلت اور رسوائی سے بچالیں گے۔ نہیں، انشاء اللہ ایسا نہیں ہو گا، بلکہ جس وقت رُشدیوں کی یہ حرکت عوام الناس تک عام ہو جائے گی کہ ایک کے بیس قرآن بنادیئے گئے ہیں، تو پھر دیر ہو چکی ہو گی! ابھی تو آپ اور آپ کے ساتھی رُشدی محققین و اسکالر صاحبان آپ کی اس تحریف لفظی و معنوی کی اشاعت پر اعتراض کرنے والوں کو مطعون کر رہے ہیں اور ان کا نہ صرف استہزاء کر رہے ہیں بلکہ غیر ادبی و غیر اخلاقی زبان استعمال کر رہے ہیں۔ پھر یہی حشر، انشاء اللہ آپ لوگوں کا دنیا ہی میں ہو گا اور پھر آخر میں تو اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے نپٹے گا ہی .... قارئین! غور فرمایئے کہ حافظ عبد الرحمٰن صاحب روپڑی ثُمہ مدنی جو کہ تحریفِ قرآن کی اس سازش اور مہم کے سرپرستِ اعلیٰ ہیں انہوں نے اپنے انٹرویو میں کیا فرمایا اور وفاقی مذہبی امور کو کیا لکھ کر دیا؟ ؏ ہم تو کچھ کہیں گے تو شکایت ہو گی۔ اب رُشدیوں کا ایک اور رُخ ملاحظہ ہو کہ وفاقی حکومت سے جو خط ذاکر حسین صاحب کی درخواست پر جاری ہوا وہ سرپرست اعلیٰ جناب حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب کے نام جاری ہوا اور اس کا جواب بھی انہوں نے ہی دیا جس میں انہوں نے 'بر خلاف اپنے انٹرویو کے' "یہ لکھا کہ ریسرچ کا یہ کام ہمارا ادارہ کنگ فہد کمپلیکس، مدینہ منورہ اور انٹر نیشنل ریکارڈنگ کمپنی (حامل المسک کویت) کے لئے کر رہا ہے۔ ہمارا اپنا کوئی پروگرام پرنٹنگ / ریکارڈنگ کا نہیں ہے .... درخواست دہندہ جن لہجوں کو متنازعہ قرار دے رہے ہیں............" [1]

مگر پنجاب حکومت کی طرف سے "وجہ بتاؤ نوٹس" (Show Cause Notice) بنام جناب حافظ حمزہ مدنی صاحب کے نام جاری ہوا (چونکہ وہاں ایک تھانوی رُشدی صاحب مشیر کی حیثیت سے ملازم سرکار ہیں اس لئے نوٹس سرپرست اعلیٰ کے نام جاری نہ ہوا) اور انہوں نے ہی (کسی وکیل سے لکھا کر) جواب دیا۔ اور ساتھ میں ذاکر حسین صاحب کو کورٹ میں لے جانے اور ہتک عزت کا دعویٰ کرنے کی دھونس و دھمکی بھی دے ڈالی! اب ذرا ان کی دیانتداری ملاحظہ ہو: انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ انہوں نے یا ان کے ادارہ کے دانشوروں نے قرآن کریم کے سولہ اختلافی نسخے تیار کئے ہیں! انہوں نے مزید لکھوایا کہ "ہم نے نہ تو کوئی قرآن تیار کیا ہے اور نہ ہی کسی ایسے نسخہ کو مارکیٹ میں لانے کی پلاننگ کی ہے"!

ادارہ رُشد کی طرف سے صوبائی وزارت اوقاف و مذہبی امور کو بھیجا گیا شوکاز نوٹس کا جواب ملاحظہ ہو۔

[1] ایضاً۔ صفحہ ۶۰۳، ضمیمہ نمبر ۳

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL مَجْلِسُ التَّحْقِيْقِ الْاِسْلَامِي

To Mr. Muhammad Ayuub Butt,
Section Officer (IBM),
Govt. of the Punjab,
Auqaf and Religious Affairs
Department.

Subject: SHOW CAUSE NOTICE

Kindly refer to your Show Cause Notice No. SO (IBM) 10-1/A & RAD/2009 dated 16th October, regarding the application of Mr. Zakir Hussain.

2. It is pertinent to point out that the application against the undersigned and the team of the intellectual of Jamia Lahore Islamia that they have prepared 16 controversial prints of Holy Quran and plan to launch in thhe market is absolutely baseless.[1] There are reasons to believe that the applicant namely Zakir Hussain has deliberately indulged in mischief-mongering, vilification campaign and false propanganda against our Institution which is recognized and respected at the national and international level for its contribution for spreading the message of Quran and Sunnnah. We have neither prepared nor plan to launch any print of the Holy Quran. Therefore, the charge that we have violated any section of the "Publication of Holy Quran" (Elimination of Printing & Recording Errors) Act No. LIV of 1973, is not based on facts. We don't have any Publishing House.

3. It may be mentioned for the information of all concerned that the religious scholars attached with the Jamia Lahore Islamia are law abiding citizens of the country. They are fully aware that the publication of Holy Quran can not be done in Pakistan without getting registration under the aforesaid Act. This institution is headed by Hafiz Abdul Rehman Madni who is one of the Vattern and respectable religious Scholar and Theologian. The Ulema and Religious scholars of all sects have been full of praise and appreciation for him for his contribution for the maintenance of secretarian harmony and religious solidarity among various sects of Muslims including Shia-Muslims.

۱۔ کتنا بڑا جھوٹ، مکر وفریب ہے۔(صدیق) (صفحہ ۶۰۷۔۶۰۸ ماہنامہ رُشد۔ حصہ سوم ضمیمہ نمبر:۶)

4. It is pointed out that this fellow Zakir Hussain has totally misunderstood what has been published in the monthly Magazine "RUSHD" of June, 2009. We are sending the relevant article published in this issue for your information and scrutiny. You can better understand how far misleading are the observations of the applicant Zakir Hussain.

5. The undersigned and Hafiz Abdul Rehman Madni, the head of the Institution, visited the Auqaf and Religious affairs department on 26-10-2009 to see the Additional Secretary of this department. He was not available in the office. You are requested to kindly intimate the convenient date when we can call on him again.

6. It is further requested that the copy of the application of Mr. Zakir Hussain may kindly be provided so that we can examine the text of his application. We are serious about pursuing this man and sue him for defamation under the law.

(Dr.Hafiz Hamza Madni)

Mahnama "RUSHD" Lahore

No. & date Even:

A copy is forwarded for information to:

1. Mr. Tariq Shehzad, Deputy Secretary (Coordination), Governor's Secretariat request to arrange meetin of the team of scholars of Jamia Lahore Islamia to explain this issue in person.

2. Mr. Zakir Hussain, A-132, Block-S, North Nazimabad, Karachi, in advance. We reserve the right to sue him in the court of Law.

(Dr.Hafiz Hamza Madni)

Mahnama "RUSHD" Lahore

قارئین! غور کیجئے کہ جناب حافظ صاحب کے انٹرویو کا اقتباس اور ان دونوں خطوط نے یقیناً دیانتداری، ایمانداری اور اہلحدیثیت کے معیار کو تو واضح کر دیا ہو گا! خیال رہے کہ یہ خطوط ہم اپنی طرف سے یا ظنی طور پر نہیں ملاحظہ کروا رہے ہیں بلکہ ان خطوط کا عکس فاضل نامور اسکالر اور معروف کالم نویس جناب محمد عطاء اللہ صدیقی صاحب نے خود ماہنامہ رُشد، قراءات نمبر کے تیسرے حصہ میں اپنے مضمون " اختلاف قراءت پر مبنی مصحف کی اشاعت کے خلاف منفی پراپیگنڈہ............ حقائق کیا ہیں؟" کے ضمیمے کے طور پر شائع کرکے دیانتداری کا بھانڈہ پھوڑ دیا۔ جناب ذاکر حسین صاحب کی شکایت پر وفاقی حکومت اور صوبائی حکومت کی جانب سے خطوط اور کراچی سے جناب مفتی محمد طاہر مکی صاحب کے فتویٰ کے جاری ہونے کے بعد رُشد کے حلقہ میں تلاطم برپا ہو گیا اور ہر دانشور اس فتویٰ کے خلاف متحرک

ہو گیا اور طرح طرح کے القاب و غیر اخلاقی زبان سے مفتی صاحب کو نوازا جانے لگا (مزے کی بات یہ کہ جناب ذاکر حسین صاحب اور جناب مفتی محمد طاہر مکی صاحب دونوں ہی دیوبندی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جناب اشرف علی تھانوی صاحب دیوبندی کے ماننے والوں میں سے ہیں۔ جب ہی انہوں نے اپنے فتویٰ میں تھانوی صاحب ہی کا فتویٰ دیدیا) اور کئی رُشدی محققین نے اس فتویٰ کے خلاف اپنی اپنی تحقیق، بالخصوص حصہ سوم میں، رقم کی۔ ہم اس کا دفاع نہیں کر رہے اور نہ ہی اس پر کوئی تبصرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن اپنے قارئین کو ایک ادبی و اخلاقی شہ پارہ ضرور پڑھوائیں گے۔ یہ شہ پارہ فاضل رُشدی اسکالر و معروف کالم نویس جناب محمد عطاء اللہ صدیقی صاحب ہی کا ہے جو کہ انہوں نے اپنے اوپر درج شدہ مضمون کی تمہید کے طور پر لکھا ہے۔ ذرا اطمینان اور غور سے ملاحظہ فرمایئے:

”اسے فکر و تدبر کی موت کہا جائے، فہم و ادراک کا قصور یا پھر شیطانی فطرت کے فتور کا نام دیا جائے کہ یکے از سفیہان عروس البلاد (کراچی) کو الہام ہوا ہے (ملہم قادیان کے ہفوات ذہن میں رہیں) کہ خطۂ پنجاب (لاہور) سے ’غالی اہل حدیثوں‘ کا ایک گروہ قاریوں کے اختلاف والے ۱۶ قرآنی مصاحف شائع کرنے کا پورا منصوبہ بنا چکا ہے جس سے مسلمانوں میں ’سخت تشویش‘ کے پیدا ہونے کے ’خطرات‘ پائے جاتے ہیں۔ ماہنامہ ’رُشد‘ کے جون ۲۰۰۹ء کے شمارے میں جب سے اس ذات شریف نے اس ’خبر‘ کا مطالعہ کیا ہے ’غیرتِ ایمانی‘ کا ایک جوار بھاٹا ان کے قلب کو گرمائے جا رہا ہے۔ موصوف نے پاکستان کے مسلمانوں کو اس فتنۂ ملہمہ کے متعلق ’باخبر‘ کرنے کے لئے ہاہاکار کا ایک بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس ضمن میں موصوف نے کراچی کے ایک مفتی حضرت محمد طاہر مکی صاحب کی فتویٰ ساز فیکٹری سے فرمائشی مال کے طور پر ایک طویل فتویٰ بھی حاصل کیا ہے جس پر ان کے علم و فضل کا چوکھا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ قبلہ مفتی صاحب، خدا اِن کے ’علم و فضل‘ کا سایہ اس ’جاہل اُمت‘ کے سر پر ہمیشہ قائم رکھے۔ (آمین) نے تمام مالہ وماعلیہ کا عرق ریزی سے مطالعہ کرنے کے بعد مسلمانوں کو بروقت ’خبردار‘ کیا ہے کہ مصاحف کی شکل میں اختلاف قراءات کو شائع کرنے سے منع کرنا ان پر ’واجب‘ ہے، مفتی صاحب قبلہ نے اپنے فتویٰ میں عوام کو یہ ’خوشخبری‘ بھی سنائی ہے کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے حکومت پنجاب نے اختلافِ قراءات کے حوالے سے قرآن کے اختلافی مصاحف چھاپنے والوں کے خلاف نوٹس لے لیا ہے۔ وہ ذاتِ شریف جن کی ذاتی کاوشوں کے نتیجے میں دانائے روزگار (اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے) مفتی محمد طاہر مکی صاحب کے اِلہامی قلم سے مذکورۃ الصدر فتویٰ کا ظہورِ عمل میں آیا ہے اور جن کی درخواست پر حکومت پنجاب نے اس معاملے کا ’نوٹس‘ لینے کی زحمت گوارا کی ہے، ذاکر حسین کے نام نامی سے متہم ہے۔ انہوں نے ’استفادہ عوام‘ کے لیے (ہمیں حسنِ ظن ہے کہ اپنی جیب سے) ماہنامہ ’رُشد‘ کا متعلقہ صفحہ ۶۷۸، مفتی صاحب کا طویل فتویٰ، اپنی درخواست (بزبانِ انگریزی) اور حکومت پنجاب کی طرف سے جاری کردہ نوٹس کو شائع کرا کے پھیلا دیا ہے۔ ہم اپنے بخت کی سرفرازی پر نازاں ہیں کہ اس عظیم ’تبلیغی لٹریچر‘ کا مطالعہ کرنے والوں میں ہمارا مرتبہ ’سابقون الاوّلون‘ میں شمار کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا تمہید کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذاکر حسین کی شکایت' کی حقیقت سے قارئین کو آگاہ کیا جائے۔ مذکورۃ الصدر فتویٰ، حکومتی نوٹس اور دیگر متعلقہ دستاویزات کے متعلق ناقدانہ تبصرہ بھی ان سطور کا بنیادی موضوع ہے۔ اگر ہو سکا تو پردہ نشینوں کے سازشی اذہان اور اس تحریک خبیثہ کے حقیقی محرکات پر اظہارِ خیال کیا جائے گا"۔[1]

اس اقتباس سے پیشتر' پیچھے کہیں' دو تین فاضل رُشدی محققین کے انداز تخاطب یا اندازِ تحریر کے بارے میں نمونے دکھا چکا ہوں۔ یہاں اختتام کے قریب پہنچنے پر فاضل رُشدی اسکالر کا یہ نمونہ اس لئے بھی پیش خدمت کیا ہے کہ اگر میری تحریر میں کوئی بے ادبی یا گستاخی ہو گئی ہو تو اس کی تلافی ہو جائے۔ میں واضح کر دوں کہ میں تو ایک عام اور (بقول رُشدیوں کے) مجہول مسلم ہوں۔ میں نہ ادیب ہوں نہ انشاء پرداز، نہ نثر نگار یا کالم نویس، نہ ہی اسکالر ہوں نہ محقق۔ میں نے تو جو حق بات دیکھی اور سمجھی وہ غیر مسجع و مقفیٰ زبان میں سیدھی سیدھی لکھ دی۔ ویسے بھی حق بات تو سیدھی ہی سیدھی ہوتی ہے۔ اور حق لوگوں کو کڑوا لگتا ہے وہ اسے ہضم نہیں کر پاتے بلکہ پیٹ میں مروڑ اُٹھنے لگتا ہے اور دماغ ٹکرانے کے لئے چکرانے لگتا ہے۔ مگر میں بھی کیا کروں میں تقیہ یا توریہ سے کام نہیں لے سکتا۔ میں القرآن الکریم کو نہ صرف ماننے والا ہوں بلکہ صرف اسی پر ایمان لایا ہوں نام نہاد احادیث پر نہیں۔ اور چونکہ قرآن کریم نے مجھے حکم دیا ہے **قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا** یعنی حق و محکم بات کہا کرو (۷۰/۳۳، ۹/۴) تو میں تو حق بات ہی کروں گا۔ انشاء اللہ۔

اب ذرا ان فاضل رُشدی اسکالر و معروف کالم نویس کی مذہبی قابلیت کا بھی ایک نمونہ دیکھتے چلئے۔ ویسے تو فاضل رُشدی صاحب نے بڑی بڑی سرخیاں، اپنے مضمون میں، لگائی ہیں مثلاً فتویٰ کے متن کا پوسٹ مارٹم، جمع کتابی کے سلسلہ میں کلیۃ القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ اور دیگر اداروں کی خدمات، پردہ نشین غلیل، مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فتویٰ کو پیش کرنے کی اغراض، علمی بددیانتی، نادان دوستوں کی جرأت .... ایں چہ بوالعجبی است، کچھ تو خوف خدا سے کام لیا ہوتا، خواہ مخواہ کا واویلا، قرآن مجید کے متن میں مبینہ تبدیلی؟ پراپیگنڈہ مہم، شوکاز نوٹس، اَحناف کی ترجمانی کا دعویٰ، مفتی طاہر مکی کا اصل مسئلہ وغیرہ۔ مگر ان کی ایک سرخی' خواہ مخواہ کا واویلا، کے تحت لکھے ہوئے لطیفہ کا لطف اُٹھایئے' فرماتے ہیں کہ:

لطیفہ:

"ہمیں معلوم نہیں کہ مفتی طاہر مکی صاحب چار انجیلوں کے درمیان فرق سے کس حد تک باخبر ہیں، لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص ان چار انجیلوں یعنی یوحنا، لوقا، متی اور برناباس سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے وہ مفتی صاحب کے وضع کردہ سوالات کو طفلانہ اور مضحکہ خیز قرار دے گا۔ حسنِ اتفاق سے راقم الحروف نے اس موضوع پر اتنا کچھ دیکھا ہے کہ وہ اس موضوع پر اعتماد کے ساتھ بات کر سکتا ہے۔ راقم کی لائبریری میں انجیل برناباس کا نسخہ موجود ہے جسے اُن نے تھوڑا عرصہ پہلے صفحہ بہ صفحہ دیکھا ہے۔ اس نسخہ کے شروع میں اس کا مفصل موازنہ دیگر انجیلوں سے کیا گیا ہے۔ ان تمام انجیلوں کا کم از کم ایک چوتھائی حصہ ایسا ہے جو دوسری انجیل سے مماثلت نہیں رکھتا۔ بہت سے واقعات ایسے ہیں جو مختلف انجیلوں میں مختلف انداز میں

[1] ایضاً صفحہ ۵۷۸

بیان کئے گئے ہیں۔ ان چاروں انجیلوں کا شاید ہی کوئی ایک صفحہ ایسا ہو جو دوسری انجیلوں کے الفاظ سے سو فیصد مماثلت رکھتا ہو۔ دراصل یہ تمام انجیلیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے مرتب کیں۔ یوحنا، لوقا، متی اور برناباس ان حواریوں کے اسمائے گرامی ہیں۔ یہ بالکل اس طرح ہیں جس طرح ہمارے ہاں امام مسلمؒ، امام بخاریؒ اور دیگر ائمہ محدثین کے نام پر صحاح ستہ موجود ہیں۔ چار انجیلوں کا قرآن مجید سے در حقیقت کوئی موازنہ ہی نہیں ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اختلاف قراءات پر مبنی صحائف کیا ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہونگے ؟ ایسا یقیناً نہیں ہے۔ یہ اختلاف محض چند الفاظ کے مختلف رسم الخط کے حوالہ سے ہے۔ کسی بھی روایت قراءت کی رُو سے قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بدلتی ہے نہ اس کا مطلب۔ یہاں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے۔"[1]

قارئین! کہئے کیا آپ موصوف اسکالر صاحب کے اس لطیفہ سے محظوظ ہوئے کہ نہیں! آیئے ہم آپکو اس کا صحیح لطف اُٹھانے میں مدد کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کے وضع کردہ سوالات تو نہیں البتہ خود موصوف کی وضع کردہ خبر مضحکہ خیز اور طفلانہ ہے یونکہ چار انجیلیں جو موصوف نے لکھی ہیں سب وہ نہیں جن کو انجیل یا بائبل کہا جاتا ہے۔ اگر وہ کسی بھی ادارہ یا سوسائٹی مثلاً پاکستان بائبل سوسائٹی ہی کی بائبل (جس کو وہ کتابِ مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ کہتے ہیں) کو اُٹھا کر صرف کھول کر دیکھ لیتے (پڑھتے نہیں) تو انہیں پتہ لگ جاتا کہ چار انجیلیں اس طرح ہیں: (۱) متی کی انجیل، (۲) مرقس کی انجیل، (۳) لُوقا کی انجیل اور (۴) یوحنّا کی انجیل (St. Mattheo, St. Mark , St , Luke and St. John)۔ برناباس یا برن اباس یا بیرن عباس کی انجیل کا عیسائیوں سے کوئی خاص تعلق نہیں وہ اس کو انجیل مانتے ہی نہیں۔ اس لئے اسکالر صاحب کی فہرستِ اناجیل بالکل طفلانہ ہو گئی۔ یہ تو ان چار اناجیل (جن کو عیسائی مانتے ہیں) کے مقابلہ پر لکھی گئی چاروں سے مختلف یا ان کے مقابلہ پر زیادہ صحیح باتوں پر مشتمل ہے۔ حسنِ اتفاق سے موصوف اسکالر صاحب نے اس موضوع پر "اتنا کچھ دیکھا" ہے کہ انہیں مرقس کی انجیل نظر ہی نہ آئی۔ کاش کہ وہ حسن اتفاق سے صرف دیکھنے کے بجائے تھوڑا سا مطالعہ بھی کر لیتے تو وہ ان کو مستقبل قریب میں علّامہ بننے میں بھی مددگار ہوتا۔ موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ "دراصل یہ تمام انجیلیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے مرتب کیں۔........ .... یہ بالکل اسی طرح ہیں جس طرح ہمارے ہاں امام مسلم، امام بخاری اور دیگر ائمہ محدثین کے نام پر صحاح ستہ موجود ہیں"۔ تو حسن اتفاق سے یہ بھی موصوف کی بے خبری یا طفلانہ حرکت ہے یونکہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے انجیلیں لکھیں تو وہ تو بہت عظیم المرتبت ہوئیں (بعد والوں نے ان میں تحریف در تحریف کر دی (یونکہ حواری کے معنی صحابی/رسول ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کرام بھی یقیناً عظیم المرتبت لوگ تھے جن کا ذکر کم از کم ہمارے قرآن کریم میں تو ہے، رُشدیوں کے قرآنوں میں نہ ہو تو علیحدہ بات ہے۔ تو ان کی لکھی ہوئی کتابیں فرسٹ ہینڈ (First hand) کی ہیں یعنی انہوں نے خود لکھیں جبکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد ان کے ساتھ آخر وقت تک رہے تھے ان کی نسبت یا موازنہ مسلم و بخاری یا دیگر ائمہ محدثین سے کیسے ہو سکتا ہے ع چہ نسبت خاک را با عالم

[1] ایضاً۔ صفحہ ۵۹۲۔۵۹۳

پاک۔ کہاں صحابہ رسول اور کہاں عجمی محدثین جنہوں نے سیکنڈ ہینڈ (Second hand) سناسنایا، گھڑا گھڑایا مال رسول کے دو تین صدیوں بعد جمع کیا۔ ہاں اس میں دونوں میں کوئی فرق نہیں کہ نہ ان کے صحابیوں کے لکھے ہوئے اصل مسودے یا کتابیں آج موجود ہیں نہ ہی عجمیوں کی لکھی ہوئی کتابوں کی اصل آج موجود ہے۔ اسی طرح ان انجیلوں کا کم از کم ایک چوتھائی حصہ ایسا ہے جو دوسری انجیل سے مماثلت نہیں رکھتا (اسی لئے تو عیسائی دانشوروں نے انہیں بین الدفتین رکھا ہوا ہے کہ وہ چاروں ایک ہی چیز کے بارے میں نہیں لکھتے ہیں) جبکہ ہمارے موصوف کا صحاح ستہ بھی بالکل ایسا ہی ہے کہ ان میں آپس میں مماثلت بہت ہی کم ہے حالانکہ انہیں تو جولائن دی گئی تھی (ہدایات دی گئی تھیں) ان کے مطابق سب نے ایک ہی سے فقہی ابواب قائم کر کے کتابیں مرتب کی تھیں مگر پھر بھی مختلف! اب رُشدی حضرات حسن اتفاق یا حسن نفاق سے قرآن کریم کے بھی اسی طرح سے مختلف بیس صحائف (جنہیں وہ تیار کر چکے ہیں) شائع کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں اختلاف محض چند الفاظ کے مختلف رسم الخط کے حوالہ سے نہیں ہے جیسا کہ حسن اتفاق یا حسن نفاق سے موصوف اسکالر صاحب تقیتہً بتا رہے ہیں کہ کسی بھی روایت قراءت کی رُو سے قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بدلتی ہے نہ اس کا مطلب۔ اگر موصوف نے ماہنامہ رُشد کا کوئی ایک حصہ بھی، بجائے دیکھنے کے، پڑھ لیا ہوتا تو ان کو حسن اتفاق سے پتہ چل جاتا کہ قراءتی اختلافات سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں ہیں جن سے نہ صرف آیات کی ہیئت بدل جاتی ہے بلکہ معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ یعنی لفظی تحریف بھی ہو رہی ہے اور معنوی تحریف بھی ہو رہی ہے۔ معاذ اللہ۔

ابھی یہ لطیفہ ختم نہیں ہوا بلکہ دیکھئے کہ میرے مؤقف کی حمایت میں ماہنامہ رُشد کے سرپرست اعلیٰ جناب حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب روپڑی اپنے ایک خط میں جو کہ جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو لکھا گیا کیا فرماتے ہیں:

> "لیکن متنوع قراءتوں میں نہ صرف حرکات کا اختلاف، حرفوں کا تنوّع اور انداز تلاوت کا فرق موجود ہے بلکہ اس پر آج امت کے علماء کا اجماع بھی ہے"[1]

کہئے مان لیا نا کہ قراءتوں کے اختلافات میں مختلف قسم کے اختلافات ہیں جن میں حرکات یعنی اعراب کا بدلنا، حرفوں یا لفظوں کا ان کے مقامات سے بدلنا بھی شامل ہے مگر رُشدی اسکالر و معروف کالم نویس کی کور چشم کو سرپرست اعلیٰ کے یہ اعترافاتِ اختلاف نظر نہیں آتے۔ رُشدیوں کے سرپرست اعلیٰ صاحب بھی اسی عقیدہ کے حامی ہیں جو کہ ان کے ایک فاضل رُشدی محقق حافظ محمد زبیر تیمی صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

> "امر واقعہ یہ ہے کہ ایک عقیدہ جہالت کی بنیاد پر ذہنوں میں بچپن سے راسخ ہے کہ قرآن میں زیر، زبر، پیش اور شوشے کا فرق نہیں ہے۔"[2]

چنانچہ سرپرست اعلیٰ صاحب، جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے خط کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

> "مزید برآں آپ نے قرآن کریم میں زیر و زبر کا فرق نہ ہونے کا جو ذکر کیا ہے وہ صرف اس حد تک درست ہے کہ قرآن کے بعض مقام ایسے ہیں جس کا ذکر تاج کمپنی سمیت مختلف اشاعتی ادارے کرتے رہتے ہیں) کہ ان کی تبدیلی سے کفر لازم ہوتا ہے"[3]

۱۔ ایضاً۔ علمی مکاتیب۔ صفحہ ۹۳۰ ...... ۲۔ ایضاً مضمون سید سلیم شاہ اور انور عباسی کی خدمت میں، ص ۹۳۰ ... ۳۔ ایضاً۔ علمی مکاتیب۔ صفحہ ۹۳۰

یعنی ان بعض مقامات کے علاوہ جہاں چاہو تحریف لفظی کردو یا تحریف معنوی کردو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ معاذ اللہ۔ مُلّا جی اپنی لکھی ہوئی کتاب میں کسی قسم کی تبدیلی کی اجازت تو دیتے نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی لکھائی ہوئی کتاب میں ہر طرح کی لفظی یا معنوی تبدیلی کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ مزید برآں یہ لطیفہ بھی سنتے و پڑھتے چلئے کہ جناب سرپرست اعلیٰ صاحب' مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو اپنے اسی خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میں اپنے ادارہ کی طرف سے آپ کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں مختلف قراءتوں میں قرآن شائع کرنے کا ہمارا کوئی پروگرام نہیں ہے''[1]

اب آپ موصوف کے انٹرویو کے اقتباسات اور خط کے اس اقتباس کا موازنہ کیجئے تو بین السطور یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ رُشدیوں کے سرپرست اعلیٰ صاحب کی پلاننگ یہ تھی کہ مختلف قراءات کے سولہ مصاحف ادارہ رُشد میں تیار کرو اور اگر پاکستان میں شائع نہ کرسکو تو کویت یا مصر سے شائع کروا کر دنیا میں پھیلا کر مجوسی ''مقتدرہ'' کا ایجنڈا جو وہ چودہ سو سال میں پورا نہ کرسکی اسے اب پندرھویں صدی ہجری میں پورا کردو۔ پھر وہ سولہ صحائف پاکستان میں بھی درآمد ہوسکیں گے تاکہ پاکستانیوں میں مزید تفرقہ پیدا کیا جائے اور جو فرقے مختلف العقیدہ یا مختلف العمل موجود ہیں انہیں اور مستحکم کردیا جائے۔ اور اس طرح اب رافضیوں کو بھی کھلی چھٹی مل جائے گی کہ وہ غار سر من رائے سے اپنا سترہ ہزار آیات والا قرآن لاکر طبع کراسکیں اور شیعہ حضرات اپنی اپنی تفاسیر کے مطابق مختلف متغیر آیات کے قرآن شائع کراسکیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ۔

بہرحال ان لطائف سے ایک حقیقت نکھر کر سامنے آگئی کہ رُشدیوں کے سرپرست اعلیٰ صاحب، ذاکر حسین صاحب کی شکایت اور اس پر وفاقی وزارتِ مذہبی امور سے خط و کتابت کے نتیجہ میں، ایک مقام پر آکر ٹھہر گئے کہ انہوں نے اپنے جواب میں صرف لہجوں، متنوع لہجوں اور متنازعہ لہجوں کی بات کی[2]۔ کاش کہ وہ اس معاملہ میں دیانت داری سے کام لے کر سولہ اختلافی قراءات جو انہوں نے تیار کرائی ہیں ان کو ضائع کردیں اور جو مختلف لہجاتی قراءات زبانی زبانی چل رہی ہیں انہیں کو چلنے دیں تاکہ امت مزید انتشار سے بچ جائے۔ ورنہ پھر ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ وہ مجوسی ''مقتدرہ'' ہی کا ایجنڈا پورا کر رہے ہیں:

ع خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں (علامہ اقبال یا اِکبال!)

اختتام یا خلاصہ سے پہلے یہ بھی جان لیجئے کہ قرآن دشمنی اہلحدیثوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ یہ سلف (صالحین) سے چلی آرہی ہے۔ تفصیل کچھ یوں ہے کہ سرپرست 'ماہنامہ رُشد' لاہور۔ جناب حافظ ڈاکٹر عبد الرحمٰن روپڑی ثُمہ مدنی صاحب، صرف اسی رسالہ کے نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور رسالوں کے بھی سرپرست ہیں۔ ادارہ کلیۃ القرآن الکریم، جامعہ لاہور الاسلامیہ یعنی Universety of Lahore Al-Islamia کے بانی و سرپرست اعلیٰ یعنی چانسلر بھی ہیں۔ ' المعهد العالی للشریعه والقضاء یعنی Institute of Higher Studies in Shariat wal Qaza' کے ڈائریکٹر جنرل بھی ہیں۔ اسی طرح 'مجلس التحقیق الاسلامی' یعنی Islamic Research

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۹۳۰ ...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۶۰۳

'Council' کے رئیس بھی ہیں نیز وہ خاندانی طور پر ایک بزنس مین بھی ہیں کہ 'حفاظ گروپ' (آف انڈسٹریز) کے مالک بھی رہے ہیں اور شاید اب بھی ہیں۔ ان کے والد گرامی حافظ محمد حسین صاحب مرحوم، روپڑی[1]، امرتسری بھی ایک کاروباری آدمی تھے۔ اور پاکستان بننے کے بعد بھی ان کی ایک فیکٹری 'رحمانیہ ٹیکسٹائل ملز' کے نام سے تھی۔ حُسن اتفاق سے اس فیکٹری کو جلا دیا گیا یا وہ خود جل کر ختم ہو گئی۔ دوبارہ تعمیر کے وقت وہاں رحمانیہ ہی کے نام سے ایک درسگاہ قائم کر لی۔ ٹیکسٹائل کی فیکٹری چونکہ جل گئی تھی اس لئے یہ تصور پیدا ہوا کہ ایسا کام کرنا چاہئے جس کو آگ نقصان نہ دے۔ لہٰذا پھر انہوں نے لوہے کے پائپ کا کام 'حفاظ گروپ' کے نام سے شروع کیا اور جنرل (ریٹائرڈ) ضیاء الحق مرحوم کے دَور میں کراچی کے قریب نوری آباد انڈسٹریل اسٹیٹ میں زمین لے کر فیکٹری لگائی اور دیگر مراعات حاصل کیں......

موصوف (بقول خود) کے خاندان کا مزاج سَلفی تھا (۸۸۹/۳)۔[2] پاکستان کی علمی فضاء محدود ہے جبکہ ہمارے خاندانی مرکز جامعہ اہلحدیث کی فضاء اس سے بھی مخصوص تر تھی کیونکہ اس پر روپڑی ثنائی اختلافات کی لہر چھائی ہوئی تھی۔ اس کے اثرات مجھے مدینہ منورہ سے واپس آنے پر زیادہ محسوس ہونے لگے تو میں نے اپنے لئے مدنی نسبت اختیار کر لی (۸۸۷/۳)[3]۔ جس طرح سات[7]، دس[10]، بیس[20] اور اسّی[80] قراءتیں اختیار کر لیں۔ خیر۔ روپڑی ثنائی اختلافات کی لہر کیا تھی یا ہے؟؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہندوستان میں اہلحدیثوں کی درخواست پر ۱۸۸۸ء میں جب انگریز حکومت نے ان کو 'اہلحدیث' کا نام الاٹ کر دیا تو اس کے بعد ایک اہلِ قرآن جناب ثناء اللہ امرتسری صاحب نے اوائل بیسویں صدی میں 'عربی میں' تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر بنام "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" لکھ کر شائع کی تو اس پر روپڑی حلقے کے ملاؤں اور دیگر قرآن دشمن ملاؤں نے طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیا کہ یہ ہمارے سَلف کے خلاف کام کیا گیا ہے کہ پچھلے تمام عجمی سلف نے طبری سے لے کر مولانا محمد جوناگڑھی تک ایسی کوئی تفسیر نہ لکھی جسے صرف قرآنی اصولِ تفسیر یعنی تصریف الآیات کے اصول پر لکھا گیا ہو بلکہ سارے مفسرین نام نہاد احادیث، اسرائیلیات اور اپنی اپنی مسلکی و مذہبی رائے ہی کے مطابق لکھتے رہے تو اب جناب ثناء اللہ امرتسری صاحب، جو کہ اہلحدیث فرقہ ہی کے ایک حق پرست فرد تھے، اس کے خلاف قرآنی اصولِ تفسیر، تصریفِ الآیات سے کیونکر لکھ سکتے ہیں اس طرح تو پچھلی تمام تفاسیر کوڑے کا ڈھیر بن جائیں گی! چنانچہ ان کے خلاف فتویٰ جاری ہونا شروع ہو گئے اور انہیں ہر طرح سے مطعون کیا جانے لگا اور ایک طرح سے سوشل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ ان کے خلاف ایک فتویٰ بنام "**اربعین فی ان ثناء اللہ لیس علی مذھب المحدثین بل ھو من المحدثین فی الدین الجھمیہ و المعتزلہ والقدریۃ المحدثین**" علمائے روپڑ غزنویہ نے ۱۳۲۲ھ شائع کیا۔ ہم آپ کو گھر کے بھیدی ایک اہلحدیث عالم ہی کی شہادت دکھاتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی، ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث[4] مغربی پاکستان' نے غالباً اگست ۱۹۶۰ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ مرحوم (متوفی ۱۹۴۸ء) کی تفسیر پر مقدمہ تحریر فرمایا تھا، جسے تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ، گوالمنڈی، راولپنڈی نے علیحدہ سے کتابچہ (۶۲ صفحات) کی شکل میں شائع کر دیا ہوا ہے۔ اس میں "قرآن عزیز

[1] 'روپڑ' پاکستان سے پہلے ضلع امرتسر' مشرقی پنجاب کی ایک تحصیل تھی۔ لیکن اب یہ ہندوستان کا ایک ضلع ہے۔ وہاں کے رہنے والے ہونے کی نسبت سے یہ اہلحدیث حلقہ روپڑی کہلاتا ہے۔...[2]،[3]۔ یعنی ماہنامہ رُشد کا حصہ سوم کے صفحات ۸۸۹ اور ۸۸۷ ...[4]۔ خیال رہے کہ یہ جمعیت تمام اہلحدیثوں کی نمائندہ جماعت نہیں بلکہ ان کے ہاں بھی فرقہ در فرقہ بٹے ہوئے ہیں مثلاً 'غرباء اہلحدیث' وغیرہ

کے مفہوم کی حفاظت" کی سرخی کے ذیل میں تفسیروں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"محدثانہ تفاسیر میں بدعات اور غلو تو نہیں تھا۔ لیکن قصص کے بیان میں صحت اسانید کا خیال نہ رکھا گیا اور آثار میں اسرائیلیات کا کافی ذخیرہ تفاسیر میں آ گیا۔ حافظ ابن کثیر نسبتاً محتاط ہیں۔ کافی چھان پھٹک کے باوجود وہاں بھی ایسے آثار آ گئے جو مناسب تھا کہ نہ آتے۔

اہل بدعت کی ان تخریبی کوششوں سے بچنے کے لئے ائمہ سنت نے ذیل کے اصول اختیار فرمائے۔

اوّل: قرآن عزیز کی تفسیر قرآن سے: حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اکثر مقامات پر التزام فرمایا ہے کہ قرآن کے ایک مقام کو دوسرے مقام سے حل فرماتے ہیں۔ قرآن عزیز کے نظم میں کسی واقعہ میں ایک مقام پر اختصار فرمایا گیا تو دوسرے مقام پر اسے تفصیل سے بیان فرما دیا گیا ہے، اگر ایک مقام پر اغلاق ہو تو دوسرے مقام سے واضح ہو سکتا ہے، (اسی کو تصریف الآیات بتایا گیا ہے۔ صدیق) اس طریق سے اگر قرآن حکیم میں غور فرمایا جائے تو بسا اوقات بعض مشکلات کا حل سیاق و سباق سے اس طرح ہو تا کہ صریح لغت سے وہ مقام صاف نہیں ہوتا۔ اسی سے بعض اہل علم نے قرآن کی لغت بھی الگ لکھی ہے جیسے کہ راغب کی مفردات اور ابن قتیبہ دینوری کی مشکل القرآن اور غریب القرآن۔ ان دونوں کتابوں کو ابن مطرف نے قرطین نام سے جمع کیا ہے، یہ کتاب مصر سے شائع ہو چکی ہے، بعض مفرد الفاظ کا مفہوم قرآن کے سیاق و سباق سے زیادہ واضح ہوتا ہے لغت میں وہ وضاحت نہیں ملتی" (ص۲۶، مذکورہ کتابچہ 'مقدمہ ترجمۃ القرآن')

"حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم (متوفی ۱۹۴۸ء) مؤلف تفسیر ثنائی نے 'تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن' اسی اسلوب پر لکھی اور آیات کی وضاحت اور تفسیر میں دوسری آیات سے استفادہ فرمایا۔ مرحوم اس طریق میں بہت حد تک کامیاب ہوئے، چند مقامات پر اہلِ علم نے اپنے مواخذات کئے۔ مؤلف مرحوم نے اہل علم کے متعارف مطلب سے اختلاف فرمایا' بحث جدال کی حد تک پہنچی' علماء آرہ نے فیصلہ دیا کہ بعض مقامات میں واقعی سلف کی راہ سے انحراف ہوا ہے۔ (غور کیجئے یہ سلف کون تھے؟ وہی عجمی مفسرین، محدثین و تاریخ نویس جو اسلام کی بیخ کنی کر رہے تھے۔ صدیق) لیکن مؤلف اہل حدیث سے خارج نہیں۔ اس فیصلہ کو قبول کر کے معاملہ ختم کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔ لیکن فریق مخالف نے احناف کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے ان مواخذات میں مسئلہ صفات اور ان کی تاویل کو اہمیت نہ دی تا کہ ماتریدی حنفی الگ نہ ہو جائیں (خیال رہے کہ اس وقت تک حنفی، 'ماتریدی' اور 'اشعری' مذاہب میں بٹے ہوئے تھے۔ پھر شاید انگریز حکومت کی ایماء پر دیوبندی بریلوی میں بٹنا شروع ہو گئے، اور آج سوائے اہل علم کے ماتریدی اور اشعری مذاہب کو کوئی نہیں جانتا۔ صدیق) اور مخالفین کی صفیں عددی لحاظ سے کمزور نظر نہ آئیں........................ اگر یہ مناقشہ نہ آجاتا تو تفسیر القرآن فی الجملہ اچھی چیز تھی۔ اہل علم قرآن پر اس انداز سے غور فرماتے تو تفسیر میں یہ ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا۔ اب بھی ضرورت ہے کہ قرآن کے طالب علم قرآن میں اس انداز سے غور کریں ذوقِ سلیم اس راہ میں بے حد لطف محسوس کرے گا"۔ (ص۳۱، مذکورہ کتابچہ مقدمہ ترجمۃ القرآن)

موصوف مقدمہ نگار نے یہ اچھی صلاح تو قرآن کے طالب علموں کو دیدی مگر جمعیت اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ ہونے کے ناطے خود اس صلاح پر عمل کر کے نہیں دکھایا۔ ائمہ سنت نے تفسیر کے سلسلہ میں دوسرے اصول سنت کو اپنایا۔ چنانچہ وہ صحیح احادیث کی سرخی کے تحت رقم طراز ہیں:

''اہل سنت کی مسلمہ تفاسیر میں صحیح احادیث کا ذخیرہ کچھ زیادہ نہیں اس لئے یہ مشکل ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں مستند صحیح حدیث مل جائے۔ (تو پھر یہ نام نہاد احادیث شرح قرآن کس طرح ہوئیں؟؟ صدیق) علماء تفسیر نے احادیث کے بعد آثار اور ان میں پھر اسرائیلیات کا مواد بھی جمع کر دیا ہے، اسے اصول ائمہ حدیث کے مطابق تحقیق اور تفتیش کے بعد ہی قبول کیا جاسکتا ہے، علماء متقدمین کا اس معاملہ میں بھی معمول رہا ہے۔ اسرائیلیات کی تائید اگر نصوص سے صحیح ہو جائے تو انہیں نصوص کی تائید سمجھنا چاہئے ورنہ ان سے کوئی چیز ثابت کرنا یا حجت سمجھنا درست نہیں۔ (ص ۳۶، مذکورہ کتابچہ، مقدمہ ترجمۃ القرآن)

تیسرا اصول وہ تفسیر صحابہ کا عنوان قائم کرتے ہوئے خلاصہ کلام پر آتے ہیں۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

''آخر میں ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ایک جامع بیان پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں اگر کوئی سوال کرلے کہ تفسیر کا بہترین طریقہ کونسا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر جو چیز مجمل ہے وہ دوسرے مقام پر مفصل موجود ہے۔ ایک جگہ جو مسئلہ مختصر ہے دوسری جگہ اسے بسط سے بیان کر دیا گیا ہے، اگر اس طریق میں دقت محسوس ہو تو پھر سنت سے تفسیر کرو وہ اس کی شارح ہے۔ (عام طور پر اہلحدیث و اہل فقہ و اہل سنت سب ہی یہ کہتے اور لکھتے ہیں کہ نام نہاد حدیث قرآن کی شارح ہے۔ مگر موصوف سنت کو بھی شارح بتا رہے ہیں۔ گویا کہ سنت و (نام نہاد) حدیث ایک ہی چیز ہے، جبکہ پیچھے ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث یہ لکھ چکے کہ 'اہل سنت کی مسلمہ تفاسیر میں صحیح احادیث کا ذخیرہ کچھ زیادہ نہیں اس لئے یہ مشکل ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں مستند صحیح حدیث مل جائے' (ص ۳۶) (مگر افسوس ہے کہ شیخ الاسلام صاحب بھی تفسیر کا صحیح طریقہ قرآن بالقرآن بتانے کے باوجود کوئی ایسی تفسیر نہ لکھ کر اس دنیائے فانی سے گئے اور اگر لکھی تھی تو ان کے خلف صالحین نے اسے غتربود کر دیا۔ صدیق)) (ص ۴۰۔ مذکورہ کتابچہ مقدمہ ترجمۃ القرآن)

مقام حیرت وافسوس ہے، بلکہ مقام شرم ہے کہ شیخ الاسلام ہوں یا مولانا الاسلام صاحب ہوں یا مفسرِ کبیر ہوں سب ہی کو قرآن کریم اور اللہ رب العزت سے دشمنی ہے کہ اللہ رب العزت کے بتائے ہوئے اصولِ تفسیر اور اس کی بتائی ہوئی 'احسن تفسیر' کو نہیں مانیں گے بلکہ اس میں اپنی طرف سے سنت، حدیث، آثار، تفسیرِ صحابہ اور تفسیرِ سلف ضرور گھسیٹیں گے! ان سے کوئی پوچھے کہ اللہ رب العزت نے کہاں کہا ہے کہ تم تفسیر قرآن بمقابلہ قرآن ضرور کرو؟ اور اس میں اپنی طرف سے بنائی ہوئی ہر فرقہ کی سنت، حدیث، اپنے اپنے صحابہ و امام کی تفسیر اور اپنے اپنے سلف کی تفسیر اور اسرائیلیات ضرور شامل کرو؟؟ مقصد یہ کہ تمہیں اللہ رب العزت کے کلام کی تفسیر یا شرح کرنے کی اجازت کس نے مرحمت فرمائی ہے؟؟ کیا یہ بھی قراء کرام کے 'اختیار' کی طرح اختیار تھا کہ جس کی جو مرضی آئے تفسیر کرتا چلا

جائے؟؟ چلو متداول قرآن کریم سے جواب نہیں دے سکتے تو اپنے تیار کردہ بیس قرآنوں میں سے ' کہیں سے ' جواب دے دو۔ اگر وہاں سے بھی جواب نہیں ملتا تو چلو اپنے سلفی عجمیوں کی نام نہاد احادیث کی کتابوں ہی سے جواب دے دو! ہمارا یہ کھلا ہوا چیلنج ہے جو چاہے اپنی قسمت آزمالے۔

آگے جناب محمد اسمٰعیل صاحب سَلفی لکھتے ہیں کہ ' حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوئے (موصوف کو غالباً ان کی تاریخ پیدائش کا علم نہیں ہو سکا۔ میرا خیال ہے کہ ان کی پیدائش ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ رہی ہو گی) مسلک اہلحدیث کے لئے یہ خاص ابتلاء کا وقت تھا۔ (شاید اس لئے کہ انگریز سرکار نے فرقہ اہلحدیث کو نیا نیا گود لیا تھا اور ۱۸۸۸ء ہی میں تو 'اہلحدیث' لقب ان کی وفاداری اور انگریز سرکار کی خیر خواہی و خدمات کے نتیجہ میں عطا کیا گیا تھا۔ ورنہ تو وہ فرقہ وہابی کہلا تا تھا جو باغی اور نمک حرام کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ صدیق)[ا]۔ ایسے میں حضرت مولانا ثناء اللہ کی آمد کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں کہ:

"اس وقت مرحوم مولانا ثناء اللہ کا وجود قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔ ملاء اعلیٰ کی طرف سے اہلِ حق کے لئے ایک عطیہ تھا، مرحوم نے بیسویں صدی (عیسوی) کے آغاز سے اس علمی جنگ کی تمام ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اُٹھالیں اور مجاہدینِ حق کو مطمئن کر دیا، کہ وہ اپنی راہ پر چلتے رہیں۔ اس جنگ کے لئے انہیں بے قرار نہیں ہونا چاہئے۔

مرحوم نے اس کام کو اس طرح سنبھالا گویا قدرت نے انہیں اسی کے لئے پیدا فرمایا تھا، مسیحیت، قادیانیت، بہائیت، روافض، ساجیت سے بیسیوں مناظرات کے لئے مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کے متعلق بھی پورے اعتدال کے ساتھ گفتگوئیں کیں کبھی مرحوم کا قدمِ اعتدال کی راہ سے نہیں ڈگمگایا۔ مناظرات میں آپ جذبات سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے، متانت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور ان مجالس میں بھی یہی ان کی کامیابی کا اصول تھا۔ (صفحہ ۵۵۔۵۶۔ مذکورہ کتابچہ، مقدمہ ترجمۃُالقرآن)

خیال رہے کہ ثناء اللہ امرتسری صاحب مرحوم نے تحصیل علم صرف اہلحدیث علماء ہی سے نہیں کیا تھا بلکہ احناف کے مختلف مدارس مثلاً 'مظاہر العلوم سہارنپور' دار العلوم دیوبند' 'مدرسہ فیض عام' کانپور وغیرہ سے بھی اکتساب کیا تھا۔ چنانچہ آگے موصوف 'مرحوم میں جامعیت' کی سرخی کے تحت رقمطراز ہیں کہ: (ص۱۵۶۔۱۵۸)

مرحوم میں جامعیت:

مرحوم کو تمام فنون پر کافی عبور تھا، اور بوقت ضرورت ان سے بلا تکلف استفادہ فرماتے تھے، مناظرہ کے ساتھ مرحوم خوش بیان مقرر تھے، آخر عمر میں سورۃ واقعہ کے آخری رکوع کا بیان بڑے عارفانہ انداز سے فرماتے، تقریر میں عربی اردو، فارسی اشعار بکثرت استعمال فرماتے۔

مرحوم بہت بڑے مصنف تھے، مرحوم کے اکثر تصانیف مناظرانہ ہیں ان میں مخالفین کے شبہات کا دفاع کیا گیا ہے، مرحوم نے اس دفاعی جنگ میں قرآن عزیز کی خدمت کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ تفسیر

[ا] دیکھئے کتاب اہلحدیث اور انگریز۔ مرتبہ مولانا بشیر احمد قادری صاحب، ابو حنیفہ اکیڈمی، فقیر والی، بہاولنگر

ثنائی اردو زبان میں لکھی، ترجمہ اس انداز سے فرمایا کہ آیات میں ربط قائم رہے، پھر تفسیری نوٹ لکھے جس میں قرآن مجید کی تعلیمات کی وضاحت فرمائی گئی، اگر اعتراض سامنے آیا تو حواشی میں وضاحت فرما کر اعتراض رفع فرما دیا، یہ تفسیر پہلے شائع ہوئی اس پر چند اں اعتراضات نہیں ہوئے۔ اس کے بعد تفسیر القرآن بکلام الرحمان لکھی، اس میں مرحوم نے بڑی محنت کی۔ آیات کی تفسیر میں قرآں ہی سے مدد حاصل کی، قرآن کی مشکلات کو قرآن ہی سے حل فرمایا، مرحوم کا یہ طرز گو اچھوتا نہ تھا، لیکن پورے قرآن میں اس کا التزام بالکل نئی بات تھی جسے علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

مرحوم کی ذہانت:

ذہین آدمی نظریات میں پہلی رایوں کا پابند نہیں رہتا، تحقیق پسند طبائع کبھی پرانی راہوں سے الگ راہ تلاش کرتی ہیں۔ مناظر مزاج آدمی کے ذہن پر کچھ اور بھی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، وہ دشمن کی گرفت سے بچنا چاہتا ہے، اس راہ میں جہاں بیسیوں کو متاثر کرتا ہے کہیں خود بھی متاثر ہوتا ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ دیکھی بھالی راہوں سے کوئی الگ راہ تلاش کرے، ابوالحسن اشعری، بیہقی، ابن خزیمہ، ابن حزم جیسے آئمہ سنت ہمارے سامنے ہیں۔ ان حضرات نے جہاں متکلمین پر بھرپور وار کئے ہیں، کہیں کہیں ان سے متاثر بھی نظر آتے ہیں، خود متکلمین جنہوں نے فلاسفہ سے ان کی زبان اور اصول میں گفتگو کی، ان کے کئی اصولوں کو پاش پاش کیا، وہاں اہل سنت کے حلقوں میں ان کی آبلہ پائی کے تذکرے بھی ملتے ہیں، ان حضرات پر حافظ ابن تیمیہ کا ارشاد لا للاسلام نصروا ولا للفلاسفة کسروا کتنا جارہانہ حملہ ہے، مناظرات میں اس قسم کا تاثر قدرتی چیز ہے۔

مرحوم مولانا ثناء اللہ صاحب نے تفسیر القرآن میں بعض مقامات پر ایسی راہیں اختیار کیں جو پہلے لوگوں کی نظر میں اجنبی تھیں، اور بعض مغلق مقامات کے حل میں ایسے گوشے اختیار فرمائے جو پہلے بزرگوں کے ہاں متعارف نہ تھے، اس سے اختلاف قدرتی امر تھا، مولانا نوجوان تھے، طبیعت میں جلال تھا فنون پر نظر تھی تھوڑے عرصہ میں اختلاف نے مخالفت کی صورت اختیار کی، اور مخالفت نے ہنگامہ برپا کر دیا، اس ہنگامہ میں بعض بنیادی مسائل پیدا ہو گئے۔ اتباع سلف، تفسیر سلف کی حجیت، اجماع کا امکان اور اس کی حجیت، ابتداء میں مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی ہندوستان کے بہت سے اکابر مولانا کے خلاف اگلی صفوں میں تھے، لیکن بتدریج اس ہنگامہ کا اثر ذہنوں سے اترتا گیا، بہت لوگ تفسیری تسامحات کو مانتے تھے، لیکن ہنگامہ سے بالکل الگ ہو گئے، مولانا ثناء اللہ صاحب کے مخالفین میں غزنوی اکابر حضرت مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا عبد الواحد صاحب غزنوی، مولانا عبدالرحیم صاحب، اور مولانا عبدالاول صاحب غزنوی رحمۃ اللہ علیہم اس اختلاف کے اہم عناصر تھے، لیکن ان کی مخالفت معقول اور مسائل کی حد تک تھی، اور بوقت ضرورت تھی، وظیفہ نہیں تھا، جہاں تک خیال ہے، ان حضرات نے اپنی ذاتیات کی آلائشوں سے

اسے ہمیشہ پاک رکھا۔ یہ حضرات عمر میں مولانا سے بڑے تھے، ان کا علمی اقتدار، زہد و تقویٰ علمی حلقوں میں مسلّم تھا، مولانا کی ذہانت، ان کا مناظرانہ انداز بہت کم مؤثر ہو سکا مولانا بھی ان کا ہمیشہ احترام فرماتے کوئی تیز لفظ ان کے خلاف نہیں کہتے تھے۔

مولانا سے کچھ معمر مولانا فقیر اللہ مدراسی اور قاضی عبدالاحد صاحب رحمہم اللہ تھے، ان دونوں بزرگوں نے مرحوم کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ لیکن ان کا انداز چنداں جاذب نہ ہو سکا، اور اس اثناء میں مولانا اپنی ہمہ گیر خدمات کی وجہ سے علمی حلقوں پر چھا چکے تھے، مولانا کی تالیفات اور مناظرات نے ایسا ماحول پیدا کر لیا تھا کہ یہ مخالفت اپنے لیے کوئی حلقہ بھی پیدا نہ کر سکی صرف آواز تھی تھوڑے سے تموج کے بعد فضا میں گم ہو کر رہ گئی۔ اس کے بعد اس مخالفت کی نقل روپڑی حلقوں کی طرف سے ہوتی رہی، (اس کے معنی یہ شروع ہی سے قرآن کے خلاف تھے اور اب بھی قرآن کے ۲۰ قراءتی نسخے شائع کر رہے ہیں۔ صدیق) ابتداء میں چند افراد متاثر بھی ہوئے، لیکن ان حضرات میں اس قدر کمزوریاں اور عملی فروگذاشتیں تھیں کہ اس آواز کو صدا بصحرا ہی سمجھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ مولانا کا علمی وقار اور تقویٰ اور معاملات میں ذہانت کا اثر اتنا ہی وقیع تھا، جس طرح مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی واخوانہ کا اثر اپنے وقت میں، اس لئے اس اختلاف کو نہ جماعت کے عوام نے کوئی وقعت دی نہ مرحوم نے اسے کبھی اہمیت دی، حضرت جنید وقت قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری، حضرت لقمان زماں مولانا عبدالقادر صاحب نے کئی دفعہ اس نزاع کو ختم کرانے کی کوشش فرمائی۔ لیکن روپڑی حضرات کی روش کبھی بھی معقول نہیں سمجھی گئی، اس لئے یہ نزاع اور بھی بے اثر ہو گئی۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا، مرحوم پہلے گجرانوالہ تشریف لائے پھر سرگودھا میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ ۱۹۴۸ء میں یہ علم و فضل کا بادشاہ اور مسلک اہل حدیث کا یکتا خادم آخر نیند سو گیا، اس نوزائیدہ ملک میں جب کہ ان کی خدمات کی بے حد ضرورت تھی، جماعت کو نو آموز ہاتھوں میں چھوڑ کر رخت سفر باندھ لیا، اور اپنی آخری آرامگاہ میں سامان سفر ڈال دیا، آج مولانا ہم میں نہیں لیکن ان کے آثار ابھی نمایاں ہیں"۔

قارئین! غور کیجئے کہ انگریز بہادر کی سرپرستی میں اہلحدیث علماء اور بالخصوص روپڑی حلقے 'اہلحدیث' لقب سرکار سے پانے کے بعد قرآن دشمنی میں کس قدر آگے نکل گئے تھے کہ ان سے ہندوستان میں لکھی گئی پہلی تفسیر القرآن بالقرآن جو کہ قرآنی اصول 'تصریف الآیات کے تحت لکھی گئی تھی، اور وہ بھی عربی میں، برداشت نہ ہو سکی، کہ عجمی سلف سے انحراف ہوا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عجمی سلف ان کے الٰہ تھے اور اصل الٰہ، اللہ کریم کی طرف سے وہ آنکھیں، کان اور عقل و فہم سب پھیر لیتے تھے۔ اور پھر بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ!

اوپر میں دکھا چکا کہ پاکستان بننے کے بعد بھی سرپرست اعلیٰ 'ماہنامہ رُشد' کے "خاندانی مرکز جامعہ اہلحدیث کی فضاء' اس سے بھی مخصوص تر تھی، کیونکہ اس پر روپڑی ثنائی اختلافات کی لہر چھائی ہوئی تھی۔" یہ ان کا خود کا اعتراف

ہے جس سے قرآن دشمنی واضح ہو جاتی ہے۔ ہمیں کہنے کی ضرورت نہیں۔

خیال رہے کہ یہ ناممکن ہے کہ کسی نے تیرہ صدیوں میں تفسیر القرآن بالقرآن نہ لکھی ہو بلکہ عجمیوں ہی کی تقلید کرتے رہے ہوں۔ یہ حقیقت اس لئے ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی 'تصریف الآیات' کے ذریعہ قرآن کریم کی تفسیر قرآن کریم ہی میں کر دی ہوئی ہے اور اسے 'احسن تفسیر' قرار دیا ہوا ہے (۲۵/۳۳)۔ اسے احسن الحدیث قرار دیا ہوا ہے (۳۹/۲۳) ہوتا یہ رہا کہ جب بھی کسی عالم نے تفسیر القرآن بالقرآن لکھی اس کو عجمیوں نے حکومتی ارکان کے ساتھ مل کر یا تو شائع ہی نہیں ہونے دیا (پہلے ہاتھ ہی سے کتابت کر کے کتاب آگے بڑھتی تھی) یا پھر شائع ہونے کے بعد اسے مذہبی علماء نے سرکاری سطح پر ممنوع (Ban) قرار دلوا کر اس کی اشاعت پر پابندی لگوادی۔ ذرائع ابلاغ آج جیسے بھی نہ تھے کہ کافی لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ عام ملاؤں و مفسرین کی تفسیریں غلط، گمراہ کن اور قرآن کریم کے مقابل ہیں۔ ان کے سامنے مُلّا جو کچھ وعظ کر دیتا یا گا گا کر خطابت کر دیتا وہ اسی کو صحیح مان لیتے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ سلامٌ علیہ جادو زدہ ہو گئے تھے۔ وہ اور چیزوں کے ساتھ وحی الٰہی بھی بھول جاتے تھے، حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ نے تین جھوٹ بولے تھے، وہ اپنے شیر خوار بچہ اور نوجوان اہلیہ محترمہؓ کو عرب کے ریگزار میں جہاں نہ آدم تھا نہ آدم زاد، نہ پانی تھا نہ دانہ، اکیلے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وغیرہم۔ کبھی کسی مذہبی ٹھیکیدار نے عوام الناس کو گا گا کر یہ نہ بتایا کہ ظالمو! قرآن کریم پڑھو اس پر تدبر و تفقہ کرو اور اس کو سمجھو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نہ صرف آسان بلکہ واضح طور پر' تصریفِ الآیات کے ذریعہ، کھول کھول کر بیان کر دیا ہوا ہے (۶/۶۵ ، ۶/۱۰۵)۔ ہے کوئی جو اس سے نصیحت پکڑے (۵۴/۱۷) اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی اَحسن تفسیر کو سمجھے (۲۵/۳۳)۔ اس جیسی یا اس سے بہتر تفسیر کوئی نہیں کر سکتا حتیٰ کہ رسول بھی اس تفسیر سے بہتر تفسیر نہیں کر سکتے یونکہ اللہ تعالیٰ کی کی ہوئی تفسیر 'اَحسن' یعنی سب سے بہتر، سب سے اچھی ہے (نہ ہی یہ رسول کا کام ہے شارح خود اللہ تعالیٰ ہے) اور اسی قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہے (۲۸/۸۵) کسی اور غیر اللہ کی کتاب یا احکام کو فرض نہیں کیا۔ اور اسی کی اتباع ہے (۷/۳) کسی اور غیر اللہ یا عجمی کی کتاب کی نہیں یونکہ کوئی اور کسی کی بھی کتاب اس الکتاب کی مثل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے اصول و احکام و حکمت بھی تم کو اسی الکتاب میں ملے گی اور رسول کا اُسوہ بھی اسی میں ملے گا اور یہی الکتاب تمہارے لئے کافی ہے (۲۹/۵۱) اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ حَسۡبُنَا كِتٰبُ اللّٰهِ۔

غرض یہ کہ تفسیر القرآن بالقرآن جو اہلِ قرآن لکھتے رہے وہ غائب کر دی گئیں۔ ہمارے پاس تو اب یہی سو، سوا سو سال کا احوال ہے کہ برّصغیر میں سب سے پہلے جناب سر سید احمد خان صاحب مرحوم نے 'تفسیر القرآن بالقرآن' تحریر فرمائی مگر وہ اسے اپنی زندگی میں پوری نہ کر سکے۔ پھر جناب احمد الدین امر تسری صاحب مرحوم اور جناب عبد اللہ صاحب چکڑالوی مرحوم نے، اسی دشمنِ قرآن ماحول میں تفسیر القرآن بالقرآن لکھنے کی ہمت اور کوشش کی۔ پھر پاکستان بننے کے بعد جناب ماسٹر محمد علی رسولنگری صاحب (اور غالباً ان کے چند ہم خیال علماء و فضلا) نے ایک اور کوشش کی مگر وہ بھی پوری نہ کر سکے۔ نیز جناب غلام احمد پرویز صاحب نے بھی ایک کوشش کی مگر پوری نہ کر سکے۔ ان پانچوں تفاسیر القرآن بالقرآن اور ان کے تحریر کرنے والوں کے خلاف سلفی و اہلحدیث یعنی دشمنانِ قرآن علماء نے ہر طرح

کے فتوے اور رکیک حملے کئے اور آج تک کر رہے ہیں۔ ہندوپاک کے علاوہ بقیہ مسلم دنیا کا حال کچھ صحیح طرح سے نہیں معلوم ہو سکا الّا یہ کہ انہی سو یا ڈیڑھ سو سالوں میں مصر وغیرہ سے ایک دو عربی تفسیر القرآن بالقرآن شائع ہوئیں مگر وہاں کے ملاؤں و مذہبی ٹھیکیداروں نے انہیں ممنوع قرار دلوا کر ان کی اشاعت پر پابندی لگوا دی، نتیجتاً عوام الناس کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ مروجہ تفاسیر محض ملاؤں کے اپنے اپنے فرقوں کے عقائد کی ترجمانی کرتی ہیں جبکہ ان کو لکھنے کا حق ہی نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر آکر احسن تفسیر کے مقابلے پر اسرائیلیات پر مبنی تفاسیر لکھ لکھ کر مال کما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی احسن تفسیر کو آگے آنے ہی نہیں دیتے۔ حد تو یہ ہے کہ جناب ثناء اللہ امرتسری صاحب کی تفسیر کا تقریباً سو سال گزرنے کے باوجود' آج تک اُردو میں ترجمہ نہ ہونے دیا کہ عوام الناس ملاؤں کے شر سے واقف نہ ہو جائیں۔

قارئین! اب ذرا موصوف سرپرست اعلیٰ 'ماہنامہ رُشد' کے قرآن کریم کی کتابی حفاظت کے بارے میں عجمی سَلفی عقیدہ کی جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ چنانچہ وہ اپنے انٹرویوں میں لکھواتے ہیں کہ:

"قرآن مجید کی سب سے پہلی کتابی حفاظت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس طرح ہوئی کہ مکمل قرآن مجید کو ایک جگہ محفوظ کیا گیا، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکمل قرآن مجید کتابی صورت میں موجود نہیں تھا بلکہ وہ ٹھیکریوں، چھلکوں اور ہڈیوں پر لکھا جاتا تھا۔ (معاذ اللہ! رسول ؑ کو جو الکتاب پہنچانے کے لئے مبعوث کیا گیا تھا، رسول ؑ نے وہ اپنا بنیادی کام ہی نہیں کیا تھا! اللہ تعالیٰ نے بھی جھوٹ بولا تھا، نعوذ باللہ، کہ اسے کتاب کا نام دیا حالانکہ وہ تو ٹھیکریوں، (شاید مٹکے یا مٹی کے ظروف توڑ توڑ کر ٹھیکریاں حاصل کی جاتی ہوں گی) چھلکوں (شاید پیاز یا آلو کی کے چھلکوں پر) اور ہڈیوں پر (لوگ کھانا کھا کر جو ہڈیاں پھینک دیتے تھے وہ مختلف اشکال کی ہوتی تھیں۔ صدیق) لکھا جاتا تھا۔ یہاں موصوف درختوں و پودوں سے جھڑ کر گر جانے والے پتوں کو بھول گئے جنہیں بکری کھا بھی جاتی تھی! (معاذ اللہ) کتنی عجیب بات ہے کہ مشرکین شعراء کے کپڑوں یا چمڑے کی کھالوں پر لکھے ہوئے قصیدے تو دیوارِ کعبہ پر لوگوں کو پڑھنے کیلئے لٹکائے جاتے تھے مگر قرآن کریم رسول سلامٌ علیہ ٹھیکریوں' چھلکوں' ہڈیوں اور پتوں پر لکھواتے تھے پھر شاید وہ ایک ڈھیر کی شکل میں رکھا رہتا ہو گا تو اللہ تعالیٰ نے اسے الکتاب کا نام دیدیا! یہودیوں کی توریت اور عیسائیوں کی انجیلیں تو شاید مصری کاغذ یا قراطیس پر لکھی ہوئی تھیں مگر قرآن کریم............... افسوس، صد افسوس

ظالمو! قرآن دشمنی سے ذراہٹ کر کبھی قرآن کریم پڑھ لیا ہوتا تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ قرآن کریم 'شروع ہی سے' ترتیب کے ساتھ' رَق یا قراطیس پر لکھا جاتا تھا (فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ =۵۲/۳) اور رسول سلامٌ علیہ پورا قرآن کریم ترتیب سے لکھا کر، بین الدفتین کتابی شکل میں چھوڑ گئے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے "ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ" فرمایا تھا۔ اور وہ منتشر حالت میں تتر بتر نہیں تھا بلکہ سطر بہ سطر لکھا گیا تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے وَ كِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ (۵۲/۲) رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ۝۲ فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ۝۳ (۲۔۹۸/۳) فرمایا۔ نیز

صرف اپنا ہی نسخہ یا مصاحف نہیں بلکہ کچھ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی قرآن کریم اپنے پاس لکھا ہوا تھا۔ اور یہ

صرف مدینۃ المنورہ ہی میں نہیں بلکہ مکۃ المکرمہ میں بھی رسولؐ کے علاوہ صحابہؓ لکھا کرتے تھے اس کی زندہ مثال حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے بہن بہنوئی کے پاس لکھا ہوا دیکھا تو اس کو پڑھا اور جا کر رسولؐ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔ (یہ واقعہ تو آپ کی عجمی کتابوں میں بھی لکھا ہوا موجود ہے۔ صدیق) ان سب کو (یعنی ٹھیکریوں، چھلکوں اور ہڈیوں وپتوں کو) ایک جگہ جمع کر کے محفوظ کرنے کا کام حضرت ابو بکرؓ نے سب سے پہلے کیا اور چونکہ یہ صفحات الگ الگ تھے اور حضرت عثمانؓ نے جب ان کو اکٹھا کیا تو انہوں نے اس کا ایک مصحف تیار کر لیا (گویا کہ حضرت ابو بکرؓ نے بھی ایک مصحف نہ بنایا بلکہ ٹھیکریوں، چھلکوں، ہڈیوں اور پتوں کو، جو کہ رسولؐ کے زمانہ میں غیر محفوظ اور منتشر تھے محفوظ کرنے کا کام کیا۔ چنانچہ) حضرت ابو بکرؓ کے جمع کردہ کام کو مصحف ابو بکرؓ بولتے ہیں، جبکہ جمع عثمانی میں قرآن کریم چونکہ ایک جلد میں تھا، چنانچہ اسے مصحف کا نام دیا گیا۔

اسلئے ترتیبِ قرآنی جس میں 'سورتوں' کی ترتیب بھی شامل ہے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی۔ جبکہ سورتوں کی اندرونی ترتیب یعنی نظم آیات حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مکمل ہو چکی تھی۔''[1]

قارئین! غور کیجئے کہ کیا یہ عقیدہ قرآن دشمنی نہیں کہ رسولؐ اس کو نہ تو کتابی شکل یا مصحف کے طور پر چھوڑ گئے اور نہ ہی سورتوں کی اندرونی ترتیب اور نہ ہی بیرونی ترتیب کر کے گئے۔ کیا یہ قرآن کریم پر عجمیوں کا پہلا حملہ نہیں؟ جس کے پرستار تمام اہلحدیث واہل فقہ واہل سنت واہل شیعہ سب ہی ہیں۔ (معاذ اللہ)۔

اب ذرا قرآن عزیز کی حفاظت کے سلسلہ میں، تھوڑا سا بہتر مؤقف، جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سلفی، ناظم اعلیٰ جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کا بھی دیکھ لیجئے۔ چنانچہ اپنے مذکورہ ''مقدمہ ترجمۃ القرآن میں قرآن عزیز کی حفاظت کی سرخی کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''قرآن عزیز کی حفاظت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث فرمائے گئے عرب حضریت (یعنی شہریت) سے ناآشناء تھے، بظاہر مکہ، مدینہ طائف وغیرہ چند بستیاں تھیں جو شہر سمجھی جاتی تھیں۔ ان پر بھی بدویت غالب تھی۔ کھانا پینا رہنا سہنا سب دیہاتی انداز سے تھا قبائلی سی زندگی تھی، علامہ ابن حزم نے محلیٰ (ج:۵) پر ذکر کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں چند قبائل آباد تھے، جنہوں نے اپنے زمینوں پر ڈیرے ڈال رکھے تھے، پڑھے لکھے آدمی بہت ہی کم تھے، یہود اور عیسائیوں میں تعلیم کا رواج تھا۔ اور وہ بھی معمولی اس لئے قرآن عزیز کی حفاظت کا دارومدار حفظ پر تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو حفظ فرماتے ہی تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی اکثر اہل علم جس قدر قرآن مجید نازل ہوتا اسے حفظ کر لیتے۔ احتیاط کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نگرانی میں قرآن مجید کو ترتیب سے لکھواتے جاتے تھے تاکہ حفظ میں اس سے مدد لی جائے اور حفاظت بھی رہے۔ پرانے کتبات سے جس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت خط نے ترقی

[1] ماہنامہ رُشد۔ قراءات نمبر حصہ دوم۔ صفحہ ۷۶۹)

نہیں کی تھی، حروف پر نقطے اور اعراب لگانے کا رواج نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ کا خط مقوقس عظیم قبط کے نام سے اس کا عکس شائع ہو چکا ہے اس سے عرب رسم الخط کا پتہ چل سکتا ہے، نزول قرآن کے وقت حقیقت یہ تھی کہ لوگ لکھنے کے بجائے حافظہ پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ عرب میں علم النساب کا سارا اعتماد حافظہ پر تھا۔ قبائل کی تاریخ اور صلح و جنگ کے سارے واقعات حافظہ پر مبنی تھے اس لئے قرآن مجید کی حفاظت کا اہم ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوت حافظہ تھی جو لوگ لکھتے تھے ان کا مطلب بھی یہی تھا کہ حفظ کرتے وقت اس نوشتہ کی طرف مراجعت کر سکیں ورنہ وہ رسم الخط آج کل کے ترقی یافتہ خط سے بہت مختلف تھا اس سے کسی تحریر کا پورا تحفظ سخت مشکل تھا۔ (کس بد طینتی سے یہ پیرا گراف لکھا گیا ہے!۔ صدیق)

قرآن عزیز کا سرکاری نسخہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مقدس کی جو تحریری صورت صحف و اجزا موجود تھی اسے سرکاری تحریر کہنا چاہئے۔ اس تحریر کی روشنی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے واقعہ حرہ کے بعد سرکاری نسخہ مرتب فرمایا، (یعنی کسی حد تک یہ مان لیا کہ رسولؐ کے پاس ان کا نسخہ تھا۔ اور یہ واقعہ حرہ کب پیش آیا تھا؟ ۶۳ھ میں۔ صدیق) اس نسخہ کی بنیاد پر وہ سرکاری نسخے لکھے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف گورنروں کو ارسال فرمائے۔ ہجوں کے اختلاف اور خط کے نامکمل ہونے کی وجہ سے جب شبہ پیدا ہوا تو حفظ کے ساتھ جزوی نوشتوں سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تصحیح کی خاطر قریش کی لغت و لہجہ کو اساس قرار دیا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ میں حفاظ اور قراء کی موت سے قرآن عزیز کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ میں عجمی عنصر کی کثرت اور عجمی لہجوں کی یورش کی وجہ سے سرکاری نسخے پر نظر ثانی کی گئی اور سب سے بڑی خوبی یہ ہوئی کہ تمام مشکوک دستاویزات کو ضائع کر دیا گیا تاکہ بحث اور تشکیک کے لئے کوئی مواد باقی نہ رہ جائے۔ اب وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بعینہ وہی قرآن مقدس تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں اسے بار بار پڑھا اور اسے سرکاری دستاویز کے طور پر لکھوایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بروقت کوشش اس قدر کارگر ہوئی کہ آج تک اس میں ایک حرف بھی کم و بیش نہیں ہو سکا اور اسی میں متواتر قرآت صحیح طور پر آ گئیں اور تمام شذوذ کو ایک طرف کر دیا گیا۔ اتقان میں حافظ سیوطی نے اور زرکشی نے (برہان فی علوم القرآن) میں بعض ایسے ذکر آثار فرمائے ہیں جن سے قرآن عزیز کی جمع و ترتیب کے متعلق بعض شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ بعض دوسری روایات سے بھی ان شبہات کی تائید ہوتی ہے، لیکن قرآن عزیز حفظ کے بعد جس عظیم الشان تواتر سے منقول ہوا ہے، اس کے سامنے ان آحاد اور آثار کی کوئی اصلیت نہیں رہ جاتی۔

علامہ ابن حزم ملل و النحل میں فرماتے ہیں۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اس وقت اسلام تمام جزیرہ نما عرب میں پھیل چکا تھا۔ بحیرہ قلزم اور سواحل یمن سے گزر کر خلیج فارس اور فرات کے کناروں تک اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی۔ پھر اسلام شام کے آخری سرحدوں سے ہوتا ہوا بحیرہ قلزم کے کناروں تک شائع ہو چکا تھا۔ اس وقت جزیرہ نمائے عرب میں اس قدر شہر اور بستیاں وجود میں آگئی تھیں کہ جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا، یمن بحرین عمان نجد بنوطے کے پہاڑ، مضر اور ربیعہ وقضاعہ کی آبادیاں، طائف، مکہ، مدینہ یہ سب لوگ مسلمان ہو چکے تھے، ان میں مسجدیں بھرپور تھیں، ہر شہر، ہر گاؤں، ہر محلّہ، ہر بستی کی مساجد میں قرآن مجید پڑھا جاتا تھا بچے اور عورتیں قرآن جانتے تھے اور اس کے لکھے ہوئے نسخے ان کے پاس موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا کو تشریف لے گئے، مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہ صرف ایک جماعت تھے، اور ایک ہی دین سے وابستہ تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اڑھائی سال رہی ان کی خلافت میں فارس وروم کے بعض حصص اور یمامہ کا علاقہ بھی اسلامی قلمرو میں شامل ہوا، قرآن عزیز کی قرأت میں مزید اضافہ ہوا لوگوں نے قرآن مقدس کو لکھا۔ حضرت ابی بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید، حضرت ابوزید' حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیر ہم نے قرآن عزیز کے نسخے لکھے اور جمع کئے، ہر شہر میں قرآن مجید کے نسخے موجود تھے، وہ انہی میں پڑھا جارہا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ صورت حال بدستور ویسی تھی، ان کی خلافت میں مسیلمہ اور اسود عنسی کا فتنہ کھڑا ہوا، یہ دونوں نبوت کی مدعی تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا کھلے طور پر انکار کرتے۔ بعض لوگوں نے زکوۃ کا انکار کیا۔ بعض قبائل نے کچھ دن ارتداد اختیار کیا لیکن ان ہی قبائل کے مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا اور ایک سال نہیں گزرنے پایا تھا کہ فتنہ فرد ہو گیا، اور حالات بدستور اعتدال پر آگئے۔

حضرت ابو بکر کے بعد مسند خلافت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینت بخشی۔ فارس پورا فتح ہو گیا' شام، الجزائر، مصر اور افریقہ کے بعض علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے، مسجدیں تعمیر ہوئیں، قرآن عزیز پڑھا جانے لگا، تمام ممالک میں قرآن عزیز کے مخطوطے شائع ہوئے، مشرق ومغرب تک مکاتب میں علماء سے لے کر بچوں تک قرآن مجید کی تلاوت ہونے لگے پورے دس سال یہ سلسلہ جاری رہا اسلام میں کبھی اختلاف نہ تھا۔ وہ ایک ہی ملت کے پابند تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت مصر، عراق، شام اور یمن کے علاقوں میں کم از کم قرآں عزیز کے ایک لاکھ نسخے شائع ہو چکے ہوں گے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلامی فتوحات اور بھی وسیع ہوئیں۔ اور قرآن عزیز کی اشاعت مفتوحہ ممالک میں وسیع پیمانہ پر ہوئی قرآن مجید کے شائع شدہ نسخوں کا اس وقت شمار ناممکن ہو گا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اختلافات کا دور شروع ہوا اور روافض کی تحریک نے زور پکڑا (روافض ہی کی وجہ سے قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق اعتراضات اور شبہات شروع ہوئے) صورت یہ تھی کہ نابغہ اور زہیر کے

اشعار میں کوئی کمی بیشی کر دے، تو یہ ممکن نہیں، دنیا میں اسے ذلیل اور خوار ہونا پڑے گا۔ قرآن مجید کا معاملہ تو اور بھی مختلف ہے اس وقت قرآن عزیز اندلس، بربر، سوڈان، کابل، خراسان، ترک اور صقلیہ اور ہندوستان تک پھیل چکا تھا۔ اس سے روافض کی حماقت ظاہر ہوئی (وہ قرآن کی جمع و تالیف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو متہم کہتے ہیں)۔ یہی حال مسیح اور سماجی مشنریوں کا ہے، یہ لوگ روافض سے سیکھ کر قرآن مجید کو اپنے نوشتوں کی طرح محرف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان حالات میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے شخص کے لئے ناممکن تھی۔ روافض اور ان کے تلامذہ کی یہ غلط بیانی یوں بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ سال نوماہ تک بااختیار خلیفہ رہے اور ان کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہوئے انہوں نے قرآن کو بدلنے کا کوئی حکم نہیں دیا۔ نہ ہی اپنی حکومت میں قرآن عزیز کا کوئی دوسرا صحیح نسخہ شائع فرمایا یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ پوری اسلامی قلمرو میں غلط اور محرف قرآن پڑھا جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموشی سے اسے گوارا کریں۔ (مختصر الفصل فی الملل والنحل ابن حزم، ج:۲۔ ص ۷۶۔ ۸۰)

حافظ ابن حزم نے قرآن عزیز کی حفاظت کے متعلق یہ بیان مسیحی اور روافض کی غلط بیانیوں کے متعلق لکھا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عرصہ تک شائع ہوتی رہیں، شیعہ چوں کہ مسلمان کہلاتے تھے، اور تقیہ کا رواج ان کے ہاں عام تھا اس لئے اس قسم کا مسموم لٹریچر رواۃ کی غلطی سے اہل سنت کی روایات میں بھی آگیا گو محدثین نے ایسی روایات کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے، اور ان کے کذب اور وضع کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ فن حدیث کے ماہر ان روایات اور آثار کی حقیقت کو سمجھتے ہیں لیکن علامہ ابن حزم نے اصولی اور واقعاتی جواب دیا ہے کہ اس عظیم الشان تواتر کے سامنے اس مشکوک ذخیرہ روایات کی کوئی اہمیت نہیں اس لئے جب تعارض ہی نہیں تو تطبیق اور ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (یعنی سبعہ اَحرف کی گھڑنت روایات کی کوئی حقیقت نہیں یونکہ یہ روایات نہ تو قرآن کریم میں ہیں اور نہ ہی قرآن کریم سے مطابقت رکھتی ہیں۔ صدیق)

سابقہ آسمانی کتابوں کی کیفیت:

قرآن عزیز حفظ اور تدوین کے بعد جس طرح تواتر سے منقول ہوا ہے اور جس طرح مسلمانوں نے اسے ہر دور میں حفظ کیا' لکھا، اور مشرق سے مغرب تک اس کی اشاعت کی' تمام دنیا مخالفت کے باوجود اس میں کوئی شبہ نہ پیدا کر سکی۔ قرآن مجید کے تحفظ کی یہ بین دلیل ہے، تورات اور انجیل واقعی آسمانی کتابیں ہیں۔ لیکن یہودی اور مسیح علماء ان کو صحیح طور پر محفوظ نہ رکھ سکے۔ تراجم کی کثرت اور مترجمین کے بے اعتدالیوں کی وجہ سے ان کے پاس کوئی مستند نسخہ نہ رہ سکا' موجودہ عہد جدید اور عہد عتیق پادری حضرات کی تبلیغی کوششوں میں ہی یکسر کھو گیا۔ پھر مسیحی فرقوں کے اختلافات نے اسے اور بھی نقصان پہنچایا۔ بائبل کی اصلاح اور حفاظت کے لئے جو کوشش کی گئی وہ بالآخر بائبل کی ترمیم اور تنسیخ پر منتج

ہوئی۔ کبھی حواشی آیات بن گئے اور کبھی آیات کو حواشی قرار دے دیا گیا۔ بائبل کا ایک طالب علم جب بائبل کی اس حیثیت پر غور کرتا ہے تو اسے حیرت ہوتی ہے، بائبل کی تاریخ پادریوں کی مساعی، مسیحی حکومتوں کے دینی رجحان، مشنریوں کے صدیوں کی دوڑ دھوپ کے باوجود بائبل محفوظ نہ رہ سکی۔ کروڑوں روپے اس کی خدمت کے لئے صرف کے گئے، بڑی بڑی بادشاہتیں صف بصف اپنے مادی وسائل کے ساتھ اس کی خدمت کے لئے میدان میں اتریں لیکن کوئی سفید نتیجہ بر آمد نہ ہو سکا، بلکہ شبہات اور زیادہ ہو گئے اور بائبل کی حیثیت آثار قدیمہ سے زیادہ نہ ہو سکی۔

مسیحی حضرات نے اس ناکامی کے بعد انتقامی انداز اختیار کیا۔ اور صدیوں کی مادی اور نظریاتی جنگ نے عصبیت کی صورت پیدا کر دی۔ مسیحی مشنوں نے منادی کرنی شروع کر دی کہ قرآن بھی غیر محفوظ ہے۔ اسی جنگ میں شیعہ حضرات سے ان کو مدد ملی (خیال رہے کہ اس وقت کے شیعہ یا روافض اصل میں پارسی مجوسی یعنی عجمی ہی تھے۔ بعد میں ان میں مسلمان بھی شامل ہوتے گئے اور یہ باقاعدہ ایک فرقہ اور اسلام کے خلاف ایک طاقت بنتے گئے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ اسلام کی پیٹھ میں ہمیشہ ایرانیوں یعنی مجوسی عجمیوں نے چھرا گھونپا ہے۔ علامہ اقبال اسی لئے کہا کرتے تھے کہ کاش ایران (پارس) مسلمان نہ ہوتا۔ صدیق) شیعی لٹریچر میں اس قسم کا مواد واقعی موجود بھی تھا، روافض کا سنجیدہ طبقہ گو اسے ناپسند کرتا ہے، لیکن ان کے ہاں جو مواد موجود ہے اس وجہ سے وہ مجبور ہو جاتے ہیں اس لئے مسیحی اور شیعہ اہل قلم قرآن کے خلاف اس جنگ میں ہم دوش کھڑے رہے۔ (کیا مصحف ابن ابی داؤد شیعوں کی کتاب ہے ؟۔ صدیق) (مذکورہ کتابچہ مقدمہ ترجمۃ القرآن۔ ص ۱۴۔ ۲۰)

اسی طرح موصوف ناظم اعلیٰ صاحب جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان قرآن عزیز کے طریق ہدایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"قرآن عزیز کا طریق ہدایت:

قرآن عزیز عموماً اصولی ہدایت دیتا ہے وہ فروع پر تفصیلی گفتگو نہیں کرتا نہ ہی کتب فقہ کی سطح پر اترتا ہے اخلاق میں اسے علم الاخلاق کی اصطلاحی موشگافیوں سے تعلق نہیں ہو تا وہ ہدایت کے موضوع سے ہٹنے نہیں پاتا، تاریخ امم اور انبیاء کی سیرت پر بحث کرتے ہوئے وہ مورخ کا مقام کبھی اختیار نہیں کرتا وہ دنیا کے واقعات اور تاریخ کی وادیوں میں ہدایت اور رہنمائی کے لئے ضروری بنیادی نکات کو نمایاں فرماتا ہے، اور تاریخی حوادث کی وضاحت میں اس کا زور ان ہی نکات پر ہوتا ہے جو نوع انسان کی رہنمائی میں مفید ہو سکیں۔ غرض قرآن عزیز ہدایت کے اصول اور بنیادی نکات کی وضاحت فرماتا ہے، لیکن اگر کسی فرعی معاملہ میں بھی لوگ ڈگمگا رہے ہوں اور زندگی کی صحیح راہوں سے ہٹ رہے ہوں تو وہاں فروع کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ مثلاً عرب معاشرے میں عورت کے ساتھ اس طرح معاملہ ہو رہا تھا کہ نکاح کے حقیقی فوائد اور ازدواجی زندگی کی برکات تقریباً ناپید ہو رہی تھیں۔ قرآن عزیز نے نکاح کے مسائل

طلاق، عدت اور نفقات کو فقہی انداز سے ذکر فرمایا، اور عورت کے حقوق کی پوری پوری نشاندہی فرمائی۔ میراث کے متعلق فرداً فرداً حصص کی تعیین کر کے اس ظلم کی بندش کے لئے زجر آمیز احکام نافذ فرمائے جیسا کہ آیت ذیل سے واضح ہے:-

تلك حدود الله ومن يطع الله ورسوله يدخله جنات تجري من تحتها الانهر خالدين فيها ذلك الفوز العظيم۔ ومن يعص الله ورسوله و يتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين۔ (النساء: ۱۴)

ترجمہ: یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اس کی اطاعت کرلے گا اسے دائمی جنت ملے گی جس میں نہریں بہتی ہوں گی اور یہ بے حد کامیابی کی بات ہے۔ اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں کو توڑ ڈالے وہ ہمیشہ آگ میں داخل رہے گا، اور اسے ذلیل کرنے والا عذاب نصیب ہو گا۔ (۱۴/۴)

اس آیت کریمہ میں افراد کے حصص کی تعین کے بعد انہیں حدود اللہ کے مساوی قرار دیا ہے اور ان کے توڑنے پر دائمی عذاب کی خبر دی ہے۔ غرض قرآن مجید عام طور پر اصول اور کلیات سے بحث کرتا ہے، لیکن اگر ہدایت کا تقاضا یہ ہے کہ کہیں فروع پر بھی بقدر ضرورت گفتگو کی جائے تو فروع میں بھی ہدایت کے فریضہ کی تکمیل فرماتا ہے۔" (مذکورہ کتابچہ۔ صفحہ ۱۰۔۱۱)

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نام نہاد احادیث قرآن کریم کی شرح کرتی ہیں ان کے لئے موصوف کا یہ بیان کہ "قرآن عزیز ہدایت کے اصول اور بنیادی نکات کی وضاحت فرماتا ہے" تازیانہ عبرت ہے؟ غور کیجئے کہ نام نہاد احادیث کی خود کی شرح اور شرحیں آج تک ہو رہی ہیں وہ قرآن کریم کی کیا شرح کرسکتی ہیں؟؟ جو خود واضح نہ ہو وہ کسی دوسرے کی کیا وضاحت کریں گی؟ کہاں عجمیوں کی گھڑنت اور کہاں اللہ رب العزت کا کلام؟ عجمیوں کی گھڑنت اللہ رب العزت کے کلام کی خاک کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں ہاں مُلّا کے لئے وہ مقدس ہو سکتی ہیں۔ تو وہ ملّا ہی کو مبارک ہو۔ ملّا عجمی گھڑنت میں تو کسی قسم کی تبدیلی، مثلاً: اعراب کی تبدیلی، الفاظ کی تبدیلی، الفاظ کا تقدم و تاخر، اسماء کا اختلاف، افعال کا اختلاف، الفاظ کی کمی و بیشی وغیرہ جیسی تحریف اور تحریف معنوی کرنے کا روادار نہیں مگر ظالم قرآن کریم یعنی کلامِ الٰہی میں ہر طرح کی لفظی و معنوی تحریف کر رہا ہے، اور وہ سب نام نہاد حدیث کے نام پر، مگر اسے کوئی پوچھنے والا نہیں!

سرپرستِ اعلیٰ ماہنامہ رُشد کے مطابق مراکش کے بادشاہ حسن ثانی نے انہیں اپنے ہاں بلایا تھا۔ وہاں رمضان المبارک میں ستائیسویں رمضان کو قرآن مجید ختم کرنے کے ساتھ اس کی متابعت میں بخاری شریف کے ختم کی تقریب بھی ہوتی ہے اور اس کا بہت اہتمام پورے مراکش میں ہوتا ہے[1] یہ دیکھ کر موصوف حیران تو ضرور ہوئے مگر شاہ حسن یا کسی مراکشی احبار و رہبان سے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ یا آقائی! یہ کونسی سنت ہے؟؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ختم بخاری شریف کی سنت شروع کی تھی یا صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے یہ سنت شروع کی تھی؟ کیا یہ ان کا قول یا فعل یا تقریر تھی؟؟ یا تابعینؒ یا تبع تابعین نے اس سنت پر عمل کر کے دکھایا تھا؟؟ یا ان کے بعد کسی عباسی یا فاطمی خلیفہ نے اس

[1] ماہنامہ رُشد قراءات نمبر حصہ اوّل، قرآن کریم کے متنوع لہجات اور ان کی حجیت، مضمون از حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب، سرپرستِ اعلیٰ ماہنامہ رُشد۔ ملخص از صفحہ ۴۰

سنت کو برقرار رکھا تھا؟ یا یہ تیسری چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کی سنت ہے؟ آزادانہ تحقیق کے مزاج والے[1] سرپرست اعلیٰ ماہنامہ رُشد کو کم از کم یہ تحقیق تو کر لینی چاہئے تھی کہ یہ سنت کس صدی اور کس خلیفہ کی پیداوار ہے۔ یونکہ کہتے ہیں کہ جب ہلاکو خان کی فوجوں نے بغداد پر حملہ کیا تو اس وقت وہاں ختم بخاری شریف ہر مسجد اور شاید دربارِ خاص میں بھی ہو رہا تھا۔ مگر چنگیزی فوجوں نے ' اپنے پڑوس بخارا کا بھی خیال نہ کیا' اور سب کے سر قلم کر کے اس کے مینار بنا دیئے! اسی طرح جناب ابو الکلام آزاد صاحب نے اٹھارویں کے اواخر کا ذکر تحریر کیا ہے کہ جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا تو مراد بک نے جامع ازہر کے علما کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے کہ انجاحِ مقاصد کیلئے تیر بہدف ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ لیکن ابھی صحیح بخاری کا ختم، ختم نہیں ہوا تھا کہ اہرام کی لڑائی نے مصری حکومت کا خاتمہ کر دیا! شیخ عبد الرحمٰن الجبرتی نے اس عہد کے چشم دید حالات قلمبند کئے ہیں وہ بڑے ہی عبرت انگیز ہیں۔ انیسویں صدی کے اوائل میں جب روسیوں نے بخارا کا محاصرہ کیا تھا تو امیر بخارا نے حکم دیا تھا کہ تمام مدرسوں اور مسجدوں میں ختم خواجگان پڑھا جائے۔ ادھر روسیوں کی قلعہ شکن توپیں شہر کا حصار منہدم کر رہی تھیں، ادھر لوگ ختم خواجگان کے حلقوں میں بیٹھے "**یا مقلوب یا مُحوِّل الاحوال**" کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ بالآخر وہی نتیجہ نکلا جو ایک ایسے مقابلہ کا نکلنا تھا جس میں ایک طرف گولہ بارود ہو' دوسری طرف ختم خواجگان (غبارِ خاطر از ابو الکلام آزاد۔ صفحہ ۱۷۰)

مراکش کے شاہ تو پھر شاہ ہی تھے وہ بخاری شریف کا ختم کراتے تھے' اگر وہ مشکوٰۃ شریف یا کسی اور عجمی کی کتاب کا ختم کرانے لگتے تو انہیں کون روک سکتا تھا۔ آخر ان پر کئی حملے بھی ہوئے مگر وہ باغیوں سے بچ بچ گئے اور اپنی مطلق العنانی مستحکم کرتے رہے۔ اگر وہ میکاولی کی دی پرنس (The Prince) ختم کرنے کا بھی حکم دیدیتے تو بچاری قوم اس پر بھی عمل کرتی رہتی۔ وہ خود تو مذہبی یا دیندار آدمی نہ تھے اس لئے انہیں کیا پتہ کہ بخاری شریف کیا چیز ہے اور وہ قرآن کریم کے برابر کیسے ہو سکتی ہے نہ ہی انہیں اسلام اور قرآن کے خلاف عجمی مجوسی، یہودی و عیسائی گٹھ جوڑ کی سازش کا علم تھا یا پھر وہ ان کے ایجنٹ تھے۔ جب ملّاؤں نے ان سے کہا ہو گا کہ رمضان میں خالق کے کلام کے ختم کے ساتھ بخاری شریف کا ختم بھی ہونا چاہئے یہ بھی بہت بابرکت کام ہو گا تو انہوں نے حامی بھر لی ہو گی تا کہ ملّا بھی خوش اور قومِ جاہلاں بھی خوش ہو جائے! انہیں کیا معلوم کہ کلامِ خالق کے ساتھ کلامِ عبد اور وہ بھی عجمی کلام کیسے برابر بٹھایا جا سکتا ہے یا شریک کیا جا سکتا ہے! اس سے بڑا شرک اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس سے بڑی بدعت اور کیا ہو سکتی ہے؟؟ اسی طرح جب ملّاؤں نے ان سے کہا کہ روایت وَرش کے لہجے میں' جو ہمارے ہاں کچھ لوگ تلاوت کرتے ہیں' اسے بھی لکھ کر شائع کرنا چاہئے اور اس کے لئے اپنا رسم الخط اختیار کرنا چاہئے تو انہوں نے کہا ہو گا کہ قرآن وغیرہ کی طباعت تو تم لوگ ہی کرتے ہو جو چاہو کرو بس میری بادشاہت کی مخالفت نہ کرو اور عطیات بھی لیتے رہو تو ملاؤں کو آزادی مل گئی کہ جو چاہیں کریں چنانچہ انہوں نے روایت وَرش طبع کرنا شروع کر دی جو پچھلے ساڑھے تیرہ سو سال میں کبھی طبع نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی عربی کے حروف تہجی کی علامات (نقاط) بدلنے کی کسی نے جرأت کی تھی۔ اس علاقہ میں جس کو آج ملّا مغربی کہہ رہا ہے وہاں تو صحابہ کرامؓ اور تابعین و تبع تابعین قرآن الحکیم لے کر گئے

[1] ماہنامہ رُشد قراءات نمبر حصہ سوم۔ انٹرویو صفحہ ۸۸۴، ۸۸۷ وغیرہ

تھے اور اصل حروف تہجی کے ساتھ ہی وہاں کے باشندوں کو سکھایا اور پڑھایا تھا پھر اس علاقہ میں تو حضرت معاویہؓ اور دیگر اموی خلفاء کی حکمرانی تھی، اس لئے وہاں تو حروف تہجی کی علامات بدلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یہ سب بعد کی عجمی سازش ہے! دشمنانِ قرآن اس سلسلہ میں پہلے کبھی کامیاب نہ ہو سکے تھے وہ اب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ مگر اس کامیابی کا سال رشدیوں نے نہیں لکھا۔ انہوں نے جو عکس رُشد کے حصہ اول میں دیئے ہیں ان میں سال طباعت کہیں نہیں لکھا تاکہ قوم کو دھوکہ میں رکھو! بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ یہ سازش شاہ مراکش حسن ثانی کے لمبے دَورِ اقتدار (۱۹۹۹ء۔ ۱۹۶۱ء) ہی میں کامیاب ہوئی۔

اسی طرح سے تیونس والجزائر میں ہوا ہو گا کہ شاہ محمد ہشتم کی جگہ تیونس کے پہلے صدر جناب حبیب بورقیبہ، جن کا دَورِ اقتدار خاصا لمبا ہے (۱۹۵۷ء سے ۱۹۸۷ء) کے دَور میں وہاں کے احبار ورہبان نے ۱۹۶۴ء میں روایت وَرش عن نافع کی طباعت کر ڈالی۔ اور اسے پڑوسی ملک الجزائر تک پھیلا دیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ الجزائر کے پہلے صدر احمد بن بیلا نے، جو کہ ایک سوشلسٹ (Socialist) تھے اس کی اجازت دی ہو گی ویسے بھی وہ صرف دو سال ہی صدر رہے (۱۹۶۵ء۔ ۱۹۶۳ء) حقیقت یہ ہے کہ ان صدور کو تو اپنے اپنے اقتدار کی پڑی تھی وہ ان دینی معاملات میں کہاں پڑنے والے تھے۔ اس لئے ملاؤں کو آزادی تھی کہ جو چاہیں کریں۔ بہر حال قرآن دشمنی میں کامیابی ہوئی ہے ''دوسری جنگِ عظیم کے بعد ہی''۔ یونکہ اس وقت تک جب جرمنی میں بیالیس ہزار قرآن کریم کے نسخے، تمام دنیا سے لے کر، جمع کئے گئے تھے تو روایت حفص کے علاوہ کوئی اور قراءت کے نسخے ہاتھ نہیں لگے تھے ورنہ وہ اسی وقت اعلان کر دیتے کہ قرآن ایک نہیں بلکہ اس میں بہت اختلافاتِ متن ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس ان کا اعلان یہ تھا کہ ہم قرآن کریم میں کوئی اختلاف نہیں پکڑ سکے، سوائے اِکّا دُکّا کتابت کی غلطی کے اس حقیقت کے بعد عجمی مجوسی، یہودی، عیسائی، ہندو گٹھ جوڑ کی سازشی اقدامات میں تیزی آگئی (جس کی زندہ مثال ''عیسائیت کی خفیہ سرنگ'' از محمد آصف دہلوی مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ کراچی ہے۔ دیکھئے آخر میں ضمیمہ جو کہ مختلف ناموں سے مختلف اداروں سے شائع ہو چکا ہے) اور وہ ۱۹۶۴ء میں تیونس سے روایت وَرش کی طباعت کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر آہستہ آہستہ مغربی ممالک ہی میں یہ سازش پھلتی پھولتی اور کامیاب ہوتی رہی کہ تیونس ہی سے ۱۹۸۱ء میں روایت قالون بھی طبع کر دی گئی[1]۔ پھر سوڈان سے ۱۹۷۸ء میں روایت دوری، لبنان سے ۱۹۹۰ء کے قریب روایت دوری[2] اور شام سے ۲۰۰۲ء میں روایت ورش طبع کر دی گئی۔ اس کے بعد پاکستانی ملاؤں نے سعودی عرب کے ملاؤں کے ساتھ سازش کر کے اکیسویں صدی کے تقریباً پہلے عشرہ میں سعودی عرب ہی سے روایات ورش (۱۹۹۶ء) دوری (۲۰۰۵ء) اور قالون (۲۰۰۶ء) بھی شائع کروا دیں۔ لیجئے اب دنیا والوں کے لئے ایک القرآن الکریم، الکتاب کے چار مختلف مصاحف تیار ہو گئے! تو اگر انجیلیں بھی چار ہیں تو کیا ہوا! اب کسی کو دنیا بھر سے بیالیس ہزار نسخے جمع نہیں کرنا پڑیں گے

یہاں یہ حقیقت بھی واضح طور پر بیان کرتا چلوں کہ مختلف چار قراءتوں کے چار مختلف مصاحف نہ صرف یہ کہ جنگِ عظیم دوم کے بعد (بلکہ آرتھر جافری صاحب کے بھی مرنے کے بعد) بلکہ مختلف مسلمان ممالک میں یورپ

[1] لیبیا میں روایت قالون، کرنل معمر قذافی کی حکمرانی میں ۱۹۸۳ء میں طبع کی گئی۔..... [2] دمشق سے ۱۹۹۹ء میں روایت دوری طبع کی گئی.....

کی دَورِ غلامی کے بعد، آزادی حاصل کرنے کے بعد ہی چودہ سو سال میں پہلی مرتبہ شائع ہو سکے۔ یعنی جو کام یورپ کے سیاست دان و حکمران اپنے دَور اقتدار میں نہ کر سکے وہ کام انہوں نے مسلمان یا نام نہاد مسلمانوں یعنی اپنی "مقتدرہ" کے ایجنٹوں سے کرا لئے۔ یعنی عجمی مجوسی "مقتدرہ" چودہ سو سال بعد اپنے مقصد و مشن میں کامیاب ہو گئی۔ جبکہ محقق رُشدی جناب حافظ محمد مصطفیٰ راسخ صاحب کے مطابق "چاروں روایات مختلف بلاد اسلامیہ میں متداول ہیں چنانچہ ان ممالک میں قرآن مجید کی طباعت بھی انہی روایات میں ہوتی ہے"۔[1] مزید فرماتے ہیں:

"بطور دلیل مختلف طباعتی اداروں کے زیرِ اہتمام ان متداول روایات میں مطبوعہ مصاحف کے ابتدائی صفحات کے عکس پیش خدمت ہیں' جن میں سے روایت قالون عن نافع کے پانچ (۵)، روایت ورش عن نافع کے بارہ (۱۲)، روایت دوری عن ابی عمرو بصری کے چار (۴) اور روایت حفص عن عاصم میں دو معیاری (۲) مصاحف کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روایات کس طرح اللہ کی حفاظت قرآن کے وعدے کے طور پر مسلسل طبع ہو رہی ہیں اور بیسیوں طباعت خانے اس سلسلے میں کروڑوں، اربوں کی تعداد میں ان روایات کو زیور طباعت سے آراستہ کر رہے ہیں۔"[2]

یہاں میں واضح کرتا چلوں کہ موصوف رُشدی صاحب کا اوپر کا بیان محض کذب بیانی ہے جیسا کہ میں اوپر ثابت کر چکا کہ یہ چار روایات جنگ عظیم دوم اور مسلمان ممالک کی یورپ کی غلامی سے آزادی کے بعد ۱۹۶۴ء اور اس کے بعد سازش کے تحت طبع ہونا شروع ہوئے۔ موصوف نے مختلف مصاحف کے ابتدائی صفحات کے جو عکس پیش کئے ہیں[3] ان میں بھی استادی کی ہے کہ بعض تو قرآن کریم کا عکس معلوم ہی نہیں ہوتا، بعض صرف چند سورتوں کے مجموعہ کا عکس ہے۔ کوئی صرف تعریفاتی صفحہ کا عکس ہے، کوئی سرِ ورق کے اندر کا عکس ہے اور کوئی ایسا عکس ہے جو پڑھا ہی نہیں جاتا کہ یہ کیا ہے۔ نیز ان پر سوائے چار کے سال طباعت بھی نہیں تحریر ہے۔ ان چار کا سال طباعت ۱۹۶۴ء، ۱۹۸۱ء، ۱۹۹۵ء اور ۲۰۰۲ء ہے۔ غرض یہ کہ موصوف نے عوام الناس کو صرف دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے جبکہ انہی کے رُشدی ساتھی جناب قاری محمد ادریس العاصم صاحب (مصنف کتب کثیرہ) اپنے مضمون میں لکھ چکے ہیں کہ "**مجمع الملك فهد لطباعته المصحف الشريف**" نامی ادارہ سعودی عرب کے شاہ فہد بن عبد العزیزؒ نے، مدینہ منورہ میں ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۴ء میں قائم کیا اور وہاں سے سب سے پہلے ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں پہلا سرکاری مصحف المدنیۃ النبویۃ شائع ہوا۔ پھر اس کے بعد روایت ورش (میرے مطابق، غالباً ۱۹۹۶ء میں) روایت دوری (میرے مطابق، غالباً ۲۰۰۵ء میں) اور روایت قالون (میرے مطابق، غالباً ۲۰۰۶ء میں) اور ان مصاحف کے علاوہ ایک مصحف پاکستان اور برصغیر پاک و ہند کے رسم وضبط کے مطابق بھی طبع کر دیا گیا۔ مگر موصوف نے ان مصاحف کی تاریخ طباعت جان بوجھ کر نہیں لکھی![4] اسی طرح سے ایک اور فاضل

---

[1] ماہنامہ رُشد قراءات نمبر حصہ اوّل۔ مضمون: "مروجہ قراءات قرآنیہ اور مطبوع مصاحف کا جائزہ از قاری حافظ محمد مصطفیٰ راسخ صاحب۔ رکن مجلس تحقیق الاسلامی۔ لاہور۔ صفحہ ۲۱۹..... [2] ایضاً۔ صفحہ ۲۱۹..... [3] ایضاً۔ صفحہ ۲۲۰ سے ۲۴۲ ..... [4] ایضاً۔ مضمون "مصحف المدینۃ النبویۃ کی اہمیت اور اس پر تحقیقی کام کا تعارف"۔ از قاری محمد ادریس العاصم صاحب۔ صفحات ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۹۱، ۵۹۲ ملخصاً

رُشدی صاحب (غالباً اس صدی کے ابنِ تیمیہ یا کم از کم رشدیوں کے حلقہ کے ابنِ تیمیہ) نے اپنے مضمون میں[1] تقریباً چودہ عکس، پہلی صدی ہجری سے بارہویں صدی ہجری کے طبع شدہ مصاحف کے دیئے ہیں مگر کہیں بھی وہ روایت حفص کے علاوہ کسی اور روایت میں طبع شدہ مصحف کا عکس پیش نہیں کر سکے۔ نہ ہی یہ ثابت کر سکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے مصاحف میں سے کوئی مصحف کہیں موجود ہے اور وہ روایت حفص سے مختلف کسی اور روایت میں لکھا ہوا ہے۔ نہ ہی وہ یہ ثابت کر سکے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت زیرِ تلاوت نسخہ جس پر خون کے قطرے گرے تھے کہیں موجود ہے۔ بلکہ انہوں نے صرف گمان ہی گمان کیا ہے۔ یونکہ پہلی صدی کا کوئی مصحف دنیا میں شاید کہیں محفوظ نہیں۔ حضرت عثمان کا نام نہاد نسخہ جس پر خون کے قطرے گرے تھے وہ بھی محققین کے نزدیک دنیا میں (۲۰ مقامات پر ہونے کے دعویٰ کے باوجود) کہیں موجود نہیں ہے۔ کاش کہ ماہنامہ 'محدث' کے نامور اسکالر، معروف کالم نویس، ماہنامہ رُشد کے لئے اپنا کالم لکھنے سے پہلے اوپر کے دورُشدی حضرات کے مضامین غور سے پڑھ لیتے تو شاید وہ اپنے کالم نہ لکھتے!

اسی طرح سے آزادانہ تحقیق کے مزاج والے ماہنامہ رُشد کے سرپرستِ اعلیٰ صاحب یہ تحقیق کر لیتے کہ یہ بخاری شریف، جس کا قرآن کریم کے ساتھ ساتھ ختم کرنا سنت ہے، کہاں سے آئی؟؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کسی صحابیؓ کو مثل قرآن لکھوائی تھی؟؟ اگر کسی صحابیؓ کو نہیں لکھائی تھی تو پھر، مشہور خبر کے مطابق، ڈھائی سو سال بعد بخاری صاحب کو کس نے لکھائی؟ بخاری صاحب کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا اصل نسخہ ٔ بے خطا کہاں ہے؟؟ اگر بخاری صاحب کا اصل نسخہ موجود نہیں تو پھر ان کے شاگرد خاص امام فبروری کا نسخہ اصل کہاں ہے؟؟ امام فبروری سے پہلے جو نوّے ہزار طالبان ان سے بخاری شریف پڑھ کر جا چکے تھے ان میں سے بھی تو شاید کسی امام جنوری نے کوئی نسخہ لکھا ہو اوہ کہاں ہے؟؟ امام فبروری کا اصل نسخہ بھی شاید موجود نہیں بلکہ ہم تک تو ان کے بہت بعد غالباً امام دسمبر ہی کا نسخہ پہنچا ہے۔ (یونکہ صحیح بخاری L. Krehl اور Th. W. Juyn boll کے توسط سے Leiden (ہالینڈ) سے شائع ہوئی۔ اسے صحیح بخاری کے نسخہ مرسیہ (اسپین) ۴۹۲ھ کے مطابق چھاپا گیا اور اس کا فرانسیسی ترجمہ ۱۹۲۸ء میں پیرس سے شائع ہوا تھا)[2] اس لئے یہ آزادانہ تحقیق کرنا چاہئے تھی کہ بخاری صاحب کے نسخہ "اَلْصحیحُ المُسنَدُ المختصر من ''اُمُور'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و ''اَیّامِہٖ'' سے یہ کتاب حدیثِ رسول اللہ سلامٌ علیہ کس طرح اور کس امام نے بنادی؟؟؟ پھر اس کو مقدس اور شریف بنانے کا سہرا کون سے امام کے سر ہے؟؟ پھر اس کو صحیح بخاری کا نام کس امام نے دیا؟؟ پھر اس کو اَصَحّ الکتٰب بعد کتاب اللہ کس امام نے کب قرار دیا؟؟ کب اور کس کس امام نے اس اُمُور والی کتاب کو قرآن حکیم پر قاضی قرار دیا؟؟ کس امام نے اسے صحیح السند و صحیح المتن قرار دیا؟؟ کس امام اسماء الرجال نے اس کے راویوں کو بے خطا یعنی معصوم قرار دیا؟؟ کس کس امام اسماء الرجال نے اس کے راویوں کی سو سو، دو دو، تین تین سو

[1] ماہنامہ رُشد قراءات نمبر سوم۔ مضمون "قدیم مصاحف قرآنیہ۔ ایک تجزیاتی مطالعہ" از حافظ محمد زبیر تیمی صاحب۔ ص ۷۹۵۔ ۸۰۵ ...... [2] درایت الحدیث، از حجتہ اسلام و المسلمین کاظم مدیر شانہ چی جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، پوسٹ بکس ۵۴۲۵۔ کراچی۔ مترجم: محمد حسن جعفری۔ طبع اوّل ۲۰۱۵ء۔ ص ۱۸

سال پہلے مری ہوئی (قبری) زندگیوں میں غوطہ لگا کر ان کے معصوم ہونے کی تصدیق کی ؟؟؟ کس امام حدیث نے ختم بخاری شریف کی سنت کو زندہ کیا یا ایجاد کیا ؟؟؟ یہ صرف بخاری شریف ہی کے ختم کی سنت کو کیوں ایجاد کیا، ختم مسلم شریف، ختم ابوداؤد شریف، ختم ترمذی شریف وغیرہ کی سنت کو کیوں نہیں حالانکہ وہ بھی سب عجمیوں ہی کی لکھی لکھائی کتابیں ہیں ؟؟ یہ بھی تحقیق طلب مسئلہ ہے کہ ان عجمیوں کو امام کس نے بنایا ؟؟؟ شیعہ حضرات تو اپنے اماموں کا ثبوت اپنے قرآن کے مطابق یا اس خاص قراءت کے مطابق پیش کرتے ہیں، جس کو شائع کرنے کی ہمت وہ آج تک نہیں کر سکے۔ مگر شاید اب چار قرآن یا بیس قرآن کے شائع ہونے کے بعد وہ بھی اپنی قراءت بہ آسانی اور جلدی ہی شائع کر دیں گے، یا ہو سکتا ہے کہ انہی بیس قراءتوں میں ان کی قراءت بھی شامل ہو یونکہ وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کی قراءت تو پہلے ہی روایت دوری کے نام سے شائع ہو چکی ہے، اور ان کے مذہبی بھائی سُنی حضرات بھی اس کو صحیح مانتے ہیں۔ اب متعہ کرنے کی روایت بھی شائع ہو جائے گی اور پھر اماموں والی قراءت شائع ہو جائے گی!

جب کہ شیعہ حضرات اپنے اماموں کا ثبوت اپنے قرآن یا قراءت سے دیتے ہیں (جیسا کہ ان کے تراجم و تفاسیر یا حاشیوں پر لکھا ہوتا ہے) تو آپ بھی ذرا اپنے اماموں کا ثبوت اپنے قرآن سے دیدیجئے! بیس قراءتوں میں سے کس قراءت میں ان کو امام بنائے جانے کا ذکر ہے ؟؟؟ یہاں یہ حقیقت نوٹ کرنے کی ہے کہ شیعہ حضرات بھی اپنے اماموں کی تعداد، بارہ [۱۲] یا تیرہ [۱۳] اپنے قرآن سے ثابت نہیں کر سکتے! جب کہ آپ کے تو امام ان گنت ہیں۔ تقریباً ہر عجمی مجوسی اور غیر عجمی منافق بھی آپ کے امام بنے ہوئے ہیں!

اسی طرح سے آپ کی بیس [۲۰] اور اسّی [۸۰] قراءات کے امام بنے ہوئے ہیں تو انہیں امام کس نے بنایا یہ تحقیق طلب مسئلہ ہے ؟؟ کیا انہیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی طرح، امام اللہ نے بنایا؟ یا رسول نے بنایا؟ یا خلفاءِ راشدین نے بنایا؟ یا خلفائے بنو امیہ؟ خلفائے عباسی، خلفائے فاطمی، خلفائے عثمانی نے بنایا؟؟ وہ اپنے اپنے اختیار کے تحت خود امام بن گئے ؟؟ جیسے کہ انہوں نے اپنے اپنے اختیار کے تحت سات قراءات کی دس، بیس اور اسّی قراءات ایجاد کر دیں ؟؟ یہ حقیقت بھی آزادانہ تحقیق طلب ہے کہ ان قراءات کے اماموں میں کوئی بھی صحابیؓ رسول کیوں شامل نہیں ہے ؟؟؟ شاید کوئی ایک آدھ تابعی ہے ورنہ تو تابعی بھی نہیں! یہ تبع تابعین اور ان کے بھی بعد کے صدیوں کے امام ہیں! ان میں سے کتنے عربی اور کتنے عجمی مجوسی النسل شامل ہیں ؟؟؟ یہ حقیقت بھی تحقیق طلب ہے کہ نام نہاد احادیثِ رسول اور نام نہاد منزّل شدہ قراءاتِ قرآن لکھنے یا جمع کرنے کا ٹھیکہ صرف عجمیوں ہی کو کیوں اور کس نے دیا ؟؟؟ اور اب بیس قراءات لکھ کر چودہ سو سال بعد طبع کرنے کا ٹھیکہ رُشدیوں کو کس نے دیا؟؟؟ ہمارے خیال میں تو یہ سارا کام (مجوسی، یہودی، عیسائی و ہندو۔ جس میں پارس کے بہائی بھی شامل ہیں) عجمی "مقتدرہ" کا ہے جو اپنے مقصد و مشن میں اب تقریباً چودہ سو سال بعد کامیاب ہو سکی ہے۔ خیر اب دیکھتے ہیں کہ آپ کی آزادانہ تحقیق کا کیا نتیجہ نکلتا ہے ؟ شاید آپ کا نتیجہ یہی ہو گا کہ انہیں یہ عجمی 'مقتدرہ' کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ یہ تو مسلمانوں کے اپنے مذہبی و مقدس لٹریچر اور بالخصوص بارہ رُشدی محققین کا کارنامہ ہے جو اسلامی تاریخ کا پہلا کارنامہ ہے!

اس بات کی بھی آزادانہ تحقیق ہونا چاہئے کہ آزادانہ محقق صاحب کے والد بزرگوار، جو کہ صحیح بخاری کے پہلے

چھ پاروں کے حافظ صاحب بھی تھے، جو جناب بخاری صاحب کو مجتہد عالم[1] قرار دیتے تھے، وہ کہاں تک حقیقت ہے؟؟ کیا اور کوئی عربی یا عجمی بھی مجتہد عالم گزرا ہے یا اب موجود ہے؟ کیا مجتہد عالم کا عہدہ یا منصب بھی امام کے منصب کی طرح قرآن کریم کی کسی قراءت سے ثابت ہے؟ یا کسی نام نہاد حدیث سے ثابت ہے؟ یا اپنے اپنے، عجمی مجوسی، اختیار کے تحت خود ساختہ ہے؟ کیا مجتہد عالم بھی اماموں اور راویوں کی طرح معصوم عن الخطاء ہوتا ہے؟ اسماء الرجال کے بڑے بڑے اماموں نے اِن بڑے بڑے مجتہدین و محدثین کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ کیا انہوں نے یہ تحقیق کی تھی کہ ان عجمیوں میں سے کون کون یہودی النسل، عیسائی النسل، یا مجوسی النسل تھا؟؟ کیا ان کا اسلام قبول کرنا منافقانہ تھا یا خلوص نیت سے تھا؟؟ یہ بھی آزادانہ تحقیق ہونی چاہئے کہ قرآن کریم کی طرح، **مثلہٗ و معہٗ**، بخاری شریف کے تیس پارے کس نے بنائے تھے؟؟ یہ پارسی حرف "پ" یا پارہ یا سپارہ تو عربی کا حرف و لفظ ہی نہیں جب کہ قرآن کریم تو عربی میں نازل ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عجمیوں ہی کی برکت تھی کہ انہوں نے بخاری شریف عربی و فارسی زبان میں لکھ کر اس کے پارے بنا دیئے اور پھر مسلمانوں کو قرآن کریم کی طرح بخاری شریف کے پارے حفظ بھی کرانا شروع کر دیئے! اور اس طرح انہوں نے ایک اور سنت ایجاد کر دی! اس لئے یہ تحقیق ہونا چاہئے، بالکل آزادانہ، کہ بخاری شریف حفظ کرنے کی سنت کس امام نے کب اور کہاں ایجاد کی؟؟

ماہنامہ رُشد کے سرپرست اعلیٰ جناب عبد الرحمٰن روپڑی ثم مدنی صاحب نے آزادانہ تحقیق "اصول الاجتہاد فی الجامع الصحیح للامام البخاریؒ" پر کر کے اور مقالہ لکھ کر Ph.D کی ڈگری حاصل کی (مگر کہاں سے یہ معلوم نہیں!) اور اس طرح بخاری پر ڈاکٹر بھی ہو گئے! اب یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے کیا آزادانہ تحقیق کی اور کیا نتیجہ نکالا؟ آیا کہ بخاری صاحب کو مجتہد عالم بر قرار رکھا یا اس سے بھی اوپر امام یا رسول کا درجہ دے دیا۔ یا خدا ہی بنا دیا! (خیال رہے کہ پارس میں خدا ہی ہوتا تھا اور اب بھی ہے) کتنا اچھا ہوتا کہ اگر وہ بخاری صاحب کے اجتہاد کے اصول (بخاری شریف کے بارے میں) پر آزادانہ تحقیق کے بجائے ان کے اصولِ حدیث معلوم کرنے کے لئے آزادانہ تحقیق کرتے کہ ان کے اصولِ حدیث کیا تھے جن کے مطابق انہوں نے چھ لاکھ نام نہاد احادیث میں سے تقریباً سات ہزار احادیث کا چناؤ کیا؟؟ وہ اصول حدیث انہوں نے اپنی صحیح بخاری شریف میں کس کونے میں لکھے تھے؟ جبکہ صحیح مسلم شریف میں تو امام صاحب نے اپنے بنائے ہوئے اصول شروع ہی میں مقدمہ میں لکھ دیئے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے بعد والے اماموں نے ان کی کتاب سے وہ اصول حدیث غتربود کر دیئے ہوں؟ یا پھر انہوں نے کوئی اصول بنائے ہی نہیں تھے بلکہ عجمی استخارہ کے بَل بوتے پر نام نہاد احادیث جمع کرتے رہے! خیر اگر بخاری شریف کے کسی کونے میں نہیں (وہ تو اصل کتاب ویسے بھی موجود نہیں، امام فبروری سے امام دسمبر تک کافی لمبا سفر رہا ہوگا اس میں کیا کیا تبدیلیاں نہیں کر دی گئی ہوں گی؟) تو ان کی کسی اور کتاب ہی میں سے تحقیق کر کے ان کے اصول نکال دیجئے تو شاید کچھ بات بن جائے۔ مگر خیال رہے کہ اپنے سلف کی طرح خود ساختہ اصول نہ بتائیں کہ یہ شیخین کے اصول ہیں۔ یعنی امام مسلم صاحب کے خود ساختہ اصول حدیث کو امام بخاری صاحب پر فِٹ نہ کریں۔ یوں کہ امام مسلم نے خود (بقول مولانا تقی الدین ندوی مظاہری صاحب کے) یہ فرمایا:

[1] ایضاً۔ انٹرویو۔ صفحہ ۸۸۵

"ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا، میں نے تو یہاں صرف ان احادیث کو درج کیا ہے، جن کی صحت پر شیوخ وقت کا اجماع ہے[1](خیال رہے کہ "شیوخ وقت کے الفاظ مسلم صاحب کے نہیں بلکہ مولانا مظاہری صاحب کے اپنے ہیں۔ میرے خیال سے وہ اس قسم کی تحریفِ عبارت کے عادی ہیں۔ انہوں نے اپنی اسی کتاب میں الجامع الصحیح البخاری کے نام میں بھی تحریف کی ہے۔ اس کے لئے شاید وہ معذور ہیں)۔ مسلم صاحب کے اپنے الفاظ ہیں **ھٰھُنَا مَا اَجْمَعُوا عَلیہِ**۔ یعنی جو سب کے نزدیک صحیح ہیں۔ آگے مظاہری صاحب اس کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں:

شیخ ابن صلاح وغیرہ نے اجماع سے اجماع عام سمجھا اس لئے ان کو امام مسلم کے اس دعوے کی صحت کے متعلق سخت اشکال ہوا۔ لیکن امام مسلم کی مراد اجماع سے اجماع عام نہیں بلکہ اس دور کے بعض خاص مشہور شیوخ وقت کا اجماع ہے، چنانچہ علامہ بلقینی نے اس سلسلہ میں، امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، عثمان بن ابی شیبہ، اور سعید بن منصور خراسانی، ان چار آئمہ کے نام گنا کر لکھا کہ امام مسلم کی مراد اجماع سے ان چار حضرات کا اجماع ہے[2](بحوالہ تدریب)

غور کیجئے کہ کتنا مضحکہ خیز عقیدہ ہے کہ چار آدمیوں کا اجماع!! یہ ہیں سابق استاذ حدیث، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو، صحیح مسلم کے شارح (کتنی مشکل کتاب تھی اور بالخصوص یہ الفاظ **ھٰھُنَا ما اَجمَعُوا عَلَیہِ** کے اس کی شرح ایک اور امام نووی کو کرنا پڑی! یعنی قرآن کی شرح اور پھر اس شرح کی شرح! کتنا زبردست مضحکہ خیز عقیدہ ہے!!) امام نووی اپنی مختصر شرح میں فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے امام مسلم رحمتہ اللہ کی اس کتاب پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں اکثر وہ احادیث ہیں جن پر جمہور کا اتفاق نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم میں جتنی احادیث درج ہیں امام مسلم کے نزدیک ان سب پر جمہور کا اتفاق ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امام مسلم اسباب وعلل میں دوسروں کی تقلید نہیں کرتے تھے"۔[3]

اب فیصلہ قارئین خود کریں کہ کس کی بات صحیح ہے؟

آگے موصوف مظاہری صاحب "تخریج روایت کے شرائط" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"صحاح ستہ کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں تخریج کے شرائط نہیں بیان کئے البتہ ان کے مطالعہ کے بعد اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے"[4](بحوالہ بستان)

میں موصوف کے اس بیان سے اتفاق نہیں کرتا یونکہ صحاح ستہ کے سب مؤلفین نہ سہی، کچھ نے تو کچھ نہ کچھ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب التشہدُ فی الصلوٰۃ ...... 2۔ "محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے" از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری۔ مجلس نشریات اسلام۔ ا۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد، کراچی ۱۹۸۲ء۔ صفحہ ۱۷۶...... 3۔ 'صحیح مسلم شریف' مع مختصر شرح نووی مترجم از علامہ وحید الزماں صاحب۔ ناشر خالد احسان پبلشرز۔ لاہور۔ ۱۹۸۱ء۔ جلد دوم۔ کتاب الصلوٰۃ، باب تشھد فی الصلوٰۃ۔ حاشیہ بر صفحہ ۳۱...... 4۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے۔ صفحہ ۱۸۲

شرائط بیان کئے ہیں بلکہ روایتوں کی قسم تک لکھ دی ہے، سوائے بخاری صاحب کے یونکہ شاید انہوں نے اپنے اختیار کے تحت جو چاہا لکھ دیا۔ آخر کو مجتہد عالم جو ٹھہرے! بعد میں ان کے خلفِ رشید محض اندازہ یا قیاس ہی سے کہتے رہے کہ یہ بخاری کی شرط پر صحیح روایت ہے۔ ظالمو! اللہ کی مخلوق کو اپنے اپنے اختیار اندازوں و قیاس کے تحت کیوں دھوکہ دیتے ہو ؟؟ ذرا "تحقیقی ذہن کے مالک کو" اس سلسلہ میں آزادانہ تحقیق تو کر لینے دو کہ مجتہد عالم صاحب کے تخریج روایت یعنی کسی روایت کو صحیح قبول کر کے کتاب میں جمع کرنے کے اصول یا شرائط کیا تھے، یونکہ انہوں نے اپنی کتابِ روایت یا کسی اور کتاب میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ شاید وہ اپنے اختیار یا اجتہاد ہی سے روایات جمع کرتے رہے۔ اپنی اسی کتاب میں ایک اور مقام پر مظاہری صاحب فرماتے ہیں:

"شروط الائمہ پر علماء نے مستقل کتابیں (اپنے اپنے قیاس اور اختیار سے۔ صدیق) لکھی ہیں۔ محمد بن طاہر مقدسی فرماتے ہیں کہ ان ائمہ یعنی بخاریؒ و مسلمؒ اور سنن اربعہ کے مصنفین میں کسی سے بھی تخریج روایات میں ان کے شرائط منقول نہیں۔ بلکہ ان کی کتابوں کے مطالعہ سے ان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے (بحوالہ شروط الائمہ صفحہ ۱)"[1]

موصوف مولانا مظاہریؒ صاحب اپنی کتاب میں "اس تصنیف میں اہتمام" کے تحت فرماتے ہیں:

"اس تصنیف میں امام بخاری نے سولہ[16] سال صرف کئے۔ .... ابن طاہر نے کہا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کو بخارا میں تصنیف کیا، ابن بجیر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بصرہ میں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تصنیف ہوئی (بحوالہ عمدۃ القاری، جلد ۱۔ صفحہ ۵) لیکن خود امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے "الجامع الصحیح" کو مسجد حرام میں تصنیف کیا، (یہ بیان کہاں ہے؟۔ صدیق) اور ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے استخارہ کر کے دو رکعت نماز پڑھتا تھا، اور جب اس کی صحت پر پوری طرح انشراح ہو جاتا تھا، اس وقت حدیث کو کتاب میں جگہ دیتا تھا۔ اس اہتمام کی وجہ سے لوگوں کا قول ہے کہ امام بخاری نے گویا براہِ راست حضور ﷺ سے سنا۔

کان البخاری فی جمعہ تلقّٰی من المصطفٰے ما اکتسب (بحوالہ ارشاد الساری ص ۲۰)[2]

غور کیجئے کہ ایک عجمی کو کس طرح اوپر چڑھایا جا رہا ہے گویا کہ وہ صحابی ہو گیا!! جبکہ یہ بھی تصدیق نہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب کو کہاں تصنیف کیا؟ ان کا خود کا بیان بے حوالہ ہے کہ انہوں نے "**الجامع الصحیح**" کو مسجد حرام (یعنی مکہ معظمہ) میں تصنیف کیا! آگے دیکھئے کہ موصوف مظاہری صاحب کیا فرماتے ہیں:

"بخاری نے تراجم کو نبی کریم ﷺ کے مزار مبارک اور منبر شریف کے درمیان مسودہ سے بیضہ میں منتقل کیا تھا اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھتے تھے"۔ (بحوالہ مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۹۱)[3]

غور کیجئے کتنا بڑا تضاد یا اختلاف یا عوام کو دھوکہ دینا ہے کہ بخاری صاحب خود فرماتے ہیں کہ انہوں نے الجامع الصحیح کو مسجد حرام یعنی مکہ معظمہ میں تصنیف کیا مگر ان کے شارح حافظ ابنِ حجر صاحب اس مشکل کو حل کرتے ہیں یا اس کی شرح بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے تراجم کو نبی کریم سلامٌ علیہ کی مزارِ مبارک (یعنی مدینہ منورہ میں) اور مسجد نبوی

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۵۲ ......۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۴۹۔ ۱۵۰......۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۵۰

کے منبر شریف کے درمیان مسودہ سے بیضہ میں منتقل کیا۔ اور ہر ترجمہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اس مشکل کا حل یا شرح ان کے کافی بعد کے ایک خلف جناب مولانا تقی الدین ندوی مظاہری صاحب اسی مقدمہ فتح الباری (صفحہ ۴۹) کے حوالہ سے کرتے ہیں:

"مقام تصنیف کے بارہ میں جو متعدّد مقامات بیان کئے جاتے ہیں ان میں حافظ ابنِ حجر نے یہ تطبیق دی ہے (بخاری کے تقریباً چھ سو سال بعد۔ صدیق) کہ تصنیف کا ابتدائی خاکہ اور ترتیب و ابواب تو مسجد حرام میں لکھ لئے تھے، اور مختلف مقامات پر احادیث کی تخریج فرماتے رہے۔ تراجم ابواب کے مسودہ کو مزارِ مبارک اور ممبر شریف کے درمیان بیضہ میں تبدیل فرمایا"۔[1]

یہاں شارح صاحب نے یہ واضح نہیں فرمایا، یا تطبیق نہیں دی کہ دو رکعت نماز، ہر ترجمہ کے لئے، کہاں پڑھتے تھے آیا کہ بخاری صاحب کے اپنے بیان کے مطابق مسجد حرام میں یا حافظ ابنِ حجر صاحب کے مطابق مسجد نبوی میں۔ یا دونوں مقامات پر؟؟ چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ انہوں نے دونوں مقامات پر دو دو رکعت فی ترجمہ روایت ادا کی۔ اس طرح پہلے ہم پہلے مقام یعنی مسجد حرام پر تبصرہ کرتے ہیں:

"امام صاحب خود فرماتے تھے کہ "مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں اور اس جامع صحیح کو میں نے چھ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے" (بحوالہ مقدمہ ارشاد الساری۔ صفحہ ۲۹۰)[2]

آیئے امام صاحب کے اپنے بیان کی صداقت پر غور کرتے ہیں کہ انہوں نے چھ لاکھ نام نہاد حدیثوں سے، (حافظ ابن حجر صاحب کے مطابق بخاری کی روایات کی مجموعی تعداد ۹۴۰۷ ہے[3]) مسجد حرام میں 'الجامع الصحیح' کا مسودہ تیار کیا، تو گویا کہ اس طرح انہوں نے چھ لاکھ مرتبہ استخارہ کیا!! یہ کونسا استخارہ تھا؟ یا کیسے ہوتا تھا کہ سولہ سال میں چھ لاکھ مرتبہ بآسانی ہو گیا اور ۹۴۰۷ × ۲ = ۱۸۸۱۴ رکعات بھی ادا ہو گئیں اور پھر مسجد نبوی میں بھی ۱۸۸۱۴ رکعات مسودہ کو بیضہ میں منتقل کرنے میں ادا ہو گئیں۔ گویا کہ اس طرح سولہ سال ہی میں ۱۸۸۱۴ + ۱۸۸۱۴ = ۳۷۶۲۸ رکعات پڑھیں !! آیئے اب ذرا حساب لگا لیتے ہیں۔ ہجری سال کے مطابق ۱۶ سال میں دن ہوئے: ۱۶ × ۳۵۵ = ۵۶۸۰۔ اب اگر روزانہ ایک استخارہ کیا جاتا تو اتنے دنوں میں کیا ۹۴۰۷ روایتیں لکھی جا سکتی تھیں؟ غور کیجئے کہ یہ کونسا استخارہ تھا جو ایک دن میں ایک سے زائد مرتبہ کیا جا سکتا تھا؟ ہو سکتا ہے کہ یہ عجمی مجوسی استخارہ رہا ہو کہ آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھی بند کر کے صرف اک ایک انگلی کو نکال کر ہاتھوں کو پھیلایا جائے اور پھر انگلیاں ملانے کی کوشش کی جاوے۔ اگر انگلیاں مل گئیں تو ٹھیک ورنہ استخارہ ناکام ہو گیا! امید ہے کہ رُشد کے سرپرست اعلیٰ صاحب اس مسئلہ پر بھی آزادانہ تحقیق کریں گے یا کرائیں گے کہ یہ استخارہ کونسی قسم اور کونسی نسل کا تھا اور کس کی سنت تھا؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کچھ لکھانے سے پہلے استخارہ کرتے تھے؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کسی جنگ پر جانے سے پہلے یا لشکر بھیجنے سے پہلے استخارہ فرماتے تھے؟ کیا خلفائے راشدین یا صحابہ کرام کسی کام کے کرنے سے پہلے استخارہ فرما کر دو رکعت نماز ادا کرتے تھے؟ کیا تابعین حضرات اس سنت پر عمل کرتے تھے؟ یا پھر بخاری صاحب نے خود اپنے (مقتدرہ

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۰...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۴۰ ...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۵......

سے ملے ہوئے) اختیار کے تحت یہ سنت ایجاد کی اور امت میں جاری کرادی؟ آپ کہیں گے کہ یہ سنت نہیں رسول سلامٌ علیہ کے زمانہ میں نہ تو بخاری صاحب کے جدِّ اعلیٰ نے اسلام قبول کیا تھا نہ بخاری صاحب پیدا ہوئے تھے نہ ہی ان کی بخاری شریف وجود میں آئی تھی، تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ نہ سنتِ رسول سلامٌ علیہ ہے نہ سنتِ صحابہؓ ہے تو اسلام میں نئی ایجاد بدعت ہی تو ہوئی! پھر آزادانہ تحقیق کیجئے کہ اسلام میں ختم بخاری شریف کی بدعت کس نے ایجاد کی؟؟ ختمِ مسلم شریف وغیرہ کیوں نہیں؟ اب ذرا اس مدحتِ بخاری کے دوسرے حصہ پر بھی نظر ڈال لیجئے، کہ ۱۶ سال میں سے کتنے دن بخاری صاحب مسجدِ نبوی میں رہے کہ ۱۸۸۱۴ رکعات ادا کر کے ۷۰۹۴ روایتیں سورہ سے بیضہ میں منتقل کیں؟؟؟ تحقیق کیجئے، شاید ڈاکٹر خلیفہ رشاد کی طرح کوئی حل مل جائے! موصوف بخاری صاحب کی ایک اور مدحت فرماتے ہیں کہ:

”امام بخاری ۱۳ شوال نماز جمعہ کے بعد ۱۹۴ھ میں بخارا (یعنی پارس۔ صدیق) ہی میں پیدا ہوئے، بچپن میں نابینا تھے، (شاید مادرزاد اندھے ہی پیدا ہوئے تھے۔ صدیق) لیکن والدہ کی دعا کی برکت سے آنکھیں روشن ہو گئیں۔ امام صاحب کی والدہ نے جب ان کے لئے دعا کرنا شروع کی تو خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، آپؑ نے فرمایا کہ تمہاری کثرت دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لڑکے کی بینائی واپس کر دی، اس خواب کی صبح کو وہ واقعی بینا ہو گئے۔ (بحوالہ مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴۵۸)۔“[1]

ظاہر ہے کہ اس قسم کی مدحت، تقریباً ۶۰۰ سال بعد، امام حافظ ابنِ حجر عسقلانی صاحب ہی لکھ سکتے تھے یونکہ وہ بھی تو آخر عسقلان یعنی پارس ہی کے پیداوار تھے! غور کیجئے کہ حافظ صاحب کی تحقیق کے مطابق، امام بخاری کی والدہ نے دعا کرنی شروع کی تو (فوراً ہی) خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا! یعنی ڈائریکٹ ان کا تعلق بجائے خاتم الرسل سلامٌ علیہ کے ابو الانبیاء سے ہو گیا! (میرے خیال سے اگر یہ مدحت جناب امام ابو حنیفہ کی کی جاتی تو بات بھی بن سکتی تھی یونکہ امام ابو حنیفہ یہودی النسل تھے تو ان کے معاملہ میں خاتم الرسل کو چھوڑ کر ڈائریکٹ ابو الانبیاء سے تعلق پیدا کرنا سمجھ میں آتا ہے۔ مگر امام بخاری تو مجوسی النسل تھے ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تعلق؟ شاید یہ ان کو اور اوپر اُٹھانے کی کوشش تھی۔ خیر یہ تحقیق کیجئے کہ امام بخاری صاحب کی والدہ محترمہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہچانا کس طرح ہو گا؟ یونکہ وہ تو وہ ان کے آباء و اجداد میں سے بھی کسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کبھی نہ دیکھا تھا! اب آزادانہ تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ جس کسی کو آپ نے کبھی زندگی میں بہ نفس نفیس نہ دیکھا ہو اس کو خواب میں دیکھ کر کیسے پہچانا جا سکتا ہے؟؟ نیز یہ کہ وہ آپ کے خواب میں آئے گا ہی کیوں؟؟ کیا یہ کسی انسان کے بس کی بات ہے کہ وہ کسی کے خواب میں آ کر کوئی خبر من و عن دیدے یا کوئی خوشخبری دیدے؟؟ اس طرح کے سچے خواب تو صرف انبیاء کرام اور بالخصوص محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ہوتے تھے تو پھر یہ ایک مجوسی النسل مادر زاد اندھے کی ماں کو کیسے ایسا من و عن خواب آ گیا؟؟ یقیناً یہ ان کو نبی سلامٌ علیہ کے ہمسر کرنے کی کوشش تھی! اور یقیناً اس قسم کی کوششیں عجمی مجوسی پروپیگنڈے / سازش کا حصہ تھیں اور ہیں۔

آگے دیکھئے، ہمارے موصوف مظاہری صاحب امام بخاری صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں:

”سولہ سال کی عمر میں امام موصوف نے عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا تھا“[2]

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۳۷...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۳۷

”علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے سب سے پہلے سماع حدیث ۲۰۵ھ میں شروع کیا اور اپنے شہر کے شیوخ سے استفادہ کرنے کے بعد ۲۱۰ھ سے انہوں نے سفر کا آغاز کیا، اس سلسلہ میں نیشاپور (یعنی پارس ہی کے ایک مشہور شہر۔ صدیق) کا بھی سفر کیا تھا اور وہاں بھی کچھ دنوں مقیم رہے تھے (بحوالہ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲)“[1]

بات کتنی صاف ہے کہ امام بخاری صاحب نے ۲۰۵ھ یعنی ۱۱ سال کی عمر سے سماعِ حدیث شروع کیا اور ۲۱۰ھ یعنی ۱۶ سال کی عمر میں سفر شروع کیا اس دَوران وہ احادیث کی سماعت کر کر کے سولہ سال کی عمر تک عبد اللہ بن مبارک اور امام وکیع کی (احادیث کی) کتابوں کے حافظ صاحب بن چکے تھے۔ موصوف نے یہ کہیں ذکر نہیں کیا کہ کیا انہوں نے قرآن کریم کی بھی تلاوت یا سماعت کی تھی اور اس کو بھی حفظ کیا تھا؟؟ خیر، ان کی قرآن دشمنی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے کہ وہ حافظ حدیث بن گئے، حافظِ قرآن نہیں! مزید یہ بھی ثابت ہو گیا کہ (بجائے قرآن کریم کے) نام نہاد احادیث کی تلاوت و سماعت اور حفظ کی سنت یا بدعت شروع کرنے اور جاری کرنے والے یہی حضرت امام بخاری صاحب ہی تھے! انہی کی اتباع میں ہمارے رُشدیوں کے سرپرست اعلیٰ صاحب کے والد بزرگوار نے بخاری کے چھ پارے حفظ کئے تھے!

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ موصوف رشدیوں کے سرپرست اعلیٰ صاحب، آزادانہ یہ تحقیق کرائیں یا کریں کہ 'بقول انہی حضرات کے' ”وحی غیر متلو“ کی تلاوت کس نے شروع کی اور کس نے جاری کی؟؟ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری کے علاوہ کوئی اور نکل آئے!

یہ امر بھی آزادانہ تحقیق طلب ہے کہ وحی غیر متلو کو حفظ کرنے کی سنت کس نے شروع کی؟؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنے سے پہلے انبیاء کی (نعوذ باللہ) نام نہاد احادیث کی سماعت فرما کر حفظ کیا کرتے تھے؟ کیا صحابہ کرام، رسول کی تلاوت کی ہوئی نام نہاد احادیث کی سماعت فرما کر انہیں حفظ کر لیا کرتے تھے جبکہ نام نہاد احادیث رسول کا اس وقت کوئی وجود ہی نہ تھا۔ جیسا کہ میں پیچھے ثابت کر چکا۔ اس وقت تو رسول اللہ سلامٌ علیہ صرف اَحسن الحدیث کی تلاوت فرما کے سماعت کرواتے تھے اور صحابہ کرامؓ اس احسن الحدیث کو حفظ کیا کرتے تھے۔ تو بعد میں نام نہاد احادیثِ رسول گھڑ گھڑ کر تلاوت کرنے، سماعت کروانے اور حفظ کرنے کی سنت یا بدعت کس نے ایجاد کی؟؟ آگے ہمارے موصوف مظاہری صاحب امام بخاری صاحب کے غیر معمولی قوتِ حافظہ کی مدحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”امام موصوف نہایت قوی الحافظہ تھے۔ استاد سے جو حدیث بھی سنتے فوراً زبانی یاد ہو جاتی' (مگر آیاتِ قرآنی، شاید، کانوں میں نہیں پڑتی تھیں اور نہ حلق سے نیچے اُترتی تھیں۔ صدیق) کہا جاتا ہے کہ بچپن ہی میں ان کو ستّر ہزار ..... حدیثیں یاد تھیں، جس کتاب پر ایک نظر ڈال لیتے تھے، وہ حافظہ میں محفوظ ہو جاتی تھی“[2]

گویا کہ امام صاحب کو بچپن ہی میں ستّر ہزار حدیثیں یاد تھیں! اب یہ پتہ نہیں کہ ان کا بچپن کب شروع ہوا تھا ۱۱۔۱۶ سال کی عمر کے دَوران یا پہلے، شاید جب بچپن میں وہ نابینا تھے۔ اکثر نابیناؤں کو، ہمارے معاشرہ میں، قرآن حفظ کرا دیا جاتا ہے، ہو سکتا ہے اس زمانہ کے پارس میں یہ رسم نہ شروع ہوئی ہو بلکہ ' وہاں نابیناؤں کو بچپن ہی میں نام نہاد احادیث حفظ کرا دی جاتی ہوں! اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، بلکہ آزادانہ تحقیق طلب ہے کہ بچپن میں امام صاحب کو جو

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۸ ......۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۴۰

ستّر ہزار ''....'' نام نہاد احادیث حفظ کرادی گئی تھیں، یا نابینا پن ہی میں وحی غیر متلو کی تلاوت کرواکر سماعت سے حفظ ہو گئی تھیں، وہ سب بخاری کی شرط پر صحیح احادیث تھیں یا گھڑی گھڑائی تھیں؟ ساتھ ساتھ یہ آزادانہ تحقیق بھی ہو جائے کہ صحیح احادیث کی کل تعداد کتنی ہے؟ کیا وہ ہزاروں اور ستر ہزار تک پہنچتی بھی ہیں یا یہ محض ڈرامہ ہے؟

یہاں یہ امر بھی آزادانہ تحقیق طلب ہے کہ عربوں میں سے، جن کا قوی اور زبردست حافظہ بھی مشہور ہے، ایسے حافظہ والا کوئی نابینا بچہ کیوں نہیں پیدا ہوا' یہ پارس ہی میں اور وہ بھی مجوسی خاندان میں کیوں پیدا ہوا؟ جس نے ایک لاکھ صحیح اور دولاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد کیں[۱]؟

اب ذرا یہ عجمی و مجوسی النسل ہونے پر بھی غور کر لیجئے تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔ چنانچہ ہمارے موصوف جناب مظاہری صاحب ''پیدائش اور ابتدائی حالات کے تحت رقم طراز ہیں کہ:

''امام بخاری ۱۳ شوال نماز جمعہ کے بعد ۱۹۴ھ میں بخارا ہی میں پیدا ہوئے۔'' [۲]

یہ بخارا شریف اس زمانہ کے پارس ایمپائر ہی کا شمالی علاقہ تھا اس لئے عرب اس کو عجم کہتے تھے۔ اور چونکہ پارس کا مذہب مجوسیت تھا اس لئے وہاں کے لوگ عجمی مجوسی کہلاتے تھے۔ وہ ایک اللہ کے قائل نہیں تھے بلکہ دو خداؤں کے قائل تھے اسی لئے وہاں بعد میں بھی یعنی اسلام کے پھیلنے کے بعد بھی (اللہ کو نہیں پکارا گیا بلکہ خدا ہی کو پکارا گیا یا علی کو! اور آج تک پارس میں (چونکہ عربی میں ''پ'' نہیں ہوتا اس لئے عرب اس کو فارس کہتے تھے گویا کہ پارس کی عربی لہجہ میں قراءت فارس تھی۔ البتہ یہ مجھے نہیں پتہ کہ اگر، نعوذ باللہ قرآن کی طرح 'پارس' میں 'پ' کے تین نقطے نہ لگائے جائیں تو ملّا لوگ یا رُشدی حضرات اس کو کیا پڑھیں گے؟) ان کی 'پارسی زبان' جو کہ عربی لہجہ / قراءت کی وجہ سے 'فارسی زبان'، بنگئی اور فارسی زدہ دیگر پڑوسی ممالک میں (یعنی افغانستان، ہندوستان اور پاکستان میں) اللہ کو خدا ہی کہا اور لکھا جاتا ہے اور اسی پر اصرار کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ قران کریم میں بھی ترجمہ کرتے ہوئے اللہ کا ترجمہ خدا کیا جاتا ہے !جبکہ اب پارس والوں نے جو چھوٹا ہو کر ایران بن گیا ہے' اپنا شناختی نشان 'اللہ' ہی رکھا ہے، گو کہ وہ بھی سُن سنیوں کو محض دھوکہ دینے کے لئے رکھا ہے اور اسے پانچ ٹکڑوں میں لکھتے اور چھاپتے ہیں جو میں نہیں لکھ سکتا۔ خیر آگے دیکھئے کہ ہمارے موصوف نے امام بخاری کے نام ونسب کے بارے میں کیا تحریر فرمایا ہے:

''سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَرْدِزْبَہ۔ بَرْدِزْبہ مجوسی تھے اور اسی مجوسیت پر ان کا انتقال ہوا۔ (غور کیجئے کہ اگر اس نام پر ملّاؤں کے مطابق نقطے نہ لگائے جائیں تو اسے ''بَرْدِزْبہ'' آپ کیا پڑھیں گے؟ بس یہ ہے وہ حملہ جو قرآن کریم پر کیا گیا تھا، اور آج مّلا خود اس کی زَد میں آ گیا! صدیق) ان کے صاحبزادہ مغیرہ پہلے شخص ہیں جو امیر بخارا] اَیمان جُعفی کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئے، اسی نسبت سے امام موصوف جُعفی مشہور ہو گئے، ورنہ جُعف خاندان سے ان کا کوئی تعلق نہیں'' [۳]

غور کیجئے کہ امام بخاری کے جدِّ امجد مجوسی ہی رہے اور مجوسیت ہی پر مر گئے، اسلام قبول نہیں کیا! البتہ ان کے دادا مغیرہ صاحب نے امیر بخارا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلام قبول کیا، یعنی وہ بالمشافہ سرکاری سرپرستی میں آ گئے یا پھر

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۴۰...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۷ ......۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۳۶، بحوالہ تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۱۵۰

سرکار کو زیرِ اثر کر لیا................... !! مجوسیت کے بارے میں، موصوف مظاہری صاحب ہی اکیلے لکھنے والے نہیں بلکہ اوروں نے بھی یہی لکھا ہے۔ مثلاً اطہر بن جعفر اطہر الحق صاحب مرحوم نے بھی اپنی کتاب میں الجامع صحیح بخاری کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ:

"امام الحدیث المعروف امام بخاری کا پورا نام محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَرِدزِبہ تھا امام بخاری کے جدِّ اعلیٰ، بَرِدزِبہ' مجوسی تھے۔ ان کے بیٹے مغیرہ نے بخارا کے امیر جعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس طرح یہ مجوسی النسل خاندان دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا"[1]

مزید دیکھئے کہ پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری صاحب امام بخاری کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، امیر المؤمنین فی الحدیث وناصر الاحادیث النبویہ وناشر المواریث المحمدیہ لقب (شاید صرف رسول اللہ یا خدا ئے (نام نہاد) حدیث لکھنا رہ گیا۔ صدیق) سلسلہ نسب یہ ہے ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن مغیرہ بن برزویہ (ابراہیم کا نام لکھنے سے رہ گیا اور جدِ اعلیٰ کے نام میں بھی شاید غلطی ہوئی۔ صدیق) برزویہ فارسی الاصل تھا اور اپنے آبائی مذہب پر تھا (آبائی مذہب کا نام مجوسیت لکھنے میں شرم آئی۔ اس لئے نہیں لکھا! صدیق)، مغیرہ یمان جعفی (جعفی یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے) حاکم بخارا کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ (بحوالہ حجتہ اللہ البالغہ)"[2]

اب آزادانہ تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ مجوسی النسل خاندان دائرہ اسلام میں مخلصانہ داخل ہوا تھا یا منافقانہ؟ کہیں یہ مجوسی "**مقتدرہ**" کی طرف سے حاکم بخارا کی خدمت میں تو نہیں بھیجا گیا تھا کہ اس کی قربت حاصل کر کے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے؟ حاکم بخارا یمنی تھا۔ کیا پتہ وہ یہودی النسل ہو اور مقتدرہ ہی کا آدمی رہا ہو۔ یہ بھی تحقیق ہونا چاہئے۔ نیز غور طلب امر یہ ہے کہ بخارا میں کیا اس وقت کوئی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی بزرگ نہ تھا جس کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا جاتا، یہ ڈائریکٹ حاکمِ وقت کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا شکوک وگمان کے دروازے کھولتا ہے۔ اس لئے اس امر پر بھی آزادانہ تحقیق ہونا چاہئے تاکہ اصل حقیقت کا پتہ لگے کہ یہ انوکھا مجوسی عجمی خاندان یا اس کا ایک فرد اتنی بلندیوں پر کیسے پہنچا دیا گیا؟؟ ان بلندیوں پر جہاں نہ کوئی تابعی پہنچ سکا، نہ صحابی اور نہ رسول، بلکہ اسے سب پر امام، اور معصوم عن الخطا اور مجتہد عالم قرار دیدیا گیا حالانکہ وہ بھی جامع روایات ہونے کے ساتھ ساتھ ایک راوی ہی تھا! اور راوی کوئی بھی ہو غلطی کر سکتا ہے، اس لئے دین کا دارومدار، راوی یا راوی کی سماعت اور روایت پر نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ دین کا مدار تو متشابہ آیات پر بھی نہیں بلکہ محکم آیات، آیاتِ بینات پر ہے۔ اسی لئے کسی بھی دینی عقیدہ کا مدار قرآن کریم کی محکم آیات پر ہے، غیر القرآن پر نہیں، چاہے اس کے لئے ملّا جی، امام و مجتہدین کتنی ہی روایات گھڑتے رہیں۔ میرے اس جملہ پر بُرا نہ مانیں، یہ تو آپ ہی کے محدث امام مسلم نے اپنی الجامع الصحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں صالحین اور اَھل الخیر کو اتنا جھوٹا کسی بات میں نہ پائے گا جتنا حدیث کی روایت

[1] تدوین قرآن حدیث اور تاریخ، حصہ دوم۔ "تدوینِ حدیث" از اطہر بن جعفر اطہر الحق۔ ناشر زاویہ تحقیق وتنقیہ علما (ٹرسٹ) ۲۲۶۔E، ڈیفنس ویو۔ شہیدِ ملت روڈ کراچی۔ ۲۰۰۸ء۔ صفحہ ۶۸..... [2] تاریخ الحدیث از پروفیسر عبدالصمد صارم الازہری، مکتبہ معین الادب، اردو بازار، لاہور۔ ۱۹۶۳ء۔ صفحہ ۲۱۷

کرنے میں۔(مقدمہ، باب الکشف عن معایب رُواۃِ الحدیث........... جلد ا)یعنی نام نہاد حدیث کی روایات گھڑنے اور ان کو آگے روایت کرکے پھیلانے کی سازش میں صالحین اور اہل الخیر جیسے لوگ شامل تھے تو پھر غیر صالحین و غیر اہل الخیر یا نو مسلمین اور منافقین و "مقتدرہ" کے ایجنٹ حضرات کیا کر رہے تھے؟

ان جملے معترضہ کے بعد اب اپنے مقام پر آنے یا آگے بڑھنے سے پہلے ایک دو لطیفوں سے بھی لطف اندوز ہو لیجئے، یہ صحت کیلئے اچھا ہے۔ چنانچہ جناب مظاہری صاحب فرماتے ہیں کہ:

ا۔ "صحیح بخاری کا امراض و مصائب، دشمنوں کے خوف و غلبہ کی گرانی وغیرہ میں پڑھنا تریاق مجرب ہے"[1](شاید اسی وجہ سے بغداد پر ہلاکو خان کے حملہ کے وقت اور مصر پر نپولین کے حملہ کے وقت تمام علماو مشائخ وملّا ختم بخاری کر رہے تھے! جب وحی غیر متلو کی تلاوت کی جائے گی تو پھر یقیناً دشمنوں کے خوف و غلبہ کی گرانی سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جائے گی۔ جب ہی تو ہلاکو خان نے بغدادیوں کے سروں کے مینار کھڑے کر دیئے تھے! اب یہ تحقیق توزُشدیوں کے سر ہے کہ وحی غیر متلو کو پڑھنے یا تلاوت کرنے کی سنت کس نے زندہ کی؟ صدیق)

۲۔ "ابوزید مروزی فرماتے ہیں کہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سویا ہوا تھا کہ خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا، اے ابوزید! امام شافعی کی کتاب کا درس کب تک دوگے؟ (اس طرح امام شافعی کی کتاب کی تو جڑ کٹ گئی! صدیق) میری کتاب کا درس آخر کب دوگے؟ انہوں نے عرض کیا حضور، آپؐ کی کونسی کتاب ہے؟ فرمایا محمد بن اسمٰعیل البخاری کی "الجامع الصحیح""[2](بحوالہ مقدمہ فتح الباری صفحہ ۵۷۷)۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات کون کہہ سکتا ہے سوائے حافظ ابن حجر عسقلانی کے:

یہ ابوزید مروزی کون صاحب ہیں، غالباً بَرذِبہ یا زوطی وغیرہ قسم کا نام ہے اور عجمی ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہودی یا مجوسی النسل بھی ہوں اسی لئے وہ خانہ کعبہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان سو رہے تھے۔ لوگ تو اس مقام پر طواف کرتے ہوتے ہیں اور نوافل پڑھتے ہیں یا دعائیں کرتے ہیں مگر مروزی صاحب وہاں سوئے پڑے تھے کہ آنحضرت سلامٌ علیہ کی زیارت ہوئی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت کو پہچانا کیسے جبکہ انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا؟ نہ ہی ان کا کوئی مجسمہ (مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام) یا تصویر دیکھی تھی۔ تو پہچان کیسے ہو سکتی تھی؟ رُشدی محققین یقیناً یہ جواب دیں گے (ہمیشہ کی طرح) کہ شیطان تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی شکل میں آ ہی نہیں سکتا! اس لئے خواب میں وہ یقیناً رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی تھے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود بھی کسی کے خواب میں نہیں آسکتے۔ ان کی اس قسم کی کوئی صفت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نہیں بتائی۔ بلکہ عجمیوں کی جمع کردہ نام نہاد احادیث میں بھی رسول سلامٌ علیہ کی ایسی کوئی صفت نہیں بتائی گئی کہ فوت ہونے کے بعد بھی وہ دنیا یا دنیا والوں کے معاملات میں شریک اور دخیل رہیں گے۔ ہاں یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ کسی نیک بندہ کو رسول کی زیارت خواب میں کرادے۔ اسی طرح سے نہ شیطان ہی کو قدرت ہے کہ وہ کسی کے خواب میں آجائے، اور اگر آ بھی جائے تو کس شکل میں آئے گا؟ اس کی اصل شکل کس نے دیکھی ہے؟ اس لئے ہو سکتا ہے کہ کسی ملّا کی شکل میں

[1] محدثین عظام اور اُن کے علمی کارنامے از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری۔ صفحہ ۱۵۶...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۱

آجائے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے جو اس کو قدرت یا طاقت دی ہے اس سے وہ صرف ورغلا سکتا ہے یا وسوسے ڈال سکتا ہے، بہکا سکتا ہے یا صراط مستقیم سے ہٹا کر صراطِ ملّا پر چلا سکتا ہے۔ مگر خواب میں نہیں آسکتا۔ اور مروزی صاحب کو بھی محض شیطانی گمان ہوا، کیونکہ انہوں نے شیطانی کام کیا تھا کہ خانہ کعبہ کے ساتھ بجائے عبادت کے سو رہے تھے۔ اور شاید چونکہ مجوسی النسل تھے اس لئے انہیں الجامع الصحیح ہی کا گمان ہوا۔ اور ان کے شیطانی وسوسہ کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ اپنی روایت میں لفظ انہوں نے عرض کیا حضور آپ کی کتاب کونسی ہے؟ یہ لفظ 'انہوں نے'' تو کسی تیسرے آدمی کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ پھر ان کا اپنا بیان نہیں بلکہ گھڑا گھڑایا ہوا بیان ہے، اس لئے محض دھوکہ ہے۔ نیز یہ کتنی عجیب حقیقت ہے کہ اللہ کا رسول، جو کتاب ان پر نازل ہوئی ہے، اسے اپنی کتاب نہ کہے بلکہ اپنے دو تین چار صدیوں بعد کسی عجمی مجوسی النسل شخص کی کتاب کو اپنی کتاب کہے! (خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ رسول یوم قیامت یہ شکایت کریں گے کہ ان کی امت نے قرآن کو مہجور کیا ہوا تھا۔ (۲۵/۳۰) سیدھی سی بات ہے کہ اگر یہ رسول کی اپنی کتاب تھی تو اس کو اپنی حیات طیبہ ہی میں کیوں نہیں لکھوا کر اس کا درس شروع کرا دیا تھا؟ یہ کام عجمی مجوسیوں کے لئے کیوں چھوڑ دیا تھا کہ وہ صدیوں بعد اسے لکھیں اور پھر اس کا درس دیں؟ یہاں اس لطیفہ سے، خود بخود، یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رسول کے صدیوں بعد بھی بخاری شریف کا درس نہیں ہوتا تھا اور مروزی صاحب بھی صدیوں بعد کے افراد میں سے ہیں۔

۳۔ ''حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: بخاری شریف کے پڑھنے سے قحط سالی دُور ہو جاتی ہے، اور قحط کے زمانے میں اس کے ختم کی برکت سے بارش کا نزول ہوتا ہے'' (بحوالہ ارشاد الساری جلد ا۔ صفحہ ۲۹)[۱]

مقدس کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں، ایک مرتبہ، کسی علاقہ میں قحط پڑ گیا تو آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بارش کے لئے دعا کروائی! قطع نظر روایت کی صحت کے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ختم بخاری شریف کیوں نہیں پڑھوائی؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی برکت اور مستجاب الدعا ہونے سے کیوں محروم رکھا؟ اب آپ کے اپنے ملک میں سندھ کے علاقہ تھر میں، اکثر خشک سالی سے قحط پڑتا رہتا ہے، جیسا کہ آج کل بھی ہے۔ تو یہ ظالم ملّا بجائے سیاست لڑانے کے بخاری شریف کیوں نہیں پڑھواتے کہ وہاں قحط ختم ہو جائے؟؟

۴۔ ''ایک محدث نے اس کو ایک سو بیس '۱۲۰' مرتبہ مختلف مقاصد کے لئے پڑھا، اور ہر مرتبہ کامیابی ہوئی''[۲] (بحوالہ اتحاف النبلا صفحہ ۴۰ اولامع صفحہ ۲۴)

یقیناً یہ محدثین ہی کی ایجاد ہے اور وہی اس سے فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں۔ اور اگر فائدہ نہ بھی اُٹھایا تو ایسا لکھنے میں کیا حرج ہے آخر صالح اور اہل الخیر حضرات ہی اس قسم کا جھوٹ بولتے اور لکھتے رہے ہیں۔ (بحوالہ، مقدمہ صحیح مسلم شریف)

آیئے اب میں آپ کو ایک اور راز کی بات بتاتا چلوں کہ اطہر الحق صاحب مرحوم نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب امام بخاری صاحب اپنی کتاب الجامع الصحیح بخاری مکمل طور پر نہیں لکھ پائے

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۵۱......۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۵۱

تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"امام بخاری اپنی کتاب حتمی طور پر مرتب نہ کر پائے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ (خیال رہے کہ امام بخاری صاحب کا انتقال دوران سفر سمرقند (پارس) کے قریب ۲۵۶ھ میں ہوا۔[1] اس کے معنی اس وقت وہ مدینہ منورہ میں اپنی کتاب نہیں لکھ رہے تھے! صدیق) اس امر کی تصدیق حسب ذیل امور سے ہوتی ہے:

(۱)۔ حافظ ابو الولید باجی نے اپنی مشہور کتاب "اسماء الرجال بخاری" کے مقدمہ میں ابو اسحٰق مستملی کا حسب ذیل بیان نقل کیا ہے: "ابو ذر ھروی نے بیان کیا کہ ہمیں ابو اسحٰق نے بتایا کہ میں نے الجامع الصحیح بخاری کو اس کے اصل مسودہ سے کہ جو محمد بن یوسف الفربری کے پاس تھا نقل کیا، میں نے دیکھا کہ اصل نسخے میں بعض چیزیں ناتمام ہیں اور بعض چیزوں کی تبیض ہو چکی ہے، چنانچہ بعض تراجم ابواب ایسے تھے کہ ان کے نیچے کچھ درج نہ تھا اور بعض احادیث ایسی تھیں کہ ان پر ابواب درج نہ تھے۔ (یعنی کام، کسی سازش کے تحت، باقاعدہ پلاننگ سے ہو رہا تھا کہ اصل اسلام کو جتنا کہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ نے وحی متلو' کے تحت بتایا تھا، وحی غیر متلوء سے بدل دیا جائے یا کم از کم اس میں شکوک و شبہات پید کر دیئے جائیں۔ صدیق) پس ہم نے ان میں بعض کو ساتھ ملا کر لکھ لیا"۔

(۲) ابو الولید باجی نے لکھا ہے کہ ابو اسحٰق مستملی کے درج بالا بیان کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ابو محمد سرخسی، ابو اسحٰق مستملی، ابو الہثیم کشمینی، ابو زید مروزی نے جو الگ الگ صحیح بخاری کے نسخے مرتب کئے تھے ان میں باہم تقدیم اور تاخیر کا اختلاف ہے جب کہ ان سب نے ایک ہی نسخے سے نقل کیا ہے۔ یہ اختلاف اس لئے ہوا کہ مذکورہ حضرات میں سے جس نے جو کچھ کتاب کے حاشیہ پر یا اس کے ساتھ کسی کاغذ پر لکھا پایا (شکر ہے کہ وہ کاغذ یا کتاب میں لکھا ہوا تھا۔ مثل قرآن کریم چھلکوں، ٹھیکریوں اور ہڈیوں پر لکھا ہوا نہ تھا۔ آخر کو یہ عجمی کی کتاب تھی اور وہ خالق بزرگ کی کتاب تھی جس کے لکھنے کو کچھ میسر نہ تھا، معاذ اللہ، جبکہ توریت، انجیل اور زبور سینکڑوں سال پہلے سے لکھی ہوئی آ رہی تھیں، بخاری شریف کی طرح وہ حفظ نہیں کی جاتی تھیں! صدیق) اس نے اپنی صوابدید (یعنی عطا کردہ 'اختیار' کے مطابق۔ صدیق) اسے جہاں سمجھا اپنے نسخے میں لکھ لیا۔ چنانچہ آپ ان نسخوں میں دیکھیں گے کہ دو یا دو سے زائد ترجمۃ الباب یکجا لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی حدیث درج نہیں ہے۔ (اس لحاظ سے تو یہ معیاری کتاب نہ ہوئی! نیز یہ کہ وہ چاروں نسخے اب کہاں ہے؟۔ صدیق)

(۳)۔ امام ابن ماجہ اور علوم حدیث کے مصنف مولانا عبد الرشید نعمانی نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ 'امام بخاری کی اس کتاب کو اگرچہ ہزاروں آدمیوں نے سُنا تھا (یعنی وحی غیر متلوء کی تلاوت کی جاتی تھی اور ہزاروں آدمی لاؤڈ سپیکر پر اسے سنتے تھے یعنی وحی غیر متلوء کا تلاوت و سماعت کا فعل ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور پھر اس کا حفظ بھی کیا جا رہا تھا۔ صدیق) لیکن امام بخاری کے جن شاگردوں سے (یعنی خاص خاص لوگوں

[1] تدوین قرآن حدیث اور تاریخ حصہ دوم تدوین حدیث، از اطہر بن جعفر اطہر الحق صاحب مرحوم۔ ۲۸

سے ورنہ سننے والے تو ہزاروں تھے! صدیق) صحیح بخاری کی روایات کا سلسلہ چلا وہ چار حضرات تھے:(۱)۔ ابراہیم ابن معقل بن الحجاج النسفی متوفی ۲۹۴ھ (یعنی وہ امام بخاری صاحب کے بعد(۲۹۴۔۲۵۶) = ۳۸ سال تک زندہ رہے۔ گویا کہ وہ جوان تھے جب انہوں نے امام بخاری کی شاگردیٔ خاص اختیار کی تھی۔ صدیق)۔(۲)۔ حماد بن الشاکر النفسی متوفی ۳۳۱ھ (یعنی امام بخاری صاحب کے بعد(۳۳۱۔۲۵۶) = ۷۵ سال تک زندہ رہے۔ جبکہ انہوں نے ۲۴۸ھ سے پہلے امام بخاری سے سماعت کی تھی اس طرح وہ (۸+۷۵) = ۸۳ سال زندہ رہے۔ گویا کہ انہوں نے شاید پیدا ہوتے ہی یا پیدائش سے پہلے ہی شاگردیٔ خاص اختیار کرلی تھی۔ صدیق)۔ (۳)۔۔ محمد بن یوسف الفربری متوفی ۳۲۰ھ (یعنی وہ شاگرد خاص، امام بخاری صاحب کے بعد(۳۲۰-۲۵۶) = ۶۴ سال تک زندہ رہے۔ جبکہ انہوں نے امام بخاری سے سماعت آخری بار ۲۵۲ھ میں کی تھی، جس کے معنی وہ(۶۴ + ۴) =۶۸ سال تک زندہ رہے، تو یقیناً انہون نے بھی شاید پیدائش کے فوراً بعد یا پیدائش سے پہلے ہی شاگردیٔ خاص اختیار کرلی تھی! صدیق)۔(۴)۔ ابو طلحہ منصور محمد علی البذودی متوفی ۳۲۹ھ (یعنی امام بخاری صاحب کے بعد(۳۲۹- ۲۵۶)= ۷۳ سال تک زندہ رہے جبکہ انہون نے بھی سماعت ۲۴۸ھ سے پہلے کی تھی تو اس طرح سماعت کے بعد وہ ۷۳ + ۸ = ۸۱ سال زندہ رہے اس کے معنی انہوں نے بھی شاگردی شاید پیدا ہوتے ہی یا پیدائش سے پہلے ہی اختیار کرلی تھی! صدیق)، ان میں سے محمد بن یوسف الفربری کے نسخے میں ابراہیم بن معقل بن الحجاج کے نسخے سے تین سو روایات زیادہ ہیں اور حماد الشاکر النسفی کے نسخے سے دو سو روایات زیادہ ہیں۔ مذکورہ نسخوں کے درمیان تعداد احادیث کا اختلاف اس وجہ سے ہوا کہ فربری نے خود امام بخاری سے صحیح بخاری کو دوبار سنا ہے (یعنی غیر متلوء وحی کی تلاوت و سماعت دوبار فرمائی۔ صدیق) اور آخری بار ۲۵۲ ہجری میں بخارا جاکر امام بخاری کے انتقال سے قریباً تین سال قبل یعنی ان کی زندگی کے آخری ایام میں سُنا جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے ابتدائی حصہ میں اپنا سلسلہ سند مذکورہ چاروں حضرات تک بیان کرکے لکھا ہے کہ محمد بن یوسف الفربری نے امام بخاری سے کتاب الجامع الصحیح البخاری کا سماع دوبار کیا، ایک بار ۲۴۸ ہجری میں جب امام بخاری فربر میں مقیم تھے۔ دوسری بار ۲۵۲ ہجری میں خود بخارا جاکر۔ اس روایت کے مطابق فربری نے امام بخاری سے ان کے دَور میں روایات سُن کر لکھیں جبکہ ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی اور حماد بن الشاکر النسفی نے امام بخاری سے احادیث کا سماع اس سے قبل کے دَور میں کیا تھا، اس لئے ان دو حضرات کے نسخوں میں تعداد روایات کم ہے اور فربری کے نسخے میں زیادہ، کیونکہ اس وقت تک امام بخاری نے مزید روایت جمع کرکے مسودہ میں تحریر کرلی ہوں گی"[1](اس کے لئے یقیناً وہ بذریعہ ہوائی جہاز مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہوں گے تاکہ استخارہ کرکر کے، مزار مبارک اور ممبر شریف کے درمیان دو دو رکعت نماز پڑھ کر اپنی کتاب میں درج کریں! صدیق)

یہاں میں یہ بھی بڑھاتا چلوں کہ استاذی جناب سید مسعود احمد صاحب مرحوم (امیر جماعت المسلمین) بحوالہ

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۷۴۔۷۵

امام ابن حجر فرمایا کرتے تھے کہ امام فبر وری سے پہلے نوّے ہزار افراد صحیح بخاری سُن کر جا چکے تھے!

واللہ اعلم ان کا کیا حشر ہوا، ایمان سالم رہا یا نہیں، یا انہوں نے بھی کوئی نسخے مرتب کئے یا نہیں؟ خیر آپ اوپر کے اطہر الحق صاحب مرحوم کے اقتباس پر غور کیجئے کہ اس قسم کی کوئی کتاب معیاری ہو سکتی ہے جبکہ شاگردان خاص نے اپنی پیدائش کے فوراً بعد یا پیدائش سے پہلے ہی سماعت فرمالی ہو (ان حضرات کی تاریخ پیدائش و تاریخ وفات پر تحقیق رُشدی محققین کے لئے چھوڑ دیجئے)۔ مزید یہ بھی غور کیجئے کہ اوپر کے اقتباس میں نمبر (۲) کے تحت لکھے ہوئے چار افراد کے، الگ الگ، صحیح بخاری کے نسخے نمبر (۳) کے تحت لکھے ہوئے چار مخصوص شاگردوں کے نسخوں کے علاوہ اور مختلف کیوں تھے؟ پھر اب وہ آٹھوں نسخے کہاں ہیں؟؟ امام بخاری نے اگر کوئی نسخہ اتنی زیادہ مشقت کے بعد لکھا تھا تو وہ کہاں ہے؟؟ اسے تو سونے کے تاروں سے باندھ کر کسی بڑے عجائب گھر میں رکھنا چاہئے تھا تاکہ اگر وحی غیر متلوء کی تلاوت و سماعت و حفظ نہ کر سکیں تو کم از کم اس کی زیارت سے تو مستفیض ہو سکیں۔ اور مشرف بہ عجمی مجوسی اسلام ہو جائیں۔

رشدی محققین، یقیناً یہ جواب دیں گے کہ رسول اکرم سلامٌ علیہ کا وحی متلوء کا لکھا، یا لکھایا ہوا نسخہ بھی تو اب موجود نہیں۔ تو ہمارا جواب ہو گا کہ وہ کیسے موجود رہ سکتا تھا وہ تو ٹھیکریوں، چھلکوں اور ہڈیوں اور پتوں پر لکھا ہوا تھا۔ ٹھیکریاں ٹوٹ پھوٹ گئیں، چھلکے اُڑ گئے اور ہڈیاں امتدادِ زمانہ سے گل گئیں اور پتے بکری کھا گئی اور پھر آپ ہی کے محققین کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلا کر ختم کر دیا تھا۔ تو پھر آپ ہی بتا دیں کہ بخاری کا اصل نسخہ جو (اصلی ولایتی) کاغذ پر لکھا ہوا تھا اور محمد بن یوسف الفربری کے پاس تھا[1] کہاں گیا؟ یا کس خلیفہ یا امام یا مجتہد نے جلا کر ختم کر دیا؟

اس موقعہ پر جناب اطہر الحق صاحب مرحوم ہی کی کتاب سے ایک آدھ اقتباس اور پیش خدمت ہے:

”اتفاق سے صحاح ستہ میں شامل کتب حدیث کی بھی یہی صورت ہے۔ آج جسے ہم صحیح بخاری یا صحیح مسلم وغیرہ کہتے ہیں وہ نقل در نقل سے وجود میں آنے والے نسخے ہیں، ان کے اصل نسخے ناپید ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں جبکہ اصل نسخہ موجود نہ ہو۔ نقل شدہ نسخے کے متعلق حتمی طور پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ نقل مطابق اصل ہے یا نہیں۔ اصل نسخہ کی غیر موجودگی میں نقل کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا اور موازنہ کے بغیر یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اصل اور نقل میں کہاں اور کیا فرق وارد ہوا ہے یا اصل اور نقل کے درمیان ایک حرف کا بھی فرق نہیں ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اسلام دشمن تحریک نے خلفائے راشدین کے دَور میں منظم طور پر افواہ سازی اور فتنہ پردازی کی جو مہم شروع کی تھی اس مہم نے بعد میں روایت سازی اور تحریف کتب پر اپنا پورا زور صرف کیا۔ اس صورت میں ان کتب کی نقول کے لئے شک وشبہ کا عنصر بڑھ جا ہے جن کے مصدقہ اصل نسخے موجود نہیں ہیں۔ مذکورہ بالا کتب حدیث کے موجود نسخوں کے مطابق اصل ہونے کا دعویٰ صرف تذکروں کی شہادت پر قائم ہے۔ جبکہ بیشتر کتب حدیث کے قلمی نسخوں کا باقاعدہ باہمی موازنہ بھی نہیں کیا گیا۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے حدیث قبول کرنے کے لئے حدیث پر صحابہ اور تابعین کے عمل کی بھی شرط لگائی تھی (یہاں ثابت ہو گیا کہ یہ فنِ حدیث اور علوم الحدیث انسانوں ہی کے

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۷

بنائے ہوئے ہیں اور انسان بھی وہ جنہیں عجمی یہودی النسل یا مجوسی النسل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ فنون وعلوم اللہ اور رسول کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ صدیق) وہ قوی اسناد کی ایسی حدیث کو بھی قبول نہ کرتے تھے جو صحابہ کرام اور تابعین کے تعامل کے خلاف ہو۔ اگر یہ شرط مستقلاً قائم رہتی تو احادیث کے انتخاب کا دائرہ محدود رہتا اور صرف فقہی مسائل سے متعلق ڈھائی تین ہزار سے زائد احادیث جمع نہ ہو پاتیں..............
امام شافعی نے اس شرط کو ختم کرکے ہر قسم کی احادیث جمع کرنے کی راہ ہموار کر دی۔ (اصل میں 'روایتی' شر وہیں سے پھیلنا شروع ہوا۔ انہوں نے ہی '**مثلهٔ و معهٔ**' جیسی خلافِ قرآن روایت اپنی کتاب میں لکھی۔ انہوں نے ہی شیخ و شیخہ کی سنگساری کی روایت اپنی کتاب میں لکھی۔ انہوں نے ہی اپنی کتاب میں اہلقرآن سے مکالمہ بازی کی۔ انہوں نے ہی اپنی کتاب میں نام نہاد حدیث کو قرآن پر قاضی مقرر کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ صدیق) نتیجہ یہ کہ احادیث جمع کرنا علمی مشغلہ بن گیا اور لوگ نوادرات کی طرح زیادہ سے زیادہ احادیث جمع کرنے لگے۔ چنانچہ امام شافعی کے شاگرد امام احمد بن حنبل سے منسوب مسند میں چالیس ہزار احادیث جمع کر دی گئیں (امام احمد نے تو بذاتِ خود سات سو اصحابِ رسول کی تین ہزار احادیث مسند میں جمع کی تھیں۔ ان تین ہزار احادیث میں امام احمد کے صاحبزادے عبد اللہ نے سینتیس ہزار احادیث کا اضافہ کر دیا ان کو یکجا کرنے کے بعد کتاب میں تعداد چالیس ہزار ہو گئی اس کے بعد امام احمد بن حنبل کے شاگرد ابو بکر قطیعی نے مسند احمد کی تدوین کی اور احادیث مزید اضافہ کر دیا۔ یہ تفصیل طبقات الشافعیہ جلد اول میں درج ہے۔[1] صدیق) روایت سے لوگوں کی رغبت نے حدیث کے معیارِ سند کی اہمیت کو بہت کم کر دیا حتیٰ کہ لوگ صحیح الاسناد احادیث پر ضعیف احادیث کو ترجیح دینے لگے۔ صحاح ستہ میں موطا امام مالک کو داخل نہ کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ لوگوں نے روایات کے معیار کے تنوع اور تعداد کو اہمیت دی۔ یہی وجہ ہے کہ موطا امام مالک کی احادیث کی صحت و معیار پر اتفاق ہونے کے بجائے صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کو شامل کر لیا گیا۔ جبکہ سنن ابن ماجہ میں ضعیف اور منکر احادیث بکثرت موجود ہیں۔ صحاح ستہ میں ان سب محدثین کی کتب کو شامل کرنا جو عجمی النسل تھے اور امام مالک جو عربی النسل تھے ان کی کتاب کو شامل نہ کرنا بھی قابلِ غور امر ہے"۔[2]

آگے مرحوم فرماتے ہیں کہ:

"یہاں ہم اس حقیقت کو بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم نے ائمہ حدیث کے تذکرہ میں تنقیدی انداز اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ شخصیت پرستی اور اندھی عقیدت کا طلسم ٹوٹے اور حقیقت پسندی کا عنصر قوی ہو۔ ہم جہاں ان حضرات کی ہزاروں خوبیوں کا اقرار کریں وہاں ان کی چند غلطیوں کو بھی تسلیم کرنے سے نہ ہچکچائیں۔ علاوہ ازیں یہ حقیقت بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ حدیث کا کوئی بھی مجموعہ صحیفۂ سماوی نہیں ہے جس کی صحت پر یقین کرنا شرائطِ ایمان میں داخل ہو۔ کسی حدیث کو محض اس بنا پر صحیح اور معتبر قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ امام بخاری یا مسلم کی کتاب میں درج ہے۔ بلاشبہ کسی وضعی حدیث کو بھی تسلیم کرنے سے اس وقت تک انکار نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ حدیث وضعی ثابت نہ ہو جائے۔ اسی طرح مسلم و

[1] ایضاً۔ صفحہ ۶۵ ...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۹۶۔۹۸

بخاری کی کسی ایسی حدیث کو بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا جو روایت اور درایت کے بنیادی اصولوں کے سراسر خلاف ہو"۔[1]

یہاں میں واضح کرتا چلوں کہ جناب اطہر الحق صاحب مرحوم نے اپنی یہ کتاب بہت سے مدرسوں اور مُلّاؤں کو بھیجی تھی مگر ان لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ یہ تو کسی منکرِ حدیث کی کتاب ہے جبکہ مرحوم نے انتہائی معتدل و معقول تنقید کی ہے۔ بلکہ حقیقت میں تو حدیث کا دفاع ہی کیا ہے اس لئے میرے لحاظ سے تو یہ معیاری کتاب نہیں۔ ویسے بھی وہ منکرِ حدیث نہ تھے یونکہ وہ جماعت اسلامی کے پرانے کارکنوں میں شامل تھے۔ مگر مغربی جمہوریت کو عین اسلام ماننے پر ۱۹۸۴۔۱۹۸۵ء میں جماعت اسلامی سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ نیز وہ مشہور شاعر اور ماہر لسانیات جناب ڈاکٹر شان الحق حقی صاحب اور جناب عبد الحق حقی محدث دہلوی کے خاندان سے تھے جیسا کہ یہ تفصیلات انہوں نے خود اپنی اسی کتاب کی جلد اوّل "تدوین قرآن" میں درج کی ہیں۔

آپ نے اوپر کے اقتباسات سے نوٹ کیا ہو گا کہ مقدس صحاح ستہ کے عجمی محدثین کرام میں کوئی بھی غیر عجمی یعنی عربی النسل محدث شامل نہیں کیا گیا! حتّٰی کہ ان کی پیدائش سے بھی پہلے کے دوسری صدی کے واحد عربی النسل محدث، جن کی طرف منسوب کتاب 'موطا' آج بھی (شاید تحریف شدہ حالت میں ہی سہی) موجود ہے، اس کتاب اور اس کے مرتّب کو بھی شامل نہ کیا گیا! آپ نے یہ گڑبڑ نوٹ تو کی مگر اس کی حقیقت پر غور نہیں کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ آیئے ہم آپ کو سمجھاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ خلیفۃ المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں پاریسین ایمپائر (Parisian Empire) یا پرشیا یا پارس (جس کو آج ایران کہا جاتا ہے) کی فتح کے بعد وہاں کے دانشوروں میں کھلبلی مچ گئی تھی کہ یہ کیسے ہوا کہ اونٹ چرانے والے عرب ان پر فاتح بن کر مسلّط ہو گئے اور جزیہ وصول کرنے لگے۔ چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ سوچ اور کھوج آگے بڑھتی رہی اور پھر ان کے دانشوروں کے تھنک ٹینک نے ایک "مقتدرہ" بنالی کہ مومنین اور اسلام اور قرآن کے خلاف علمی و اعتقادی جنگ مسلسل شروع کر دی جائے۔ اس مقتدرہ میں صرف پارس کے مجوسی ہی نہیں بلکہ یمن وغیرہ کے یہودی و عیسائی بھی شامل کر لئے گئے اور ان کی جنگ یا سازش شروع ہو گئی۔ مسلمین و مومنین تو سیدھے سادھے لوگ تھے اور پھر زیادہ تر جنگوں یا جہاد السیف میں مشغول رہتے تھے۔ مگر مقتدرہ والے انتہائی شاطر، عیار و مکار اور ظالم تھے چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی پر قاتلانہ حملہ کرا کے اپنے لئے میدان صاف کرنے کی کوشش کی۔ جب دیکھا کہ خلیفہ المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور میں بھی جہاد بالسیف نہیں رک رہا اور علاقہ پر علاقہ فتح ہوتے جا رہے ہیں تو یمنی یہودیوں، جو کہ مسلمان کے بھیس میں تھے، کے ذریعہ شورش پیدا کرا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی قاتلانہ حملہ کرا دیا۔ جس سے کافی حد تک میدان ان کے لئے صاف ہو گیا۔ قاتلین عثمانؓ اور دیگر منافقین نے مل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ المومنین بنالیا اور ان پر پوری طرح اثر انداز ہو گئے۔ اس کے نتیجہ میں جہاد بالسیف ختم ہو کر غیر اسلامی علاقوں کی فتوحات رُک گئیں۔ بلکہ مسلمین کو آپس ہی میں لڑوا دیا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے تین چار سالہ دَورِ خلافت میں کبھی سکون کا سانس نہ لینے دیا اور نہ حکومتی رِٹ قائم ہونے دی (دیکھئے اپنے ہی

[1] ایضاً۔ صفحہ ۹۹۔۱۰۰

مسلمانوں کی لکھی تاریخ کی کتابیں اور اماموں کی لکھی روایات کی کتابیں)۔ اب یہ سلسلہ شروع ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کرکے روایات بنام حدیثِ رسول گھڑ گھڑ کر پھیلانا شروع کر دیا اور نئے نئے غیر قرآنی عقیدے بنا بنا کر مسلمین کو ورغلایا جانے لگا۔ اور ان میں قرآن کریم کے خلاف بھڑکایا جانے لگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس نادیدہ سازش کا قلع قمع، اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے نہ کر سکے، حالانکہ انہوں نے ایک گروہ کو آگ میں جلوا بھی دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر بھی قاتلانہ حملہ کرا دیا گیا۔ ان کے بعد خلیفۃ المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس سازش کا قلع قمع نہ کر سکے البتہ اتنا ضرور ہوا کہ انہوں نے حکومتی رِٹ قائم کر لی اور سازشیوں کو زیرِ زمین سے اوپر آکر پھلنے پھولنے نہ دیا۔ نتیجتاً سازشی زیرِ زمین رہتے ہوئے اپنے مشن کے حصول میں لگے رہے۔ انہوں نے بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں بنائے گئے دار الخلافہ کوفہ ہی میں روایات گھڑنے کی ٹکسالیں لگا لیں مگر ان کو کتابی شکل نہ دے سکے یونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دَورِ خلافت تھا اور ابھی بہت صحابہؓ کرام بھی بقیدِ حیات تھے وہ کیسے اللہ اور رسول کے حکم (قرآن کے علاوہ نہ کچھ جمع کیا جائے نہ کتابی شکل میں لکھا جائے ۵۸ /۱۰) کے خلاف عمل ہونے کی اجازت دیتے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد جو اموی خلفاء ہوئے وہ بھی عام طور پر اس معاملہ میں زیادہ حساس اور ہوشیار تھے اس لئے ان کے دَور میں بھی یہ گھڑنت روایات لکھنے کا چلن نہیں ہو سکا۔ البتہ عباسی حکومت کے آنے کے بعد ان سازشیوں کو آہستہ آہستہ مواقع ملتے گئے یونکہ انہوں نے خود عجمی فلاسفروں و دانشوروں کی سرپرستی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ، ان کی سرپرستی کے نتیجہ میں "مقتدرہ" نے اپنے دانشوروں یا کارندوں کا جال بُننا شروع کر دیا جو کہ بالخصوس دوسری اور تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں کالی مکڑی کے جالے کی طرح عوام الناس وخواص پر بھی چھا گیا۔ ان کی عقلوں کو شرح قرآن، تفسیر قرآن اور عقیدتِ رسول کے نام پر ہپناٹائز (Hypnotize) یا مفلوج کر دیا اور غیر قرآنی لٹریچر لکھنا لکھانا شروع کر کے، عام طور پر زبانی ہی زبانی پھیلانا شروع کر دیا۔ جس کاوش کے نتیجہ میں پہلے تو غیر عرب یعنی عجمی نو مسلم اقوام وقبائل ہی متاثر ہو کر اصل دین سے کھسکنے لگے پھر اہلِ عرب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے یونکہ سیاسی طور پر عجم ہی ان کے مشیر ووزیر لگنے لگے۔ اور آہستہ آہستہ وہ کیفیت بھی ہو گئی کہ جو مذہب یا عقیدہ حاکمِ وقت کا ہوتا وہی عوام یا رعایا کا ہو جاتا۔ اس طرح اصل دین یعنی القرآن الحکیم کو مہجور کر دیا گیا اور اس کی جگہ عجمی دانشوروں بلکہ "مقتدرہ" کے کارندوں کی تحریر کردہ کتب کو وحی والہام کا درجہ دے کر ان کی تلاوت کرائی جانے لگی پھر بھی اس کو وحی غیر متلو کہا جاتا رہا۔ کیا اس سے بڑا ہپناٹزم (Hypnotism) بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ آپ اور آپ کے آباؤاجداد یا سلف ان کی تلاوت بھی کرتے رہیں اور کہتے رہیں کہ یہ غیر متلو ہے؟

اب ذرا "مقتدرہ" کا بنایا ہوا کالی مکڑی کا جالا (Net work) بھی دیکھتے چلئے جو کہ آگے آئے گا۔

اس جال کو سمجھنے سے پہلے معروف تاریخ پر نظر ڈالتے چلئے تاکہ حقیقت آسان ہو جائے:

کائنات کے پہلے رسول حضرت آدم سلامٌ علیہ ہی کے دَور سے شیطان، اوّلین مسلمین کو بہکانے اور ان کو راہِ راست سے ہٹانے کے اپنے مشن میں مشغول تھا، حتیٰ کہ اس نے اپنی خباثت سے حضرت آدم سلامٌ علیہ کے ایک بیٹے کو ورغلا کر دوسرے کو ناحق قتل کرا دیا۔ آگے آہستہ آہستہ مسلمین اسلام سے دُور ہونے لگے اور اس میں بگاڑ پیدا کر

لیا تو حضرت نوح سلامٌ علیہ مبعوث کئے گئے وہ کافی طویل عرصہ تک تبلیغ کرتے رہے اور بگڑے ہوئے لوگوں کو راہِ راست اور اصل اسلام پر لانے کی کوششیں کرتے رہے مگر سوائے چند کے اکثریت نے ان کا اور ان کی تبلیغ کا انکار کر دیا حتیٰ کہ اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے شخصیت پرستی شروع کر دی اور اپنے لئے پنجتن بنا لئے (۲۳/۷۱) تب ان حالات سے ناامید ہو کر حضرت نوح سلامٌ علیہ نے ان سے نجات کیلئے دعا کی جو کہ دراصل بد دعا ہی تھی۔ رب کائنات نے ان کی دعا قبول کی اور سوائے ان چند مسلمین کے جو حضرت نوح سلامٌ علیہ کے ہمراہ کشتی میں سوار ہو گئے سب کو غرق کر دیا۔ اب ان چند مسلمین سے پھر آبادی بڑھتی رہی اور وقت گزرتا رہا اور تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہی یعنی پھر شیطان گمراہی پھیلاتا رہا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کا زمانہ آ گیا جبکہ اس وقت لوگ اپنے ہی ہاتھ سے بنائے ہوئے مٹی یا پتھروں کے بت پوج رہے تھے۔ اور فواحش میں مبتلا تھے۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کے ہمعصر رسول حضرت لوط سلامٌ علیہ کو ہجرت کا حکم دے کر ان کے پیچھے ان کی قوم پر عذاب نازل کر دیا۔ حضرت ابراہیم اس کے گرد و نواح میں تبلیغی کوششیں کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کو بھی وہاں سے ہجرت کر کے اوّلین بستی (ام القریٰ) بکّہ (یعنی مکہ) ہجرت کر کے اپنی اولاد وہاں کی غیر زراعت شدہ وادی میں بسانے کا حکم ہوا۔ وہاں آپ نے اپنے بیٹے اسمٰعیل سلامٌ علیہ کے ساتھ مل کر **قبلہ اوّل** (بیت العتیق (۲۲/۲۹ ، ۲۲/۳۳)، اَوَّلَ بَيْتٍ (۳/۹۶)، اَلْبَيْتَ الحرامَ (۵/۹۷) کی بنیادوں پر دوبارہ خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل کی (۲/۱۲۷) اور حج کرنے کا اعلان عوام الناس تک پھیلا دیا (۲۲/۲۷) چنانچہ دور دراز سے لوگ قبلہ اوّل کی طرف آنا شروع ہو گئے۔ دوسری طرف یعنی شمال مغرب میں حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کے دوسرے بیٹے اسحٰق سلامٌ علیہ اور ان کے بیٹے یعقوب سلامٌ علیہ بھی اپنی تبلیغی مساعی کرتے رہے اور مسلمین کی تعداد بڑھتی رہی۔ حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کا یہ دَور وہ مبارک دَور ہے جب دنیا میں بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں قائم ہوتی رہیں جو کہ نہ صرف معاشی اعتبار سے بلکہ طاقت کے لحاظ سے بھی بہت طاقتور تھیں اور سائنسی و صنعتی اعتبار سے بھی بہت آگے بڑھی ہوئی تھیں۔ حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے وہ سب مع حضرت یعقوب کے اس وقت کی ایک عظیم الشان سلطنت مصر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اور پھر وہاں بھی مسلمین کی تعداد روز بروز بڑھتی رہی۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ کا پہیّہ بھی گھومتا رہا۔ شیطان اپنی خباثتیں پھیلاتا رہا اور گمراہیاں پھیلتی رہیں۔ ہوس اقتدار کے گھوڑے دوڑتے رہے اور سلطنتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہیں اور کمزوروں پر طاقتوروں کا تسلط ہوتا رہا۔ جبکہ آلِ یعقوب نہ صرف مصر بلکہ شام و یروشلم (جس کو بیت المقدس یا بیت اللحم کہا جاتا ہے) تک پر قابض رہے۔ انہی آلِ یعقوب کو یعنی بارہ بیٹوں کی اولاد سے جو بارہ قبیلے بنے اور پھیلے، ان سب ہی کو "بنی اسرائیل"[۱] کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے کا نام

---

[۱] "تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی (مؤلفہ گیارہویں صدی ہجری) کے مؤلف خواجہ نعمت اللہ ہرطی کی کہانی کے مطابق حضرت یعقوب سلامٌ علیہ اپنے بھائی عیص کے گھر سے، اپنی والدہ کی اجازت سے، رات کی تاریکی میں کنعان سے نکلے۔ دن کو چھپے رہتے اور رات کو سفر کرتے ہوئے شام اپنی خالہ کے یہاں پہنچے جہاں ان کی سات سال بکریاں چرانے کی شرط پر خالہ کی بیٹی سے شادی کی........ رات میں سفر کرنے کی وجہ سے انہیں "اسرائیل" کا لقب ملا یعنی رات کو چلنے والا۔ صفحہ ۴۶ مقدمہ۔ ترجمہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین۔ ناشر اردو سائنس بورڈ۔ ۲۹۹ اپر مال لاہور۔ طبع دوم ۲۰۰۴ء۔

''یہودا'' تھا۔ اور افغان قوم کا سلسلۂ نسب اس تک پہنچتا ہے۔[1] خواجہ نعمت اللہ ہر طی کی روایت کے مطابق ''یہودا'' کا بیٹا ''اسروع''، اس کا بیٹا ''اخنوج''، اس کا بیٹا ''مہلب''، اس کا بیٹا ''فالع''، اس کا بیٹا ''قیس'' اور اس کا بیٹا 'سارول' جسے 'طالوت' کہتے ہیں۔ انہی کی دوسری روایت کے مطابق افغان قوم کا سلسلہ نسب حضرت یعقوب سلامٌ علیہ کے دوسرے بیٹے ''بن یامین'' تک پہنچتا ہے۔ ان کا بیٹا ''روئیل''، اس کا بیٹا 'عیص'، اس کا بیٹا ''عتبہ''، اس کا بیٹا 'قیس' اور اس کا بیٹا 'سارول' تھا۔ وہ چونکہ بہت بلند قامت تھا اس لئے اسے 'طالوت' کہتے تھے۔[2] یہی وہ 'طالوت' ہیں جنہیں موسیٰ سلامٌ علیہ کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی درخواست پر' اس وقت کے نبی کے ذریعہ 'مَلِک' مقرر کیا گیا (۲/ ۲۴۶۔ ۲۴۷) اور ان کے مقرر کئے جانے پر جب بنی اسرائیل نے احتجاج کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان (طالوت) کے منتخب کئے جانے کی وجہ ان کے علم اور جسم میں بھی (بنی اسرائیل پر) فوقیت بتائی۔ خواجہ نعمت اللہ ہر طی کے مطابق ملک طالوت نے بنی اسرائیل پر سینتالیس (۴۷) سال تک حکومت کی[3] ان کے دو بیٹے ''رخیا'' اور ''ارمیا'' ہوئے ان دونوں کی پرورش حضرت داؤد سلامٌ علیہ کی زیرِ نگرانی ہوئی۔ پھر جوان ہونے پر 'ارمیا' کو اپنی فوجوں کا سپہ سالار اور 'رخیا' کو اپنی سلطنت کا وزیر مقرر کیا۔ انتالیس سال تک حضرت داؤد سلامٌ علیہ کی سلطنت کا سارا انتظام و انصرام ان ہی دو بھائیوں کے ہاتھ میں رہا۔ ان کی محنت و لیاقت سے بنی اسرائیل کو ہر طرح کی خوشحالی نصیب ہوئی۔ ان دونوں کے ایک ایک بیٹا ہوا۔ 'برخیا' نے اپنے بیٹے کا نام 'آصف' رکھا اور 'ارمیا' نے اپنے بیٹے کا نام ''**افغنہ**'' رکھا۔ وہ دونوں حضرت داؤد کی خدمت میں حاضر رہتے اور انہوں نے ہر طرح کے ظاہری و باطنی فضائل حاصل کر لئے۔ برخیا اور ارمیا کے انتقال کے بعد حضرت داؤد نے انہی دونوں کو اپنے اپنے باپ کے عہدے اور منصب پر فائز کر کے سارے اختیارات ان کے سپرد کر دیئے[4]۔ انہی دونوں بھائیوں میں سے 'افغنہ' کو حضرت سلیمان سلامٌ علیہ نے بیت المقدس میں مسجد جس کو ہیکل سلیمانی کہا جاتا ہے، کی تعمیر کے کام پر سربراہ مقرر کیا اور تمام جنّات کا فرمانروا بنا دیا۔ چالیس سال میں مسجد کی عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس تعمیر میں افغنہ نے اس قدر محنت و مشقت کی کہ کسی دوسرے انسان کے بس ہی میں نہیں۔[5]

حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کا زمانہ اٹھارویں صدی قبل مسیح کا ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین حنیف کی تبلیغ کر کے لوگوں کو مسلم بنایا۔ پھر ان کے بعد زوال امت شروع ہوا۔ تاریخ کا پہیہ گھوما اور مال و زر کی فراوانی سے بنی اسرائیل اللہ کے دین کو بھلا بیٹھے اور ضلالت و گمراہی کی راہ اختیار کر لی اور فتنہ و فساد میں بہت آگے بڑھ گئے تو بقول خواجہ نعمت اللہ ہر طی:

> ''یہ حال دیکھ کر غیرت خداوندی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ اس قدر اس قوم سے ناراض ہوئے کہ اس نے شداد بن عاد کے بھانجے 'فرعون' جیسے ظالم کو ان پر مسلّط کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے ان میں سے ہر ایک کو غلام اور بردہ بنا کر اپنی قبطی قوم کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ لوگوں کو مکانات وغیرہ کی تعمیر پر لگا دیا، کچھ دوسروں کو کھیتی باڑی اور باغات کی دیکھ بھال کا کام سونپ دیا اور چھوٹے بچوں سے ذاتی خدمت اور محلات کی بیگار لیتا تھا۔ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا تھا کہ اپنا مذہب چھوڑ کر میرا دین قبول کرو...................... اس

[1] ایضاً۔ صفحہ ۵۰۔ ۵۱ ...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۵۲ ...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۸۵، ...... [4] ایضاً۔ صفحہ ۸۶ ...... [5] ایضاً۔ صفحہ ۸۷۔ ۸۸

طرح بنی اسرائیل نے کئی سال تک برابر فرعونیوں کی خدمت کی اور ایک عرصہ تک ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے رہے۔ البتہ ان میں جو سمجھدار تھے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں صبح وشام دعائیں مانگتے تھے کہ کسی طرح فرعونیوں کی اس قید سے نجات ملے۔ اللہ تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی حالت زار پر رحم آگیا اور اس نے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو پیدا کیا۔ انہیں فرعون کے پاس بھیجا۔ ان جلیل القدر پیغمبر نے چالیس برس تک برابر دینِ حق کی دعوت دی لیکن فرعون اپنی جہالت اور ظلم کی وجہ سے اسلام سے محروم اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا منکر رہا۔ حق تعالیٰ نے کمال بے نیازی کے ساتھ فرعون اور قبطیوں کی قوم کو دریائے نیل میں غرق کر دیا جس کی تفصیل تاریخوں اور تفسیروں میں درج ہے"[1] یہ زمانہ تقریباً تیرھویں صدی قبل مسیح کا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کو بخیر و عافیت فرعون کے مظالم سے نجات دلا کر نکال لانے کے بعد، بنی اسرائیل نے پھر سرکشی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ بت پرستی کی طرف بھی راغب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مشہور احکام عشرہ (Ten Commandments) لکھوا دیئے اور ان کی امت یعنی بنی اسرائیل کو ان احکام کو مضبوطی سے پکڑے رہنے اور عمل کرنے کی تاکید کی۔ (القرآن ۱۴۵ /۷)، ان پر بادل کا سایہ کیا اور اپنی نعمتیں من و سلویٰ اتارا............... مگر وہ پھر بھی سرکشیاں کرتے رہے حتیٰ کہ زیادہ پانی مانگنے اور اس کی تلاش کے بہانے سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر کے پھیلا دیا۔ (۱۶۸ ، ۱۶۰ /۷) وہ پھر بھی سرکشیاں کرتے رہے اور انہیں جو احکام عطا کئے گئے تھے ان کی خلاف ورزیاں کرتے رہے تو ان کی نافرمانیوں کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیجا کہ ان کی حرکتیں ذلیل بندروں جیسی ہو گئیں اور انہیں رحمت سے دُور کر دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کیا کہ وہ قیامت کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت ترین تکلیف پہنچاتے رہیں گے۔ (۱۶۶ ۔ ۱۶۷ /۷)۔ آگے وقت اسی طرح گزرتا رہا کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ نافرمانیاں کرتے رہے کچھ راہِ راست پر قائم رہے حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ایک بہت ہی عالیشان عبادت گاہ (مسجد بنام ہیکل سلیمانی) یروشلم میں تعمیر کروا کر دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ ان کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل راہِ راست پر آگئے تھے وہ پھر تاریخ کے پہیہ کی طرح گھوم پھر کر راہِ راست سے ہٹ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی کھلی خلاف ورزیاں کرتے رہتے ہیں ان کی سلطنت ۹۲۲ قبل مسیح میں شمالی اور جنوبی دو حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں آٹھویں صدی قبل مسیح میں (720BC) آشوریہ فوجیں (Armies of Assyria) ان کی سلطنت کے شمالی علاقوں کو روند ڈالتی ہیں اور اپنے رواج کے مطابق مفتوح قوم کو پامال کرنے کے بعد ان کو ان کے وطن سے بے دخل کر کے اپنی سلطنت میں مختلف جگہوں پر آباد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ انہیں مغربی اور شمالی پارس میں آباد کر دیا جاتا ہے جہاں سے وہ مشرق کی طرف کھسک جاتے ہیں اور موجودہ افغانستان و کشمیر وغیرہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ انہی کیلئے کہاوت مشہور ہے کہ بنی اسرائیل، جو کہ اس وقت تک مسلم سے یہود بن چکے تھے، کے گمشدہ

[1] ایضاً صفحہ ۵۳۔۵۴

دس قبائل افغانستان اور اس کے گرد و نواح میں گھل مل گئے تھے اسی لئے آج افغانوں اور پٹھانوں کو یہود کی اولاد کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ سعدیؒ نے انہی کیلئے یہ شعر اپنے تجربہ کے بعد کہا تھا کہ ؎

اگر قحط الرجال افتد ازانیاں اُنس کم گیری　　　　اوّل افغان دوم کمبوہ سوم بدذات کشمیری

چھٹی صدی قبل مسیح (586 BCE) میں بابل کی افواج بخت نصر کی سربراہی میں یروشلم کی سلطنت کے جنوبی حصہ کو فتح کر کے ان کی مرکزی عبادت گاہ (ہیکل سلیمانی) بھی تباہ کر دیتی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل یا یہود کی مذہبی زندگی بھی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے جو کہ قربانیوں تک محدود ہو چکی تھی۔ اب وہ قربانیاں کہاں کریں! یہ عبادتگاہ (ہیکل سلیمانی) دوبارہ پارس کی حکومت کی مدد سے اگلی صدی میں تعمیر کی جاتی ہے۔ اسیرین کی طرح بابلیوں کے ہاں بھی وہی رواج تھا کہ مفتوح قوم کو قیدی بنا کر ان کی اپنی جگہ سے بیدخل کر کے کہیں اور بسنے کی اجازت دیدی جاتی تھی۔ خواجہ نعمت اللہ ہرطی کے مطابق: "بخت نصر نے انہیں حکم دیا کہ ملک شام سے نکل جائیں بلکہ جس جس علاقے پر میری حکومت ہے وہاں نہ رہیں۔ جو لوگ ان کی نگرانی پر مامور تھے انہوں نے اس قافلہ کو بخت نصر کی بادشاہت سے نکال کر غور، غزنی، کابل، کوہ فیروزہ اور قندھار کے پہاڑی علاقوں کی طرف دھکیل دیا جو اقلیم پنجم و ششم میں شمار ہوتے ہیں اور خراسان و کوہستان کے صوبوں میں شامل ہیں۔ اس طرح **افغنہ** کی اولادوں نے (موجودہ) ایران و افغانستان کے علاقوں میں سکونت اختیار کی اور وہیں کے ہو رہے۔ ان کی آلِ اولاد بڑھتی گئی اور اپنی کثرت کی وجہ سے ان لوگوں نے کافر قبیلوں کے خلاف متواتر جنگیں لڑیں اور اکثر و بیشتر پر فتح حاصل کر کے کوہستان کا سارا علاقہ اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ یہ علاقہ ولید بن عبد الملک بن مروان کے سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی کے بھانجوں عماد الدین محمد قاسم اور محمد ہارون کے آنے تک ان کے قبضہ میں رہا۔ ہارون اور عماد الدین نے سنہ ۸۸ ہجری میں (یعنی آٹھویں صدی عیسوی) کیچ اور مکران کا علاقہ فتح کیا اور سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کے آنے تک یہ لوگ اس علاقے میں سکونت پذیر تھے"۔[1]

یہاں چونکہ افغنہ کا ذکر پھر آ گیا اس لئے مناسب ہے کہ اس کو مکمل کر لیا جائے۔ چنانچہ خواجہ نعمت اللہ ہرطی کے مطابق: "اہل دانش و بینش سے پوشیدہ نہ رہے کہ تاریخ نویسوں خصوصاً صاحب "**مجمع الانساب**" و "**اصناف المخلوقات**"[2] نے لکھا کہ جب بخت نصر نے بنی اسرائیل اور آصف و افغنہ کی اولادوں کو، جن کی تعداد سارے قبیلوں سے زیادہ تھی، ملک شام سے نکال دیا تو ان میں سے ایک گروہ ملک عرب میں آبسا۔ انہوں نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ اگر حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بنائے ہوئے خانۂ خدا یعنی بیت المقدس کی زیارت اور اس میں خدا کی عبادت سے محروم ہو گئے ہیں اور یہ سعادت ہم سے چھن گئی ہے تو کم از کم حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بنائے ہوئے بیت اللہ

[1] ایضاً۔ صفحہ ۹۱.....[2] دونوں تاریخ کی کتابیں، بالترتیب محمد بن علی بن شہانکارہ ئی نے ۷۴۳ھ / ۱۳۴۲ء میں اور نصیر الدین طوسی متوفی ۶۷۲ھ نے تصنیف کیں تھیں۔

کی زیارت اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی سعادت کو تو ہاتھ سے نہ جانے دیں کیونکہ یہ پاک گھر نبی آخر الزماں ﷺ کی جائے پیدائش بھی ہو گا۔ اگر ہمیں سرور انبیاء ﷺ کی زیارت نصیب نہ بھی ہوئی تو ممکن ہے ہماری اولادوں کا بخت یاوری کرے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور زیارت و صحبت سے شرف یاب ہوں۔ اس لئے انہوں نے مکہ معظمہ میں بلکہ حرم پاک میں سکونت اختیار کی۔ انہیں عرب کے لوگ بنی اسرائیل اور بنی افغان کہتے تھے۔ زمانہ گزرتا گیا یہاں تک کہ ایک ہزار پانچ سو سال کے بعد جمال محمدی ﷺ کا آفتاب عالمتاب نبوت کے افق سے طلوع ہوا اور اس نے دنیا میں گمراہی کے اندھیروں کو ہدایت کے نور میں بدل دیا"۔[1]

آگے خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ: "ولید بن عتبہ بن عکرمہ بھی بنی اسرائیل اور بنی افغان کے قبیلوں کا ایک فرد تھا۔ ان کے جدِ امجد کا نام "مخزوم" تھا۔ اس لئے ان کے خاندان کو بنی مخزوم کہتے ہیں۔ .... ولید بن عتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ نبوت میں (اسلام قبول کئے بغیر) فوت ہو گیا۔" **مجمع الانساب**" اور "اسماء صحابہ" کے علاوہ دوسرے بہت سے مصنفین نے بھی اسے قبیلہ قریش کا ایک فرد سمجھا ہے اور اسے عبد الشمس کی اولادوں میں سے لکھا ہے۔ لیکن حمد اللہ مستوفی نے اپنی "تاریخ گزیدہ" میں لکھا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس کے جدِ اعلیٰ کا نام مخزوم تھا، جو یہود ابن حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولادوں میں سے تھا۔ لیکن قریش سے قرابت داری کی وجہ سے بنی مخزوم کو بھی قریش ہی کہتے تھے۔ شان و شوکت اور جاہ و حشمت کی بنا پر قریش سے ان کی رشتہ داری ہو گئی تھی اس لئے عبد الشمس کو ولید کی والدہ کا دادا کہتے تھے اور اسی سبب سے انہیں بھی قریش ہی میں سمجھا جاتا تھا لیکن در حقیقت وہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ کہتے ہیں ولید کے دو بیٹے زندہ رہ گئے تھے۔ ایک کا نام **خالد** اور دوسرے کا ولید۔ دوسرے کا نام اس لئے ولید رکھا گیا کہ وہ اپنے باپ سے بہت مشابہ تھا۔ چونکہ حضرت خالد جوانمردی و بہادری بلکہ سخاوت و شہامت میں بھی اپنے تمام ہم عمر اور ہم عصر لوگوں سے زیادہ تھے اس لئے تمام اہل عرب پر انہیں برتری حاصل تھی اور وہ عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ چونکہ ان کی والدہ قریش نسل سے تھیں اس لئے ابو جہل، ابو سفیان، ابو لہب، عتبہ، شیبہ اور مغیرہ جیسے قریش سرداروں کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے دوستانہ تھے"۔[2]

آگے خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ: "سن آٹھ ہجری میں خالد تین عرب سرداروں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا"[3] اس کے آگے خواجہ صاحب نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حالات، جنگیں اور فتوحات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "سیف اللہ" کا لقب مرحمت فرمائے جانے کے حالات لکھے ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ "حضرت عثمان نے خلافت کے فرائض سنبھالتے ہی خالد کو عراق عجم یعنی ایران کی تسخیر پر مامور کیا۔ اور سعد بن وقاص کو دوسری طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ان دو خوش نصیب اور نیک بخت جوانمردوں کی ہمت سے نو

[1] ایضاً۔ صفحہ ۹۲۔۹۳ ..... [2] ایضاً۔ صفحہ ۹۳۔ ۹۴ ..... [3] ایضاً۔ صفحہ ۹۵

شیر واں کی نسل کا آخری بادشاہ یزدجرد بمقام یزد قتل ہوا اور چار ہزار سات سو سال کے بعد عجم کی وسیع سلطنت اہل اسلام کو منتقل ہوئی۔ اس طرح عراق عرب کے اکثر علاقے، شام، گیلان، ماژندران، آذربائیجان، کردستان، طبرستان، خراسان، ماوراء النہر اور سیستان بلکہ ہندوستان کے بعض صوبے بھی فتح ہو گئے اور ان ممالک کے اکثر و بیشتر لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے..................... ''حبیب السیر'' میں لکھا ہے کہ حضرت خالد کی وفات، حضرت عثمان ذی النورین کی خلافت کے درمیانی زمانے میں واقع ہوئی۔ (اس مقام پر خواجہ صاحب سے سہو ہوا ہے کہ حضرت خالدؓ کی وفات سنہ ۲۱ھ میں ہوئی جبکہ حضرت عثمانؓ سنہ ۲۳ھ میں خلیفہ بنے۔ حضرت خالدؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایران کی طرف بھیجا تھا جبکہ حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت میں ایران کا بادشاہ مارا گیا اور ایران فتح ہوا۔ اسی کی دشمنی آج تک ایرانی مسلمانوں سے نکال رہے ہیں!) اور ان کا شجرۂ نسب یوں تحریر کیا جاتا ہے۔ (خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزدم)۔ خالد کی والدہ کا نام ''لبانہ'' تھا اور وہ اُم المومنین حضرت میمونہؓ ہلالیہ کی بہن تھی۔ خالد کی کنیت ابو سلیمان اور لقب سیف اللہ تھا۔ ان کی وفات کے بعد عبد الرحمٰن بن خالد اور عبد اللہ بن خالد کو خراسان کا امیر بنایا گیا یعنی عبد الرحمٰن نے نیشاپور میں اور عبد اللہ نے ہرات میں ایک عرصہ تک حکومت کی''۔ [1]

اس مقام پر خواجہ صاحب سہواً حضرت خالدؓ بن ولید کا نام شامل کر گئے ہیں عجم عراق یعنی پارس یا فارس یا موجودہ ایران کی فتح تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے زمانۂ خلافت میں شروع ہو چکی تھی۔ اسی وجہ سے وہ شہید کئے گئے تھے۔ یہاں خواجہ صاحب کی یہ تحریر نقل کرنے کا مقصد عراق عجم کی فتح کی تکمیل اور ان کے چار ہزار سات سو سالہ دَورِ حکمرانی کا خاتمہ جتلانا تھا۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں دو ہی طاقتیں یا عظیم سلطنتیں جانی پہچانی جاتی تھیں، Parasian Empire اور Roman Empire یعنی ساسانی حکومت اور بازنطینی حکومت۔ یہ سلطنتیں اکثر ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی تھیں حتیٰ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں پارسین ایمپائر نے رومن ایمپائر پر غلبہ حاصل کر لیا تھا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحیِ قرآن (نام نہاد حدیث میں نہیں) رسول اللہ سلامٌ علیہ کو دی تھی اور ساتھ ہی یہ پیش گوئی بھی کر دی تھی کہ اگلے چند ہی سالوں میں رومن پھر غالب آ جائیں گے۔ (دیکھئے سورۂ الروم ۲۔۴ /۳۰) چنانچہ ایسا ہی ہوا حتیٰ کہ خلافتِ عثمان میں دونوں سلطنتوں پر مسلمین غالب ہو گئے۔ ان کی اکثر آبادیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مگر ان میں سے بہت سوں نے محض منافقانہ طور پر ہی اسلام قبول کیا تھا اور وہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ اور ان میں سے صاحبِ علم و فن و فہم و ادراک دانشوروں (Intelligentia) نے مل کر ایک ''مقتدرہ'' تشکیل دے لی اور اسلام یعنی القرآن اور رسول و صحابہ کے خلاف جال بچھانا شروع کر دیا۔

آگے خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ''جوینی نے ''تاریخ جہانکشا'' میں، حمد اللہ مستوفی نے ''تاریخ گزیدہ'' میں، محمد بن علی شبانکارہ ئی نے ''مجمع الانساب'' میں اور خواجہ نصیر الدین طوسی نے ''تاریخ اصناف المخلوقات'' میں اس طرح لکھا ہے کہ جب جمال محمدی سلامٌ علیہ کے آفتاب جہاں تاب کی شعائیں چار دانگ عالم میں پھیلیں اور دنیا

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۱۵۔۱۱۶

کی تاریکی کے بادل چھٹنے لگے اور عرب گروہ در گروہ مدینہ منورہ آکر دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو خالد نے بھی اسلام قبول کیا اور اس سعادت سے مشرف ہو کر بنی اسرائیل، بنی افغان اور بنی اعمام کو جو غور کے نواحی پہاڑوں میں بستے تھے اور جس زمانے میں بخت نصر نے انہیں بیت المقدس سے نکالا تھا وہیں سکونت پذیر تھے، ایک خط لکھا۔ اس خط میں خالد نے ان قبیلوں کو پیغمبر آخر الزماں کی تشریف آوری، اسلام کی حقیقت اور اپنے ایمان کی خبر دی۔ خالد کا یہ خط جب اس قوم کے پاس پہنچا تو انہوں نے اپنے سرکردہ آدمیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا۔ بنی افغان کا سب سے بڑا سردار قیس نامی ایک شخص تھا جس کا شجرۂ نسب سینتیس (۳۷) واسطوں سے ملک طالوت اور پینتالیس (۴۵) واسطوں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ تک پہنچتا تھا.................. الغرض جب افغانوں کی یہ جماعت مدینہ پہنچی تو حضرت خالد کی وساطت سے حضور سرور کائنات سلامٌ علیہ کی خدمت میں شرف یاب ہوئی اور دولتِ اسلام سے مالا مال ہوئی۔ آنحضرت نے اس جماعت کے ساتھ ہر طرح سے شفقت فرمائی۔ ان میں ہر ایک کا نام پوچھا۔ اس کے بعد آپ سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ قیس عبرانی نام ہے اور ہم اہل عرب ہیں۔ پھر کمال شفقت سے قیس کا نام بدل کر عبد الرشید رکھا اور فرمایا کہ چونکہ تم لوگ مَلک طالوت کی اولاد ہو جسے حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''مَلِک'' کے خطاب سے یاد کر کے عزت بخشی ہے اس لئے بہتر ہے کہ تمہیں بھی لوگ ''مَلک'' کہا کریں۔ جب آپ سلامٌ علیہ فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو خالد اور عبد الرشید دونوں کو آپ کے ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل تھا۔ فتح مکہ کے دن آپ سلامٌ علیہ نے بنی اسرائیل کے مسلمانوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ ملک عبد الرشید کے زیر کمان جہاد میں شریک ہوں۔ اس جماعت کے سب لوگوں نے اس روز جاں نثاری کا پورا ثبوت دیتے ہوئے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور قریشِ مکہ کے ستّر کافر خالد اور اس جماعت کے ہاتھوں قتل ہوئے۔[1] فتح کے بعد جب حضرت خالد حضور سرور کونین سلامٌ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ملک عبد الرشید کی بہادری جوانمردی کے واقعات حضور کو بتائے۔ یہ سُن کر آپ کی زبان مبارک پر برملا یہ الفاظ جاری ہوئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس مرد کی آل اولاد کو بہت فروغ بخشے گا، اس حد تک کہ اس کے قبیلہ کی تعداد اور طاقت باقی سارے قبیلوں سے زیادہ ہو گی۔ آپ سلامٌ علیہ نے مزید فرمایا کہ مجھے وحی کے ذریعہ آگاہ کیا گیا ہے[2] کہ اسلام کی خدمت کے لئے اس قبیلہ کی کثرت واستحکام کو وہی بنیادی حیثیت حاصل ہو گی جو کشتی اور جہاز کے نیچے والی اس لکڑی کو حاصل ہوتی ہے جس پر کشتی یا جہاز کی عمارت استوار کی جاتی ہے۔ چونکہ اس لکڑی کو سمندروں اور دریاؤں کے پانیوں میں رہنے والے لوگ ''بتھان'' کہتے ہیں اس لئے میں عبد الرشید کو ''بتھان'' کا خطاب دیتا ہوں''۔[3] کثرت استعمال سے یہ لقب بتان یا بتھان سے، فارسی کے اثر سے، پتھان پھر پٹھان ہو گیا اور آج افغان وپاکستانی سرحدی قبائل اپنے آپ کو پٹھان کہنے پر فخر کرتے ہیں۔ جبکہ ان کے رویوں میں وہی بنی اسرائیل یا یہودیوں والی جھلک پائی جاتی ہے اور دینی عقائد میں بھی وہ سوچنے

[1] یہ روایت ہی محل نظر ہے۔ خواجہ صاحب نے بھی اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ ......[2] یہ بیان بھی غلط ہے۔ یونکہ اس طرح کی وحی قرآن کریم میں موجود نہیں۔ یہ بھی فضائل کی دیگر روایات کی طرح گھڑی گھڑائی روایت ہے۔ اسی روایت میں خواجہ صاحب نے حضور کی پیش گوئی بھی لکھی ہے کہ اس قبیلہ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام قبیلوں پر ہر طرح سے بڑائی عطا کر دی ہے۔ یہ بھی ثابت نہیں۔ ......[3] ایضاً۔ صفحہ ۱۱۶۔۱۱۸

و سمجھنے یا تفکر و تحقیق سے عاری ہیں اور باپ دادا کی پیروی یا تقلید ہی پر اَڑے رہتے ہیں۔

بنی اسرائیل یا یہود کے پٹھان بننے کے بعد اب ہم پھر تاریخ کے اس باب کی طرف پلٹتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہود کی سرکشیاں شام کے علاقے میں بہت بڑھ جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ جلیل القدر رسول عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ انہیں اپنی منافقانہ بداعمالیوں سے سولی پر لٹکا کر خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان پر ۷۰ عیسوی میں رومن عیسائیوں کی افواج عذاب بنا کر مسلّط کر دیتا ہے۔ وہ نہ صرف یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں بلکہ ان کی مرکزی عبادتگاہ، جو تقریباً پانچ سو سال پہلے پارس کی مدد سے دوبارہ تعمیر کر دی گئی تھی، کو زمین بوس کر دیتے ہیں۔ اس تباہی کے بعد آج تک کوئی بھی اس عبادتگاہ یا ہیکلِ سلیمانی کو دوبارہ یا سہ بارہ تعمیر نہ کر سکا۔ وہاں اب کچھ عرصہ قبل کھدائیوں کے نتیجہ میں کسی دیوار یا نبو کے آثار ملے ہیں جس کو دیکھ دیکھ کر یہودی وہاں کھڑے ہو کر روتے ہیں (چنانچہ اس آثار کا نام ہی "دیوارِ گریہ" پڑ گیا ہے۔Wailing Wall) اور ایک اور نبی یا مہدی کے آنے کیلئے دعائیں کرتے ہیں۔ جس طرح انہیں کے پروردہ ایک فرقہ کے لوگ "اَدرِکنی یاصاحب الزماں" کی نہ صرف دعائیں کرتے ہیں بلکہ یہ دعا لکھ لکھ کر آٹے کی گولیوں میں لپیٹ کر دریا و سمندر میں بہاتے ہیں اور خواب دیکھتے ہیں کہ عراق کے غار میں تقریباً بارہ سو سالوں سے چھپا ہوا مہدی نیلا عمامہ پہنے، ہاتھ میں دو دھاری اور دو شاخہ تلوار لئے ظاہر ہو رہا ہے۔ ادھر ہیکل سلیمانی کے دو ہزار سال سے تباہی کے باوجود بیوقوف مسلمان اور ان کے مُلّا اس کو مسجد اقصیٰ کا نام دیتے ہوئے اسے قبلہ اوّل قرار دیتے ہیں، جبکہ اس عبادتگاہ کا اپنا قبلہ بھی خانہ کعبہ ہی تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قبلہ اوّل بنایا ہوا تھا (اَوَّلَ بیتٍ ،۹۶/۳) ظاہر ہے کہ کوئی بھی نبی یا رسول اللہ کے بنائے ہوئے کے خلاف عمل نہیں کر سکتا تھا اور حضرت سلیمان کی بنائی ہوئی عبادتگاہ کو خود اسی کا اپنا قبلہ نہیں بنا سکتا تھا۔ دوسری بیوقوفی دیکھئے کہ مسلمان کہتے اور مانتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے شب معراج وہاں تمام انبیاء کرام کی نماز باجماعت کی امامت کی تھی جبکہ وہاں کوئی مسجد یا عبادتگاہ تھی ہی نہیں، پھر تمام انبیاء زندہ ہو کر وہاں کیسے جمع ہو گئے تھے؟ تیسری بیوقوفی کہ مسلمان اپنے گھروں اور مساجد میں بھی گنبد صخرہ کی تصویر / طغرہ لگاتے ہیں اور اسے مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کہتے ہیں حالانکہ وہ تو ایک پہاڑی کا ٹکڑا تھا جہاں یہودی قربانیاں کرتے تھے۔ اس پر خلیفہ عبد الملک نے اپنے دَورِ خلافت میں بڑا سا گنبد بنوا دیا تھا............ غرضیکہ سنہ ۷۰ عیسوی میں یروشلم اور ہیکل سلیمانی کی مکمل تباہی کے بعد اگر کوئی یہودی زندہ بچ گیا تو وہ بھی وہاں سے پارس کی طرف یا حجاز کی طرف کھسک لیا۔ انہی دو بڑی تباہیوں بلکہ عذابِ الٰہی کے بعد یہود نہ صرف پارس میں منتقل ہو گئے بلکہ مصر، عرب بالخصوص مکہ اور خیبر کے علاقے اور یمن وغیرہ میں بھی جا بسے۔

اس مقام پر اس حقیقت پر بھی غور کر لیجئے کہ ۷۲۰ قبل مسیح کی پامالی اور تباہی سے لے کر ۷۰ عیسوی تک کے تقریباً آٹھ سو سال میں منتشر شدہ دیگر ممالک میں منتقل ہو کر آباد شدہ یہودیوں پر کیا گزری! یہاں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اب سے تقریباً ستائیس سو سال پہلے بنی اسرائیل یا یہود کا جو انتشار و اخراج شروع ہوا تھا تو اس میں شروع کے آٹھ سو سال اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً چھ سو سال بعد تک یعنی تیرہ سو سال تک وہ مختلف مغربی (روم

وغیرہ) اور مشرقی ممالک (پارس) میں مختلف حکومتوں، مختلف مذاہب، مختلف زبانوں اور مختلف تہذیبوں کے زیرِ سایہ پھلتے پھولتے رہے۔ وہ وہاں نہ صرف آباد ہو گئے بلکہ ان تہذیبوں میں گھل مل گئے بلکہ بذریعہ تجارت ان ممالک کی معیشت میں بھی شریک ہو گئے اور تجارت کرتے ہوئے ملک چین اور انڈیا تک پہنچ گئے۔ تجارت و راہداری کے سلک روٹس (Silk Routs) اسی زمانے میں وجود میں آئے جبکہ مختلف مذاہب و تہذیبیں بھی اسی دَور کی پیداوار ہیں مثلاً زرتشتی یا پارسی مذہب (۱۲۰۰۔۱۰۰۰ قبل مسیح) سکندرِ اعظم کی مقدونیہ سے لے کر مصر، پارس، وسطی ایشیا اور شمال مغربی ہندوستان تک کی فتوحات اور حکمرانی (۵۴۹ سے ۳۳۰ قبل مسیح تک)، بابل کی سائرس اعظم کے ذریعہ فتح (۵۳۹)، مشرقی ایشیا مع ہندوستان میں گوتم بدھا (۵۰۰ قبل مسیح) کی تعلیمات و عمل، پارتھین ایمپائر (۲۴۷ قبل مسیح سے ۲۲۴ عیسوی تک) پھر عیسائیت (تیس ۳۰ عیسوی سے)، حکیم مانی کا نیا مذہب (۲۱۶ سے ۲۷۶ عیسوی)، ساسانی ایمپائر (۲۲۴ سے ۶۵۱ عیسوی تک) پھر مزدکی تحریک (۵۲۰ عیسوی سے) وغیرہ۔ غرضیکہ ان اثرات کے تحت وہ نہ تو اپنی تہذیب ہی پر قائم رہ سکے اور نہ ہی دینِ ابراہیمی و موسوی و سلیمانی پر قائم رہ سکے۔ بلکہ انہوں نے چار سو عیسوی سے چھ سو عیسوی تک، حضرت موسیٰ کے بعد جاری تورات کو، جس کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ وقتاً فوقتاً ان کے ربیوں (Rabbies) پر الہامات ہوتے رہے، زبانی تورات بنالیا۔ اور عیسائیوں، مانیوں اور زرتشتیوں کی طرح ربیوں نے زبانی تورات کو لکھنا شروع کر دیا اور اس کو "مِشناہ" کا نام دیا۔ اور پھر اس کی تفسیر یا تشریح بھی لکھ ڈالی اور اس کو "گیمارا" کا نام دیا۔ یہ دونوں چیزیں مل کر "تالمود" کہلاتی ہیں جو کہ آج یہودیت (Judaism) کی اصل اصول ہیں [1] جبکہ توریت کو تو تحریف کر کے کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہے۔ مِشناہ وگیمارا کی طرح مسلمان محدثین نے بھی زبانی سنی سنائی باتوں کو جمع کر کے انہیں حدیث کا نام دیا اور پھر ان کی شرحیں، شرح بخاری، شرح مسلم وغیرہ کے ناموں سے لکھیں اور یہ لکھنے والے بھی اصل میں سب کے سب پارسی و یہودی النسل لوگ ہی تھے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی مِشناہ وگیماراہ ہی کو دیکھ کر یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اگر مسلمین بھی سنی سنائی روایات لکھنا شروع کر دیں گے تو ایک اور مِشناہ وگیمارا وجود میں آجائیں گی اور قرآن کریم مہجور کر دیا جائے گا۔ (ان کی شہادت کی ایک وجہ یہ بھی تھی یونکہ منافقین کے گروہ میں صرف پارسی ہی نہیں بلکہ یہودی بھی شامل ہو چکے تھے۔ صدیق) ان کا خدشہ صحیح ثابت ہوا اور مجوس و یہود کی سازش سے صحاح ستہ اور نام نہاد حدیث کی تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) کتابیں لکھ ڈالی گئیں اور پھر اس سے بھی زیادہ ان کی شرحیں لکھ دی گئیں۔ اور آج انہیں پر عمل ہو رہا ہے اور قرآن کریم کو صرف نام کیلئے معنوی تحریف اور تاویلات کر کے استعمال کیا جارہا ہے ورنہ تو اسے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد تقریباً ساڑھے پانچ سو سال بعد تک کوئی نبی یا رسول نہیں آیا بالخصوص جزیرہ نماء عرب دنیا میں، (القرآن: ۱۹/۵، ۳/۳۲، ۴۴/۳۴، ۳۶/۶، ۴۶/۲۸، ۶۲/۲) اسی لئے ان کو اُمِّیُّوْن اور

[1] ملخصاً: Spirituality in the Land of the Noble. How Iran shaped the World Religions. By Richard C . Foltz. Chapter 3 Judaism , and Historical Timeline. Reprint 2008, Oneworld Publications , 185 Banbury Road, Oxford OX27 AR, England.

اُمِّیّین کہا جاتا ہے(۲/ ۶۲ ، ۷۸/ ۲ ، ۲۰/ ۳ ، ۷۵/ ۳)اور ان کے رسول کو اُمِّی یاأَلنَّبِیّ الْأُمِّیّ کہا جاتا ہے(۱۵۸/ ۷) پھر ۶۱۰ عیسوی میں حضرت محمد سلامٌ علیہ کی بعثت ہوتی ہے۔ اور اسلام کا نیا دَور شروع ہوتا ہے۔ آپ کی بعثت سے پہلے دنیا کی بالخصوص عرب کی دینی و اخلاقی و تہذیبی حالت اس قدر دگر گوں ہو چکی تھی کہ تاریخوں میں اس کو دَورِ جہالت کہا جاتا ہے۔ ہر طرف فسق و فجور، ظلم اور شرک پھیلا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ قریش کے قبائل جو کہ آلِ اسمٰعیل تھے اور دین ابراہیم پر ہونے کے دعویدار تھے ان میں بھی شرک و بت پرستی، ماسوائے چند کے، عام ہو چکی تھی اور انہوں نے خانہ کعبہ یعنی اَوّلَ بَیتٍ، قبلہ اول کو بُت خانہ میں بدل دیا ہوا تھا اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے پنجتن (وَدّ، سُواع، یَغُوث، یَعُوق اورنسر ۲۳/ ۷۱) اور بَعل کا بھی بت ۳۶۰ بتوں کے علاوہ رکھے ہوئے تھے اور قبیلہ قریش کے اکثر لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بعثت سے تقریباً ایک عشرہ پہلے، روایت کے مطابق، زوجہ ابو طالب بتوں کی پوجا کیلئے خانہ کعبہ گئیں تو وہاں حضرت علی کی پیدائش ہو گئی۔ یعنی بت خانہ میں پنجتن کے قدموں میں ان کی پیدائش ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد جبکہ وہ بچہ ہی تھے، ان کے والد کی جسمانی معذوری اور غربت کے باعث رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ان کو اپنی کفالت میں لے لیا اس طرح ان کا بچپن اور لڑکپن رسول سلامٌ علیہ کے گھر میں گذرا ۔ چنانچہ بعثت نبوی کے بعد لڑکوں میں وہ پہلے مسلم ہو گئے حالانکہ اس وقت تک تو انہوں نے اس بارے میں سوچا تک نہ ہو گا، بلکہ رسول کی زیرِ صحبت و تربیت اور ان کے گھر میں ہونے کی وجہ سے ان کے کہنے سے اسلام قبول کر لیا۔ رسول کی بعثت کے فوراً بعد بھی یہ بت پرستی ختم نہ ہوئی بلکہ اس کو ختم ہونے میں تقریباً بیس سال لگ گئے جب مکہ بغیر کسی جنگ و جدال کے فتح ہو گیا اور اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ تب رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ان تمام ۳۶۵ بتوں کو معہ پنجتن کے تڑوا کر پھینکوا دیا اور پھر اگلے سال اعلانِ عام کروا دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ، قبلہ اول بیت الحرام کے پاس بھی نہ آنے پائے۔

رسول اللہ سلامٌ علیہ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں پورا جزیرۃ العرب کا تقریباً دس لاکھ مربع میل کا علاقہ اسلام قبول کر چکا تھا، سوائے خیبر و یمن کے چند یہودی قبائل کے، اور اسلامی حکومت بانگ دھل قائم ہو چکی تھی۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دَور خلافت میں روم کی فتح کا آغاز ہو گیا تھا اور آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں تقریباً ۶۴۰، ۶۴۱ عیسوی میں نہاوند کے مقام پر ساسانی افواج کی شکست کیساتھ پارس (یعنی ایران) کی فتح کا آغاز ہو چکا تھا۔ ان دونوں ایمپائرز (Empires) پر مکمل غلبہ خلیفہ سوم حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہو گیا۔ اس کے بعد خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں نہ کوئی ملک فتح ہوا نہ شہر بلکہ تاریخ کے مطابق تو یہی تقریباً چار پانچ سالہ دَور ہے جب مجوس و یہود کی بنائی ہوئی مقتدرہ کی سازشیں کامیاب ہوئیں اور مسلمین کو آپس ہی میں جنگوں میں الجھا دیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی تبلیغی یا جہادی کاوش نہیں کرنے دی گئی چونکہ مقتدرہ کے ایجنٹوں نے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلومانہ شہید کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا پھر ان پر چاروں طرف سے غلبہ کئے رہے۔ ان کے فضائل میں روایتیں (نام نہاد احادیث) گھڑ گھڑ کر پھیلانا شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ ان کو امام بنا کر اسلام میں اصل اسلام سے ہٹا کر، پہلا فرقہ بنا

دیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرمادیا ہوا تھا کہ فرقہ بندی شرک و کفر ہے (۳۱۔ ۳۲/۳۰ ، ۳۲/۴۷ ۱۹) اور شرک ظلم عظیم ہے (۱۳ /۳۱) اور فرقہ والوں کا رسول سے کوئی تعلق نہیں۔ (۱۵۹ /۶)۔ انہوں نے قوم نوح کی طرح نئے پنجتن بنا کر اپنی تمام عقیدتیں، عبادتیں، اطاعتیں اور دعائیں، بجائے اللہ رب العالمین کے ان پنجتن میں مرتکز کر دیں........
آخر کو ''مقتدرہ'' کے ایجنٹوں نے ۶۶۱ عیسوی میں حضرت علیؓ کو بھی شہید کر کے بادشاہت یا ملوکیت کی یاد تازہ کر دی کہ ان کے بیٹے حضرت حسنؓ کو خلیفہ پنجم بنا دیا۔ وہ ملوکیت کے اس بوجھ کو نہ سہار سکے (یونکہ وہ شادیاں کرنے کے بہت شوقین تھے۔ چنانچہ انہی کی کسی نئی نویلی دلہن یا کنیز کے ذریعہ ان کو بھی زہر دے کر شہید کرا دیا گیا) تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اس طرح حضرت معاویہؓ چھٹے خلیفہ راشد ہو گئے ۔ ان کی مدبرانہ سختی و انتظامی صلاحیتوں کے باعث اور قرآن کریم کے مطابق خلافت / حکومت چلانے کے باعث مقتدرہ کے ایجنٹ زیادہ کامیاب نہ ہو سکے بلکہ زیرِ زمین رہ کر، نئے بسائے ہوئے شہر کوفہ کو (حضرت علیؓ کے ذریعہ اس کو دارالخلافہ بنائے جانے کے بعد) وہاں نام نہاد حدیثیں بنانے کی ٹکسالیں لگالیں۔ اور اس طرح مسلمین کو قرآن کریم سے دُور کرنے اور اسلامی شناہ بنانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جب خلیفۃ المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوتی ہے اور حضرت یزیدؒ ساتویں خلیفۃ المومنین متفقہ طور پر بیعتِ مومنین کے بعد بنائے جاتے ہیں تو مقتدرہ کے ایجنٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بیٹے حضرت حسینؓ کو بہکانے اور ورغلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ بادشاہت و ملوکیت کے اصولوں کے مطابق خلافت آپ کا حق ہے یونکہ حضرت حسنؓ خلاف سے دستبردار ہو گئے تھے۔ اس لئے اب آپ خروج کریں (بغاوت کریں) ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ حضرت حسینؓ لالچ میں آ گئے اور صحابہ کبارؓ کے سمجھانے کے باوجود، حج بھی چھوڑ کر، مکہ معظمہ سے خروج کر گئے۔ راستہ میں روک لئے گئے اور جب وہ تین شرائط پر راضی ہونے لگے تو ان پر ساتھ آئے ہوئے ایجنٹوں نے بلوہ کر دیا جس کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ اور ان کے چند ساتھی ۶۸۰ عیسوی میں قتل کر دیئے گئے۔ اگر وہ اس طرح بلوہ کے نتیجہ میں قتل نہ کئے جاتے اور خروج سے توبہ نہ کرتے تو بھی تو (نام نہاد) حدیث کے مطابق قتل کر دیئے جاتے کہ ''کسی ایک خلیفہ کی بیعت ہو جانے کے بعد کھڑے ہونے والے یا خروج کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ)'' ان کے قتل کے بعد، مقتدرہ کے ایجنٹوں کو موقعہ ملا اور انہوں نے خلیفۃ المومنین حضرت یزیدؒ کے خلاف اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ انہوں نے ملوکیت شروع کی، حالانکہ وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹے حضرت حسنؓ کو پانچواں خلیفہ بنانے سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ مسلمین میں، مقتدرہ کے ایجنٹوں نے یہ اتنا بڑا انزاع کھڑا کر دیا کہ آج تقریباً ۱۴۰۰ سال گزرنے کے باوجود بھی زندہ ہے اور اس کے باعث مسلمانوں میں بہت سے فرقے بن چکے ہیں۔ مقتدرہ یا ان کے ایجنٹوں نے دوسرا بڑا انزاع امامت کا کھڑا کر دیا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وصی اور امام بنایا اور امامت میں ملوکیت کا اصول نافذ فرمایا تھا کہ باپ کے بعد بیٹا امام ہو گا۔ امام پر بھی وحی ہوتی ہے اور اس کا فرمایا ہوا حرف آخر ہوتا ہے۔ قرآن تو اللہ نے یونہی مجملاً نازل کر دیا حتیٰ کہ وقتاً فوقتاً اس کو اپنی آیات منسوخ کرنی پڑیں۔ تو قرآن کی تفسیر و تشریح جو امام کرے وہی صحیح ہو گی وغیرہ

وغیرہ۔ اس قسم کے غیر قرآنی عقائد نے قرآنی اور اصل اسلام کی اچھی طرح بیخ کنی کی اور مسلمین کو صراط مستقیم سے ہٹا کر ان کے سامنے مجوس و یہود کا بنایا ہوا اسکینڈ ہینڈ اسلام پیش کر دیا اور اس پر طرہ کہ جو اس کو نہ مانے اس پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپس کی نام نہاد خانہ جنگیاں یا جنگیں تو ختم ہو گئیں مگر کوفہ میں شر جاری رہا گو کہ وہ سب خفیہ طریقے سے ہو تا رہا کہ مقتدرہ کے ایجنٹ نام نہاد حدیثیں گھڑتے رہے اب چونکہ صحابہؓ کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی اور تابعین و تبع تابعین یعنی نو مسلموں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی تو ان کو حدیث رسول کا نام لے کر یا کسی بھی گھڑنت کو رسول کی طرف منسوب کر کے اگر کوئی بات بتائی جاتی تو عقیدت رسول کی وجہ سے وہ نو مسلم اس کو مان لیتے اور سوچنے سمجھنے سے قاصر رہتے یونکہ قرآن کریم کی تعلیمات سے بے بہرہ ہوتے تھے۔ بہر حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بھی ایجنٹ حضرات نام نہاد احادیث کی تدوین نہ کرا سکے اور جو تبع تابعین خلیفہ المومنین بنے وہ عام طور پر صحابہؓ کے تربیت یافتہ تھے تو قرآن کریم کے مطابق ہی نظام حکومت چلاتے رہے۔ بشری کمزوریاں تو یقیناً ان میں بھی رہی ہوں گی مگر پھر بھی قرآن کریم ہی سپریم (Supreme) رہا اور گھڑنت عام نہ ہو سکیں۔ یہ حقیقت مجوسی و یہودی سازشی ذہنوں کو ہضم نہیں ہو رہی تھی چنانچہ وہ اموی حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے اور اب انہوں نے نئی چال یہ چلی کہ آل عباس کو بھڑکا کر میدان میں لے آئے اور دوسری صدی ہجری میں محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن مطلب کی سربراہی میں ایک سیاسی گروہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ محمد بن علی کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے ابراہیم ۱۲۴ ہجری میں اس گروہ کے سردار بنے۔ ادھر مشرقی پارس کے علاقہ میں ایک مجوسی النسل باصلاحیت شخص نے وہاں کے مقامی مجوسیوں کو اور بہت سے عربی النسل شیعوں کو جو کہ مذہب مزدک کے زیر اثر تھے ملا کر بغاوت کی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں۔ اس شخص کو یعنی ابو مسلم خراسانی کو ابراہیم بن محمد بن علی نے اپنا نائب منتخب کر کے اس علاقہ سے بغاوت کیلئے ابھارا۔ چنانچہ اس شخص نے ۷۵۰ عیسوی میں جلوس[1] نکالنا شروع کئے کہ عباسیوں کو بھی حکومت ملنا چاہئے وہ جلوس بڑھتے بڑھتے بغاوت اور جنگ کا روپ دھار بیٹھے اور نتیجتاً بنی امیہ کی تقریباً ۸۸ سالہ (۶۶۱ عیسوی سے ۷۴۹ عیسوی) عظیم حکومت کو ختم کر کے ۷۵۱ عیسوی میں عباسی خلیفہ بٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ غلبہ حاصل ہونے کے بعد عباسیوں نے چُن چُن کر بنو امیہ کے افراد کو بلاوجہ قتل کرنا شروع کر دیا تا کہ مستقبل میں ان سے کوئی سیاسی خطرہ نہ رہے۔ اسی زمانے میں ابراہیم بن محمد بن علی نے ابو مسلم خراسانی کو حکم دیا کہ خراسان میں آباد کسی عرب کو زندہ نہ چھوڑنا۔ جبکہ ابو مسلم خراسانی خود بھی پارسی النسل ہونے کی وجہ سے عربوں سے سخت نفرت کرتا تھا اس نے عربوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جبکہ وہ عرب آباد کار دوسرے پڑوسی ملکوں کی طرح' یہاں کی زبان پارسی (فارسی)، معاشرت، تہذیب و تمدن کو عربی بنانے میں مصروف تھے۔ وہ عمل یکایک رُک گیا۔ اس طرح پارسی زبان و تہذیب ختم ہونے سے بچ گئی۔ اور آج تک پارسی یا فارسی زبان و تہذیب باقی ہے اور مصر و شام و عراق کی طرح عرب دنیا کا حصہ نہیں ہے۔ وہ آج بھی فارسی ملک ہے گو کہ وہاں کے علماء عربی کے بھی ماہر ہوتے ہیں اور عراقی و شامی علماء کے ساتھ مل کر

[1] آج انڈیا، پاکستان میں جو آئے دن جلوس نکالے جاتے ہیں اور دھرنے دیئے جاتے ہیں یہ ابو مسلم خراسانی ہی کی اتباع ہوتی ہے۔ یعنی اس نے جو بدعت نکالی تھی اس کی یہ سنت ہے!

عربی میں کتابیں لکھتے ہوتے ہیں۔ مقام عبرت ہے کہ نئے عباسی حکمرانوں نے اپنے پارسی محسن کو بھی نہ چھوڑا اور اس سے آئندہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے ۷۵۳ عیسوی ہی میں ابو مسلم خراسانی کو بھی قتل کرادیا۔ اس کے نتیجہ میں ،اس کے غیر مسلم متبعین یعنی مزدکی اس کے ہمدرد بن کر میدان میں آگئے اور عباسیوں کے خلاف بغاوتیں شروع کردیں۔ ان میں سے ایک مزدکی "المقنّع" نے نبوت کا دعویٰ بھی کردیا اور پھر ایک اور مزدکی 'بابک' نے ۸۱۶ عیسوی میں باقاعدہ بغات بھی کردی اور ایک نیا مذہب "خرم دین" ایجاد کردیا۔ ان باغیانہ حرکتوں نے عباسیوں کو کافی پریشان رکھا اور وہ صرف سیاسی طور پر اپنا اقتدار بچانے میں لگے رہے اور بمشکل ۸۳۷ عیسوی میں اسے قید کرکے قتل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے قتل کے بعد بھی اس کے مزدکی چھوٹی موٹی بغاوتیں کرتے رہے مگر پھر آہستہ آہستہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں مسلمان بن کر شامل ہوتے گئے اور بہت سوں نے اسماعیلی شیعہ امام کو اپنا امام مان لیا۔ جس نے نہ صرف باطنیت اور صوفی ازم کو، اسلام سے پہلے کے طریقوں پر، جنم دیا۔ جس کو وہ عرفان کہتے تھے۔ ۱۸۴۴ عیسوی میں ایک انگلش مشنری، جوزف وولف (Joseph Wolff) کی ملاقات ایک پارسین صوفی گروہ سے ہوئی جبکہ وہ سنٹرل ایشیاء میں سفر کررہا تھا۔ اس گروہ نے اس کو بتایا کہ: "وقت آئے گا جب امیر و غریب کا فرق نہیں رہے گا۔ بڑا چھوٹا نہیں رہے گا۔ جائدادیں سب کیلئے عام ہو جائیں گی۔ حتیٰ کہ بیویاں اور بچے بھی سب کیلئے عام ہوں گی"۔ اس طرح سے پارسی صوفیوں نے مزدک مذہب وروایات کو تیرہ سو سال سے زندہ رکھا ہوا ہے۔[1]

اب جبکہ دوسری صدی ہجری میں عباسی اقتدار میں آچکے ہیں تو وہ تو مزدکیوں کے ہاتھوں کافی پریشان دور سے گزر رہے ہیں اور دین کی طرف توجہ مبذول نہیں کرسکتے ہیں تو مقتدرہ کے ایجنٹوں کو، جن کے ساتھ روم کی فتح کے بعد عیسائی بھی شامل ہو چکے ہیں، خوب گل کھلانے کے سنہری مواقع مل گئے۔ انہوں نے سب سے پہلے تو پہلی صدی ہجری کا تمام سرکاری ریکارڈ تلف کروادیا۔ دوسرے نام نہاد احادیث گھڑ گھڑ کر لوگوں کے عقائد آہستہ آہستہ بدلنے میں کامیاب ہوتے گئے۔ نیز اسلام میں نام نہاد حدیث کے بعد فقہ کی بدعت بھی شروع کرادی اس طرح ایک گروہ نام نہاد حدیث گھڑتا رہا تو دوسرا گروہ قیاس کر کرکے روزمرہ کے مسائل گھڑتا رہا کہ اگر سوال یا مسئلہ یا موقعہ یوں ہو تو اس کا حل یا جواب یہ ہو گا۔ حتیٰ کہ فقہاء سے کتاب حیل بھی گھڑ والی کہ کسی غلط کام یا گناہ کرنے کا کیا جواز ہونا چاہئے۔ اس طرح سے انہوں نے قرآن کریم کی اہمیت اور حاکمیت (Supermacy) کو ختم کرنے کیلئے ہر حربہ تیار کردیا کہ اگر (نام نہاد) حدیث سے کام نہ چلے تو فقہ سے کام چلا لو۔ اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو کتاب الحیل سے کام چلالو۔ اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو مُلّا و مفتی کے فتویٰ سے کام چلالو۔ (خیال رہے کہ اسلام کے قرنِ اوّل یعنی پہلی صدی ہجری میں نہ کوئی مُلّا ہوتا تھا اور نہ ہی کوئی مفتی۔ یہ دونوں مقتدرہ ہی کی پیداوار ہیں۔ بلکہ مُلّا تو پارس کے مجوسیوں کی پیداوار ہے۔ مُلّا تو صرف پارس ہی میں ہوتے تھے مگر مجوس، یہود و عیسائی مقتدرہ اور اس کے ایجنٹوں نے مُلّا کا ادارہ مسلمانوں کو بھی دیدیا۔ حد تو یہ ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں جسے اسلامی جمہوریہ (Islamic Republic) کہا اور مانا جاتا ہے، قانون کی تعلیم میں اسلامی فقہ کی

[1] ایضاً۔ ملخصًا (Chapter 6 Gnostic Traditions)

کتاب [1](Islamic Jurisprudence)ایک پارسی مُلّا کی لکھی ہوئی پڑھائی جاتی ہے (اب سے ۵۰ سال پہلے جب ہم قانون کی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو اس وقت بھی LLB کے ڈگری کورس میں یہی مُلّا کی کتاب شامل تھی اور آج بھی وہی کتاب پڑھائی جارہی ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ پاکستان میں ایک سے ایک بڑے وکیل ہوئے ہیں ، حتیٰ کہ مذہبی سیاسی جماعتوں کے بھی بڑے بڑے وکیل، مگر کوئی بھی Islamic Jurisprudence پر کتاب نہیں لکھ سکا۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ درمیان میں آگیا)۔ غرضیکہ انہوں نے ہر طرح سے قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ کو مسدود کرنا شروع کر دیا۔ پھر سونے پہ سہاگہ کہ مترادف صحابہ کبارؓ، امہات المومنینؓ اور خود رسول اللہ سلامٌ علیہ کی عظیم شخصیات کو بھی مشتبہ کرنا شروع کر دیا تاکہ نئے ایمان لانے والوں کا ایمان متزلزل ہو جائے۔ اس طرح کی گھڑنت گھڑیں کہ رسول کی وفات کے بعد تمام صحابہؓ سوائے تین کے مرتد ہو گئے تھے [2]۔ (نعوذ باللہ)۔ یا یہ کہ قیامت کے دن جب فرشتے لوگوں کو جہنم کی طرف ہانک رہے ہوں گے تو رسول دیکھیں گے کہ ان میں ان کے صحابہؓ بھی شامل ہیں۔ [3] (نعوذ باللہ)۔ اور پھر اسی پر بس نہیں کیا، چونکہ وہ ایک سے زائد الٰہ ماننے والے تھے، اس لئے، انہوں نے الٰہ واحد پر بھی وار کیا کہ اس سے بھی بداء (بھول چوک) ہو جاتا ہے۔ اکثر وہ ایک حکم دیتا ہے، پھر اس پر عمل نہ ہونے کی صورت میں اس کو بدل دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی نازل شدہ الکتاب، القرآن الحکیم میں بھی آیات نازل کرنے کے بعد منسوخ کر دیتا ہے اور نئی آیات نازل کر دیتا ہے اس طرح القرآن ناسخ و منسوخ آیات کا مجموعہ ہے (نعوذ باللہ) غرضیکہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یعنی عباسی دَور خلافت میں "مقتدرہ" نے مسلمین کو اصل اسلام سے ہٹانے کیلئے زبردست کام کیا اور نو مسلموں میں اس طرح سے شرک و بدعت اور نئے نئے غیر قرآنی اعمال و عقائد عام کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اب انہوں نے (نام نہاد) احادیث اور فقہ کو کتابی شکل میں مدوّن و مرتب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور مختلف کتابیں لکھی جانے لگیں، خواہ مرتبین کے اصلی ناموں سے یا مصنوعی ناموں سے ، کوئی کتاب کسی کے نام اور مقام رہائش سے منسوب کر کے ۔ بہر حال آپ دنیا کی تمام لائبریریاں یا ملّاؤں کے مدرسے کھنگال ڈالئے آپ کو کہیں بھی (نام نہاد) حدیث کی لکھی ہوئی دوسری تیسری صدی ہجری کی اصل مرتب کی لکھی ہوئی اصل کتاب نہیں ملے گی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب بھی تیسری صدی کے بعد لکھی گئیں۔ اسی طرح فقہ کی کتابیں ڈھونڈلیں تو کسی کا بھی اصل نسخہ نہیں ملے گا بلکہ فقیہ اعظم نے تو کوئی کتاب لکھی ہی نہیں تھی سارا کاروبار زبانی زبانی تھا۔ مگر آج مُلّا ان کی طرف بھی کتابیں منسوب کرنے لگا ہے۔ (اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم)

۱۔ "Principles of Muhammadan Law" By Right Honourable Sir Dinshah Fardunje Mulla, KT., C.I.E., MA, LLD, 1st Edition 1906, 20th Edition 1995, Reprint 2001, by Umer Khurram Printers, 43 Lower Mall , Lahore, Mansoor Bok House, Katchery Road, Lahore.

۲۔ قرآن مجید مترجم از سید مقبول احمد صاحب دہلوی۔ پر حاشیہ آیت نمبر ۱۴۴ سورہ اٰل عمرٰن ۔ لفظ یَنقَلِب کی تفسیر۔ نیز حیات القلوب جلد دوم مؤلفہ علامہ مجلسی، باب ۵۸، بعض اکابر صحابہ کے فضائل، بحار الانوار از تالیفات علامہ مجلسی۔ وغیرہم......

۳۔ صحیح بخاری شریف، کتاب التفسیر، باب ۶۷۳، حدیث ۱۷۳۷

اب مختصر طور پر کچھ اور حقیقتوں پر بھی توجہ کر لیجئے جو کہ تقریباً تفصیلاً رچرڈ سی فولٹز (Richard C. Foltz) نے، بطور حوالہ پیچھے پیش کی گئی اپنی کتاب میں تحقیقی طور پر لکھی ہیں:

ساتویں صدی عیسوی تک دونوں ایمپائرز (بازنطینی یا رومن ایمپائر اور ساسانی یا پارسین ایمپائر) نے عرب علاقوں کی طرف سنجیدگی سے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ البتہ پارسین ایمپائر نے صرف ساحلی علاقوں پر کنٹرول رکھنے کی کوششیں ضرور کی تھیں۔ اس طرح سے ان علاقوں میں پارسی تجارت پیشہ افراد آباد ہو کر ان شہروں کی معیشت سنبھالتے تھے۔ اس طرح سے عرب کے ساحلی علاقوں (یمن، عدن، کویت، بحرین وغیرہ) میں پارسیوں کی آبادی ظہور اسلام سے پہلے سے تھی۔ اور ان میں کئی مذاہب و تہذیبوں کے افراد شامل تھے جیسے کہ ان میں زرتشتی جن کو آج پارسی کہا جاتا ہے، حکیم مانی کے مذہب والے، اور مزدکی وغیرہ بھی شامل تھے۔ عرب کا تمیم قبیلہ زرتشت کے مذہب کا ماننے والا پارسی تھا۔ اور غالباً اسی قبیلہ کے پہلے فرد جنھوں نے اسلام قبول کیا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے (خیال رہے کہ عربی میں لفظ 'پ' نہیں ہوتا۔ اسلئے عربی میں پارسی کو فارسی بولا اور لکھا جاتا ہے) اور فیروز جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وہ بھی پارسی غلام تھا۔

صدیوں سے روم میں صرف ایک ہی سرکاری مذہب عیسائیت تھا۔ اور پارس میں زرتشت۔ جبکہ حکومت و مذہبی پاپائیت کی طرف سے کسی اور مذہب یا فرقہ کو پنپنے نہیں دیا جاتا تھا۔ مگر جب وہاں اسلام نے اپنے قدم جمائے تو اس نے ہر کمیونٹی کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے معاملات و روایات و مذہب پر قائم رہ سکتے ہیں بس وہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس طرح کی آزادی کے باوجود آہستہ آہستہ زرتشتی مذہبی ٹھیکیداروں کی گرفت کمزور ہوتی چلی گئی جبکہ حکومتی سرپرستی تو اسلام کے آتے ہی ختم ہو گئی تھی۔ اب اسلام کے ساتھ ساتھ عیسائیت، حکیم مانی کا مذہب، مشرق میں بدھ مت اور مزدکی تحریک بھی پروان چڑھتی رہی۔ نیز یہ کہ پارس کے علاقے میں عرب اقلیت میں رہ گئے یونکہ ابو مسلم خراسانی نے زیادہ تر کا صفایا کر دیا تھا بہر حال پھر بھی ایک ہزارویں صدی عیسوی تک تقریباً ۸۰ فیصد پارسی اسلام قبول کر چکے تھے۔ لیکن ان کے عقائد، تہذیب و تمدن وغیرہ پارسی، زرتشتی، مانویت اور مزدکیت وغیرہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ عرب مسلمین نے پارسی عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کر دی تھیں نتیجتاً بچوں میں ماؤں کے عقائد یا تہذیب و تمدن کا اثر انداز ہونا ایک فطری عمل تھا۔ اس پر طُرہ یہ کہ عباسی حکمرانوں نے اپنا دار الخلافہ دمشق سے مشرق میں، پارس میں، منتقل کر کے بغداد بنا لیا جو کہ ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی 'اللہ کا عطا کردہ' ہیں۔ اس طرح سے پارسی اثرات کا دروازہ اور کھل گیا اور صرف معاشرتی مسائل ہی میں نہیں بلکہ اسلامی قانون کی تدوین اور نام نہاد احادیث کی تدوین پارسی تہذیب ہی کے زیرِ اثر اور زیرِ سایہ ہوئی۔ سنیوں و شیعوں سب ہی کی نام نہاد احادیث کی کتابیں پارسی النسل محدثین کی مدوّن کی ہوئی ہیں۔ جن میں سب ہی سُنی سنائی روایتیں اور گھڑی گھڑائی روایتیں جمع کی گئی ہیں۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللہ۔ اسی طرح سے فقہاء بھی پارسی مجوسی النسل یا یہودی النسل یا عیسائی النسل ہیں۔ اور دوسری تیسری صدی ہجری تک انہوں نے (اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر) شریعت بھی بنا ڈالی۔ عباسیوں کا شروع کا دَور، کلاسیکل دَور کہلاتا ہے اور اس دَور میں پارسی اسکالرز ہر

جگہ نظر آتے ہیں۔ مشہور ہستیوں میں طبری اور مسکاوہ جیسے مؤرخین نظر آتے ہیں جبکہ ریاضی میں خوارزمی، طبیب فلاسفر رازی اور ابو سینا، جغرافیہ دان ابن خرداذبہ، اصطخری اور ابن الفقیہ اور صوفی مذہب پرست غزالی نظر آتے ہیں۔ یہ سب پارسی النسل تھے (یعنی ایرانی تھے)۔ زبان و لٹریچر کے دائرہ میں بھی، عربی کی گرامر مرتب کرنے والا 'سباوہ' بھی پارسی النسل تھا۔ اسی طرح جن لوگوں نے فارسی زبان کے لٹریچر سے بہت کچھ عربی میں ترجمہ کیا وہ بھی پارسی النسل ہی تھے حتیٰ کہ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں مدرسہ کا نظام قائم ہوا اور ایک پارسی النسل وزیر نظام الملک نے ۱۰۶۳ عیسوی میں بغداد میں سب سے بڑا مدرسہ "نظامیہ مدرسہ" تعمیر کروایا اور اس میں ایک نصاب متعارف کروایا جس میں، قرآن کریم کو چھوڑ کر، حدیث وفقہ کی تعلیم جاری وساری کی گئی۔ اور وہ ہی چند اور مضامین مثلاً! منطق، مناظرہ وغیرہ بڑھا کر آج بھی جاری ہے اور ہم کو یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ اسلامی اور قرآنی تعلیم ہے حالانکہ مدرسہ میں قرآن کریم پڑھایا ہی نہیں جاتا۔ بلکہ وہی پارسیوں کے بنائے ہوئے نصاب کے مطابق سنی سنائی اور گھڑنت حدیث وفقہ پڑھایا جاتا ہے کوئی بھی مُلّا یا مفتی قرآن کریم کے مطابق نہ تو حقیقت بتاتا ہے اور نہ ہی فتویٰ دیتا ہے بلکہ جو کچھ ان کے اسلاف یا آباؤاجداد لکھ لکھا گئے ہیں وہ اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہے۔

اسی طرح اس عباسی کلاسیکل دَور میں نہ صرف نئے نئے دینی فتنے اُٹھتے رہے بلکہ نئے نئے فرقے بھی بنتے گئے مثلاً شیعانِ علی آگے اپنے بنائے ہوئے ساتویں امام سے آپس میں جدا ہو کر شیعہ اثنا عشری بن گئے اور اسمٰعیلی بن گئے۔ پھر اسماعیلیوں نے فاطمیوں کے نام سے مصر میں الگ حکومت بھی بنالی چنانچہ فاطمی حکومت، عباسی حکومت کے ساتھ صرف مصر میں ۹۰۹۔۱۱۷۱ عیسوی تک چلی۔ ادھر شمالی پارس میں شیعوں کا ایک نیا فرقہ "بویہہ" کے نام سے کھڑا ہو گیا اور بغداد کی عباسی حکومت میں نقب لگانے میں کامیاب ہو گیا اور نہ صرف فوج پر مؤثر کنٹرول حاصل کر لیا بلکہ حکومت میں بھی۔ ۹۳۲۔۱۰۶۲ عیسوی تک شامل رہا۔ ۱۰۹۴ عیسوی میں فاطمی خلیفہ امام مستنصر کی وفات کے بعد فاطمی حکومت ڈانواں ڈول ہو گئی۔ کچھ فاطمیوں نے ان کے سب س بڑے بیٹے ابو منصور نزار سے وفاداری جتائی اور کچھ نے ان کے چھوٹے بیٹے ابو القاسم احمد جن کو مستعلی کہا جاتا تھا وفاداری جتائی۔ ادھر پارس میں ایک پارسی حسنِ صباح (م ۱۱۲۴ عیسوی) نے نزاری اسماعیلیوں کی سرداری سنبھال لی اور ۱۰۹۰ عیسوی میں البورز پہاڑوں میں الموت نامی ایک قلعہ فتح کر لیا اور وہاں سے اگلے دوسو سال تک ترک سلجوق حکومت کے خلاف گوریلا جنگ کرتے رہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان پہاڑوں میں ایک جنت بنائی ہوئی تھی اور نوجوانوں کو اغواء کر کے ان کو حشیش[1] پلا کر اور نوجوان لڑکیوں کے قریب کر کے کسی اہم شخصیت کو قتل کرنے کیلئے، زہر میں بجھا دو دھاری خنجر دے کر، روانہ کر دیتے تھے۔ اس طرح سے انہوں نے بہت سے اہم حکمران و شخصیات قتل کر دیں۔ مگر اس قتل کی ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی شخصیت کو قتل کرتے تھے، جبکہ آج کے مُلّا طالبان ایک ساتھ بہت سے بے گناہوں کو بلا تخصیص قتل کر دیتے ہیں حتیٰ کہ عورتوں کو برقعہ پہنا کر گولی مار دیتے ہیں اور خود سیدھے جنت میں چلے جاتے ہیں اور اس ظالمانہ عمل کا جواز بخاری شریف سے پیش کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ) (نظام الملک طوسی[2] کے مطابق انہوں نے ۱۱۱ سال میں صرف ۱۴۸ اہم شخصیات ماریں۔

۱۔ یہ ظالم لوگ بعد میں حشیشین اور باطنیہ کے نام سے مشہور ہوئے...... ۲۔ نظام الملک طوسی، مفصل سوانح عمری مؤلف مولوی عبد الرزاق صاحب کانپوری، شائع کردہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی صفحہ ۴۵۶۔۴۵۸

جبکہ آج کے مُلّا طالبان نے جو کہ اکثریت میں دیوبندی عقائد رکھتے ہیں ہزاروں بے گناہوں کو شہید کیا ہے اور شاید کسی اہم شخصیت کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ صدیق)

شیعہ، خوارج، معتزلہ وغیرہ کے بعد سب سے اہم فرقہ آغاخانیوں یعنی "باطنیہ" ہی کا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور اہم سلسلہ صوفیت کا شروع کر دیا گیا۔ جبکہ شام اور مصر کے علاقوں میں یہ سلسلہ (بلکہ رہبانیت) عیسائیوں کے ہاں پہلے سے موجود تھا لیکن پھر پارس میں شروع کیا گیا۔ مسلمین میں پہلے صوفی حسن بصری (م ۷۲۸ء) تھے۔ جنہوں نے دنیا سے دُوری اور شیعوں کی طرح رونے دھونے کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ ان کے بعد کچھ اور صوفی تھے: ابویزید یا بایزید بسطامی (م ۸۷۴ء)، یحییٰ ابن معاذ، محاسبی، سری السقاتی، جنید بغدادی (م ۹۱۰ء)، منصور الحلاج (م ۹۲۲ء)، قشیری، شہاب الدین سہر وردی (۱۱۵۳۔ ۱۱۹۱ء) اور ابو نجیب سہر وردی وغیرہ۔ ان میں بعض تو سکر کے قائل اور عامل تھے بعض ذکر کے، بعض ہندو منتروں کی طرح وظائف کے اور بعض گھوم کر رقص کرنے کے قائل وعامل تھے۔ (جن کی آج زندہ مثالیں رومی کے چیلوں میں ناچ ناچ کر عمل کرنا اور سندھ میں دھمال وغیرہ کی صورتوں میں عرفان حاصل کرنا شامل ہے۔ صدیق) دسویں صدی عیسوی تک صوفیوں اور غیر صوفیوں میں اور خود صوفیوں میں آپس میں چپقلش پیدا ہو گئی جس کو ایک اور پارسی النسل اسکالر محمد غزالی (۱۰۵۸۔ ۱۱۱۱ عیسوی) نے حل کیا۔ اسی لئے ان کو بعض اوقات محمد سلامؑ علیہ کے بعد سب سے بڑا مسلم کہا جاتا ہے (اسی بات سے پارسی سازش کی گہرائی کا اندازہ کر لیجئے کہ پارسیوں نے تمام صحابہؓ کو کس طرح نیچے گرانے کی کوشش کی۔ صدیق) یہ محمد غزالی صاحب جن کو نہ صرف شیعہ بلکہ دیگر آج کے مسلمان بھی امام مانتے ہیں اپنی نوجوانی میں کچھ عرصہ تک بغداد کے نظامیہ یونیورسٹی کے پروفیسر تھے وہاں سے تقریبا تیس سال عمر کے بعد چھوڑ کر دس سال تک صوفیت میں عرفان حاصل کرتے رہے اس کے بعد اس چیز کی تعلیم شروع کر دی کہ صوفیت اور سنی مذاہب ایک ساتھ اپنا وجود برقرار رکھ سکتے ہیں (غور کیجئے کہ کس خوبصورتی سے شیعہ مذاہب کے نام درمیان میں نہیں آنے دیا۔ حالانکہ تمام صوفی شیعہ ہی ہوتے تھے۔ صدیق) پھر آخر عمر میں وہ پارسی صوفیوں کے فلسفہ روشنی کی طرف مائل ہو گئے تھے جبکہ ان کے بعد شہاب الدین سہر وردی نے پارسی فلسفہ اشراق کی بنیاد رکھی۔ جو بعد میں پارس میں صفویوں کے دَور حکومت میں اسکول آف اصفہان کے نام سے مشہور ہوا۔ جس نے شیراز کے مُلّا صدرا (م ۱۶۴۰ء) کی مذہبی صوفیت کو آگے بڑھایا۔

غرض یہ کہ تمام صوفی بھی محدثین وفقہا کی طرح پارس ہی کے تھے۔ ان پارسی صوفیوں کا ایک بڑا کارنامہ پارسی لٹریچر بالخصوص شاعری کو پھیلانا تھا جس میں کچھ نہ کچھ مذہبی رنگ بھی ہوتا تھا۔ مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷۔ ۱۲۷۳ عیسوی) نے ترکی میں نام پیدا کیا۔ اور ان کی مثنوی بہت مشہور ہوئی جسے پارسی یعنی "فارسی کا قرآن" کہا اور مانا جاتا ہے [1] (بلکہ ان کی مثنوی کے بارے میں ایک بہت مشہور شعر ہے: "مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن درزبان پہلوی"۔ جبکہ مولوی یا مولاوی کے معنی "میرے آقا"، "میرے مولا" کے ہیں ۔اور آج بھی اس مثنوی کو پاکستانی مُلّا گا گا کر ترنم سے پڑھتے اور سناتے ہیں۔ جبکہ اس کے آخری حصہ میں (یعنی چھٹے حصہ میں) فواحشات (Pornography) بھرے ہوئے ہیں حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ بدفعلی کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

[1] ایضاً۔ ملخصًا .... (Chapter 7 , Islam .)

انہی کے نقشِ قدم پر، دیوبند کے مُلّا اشرف علی تھانوی نے خاص طور پر کنواری لڑکیوں کیلئے اور ان کی شادی کے وقت تحفہ دینے کیلئے ایک مذہبی کتاب بہشتی زیور کے نام سے تحریر کی اس کے آخری حصہ میں انہوں نے بھی شہوت پرستی کے حکیمانہ نسخے تحریر کئے ہیں۔(اسی لئے شاید وہ حکیم الامت بھی کہلاتے ہیں۔صدیق)۔

چوتھی صدی ہجری کے سیاح مقدسی کے تاثرات

اب ہم ایک سیاح کے چوتھی صدی ہجری یعنی دسویں صدی عیسوی کے بالخصوص، مذہبی حالات کے بارے میں کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ یہ قیمتی سفر نامہ "**احسن التفاسیر فی معرفة الاقالیم**"[1] دسویں صدی عیسوی / چوتھی صدی ہجری (۳۷۵ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کے مصنف 'مقدسی' فلسطین کے مشہور شہر بیت المقدس کے باشندے تھے، انہوں نے مراکش سے تاشقند تک سفر کیا تھا۔ انہوں نے اسلامی دنیا کے مغربی سرے یعنی اسپین کی طرح اس کے مشرقی سرے سندھ اور اس کے شہروں کا دَورہ نہیں کیا تھا بلکہ یہاں کے بعض سرحدی مقامات اور ساحلی شہروں تک ہی اپنے مشاہدات محدود رکھے تھے۔ یا ان لوگوں سے زبانی دریافت کئے تھے جو سندھ وہند کی بعض دوسری ریاستوں میں رہ چکے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "میں اس مملکت کے صرف صدر مقاموں کا ہی ذکر کروں گا اور دیگر تفصیلات میں داخل نہیں ہوں گا کیوں کہ جیسا حدیث میں ہے **لَيْسَ الْخَبَرَ كَالْمُعَايَنه**۔ سنی سنائی باتیں ذاتی مشاہدات کا درجہ نہیں رکھ سکتیں"۔ (غور کیجئے: کیا اس حدیث کے مطابق نام نہاد احادیث کی کتابوں کی کوئی حیثیت رہ جاتی ہے جن میں سب ہی سنی سنائی خبریں ہیں؟صدیق)

مقدسی کا نام محمد تھا، کنیت ابو عبد اللہ اور لقب شہاب الدین، لیکن وہ مقدسی اور بشّاری کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا آبائی پیشہ معماری تھا۔ ننھیال کا تعلق فارس کے شمالی صوبہ قومِس کے ایک خاندان سے تھا جو شام آکر آباد ہو گیا تھا۔ مقدسی کی ولادت ۳۳۶ھ کے لگ بھگ ہوئی اور انتقال غالباً صدی کے آخری سالوں میں۔ بیس بائیس برس کی سیاحت کے بعد انہوں نے اپنے مشاہدات قلم بند کر کے ۳۷۵ھ میں شائع کیا جب وہ چالیس ۴۰ سال کے ہو چکے تھے۔ اس وقت اسلامی دنیا میں متعدّد خود مختار و نیم مختار بادشاہ تھے جن میں ان تین کا دائرہ نفوذ سب سے زیادہ وسیع تھا۔ (۱) سلاطین سامانی: ماورالنہر' خراسان اور سجستان (۲۶۱۔۳۸۹ھ)۔ (۲) سلاطین بُوَیہ: فارس، جبال، عراق اور عُمان (۳۲۰۔۴۴۸ھ) اور (۳) خلفائے فاطمی: مصر، مغرب، شام اور حجاز (۲۹۷۔۵۶۷ھ)[2]۔ چنانچہ وہ جزیرہ نمائے عرب کے اہم شہر مکہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: مکہ بغداد سے ۱۳۸۷، انگریزی میل اور مدینہ سے گیارہ مرحلے جنوب میں واقع ہے۔ یہاں کی اکثر عمارتیں سفید و سیاہ چکنے پتھر کی ہیں، ان کی بالائی منزلیں اینٹوں سے چنی گئی ہیں، مکانوں میں ساگون کے کثرت سے سائبان اور برآمدے ہوتے ہیں، کعبہ وسط شہر میں واقع ہے، مسجد کعبہ کی لمبائی لگ بھگ دو سو چونتیس گز اور چوڑائی تقریباً ایک سو ناوے گز ہے۔ گرمیوں میں دن کے وقت مکہ میں سخت گرمی ہوتی ہے لیکن راتیں خوشگوار ہوتی ہیں، میٹھے پانی کے کنوؤں کے علاوہ یہاں تین تالاب ہیں جن میں نہر

1۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں (چوتھی صدی ہجری) ایک عرب سیاح کے مشاہدات کا اردو ترجمہ از خورشید احمد فارق۔ استاذ ادبیاتِ عربی، دھلی یونیورسٹی۔ ناشر۔ ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی۔ طبع اول ۱۹۶۲ء...... 2۔ ایضاً۔ صفحہ ۷

زبیدہ کا پانی آتا ہے، مکانوں کا کرایہ باشندوں کی آمدنی کا خاص ذریعہ ہے۔[1] (غور کیجئے اس میں آبِ زم زم کے چشمہ کا کوئی ذکر نہیں! نیز یہ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے، (نام نہاد) حدیث کے مطابق وہاں مکان کا کرایہ لینے سے منع فرما دیا تھا۔ مگر ان کے حکم کی خلاف ورزی کھلے عام ہو رہی تھی!) آگے صفحہ ۲۲ پر پانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۵۶ء میں میں نے حج کیا تو زمزم کا پانی خراب تھا، پھر ۶۷ء میں دوبارہ حج کیا تو وہاں کا پانی اچھا تھا۔

مکہ سے دو مرحلے مغرب میں ساحلی شہر جُدہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شہر کی تجارت پر فارسیوں کا غلبہ ہے۔ یہ لوگ شاندار کوٹھیوں میں رہتے ہیں۔[2]

عدن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جامع مسجد میں جھگڑے ہوتے ہیں۔ شہر میں فتنے اور خون خرابے، آگ بہت لگتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص رات کو مالدار سوتا ہے اور صبح کو قلاش اُٹھتا ہے۔[3]

حضر موت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صنعاء سے تین سو اکیس ۳۲۱ میل جنوب مشرق میں علاقۂ احقاف (ریگستان) کا یہ صدر مقام سمندر سے دُور ریگستان میں واقع ہے۔ آباد شہر ہے، باشندے جن کا تعلق خوارج کے شراۃ فرقہ سے ہے (یعنی وہ خارجی جو عملاً بغاوت کرتے اور حکومت سے لڑتے رہتے تھے، شُراۃ شاری کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں جنت کی خاطر زندگی بیچنے والا) تعلیم و تعلّم اور عمل صالح سے دلچسپی، ان کا رنگ گہرا سانولا ہے۔[4]

بحرین یا ھَجَر کے پایۂ تخت احساء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بڑا اور آباد شہر ہے۔ یہاں کثرت سے کھجور کے باغ ہیں، گرمی بہت ہوتی ہے اور قحط بھی خوب پڑتا ہے، سمندر سے چھبیس ۲۶ میل (ایک مرحلہ) پر واقع ہے۔ اس کے آس پاس کئی جزیرے ہیں، یہاں کی حکومت کو عدل و انصاف سے خاصی دلچسپی ہے، لیکن جامع مسجد معطل پڑی ہے۔ اَحساء خاندان ابو سعید جَنَّابی کے قرامطہ رئیسوں کا مستقر ہے۔ (یہ فرقہ قرامطہ ایران قدیم کے بانی اور مَزدک زعیموں کے نظریات کا قائل تھا۔ اس کا موجد ابو سعید حسن بن بہرام صوبۂ فارس کے ساحلی قصبہ جنّابہ میں آٹے کا تاجر تھا۔ جَنَّابہ سے اس کو نکال دیا گیا تو وہ بحرین آیا (۲۸۰ھ)' وہاں تجارت کے علاوہ اس نے اپنے نظریات کی بھی خوب تبلیغ کی، بہت سے عرب اور غیر عرب اس کے ہم خیال ہوگئے، اس کے بعد اس کے لڑکے ابو طاہر سلیمان نے قرامطہ تحریک اور قوت کو خوب فروغ دیا۔ بحوالہ **الامتاع و المؤانسہ ابو حیّان توحیدی** مصر ۲ / ۷۷۔۷۸) و معجم البلدان یاقوت مصر ۳ / ۱۴۲۔۱۴۳۔ مشہور سیاح ناصر خسرو، جو پانچویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں اَحساء سے گزرا تھا، اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے: "اَحساء میں بیس ہزار سے زیادہ سپاہی ہیں، یہاں کا سلطان ابو سعید ایک بڑا آدمی تھا، اس نے لوگوں کو اسلام کی پیروی سے روکا اور کہا کہ میں تم کو نماز روزہ کی پابندی سے آزاد کرتا ہوں، شہر کے باشندے نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں لیکن رسول اللہ سلامٌ علیہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ اس نے اپنے متبعین سے کہا تھا کہ میں وفات کے بعد پھر لوٹوں گا، اس کا مزار اَحساء میں موجود ہے، اس نے وصیت کی تھی کہ جب تک میں لوٹوں میری اولاد میں سے چھ آدمی ہمیشہ حکومت کرتے رہیں، رعیّت کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آئیں اور اتحاد و اتفاق سے رہیں، اس وقت قرامطہ حاکموں کا ایک بڑا محل ہے اور ایک تخت پر ان کے چھ حاکم متمکن ہیں اور ایک دوسرے کے مشورہ سے حکومت کرتے ہیں، ان کے چھ وزیر ہیں جو دوسرے تخت پر بیٹھتے ہیں، وزیر بھی ایک دوسرے سے مشورہ

[1]۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۲ ...... [1]۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۴...... [2]۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۷...... [3]۔ ایضاً۔ صفحہ ۱۹

کر کے فیصلہ کرتے ہیں، ان قرمطی حاکموں کے اس وقت تیس ۳۰ ہزار غلام ہیں جو زراعت اور باغبانی کرتے ہیں، یہ رعیت سے عُشر تک نہیں لیتے، ان کی رعیت کا کوئی شخص مقروض یا قلاش ہو جائے تو یہ اس کی مدد کرتے ہیں، کوئی پردیسی اَحساء میں آئے اور کوئی ہنر جانتا ہو تو یہ حکمراں اس کو اتنا روپیہ قرض دیتے ہیں کہ وہ ضروری سامان اور اوزار خرید کر اپنا کام شروع کر سکے، اگر کسی رئیس یا زمیندار کی کھیتی باڑی خراب ہو جاتی ہے اور وہ اس کی اصلاح سے قاصر رہتا ہے تو یہ حاکم اپنے غلام بھیج کر اس کی کھیتی باڑی ٹھیک کرا دیتے ہیں اور اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے، اَحساء میں ان سلاطین کی چکّیاں ہیں جن میں عوام کا آٹا مفت پِستا ہے.......... اَحساء میں اگر کوئی نماز پڑھے تو اس کو روکا نہیں جاتا، ان سلاطین کو سادات کہتے ہیں.......... " (سفر نامہ ناصر خسرو، طبع بمبئی، ص ۶۴۔۶۵)۔[1] (خیال رہے کہ یہ عبارت دو مختلف سیاحوں مقدسی چوتھی صدی کے عربی سیاح اور ناصر خسرو پانچویں صدی کا پارسی سیاح کی ہے)

آگے جزیرہ نمائے عرب کے باب کے آخر میں مجموعی طور پر اخلاق، لباس، رسم ورواج، مذاہب وغیرہ کے عنوان کے تحت مقدسی لکھتے ہیں:

"مکہ کے لوگ اکھڑ اور بد خلق ہیں، یمن کے باشندے نہ خوش پوش ہیں نہ شائستہ، عُمان کے لوگ کم ناپتے تولتے ہیں اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں، احقاف (حضر موت) کے باشندے حضرت علی سے سخت عداوت رکھتے ہیں اور ایسی عربی بولتے ہیں جو سمجھ میں نہیں آتی۔ جزیرہ کا عام لباس تہبند اور ایک چھوٹی چادر ہے، قمیص بہت کم پہنی جاتی ہے، مُخا میں تہبند اور چھوٹی چادر کا استعمال معیوب خیال کیا جاتا ہے، یہاں کے باشندے ایک بڑا کپڑا جسم پر لپیٹ لیتے ہیں۔ عدن میں رمضان آنے سے دو دن پہلے چھتیں سجائی جاتی ہیں اور ان پر نقارے بجائے جاتے ہیں، رمضان شروع ہونے پر لوگ سحر سے پہلے ٹولیاں بنا کر قصیدے اور نظمیں پڑھتے ہوئے گشت لگاتے ہیں اور جب عید آتی ہے تو لوگوں سے انعام وصول کرتے ہیں' فارسی تہوار نوروز کے موقعہ پر لوگ ڈھول بجاتے ہوئے نوروز منانے والوں کے گھر جاتے ہیں اور خوب روپیہ کماتے ہیں۔ مکہ میں عید سے ایک دن پہلے خیمے ڈیرے لگ جاتے ہیں اور صفا مروہ کے درمیان بازار سجایا جاتا ہے اور عید کی صبح تک نقارے بجتے ہیں، بعد نماز عید کنیزیں رنگا رنگ لباس پہن کر ہاتھوں میں پنکھے لئے خانہ کعبہ کا طواف کرنے جاتی ہیں (غور کیجئے یہ کون سی سُنت ہے؟ نیز یہ کہ نام نہاد حدیث کے مطابق کیا استقبال رمضان منانے کی ممانعت نہیں ہے؟ کیا یہ اطاعتِ رسول ہو رہی ہے؟ صدیق) رمضان کے زمانہ میں تراویح کی نماز پانچ امام پڑھاتے ہیں، جب ایک امام چار رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو سارے نمازیوں کو لے کر خانہ کعبہ کے سات طواف کرتا ہے اور اس اثناء میں مؤذن تکبیر و کلمہ شہادت کا بآواز بلند ورد کرتا رہتا ہے، جب سات بار طواف ہو چکتا ہے تو ایک چرمی کوڑا ہوا میں پھٹکارا جاتا ہے اس کی آواز سن کر دوسرا امام چار رکعت نماز پڑھانے کیلئے بڑھتا ہے۔ (غور کیجئے کہ یہ کونسی سنتیں ادا ہو رہی ہیں؟ صدیق) مکہ کے لوگ ایک تہائی رات گزرنے پر نماز عشاء پڑھتے ہیں' اور نماز میں دو تہائی

[1] ایضاً۔ صفحہ ۲۱۔۲۲

رات سے زیادہ تاخیر نہیں کرتے، اس کے بعد ابو قبیس کی پہاڑی پر نماز فجر کی اذان دی جاتی ہے[1] (گویا کہ نمازِ عشاء اور فجر کے درمیان رات کا کوئی وقفہ نہیں ہوتا؟ یہ کونسی سنت تھی؟ صدیق)

عُمان کے صدر مقام صُحار کو چھوڑ کر جہاں فارسی بولی جاتی ہے، سارے جزیرۂ عرب میں عربی رائج ہے، جُدہ اور عدن کے اکثر باشندے فارسی نسل کے ہیں لیکن گفتگو وہ بھی عربی میں کرتے ہیں، اہل عدن لِرِجلَیہ کو لر جلینہ اور لیدَیہ کو لِیَدینہ کہتے ہیں، اور ج کو کاف سے بدل دیتے ہیں رُجَب کو رَکَب اور رَجُل کو رَکُل بولتے ہیں.......... (جس طرح ہمارے ہاں پنجاب وغیرہ کے لوگ ق کو 'ک' بولتے ہیں صنعاء اور عُمان کے دیہاتوں اور مضافات کے لوگ غالی شُراۃ ہیں (یعنی وہ خارجی جو عملاً بغاوت کرتے اور حکومت سے لڑتے تھے)۔ عُمان، صَعدہ، سَرَوات اور مکہ مدینہ کے ساحلی علاقوں کے شیعہ معتزلی ہیں۔ صنعاء اور صعدہ میں حنفیوں کا زور ہے اور جامع مسجدیں ان کے قبضہ میں ہیں۔ معافِر کے باشندے ابن مُنذر کے پیرو ہیں[2] اور بخد یمن کے اطراف ونواحی میں سُفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) کے فقہ پر عمل ہوتا ہے۔[3] تہامہ اور مکہ میں اذان ترجیع کے ساتھ دی جاتی ہے (یعنی شہادت کے دونوں کلمے پہلے دو دو بار ہلکی آواز سے اور پھر دو دو بار بآواز بلند ادا کیا جاتا ہے)، ذرا غور سے کام لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہاں کے باشندے فقہ مالکی کے پیرو ہیں۔

زَبید میں دونوں عیدوں میں صحابی عبد اللہ بن مسعودؓ کے قول کے مطابق (چھ چھ کے بجائے نو نو) تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ ھَجَر میں قَرمطی اصول پر عمل ہوتا ہے، عُمان میں داؤدی مسلک کے لوگ ہیں اور ان کا ایک حلقہ ہے جہاں داؤدی فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے (داؤدی مسلک کی بانی داؤد بن علی اصفہانی ۲۰۰۔ ۲۷۰ ھجری تھے، ان کے مسلک کی بنیاد انکار قیاس اور قرآن وحدیث کی لفظی پابندی پر تھی) مذہبی تعصبات اور جھگڑوں کا یہ حال ہے کہ مکہ کے شیعی درزی اور سنی قصاب بڑے متعصب ہیں اور آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ عدن کے ملّاحوں اور حماحمیین کے درمیان مذہبی عداوت ہے اور خوب لڑائیاں ہوتی ہیں۔ یہی حال یَنبُعُ کے شیعوں اور سنیوں کا ہے۔ زَبید کے بجہ۔ حبشی اور نوبی مسلمانوں میں عجیب وغریب جھگڑے فتنے ہوتے ہیں۔ یمامہ کے قصاب اور بدو عرب لڑتے ہیں، ان کی باہمی عداوت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ انہوں نے جامع مسجد کے دو حصے کر لئے ہیں، اگر کوئی مسافر آتا ہے کہ تو ہر فریق کہتا ہے یا تو ہمارے ساتھ نماز پڑھو یا مسجد سے نکل جاؤ''[4]

آگے مقدسی عراق کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ خوش پوش وشائستہ لوگوں کا ملک اور علماء کا مرکز ہے۔ یہاں کا پانی لطیف اور آب وہوا اچھی ہے، عباسی خلفاء نے اس کو بود و باش کے لئے پسند کیا تھا۔ فقیہ الفقہاء ابو حنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) اسی جگہ پیدا ہوئے اور زاہدوں کے سرتاج سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) بھی، ماہر تاریخ ولغت ابو عبیدہ مَعمر مُثنّیٰ

[1] ایضاً۔ صفحہ ۳۰۔ ۳۱ ......[2] (محمد بن ابراہیم بن منذر نیشاپوری متوفی ۳۰۹ھ محدث، فقیہ و مجتہد، ان کی فقہ میں حدیث کی چاشنی زیادہ تھی) ......[3] (سُفیان ثوری کی فقہ میں حدیث پر زیادہ اعتماد تھا۔ قیاس ورائے پر کم) (بات کتنی صاف ہے کہ دوسری سے تیسری صدی تک نام نہاد حدیث کا غلبہ ہو چکا تھا اور فقہاء کی فقہ اسی پر مبنی ہونے لگی تھی اور قرآن الحکیم کو مہجور کر دیا گیا تھا۔ صدیق)......[4] ایضاً۔ صفحہ ۳۰۔ ۳۴

(متوفی ۲۰۹ھ)، فاضل نحو کسائی (متوفی ۱۸۹ھ) اور فرّاء (متوفی ۲۰۷ھ) نیز قراءت قرآن کے مشہور امام ابو عمرو بن العلاء (متوفی ۱۵۴ھ) اور حمزہ بن حبیب زیات (متوفی ۱۵۶ھ) نے بھی یہیں جنم لیا۔ ان کے علاوہ بہت سے صفِ اول کے فقیہ، ادیب، سخی، فلسفی، مدبر، زاہد، شریف وشائستہ اور خوش ذوق لوگ بھی اسی مرز بوم سے اٹھے (اور اسلام کو بگاڑنے کی ہر ممکن کاوش کرتے رہے۔ صدیق)، عراق کو ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور بڑے بڑے صحابہ کی ہجرت گاہ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، اسی مملکت میں وہ عظیم الشان شہر بصرہ ہے جس کو "دنیا" کہا جاتا ہے۔ یہیں بغداد ہے جس کے سارے عالم میں تعریف کی جاتی ہے، یہیں **کوفہ** اور **سَامَرّا** جیسے اہم اور حسین شہر بسائے گئے ہیں (جہاں (نام نہاد) حدیث گھڑنے کی ٹکسالیں بھی لگائی گئی ہیں۔ صدیق) یہیں دریائے دجلہ ہے جس کا پانی کوثر کی طرح لذیذ اور صحت بخش ہے (عقیدہ غور فرمائیے کہ دنیاوی پانی کو جنت کے پانی جیسا قرار دیا جاتا تھا۔ صدیق)۔ یہیں بصرہ کی ناقابلِ فراموش کھجوریں پائی جاتی ہیں۔ عراق کے مفاخر اتنے ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا جنوب مشرقی سرا بحر چین (خلیج فارس) سے ملتا ہے اور دوسرا جنوب مغربی سرا ریگستان عرب سے متصل ہے۔ لیکن آج کل یہ فتنوں اور گرانی کا گھر بنا ہوا ہے، روز بروز اس کی حالت خراب ہوتی جارہی ہے۔ ظلم اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے لوگ مصیبت میں ہیں' پھل کم ہیں، بے حیائیاں زیادہ"۔[1]

آگے دمشقی نے عراق کے شہروں کے بارے میں لکھا ہے۔ لیکن ہمارے لحاظ سے اہم بیان سامرّا کا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"سامرّا بغداد سے ایک سو تیس میل انگریزی شمال مغرب میں۔ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا صدر مقام اور خلفائے عباسیہ کا مستقر تھا، اس کو معتصم باللہ (۲۱۸۔۲۲۷ھ) نے بنوایا تھا۔ بعد میں معتصم کے بھائی متوکل باللہ نے اس کو اتنا زیادہ وسیع کیا کہ اس کا رقبہ پچیس میل ہو گیا۔ شہر فن تعمیر کا ایک شاہکار تھا۔ اس لئے اس کا نام سُرّ من رأی (جو دیکھے خوش ہو) پڑ گیا سُرّ من رأی مختصر ہو کر سُرمری ہو گیا۔ یہاں ایک بڑی جامع مسجد تھی جو جامع دمشق سے بہتر خیال کی جاتی تھی۔ اس کی دیواروں پر مینا کا کام تھا، فرش اور ستون مرمر کے تھے، مسجد کا ایک اونچا منارہ تھا، بڑا حسین اور دلکش شہر تھا۔ اب اجاڑ ہے، آدمی دو تین میل چلا جائے لیکن کہیں اس کو کوئی عمارت نہ ملے گی۔ شہر دجلہ کے شرقی کنارہ پر تھا، غربی کنارہ پر باغات تھے۔ معتصم نے سامرّا میں ایک خانہ کعبہ بھی بنوایا تھا جس کا طواف کیا جاتا تھا، منیٰ اور عرفات بھی بنوائے تھے۔ ان کے ذریعہ اس نے اپنے فوجی افسروں کو بہلایا جب انہوں نے حج کے لئے مکہ جانے کی درخواست کی، کیونکہ وہ ان کی علیحدگی سے خائف تھا (کہیں مکہ میں اہل بیت کے کسی سیاسی حریف سے مل کر بغاوت نہ کر دیں)۔ اجڑنے کے بعد سامرّا کا نام ساء من رأی (جو دیکھے اُس کو بُرا لگے) ہو گیا، پھر مختصر ہو کر سامَرّا رہ گیا۔[2] (اسی سامرّا میں جب وہ دیکھنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا ۸۷۳ء / ۲۶۰ھ میں شیعہ اثناء عشری فرقہ کے بارہویں امام اپنے بچپن میں ہی کسی غار میں جا کر پوشیدہ ہو گئے اور آج تک شیعہ ان کے ظاہر ہونے

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۳۵.....۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۴۱

کی دعائیں کرتے ہیں۔ صدیق)۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ پارس زدہ عباسی حکمران اگر اپنے مطلب سے ایک اور خانہ کعبہ منیٰ اور عرفات بنا کر وہاں حج شروع کرا سکتے تھے تو پارسیوں نے حدیث و فقہ کے نام سے، قرآن کریم کے مقابلہ میں، کیا کچھ نہیں بنالیا ہو گا۔ یہی وہ دَور تھا، یعنی تیسری صدی ہجری، جب کہ نام نہاد حدیث کی تدوین شروع ہوئی اور قرآن کریم کو مکمل طور پر مہجور کر دیا گیا۔

آگے حکومت کے عنوان کے تحت مقدسی لکھتے ہیں:

"عباسی خلفاء کی حکومت تھی (یعنی عراق میں۔ صدیق) جو بویہی سلاطین کے ماتحت تھے۔ اور عیسائی، یہودی اور پارسی ذمیوں کی تعداد زیادہ تھی جن میں پارسی سب سے زیادہ تھے"[1] یہ بویہی سلاطین دراصل قرمطی یا قرامطی لوگ تھے جو کہ پارس قدیم کے بانی اور مزدک زعیموں کے نظریات کے قائل تھے یہ احساء یعنی بحرین سے آگے بڑھتے رہے اور بغداد تک پہنچ کر عباسیوں پر قابض ہو گئے۔ عراق کے عباسی خلفاء ۳۲۰ سنہ ھ سے ۷۴۴ سنہ ھ تک ان کے ماتحت رہے۔ آگے رسم ورواج کے عنوان کے تحت مقدسی لکھتے ہیں:

"(عراق کی) جامع مسجدوں کے دروازوں پر ایسی مخصوص جگہیں ہوتی ہیں جہاں کرایہ دے کر وضوء کیا جاتا ہے۔ خطیب و مقرر قبا پہنتے ہیں اور پٹکے باندھتے ہیں۔ عراق میں اذان ترنم سے نہیں دی جاتی .... یہاں ظہر کی نماز دیر سے اور عصر کی جلد پڑھی جاتی ہے۔ یہاں خوب فتنے جھگڑے برپا رہتے ہیں"۔[2]

مذاہب کے عنوان کے تحت مقدسی لکھتے ہیں:

"بغداد میں عراق کے بلند پایہ فقہاء، حنابلہ اور شیعہ عوام پر حاوی ہیں ان کے علاوہ یہاں مالکیہ اشعریہ، معتزلہ اور بخاریہ (ایک معتزلی فرقہ) فرقوں کے پیرو بھی موجود ہیں۔ بصرہ کے عوام کافی تعداد میں سالمیّہ فرقہ کے پیرو ہیں۔ (جس کی بنیاد زہد و تصوف پر تھی)۔ یہاں کافی تعداد میں ان کی مجلسیں اور حلقے ہیں۔ یہ لوگ زہد اور کلامی مسائل سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں:۔ علم کلام پر کتابوں کے مصنف بھی ہیں.......... کوفہ کے کناسہ محلہ کو چھوڑ کر جو سنی ہے باقی سب لوگ شیعہ ہیں۔ بصرہ کے بیشتر لوگ قدریہ ہیں۔ لیکن یہاں حنبلی بھی پائے جاتے ہیں، بغداد کے حنبلی بڑے غالی ہیں اور تشبیہ کے قائل (یعنی اللہ کے مجسم ہونے کے)"۔[3]

آگے مقدسی شام کے بارے میں قصیدہ خواں ہیں کہ:

"یہ عظیم الشان مملکت نبیوں کا وطن اور صالحین وابدال کا مستقر ہے، یہاں مقدس مقامات، عمدہ خانقاہیں، اہم سرحدیں اور متبرک پہاڑ ہیں، یہاں وہ میدان ہے جہاں سے قیامت کے دن مردے اُٹھیں گے (غور کیجئے کتنا احمقانہ عقیدہ ہے۔ نیز وہاں اس زمانہ میں بھی ابدال شروع ہو گئے تھے گویا کہ تصور خوب پروان چڑھ رہا تھا۔ صدیق)، یہاں ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ اور قبر ہے (یہ عقیدہ بھی محل نظر ہے یونکہ آخری عمر میں تو وہ مکہ مکرمہ میں اپنے بڑے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ رہ رہے تھے۔ نیز ملکِ شام تو ان کی پہلی ہجرت گاہ تھی۔ پھر مکّہ مکرمہ ہجرت کی۔ تو کیا پھر واپس شام ہجرت کر لی تھی؟ صدیق)، ایوب علیہ السلام کا

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۳...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۴۶...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۴۷۔۴۸

گھر اور کنواں، داؤد علیہ السلام کی محراب اور دروازہ۔ مسیح علیہ السلام کا وطن اور گہوارہ، موسیٰ علیہ السلام کی چٹان، زکریا علیہ السلام کی محراب، اور بے شمار زیارت گاہیں اور مشاہد ہیں، یہ ایک خوش حال مملکت ہے جہاں پانی، پھل درخت خوب ہوتے ہیں۔ یہاں آ کر دل پر خضوع و خشوع کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور اعضاء شوق عبادت سے معمور ہو جاتے ہیں"[1] (عجیب بات ہے کہ موصوف نے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کیلئے اس قسم کے تاثرات کا اظہار نہیں کیا! صدیق) آگے لکھتے ہیں کہ یہاں عالم کم ہیں، غیر مسلم ذمی رعایا اور جُذامیوں کی کثرت ہے، واعظوں کو کوئی وقعت اور منزلت حاصل نہیں، سَامرہ یہودی (Samaritans) فلسطین سے طَبَرِیّہ تک پھیلے ہوئے ہیں، لیکن ملک میں پارسی اور صابی بالکل نہیں"۔[2]

آگے مقدسی بیتُ المقدس کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ سب سے بڑا صوبائی صدر مقام ہے۔ بیت المقدس افضل اس اعتبار سے ہے کہ قیامت کے دن اسی جگہ مُردے اُٹھائے جائیں گے (ایک اور نیا عقیدہ !صدیق)........... نماز تراویح کی ہر دو رکعت بعد نمازی تھوڑی دیر آرام کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایک رکعت نماز وتر پڑھتے ہیں، عہد گزشتہ میں نماز وتر تین رکعت ہوا کرتی تھی۔ اس زمانہ میں ابو اسحاق مَروَزی نے فتویٰ دے کر ایلیاء میں نماز وتر ایک رکعت کرا دی ہے (غور کیجئے فتویٰ کی طاقت! فتویٰ کا حق مُلّا کو کس نے دیا ؟؟ صدیق) نماز تراویح بیس رکعت کی جگہ یہاں چوبیس رکعت ہوتی ہے۔ (گویا کہ اسلامی ارکان کا کوئی اسٹینڈرڈ مقرر نہیں! کوئی بیس رکعت پڑھتا ہے، کوئی چوبیس اور کوئی صرف آٹھ۔ کوئی تراویح کو بدعت عمری قرار دیتا ہے اور کوئی تراویح بالکل نہیں پڑھتا یونکہ یہ نہ فرض ہے نہ سنت۔ صدیق)، شام کے واعظ محض قصہ گو ہوتے ہیں (یعنی عالم نہیں ہوتے بلکہ مولوی قسم کے لوگ ہیں جو مسلمانوں میں ترکِ دنیا کا شوق پیدا کرنے کے لئے وعظ دیتے ہیں اور وعظ میں ہر قسم کا رطب ویابس، نیز بے بنیاد اور افسانہ آمیز قصے اور حدیثیں بیان کرتے ہیں۔) فقہ کا درس فجر اور مغرب کی نماز کے بعد ہوتا ہے (غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو فجر کے بعد قرآن کریم کی تلاوت کا فرماتا ہے (۷۸/۱۷) مگر یہ مُلّا فقہ کا درس دیتے ہیں۔ صدیق)، قراء (علمائے قرآن) مسجدوں میں درس قرآن دیتے ہیں (وہ بھی شاید سیاسی طور ہی پر ہوتا ہو گا جیسا کہ ہمارے ملک پاکستان میں ایک مذہبی سیاسی جماعت درس قرآن کے نام پر سیدھے سادھے لوگوں کو جمع کر کے اپنی سیاست کرتی ہے۔ صدیق)، بیت المقدس کی مسجد میں حنفیوں کا ایک حلقہ ہے جہاں وعظ ہوتا ہے۔ **کَرّامیہ** فرقہ کے علماء خانقاہوں میں وعظ دیتے ہیں۔ اس فرقہ کے عقائد کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے (نعوذ باللہ) فرقہ کا موجد محمد بن کَرّام تھا"۔[3]

ان کے مذاہب کے بارے میں مقدسی لکھتے ہیں:

"طَبَریہ کے سارے باشندے، عَمّان کے اکثر اور نابلس (فلسطین) و قدس (اردن) کے نصف شیعہ ہیں۔ معتزلہ کے لئے ماحول سازگار نہیں، اس لئے وہ دبے ہوئے ہیں۔ مالکی اور داؤدی فقہ کے پیرو بھی یہاں نہیں پائے جاتے، بیت المقدس

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۶۱ ......۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۶۴ ......۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۶۸، ۷۰، ۷۸۔۷۹......

میں کرّامیہ فرقہ کے لوگ ہیں جو اپنی خانقاہوں میں پند و وعظ کرتے ہیں اور اپنے علمِ کلام اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ جامع مسجد میں محدث اوزاعی (متوفی ۱۵۷ھ) کے فقہ کا ایک درسی حلقہ ہے .... لیکن آج فاطمی قانون و شریعت پر عمل ہوتا ہے"۔[1] (غور کیجئے کہ مقدسی کے دَور یعنی چوتھی صدی ہجری تک کتنے بہت سے فرقے اور مذاہب بنائے جا چکے تھے، اور کتنی بہت سی فقہیں یا قانون اور شریعتیں بنائی جاچکی تھیں۔ اور اللہ کی بنائی ہوئی شریعت، شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ۔ اس نے تمہارے لئے شریعت بنائی، دین کا واضح راستہ مقرر کیا۔ (۴۲/۱۳)، کو بالکل مہجور کر دیا گیا تھا۔ جب چوتھی صدی ہجری میں یہ حال کیا تھا تو پھر چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری تک کیا حال کیا گیا ہوگا؟ اور غالباً اصل اسلام کے تابوت میں آخری کیل' لاہور کے روپڑی خاندان کے منکرین قرآن اب ایک قرآن کے سولہ یا بیس قرآن بنا کر، ٹھونک رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۔ صدیق)

آگے دمشقی مصر کے پایہ تخت قسطاس کے بارے میں اچھے کلمات تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں؟

"جمعہ کے دن امام کے آگے تقریباً دس ہزار آدمی نماز پڑھتے ہیں۔ اس رپورٹ کو میں نے مبالغہ پر محمول کیا لیکن جب میں جمعہ کے دن وقت سے کافی پہلے سوقُ الطّیر کی جامع مسجد گیا تو وہاں نمازیوں کی تقریباً اتنی ہی بڑی تعداد مسجد سے آگے دیکھی۔ یہاں کے مشائخ علم و دین شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور عورتیں بد چلنی سے، ایک عورت کے دو دو شوہر ہوتے ہیں۔[2] (یہ شاید فاطمی یعنی شیعہ حکومت کا تحفہ تھا یونکہ وہاں فاطمی خلیفہ نزار عزیز باللہ ۳۵۸۔۳۸٦ ہجری کی حکومت تھی۔ صدیق)، آگے مقدسی لکھتے ہیں کہ:

"مصر کی جامع مسجدوں میں یہ رسم ہے کہ جب امام نماز فجر سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اپنے سامنے قرآن رکھ کر اس کا کچھ حصہ پڑھتا ہے اور نمازی اس کے ارد گرد بیٹھ کر ایسے انہماک سے سنتے ہیں جیسے واعظ کا وعظ، آخر رات میں یہاں ماتمی انداز سے اذان دی جاتی ہے، نماز مغرب و عشاء کے درمیان جامع مسجد طلباء سے بھر جاتی ہے، کہیں فقہ کا درس ہوتا ہے، کہیں تفسیر و قراءت کا اور کہیں ادب و فلسفہ کا یہی حال دوسری مسجدوں کا بھی ہے۔ (لیکن کہیں بھی قرآن کا درس نہیں ہوتا! صدیق) جامع مسجد میں میں نے ایک سو دس درسی حلقے گنے، نماز عشاء کے بعد بالعموم تعلیم نہیں ہوتی لیکن کچھ مدرس اپنے لیکچر ایک تہائی رات تک جاری رکھتے ہیں، جمعہ کے دن یہاں بہت کم لوگ دھلے کپڑے یا پرانے جوتے پہنتے ہیں، لوگوں میں نماز کے دوران اشارہ کرنے، ناک اور گلا صاف کرنے کی بہت زیادہ عادت پائی جاتی ہے، اور ستم یہ ہے کہ بلغم اور ناک جانماز کے نیچے پوچھ دیتے ہیں (یہ (نام نہاد) حدیث کا کارنامہ ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب ۲۷۴ سے ۲۸۰، صحیح مسلم، کتاب المساجد، بابُ النَّهي عَنِ البُصَاقِ فِي المسجدِ فِي الصَلوٰةِ وَغَيرِهَا۔ صدیق) وہ دَلِّینَس (چھوٹی کچی سیپی نمک لگا کر) کھاتے ہیں، چنا ان کا نُقل، حالوم ان کا پنیر، سَیدہ ان کی مٹھائی اور سور (خنزیر) ان کے ریوڑ ہیں"۔[3] مذاہب کے بارے میں مقدسی لکھتے ہیں کہ:

"مصریوں کا سرکاری مذہب وہی ہے جو اہل شام کا ہے (یعنی فاطمی قوانین و عقائد رائج ہیں)، اکثر فقیہ مالکی فقہ کے پیرو ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ امام کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور کتے

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۸۱...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۹۰۔۹۱...... ۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۹۷۔۹۸

پالتے ہیں (یہ دونوں باتیں مالکی فقہ میں مباح ہیں)، بالائی فسطاط اور سَندَفا کے باشندے شیعہ ہیں، تاہم فسطاط میں ہر فقہی اور کلامی مسلک کھلم کھلا موجود ہے، یہاں کرّامی فرقہ کا ایک محلہ ہے، معتزلہ اور حنبلی زور شور سے تقریریں اور مناظرے کرتے ہیں۔ آج کل فتویٰ فاطمی فقہ کے مطابق ہے۔ ساتوں قراء تیں رائج ہیں، لیکن عبد اللہ بن عامر (متوفی ۱۱۸ھ) کی قراءت پر سب سے کم عمل ہوتا ہے۔[1] (شاید یوں کہ ابن عامر اموی دَور کے قاری تھے اور یقیناً قبیلہ قریش ہی کی عربی میں قراءت کرتے ہوں گے اور عباسی دَور کی طرح اصل قراءت میں قراء کے اختیار سے تحریف نہ کی ہوگی۔ یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ باقی قراء تیں تیسری چوتھی صدی کی پیداوار ہیں۔ صدیق)

مقدسی نے مغرب کا اطلاق اسپین، سسلی، لیبیا، تُونِس، الجزائر (الجیریا) اور مرّاکُش پر کیا ہے۔ ان پر عام تبصرہ کے بعد قَیْروان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"یہاں صرف مالکی اور حنفی فرقے پائے جاتے ہیں، اور دونوں میں حیرت انگیز رواداری ہے، وہ نہ تو متعصّب ہیں اور نہ آپس میں لڑتے ہیں۔ مگر عوام شتر بے مہار کی طرح ہیں، نماز تراویح نہیں پڑھی جاتی، موجودہ حکومت کے زمانے میں حنفی اور مالکی علماء کو معاشرہ میں کوئی اثر و رسوخ حاصل نہیں"۔[2]

مذاہب کے بارے میں مقدسی لکھتے ہیں کہ:

"مغرب میں تین مذہب رائج ہیں، اَندُلُس میں امام مالک کی فقہ اور نافع بن نعیم (متوفی ۱۶۹ھ) کی قراءت پر عمل ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن اور موَطا امام مالک کو تسلیم کرتے ہیں اگر ان کو اپنے شہر یا گاؤں میں کسی حنفی یا شافعی کی موجودگی کا علم ہوتا ہے تو اس کو نکال دیتے ہیں، اور اگر کسی معتزلی، شیعی یا دوسرے فرقہ کے پیرو کا پتہ چلتا ہے تو بعض اوقات اس کو قتل کر دیتے ہیں۔ سرحد مصر سے سُوس اقصیٰ (جنوبی مراکش) تک کہیں فقہ شافعی پر عمل نہیں ہوتا ہے، جمہور یا حنفی ہیں یا مالکی۔ میں نے ایک مغربی عالم کے سامنے کسی مسئلہ پر بحث کے دَوران سند کے طور پر امام شافعی کا قول پیش کیا تو اس نے گرم ہو کر کہا: خاموش ہو جاؤ، شافعی کون ہے، علم کے بس دو سمندر ہیں' ابو حنیفہ اہل مشرق کیلئے اور امام مالک اہل مغرب کیلئے۔ ان سمندروں کو چھوڑ کر کیا ہم بمبوں اور نالوں سے پانی لیں! امام مالک کے پیرو امام شافعی سے نفرت کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے امام مالک سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور پھر ان سے فقہی امور میں اختلاف کیا......... حنفی اور مالکی علماء کا ایک دن سلطان اَندُلُس کے سامنے مناظرہ ہوا تو اس نے ابو حنیفہ اور مالک کا وطن دریافت کیا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ ابو حنیفہ کوفہ کے اور مالک مدینہ کے باشندے تھے تو اس نے کہا: دار الہجرت کا عالم ہمارے لئے کافی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری سلطنت میں دو مذہبوں پر عمل ہو۔ یہ کہہ کر اس نے حنفی فقیہوں (یعنی عجمی فقیہوں۔ صدیق) کو ملک سے نکلوا دیا.... ....

مغرب میں (مالکی اور حنفی مذاہب کے علاوہ) تیسرا مذہب فاطمی ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم

[1] ایضاً۔ صفحہ ۹۹ .... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۴

ایسے مسائل پر مشتمل ہے جس میں ائمہ اسلام مختلف الرائے ہیں مثلاً فجر میں قنوت، بسم اللہ بالجہر اور نماز وتر میں ایک رکعت پڑھنا۔ دوسری قسم ایسے فقہی مسائل سے متعلق ہے جس میں فقہائے فاطمی نے اپنے پیشرو سلاطین و خلفاء کا عمل ترک کر کے سلف کا طریقہ کار اختیار کیا ہے مثلاً انہوں نے اقامتِ نماز کے الفاظ کو مکرر کر دیا، جب کہ بنو امیہ کے زمانہ میں ہر کلمہ ایک ایک بار کہا جاتا تھا۔ مثلاً ان کا عباسیوں کے سیاہ لباس اختیار کرنا۔ تیسری قسم ایسے مسائل کی ہے جو فقہائے فاطمی نے اپنے اجتہاد سے حل کئے ہیں۔ اور جو اگرچہ قدیم فقہاء کے مسلک سے ٹکراتے تو نہیں لیکن ان پر پہلے کبھی عمل نہیں ہوا جیسے اذان میں حیعلہ کہنا (حَیَّ علی الصلوٰۃ ۔ حَیَّ علی الفلاح کے بعد حَیَّ علی خیر العمل کہنا) یا سورج گرہن کی نماز پانچ رکعت پڑھنا اور ہر رکعت میں دو سجدے کرنا، یہی شیعہ فرقہ کا مسلک ہے۔ (غور کیجئے کہ امت مسلمہ مقتدرہ کی سازشوں کے نتیجہ میں چوتھی صدی ہجری ہی میں کتنے فرقوں اور کتنے مسالک میں بٹ چکی تھی اور اسلام کا معیار قرآن کریم نہیں بلکہ شخصیات یا خود ساختہ فقہاء کے اقوال ہو گئے تھے! (سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہاء کو یہ اختیار کس نے دیا تھا کہ وہ قرآن کریم کے محکمات کے علاوہ اپنے قیاس و اجتہاد سے غیر قرآنی یا زائد از قرآنی مسلک مقرر کریں اور عوام الناس سے اپنے قول پر عمل کرائیں؟؟ صدیق)۔

فاطمی اصول و فقہ پر کافی کتابیں ہیں جن کو اس مسلک کے لوگ پڑھتے ہیں، میں نے ان کی ایک کتاب الدّعائم کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کے اور معتزلہ کے اکثر اصول و نظریات ایک ہی ہیں۔ ان کا وہی عقیدہ ہے جو اسماعیلیوں کا ہے، اس عقیدہ کے کچھ اصول مخفی رکھے جاتے ہیں اور صرف انہی لوگوں پر ظاہر کئے جاتے ہیں جن پر بھروسہ ہوتا ہے اور جو راز داری اور عدم اظہار کا عہد کرتے ہیں۔ فاطمیوں کو باطِنِیَّہ بھی کہا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے پوشیدہ اور گہرے معنی نکالتے ہیں اور ان کی عجیب و غریب تفسیر کرتے ہیں، مغرب کے ادریسی فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔ ادریسی سوس اقصیٰ (جنوبی مراکش) پر چھائے ہوئے ہیں (ان کا اقتدار ۱۷۲ سے ۳۷۵ھ تک رہا)۔ فاطمی نظریات، قَرمَطی نظریات سے کافی حد تک مشابہ ہیں .... صِقِلّیّہ کے بیشتر لوگ حنفی ہیں۔ سارے مغرب میں صرف نافع بن نعیم کی قراءت پر عمل ہوتا ہے۔''[۱]

مقدسی نے غیر عرب ممالک کی بھی سیاحت کی اور ان کے بارے میں بھی اپنے سفر نامہ میں لکھا۔ انہوں نے مشرق کا اطلاق خراسان، سجستان اور ماوراء النہر کے علاقوں پر کیا ہے اور اس کو دو حصوں میں بانٹا ہے: ایک دریائے جیحون کا شرقی حصہ اور دوسرا غربی، شرقی حصہ کو ہَیطَل کا نام دیا ہے کیونکہ سب سے پہلے اس کو ہَیطَل بن ہام بن سام بن نوح نے آباد کیا تھا، مغربی حصہ کو خراسان کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس کو ہیطل کے بھائی خراسان نے آباد کیا تھا۔ مقدسی لکھتے ہیں کہ: ''یہ تمام مملکتوں سے زیادہ جلیل القدر مملکت ہے، یہاں اکابر علماء ہر ملک سے زیادہ ہیں، یہ علم کا مرکز ہے، اسلام کا محکم ستون اور اس کا سب سے بڑا قلعہ، .... مذہبی زندگی صراط مستقیم پر ہے، یہاں انصاف قائم ہے ایک ایسی حکومت (سامانی حکومت ۲۶۱ھ سے ۳۸۹ھ) کے سایہ میں جو ہمیشہ فاتح اور کامران رہتی

[۱] ایضاً۔ صفحہ ۱۱۴۔۱۱۸

ہے .... یہاں فقیہوں کو بادشاہ کا درجہ حاصل ہے اور یہاں کے غلاموں کی لیاقت اس پایہ کی ہے کہ دوسرے ملکوں پر حکومت کرتے ہیں۔(جیسے سبکتگین والد محمود غزنوی)......... یہودی بہت ہیں، لیکن عیسائیوں کی تعداد کم ہے، ان کے علاوہ پارسیوں (مجوسیوں) کے متعدّد فرقے پائے جاتے ہیں .... خاندان علی سے تعلق رکھنے والوں کو بڑا رسوخ اور مرتبہ حاصل ہے۔ اموی خاندان کے لوگوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ .... ماوراء النہر میں نماز باجماعت سے دلچسپی نہیں لی جاتی ہے، غلاموں اور کنیزوں کی بھی کثرت ہے، ادب اور حدیث سے لوگوں کو خاص دلچسپی ہے۔ با ایں ہمہ یہاں برائیاں پھیلنے لگی ہیں، سود خوری بڑھ رہی ہے اور ہر قسم کے مفسدہ پرداز (جیحون پار سے) پہنچنے لگے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی حالت عراق و بغداد جیسی یا اس سے بھی بدتر ہو جائے گی اور اسلام کی بساط الٹ جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔"[1] (موصوف نے حدیث کا حوالہ نہیں دیا آیا کہ یہ اسی علاقہ سے تعلق رکھنے والے محدث کی گھڑنت تھی یا کسی اور علاقے کی؟ ویسے' غور کیجئے کہ اسلام کی بساط الٹنے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔ صدیق) حتیٰ کہ نَسَا شہر کے بارے میں لکھا کہ :

"یہاں کے عالموں نے قرآن تک میں اضافہ کر دیا ہے۔ اذان ترجیع سے دی جاتی ہے اور بہت سے معاملات میں اسلامی تعلیم پر عمل نہیں ہوتا"[2] سیاح لکھتا ہے کہ کوئی شہر ایسا نہیں جہاں اصولی، کلامی، فقہی، مسلکی، سیاسی، نسلی اور تجارتی تعصبات نے باشندوں کی فکر و نظر کو مسخ نہ کر دیا ہو۔[3]

میں سمجھتا ہوں کہ عقل کے اندھوں کیلئے سیّاح مقدسی کی اس کتاب کے نصف سے زائد کے اقتباسات کافی ہوں گے، اس کے آخر میں مقدسی کا بس ایک اور اقتباس پیش کر کے اس کو ختم کرتا ہوں کہ: "سیاحت کے دَوران مجھ سے بہت سی شرعی کوتاہیاں ہوئیں، اور مجبوری کے وقت شرع نے جو رعایتیں اور رخصتیں دی ہیں میں نے وہ سب استعمال کیں، میں نے پیروں کو مسح کیا، سواری پر گندے کپڑوں سے فرض نماز ادا کی، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم وَ سُبحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کے بغیر رکوع و سجود کیا، کئی کئی نمازیں ایک ساتھ ادا کیں، لیکن میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی رخصت "فقہاء ائمۃ" نے نہ دی ہو"[4] غور کیجئے کہ دینِ الٰہی کو بگاڑنے یا دین اسلام کی بساط الٹنے میں یا شریعتِ الٰہی کو فقہی شریعت (بندوں کی بنائی ہوئی شریعت جس میں رعایتیں و رخصتیں اور حیلے بہانے بنانے کی اجازت ہو) بنانے میں "فقہاء ائمہ" کا کتنا بڑا ہاتھ تھا۔ اور اس ہاتھ کے پیچھے اصل ہاتھ مجوس و یہود و عیسائی "مقتدرہ" کا۔ انہوں نے کیا کیا گل نہیں کھلائے اور کس طرح جال بُنا کہ حدیث نہیں تو فقہ، فقہ نہیں تو فتویٰ، فتویٰ نہیں تو تصوف، تصوف نہیں تو حکومت۔ غرضیکہ ہر طرح سے گھیر لیا۔

جس طرح سیاح مقدسی نے تیسری چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں کے حالات و عقائد کا نقشہ کھینچا، اسی طرح اگر آپ عباسی دَورِ حکومت میں تیسری صدی ہجری میں Al-Kindi's Appology[5] کا مطالعہ کریں تو بھی

---

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۱۹۔ ۱۲۰، ۱۲۳، ...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۱ ...... [3] ایضاً۔ صفحہ ۱۷۳ ...... [4] ایضاً۔ صفحہ ۴۔۵

[5] The Apology of Al-Kindy, Written at the Court of Al-Mamun (Cirea A. H. 215; A.D. 830)
By: Sir William Muir, K. C. S. I., LL. D., D. C. L. Second Edition 1887
(www.muhammadanism .org)

آپ پر واضح ہو جائے گا کہ پارس کا وار' اپنی مقتدرہ کے ایجنٹوں کے ذریعہ، کتنا کاری اور کارگر رہا تھا کہ اس نے مسلمانوں کے عقائد خراب کر کے ان کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا تھا۔ مقتدرہ کی اس ساری کاروائی کی کامیابی میں موالیوں کا بھی بہت اہم کردار تھا۔ یونکہ موالی حضرات زیادہ تر پارس وروم ہی سے جنگوں میں قید کئے گئے مجوسی، یہودی اور عیسائی غلام ہی تھے جو کہ کچھ عرصہ بعد آزادیاں حاصل کر کے مسلمانوں کے معاشرہ میں گھل مِل گئے تھے اور بہت سے منافقانہ طور پر مقتدرہ کے ایجنٹوں کے ہاتھ، غلط عقائد کی تبلیغ میں، بٹاتے رہے۔ گھڑنت روایتیں دوسروں تک پہنچاتے رہے۔ نئے فرقے و مسالک بنانے میں آگے آگے رہے.......... اور رسول اللہ سلامٌ علیہ و صحابہ رضی اللہ عنہم سے دشمنی میں ان کے خلاف روایتیں گھڑتے رہے۔ صحابہؓ دشمنی میں انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا اس کا ایک ہلکا سا یا مختصر نقشہ دیکھنے کیلئے ملاحظہ ہو، جناب مسعود احمد صاحب کی کتاب "صحیح تاریخ الاسلام و مسلمین" کا "مقدمہ" ۔ اس سے آپ کو مسلمانوں کی "تاریخ"[1] کی حیثیت بھی واضح ہو جائے گی کہ پارسی مجوسیوں نے اصل تاریخ کو بھی کس بُری طرح سے مسخ کر دیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کے متعلق پاکستان کے بڑے تاریخ دان ڈاکٹر مبارک علی بہت کچھ لکھ چکے ہیں (وہ ملاحظہ کیجئے کہ کیا مسلمانوں کی تاریخ صحیح ہے یا محض شر انگیزی)

اس کے علاوہ کتاب کے آخر میں دیکھئے ضمیمہ ۱ "صحابہ رسول کی افسانوی جنگیں قرآن کی روشنی میں" از تبلیغی سلسلہ تبلیغی مرکز، لاہور اور ضمیمہ نمبر "کون سا نظام صالح تھا؟ از تبلیغی سلسلہ ۲۔ تبلیغی مرکز لاہور

مزید، جو صاحبان پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں وہ غلام احمد پرویز صاحب کا پمفلٹ "ہماری تاریخ میں کیا ہے ؟" پڑھیں تو بہت معلومات حاصل ہوں گی۔

اوپر کے صفحات میں جو تاریخی شہادتیں دی گئی ہیں، وہ محض اس لئے کہ قارئین یہ سوچیں سمجھیں کہ اسلام و مسلمان چند صدیوں ہی میں اصل اسلام سے کتنے دُور جا پڑے تھے اور کیا کیا عقیدگی و اعمالی تبدیلیوں سے گزر رہے تھے ! اصل اسلام کیساتھ یہ ہاتھ کون سی مخفی طاقت کر رہی تھی ؟؟ غور کیجئے کیا یہ یہود، مجوس اور نصرانیوں پر مشتمل "مقتدرہ" اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ نہیں کر رہی تھی؟ یہ ساری تخریب کاری دوسری سے چوتھی صدی ہجری میں، بتدریج کر دی گئی اور اصل قرآنی اسلام کو پٹڑی سے اُتار کر عجمی اسلام بنا دیا گیا!

صحیفہ ھمام بن منبہ

پچھلی تقریباً دو صدیوں میں دنیا میں مختلف قسم کی کافی ہلچل رہی! جس کے اثرات سے اسلامی ممالک کی دنیا بھی، گو کہ زوال پذیر تھی، متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور کچھ نہ کچھ ذہنی ارتقاء بھی شروع ہوا اور آباء و اجداد کی تقلید کی زنجیریں ڈھیلی ہونا شروع ہو گئیں۔ چنانچہ ارتقاء پذیر ذہنوں میں قرآن کریم کی موجودگی میں غیر قرآنی کتابوں، جنہیں تقلید آباء نے قرآن سے زیادہ یا کم از کم قرآن کے برابر تقدس کا درجہ دیدیا تھا، کے بارے میں شک و شبہات و اشکال پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ نتیجتاً "**مقتدرہ**" کے ایجنٹ اور تقلیدی غلام مُلّا ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے پہلا کام تکفیری فتویٰ بازی کا شروع کیا اور سوچنے سمجھنے والوں کو مختلف نام دینا شروع کر دیئے مثلاً: زندیق، ملحد، منکر حدیث،

[1] صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ از مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کراچی ۱۹۸۰ء

نیچری اور کافر وغیرہ۔ جبکہ سوچنے سمجھنے، فکر کرنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ قرآن کریم میں دیا ہوا ہے کہ تَتَفَكَّرُوْا (۲/۲۱۹ ، ۲/۲۶۶ ، ۸/۳۰ ، ۴۶ ، ۳۴/۴۶ وغیرہ) نیز یہ کہ جو سوچتے سمجھتے نہیں، عقل سے کام نہیں لیتے وہ ڈھور ڈنگر (جانوروں) سے بھی بدتر ہیں۔ (۷/۱۷۹ ، ۸/۲۲ ، ۱۰/۱۰۰ ، ۴۴/۲۵) حتیٰ کہ قرآن کریم کی آیات پر بھی آنکھیں (وعقل) بند کرکے گرنے سے منع فرمادیا ہوا ہے (۲۵/۷۳)۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ کہہ کر ہی مخاطب کیا ہے (۱۰/۶۵ ، ۲/۱۷۹ وغیرہ)۔ مُلّاؤں نے دوسرا کام یہ کیا کہ پورے زور شور سے غیر قرآنی لٹریچر کو نہ صرف رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت خود جو حکم دیا تھا، کہ: "مجھ سے سوائے قرآن کریم کے اور کچھ نہ لکھو بلکہ اگر کسی نے کچھ لکھ لیا ہے تو اسے مٹا دو" (صحیح مسلم) اسی کے خلاف غیر قرآن بھی لکھ کر محفوظ کرنے کی اجازت دیدی یا حکم دیدیا۔ گویا کہ اس طرح انہوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو خود ہی منسوخ کردیا (معاذ اللہ)، نہ اپنے پیغمبرانہ شان ومقام اور اور نہ ہی حکمرانہ وقار کا خیال کیا کہ ایک حکم دے کر اسے جلد ہی منسوخ کردیا اور نہ ہی اَحکم الحاکمین کی شان وو قار کا خیال کیا اور اس کے حکم کو منسوخ کردیا۔ اس طرح انہوں نے قرآن کریم میں بھی منسوخ کرنے کا جواز نکال لیا۔ مگر، اللہ کا شکر ہے کہ وہ سوچنے سمجھنے والے ذہنوں کو مطمئن نہ کرسکے۔ حتیٰ کہ موجودہ صدی ہجری میں وہ (مُلّا) اتنا آگے بڑھ گئے کہ انہون نے غیر قرآنی لٹریچر کو بھی وحی قرار دیدیا جو پچھلی چودہ صدیوں میں کوئی مجوسی، یہودی، پارسی، عیسائی بھی نہ کرسکا تھا۔ انہون نے یہاں تک کہہ دیا اور لکھ دیا[۱] کہ نام نہاد احادیث بھی قرآنی آیات کی طرح جبریل کے ذریعہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہوتی تھیں اور آپ ان کا بھی املا کرایا کرتے تھے، صحابہ ان کو وہ پڑھ کر سناتے تھے اور وہ ان کی تصدیق کرتے تھے (معاذ اللہ)۔ یعنی یہ کہ وہ بھی وحی جلی تھیں اور وحی متلو تھیں۔ (جبکہ آج بھی ملّا ان کو وحی خفی اور وحی غیر متلو کہتے نہیں تھکتا) میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تقلیدی ذہن پرستی اور فرقہ وارانہ مذہبی غلو کی انتہاء ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے غلو سے بھی منع کردیا ہوا ہے (۴/۱۷۱ ، ۵/۷۷) اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ دشمنِ قرآن / منکرِ قرآن روپڑی حضرات نے (جو کہ اپنا نسب تبدیل کرکے مدنی بن گئے ہیں اور قوم کو بیوقوف بنا رہے ہیں!) تو ایک قرآن کے بیس [۲۰] قرآن بناڈالے ہیں جن میں سے پچھلے تقریباً دس پندرہ سالوں سے چار تو باقاعدہ طبع ہو رہے ہیں اور مزید سولہ [۱۶] کی طباعت کی تیاری ہو رہی ہے۔ اور ایسا انہوں نے غیر قرآنی لٹریچر ہی میں سے کیا ہے اور اسے بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کردیا ہوا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم بھی مختلف قراءتوں میں نازل فرمایا (نعوذ باللہ) جبکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ہم نے قرآن (آپ کی زبان) عربی میں نازل کیا عجمی زبان میں نہیں، (۱۶/۱۰۳ ، ۲۰/۱۱۳ ، ۲۶/۱۹۵ ، ۴۲/۷ ، ۴۴ ، ۴۱/۴۴ ، ۴۶/۱۲) مزید یہ فرمایا کہ اسے آپ کی زبان میں آسان کردیا (۱۹/۹۷ ، ۴۴/۵۸ ، ۱۷ ، ۲۲ ، ۳۲ ، ۴۰ ، ۵۴/۴۰) اور قرآن کریم کے نزول کے دَوران ہی اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تھا کہ: "(اے رسول) اس (قرآن) کو جلدی سے یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے۔ اس کا (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور پھر اس کا پڑھنا پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے۔ لہٰذا جب ہم پڑھا کریں تو (آپ سنتے رہئے اور) اس کے پڑھنے کی پیروی کیجئے) (۷۵/۱۶-۱۸)" یہاں یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم ایک

---

[۱] دیکھئے جناب مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین کا کتابچہ "حدیث بھی وحی ہے"، اور پروفیسر یٰسین مظہر صدیقی کی کتاب "وحی حدیث" ۲۰۰۵ء (بیت الحکمت۔ لاہور۔)

ہی قراءت یعنی رسول سلامٌ علیہ کے قبیلہ قریش کی مکّی قراءت یا مکی عربی ہی جو مبین اور معیاری تھی، میں نازل ہو رہا تھا اسی لئے ان آیات میں کوئی بھی جمع کی ضمیر استعمال نہیں ہوئی۔ ان تینوں آیات کے فوراً بعد ہی اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ: "پھر اس کی تشریح کر دینا بھی ہمارا ذمہ ہے۔(۱۹/۷۵)"۔ دوسری جگہ بھی صاف صاف فرمایا ہوا ہے کہ اَحسن تفسیر بھی ہم ہی کریں گے (۳۳/۲۵) جبکہ ظالم مُلّا اللہ تعالیٰ کی بات نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ خالق کائنات کے کلام کی تشریح وہ اپنے قیاس سے کرے گا۔ اور غیر قرآنی لٹریچر کو قرآن کریم یعنی کلام الٰہی کی تشریح و تفسیر قرار دیتا ہے۔ غور کیجئے کہاں کلام خالق اور کہاں کلام یا قیاس عبد! کیا دونوں برابر یا ہم پلّہ ہو سکتے ہیں؟ یہاں یہ حقیقت بھی واضح کر دینا غیر مناسب نہ ہو گا کہ روپڑی حضرات اس حقیقت کے بھی قائل نہیں کہ قرآن کریم میں کوئی تبدیلی یا ترمیم و تنسیخ نہیں کر سکتا۔ ان کی جامعہ کے ابن تیمیہ کا فرمان پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں۔

اس پسِ منظر میں، پچھلی صدی ہجری میں، اب سے تقریباً پچاس سال پہلے دشمنان قرآن / منکرین قرآن کی طرف سے غلغلہ اُٹھایا گیا کہ صحابیٔ رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ / تیار کردہ (نام نہاد) احادیث کا مجموعہ مل گیا، جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اپنے سابقہ حکم کو منسوخ کر کے (نام نہاد) احادیث لکھنے کی اجازت دے دی تھی اور صحابہ کبارؓ نام نہاد احادیثِ رسول بھی قرآن کے ساتھ یا علاوہ لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ طبع شدہ حالت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ (نام نہاد) احادیث رسول کا مجموعہ ۱۳۹۹ھ ہجری یعنی ۱۹۷۹ء عیسوی میں برصغیر ہندو پاک میں منظر عام پر آ گیا۔ میں چونکہ حق کا متلاشی تھا اور (نام نہاد) احادیث کی طرف سے تذبذب میں تھا، اس لئے میں نے بھی ایک نسخہ حاصل کیا اور پڑھا، بلکہ کئی مرتبہ پڑھا، اور جو کچھ سامنے آیا وہ پیش خدمت ہے:

.(۱)۔... یہ غلغلہ بالکل غلط تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ یا تیار کردہ نسخہ ہے یعنی آثار قدیمہ ہے

.(۲)۔... اس نسخہ کا نام "صحيفة هَمّام بِن مُنَبِّه" ہے، جو کہ برصغیر ہندو پاک کے ایک مشہور حنفی اسکالر' جو فرانس میں مقیم تھے، کو "برلن" کی لائبریری میں ملا اور انہوں نے اسے ۱۳۵۱ ہجری میں نقل کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"Apart from the two missing leaves, the Berlin MS is not the original certified copy , used as text by some accredited teacher, but merely a copy made out of a certified text. For the transcript, Ibrahim ibn Sulaiman says: I copied it on the morning of Monday 17th Rabi al- Awwal 1100(H) from a text in the writing of Ismail ibn Ibrahim ibn Juma'ah dated Friday 16th Rabi al Awwal 856." 1

ترجمہ: "قطع نظر اس کے کہ دو صفحات اس برلن کے نسخہ میں سے غائب ہیں، یہ کوئی اصل تصدیق شدہ نسخہ نہیں جسے کسی استاد نے بطور اصل (ٹیکسٹ) پڑھایا ہو، بلکہ یہ ایک تصدیق شدہ نسخہ کی کاپی ہے۔ اس کی کتابت کے

1. Sahifah Hammam Ibn Munabbih __ The earlier extant work on the Hadith, by Muhammad Hamidullah. Publications of Center Culturel Islamique , Paris No. 2/C, Translated in to English by Prof. Muhammad Rahimuddin , Rtd. Principal, Osmania College , Warangal, 10th Revised & Enlarged Edition, 1399 H . / 1979., Paragraph No. 113, Page 89.

بارے میں ابراہیم ابن سلیمان نے کہا کہ میں نے اس کو پیر کی صبح ۱۷ ربیع الاول ۱۱۰۰ہجری، ایک اور ٹیکسٹ سے جو کہ اسمٰعیل ابن ابراہیم ابن جمعہ کی ۱۶ ربیع الاول ۸۵۶ ہجری کی تحریر سے نقل کیا"۔ (کیا صبح ہی صبح پوراصحیفہ ہاتھ سے نقل کرنا ممکن تھا؟؟شاید فوٹو اسٹیٹ کیا ہو گا!)

گویا کہ مشہور حنفی اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی تقلیدی ذہن پرستی کیوجہ سے برلن کی لائبریری سے اس نسخہ "صحیفۂ ھمام بن منبہ" کی کاپی کر کے طبع تو کرا دیا مگر یہ بھی مان لیا کہ نہ تو یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تحریر ہے اور نہ ہی اصل نسخہ، بلکہ مختلف لوگوں کی نقل شدہ کاپی ہے جسے کسی ابراہیم ابن سلیمان نے ۱۷ ربیع الاول ۱۱۰۰ھ ہجری کی صبح (شاید فوٹو اسٹیٹ مشین لگی ہوئی تھی کہ ۱۳۷ روایات صبح ہی صبح اتار لی گئیں!) تقریباً ڈھائی سو سال پہلے کی یعنی ۸۵۶ھ ہجری کسی اسماعیل ابن ابراہیم ابن جمعہ کی تحریر سے نقل کیا۔ اور اس کو اب تقریباً ڈھائی سو سال بعد ۱۳۵۱ھ ہجری میں حنفی اسکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے دو دنوں میں (یوم عرفہ اور اس سے پہلے کا دن) حرف بہ حرف نقل کیا۔ (ص ۸۹)

اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ یہ نسخہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ یا تیار کردہ نہیں بلکہ نویں صدی ہجری میں اسماعیل ابن ابراہیم ابن جمعہ کا نقل کردہ ہے۔ اس کو انہوں نے کہاں سے کس سے نقل کیا یہ کچھ تحریر نہیں۔ یعنی انہوں نے بھی اسے کسی اصل نسخہ سے نقل نہیں کیا بلکہ نقل در نقل کیا۔ لب لباب یہ کہ یہ نسخہ نویں صدی کا تحریر کردہ ہ نہ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ ہے اور نہ ہی ان کے یمنی شاگرد ھمام بن منبہ کا تحریر کردہ اصل نسخہ بلکہ کاپی ہے۔

.(۳)۔... ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی اس کتاب میں جو کہ دسواں نظر ثانی شدہ اور انگلش کا دوسرا ایڈیشن ہے (۱۳۹۹ھ ہجری بمطابق ۱۹۷۹ء عیسوی) بڑی ایمانداری سے برلن کے اس نسخہ کے علاوہ تین اور نسخوں کا ذکر کیا ہے: (i)۔ دمشق کا نسخہ جو کہ صلیبی جنگوں کے زمانہ میں ایک مصری نسخہ سے نقل کیا گیا تھا جو کہ ظہیریہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ برلن کے نسخہ سے پرانا ہے یونکہ یہ چھٹی صدی ہجری بمطابق بارہویں صدی عیسوی میں نقل کیا گیا تھا۔ (ص ۹۱) اس نسخہ کے ۵۷۷ھ ہجری میں سُن کر لکھنے والے اور اس کے مالک عبد الرحیم ابن ہمدان ابن برکات الشافعی تھے۔ یہ پورا نسخہ، شروع سے آخر تک شیخہ ام الفضل کریمہ بنت شیخ نجم الدین عبد الوہاب ابن علی القریشیہ الزبیریہ الاسدیہ کی موجودگی میں پڑھا گیا اور پھر ۶۲۳ھ ہجری میں عمر ابن محمد ابن منصور الامینی کے خط میں تصحیح کر کے لکھا گیا (ص ۱۵۶) اس کے بعد مزید تصحیح ۶۷۰ھ ہجری میں عبد الرحمٰن ابن خمیس ابن یحییٰ ابن محمد القدسی نے کی۔ (ص ۱۵۸) (ii)۔ قاہرہ کا نسخہ دار الکتب المصریہ کو السید حسام الحسامی نے تحفتاً دیا تھا (یہ کون صاحب تھے یہ کچھ نہیں بتایا) اس کے نقل کی تاریخ 'موصل' میں ۵۳۷ھ ہجری ہے۔ اور اس کے ناقل ابو بکر محمد ابن علی ابن یاسر الانصاری الاندلسی تھے۔ (ص ۹۳، ۱۴۹) (iii)۔ نسخہ استنبول، سلیمانیہ لائبریری کے علی پاشا سیکشن میں "کتاب السرد و الفرد فی صحائف الاخبار و نسخھا المنقوله عن سید المرسلین صلوات الله و سلامه علیه" میں پہلے نمبر پر صحیفہ ھمام بن منبہ کے نام سے ہے اس کے نقل کی تاریخ ۵۳۴ھ ہجری ہے۔ جو کہ شاید ابو محمد الموفق بن سعید بن الموفّق النیشاپوری نے نقل کیا تھا۔ (ص ۹۳۔ ۹۴) یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ اس صحیفہ کا وجود چھٹی صدی ہجری سے پہلے نہیں تھا!

.(۴)۔... ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے مطابق: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بہت کثیر مجموعے حدیث جمع کئے ہوئے تھے۔(جبکہ ناقدین ابو ہریرہؓ کے مطابق وہ بمشکل تین سال رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ساتھ رہے تھے)۔ مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں کہ الحسن ابن عمرو ابن امیہ الدامری نے حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک واقعہ سنایا جبکہ وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی یاداشت بھی جواب دے رہی تھی کہ: "میں نے ابو ہریرہؓ کو ایک حدیث سُنائی۔ انہوں نے اس سے اپنی لاتعلقی ظاہر کی: تو میں نے عرض کیا کہ یہ حدیث تو میں نے آپ ہی سے سُنی ہے۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے سُنی ہے تو پھر میرے پاس تحریر میں ضرور محفوظ ہو گی۔ پھر وہ مجھے میرے بازو سے پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔ وہاں انہوں نے مجھے بہت سی حدیث کی کتابیں دکھائیں (کتبان کثیر تان) اور اس ذکر شدہ حدیث کو بھی تلاش کر لیا اور پھر فرمایا کہ میں نے تو کہا تھا کہ اگر یہ حدیث میں نے تم کو سنائی ہے تو یہ ضرور میرے پاس تحریر شدہ موجود ہو گی۔ (ص ۵۹۔ ۶۰، بحوالہ ابن حجر، فتح الباری ۱، ۱۷۴، ابن عبد البرّ۔ جامع بیان العلم ۱، ۷۴، الحاکم، مستدرک ۱۱۱، ۵۱۱)

یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ پیری ' جبکہ یاداشت بھی جواب دے رہی تھی، میں کتبانِ کثیر تان میں سے ایک حدیث تلاش کر لینا کتنا بڑا واقعہ ہے! کیا وہ کتابیں مضامین و موضوعات کے لحاظ سے مع انڈکس کے تیار کی ہوئی تھیں؟

اس سے بڑا امر یہ قابلِ غور ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی کتبان کثیر تان کے بعد، جو کہ قرنِ اوّل یعنی پہلی صدی ہجری ہی کی تحریر کردہ تھیں، کیا دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں مزید احادیث کی ضرورت پڑ گئی تھی جو دیگر پارسی جامعین جمع کرتے رہے؟ کیا وہ کتبان کثیر تان چھ کتابوں سے کم تھیں؟ وہ سب اصل کتابیں کہاں گئیں کہ ہم بھی دیکھ سکتے کہ وہ کون سے کاغذ پر اور کونسے خط (خط حمیری، خط کوفی، خط مکّی وغیرہ) میں لکھی گئیں تھیں؟ پھر کوئی شک وشبہ نہ رہتا کہ (نام نہاد) احادیث قرنِ اوّل ہی میں صحابہؓ نے تحریر کر دی تھیں۔

اور ان سب سے بڑا امر قابلِ غور یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے (نام نہاد) احادیث کی کتبانِ کثیر تان، رسول اللہ سلامٌ علیہ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے واضح احکامات کے خلاف، کیسے اور کیونکر جمع کر کے تحریر کیں؟ کیا وہ صحابیِ ہوتے ہوئے نافرمانِ رسول اور نافرمانِ اللہ تھے؟ کیا وہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول پر عمل کر رہے تھے؟ کیا کوئی صحابیِ رسول، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف عمل کر سکتا تھا؟؟ مجھے تو یہ سب دشمنانِ صحابہ کی شیطنت و سازش معلوم ہوتی ہے!

.(۵)۔... ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے مطابق: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ملک یمن سے آئے تھے اور ان کے یہ شاگرد، جو کہ اس صحیفہ کے ناقل ہیں، ھمام بن منبہ بھی یمن سے آئے تھے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے اس شاگرد کیلئے تقریباً ۱۴۰ احادیث کا ایک مجموعہ تیار کر کے ان کو املا کرایا تھا۔ جس کی صحیح تاریخ تو نہیں معلوم البتہ، چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۹۔۵۸ ہجری بمطابق ۶۷۸۔۶۷۷ عیسوی ہوئی، اس لئے یہ پہلی صدی ہجری ہی کی تحریر اوّلین قرار پاتی ہے۔(ص ۶۰)

یہاں بھی یہ ثابت ہو گیا کہ دشمنانِ قرآن کا یہ غلغلہ بالکل غلط اور بکواس تھا کہ صدرِ اوّل کی حضرت ابو ہریرہؓ کی

تحریر کردہ احادیث کا مجموعہ مل گیا جس سے صدرِ اوّل میں (نام نہاد) احادیث کا تحریر کرنا ثابت ہوتا ہے۔ انہی کے مطابق یہ صحیفہ تو ان کا املا کردہ ہے۔ یہاں حقیقت تو یہ ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب یہ بھی نہ بتاسکے کہ کتبانِ کثیر تان کی تعداد کیا تھی؟ کیا وہ چھ سے کم تھیں یا زیادہ؟ نیز یہ کہ ان میں تحریر شدہ (نام نہاد) احادیث کی تعداد کتنی تھی جبکہ اس صحیفہ ھمام بن منبہ میں تو صرف ۱۳۷ روایات ہیں! کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی کتبانِ کثیر تان کی ہزاروں (نام نہاد) احادیث میں سے اپنے شاگردِ خاص کیلئے صرف ۱۳۷ روایات منتخب کیں!

.(۶)۔۔۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے مطابق، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص ھمام ابن منبہ اور ان کے چھوٹے بھائی وہب بن منبہ یمن کے **ابناء** قبائل سے تھے۔ یہ ابناء قبائل وہ لوگ تھے جن کے باپ پارسی اور ماں عرب ہوتی تھی کہ یمن کی فتح کے بعد پارسی افراد وہاں آباد ہو گئے تھے اور انہوں نے عرب عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ یہ پارسی فوجیں شاہ انوشیروان کے زمانہ بادشاہت میں یمن کے سردار سیف ابن ذی بازان کی درخواست پر ابی سینیا کے لوگوں کو یمن سے نکالنے کیلئے بھیجی گئی تھیں۔ (بحوالہ ابن اثیر، اسد الغاب ا، ۱۶۳؛ ابن ہشام ۴۱۔۳، طبری تاریخ، انڈکس۔ ابناء) (ص ۶۲)۔ ھمام ابن منبہ کی کنیت ابو عقبہ تھی اور ان کی وفات ۱۰۲ ہجری بمطابق ۷۲۰، ۷۱۹ عیسوی تھی۔ انہوں نے صدرِ اوّل کے جہادوں میں جو کہ بازنطینی اور پارسین ایمپائرز کے خلاف ہوئے ان میں بھی حصہ لیا اور اپنے بھائی وہب بن منبہ کیلئے کتابیں بھی خریدتے رہے! (ص ۶۳) وہ ابوہریرہؓ کے شاگرد تھے اور انہوں نے ان سے تقریباً ۱۴۰ روایتیں سنی تھیں۔ جن کا سلسلہ ایک ہی تھا۔ (ص ۶۳)

یہاں یہ حقیقت کتنی واضح ہو جاتی ہے کہ ھمام بن منبہ پارسی النسل یا پھر یہودی النسل یا پھر دونوں کے اختلاط وازدواج کا نتیجہ تھے۔ اسی صفحہ ۶۳ کے فُٹ نوٹ میں ڈاکٹر صاحب نے یہ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ ھمام ابن منبہ ابناء میں سے نہیں تھے بلکہ یمنی عرب تھے مگر پھر خود ہی لکھ گئے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ جیوش کنگ (یہودی بادشاہ ذونواس) کے مذہبی استبداد کے زمانہ میں ھمام کی پہلی پشتوں میں کوئی یہودی ہو گیا ہو (فٹ نوٹ ص ۶۳)۔

دوسری حقیقت یہ قابلِ غور ہے کہ ھمام بن منبہ اپنے بھائی وھب بن منبہ کے لئے (۱۰۲ ہجری سے پہلے) کتابیں خریدا کرتے تھے! یہ کونسی کتابیں ہوتی تھیں؟؟ اس وقت تک نہ تو ”فقہ اکبر“ لکھی گئی تھی نہ کتاب الام، نہ کتاب الرسالہ، نہ ہی صحاح ستہ لکھا گیا تھا نہ ہی مسند امام احمد' نہ ہی فتاویٰ عالمگیری، نہ ہی سیرتِ رسول و جہادات رسول لکھی گئی تھیں' نہ ہی شمائلِ رسول' نہ ہی نہج البلاغہ' نہ ہی مقتل حسین۔ تو پھر یہ کونسی کتابیں تھیں؟؟ یقیناً یہ یہودیوں کی تالمود، مثناہ تھیں یا پھر پارسیوں کی اَوِستا، یا پھر حکیم مانی کی کتابیں تھیں یا پھر اناجیل!

.(۷)۔۔۔ھمام ابن منبہ کی تاریخ وفات میں مؤرخین نے اختلاف کیا ہے چنانچہ ابنِ حجر کے مطابق ابن سعد، الخلیفہ اور ابن حبان نے ان کی تاریخِ وفات ۱۳۱ھ یا ۱۳۲ھ لکھی ہے اور العجلی نے انہیں یمنی اور تبع تابعی قرار دیا ہے۔ جبکہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں بھی ان کی تاریخ وفات ۱۳۱ ہجری لکھی ہے (ص ۶۵) اس طرح سے وہ حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ کی شاگردی کے بعد (۷۲= ۵۹ - ۱۳۱) ۷۲ سال تک ان کی صرف ۱۳۷ روایات کو پکڑے رہے!! انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی شاگردی کیا پیدا ہونے سے پہلے شروع کر دی تھی؟؟

.(۸)۔... ھمام ابن منبہ کے ساتھ ابو عروہ معمر ابن راشد بھی (نام نہاد) احادیث کا مطالعہ کرتے تھے۔ ان کی وفات ۱۵۳ھ ہجری بمطابق ۷۷۰ء عیسوی ہوئی۔(ص ۶۳، ۶۵)۔ ذہبی کے مطابق معمر البصری پہلے شخص ہیں جو بصرہ سے یمن تعلیم حاصل کرنے گئے (العبرا، ۲۲۰۔۲۲۱)،(ص ۶۶)۔

غور کیجئے! بصرہ (پارس) سے بجائے مکہ یا مدینہ جانے کے یمن جانے والے پہلے شخص بھی تو کہیں پارسی یا یہودی النسل ہی تو نہ تھے! جنہوں نے نہ صرف صحیفہ ھمام بن منبہ لکھا بلکہ (نام نہاد) حدیث کی ایک اور مکمل کتاب "الجامع"، لکھی، جو اب شائع ہو گئی ہے۔ (ص ۶۶)! یعنی چودھویں صدی ہجری میں' لیکن معمر نے اس میں صحیفہ ھمام بن منبہ کو شائع نہیں کیا!! نیز ان کی تاریخ وفات ۱۵۳ھ ہے تو یقیناً وہ حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد نہیں تھے، البتہ ہمام بن منبہ کے ہو سکتے ہیں (۶۶)

.(۹)۔... معمر کو ایک اور یمنی شاگرد عبد الرزاق ابن ھمام ابن نافع الحمیاری مل گئے جو کہ صنعاء (یمن) کے اسکالر تھے (۱۲۶ھ سے ۲۱۱ھ بمطابق ۷۴۳ء سے ۸۲۶ء) انہوں نے بھی صحیفہ ھمام بن منبہ کے علاوہ دس جلدوں میں ایک مصنف (المصنَّف) تیار کی مگر اپنے استاد معمر کی طرح اس صحیفہ کو اپنی المصنَّف میں شامل نہ کیا! (ص ۶۶۔۶۷)

.(۱۰)۔... عبد الرزاق کو دو بہت عمدہ شاگرد میسر آ گئے۔(i)۔ احمد ابن حنبل بغدادی (۱۶۴۔۲۴۱ ہجری بمطابق ۷۸۰۔۸۵۵ عیسوی) جن کے استادوں میں نہ صرف معمر ابن راشد بلکہ الشافعی بھی شامل ہیں اور ان کے شاگردوں میں مشہور محدث البخاری، مسلم وغیرہ شامل ہیں۔(ii)۔ اور دوسرے ابو الحسن احمد ابن یوسف السُلامی۔ ان دونوں نے ہی صحیفہ ھمام بن منبہ کیلئے خاس خدمات انجام دیں کہ احمد بن حنبل نے اپنی المسند کے خاص حصہ میں صحیفہ کو شامل کیا، جبکہ السُلامی نے صحیفہ کو الگ ہی رکھ کر آگے بڑھایا۔ ان کے شاگردوں نے اسے اور آگے بڑھایا حتیٰ کہ محمد ابن الحسین ابن القطان اور ان کے دو شاگردوں ابو الفراج مسعود ابن الحسن الثقافی جن کے بعد میں محمد ابن محمد ابن جَھبل، ابن عساکر اور اسماعیل ابن جماعۃ اور ان کے بعد والوں نے آخر برلن کے نسخہ ۸۵۶ھ ہجری تک پہنچا دیا۔ انہی عبد الوھب ابن مندہ کے دوسرے شاگرد محمد ابن احمد ابن محمد اصبہانی (اصفہانی) تھے۔ ان کے ایک خاص شاگرد خراسان کے محمد ابن عبد الرحمٰن ابن محمد ابن مسعود المسعودی البنداھی (پنج دیہہ)[1] تھے۔ جنہوں نے صلیبی جنگوں کے زمانہ میں ۵۷۷ھ ہجری بمطابق ۱۱۸۱ء عیسوی میں اس صحیفہ کو مدرسہ نصیریہ صلاحیہ میں پڑھایا جس کو سلطان صلاح الدین نے 'دمیتی' مصر میں قائم کیا تھا۔(ص ۶۷۔۶۸)۔

..(۱۱)۔... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، جو کہ یمنی ضرور تھے مگر ان پر ابناء میں سے ہونے کا الزام کسی نے نہیں لگایا، البتہ وہ قبیلہ دوس سے نسبت رکھتے تھے ان کی وفات ۵۹ھ ہجری میں ہوئی۔ ان کے بعد ناقلین یا راویان کی کیفیت یوں ہے:

[1] خراسان (پارس) کا ایک گاؤں

(i) Hھمام بن منبہ بن کامل بن شیخ الیمنی ابو عقبہ الصّنانی الابنادی — وفات ۱۰۲ / ۱۰۱ہجری یا۱۳۲ / ۱۳۱ہجری

(ii) ابو عروہ معمر ابن راشد البصری الیمنی — وفات ۱۵۳ھ ہجری

(iii) عبد الرزاق ابن ھمام ابن نافع الحمیاری (صنعا — وفات ۲۱۱ھ ہجری

(iv) احمد بن حنبل البغدادی — وفات ۲۴۱ھ ہجری

یہاں اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ھمام بن منبہ الیمنی الابناوی نے تقریباً دوسری صدی میں یا پہلی صدی ہجری کے آخر میں کوئی صحیفہ تیار کر کے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سننے کا الزام لگایا تھا تو اسے آگے بڑھانے والوں میں انہی کے یمنی، بغدادی و بخاری النسل لوگ تھے جو کہ یقیناً پارسی النسل یا یہودی النسل بھی تھے اور مسلمان ہونے کے دعویدار۔ انہی لوگوں نے اپنی ضخیم کتابوں میں ان روایات کو تحریر کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ دعوہ کہ ' بخاری اور ھمام کے درمیان کئی صدیوں کے فاصلے کے باوجود اور ان کے درمیان راویان کی کئی نسلیں گزر جانے کے باوجود روایات کے الفاظ میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں ہوئی، (صفحہ ۸۰) بالکل غلط دعوہ ہے یونکہ ھمام بن منبہ اور بخاری کے درمیان تو صرف دوسری صدی ہی ہے اور جہاں تک راویان کا تعلق ہے تو صرف دو راوی معمر اور عبد الرزاق ہیں۔

.(۱۲)۔...ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے تقریباً ۹ صفحات پر (ص ۷۱۔ ۷۹) ایک چارٹ بنایا ہے کہ صحیفۂ ھمام کی کونسی روایت بخاری میں کس جگہ درج ہے اور مسلم میں کس جگہ درج ہے۔ یہ یقیناً بہت محنت طلب کاوش ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ صحیفہ کی ۱۳۷ روایات (جبکہ ایک روایت ہمارے نسخوں میں نہیں ہے مگر مسند احمد بن حنبل کے متعلقہ حصہ میں مندرج ہے) میں سے ۹۹ روایات بخاری و مسلم نے درج کی ہیں: ۲۹ روایات دونوں نے درج کی ہیں، ۲۲ صرف بخاری نے اور ۴۸ صرف مسلم نے درج کی ہیں۔ (ص ۷۹)۔ جہاں تک مسلم کا تعلق ہے، تو یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ وہ ان روایات کو عام طور پر یوں تحریر کرتے ہیں کہ: معمر نے ھمام بن منبہ کی سند پر ہم سے روایت بیان کی۔ (ص ۷۹) گویا کہ انہوں نے معمر کے بعد والے راوی عبد الرزاق کا حوالہ ہی نہیں دیا! کیا یہ کھلی ہوئی تدلیس نہیں ہے ؟ جبکہ "تدلیس" کو تمام محدثین نے عیب مانا ہے، سوائے میرے استاد جناب مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے۔ غور کیجئے اس تدلیس کے باوجود ان روایات کو صحیح مانا جارہا ہے! یہ دوہرا معیار کیوں؟

.(۱۳)۔... تدلیس کی ایک اور مثال ڈاکٹر صاحب شاید غلطی سے دے گئے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ صحیفہ کے نسخۂ دمشق کی اسنادیوں ہے: محمد ابن عبد الرحمٰن البنداہی (پنج دیہی خراسانی)، محمد ابن احمد الاصفہانی، عبد الوہاب ابن محمد ابن مندہ، ان کے والد محمد ابن اسحاق ابن مندہ، محمد ابن الحسین القطان، احمد ابن یوسف السُلامی، عبد الرزاق ابن ھمام ابن نافع ، معمر ابن راشد، ھمام ابن منبہ، ابوہریرہؓ، رسول اللہ سلامٌ علیہ...... یہ تمام ۱۱ اسناد ۵۷۵ سالوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ انسان سے غلطی بھی سرزد ہوسکتی ہے، چنانچہ یہاں بھی ایک نام شاید کسی ناقل کی غلطی سے رہ گیا ہے۔ ان گیارہ سندوں میں سے چوتھی سند میں محمد بن اسحاق ابن مندہ کو محمد ابن الحسین القطان سے سنتے ہوئے بتایا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ابن

مندہ تو ۱۳۰۱ ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے جبکہ القطان ان سے آٹھ سال پہلے ہی ۱۲۹۳ ھ ہجری میں وفات پا چکے تھے اس لئے دونوں کی تو ملاقات بھی ثابت نہیں تو روایت سننے کا کیا سوال؟ (ص ۸۴)۔ کیا تدلیس شدہ چیز صحیح ہو سکتی ہے؟ غور کیجئے!

(۱۴)۔۔۔ آگے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ: ھمام ابن منبہ کی وفات ۱۰۱ ھ ہجری میں ہوئی جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۹۔۵۸ ھ ہجری میں ہو گئی تھی۔ تو یقیناً ھمام نے اس صحیفہ کا قبضہ ان کی وفات سے قبل ہی حاصل کر لیا تھا۔

غور کیجئے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا وہ صحیفہ، اصل نسخہ یا مسودہ، اب کہاں ہے؟؟ ظاہر ہے کہ اس کا کہیں وجود نہیں۔ اس لئے صحیفہ ھمام بن منبہ کی تصدیق کیسے کی جائے؟ ظاہر ہے کہ جس چیز کی تصدیق نہ ہو سکے وہ غیر مصدقہ و غیر مستند ہی رہے گی جبکہ اس کی اسناد بھی تدلیس شدہ ہوں۔ مسند احمد سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہو سکتی یونکہ وہ بھی احمد بن حنبل کی وفات ۲۴۱ ھ ہجری کے تقریباً گیارہ صدیوں بعد پہلی مرتبہ قاہرہ سے پچھلی صدی میں ۱۳۱۳ ھ ہجری بمطابق ۱۸۹۵ ء عیسوی، شائع ہوئی ہے۔ (ص ۹۷)

(۱۵)۔۔۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے مطابق صحیفہ ھمام بن منبہ کا "نسخہ قاہرہ" ایک اور قابل احترام، ہستی ابن کثیر نے بھی اپنی "جامع المسانید وسنن" میں شامل کر دیا تھا۔ جس کے سات حصے، مسودہ کی شکل میں دار الکتب المصریہ۔ قاہرہ میں محفوظ ہیں۔ (ص ۹۸) (یعنی وہ پچھلی صدی تک شائع نہیں ہوئے ہیں اور جب ضرورت ہو گی تو ایک اور کتاب بطور ثبوت کوئی اور اسکالر شائع کر دے گا۔ صدیق)

(۱۶)۔۔۔ آگے ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ابن کثیر کی مسند ابوہریرہؓ، "مسند احمد بن حنبل" سے اخذ شدہ معلوم ہوتی ہے یونکہ وہ عبد اللہ ولد احمد ابن حنبل سے روایت کرتے ہیں جو کہ مسند احمد بن حنبل کے بھی راوی ہیں۔ (ص ۹۹)

۔ یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب ابن کثیر کی کتاب "جامع المسانید والسنن" کی 'مسند ابوہریرہؓ' سے ایک دلچسپ روایت نقل کرتے ہیں کہ: "عبد الرزاق نے ہم سے زبانی حدیث بیان کی کہ ہمیں مطلع کیا عقیل نے اپنے چچا ھمام ابن منبہ کے حوالہ سے کہ: میں مدینہ آیا تو میں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے منبر کے نزدیک ایک حلقہ دیکھا۔ میرے استفسار پر بتایا گیا کہ یہ ابوہریرہؓ کا حلقہ ہے۔ میں نے انہیں سلام عرض کیا۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ 'تم کون ہو'؟۔ میں نے عرض کیا کہ میں یمن کے لوگوں میں سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ: یقین یمنی ہے، اور عقلمندی یمنی ہے۔ ان لوگوں کے دل بہت صاف ہوتے ہیں جبکہ اجڈ پن جانور چرانے والوں میں اور اونٹ چرانے والوں میں ہوتا ہے۔ اور انہوں نے مشرق کی جانب اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا"۔ (ص ۹۹)۔ آگے ڈاکٹر صاحب نے خود ہی ایک اور تدلیس کی نشاندہی کر دی کہ ابن کثیر نے اس روایت کو ڈائرکٹ عبد الرزاق کے حوالہ سے بیان کیا ہے جبکہ عبد الرزاق ان سے کئی صدیوں پہلے وفات پا چکے تھے۔ (ص ۱۰۰)۔ تو اب ملاقات کرنے کیسے آ گئے؟

مقام غور ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو یمنیوں کی تعریف کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔ اور یقیناً مسند کی روایت کو صحیح بھی قرار دیا جائیگا۔ گویا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ ابناء یمن، یہودی النسل و پارسی النسل لوگوں کی نسلوں کی تعریف فرما رہے ہیں (نعوذ باللہ) جن میں سے ایک اسود الانسی ذوالحمار نے نبی ہونے کا دعوہ، یمن میں، رسول اللہ سلامٌ علیہ کی

موجودگی ہی میں کر دیا تھا! ان کے فوراً بعد نجد کے مُسیلمہ نے یمن ہی سے اور پھر سجاح نامی ایک عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا۔ دوسرا مقامِ غور یہ ہے کہ یہ محدثین کرام یا راویان کرام کیسی کیسی بڑی تدلیس کرتے رہے مگر پھر بھی ذہنی مریضوں کے نزدیک محترم و معتبر ہیں۔

.(۱۷)۔... محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی اس کتاب میں پورا صحیفہ ھمام بن منبہ (عربی متن) نقل کیا ہے مگر عجیب بات ہے کہ مخطوطہ برلن کے بجائے، جو کہ ان کو برلن کی لائبریری میں ملا اور اس کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے دو دن میں ۱۳۵۱ھ ہجری میں نقل کیا تھا، اس کتاب میں مخطوطہ دمشق نقل کیا ہے جس کے آخر میں بغیر کسی تاریخ کے اس کے مالک و کاتب عبد الرحیم بن حمدان بن برکات کا نام درج ہے۔ اور پھر مخطوطہ برلن کے آخر کی نقل بھی دیدی ہے جو کہ یوں ہے: ابراہیم بن سلیمان بن محمد بن عبد العزیز الحنفی الجینیی الاصل ، الدمشقی الدار فی نہار الاثنین سابع عشر ربیع الاول سنة مأته والف و علقها لنفسه و لمن شاء الله تعالی من بعدهٔ، من خط العلامة اسمٰعیل بن ابراہیم بن جماعة و تاریخ کتابته لها یوم الجمعة ۱۲ ربیع الاول سنة ۸۵۶۔ درج ہے (عربی صحیفہ کا ص ۲۱) (یعنی یہ مخطوطہ ۸۵۶ ہجری کا تحریر کردہ ہے یہ نہ تو ھمام بن منبہ کا تحریر کردہ ہے نہ ہی حضرت ابوہریرہؓ کا تحریر کردہ ہے۔ اس مخطوطہ میں ۱۳۷ روایات ہیں اور یہ ۳۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ (ص ۲۔۳۱)

.(۱۸)۔... اس کے فوراً بعد ہی ڈاکٹر صاحب نے اگلے صفحہ سے ، دونوں یا تمام مخطوطات کے آپس کے اختلافات الروایات کی تفصیل (تمام ۱۳۷ روایات) ۳۲ صفحات پر دی ہے (ص ۳۲۔۶۳) تو پھر صحیفہ مستند کیسے ہو گیا؟

.(۱۹)۔... روایات کے متن کا ترجمہ تو انگریزی میں دیا ہے مگر اختلافات الروایات کا ترجمہ نہیں دیا۔

.(۲۰)۔... ڈاکٹر صاحب نے ص ۶۱ پر دعویٰ کیا ہے کہ صحیفہ کی اکثر روایات اخلاقیات (Moral behavior) سے متعلق ہیں۔ لیکن شاید ایسا نہیں۔

.(۲۱)۔... محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب کے شروع ہی میں عربوں کو ان پڑھ یا جاہل قرار دیدیا ہے (The Illiterate Arabs ص ۳)۔ اور عربی زبان پر بھی مولویانہ تنقید کر دی ہے کہ نہ حرف تہجی پوری طرح شناخت ہو سکتے تھے، نہ اعراب و نقاط تھے اور نہ اس کو لکھنے پڑھنے والے۔ وغیر ہم۔ گویا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سے غلطی ہو گئی کہ انہوں نے ایسی ناپختہ زبان میں قرآن کریم نازل کر دیا اور وہ بھی بطور آخری اور فائنل کتاب کے تمام انسانوں کے لئے جو اس کے بعد بھی پیدا ہونے والے تھے! میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کی طفلانہ و مولویانہ بات کیلئے ڈاکٹر صاحب معذور تھے یونکہ وہ بھی تو آخر اسی کِرم خوردہ سوسائٹی کے ایک فرد تھے۔ اگر وہ کہیں حقیقت لکھ دیتے تو سارے مُلّا ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیتے۔ پھر نہ بہاولپور کی یونیورسٹی والے بلا کر ان سے لیکچر دلواتے، نہ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد، انڈیا والے ان کی کتابیں شائع کرتے اور نہ ہی لاہور کے پبلشرز ان کی کتابیں شائع کراتے۔ نہ ہی وہ ایک حنفی اسکالر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے۔ اس لئے وہ اپنی حنفی تقلیدی ذہن پرستی سے باہر نہ نکل سکے اور (نام نہاد) حدیث کے بارے میں وہی غیر قرآنی عقیدہ پر قائم رہے۔ حتیٰ کہ وہ (نام نہاد) حدیث کی تعریف کہ، قول، عمل و تقریر رسول کو

حدیثِ رسول کہا جاتا ہے (ص ۲۳)۔ کاش وہ زندہ ہوتے تو میں ان سے پوچھتا کہ ذرا یہ تو بتا دیجئے کہ یہ تعریفِ حدیث کس نے بنائی؟؟

.(۲۲)۔... مزے کی بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب بھی عام مُلّا اور مقتدرہ کے ایجنٹوں کی طرح نام نہاد حدیث کو رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کر کے اسے رسول اللہ کے سامنے ہی سے تحریر کئے جانے کے دعویدار ہیں اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے مقتدرہ کے ایجنٹوں کے وہ تمام دلائل دہراتے ہیں جو شاید صدیوں سے دیئے جا رہے ہیں اور جس سے (نام نہاد) احادیث تحریر کرنے والے، خواہ وہ رسول کی موجودگی میں یا بعد میں ہوں، نافرمان رسول ٹھہرتے ہیں! تو پھر رسول کے حکم کو نہ ماننے والے، ان کی اطاعت نہ کرنے والے کیا گستاخ رسول نہیں ٹھہرتے؟ (معاذ اللہ)۔ میں تو ایسا ہر گز نہیں مان سکتا ہاں جو لوگ صحابہ کبارؓ سے کدورت رکھتے ہیں اور دشمنی رکھتے ہیں وہ مانتے رہیں!

.(۲۳)۔... اس سے بھی زیادہ مزے کی بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے جوشِ تقلید یا ذہن پرستی میں کہ (نام نہاد) احادیث رسول اللہ سلامٌ علیہ کی موجودگی ہی میں لکھ لی گئی تھیں، میثاقِ مدینہ (یعنی پہلے مملکتی آئین) کو، تمام سرکاری کاغذات کو، معاہدوں کو اور خطوط کو جو مختلف حکمرانوں یا بادشاہوں کو لکھے گئے یا سرکاری احکامات کو جو وقتاً فوقتاً جاری کئے گئے، اولی الامر یا گورنروں وغیرہ کو جو احکامات جاری کئے گئے، یہودیوں کے ساتھ خط و کتابت، زکوٰۃ یا ٹیکس یا جزیہ وغیرہ کے ریٹس حتیٰ کہ ہجرت کے فوراً بعد ہونے والی مردم شماری (Census) تک کو اسی زُمرہ حدیث میں شمار کر لیا ہے!(صفحہ ۲۵۔۳۰)۔ یہی کام آج کل دیگر مُلّا بھی کر رہے ہیں!

یہاں یہ حقیقت لکھنا نامناسب نہ ہو گا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں، اس موقعہ پر، ص۲۸ کے بعد رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ایک خط کا فوٹو عکس دیا ہے جو کہ شاہِ ہراکلییس (Emperor Heraclius) کے نام لکھا گیا تھا۔ جن صاحب کو یہ میسر آئے تو وہ اس کو پڑھنے کی کوشش ضرور کریں اور غور کریں تو اندازہ ہو جائے گا کہ اس کی تحریر موجودہ عربی تحریر سے بہت مماثل ہے اور یہ ہر گز خط کوفی نہیں جس کے لئے ملاؤں کا دعویٰ ہے کہ شروع کی تمام تحریریں حتیٰ کہ قرآن کریم بھی خط کوفی میں لکھا جاتا تھا۔ جبکہ خط کوفی، حضرت عمرؓ کے اپنے دَور میں کوفہ چھاؤنی بنانے اور مجاہدین سے آباد کرنے کے بعد وجود میں آیا تھا۔

.(۲۴)۔... ڈاکٹر صاحب کے مطابق پارسیوں یعنی فارسیوں نے، (جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یمن کے تھے یا بحرین کے (الاحساء) یا عمان وغیرہ کے)، اسلام قبول کیا تو درخواست کی کہ ان کو عارضی طور پر صلوٰۃ ان کی مادری زبان ہی میں ادا کرنے کی اجازت دی جائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پہلی سورۃ القرآن، (سورۃ الفاتحہ) فارسی میں ترجمہ کر کے، رسول اللہ سلامٌ علیہ کی اجازت سے ان نو مسلم فارسیوں کو ارسال کر دی (ص ۳۱۔۳۲) یہ بھی حدیث، رسول اللہ سلامٌ علیہ کی موجودگی میں اور ان کی اجازت سے لکھنے کا ایک اہم واقعہ ہے جس سے حدیث لکھنا ثابت ہوتا ہے! اور پھر ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد تقریباً ۳۰ صفحات اور کالے کئے ہیں اور ان میں وہی مولویانہ مواقع، حدیث لکھنے کے' دہرائے ہیں۔ جو صدیوں سے دہرائے جا رہے ہیں۔ مگر اولوالاباب کے لئے بے سود ہیں۔

.(ا)۔...ان سب سے زیادہ مزے کی بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے احادیث نہ لکھنے کے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے حکم یا احکامات کو یکجا کر دیا ہے۔ جبکہ عام طور پر لوگ صرف "صحیح مسلم" ہی کی روایت جانتے ہیں اور اسی کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان دیگر روایات پر بھی غور کیجئے، اس سلسلہ میں ابو سعید خُدریؓ کی روایت سب سے اہم ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا:

احادیث نہ لکھنے کے بارے میں روایتیں:

(i)۔..."قرآن کے علاوہ جو تم مجھ سے سُنو وہ مت لکھو۔ جس کسی نے مجھ سے قرآن کے علاوہ سُن کر لکھ لیا ہے وہ اسے مٹادے / معدوم کر دے" (الخطیب البغدادی، تقیید العلم صفحہ ۲۹۔۳۲، ابن قتیبہ، مختلف الحدیث صفحہ ۳۶۵، ابن حنبل، مسند ۳، ۱۳۱، کتاب المصاحف از ابن ابی داؤد، الدارمی، سنن ۱، ۱۱۹ (فصل ۴۲)

غور کیجئے، بقول انہی محدثین وملاؤں کے، غیر قرآن کے لئے رسول اللہ سلامٌ علیہ کا کتنا واضح حکم ہے۔ مگر یہ ظالم ،سازشی ایجنٹ اس حکمِ رسول کو ماننے کیلئے تیار نہیں بلکہ اس کی تاویلات کرتے ہیں اور کہانیاں بنا کر سناتے ہیں کہ یہ حکم تو فلاں موقعہ پر فلاں وجہ سے دیا گیا تھا۔ حتمی نہیں تھا۔ جبکہ ان کی تاویلات کا ذکر ان (نام نہاد) احادیث میں کہیں نہیں!

(ii)۔...یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منسوب ہے۔ الہیثمی، مجمع الزوائد ۱، ۱۵۱۔ مگر ان دونوں روایات کا بخاری نے انکار کر دیا ہے۔ جس کی تاویل نویں صدی ہجری کے دوسرے محدث وشارح بخاری، ابن حجر نے کی ہے کہ بخاری نے اپنی جامع میں یہ روایت یوں نہیں لی کہ روایات کو پرکھنے کیلئے ان کا معیار بہت سخت تھا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تاویل سراسر کذب بیانی ہے یوں کہ بخاری کے روایت کو پرکھنے کے اصول و معیار، خود بخاری نے کہیں نہیں درج کئے۔ اس لئے ملّاجی انحراف حقیقت یا کذب بیانی کر رہے ہیں!

(iii)۔...حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ، لوگوں کے شعور کیلئے ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے حدیث لکھنے کی اجازت مانگی مگر آپؐ نے انکار کر دیا"۔(الخطیب البغدادی، تقیید العلم۔ ص ۳۲۔۳۳، الترمذی، سنن، ۳۹، کتاب ۱۲ کتاب العلم، باب کراہیت العلم)

(iv)۔...یہی روایت سنن دارمی میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

"کچھ صحابہ نے رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سنی سنائی باتوں کو لکھنے کی اجازت مانگی، مگر آپؐ نے انکار کر دیا" (مقدمہ، فصل ۴۲)

(v)۔...حضرت ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت اس طرح ہے!

"ہم لوگ سوائے قرآن کے اور کچھ نہیں لکھتے تھے یا پھر تشہد"۔(ابوداؤد ۲۴: ۳، کتاب العلم باب فی کتاب العلم)۔ جبکہ تشہد کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ تشہد صلوٰۃ میں اختتامیہ کلمات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی موجودگی کی شہادتِ عاجزانہ پیش کی جاتی ہے مگر یہ شہادت قرآن کریم میں نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے تجویز کی ہے۔ اس لئے یہ بھی حدیثِ رسول ہے۔(ص ۱۰۱)

ڈاکٹر صاحب کا اشارہ 'تشہد' سے صلوٰۃ میں اختتام سے پہلے پڑھی جانے والی التحیات سے ہے۔ جس کے لئے وہ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ یہ قرآن کریم میں نہیں ہے۔ بلکہ تجویز رسولؐ یعنی حدیثِ رسولؐ ہے۔ سوال یہ پید ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ خود بھی صلوٰۃ میں یہ تجویز کردہ حدیث پڑھتے تھے؟ کیا یہ سنتِ رسول بھی ہے یا محض حدیثِ رسول جس پر وہ خود عمل پیرا نہ تھے! عاشقین سنت کیلئے یہ مقام غور ہے!

(vi)۔... حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"اللہ کے رسولؐ نے ہم کو ان کی حدیث میں سے (کچھ بھی) نہ لکھنے کا حکم دیا" (الخطیب البغدادی، تقید العلم، ص ۳۵)

غور کیجئے کہ منافقین یا دشمنان اللہ و رسول کے علاوہ کیا کوئی صحابیِ رسول ان کے حکم کے خلاف کوئی حدیثِ رسول لکھ سکتا تھا؟؟

(vii)۔... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک واقعہ کی نشاندہی اس طرح کرائی ہوئی ہے:

"(ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے جبکہ ہم لوگ حدیث لکھنے میں مصروف تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے جواب دیا کہ ہم لوگ احادیث لکھ رہے ہیں جو ہم نے آپ سے سُنی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم کتاب اللہ کے علاوہ کوئی اور کتابِ (غیر اللہ) بھی چاہتے ہو؟ تم سے پہلے کی قومیں کسی اور وجہ سے گمراہ نہیں ہوئیں بلکہ اسی وجہ سے کہ انہوں نے کتاب اللہ کے علاوہ کتابیں لکھیں۔" غور کیجئے یہ کتنی صحیح حدیث ہے۔

(viii)۔... اسی روایت کی ایک دوسری شکل اس روایت کا تکملہ کرتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد ہم لوگوں نے ان تمام تحریری دستاویزات کو (جن پر احادیث لکھی تھیں) کھلی جگہ پر جمع کر کے آگ لگادی"۔

(ix) ۔... اسی روایت کی مزید موافقت، ٹھیک ٹھیک اس طرح ہوتی ہے:

"آہ! اللہ کی کتاب کی شریک ہونے کے لئے ایک اور کتاب! اللہ کی کتاب کو خالص رکھو اور اس میں کسی طرح کی آمیزش نہ ہونے دو" (ان روایات کیلئے دیکھئے: الخطیب البغدادی کی تقید العلم۔ صفحہ ۳۳۔۳۴، ابن حنبل، مسند ۳، صفحہ ۱۲۔۱۳) غور کیجئے کہ اس حدیث سے شرک فی الکتاب ثابت ہوتا ہے۔

(x)۔... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت عبد الرحمٰن ابن زید نے بیان کی کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کچھ صحابہؓ نے آپؐ کے اقوال قلمبند کر لئے ہیں۔ اس پر آپؐ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور معمول کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرمائی۔ پھر فرمایا کہ یہ کیا (یا کونسی) کتابیں ہیں جن کے بارے میں میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ لکھ رہے ہو؟ میں ایک انسان بشر ہوں، تو جس نے اس قسم کی (یعنی غیر قرآنی) کتاب لکھ لی ہو وہ میرے پاس لے آئے"۔ (الخطیب البغدادی۔ صفحہ ۳۴۔۳۵)

(xi)۔... حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مستقل یہی بات فرماتے رہے کہ "قرآن کو ہر طرح کی آمیزش سے پاک رکھو" (ابن سعد، طبقات، ۶،۲) " (صفحہ ۱۰۱۔۱۰۳)

(xii)۔... اسی صحیفہ ھمام بن منبہ میں اتفاق سے ہمارے مؤقف کی تائید میں ایک اور روایت مل گئی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا:

"مجھے اکیلا چھوڑ دو جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں یونکہ تم سے پہلے کی امتوں نے اپنے رسولوں سے (بہت سے) سوالات کئے اور پھر ان کی مخالفت کے نتیجہ میں عذابِ الٰہی میں مبتلا کر دیئے گئے۔ اس لئے جب میں تم کو کسی کام کے کرنے سے منع کروں تو اس سے دُور رہو (بچو) اور جب میں تم کو کوئی کام کرنے کا حکم دوں تو اپنی استطاعت بھر اس پر عمل کرو" (روایت نمبر ۳۱، ص ۱۲۲)

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے اس حکم کے بعد کس کی جرأت ہے کہ رسول کے حکم کہ "غیر قرآن کو مجھ سے نہ لکھو اور جو لکھا ہو مٹا دو / محو کرو" کی خلاف ورزی کرے۔ یقیناً ایسا کرنے والے منافق اور دشمنان اللہ و رسول اور دشمن اسلام تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی جمع کردہ ان بارہ روایات کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس روایت کو بھی ذہن میں رکھئے کہ وہ اسلام میں یہودیوں کی طرح مثناۃ بنانے یا لکھنے کے روادار نہیں تھے۔

لُبِّ لباب: محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی کاوش صحیفہ ھمام ابن منبہ کو غور سے پڑھنے کے بعد، لب لباب یہ ہے کہ یہ کسی طرح سے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی نہ تو تحریر ہے اور نہ املا کردہ ۱۳۷ روایات منسوب بہ علیٰ رسول اللہ سلامٌ علیہ۔ ڈاکٹر صاحب نے خود اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ "اسلام کی پہلی صدیوں کے تحریر کردہ مسودات، عملی طور، پر منگولوں کے حملۂ بغداد میں تباہ کر دیئے گئے اور پھر ان کے بعد دوسرے لوگوں نے جنہوں نے قرطبہ اور (Grenada) کو فتح کیا اور پھر اس کے بعد ۱۸۵۸ء عیسوی میں دھلی میں" (ص ۱۱۰) غور کیجئے کہ پھر ھمام بن منبہ کا پہلی صدی کا مسودہ ڈاکٹر صاحب کو کیسے مل گیا اور وہ بھی برلن کی لائبریری میں؟؟ یا پھر دمشق یا مصر کی لائبریریوں میں۔ اور ان میں بھی اختلافات تقریباً ۳۰ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں (ص ۳۳ سے ۶۳ تک) تو پھر ایسا مسودہ کس طرح مستند اور صحیح ہو سکتا ہے؟ ڈاکٹر صاحب خود اپنی اس کتاب میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ برلن کا نسخہ تصدیق شدہ نہیں ہے۔

"The Berlin MS, as already mentioned, is not an authenticated copy, but the scribe has noted such a certificate found on the MS from which he had copied his text"

(paragraph no. 142, page 151)

غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بخاری مسلم اور ان کے استاد احمد بن حنبل (جن کی مسند' جو اُن کے بیٹے عبداللہ نے روایات بڑھا کر ترتیب دی تھی اور جو اب ۱۳۱۳ھ ہجری بمطابق ۱۸۹۵ء عیسوی میں مصر سے پہلی مرتبہ شائع کی گئی، پر جناب تمنّا عمادی صاحب نے تبصرہ بنام "حقیقت مسند احمد بن حنبل" پچھلی صدی میں تحریر کیا تھا) کی سُنی

سنائی اور گھڑی گھڑائی روایتوں کی کتابوں میں سے، دیگر ایجنٹوں نے ۱۳۷ روایات نکال کر ایک جگہ جمع کر کے مسودہ تیار کیا اور اس کو ھمام بن منبہ و دیگر یمنیوں کی طرف منسوب کر دیا۔ جس کو میری بات میں شک ہو تو وہ ان مسودات کی اسناد اُٹھا کر دیکھ لے، اس میں عام طور پر یمنی، بصری، شیر ازی، اصفہانی ہی ملیں گے۔ اور یمنی ابناء یمن ہی تھے۔ یہ تمام لوگ یقیناً مجوسی النسل یا یہودی النسل ہی تھے اور یہ صحیفہ تیار کرنا انہی کا کارنامہ تھا یعنی کہ وہ "مقتدرہ" ہی کے مشن پر کام کر رہے تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ

خیال رہے کہ میں نے بخاری، مسلم، احمد بن حنبل وغیرہ کی کتابوں کو روایتوں کی کتابیں اس لئے کہا ہے کہ (نام نہاد) احادیثِ رسول کا کوئی وجود نہیں تھا یہ تو مقتدرہ اور اس کے ایجنٹوں کی بعد کی کاروائی ہے کہ انہوں نے اپنی گھڑی گھڑائی روایات کے لئے حدیث کا لفظ منتخب کر کے پھیلا دیا (حدیثِ رسول تو القرآن الحکیم ہی ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے خود "اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ" فرمایا ہوا ہے، ۶۹/۴۰، ۸۱/۱۹)۔ اس کا زندہ ثبوت یہ کہ مُلّاؤں کے سب سے بڑے (نام نہاد) خدائے حدیث یعنی بخاری نے بھی اپنی کتاب کا نام کتابِ حدیث نہیں رکھا تھا بلکہ خود ڈاکٹر صاحب ہی کے مطابق انہوں نے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللّٰہ و ایامہٗ" رکھا تھا۔ (فٹ نوٹ بر صفحہ ۸۳) یعنی شروع میں انہوں نے یہ نام رکھا جس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ایام میں آپ کے امور کے بارے میں تحریر کیا تھا۔ یعنی یہ تاریخ کی کتاب تھی یا گزٹ (Gazette) تھا۔ مگر آہستہ آہستہ بعد کے ایجنٹوں نے اسے حدیث رسول کی کتاب بنا ڈالا! اور عقل و خرد کے اندھوں نے اسے مان لیا!

اس مقام پر میں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ، جو لوگ اسلام کے خلاف عجمی یا مجوسی سازشوں کی داستان جگر خراش کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں، وہ جناب غلام احمد پرویز صاحب کی کتاب "شاہکارِ رسالت" کا آخری باب (جس میں انہوں نے تاریخ، مسلمانان کے سیاسی و عملی مصائب کی تجزیاتی روداد اور فی الجملہ عجم و مجوس کے ہاتھوں اسلام و مسلمانوں پر کیا گزری، کی روداد ہوش ربا اور جگر خراش بیان کی ہے اور جو سینکڑوں وہزاروں تاریخی صفحات کا نچوڑ ہے) کا مطالعہ ضرور کریں۔ یہ کتاب بنیادی طور پر شاہکارِ رسالت یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے جنہوں نے عجم یعنی پارس فتح کیا تھا اور پھر ایک پارسی ہی کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے تھے، ان کے بعد پارسیوں نے اسلام اور مسلمین سے کس طرح اپنی شکست کا انتقام لیا اس کی مختصر روداد انہوں نے اپنی اس کتاب کے آخری باب میں تمام تاریخی کتابوں سے اخذ کر کے دی ہے۔ اس آخری باب کو (غالباً ان کے بعد) ادارہ طلوعِ اسلام نے علیحدہ سے بھی بطور ایک کتابچہ کے بنام "شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد" شائع کروا دیا ہوا ہے۔ اس کا غور سے مطالعہ ضرور کیجئے، امید ہے کہ آنکھوں و عقل پر پڑے تقلیدی ذہن پرستی کے کچھ پردے ضرور ہٹ جائیں گے۔ (انشاءاللہ)

خلاصہ

ربِّ کائنات نے انسانوں کی ہدایت کے لئے ازل سے ہی ایک دینِ الاسلام نازل فرمایا۔ "الاسلام" ۔ سلامتی کا راستہ۔ اور یہ سلامتی کا راستہ کیونکر میسر آسکتا ہے اس کے لئے عمل صرف "سَلَمَ" ہے...... سَلَمَ یعنی فرمانبردار، اطاعت شعار، بندہ بن جاؤ۔ (Submit کر دو، Surrender کر دو) اپنے آپ کو اپنے خالق ومالک کے حوالے کر دو۔ سر

تسلیم خم کر دو، غلام بن کر بندگی اختیار کر لو............ صرف اسی کا حکم مانو (۴۰ /۱۲ ،۶۷ /۱۲ ،۵۷ ، ۶۲ /۶) اور جو سَلَمَ کر دے اسے اللہ رب العزت نے مسلم کا نام دیا (۷۸ /۲۲) اپنے احکامات کیلئے یعنی زندگی گزارنے کیلئے (دین) مالک نے اپنی کتاب " اَلْقُرْاٰنِ الْحَکِیْم " اپنے مخصوص بندہ پر نازل فرمائی، یونکہ وہ ہر ایک انسان بشر سے بات نہیں کرتا۔ اُس مخصوص ہستی نے بھی حکم صرف اپنے ربّ ہی کا مانا اور کسی دوسری ہستی حتیٰ کہ پہلے کے انبیاء و پیغمبروں کا بھی نہیں مانا۔

(جبکہ آج دین کے خود ساختہ ٹھیکیدار مُلّاں کہتے ہیں کہ حکم ہمارا یا ہمارے بڑوں / پہلوں کا مانو! (استغفرُ الله ربی)

ربّ کریم نے اپنے حکمت بھرے قرآن (اَلْقُرْاٰنِ الْحَکِیْم) میں اپنا یہ پیغام بھی دیا کہ اس کے نازل کرنے کا مقصد صرف اللہ واحد کو پہچنوانا ہے (وَ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ ۵۲ /۱۴) اور اللہ واحد کو پہچنوانا یوں ضروری ہو گیا تھا کہ انسان بشر اس کے معاملہ میں گڑبڑا گیا تھا۔ کوئی کہتا تھا دو خدا ہیں، کوئی کہتا تھا کہ تین میں سے ایک، کوئی کہتا تھا کہ فلاں پیغمبر اللہ کا بیٹا اور کوئی کہتا تھا فلاں پیغمبر، کوئی کہتا تھا کہ اس کے بنائے ہوئے صنم اس کے شریک ہیں، کوئی کہتا تھا وہ صنم اللہ کے اوتار ہیں، کوئی کہتا تھا کہ یہ صنم ان کی سفارش کرتے ہیں، کوئی کہتا تھا کہ شمس الٰہ ہے کوئی کہتا تھا کہ قمر یا نجم......... غرضیکہ لوگوں نے اپنی مرضی سے الٰہ اور اس کے اوتار یا پنجتن یا نور تن بنائے ہوئے تھے۔ رب العزت نے ان تمام اعتقادات کا ذکر اپنی کتاب حکمت میں مختلف انداز میں مختلف جگہوں پر کیا ہوا ہے اور اس سب کو ایک آیت میں بھی مربوط طریقہ سے بیان فرما دیا ہوا ہے، جہاں نزولِ قرآن کے وقت اس نے ایمان والوں کے علاوہ پانچ طرح کے لوگوں کا ذکر کیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا[۱] وَالَّذِيْنَ هَادُوْا[۲] وَالصّٰبِـِٕيْنَ[۳] وَالنَّصٰرٰى[۴] وَالْمَجُوْسَ[۵] وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا[۶] (۱۷ /۲۲)

یعنی (بے شک جو لوگ ایمان لائے[۱] اور وہ جو یہودی[۲] ہیں اور وہ لوگ جو صابی[۳] ہیں، عیسائی[۴] ہیں، مجوسی[۵] ہیں اور وہ لوگ جو مشرک[۶] ہیں) اور یہی لوگ رسول کی بعثت سے پہلے کہتے تھے:

" وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۙ " (۴۲ /۳۵) یعنی "اور (اے رسول) یہ (کافر و مشرک پہلے) اللہ کی بڑی پکی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو یہ ضرور ہر امت سے زیادہ ہدایت پر ہوں گے، لیکن جب ان کے پاس ڈرانے والا آ گیا تو (بجائے اس کے کہ ہدایت حاصل کرتے) اس سے بس ان کی نفرت میں اضافہ ہوا" (ترجمہ از مسعود احمد صاحب)

" اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَ مَكْرَ السَّيِّئِ ؕ .... " (۴۳ /۳۵) یعنی

"زمین میں ان کا تکبر یا سرکشی اور بُری تدبیریں اور بڑھ گئیں۔" (ترجمہ از مسعود احمد صاحب)

وہ مزید یہ بھی کہتے تھے کہ:

" لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ " (۱۶۸۔ ۱۷۰ /۳۷) یعنی

"اگر اگلے لوگوں کی نصیحت (کی کوئی کتاب) ہمارے پاس ہوتی، تو ہم اللہ کے پسندیدہ بندے ہوتے، (لیکن

جب نصیحت کی کتاب آ گئی تو) انہوں نے اس کا انکار کر دیا، انہیں عنقریب (اس انکار کا انجام) معلوم ہو جائے گا"۔ (ترجمہ از مسعود احمد صاحب)

اِن پنجتن (یہودی[1]، صابی[2]، عیسائی[3]، مجوسی[4] اور مشرکین[5]) نے نہ صرف نصیحت و حکمت بھری کتٰبُ اللہ کا انکار کر دیا بلکہ رسول پر چھ اعتراضات بھی جڑ دیئے:

مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝٢ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝٣ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۫ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٤ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝٥ (۲۔۵/۲۱)۔ یعنی

"ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جب کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اسے سنتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں ○ ان کے دل (نصیحت کی بات سننے سے بالکل) غافل ہوتے ہیں، مزید برآں یہ ظالم لوگ چپکے چپکے سرگوشیاں بھی کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) یہ تو تم ہی جیسا ایک آدمی ہے (اس اعتراض کے متعلق، القرآن الحکیم میں اور بھی آیات میں ذکر ہوا ہے۔ مثلاً ۲/۵۰، ۶/۶۴ وغیرہم۔ صدیق)۔۔۔، کیا تم دیدہ و دانستہ جادو[2] (کی باتیں سننے) آتے ہو ○ رسول نے کہا میرا رب تو آسمان و زمین میں (کہی جانے والی) ہر بات کو جانتا ہے (اس سے تمہاری سرگوشیاں پوشیدہ نہیں رہ سکتیں) وہ سننے والا اور جاننے والا ہے ○ (ظالم) کہنے لگے یہ (قرآن) تو پریشان خوابوں[3] کی باتیں ہیں (اگر یہ) نہیں (تو) اس کو انہوں نے خود ہی گھڑ[4] لیا ہے (اور اگر) یہ بھی نہیں (تو) یہ شاعر[5] ہیں (اور یہ قرآن ان کے شاعرانہ کلام کا مجموعہ ہے اور اگر یہ واقعی رسول ہیں) تو ہمارے پاس کوئی معجزہ[6] کیوں نہیں لاتے (آخر ان کو معجزہ دے کر کیوں نہیں بھیجا گیا) جس طرح اگلے رسول (معجزہ دے کر) بھیجے گئے تھے○ "۔ (ترجمہ: از مسعود احمد صاحب)

اللہ نے ان کے اعتراضات کا جواب دیا کہ:

"مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧ " (۶۔۷/۲۱)

"(اے رسول) ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا وہ (معجزہ دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لائی تھیں تو کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے (نہیں یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے)○ اور (اے رسول) آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے سب آدمی ہی تھے، انہی کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے (اے لوگو!) اگر تمہیں علم نہیں تو اہلِ علم (اہل ذکر) سے پوچھ لو○ "(ترجمہ از مسعود احمد صاحب)

ان آخری تین آیات کریمہ سے ایک دو اور حقیقتیں بھی واضح ہو گئیں:

(ا)۔... رسول اللہ سلامٌ علیہ کو کوئی معجزہ عطا نہیں ہوا تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا جواب یہ نہ ہوتا جو انہوں نے اگلی آیت کریمہ میں دیا (۶/۲۱)۔ جبکہ ہمارے مُلّاں نے سینکڑوں معجزات اپنی تحریر کردہ کتابوں میں، اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے خلاف، منسوب کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے کہ "اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف

جھوٹ آیات منسوب کرے یا اللہ کی آیات کو جھٹلائے" (۱۷/۱۰ ، ۶۹/۱۰، ۲۱/۶، ۹۳/۶، ۱۴۴/۶)، رسول اللہ سلامٌ علیہ کو کوئی معجزہ عطا نہ ہونے کے بارے میں مزید آیات ملاحظہ ہوں: ۱۱۸/۲، ۱۳۳/۲۰، ۳۵/۶، ۳۷/۶، ۲۷/۱۳، ۲۰/۱۰، ۵۹/۱۷، ۹۰۔۹۳/۱۷ وغیر ہم۔

.(۲)۔... رسول اللہ سلامٌ علیہ اور ان سے پہلے کے تمام رسول "آدمی" (رِجَالًا) ہی تھے وہ فرشتہ یا مافوق البشر یا مافوق الفطرت کوئی اور مخلوق نہیں تھے۔

.(۳)۔... اور اگر اس میں کوئی شک وشبہ ہو تو "اہل الذِکر" یعنی اہل الکتاب سے پوچھ لو کہ ان کے رسول بھی تو آدمی ہی تھے۔ تو وہ بھی اس حقیقت کی تصدیق کریں گے۔ یہ پوچھنا اہل الکتاب سے یوں ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ سے پہلے (قَبْلَكَ) کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس لئے یہاں اھل الذکر کے معنی موجودہ مُلّا یا امام نہیں ہو سکتا۔

.(۴)۔... فرقہ شیعہ کا دعویٰ کہ ان کے امام اھل الذکر ہیں (اس پر تو ان کے علماء نے کتابیں بھی لکھی ہیں!) بالکل باطل قرار پاتا ہے یونکہ قرآن الحکیم کا یہ تخاطب تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے سامنے موجود لوگوں سے یعنی اعتراض کرنے والے پنجتن سے ہے۔ جبکہ شیعوں کے امام تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے کافی بعد کی تخلیق تھے۔ تو ان سے کیسے پوچھا جا سکتا تھا۔ اور نہ ہی اب پوچھا جا سکتا ہے جب کہ کوئی بھی موجود نہیں!

اللہ رب العزت کے اوپر کے جواب کے باوجود پنجتن اپنی سرکشی سے باز نہ آئے بلکہ انہوں نے اور کوئی قرآن لانے، یا اس میں ردّوبدل کی فرمائش کر دی:

ترجمہ: "اور (اے رسول) جب ان لوگوں کو ہماری روشن آیات سُنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جن کو ہم سے ملاقات کی کوئی امید نہیں (آپ سے) کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اس میں کچھ ردّوبدل کر دو۔ آپ (ان سے کہہ دیجئے کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ردّوبدل کر دوں، میں تو بس اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اور) اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے○

(۱۵/۱۰) (ترجمہ از مسعود احمد صاحب)

(اور اے رسول! آپ یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر نہ سناتا .... (۱۶/۱۰)

اس آیت کریمہ اور اگلی آیت کے پہلے حصہ سے مزید حقیقتیں واضح ہوئیں:

.(۱)۔... اللہ تعالیٰ کی آیاتِ بیّنات تلاوت کر کے سنائی جا رہی تھیں (نام نہاد) احادیث نہیں سنائی جا رہی تھیں۔ نہ ہی وہ وحی تھیں نہ نازل کی جا رہی تھیں۔

.(۲)۔... القرآن الحکیم میں کسی بھی قسم کا ردّوبدل کا اختیار اللہ کے مخصوص بندہ، رسول کریم کو بھی نہ تھا۔ جبکہ پنجتن کی "**مقتدرہ**" نے ردّوبدل کا اختیار اپنے خود ساختہ ائمہ قراءت کو دیدیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں اب سات [۷] نہیں بلکہ بیس [۲۰] قرآن بلکہ اسّی [۸۰] قرآن بنائے جا رہے ہیں اور دین کے ٹھیکیداروں کے کان پر جوں نہیں رینگتی بلکہ وہ اس

تحریف قرآن میں برابر کے شریک ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں آیت کریمہ میں بھی بات صرف ایک ہی قرآن کی ہو رہی ہے سات قراءتوں (سبعہ قراءات) یاسات قرآنوں کی نہیں۔ اور نہ ہی بات (نام نہاد) احادیث کی ہو رہی ہے۔

(۳)۔۔۔ یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ بھی صرف اس چیز کی پیروی کر رہے تھے جو ان پر وحی کی جا رہی تھی۔ اور وہ کیا چیز تھی، کیا (نام نہاد) حدیث تھی یا قرآن؟ تو اس کا جواب، انہی کے قول میں، اللہ رب العزت نے اپنے القرآن الحکیم میں درج کر دیا ہوا ہے کہ: وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اور یہ کہ میری طرف تو صرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے۔ (۶/۱۹) اور یہ کہ یہ القرآن (نام نہاد) احادیث کی طرح گھڑا گھڑایا، سنا سنایا نہیں۔ مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی (۱۲/۱۱۱)

ان تمام آیات کے باوجود بھی پنجتن کی سرکشیاں برقرار رہیں اور ان کی بکواس جاری رہی۔ مثال کے طور پر دیکھئے سورۃ الحجر کی آیات ۶ سے ۱۶ (۶۔ ۱۶/۱۵) وغیرہ

ان پنجتن کو اور ان سے پہلے والے مشرکین و کافرین کو "مومنین کی بس یہی بات بُری معلوم ہوئی کہ وہ غالب اور تعریف والے اللہ پر ایمان لائے" (۸/۸۵) چنانچہ وہ رسول کے دشمن بن گئے: "ھُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْھُمْ" (۶۳/۴)

"اور ان سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں انہوں نے بھی (رسولوں کے خلاف بہت سی) خفیہ تدبیریں کی تھیں لیکن (ان کی تدبیریں کارگر نہیں ہوئیں، اسلئے کہ) تدبیریں تو تمام اللہ کے قبضہ میں ہیں............... (۱۳/۴۲)

اور اب "(اے رسول) یہ لوگ (آپ کے اور اسلام کے خلاف) تدبیریں کر رہے ہیں" (۱۶، ۱۵/۸۶، ۱۰/۲۱)

"اور (اے رسول! ہمیں معلوم ہے کہ) کافر یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ (مجھے کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں) میرے اور تمہارے درمیان بس اللہ کی اور اس شخص کی جس کے پاس کتاب (الٰہی) کا علم ہے گواہی کافی ہے" (۱۳/۴۳)

رسول اللہ سلامٌ علیہ کی رسالت کا انکار کرنے کے ساتھ ان لوگوں نے رسول کے خلاف جاسوسی / سازشیں بھی شروع کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اے رسول! ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل مومن نہیں ہیں، اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں' جو لوگ کفر میں (ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں) جلدی کرتے ہیں ان کی وجہ سے آپ رنجیدہ نہ ہوں یہ لوگ جھوٹ (پھیلانے کے لئے) جاسوسی کرتے ہیں (اور) ایسے لوگوں کے لئے جاسوسی کرتے ہیں (یعنی عجمی) جو آپ کے پاس نہیں آئے،.................. (۵/۴۱)۔ دوسری جگہ فرمایا:

"(اور اے ایمان والو! ان کا لڑائی کیلئے نہ نکلنا اچھا ہی ہوا) اگر وہ تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے تو سوائے خرابی میں اضافہ کرنے کے اور کیا کرتے اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ (وفساد) پھیلانے کی غرض سے دَوڑے دَوڑے پھرتے تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں۔ اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے" (۹/۴۷)

لیکن ہر طرح کی دشمنی، جاسوسی اور سازشوں کے باوجود اللہ رب العزت نے اپنے دین کے غلبہ کیلئے اپنے رسول اور ان کے صحابہؓ کی مدد کی اور بمطابق ۶۲۲ء عیسوی میں مدینہ کی اسٹیٹ قائم ہو گئی اور اس کا آئین بھی وہاں کے غیر مسلمین اور یہودی باشندوں سے باہمی سمجھوتے اور معاہدہ کے تحت تیار ہو گیا۔ مشرکین مکہ کے آگ لگ گئی جس

کے نتیجہ میں ان سے کئی جنگیں ہوئیں جس نے ان کی کمر توڑ دی، آخر کو شہر مکہ بھی بغیر کسی جنگ (فتح بغیر جنگ) کے فتح ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے "فتح مُبین" کا نام دیا۔ اِنَّآ فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (۴۸/۱)۔ اس فتح مبین سے پہلے ہی، یہودیوں کی منافقت، معاہدہ شکنی اور مشرکین مکہ سے ساز باز کی وجہ سے، رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہودیوں کے قبائل کو مدینہ المنورہ سے نکال دیا تھا۔ وہ جا کر خیبر میں آباد ہو گئے لیکن اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔ چنانچہ آپ نے خیبر میں ان کی اچھی طرح سے سرکوبی کی اور اسے فتح کرنے کے بعد، جس میں ان کے بہت سے جنگجو مارے گئے، ان کو وہاں مشروط طور پر رہنے کی اجازت دیدی' اس شرط پر کہ پھر منافقت و سازش نہیں کریں گے اور اپنی زمینوں کی پیداوار کا نصف مدینہ کو دیں گے۔

رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہؓ کی تبلیغی کاوشوں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کے نتیجہ میں لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے اور مدینہ و مکہ کے علاوہ دیگر ارد گرد کے ممالک و علاقے بھی اسلامک اسٹیٹ میں شامل ہوتے گئے۔

"اس وقت تک عرب کا علاقہ صرف بیس ۲۰ لاکھ مربع میل تھا (غالباً یہ ۱۰ لاکھ ہو گا۔ صدیق) لیکن، صلح حدیبیہ کے بعد، صرف پانچ سال کے عرصہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات ۱۱ھ ہجری بمطابق ۶۳۲ء عیسوی تک عرب کا علاقہ، روس کو چھوڑ کر' یورپ تک پھیل گیا تھا، اس میں پورا عرب (حجاز) اور عراق و فلسطین کے جنوبی علاقے بھی شامل ہو گئے تھے۔ صرف پندرہ برس بعد تک، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت راشدہ میں، ۲۷ھ ہجری بمطابق ۶۴۷ء عیسوی، مؤرخ طبری کے مطابق، اسلام مغرب میں اندلس (اسپین) تک' اور مشرق میں، مورخ بلاذری کے مطابق، دریائے جیحون (Oxus) پار کر کے چینی ریاستوں تک داخل ہو گیا تھا۔ اس طرح اسلامی حکومت کا نفاذ تین براعظموں تک ہو گیا تھا۔ جہاں تک جنوبی سرحدوں کا تعلق ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافتِ راشدہ ہی میں، اسلامی اسٹیٹ کی سرحدیں ہندوستان میں "تھانہ" (بمبئی یا گجرات کا علاقہ) اور دیبل (کراچی کے قریب ٹھٹہ کا علاقہ) تک اور شمال میں آرمینیا سے آگے تک پھیل گئی تھیں۔"[۱] (ملخصًا)

نئے نئے علاقے و ممالک کی فتوحات اور ہر پرانے مذہب و تہذیب کے لوگوں کے اسلام قبول کرنے سے، اسلام کے خلاف سازشوں کے امکانات اور بڑھ گئے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات سے کچھ ہی قبل' ایک کذّاب، مسیلمہ نے یمامہ میں (نجد کا مدینہ کے مشرق کا علاقہ) نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اور ایک اور کذاب اسود الانسی ذوالحمار نے صنعاء کا علاقہ فتح کر کے یمن میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔[۲] "انہی دنوں سجاح نام ایک عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے قبیلہ کی مدد کے بھروسے پر مدینہ کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ راستہ میں مسیلمہ سے اس کی مڈ بھیڑ ہوئی، مسیلمہ بڑا کائیاں تھا، اس نے جب دیکھا کہ لڑائی میں سجاح کی فوج پر فتح پانا دشوار ہے تو دوسری چال چلا۔ یعنی محبت کا جال بچھایا اور سجاح سے بیاہ رچایا۔ وہ آخر عورت ذات تھی چال چوکی، اور اس فریب میں آ گئی۔ اس طرح مسیلمہ نے سجاح کی فوج کے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اسے اس کے وطن بھیج دیا"[۳] (غالباً اس کا وطن بھی یمن

۱۔ Sahifah Hammam Ibn Munabbih by Dr. Muhammad Hamidullah, Introduction, Para 10, Page 9.

۲۔ ایضاً۔ روایت نمبر ۱۳۳، صفحہ ۱۴۶...... ۳۔ "سرگزشتِ اسلام" مسلمانوں کے عروج و زوال کی مکمل تاریخ۔ از چراغ حسن حسرت، طابع: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع اول ۲۰۰۳ء، جلد اوّل۔ صفحہ ۱۰۴۔

تھا۔ صدیق) یمامہ کے میدان میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے مسیلمہ کی چالیس ہزار کی فوج سے سامنا ہوا۔ اس جنگ میں مسیلمہ حضرت حبشیؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس نے قرآن الحکیم کے مقابلہ میں اِدھر اُدھر کے چند فقرے جوڑ کر کچھ اُوٹ پٹانگ سی کتاب بنائی تھی۔ (جس میں سے چند نمونے میں پیچھے کہیں دے چکا ہوں)۔ ”بنی اسد کے ایک سردار طلیحہ نے بھی نجد میں بڑا فتنہ برپا کیا تھا لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں شکست کھائی۔ مدتوں بھاگا بھاگا پھرا۔ آخر جب کہیں سر چھپانے کو سہارا نہ ملا تو مدینہ پہنچ کر توبہ کی اور سچے دل سے مسلم ہو گیا۔ طلیحہ بڑا بہادر سپاہی تھا۔ شام اور ایران کے معرکوں میں اس کی ہمت اور جوانمردی کے جوہر کھلے“۔[1] آگے جناب چراغ حسن ”روم اور ایران پر حملے“ کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

”تم پڑھ چکے ہو کہ اس وقت عرب کے دونوں بازوؤں پر دو سلطنتیں تھیں۔ ایک طرف ایران اور دوسری طرف روم۔ ان دونوں سلطنتوں میں بڑے بڑے معرکے ہوتے رہے تھے۔ ایک مرتبہ ایرانی روم کے عیسائیوں کو ہٹاتے ان کے ملک میں گھس گئے اور شہروں اور قصبوں کو روندتے فتح کا غبار یروشلم تک جا پہنچے۔ کچھ عرصہ کے بعد قیصر روم نے اس شکست کا بدلہ لیا۔ یعنی بڑا لاؤ لشکر لے کر ایران پر چڑھ آیا۔ اصفہان تک سارے ملک کو پامال کر کے فتح کے شادیانے بجاتا لوٹا۔ (اس شکست و فتح کا ذکر القرآن الحکیم میں سورۃ الروم کی شروع کی آیات میں آیا ہے۔ صدیق)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عرب کو سارے فتنوں سے پاک کر چکے تو ان دونوں سلطنتوں سے جن کی قوت اور طاقت کی دھاک چار کوٹ بیٹھی ہوئی تھی، لڑائی چھڑی اور ایسی چھڑی کہ جب تک ایران اور روم کی حکومتوں کا صفایا نہیں ہو گیا مسلمین کی تلواروں نے دم نہ لیا۔ روم سے تو پہلے ہی چھیڑ چھاڑ شروع تھی۔ عیسائی بڑھ کر موتہ تک آ چکے اور مسلمین شام کی سرحد تک جا چکے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مسلمین ایران سے بھی جا بھڑے۔ تمہیں یاد ہے کہ آنحضرت ﷺ کا خط جب خسرو پرویز کے پاس پہنچا تو اس نے طاقت کے گھمنڈ اور بادشاہت کے غرور میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور اپنے ایک گورنر کو حکم بھیجا (یمن کا گورنر ”یازان“) کہ مدینہ پہنچ کر آنحضرت ﷺ کو گرفتار کر لے۔ لیکن اللہ کی قدرت جس دن اس نے یہ گستاخی کی اسی رات کو اس کے بیٹے نے اسے قتل کر ڈالا۔ اور ایرانی گھر کے جھگڑوں میں ایسے الجھے کہ انہیں عرب کی طرف بڑھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ابھی یمامہ میں ہی تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قاصد ایران پر چڑھائی کرنے کا حکم لے کر پہنچا۔ اس زمانہ میں عراق کا سرسبز علاقہ ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، اور ایران کی حکومت کا ڈانڈا عرب سے جا ملتا تھا۔ خالدؓ بن ولید یہ حکم پا کر پہلے عراق کی طرف بڑھے۔ اور خلیج فارس تک سارا علاقہ فتح کر لیا۔

عرب میں جب یہ خبریں مشہور ہوئیں کہ روم اور ایران پر اسلامی لشکر بڑھ رہا ہے تو جہاد کے شوق میں خلقت ٹوٹ پڑی۔ حجاز، یمن اور نجد کے قبیلے اصیل گھوڑوں پر سوار، زرہیں پہنے، کمانیں لگائے، ترکش پشت

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۰۵

پر ڈالے، نیزے اور تلواریں سجائے کلوں کو گرمانے اور لہو کو جوش میں لانے والے شعر پڑھتے آئے اور مدینہ کے باہر اتر پڑے۔ روز کوئی نہ کوئی قبیلہ نئی سج دھج سے آتا اور اسلامی لشکر میں شامل ہو جاتا تھا۔ جب اچھی خاصی فوج جمع ہو چکی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے چار حصے کئے۔ ہر حصہ پر ایک مشہور شہسوار کو افسر مقرر کیا اور فلسطین سے شام تک فوجیں پھیلا دیں"۔[1]

چنانچہ عراق کے معرکے ہوئے، شام اور فلسطین میں لڑائیاں ہوئیں۔ یرموک کا معرکہ ہوا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہو جاتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت راشدہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایرانی علاقے فتح ہونا شروع ہو جاتے ہیں (میرا مقصد یہاں ساری تاریخ دہرانا نہیں بلکہ اہم حصوں کی طرف توجہ دلانا ہے)۔ مملکت کی وسعت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ دو نئی چھاؤنیاں کوفہ اور بصرہ آباد کرتے ہیں جو بعد میں مشہور شہر بن جاتے ہیں اور وہاں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے جاتے ہیں۔ جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ یہاں میں ایک انتہائی اہم اور دُور رَس واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تاریخ کا سب سے منحوس موڑ ہے۔ مورخین کے علاوہ، حالیہ دَور میں اسے جناب غلام احمد پرویز نے اور جناب چراغ حسن حسرت نے، اپنے اپنے الفاظ کے فرق سے تحریر کیا ہے۔ میں چراغ حسن حسرت صاحب کی اسی کتاب سے، چیدہ چیدہ حصے نقل کرتا ہوں؛ چناچہ وہ حضرت عمرؓ ہی کے باب میں "ہرمزان مدینہ میں" کے ذیلی عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"اہواز کا شہر عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ یہاں ہرمزان جو ایک بہادر ایرانی تھا۔ فوجین لئے پڑا تھا۔ کبھی کبھی طبیعت میں جوش اُٹھتا تو مسلین کے علاقے پر چڑھ آتا۔ ایک دفعہ مسلمین بڑے زور و شور سے بڑھے۔ ہرمزان نے اہواز کا علاقہ مسلمانوں کے حوالہ کر کے صلح کر لی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد عہد توڑ کر اس نے کردوں اور شمالی کوہستانوں کی بہادر قوموں کو سمیٹا اور مسلمین پر چڑھ دَوڑا۔ لیکن ادھر سے فوجیں پہنچیں تو پھر بھاگا اور شوستر پہنچ کر مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے جو مسلمین کی فوج کے سردار تھے، شوستر پر حملہ کیا۔ ہرمزان پہلے باہر نکل کر لڑا لیکن جب کوئی بس نہ چلا تو قلعہ میں بیٹھ کر لڑائی شروع کی۔

ایک رات ایک مسلم ایک نہر سے جو شوستر کے نیچے بہتی تھی، پار اتر کر ایک تہ خانہ کے راستہ شہر کے اندر جا پہنچا۔ سارا شہر دیکھ کر لوٹا۔ دو سو بہادر ساتھ لئے اور اسی راستہ سے گزر کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا۔ پھاٹک کے کھلتے ہی ساری فوج ٹوٹی۔ ہرمزان شہر کے رئیسوں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا۔ کہ شور سنائی دیا۔ اس نے فوراً سمجھ لیا کہ کھیل بگڑ گیا۔ بھاگ کر قلعہ کے برج پر چڑھ گیا۔ مسلمین اسے پکڑنے بڑھے تو اس نے پکار کر کہا کہ خبردار آگے نہ بڑھنا۔ میرے ترکش میں ابھی سو تیر باقی ہیں۔ جو بڑھا اس کی خیر نہیں۔ البتہ میں اس شرط پر برج سے اُتر آتا ہوں کہ مجھے مدینہ بھیج دیا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے یہ شرط منظور کر لی اور اسے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ بھیج دیا"۔[2]

قطع نظر اس معرکہ کی اہمیت و صداقت کے ہم آگے بڑھتے ہیں:

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۰۶۔۱۰۷...... [2] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۶۔۱۵۷

''ہرمزان بڑے کروفر سے مدینہ چلا۔ ایران (فارس) کے کئی نامی رئیس اور خاندان کے لوگ ساتھ تھے۔ مدینہ کے پاس پہنچ کر اس نے اپنا خاص لباس پہنا۔ سرپر جڑاؤ تاج، جس میں بڑے بڑے نگینے جڑے تھے، گلے میں مالا، بازوؤں پر جڑاؤ بازو بند، کمر میں تلوار جس کا قبضہ جواہر نگار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جس شخص کی فوجوں نے روم وشام اور ایران وعراق میں کھلبلی ڈال دی ہے اس کا دربار بڑی شان وشوکت کا ہوگا۔ مدینہ پہنچ کر اس نے پوچھا کہ بادشاہ کا محل کہاں ہے؟ لوگ جو اس کا زرق برق لباس دیکھ کر حیران تھے اسے لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچے۔ وہ اس وقت مسجد میں تھے۔ لوگ اسے لے کر وہیں پہنچے۔ ہرمزان یہ دیکھ کر سناٹے میں آگیا، کہ ایک شخص جس کے کپڑوں میں پیوند لگے ہیں فرش خاک پر بیٹھا ہے۔ لیکن اس خاکساری کے لباس میں بھی رعب اور دبدبہ کا یہ حال ہے کہ چہرہ پر نظر نہیں ٹھہرتی۔

ایک صحابی کچھ کچھ فارسی جانتے تھے۔ ان کے ذریعہ باتیں شروع ہوئیں۔ چونکہ ہرمزان بار بار قول وقرار کرکے پھر جاتا تھا۔ اور شوستر کی لڑائی میں دو نامی مسلم افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اس لئے سب کو یقین تھا کہ حضرت عمرؓ اس کے قتل کا حکم دیں گے۔ اتنے میں ہرمزان نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ جب اسے پانی کا پیالہ دیا گیا تو وہ کہنے لگا مجھ سے یہ وعدہ کیجئے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی لوں، مجھے قتل نہ کیا جائے گا۔ حضرت عمرؓ نے یہ شرط منظور کرلی (غور کیجئے ان کی سادگی وشرافت اور مومنانہ عظمت کہ اتنے بڑے دھوکہ باز کی شرط کتنی سادگی سے منظور کرلی۔ صدیق)۔ ہرمزان نے پانی پھینک دیا اور بولا میں پانی کب پینا چاہتا تھا۔ یہ تو صرف جان بچانے کا ایک حیلہ تھا۔ اب آپ مجھے قتل نہیں کرسکتے۔ ابھی سب لوگ ایرانی سردار کی حیلہ بازی پر تعجب ہی کررہے تھے کہ ہرمزان نے کلمہ پڑھا اور کہنے لگا کہ میں نے یہ تدبیر صرف اس لئے کی تھی تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہرمزان جان کے خوف سے مسلمان ہوگیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔ ہرمزان کے لئے وظیفہ مقرر کردیا اور اسے خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت بخشی۔''[1]

یہ وہ خاص مقام ہے جہاں تک، تاریخی حوالوں سے، میں آپ کو لانا چاہتا تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے اسلام دشمنی کی آگ، زیرِ زمین سوتوں میں پھیلتی رہی۔ اور آج بھی سلگ رہی ہے۔ مگر مسلمانوں کی آنکھیں اور عقل و بصیرت پر مہر لگی ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے کہ آج وہ مسلم نہیں رہے بلکہ مسلمان ہوگئے ہیں۔ آج وہ اللہ کی الکتاب یعنی القرآن الحکیم پر ایمان نہیں لاتے بلکہ سنی سنائی اور گھڑی گھڑائی پارسی النسل و مجوسی النسل **''مقتدرہ''** کے ایجنٹوں کی لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث پر ایمان لاتے ہیں۔ ظنی یا قیاسی فقہ پر ایمان لاتے ہیں، مُلّا کے فتاویٰ پر ایمان لاتے ہیں .... اور یہ شاخسانہ ہے پارس / فارس / ایران کی فتح کا! اوپر ہرمزان کے ذکر میں، چراغ حسن حسرت صاحب نے 'معلوم نہیں، کیوں ہرمزان اور حضرت عمرؓ کے اس مکالمہ کا ذکر نہیں کیا، جسے پرویز صاحب نے بہت خوبصورت انداز میں اپنی کتاب کے چھٹے باب اور چودھویں باب میں ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

'' قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ (۳/۱۱۸)

''بغض و نفرت کے بعض جذبات کبھی کبھی ابھر کر ان کی زبان تک آجاتے ہیں لیکن وہ حسد وانتقام کی

[1] ایضاً۔ صفحہ ۱۵۷۔۱۵۹

اس آگ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو ان کے سینوں میں دبی ہوئی ہے"

ایران کا شکست خوردہ گورنر، ہرمزانؔ، جب پابجولاں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اُس وقت ان دونوں میں جو مکالمہ ہوا تھا، اسے ایک بار سامنے لائیے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا تھا کہ ہرمزانؔ یہ کیا بات ہے کہ اس سے پہلے عربوں نے جب بھی تم لوگوں کے سامنے آنے کی جرأت کی، تم نے انہیں نہایت آسانی سے پسپا کر دیا۔ لیکن اب حالت یہ ہے کہ وہی عرب تمہاری پوری کی پوری مملکت کو فتح کئے جارہے ہیں اور تم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ تم پابجولاں میرے سامنے ہو اور تمہارا شاہنشاہ اپنی جان بچانے کے لئے مارے مارے پھر رہا ہے۔

ہرمزانؔ نے جواب میں کہا تھا کہ بات بالکل واضح ہے۔ اس سے پہلے جب جنگ ہوتی تھی تو ایک طرف ایرانی ہوتے تھے اور دوسری طرف عرب۔ ایرانیوں کے لئے تنہا عربوں کو شکست دے دینا کچھ بھی مشکل نہیں تھا لیکن اب جو جنگ ہوتی ہے تو اس میں ایک طرف تنہا ایرانی ہوتے ہیں اور دوسری طرف عرب اور ان کے ساتھ ان کا خدا...... ہمارے لئے ان دو قوتوں کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے ہم شکست کھا جاتے ہیں۔

کیسی عمیق حقیقت تھی جسے ہرمزانؔ دو لفظوں میں بیان کر گیا۔ اور حق تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی دیدہ وری کی داد دینی پڑتی ہے، جن کی نگاہیں، اسلام کی اس منفرد اور بسیط حقیقت تک ایسے صاف اور شفاف انداز سے پہنچ گئیں اور اس طرح انہوں نے جماعت مومنین کی بے پناہ قوت کا راز پالیا۔ ہرمزانؔ نے جو کچھ کہا تھا وہ قرآن کریم کی اس قسم کی آیات کی ترجمانی تھی جن میں کہا گیا ہے کہ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ (۸/۱۹) "خدا مومنین کے ساتھ ہے"۔ اور وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (۳۰/۴۷) "مومنین کی مدد کرنا ہم پر واجب ہے"۔ ایرانی اس حقیقت کو پاگئے تھے کہ جب تک اللہ مومنین کے ساتھ ہے، ہم (یا دنیا کی کوئی طاقت) ان پر غالب نہیں آسکتی۔ لہٰذا ان سے اپنی شکستوں کا انتقام کے لئے ضروری ہے کہ ان سے ان کے اللہ کا ساتھ چھڑا دیا جائے۔

اور اس کے بعد، ہماری ساری تاریخ اس اجمال کی تفصیل ہے کہ ہم سے ہمارا اللہ کس طرح چھڑایا گیا۔ ظاہر ہے کہ اللہ مسلمین کا ساتھ دینے کے لئے، بہ نفس نفیس، زمین پر نہیں آجاتا تھا۔ "اللہ کے ساتھ" ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اس زمانہ میں مسلمین اللہ کی کتاب کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ ان کے دین کا تمکن، اور اللہ کے اس وعدہ کا عملی ثبوت تھا کہ وَ لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا (۴/۱۴۱) "اللہ کافروں کو مومنوں پر کبھی غلبہ حاصل نہیں ہونے دے گا"۔ ان کے ہاتھوں شکست خوردہ قوموں کی سازش یہ تھی کہ ان سے اللہ کی کتاب (قرآن کریم) کو الگ کر دیا جائے۔ اسی کو اقبالؔ "عجمی سازش" کہہ کر پکارتا ہے۔ واضح رہے کہ جب اقبالؔ، عربی اسلام کے مقابلہ میں عجمی اسلام کا ذکر کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد

عرب اور ایران کے دو ملک نہیں ہوتے۔ عربی اسلام سے اس کی مراد ہوتی ہے وہ اسلام جسے اللہ تعالیٰ نے نبیؐ اکرم کی وساطت سے عالمِ انسانیت کو عطا فرمایا۔ اور جو اب قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اور عجمی اسلام سے مراد مروّجہ اسلام ہے جس میں تحریف ہو چکی ہے۔ وہ اوّل الذکر کو عربی اس لئے کہتا ہے کہ اس کی اوّلین مخاطب قومِ عرب تھی۔ اور وہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا۔ اور ثانی الذکر کو عجمی اس لئے کہ اس کی تحریف کی ابتداء ایران سے ہوئی تھی۔ اور جن غیر قرآنی نظریات، تصورات اور معتقدات سے یہ اب مرکب ہے۔ ان کا معتدبہ حصہ بھی قدیم ایرانی (مجوسی) مذہب اور تمدن پر مشتمل ہے۔"[1]

آگے پرویز صاحب ایران اور روما کی فتوحات میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صدر اوّل کے مسلمین نے ایران اور روما دونوں سلطنتوں کو پاش پاش کیا تھا لیکن ان میں ایک بنیادی فرق تھا۔ روما کی سلطنت کے صرف بعض حصے مسلمین کے قبضہ میں آئے تھے۔ نہ ان کی پوری کی پوری مملکت کا خاتمہ ہو گیا تھا، نہ ان کی تہذیب مٹی تھی۔ اس کے برعکس، ایران کی مملکت بھی ختم ہو گئی تھی اور ان کی وہ ہزار سالہ تہذیب بھی، جس پر انہیں اس قدر فخر و ناز تھا، مٹ گئی تھی۔ اس لئے مسلمین کی اس فتح کا زخم، ایرانیوں کے دل پر گہرا تھا اور اسی لئے وہ' مسلمین (بلکہ اسلام) کے خلاف انتقام جوئی میں پیش پیش تھے۔ باقی اقوام، یہودی، نصاریٰ، تبغا ان کا ساتھ دیتے تھے۔ کوشش ان سب کی یہی تھی کہ مسلمین کی نگاہوں سے قرآن او جھل ہو جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے اور پوری طرح کامیاب ہوئے۔

ایرانؔ اور رومؔا میں ایک فرق اور بھی تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، مسلمین نے ان کے ممالک فتح کئے تھے لیکن وہاں کی آبادی کو پوری پوری مذہبی آزادی حاصل رہی......... کسی کو زبردستی مسلم نہیں بنایا گیا۔ کیوں کہ ایسا کرنا قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف تھا۔ سلطنت رومؔا کے مفتوح علاقوں کے باشندے (عیسائی) عام طور پر اپنے مذہب پر قائم رہے۔ لیکن ایران کے باشندے بالعموم مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے اکثر جیُوشِ اسلامیہ کے حملوں کے وقت' ساتھ کے ساتھ مسلمان ہوتے گئے۔ ان اسلام لانے والوں میں، ایرانی عوام ہی نہیں تھے بلکہ ان کے اربابِ دانش و بینش اور اعیان دساتیر وضوابط بھی تھے۔ مثلاً شاہنشاہ یزدؔگرنے دیلمؔ کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی۔ یہ "جُندِ شاہنشاہ" یا بادشاہ کا لشکر خاص کہلاتا تھا۔ فتح قادسیہ کے بعد یہ لشکر ایرانیوں سے الگ ہو کر، اسلام لے آیا۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اجازت سے کوفہ میں آباد ہو گیا۔ اسی طرح' یزدؔگرد کی فوج کا ہراول سردار' ایک جلیل القدر افسر تھا جو سیاؔہ

[1] "شاہکارِ رسالت" از غلام احمد پرویز صاحب، ادارہ طلاعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵۔ بی گلبرگ ۲۔ لاہور تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۱ء۔ چودھواں باب۔ صفحہ ۴۴۰۔۴۴۱

کے لقب سے مشہور تھا۔ یزدگرد جب اصفہان کی طرف روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو ایک منتخب لشکر کے ساتھ اسلامی افواج کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا لیکن وہ مقابلہ کرنے کے بجائے، اپنے لشکر سمیت مسلمان ہو گیا۔ یہ سب بصرہ میں آباد ہو گئے۔ یاذان، نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔ اس کی رکاب میں جس قدر فوج تھی اس میں سے بھی بیشتر مسلمان ہو گئے تھے۔ ہم نے اوپر کہا ہے کہ شاہنشاہ یزدگرد کا ذاتی لشکر بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ یہ لوگ صرف فوجی سپاہی نہیں تھے بلکہ اکبر کے نورتنوں کی طرح، شاہنشاہ کے مشیر خاص تھے۔ اور "**اساورہ**" کہلاتے تھے۔ ایران میں شاہنشاہ کے تقرب اور عزت و عظمت کا سب سے بڑا نشان سونے کا کنگن ہوتا تھا۔ جنہیں یہ نشان مرحمت ہو جاتا وہ اہل اساورہ کہلاتے تھے۔ (اسورہ کنگن کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اہل جنت کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ "اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ" (۱۸/۳۱) سونے کے کنگن پہنے ہوں گے تو اس سے مراد بلند مدارج و مراتب ہے)۔ فتوحات کے بعد' یہ لوگ فوج در فوج اور جوق در جوق اسلام لاتے چلے گئے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے (نہ کہنا چاہتے ہیں) کہ یہ سب اسلام لانے والے دل میں کوئی کھوٹ لے کر مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن (جیسا کہ آگے چل کر نظر آ جائے گا) ان کے ارباب فکر و نظر کا بیشتر حصہ اسی مقصد کے لئے زمرۂ امت مسلمہ میں داخل ہوا تھا کہ اس طرح وہ مسلمین میں اپنے قدیم مجوسی نظریات و معتقدات آسانی سے پھیلا سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ (اس زمانہ کی) عربوں جیسی سادہ ذہنیت کی حامل قوم، ایرانی فکر کی پیچیدگیوں اور ان کی عیارانہ سیاست کی دسیسہ کاریوں کی حریف ہو نہیں سکتی تھی اس لئے وہ اس میدان میں اُن سے نہایت آسانی سے مات کھا گئے۔ لیکن ان میں سے جو لوگ نیک نیتی سے مسلم ہوئے تھے، ان کا اسلام لانا ایسا ہی تھا جیسا ان بدوی قبائل کا اسلام لانا جن کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ ...... قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ ...... یہ بدّو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں......... قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا ...... ان سے کہو کہ تم ایمان نہیں لائے ...... وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا ...... تمہیں یہ کہنا چاہئے کہ تم نے اسلامی مملکت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ اس لئے کہ ...... وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ ...... (۴۹/۱۴) ایمان تمہارے دل کی گہرائیوں میں نہیں اترا۔ (کچھ پرویزی حضرات جو خود کو اسکالر کہتے ہیں اور کچھ دوسرے مکتبہ فکر کے وہ جو اس درجہ سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عربی اگر سیکھنا ہے تو بدؤں سے یا زمانہ جاہلیت کے شعراء سے سیکھو۔ انہیں اس آیت کریمہ (۴۹/۱۴) پر غور کرنا چاہئے۔ صدیق) حضرت عمرؓ اس حقیقت سے باخبر تھے۔ چنانچہ ان کے پیشِ نظر یہ پروگرام تھا کہ ان نو مسلموں کی مناسب تعلیم و تربیت سے ان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر دی جائے کہ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اسلامی تعلیم و تربیت کے پروگرام اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے ارادہ کی خبر' مدینہ

[1] ایضاً۔ صفحہ ۴۴۱۔ ۴۴۲

النبی ہی میں اپنے رشتہ داروں اور ساتھیوں کے ساتھ مقیم ہونے کی وجہ سے' ہرمزان کو مل گئی۔ اب اس کا جذبۂ انتقام پوری طرح عود کر آیا۔ وہ یقیناً موت کے ڈر سے تقیّتاً مسلمان ہو گیا تھا مگر حقیقتاً تھا مجوسی پارسی۔ اساورہ میں تو شامل ہی تھا اور مدینۃ النبی ہی میں رہتے ہوئے سازش میں مصروف تھا۔ بقول پرویزؔ صاحب "اس نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمین سے انتقام لینے کے راستہ میں سب سے بڑی رکاوٹ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود ہے۔ جب تک انہیں راستہ سے ہٹایا نہیں جائے گا' ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ وہ رکاوٹ دُور ہو گئی تو اگلا راستہ صاف اور آسان ہو جائے گا۔ نو مسلم عوام کی (اسلامی) تعلیم و تربیت بھی نہ ہو گی اور ان کے عیار (و منافق) طبقہ کے لئے مسلمین میں اپنے خیالات پھیلانے کے لئے بھی فضا ساز گار نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ اس نے پہل کی' اور قبل اس کے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے پروگرام کو بروئے کار لاتے، ہرمزان نے اپنے ایک پارسی غلام سپاہی کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کروا دیا۔ اس طرح اس کی سازش کامیاب ہو گئی' اب وہ اپنی سازش کے تانے بانے دوسرے حصوں کے لئے بُننے لگا۔ (اور اس کے دانشوروں نے، غلام کی کافرانہ حرکت کی بریئت کیلئے ایک روایت بھی گھڑ کر آگے پھیلا دی) یہاں یہ بات بھی یاد رکھئے کہ، مدینہ النبی میں موجودگی کی وجہ سے، ہرمزان کو یہ حقیقت بھی اچھی طرح معلوم تھی کہ مسلمین و مومنین پر صرف اَلْقُرْاٰنِ الْحَکِیْم ہی فرض کیا گیا ہے (۸۵/ ۲۸) (اور کوئی چیز نہیں) اور جب اللہ رب العزت نے اپنے رسول اور مومنین سے سوال کیا تھا کہ کیا تمہارے لئے اللہ کی نازل کردہ الکتاب کافی نہیں؟ (۵۱/ ۲۹) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نے سب سے پہلے حَسْبُنَا كِتٰبُ الله فرمایا تھا جس پر رسول کی موجودگی میں تمام صحابہؓ کبار نے حامی بھری تھی۔ (اور کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تھی نہ اعتراض کیا تھا کہ القرآن سمجھ میں کیسے آئے گا بغیر حدیثِ رسول و حدیثِ ائمہ کے!)

اب یہ مقام ہے کہ آپ ذرا خاص طور پر غور و فکر و تدبر کریں۔ کیا ہرمزان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کرانے کے بعد نچلا بیٹھ گیا تھا؟ پارسی شاہنشاہ کی اساورہ کا ممبر کیا حضرت عمرؓ کو شہید کرانے کے بعد واقعی مسلم ہو گیا تھا جبکہ ان کے سامنے تو موت کے ڈر سے تقیّتاً، منافقانہ طور پر اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا؟ کیا اس بہادر سپہ سالار کو لشکر اسلام میں شامل کر لیا گیا تھا یونکہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا؟ کیا کسی جنگ یا جہاد میں' اس موقعہ کے بعد' اس کا نام کسی نے سُنا ہے یا پڑھا ہے؟ جبکہ طلیحہ بن خویلد جیسے شخص کا نام، جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا پھر بعد میں مسلم ہوا، تاریخ میں قادسیہ وغیرہ کی جنگ میں ان کے مومنانہ کارناموں کے ساتھ آتا ہے۔ کیا کسی کو ہرمزان کے باپ کا نام بھی معلوم ہے؟ جبکہ طلیحہ کے والد کا نام عام طور پر تاریخ میں لکھا ہوا ہے۔ کیا اسلام قبول کرنے کے بعد ہرمزان کا کوئی اسلامی نام رکھا گیا تھا یا وہی پارسی نام برقرار رکھا گیا تھا؟ کہیں وہ مالک بن اشتر تو نہیں بن گیا تھا اور مسلمین کو بیوقوف بناتا رہا اور سازشیں کر کے ان کو آپس میں لڑاتا رہا؟ مسلمان ہونے کے بعد تو وہ تابعی بن گیا تھا! کیا کسی مقام پر اس کا نام تابعین میں لکھا جاتا ہے؟ کیا کسی محدث یا اسماء الرجال کے ماہر نے اسے اپنی گھڑی گھڑائی کتابوں میں جگہ دی ہے؟ غرضیکہ یہ اور اس قسم کے بہت سے اہم سوال ذہن میں آتے ہیں کہ مدینۃ النبی میں آنے کے بعد وہ مدینہ کے افق پر کیوں نظر نہیں آتا؟ آیئے اس کا جواب ہم آپ کو دیتے ہیں:

اساورہ کا یہ ممبر اور بہادر سپاہی و سردار، مدینۃ النبی میں آنے کے بعد نچلا نہیں بیٹھا رہا بلکہ وہاں اپنے کیمپ میں

بیٹھے بیٹھے اس نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا جو اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور جو اسلامی تاریخ کا سب سے اہم موڑ ہے۔ یعنی اس نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کروا کر نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ اب تیسرے خلیفہ راشد کا دَور شروع ہوتا ہے تو وہ یا اس کے آدمی خلیفہ کے انتخاب پر اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ مگر کسی حد تک ناکام رہتے ہیں۔ اب یمن سے غالباً اساورہ کا ایک اور آدمی ابن سبا یا ابن سودا' عبد اللہ نام رکھ کر مدینہ النبی آتا ہے۔ اس کی ولدیت ہی میں دُوئی یا شک ہے۔ بعض مذہب والوں نے اس کو فرضی مانا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ یونکہ اس کی صحیح ولدیت معلوم نہیں۔ بہر حال وہ ابن سباء کے نام ہی سے تاریخ کی کتابوں میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ میرے خیال میں تو وہ یمن کا گورنر، 'یاذان' تھا۔ جس کی فوج میں اکثر مسلمان ہو گئے تھے اور وہاں بھی اسلامی پھریرا لہرائے جانے کے بعد اس کی گورنری ختم ہو گئی تھی۔ اس کے پارس واپس جانے یا اسلام قبول کرنے کا کوئی سراغ نہیں ملتا، تو یقیناً یہی شخص بھیس بدل کر مدینہ النبی آتا ہے اور ہرمزان کے کیمپ میں بیٹھ کر مزید تانے بانے بُنے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے پارس سے اور بھی کوئی اساورہ کا ممبر آکر شریک ہوا ہو۔ اور وہاں سے ہدایات لے کر آیا ہو۔ غرضیکہ ان لوگوں نے کچھ بہت دور رس فیصلے کئے مثلاً انہوں نے بہت سے محاذ الگ الگ کھولنے کا فیصلہ کیا: سیاسی، مذہبی یا عقائدی، فقہی، تاریخی، علمی، ثقافتی، قرآنی و تصوفی وغیرہ۔

پارسی شاہنشاہ کی اساورہ کے سرداروں دانشوروں کے اس اجتماع ہی کو ہم نے "**مقتدرہ**" کا نام دیا ہے۔ اس میں وقت کے ساتھ ساتھ پارسی مجوسیوں کے ساتھ پارسی یہودی، پارسی بُدھّی، نصاریٰ اور مشرکین وغیرہ بھی شامل ہوتے گئے یعنی یہ "**مقتدرہ**" ان پنجتن کا مجموعہ بن گئی جن کا ذکر القران الحکیم میں آیا ہے (جو کہ ہم پیچھے اسی خلاصہ میں دکھا چکے ہیں) اب سب سے پہلے انہوں نے سیاسی اور عقائدی محاذ پر ایک ساتھ کام / عمل شروع کیا۔ چنانچہ انہوں نے یہ عقیدہ پھیلانا شروع کیا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے یا اس کا بیٹا اس کا وارث ہوتا ہے، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کے وصی اور وارث ہیں ان کو خلافت ملنا چاہئے۔ اور پہلے تین خلفائے راشدین نے ان کا حقِ وراثت غصب کیا ہے۔ یہ عقیدہ اندر ہی اندر خاموشی سے پھیلتا رہا۔ ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے کاموں اور جہاد وغیرہ میں مصروف رہے۔ جب ان کو ابن سودا (یاذان) کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ کوئی نیا غیر اسلامی' بلکہ پارسی بادشاہت کا عقیدہ پھیلا کر خلافت کے ادارہ کو غیر مستحکم کرنا چاہتا ہے تو انہوں نے اس کو وہاں سے شہر بدر کر دیا۔ وہ کوفہ، بصرہ، دمشق وغیرہ سب جگہوں سے نکالے جانے کے بعد مصر پہنچا اور وہاں سے سازش کی کمان کرنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ وقت آگیا کہ وہ مختلف شہروں بالخصوص کوفہ و بصرہ اور مصر کے کچھ لوگ جمع کر کے مدینہ النبی آتا ہے اور خلیفہ ٔوقت کے گھر کا گھیراؤ کر لیتا ہے۔ یہاں اس کو مدد ہرمزان اور اس کے آدمیوں سے مل جاتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خاطر مدینہ النبی میں خونریزی نہیں کرانا چاہتے یونکہ وہ انتہائی رحمدل مومن تھے، چنانچہ وہ صحابہ ؓکبار یا اپنی افواج کو کسی قسم کی کاروائی سے روک دیتے ہیں اور اپنے آپ کو وقت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ آخر کو چند دن کے محاصرہ کے بعد باغی انہیں گھر میں گھس کر شہید کر دیتے ہیں۔ حالانکہ دروازہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ، جو کہ اسد اللہ الغالب تھے، کے بیٹے جو کہ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں، شمشیر برہنہ لئے پہرہ دے رہے تھے۔ یہ کیسا پہرہ تھا کہ خلیفہ ٔوقت شہید کر دیا گیا اور پہرہ داروں کو خبر تک نہ ہوئی! نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر نے، جس نے قلعہ ٔخیبر کا لوہے کا گیٹ ہاتھ سے اٹھا کر پوری مسلم فوج کو اس پر

سے گزار دیا تھا، کچھ کیا! نہ ہی مدینہ النبی اور اس کے اطراف میں موجود سینکڑوں یا ہزاروں صحابہؓ اور تابعین نے کچھ کیا! (مجھے یقین ہے کہ پارسیوں کی لکھی تاریخ کی اس کہانی میں کچھ جھول ہے۔ خیر حقیقت جو کچھ بھی ہو اس کے اثرات دیکھنا پڑیں گے، ہم دیکھتے ہیں کہ ہرمزان کی اس دوسری بڑی سیاسی وعقائدی سازش کی کامیابی کے بعد کیا ہوتا ہے:)
اب **مقتدرہ** کے آدمی، اپنے بنائے ہوئے، وصیٔ رسول اللہ کو خلیفہ چہارم بنادیتے ہیں، لیکن پھر بھی انہیں چاروں طرف سے گھیرے رہتے ہیں اور اس بری طرح سے ان کو جکڑتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص تک نہیں لینے دیتے یونکہ وہی لوگ ان کے قاتل تھے۔ جب پوری امت مسلمہ کی والدہؓ محترمہ (۳۳/۶) قصاص کا تقاضا کرتی ہیں تو یہی **مقتدرہ** کے آدمی اور اصل قاتل حضرت علیؓ کو مزاحمت پر اکساتے ہیں۔ اور خود شیعانِ علی بن جاتے ہیں۔ اس طرح اسلام میں پہلا سیاسی وعقائدی فرقہ وجود میں آتا ہے۔ اُمت مسلمہ کی والدہ محترمہ' جو کہ حضرت علیؓ کی بھی ماں تھیں، اور امت کے ماموں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لڑوا کر امت مسلمہ میں انتشار اور بدامنی پھیلاتے ہیں۔ اور جب دونوں فریقین کے درمیان جنگ بندی ہو جاتی ہے تو انہی لوگوں نے اختلافات کو مزید بڑھاوا دیا اور ایک اور فرقۂ خوارج بنا دیا۔ اور ان دونوں فرقوں کو الگ الگ مذہبی عقائد دے دیئے جو کہ وقت کے ساتھ گھٹتے بڑھتے رہے۔ آخر کو انہوں نے جب دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ' شیعانِ علی کو چھوڑ کر، خوارج کو بذریعہ تلوار ختم کرانا چاہتے ہیں تو انہیں بھی شہید کرا دیا، البتہ انہیں شہید کرنے سے پہلے ایک اور بہت بڑا کام ان سے کرا دیا کہ مسلمین و مومنین کو ان کے مرکز مدینۃ النبی سے جدا کرکے کوفہ کو دارالخلافہ بنوا دیا جہاں پہلے سے پارسی النسل و یہودی النسل سپاہ آباد تھے۔ اس کو انہوں نے اپنے مطلب کے علم کا مرکز بنانا چاہا جہاں بجائے سِکّے ڈھالنے کے روایات گھڑنے کی ٹکسالیں لگائی گئیں اور ان کو حدیثِ رسول کا نام دیا یعنی اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی "اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡث" (۳۹/۲۳) کے مقابلہ میں حدیثِ رسول بنا دی۔

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد' پارسی طرزِ حکمرانی کے طریقہ کے مطابق انہوں نے حضرت علیؓ کے بڑے بیٹے، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے، کو گھیر گھار کر پانچواں خلیفہ بنا دیا اور اپنی مرضی کے مطابق انہیں چلانا چاہا۔ نیا عقیدہ بنا دیا کہ چونکہ رسول سلامٌ علیہ کا کوئی بیٹا زندہ نہ رہ سکا' (اور اللہ تعالیٰ نے خود ان کی نسل پر مہر لگا دی تھی) اس لئے ان کے نواسے ہی ان کے بیٹے ہیں! جو کہ ان کے چچیرے بھائی کی بھی اولاد ہیں۔ غور کیجئے کہ یہ دونوں بڑے سیاسی وعقائدی عقیدے اور مسلمین میں دو فرقے انہوں نے تقریباً دس سال کے اندر اندر کامیابی سے بنا ڈالے اور عمل بھی کروا دیا۔ ادھر حضرت حسنؓ چونکہ بہت زیرک تھے وہ **مقتدرہ** کے ایجنٹوں کے عزائم بھانپ گئے اور انہوں نے چار چھ ماہ ہی میں خلافت کا خرقہ اُتار پھینکا اور امیر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے، جو کہ سردار ابنِ سردار......... بن بنو امیہ تھے، اچھے خاصے وظیفہ کے عوض معاہدہ کر لیا۔ اب اگلے بیس سال کے لئے ہر طرف امن وامان قائم ہو گیا اور حضرت علیؓ کے دَورِ خلافت میں، غیر مسلمین سے جہاد کا جو سلسلہ بند ہو گیا تھا (اور اسلامی مملکت کے علاقہ میں ایک انچ کا بھی اضافہ نہ ہو سکا تھا) وہ اب پھر کھل گیا، بلکہ سمندری جنگیں بھی زور شور سے ہونے لگیں۔ اور نئے نئے علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہونے لگے اور **مقتدرہ** کے ایجنٹ، سرگرم تو رہے مگر، پوری طرح سے زیرِ زمین روپوش ہو گئے۔

حضرت امیر معاویہؓ، جب اپنے بڑھاپے میں، مشیر کاروں کے مشورہ سے، پچھلی خلافت کی طرح (یعنی حضرت علیؓ کے بعد ان کے بیٹے حسنؓ کو خلیفہ بنایا جانا) اپنے بیٹے امیر یزیدؒ کو، جو کہ ایک تابعی تھے، خلافت کے لئے نامزد کرتے ہیں تو "**مقتدرہ**" والے پھر اپنا پینترا بدلتے ہیں۔ اور حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت ہو جاتی ہے تو پھر حضرت علیؓ کے دوسرے بیٹے حضرت حسینؓ کو ورغلا کر امیر یزیدؒ کے خلاف خروج پر اُبھارتے ہیں۔ وہ حضرت حسنؓ کی طرح زیرک نہیں تھے، بہکاوے اور خلافت کی لالچ میں آجاتے ہیں اور اپنے چند اہل خانہ کے ہمراہ حج چھوڑ کر کوفہ کی طرف، ان کوفیوں کے ساتھ جو انہیں ورغلا کر اپنے ساتھ لے جانے کیلئے آئے تھے، روانہ ہو جاتے ہیں۔ ادھر "مقتدرہ" ہی کے دیگر کوئی ایجنٹ گورنر کو اطلاع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حسینؓ راستہ ہی میں کربلا کے پاس روک لئے جاتے ہیں۔ آخر کار رد و قدح کے بعد مذاکرات شروع ہوتے ہیں اور تقریباً حل نکل آتا ہے یونکہ حضرت حسینؓ تین تجاویز پیش کرتے ہیں یا تین اختیارات (Options) پر بات چیت ہوتی ہے جب "**مقتدرہ**" کے کوئی ایجنٹ جو حضرت حسینؓ کو لے کر آئے تھے دیکھتے ہیں کہ اب تین اختیارات میں سے کسی ایک اختیار پر معاہدہ ہو جائے گا، تو انہیں اپنے آپ کا اور ان خطوط کا خطرہ محسوس ہوا جو ہزاروں کوفیوں سے انہون نے حضرت حسینؓ کو بلانے کے لئے بجھوائے تھے اور جن کے پکڑے جانے سے سارا بھانڈہ پھوٹ جائے گا، تو انہوں نے یکدم بلوہ کر دیا اور خیموں وغیرہ میں آگ لگادی جس سے خطوط تو جل گئے مگر بلوہ کی وجہ سے اور گورنر کی فوج کے آگے بڑھ جانے سے تقریباً تمام مرد ہی مارے گئے اور ان میں حضرت حسینؓ بھی مارے گئے۔ البتہ گورنر کی فوج نے کسی طرح سے ٦١ عورتوں بچوں اور بالخصوص حضرت حسینؓ کے بیٹے زین العابدین، حضرت حسینؓ کے داماد حسن مثنیٰ اور حضرت حسینؓ کے غلام عقبہ بن سمعان، زید حضرت حَسن المثنٰی کے بھائی، عبد اللہ بن عباس بن (امیر المومنین) علی کو بچا لیا اور سب کو خلیفۂ وقت (ساتویں خلیفہ) امیر یزیدؒ تک جو کہ ان کے رشتہ دار بھی تھے پہنچا دیا۔ وہاں وہ لوگ کچھ عرصہ تک بڑے اطمینان اور شاہانہ عیش و آرام سے رہے اور پھر جب غم غلط ہو گئے تو گھر کی یاد آئی۔ چنانچہ امیر یزیدؒ نے ان کو بے انتہا تحفے تحائف، مال و دولت و وظائف عطا کر کے بحفاظت مدینہ پہنچوا دیا۔ اس مقام پر اگر آپ غور کریں کہ ایک خلافت یا حکومت قائم ہو جانے کے بعد، یا عام بیعت ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص یا گروہ خروج کرے یعنی بغاوت کرے تو اس کا منطقی انجام سزائے موت ہی ہوتی ہے یا پھر وہ مکافات عمل کے نتیجہ میں ہر طرح سے خسارہ ہی میں ہوتا ہے، یہی کچھ حضرت حسینؓ کے ساتھ ہوا کہ انہوں نے اپنے بڑے بھائی کی طرح عقلمندی کا مظاہرہ نہیں کیا اور کوفیوں کی چالوں کو نہ سمجھ سکے، نہ ہی اپنے بزرگ صحابہ کبارؓ کی بات مانی، نہ اپنے دیگر خاندان والوں کی بات مانی اور خروج کر دیا۔ اسلامی تاریخ میں یہ دوسرا خروج تھا اور آل علیؓ کا یہ پہلا خروج تھا۔ پہلے خروج والوں نے سوائے فرقہ بندی، انتشار اور قتل و غارتگری کے کچھ حاصل نہیں کیا البتہ ان کا فرقہ اسی نام سے چلتا رہا۔ مگر دوسرے خروج والے کو سوائے اپنے آپ اور چند اہل خاندان کو قتل کرانے کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ نہ ہی فرقہ شیعانِ علیؓ نے ان کا اس وقت کوئی ساتھ دیا۔ حد تو یہ ہے کہ نہ تو سینہ کوبی ہوئی نہ ہی کوئی صفِ ماتم بچھائی، نہ ہی کوئی عزاداری کی جو آج شیعت کی شہ رگ قرار دی جاتی ہے۔ نہ ہی حضرت امیر معاویہؓ کو یا امیر یزیدؒ کو اپنے خطبوں میں گالیاں دیں، نہ ہی خلفائے راشدینؓ پر تبراء بھیجا۔ یہ سب تو چوتھی صدی ہجری

میں بنی بویہ وزیر باتدبیر احمد بن بویہ دیلمی کے حکم سے ۳۳۴ھ میں شروع ہوا۔ جبکہ ابومخنف (یا ابومخنث) نے ۱۷۰ھ میں ایک افسانوی کتاب داستان کرب وبلا لکھ دی تھی۔ جس میں قتل حسینؓ کو افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے بعد تو پارس میں یہ سلسلہ عام ہو گیا کہ داستانِ امیر حمزہ، ہزار داستان اور شاہنامہ فردوسی جیسی افسانوی کتابیں اگلے ہزار سال تک لکھی جاتی رہیں۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا جو بیچ میں آ گیا۔ حضرت حسینؓ کا واقعہ (اگر صحیح ہے، اور محض افسانہ نہیں!) ۶۱ھ میں پیش آیا اس کے بعد ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ ۱۰۰ھ تک امن و امان قائم تھا اور خلافت قرآنی اصولوں ہی کے مطابق (خلافت علیٰ منہاج نبوت کے مطابق) چل رہی تھی (سوائے اکّادُکّا چھوٹے موٹے واقعات کے کہ اب خلیفہ کون بنے؟ حتیٰ کہ حجاج بن یوسف کی گورنری اور خلافت تک کو بدنام کیا گیا مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے لئے ایک نہایت اچھا کام بھی لکھ دیا گیا کہ قرآن کریم پر اس نے اعراب لگوائے! (گو کہ یہ بھی محل نظر ہے!) جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو ان کے ذریعہ (نام نہاد) احادیث جمع کروانے کا حکم مدینہ کے گورنر کو بھجوایا گیا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر عمر بن عبد العزیز، عمر ثانی نہیں کہے جاسکتے یوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو "حَسبُنا کتاب الله" کے قائل اور عامل تھے۔ انہون نے سنی سنائی باتوں کو نہ تو جمع کرایا نہ خود جمع کیں اور جن لوگوں نے جمع کیا تھا وہ بھی جلوا دیا۔ اور سنی سنائی باتوں کو بیان تک کرنے پر گواہ مانگتے تھے اور انہیں بیان کرنے سے منع کرتے تھے۔ یونکہ وہ تو صاف صاف کہتے تھے کہ یہودیوں کی طرح مشناو تالمود وغیرہ نہیں بنیں گی۔ جبکہ عمر بن عبد العزیز ان کے بالکل برعکس حکم دیتے ہیں تو پھر عمر ثانی کیسے ہو سکتے ہیں؟؟ بس یہی وہ مقام ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے تقریباً نوّے (۹۰) سال بعد بنی امیہ کی حکومت کی توجہ قرآن کریم سے ہٹا کر سُنی سنائی (نام نہاد) احادیث کی طرف مبذول کرا دی جاتی ہے اس کا مطلب کہ "**مقتدرہ**" یا اس کے ایجنٹ حضرت امیر معاویہؓ کے تقریباً چالیس (۴۰) سال بعد پھر فعّال ہو گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اصل '**مقتدرہ**' کے ممبران مر مرا گئے ہوں اور ان کی جگہ پُر کرنے میں یعنی نئی "**مقتدرہ**" بننے میں وقت لگا ہو۔ بہر حال اس کا مشن جاری تھا اور اب مسلمین کو ان کے صراط مستقیم سے ہٹانے اور نئی سیاسی ہلچل مچانے کا کام شروع کر دیا گیا تھا۔ عمر بن عبد العزیز کے بعد ۱۰۱ھ میں یزید بن عبد الملک کو سلیمان کی وصیّت کے مطابق خلیفہ بنایا جاتا ہے۔ اس کا دَور بڑی ہلچل کا دَور تھا۔ لوگ اس کی حکومت سے ایسے تنگ ہوئے کہ جابجا اس کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ حضرت علیؓ کے خاندان کے حامیوں نے "**مقتدرہ**" کے ایجنٹوں کے ساتھ مل کر سر اُٹھایا اور پروپیگنڈہ شروع کیا کہ خلافت اصل میں خاندان علیؓ کا حق ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کی اولاد میں سے جو بزرگ اس زمانہ میں موجود تھے وہ خلافت وسلطنت کے جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے اس لئے یہ تحریک اس وقت فروغ نہ پا سکی۔ لیکن اس کے باوجود ہشام بن عبد الملک کے دَور میں حضرت حسینؓ کے پوتے زید بن علی سے خروج کروا دیا جاتا ہے۔ جو ناکام ہوتا ہے۔ یہ آل علیؓ میں سے خروج کرنے والے دوسرے شخص تھے۔ چنانچہ "**مقتدرہ**" کے پارسی ایجنٹوں نے پینترا بدلا اور آنحضرت سلامٌ علیہ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے محمد پر اپنا جادو چلا دیا۔ (جبکہ حضرت عباسؓ کے پوتے علی بن عبد اللہ ان جھمیلوں سے الگ رہے) اور وہ ان ایجنٹوں کے منصوبوں اور سازشوں میں شامل ہونے لگے۔ چنانچہ آل عباس میں سے عبد اللہ بن عباسؓ کے بیٹے علی کے ایک خراسانی غلام کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ جسے ان کے پڑپوتے ابراہیم (جو امام بن گئے تھے) سے خراسان میں

اپنا نائب بنوا دیا جاتا ہے اور اس کی فوجی طاقت بڑھانا شروع کر دیا گیا۔ دوسری طرف بد امنی پھیلانے کیلئے قبیلہ مضر اور یمنی قبائل کو لڑوا دیا جاتا ہے۔ بنو امیہ کی حکومت جو عمر بن عبد العزیز کے وقت سے کمزور ہونا شروع ہو گئی تھی اب آخری سانسیں لے رہی تھی کہ ابو مسلم خراسانی نے خراسان پر قبضہ کر لیا پھر اس سے عراق پر حملہ کرا دیا جاتا ہے۔ اس دَوران ابراہیم (امام) مارے گئے۔ وہ موت سے پہلے اپنے بھائی ابو العباس کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ چنانچہ ۱۳۲ھ ہجری میں اس نے کوفہ کی جامع مسجد میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ادھر بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بھی مارا گیا اور تیس سال کی لگا تار کوششوں کے بعد ابو العباس، عباسی خاندان کا پہلا خلیفہ بنا دیا گیا۔ جو سفاح (یعنی خون بہانے والا) کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس نے بنو امیہ کے خاندان کے لوگ چن چن کر قتل کروا دیئے۔ خود حکومت اور بنو امیہ کے چکر میں رہا لیکن اصل حکمرانی (غلام) ابو مسلم خراسانی کرتا رہا۔ اس طرح سے عباسی حکومت شروع ہوتے ہی خراسانی یعنی پارسی (یعنی ایرانی) درباروں میں داخل کر دیئے گئے۔

سفاح تو چار سال بعد فوت ہو گیا، اس کے بعد اس کا بھائی ابو جعفر منصور، سفاح کی وصیت کے مطابق عباسیوں کا دوسرا خلیفہ بنا۔ چونکہ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھا کہ اصل میں حکومت تو (غلام) ابو مسلم خراسانی کر رہا تھا تو اس نے اپنے غلاموں ہی کے ہاتھوں اس کو مروا ڈالا۔ اس کے نتیجہ میں خراسان میں بغاوت ہو گئی۔ لیکن منصور نے اسے آسانی سے دبا دیا۔ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے لڑائی چھیڑ دی۔ منصور نے اس کو بھی شکست دی۔ پھر طبرستان کے سرکشوں کو جو بار بار بغاوت کر دیتے تھے اور ویلم کو بھی زیر کیا۔ اس طرح منصور نے امن و امان قائم کر لیا اس کے بعد دجلہ کے مغربی کنارے پر ایک نئے شہر بغداد کی داغ بیل ڈال کر اسے دار الخلافہ بنانے کا ارادہ کیا۔ بغداد کی تعمیر کا کام کئی سال جاری رہا۔ جو لوگ اس کام پر مقرر کئے گئے تھے، ان میں اس زمانہ کے مشہور عالم ابو حنیفہ (نعمان بن ثابت بن زوطا) بھی شامل تھے۔ حسن اتفاق سے یا **مقتدرہ** کی حسن کارکردگی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ بھی پارسی النسل اور یہودی النسل ہی تھے۔ اور اپنے قیاس سے مسئلے مسائل گھڑ گھڑ کر اس کے جواب دیتے تھے اور اس کو فقہ کا نام دیتے تھے۔ یا یوں کہئے کہ "**مقتدرہ**" والوں نے فقہی محاذ ان کے حوالہ کیا ہوا تھا اور اسلام میں القران الحکیم کے علاوہ ایک نئی قیاسی چیز شامل کر دی تھی۔ منصور نہ صرف اس حقیقت سے ناواقف تھا بلکہ وہ اس حقیقت سے بھی ناواقف تھا کہ حضرت حسنؓ کے پڑوتے **محمد** (یعنی حضرت علیؓ کے پڑپڑوتے) جن کو لوگ مہدی کہتے تھے نے مدینہ النبی پر قبضہ کر لیا ہے اور ابو حنیفہ اور مالک دونوں عالِم (جن کو بعد میں امام بنا دیا گیا) نے ان کا ساتھ دیا ہے۔ آل علیؓ میں سے خروج کرنے والے شاید یہ تیسرے شخص تھے۔

یہاں یہ حقیقت بتانا ضروری ہے کہ بنو امیہ کی حکومت کا سارا زمانہ جہاد اور حکومت کا استحکام حاصل کرنے میں گزرا تھا اس لئے وہ نو مسلمین کی تعلیم و تربیت، یعنی حضرت عمرؓ کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔ البتہ "**مقتدرہ**" کے ایجنٹوں نے شیعانِ علیؓ کی مدد سے، ان کی اولاد میں سے جعفر صادق کو عالم اور امام بنا کر پیش کیا۔ اور پھر ان کے بڑے بڑے نامور شاگرد بنا دیئے مثلاً حسن بصری، ابو حنیفہ، مالک وغیرہ ان سب کو بھی امام بنایا گیا۔ اور اسی زمانے میں کئی نئے نئے فرقے بھی پیدا کر دیئے گئے جنہوں نے قرآن کریم سے دُوری پیدا

کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

ادھر منصور کے وزیروں میں ایک اور پارسی خالد برؔمکی کو حسن کارانہ طریقہ پر داخل کیا گیا جس کی اولاد نے آگے چل کر بڑے گل کھلائے۔ منصور اپنی آخری عمر میں خلافت اپنے بڑے بیٹے محمدؔ جو مہدی کے لقب سے جانا جاتا تھا، کے حوالہ کر کے اس ارادہ سے رخصت ہوا کہ اپنی عمر کے آخری دن مکہ میں بسر کرے، لیکن راستہ میں موت نے آلیا۔ اور بیر میمونہ میں انتقال کیا۔ مہدی کے زمانہ میں خراسان کے ایک پارسی النسل شخص ہاشم بن حکیم کو سامنے لایا گیا اس نے بڑا فساد اٹھایا اور ہزاروں مسلمانوں کو گمراہ کیا۔ اس شخص سے یہ پروپیگنڈہ کرایا گیا کہ خدا کبھی کبھی انسانوں کے لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔ جتنے پیغمبر گزرے ہیں۔ ان کے جسم میں خدا کی روح تھی۔ آخری زمانہ میں خدا کے نور نے ابو مسلم بن کر ظہور کیا۔ اور مجھ میں بھی اسی نور کا جلوہ ہے۔ ہاشم بہت بد صورت تھا، اس لئے لوگوں سے صورت چھپانے کیلئے چہرہ پر ایک سنہری نقاب ڈالے رہتا تھا، اس لئے وہ مقنع یعنی نقاب پوش کے نام سے مشہور ہے۔ جب مہدی نے اس کا محاصرہ کروایا تو اس نے خود کشی کر لی۔ لیکن بہت سے پارسی جن میں ابو مسلم اور مقنع دونوں کے پیروکار موجود تھے، چپکے چپکے لوگوں میں مقنع کے خیالات پھیلانے اور خلقت کو گمراہ کرنے لگے۔ ان لوگوں کو اس زمانہ کے مسلمین نے زندیق کا نام دیا۔ مہدی کے ۱۶۹ھ میں انتقال کرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا ہادی، جس کا اصل نام موسیٰ تھا خلیفہ بنا لیکن ایک سال بعد ہی انتقال کر گیا۔ اس کے دَور میں مدینہ کے حاکم نے حضرت علیؓ کے خاندان کے بعض لوگوں سے بد سلوکی کی۔ ان میں سے 'حسین بن علی' نے جو امام حسنؓ کے پڑوتے تھے، تھوڑی سی فوج جمع کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔ آل علیؓ کا یہ چوتھا خروج تھا جو ناکام ہو گیا یونکہ ہادی نے ایک سردار کو ان کے مقابلہ پر بھیجا۔ حسین بن علی اور ان کے سارے ساتھی مارے گئے۔ ان کے خاندان کے صرف دو آدمی ادریس بن عبد اللہ اور یحییٰ بن عبد اللہ بھاگ نکلے۔ ادریس نے افریقہ میں جا کر بَربَریوں کی مدد سے سلطنت قائم کی اور ادریسی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ (ان کا حشر شاید آگے آئے گا)۔

مہدی نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے بعد ہادی اور اس کے بعد ہارون کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ لیکن ہادی خلافت سنبھالتے ہی ہارون کی جگہ اپنے بیٹے جعفر کو اپنا جانشین بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور ہارون پر سختیاں ہونے لگیں۔ مہدی کی بیوی یعنی ہادی و ہارون کی ماں، جو پارسی النسل ہی تھی...... "خیزراں" ہارون کی طرف دار تھی۔ لیکن ہادی نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا............ آخر ہارون نے بھائی کے ظلم سے تنگ آ کر ارادہ کر لیا کہ حکومت سے ہاتھ اُٹھائے اور سارے جھگڑوں سے الگ رہ کر زندگی بسر کرے۔ لیکن خالد برمکی کے بیٹے یحییٰ برمکی نے اسے سمجھایا بجھایا اور کہا کہ اگر آپ نے اپنا حق چھوڑ دیا تو بڑے فتنے پیدا ہوں گے۔ شومیٔ قسمت یا کوئی اور اندرونی سازش، کہ ہادی تین دن کچھ بیمار رہ کر انتقال کر گیا اور یحییٰ برمکی کی تدبیر سے ہارون ۱۷۰ھ میں خلیفہ بن گیا۔ ہارون نے خلیفہ ہوتے ہی یحییٰ برمکی کو جس کی دانائی سے ہارون کو خلافت ہاتھ آئی تھی، وزیر مقرر کر کے سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ ملکہ خیزران پھر سلطنت کے کاموں میں حصہ لینے اور اپنے بیٹے کا ہاتھ بٹانے لگی۔ اور پارسیوں کے مزے آ گئے۔

چراغ حسن حسرت کے مطابق برمکی خاندان کی ابتدا خالد برَمک سے ہوتی ہے۔ اس کے باپ دادا پارس کے بدھ

مت کے پیشوا تھے۔ جب مسلمانوں کے قدم ترکستان میں پہنچے تو وہاں کے بہت سے لوگوں نے اپنے بزرگوں کا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ ان میں خالد بھی تھا۔ جب عباسیوں کے ہاتھ سلطنت آئی تو خالد کا ستارہ چمکا اور اس کا شمار منصور کے بڑے بڑے امیروں میں ہونے لگا۔ اس کے بیٹے یحییٰ نے ہارون کو خلافت کی مسند پر بٹھانے کے لئے بڑا زور مارا۔ جب ہارون خلیفہ ہوا تو اس نے یحییٰ کو وزیرِ اعظم بنا دیا۔ اور اس کے چاروں بیٹوں: فضل، جعفر، محمد اور موسیٰ کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ان میں سب سے بڑا فضل تھا۔ ہارون اور فضل ساتھ کے کھیلے ہوئے اور بچپن کے دوست تھے۔ ہارون نے فضل کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ اور ملکہ خیزران نے فضل کو دودھ پلایا تھا۔ خلیفہ کے ہاں نفوذ کا یہ بہترین ذریعہ اور تدبیر تھی۔ برمکی خاندان سترہ سال تک سارے ملک پر چھایا رہا اور پارسی ایجنٹ اپنا کام کرتے رہے۔ پیچھے آ چکا ہے کہ حضرت علیؓ کے خاندان کے دو اشخاص ادریس اور یحییٰ مدینہ سے بھاگ نکلے تھے۔ ادریس تو افریقہ چلے گئے اور وہاں بربریوں کے ساتھ ایک سلطنت قائم کر لی۔ دوسرے شخص یحییٰ نے ویلم کے علاقہ میں پہنچ کر بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ہارون سے لڑنے کی تیاری کی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کے مقابلہ پر فضل بن یحییٰ کو بھیجا۔ فضل انہیں مارنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ان کی امان کا انتظام کیا۔ خلیفہ نے انہیں یحییٰ برمکی کے حوالہ کیا۔ اور وہ امن سے زندگی بسر کرنے لگے۔ مگر ہارون کو برمکیوں کی شہرت اور ہر دلعزیزی دیکھ کر خیال پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں یہ لوگ عوام کو اس کے خلاف کھڑا نہ کر دیں۔ فضل بن ربیع نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور خلیفہ سے کہنا شروع کر دیا کہ برمکی خاندان یحییٰ بن عبد اللہ کو خلیفہ بنانے کی فکر میں ہے۔ ہارون کو یہ تو معلوم تھا کہ بہت سے لوگ آل علیؓ کے خاندان سے رغبت رکھتے ہیں اور برمکی بھی انہی کے خیر خواہ ہیں اسی لئے وہ یحییٰ بن عبد اللہ کو چھڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کی سفارش کا یہ اثر ہوا کہ خلیفہ نے یحییٰ کو جعفر کے حوالہ کر دیا۔ اس نے خاموشی سے انہیں رہا کر دیا۔ اس خبر نے خلیفہ کو برہم کر دیا اور اس نے جعفر کو قتل کرا دیا۔ اس طرح برمکی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر ان کے دیگر ساتھی زیرِ زمین رہتے ہوئے اپنا کام کرتے رہے۔

ہارون کے زمانہ میں کئی بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ کابل کا علاقہ قبضہ میں آیا اور عباسیوں کی سلطنت کوہ ہندوکش تک پھیل گئی۔ رومیوں سے اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ہارون نے روم کی سرحد پر چھاؤنیاں بنوائیں۔ قلعے تعمیر کرائے اور رومیوں کو کئی جنگوں میں شکست دی۔ اس طرح سے عیسائی بھی پوری طرح سے مسلمین اور اسلام کے دشمن ہو گئے اور ان کے دانشوروں نے بھی "**مقتدرہ**" کے ایجنٹوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔

ادھر حضرت علیؓ کے خاندان کے ایک بزرگ ادریس بن عبد اللہ نے افریقہ کے ساحل پر جو اپنی سلطنت قائم کر لی تھی۔ ہارون نے اس سلطنت کو مٹانے کی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ قیروان میں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ہارون نے یہ علاقہ ابراہیم بن اغلب کے حوالہ کر دیا جو یہاں کا خود مختار حاکم تھا۔ اس کی اولاد میں بہت دیر تک سلطنت چلی۔

چراغ حسن حسرت کے مطابق ہارون بڑا عالم فاضل خلیفہ تھا۔ امام مالک اور امام شافعی اس زمانہ کے مشہور عالم تھے۔ شیعوں کے امام موسیٰ کاظم بھی اسی زمانے میں ہوئے ہیں۔ ہارون اکثر حدیث پڑھنے کے لئے امام مالک کی خدمت

میں حاضر ہوتا تھا۔ خود شاعر تھا اور شاعروں کا قدر دان۔ اس کی سخاوت اور قدر دانی کی شہرت سن کر دُور دُور سے بڑے بڑے عالم شاعر اور حکیم کھچ کر بغداد پہنچے۔ ہندوستان کے اکثر پنڈت بھی خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان سے باتیں کیں تو معلوم ہوا کہ ہندوستان اور ایران کی زبانوں میں بہت سی مفید کتابیں ہیں۔ ہارون نے ان سب کی تنخواہیں مقرر کر دیں اور انہیں حکم دیا کہ ان کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جائے۔ چنانچہ کتابوں کے ترجمہ کا ایک الگ محکمہ قائم ہوا۔ غور کیجئے یہ وہ دَور ہے جب نہ صرف سنسکرت اور فارسی کی پرانے دھرم کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہونے لگیں بلکہ "**مقتدرہ**" کی کاوشوں اور تدبیروں کے نتیجہ میں سُنی سنائی اور گھڑی گھڑائی (نام نہاد) احادیث کا چلن بھی خلیفہ تک پہنچ گیا۔ یہ "**مقتدرہ**" کے بنائے ہوئے امام، شافعی ہی تھے جن کا مناظرہ منکرینِ حدیث / اہل القران سے ہوا۔ جنہوں نے **مثلہٗ و معہٗ** والی روایت گھڑی، جنہوں نے شیخ و شیخہ کو رجم کرنے والی روایت گھڑی، جنہوں نے پہلے نا معلوم سنتِ رسول کا تصور دے کر (نام نہاد) احادیث کو اسلام میں قرآن کریم کے مقابلہ پر مشنا و تالمود بنانے کی کوشش کی (دیکھئے امام شافعی کی کتاب "الرسالہ") اور پھر ان کے شاگردوں نے اسے مزید آگے بڑھا کر (نام نہاد) احادیث کی کتابیں شاید مدوّن کرنا شروع کیں (یہاں تک تاریخی واقعات، عام طور پر' چراغ حسن حسرت صاحب کی کتاب "سرگذشت اسلام" کے پہلے دو حصوں سے ملخصًا اخذ کردہ ہیں۔)

مانا کہ ہارون الرشید بڑا علم دوست خلیفہ تھا مگر ذرا غور کیجئے کہ دوسری صدی کے اختتام تک یعنی ہارون کے انتقال ۱۹۳ھ ہجری تک عقائدی حالت یہ کر دی گئی تھی کہ خلیفہ وقت جو کہ خلیفۃ المسلمین تھا بجائے قرآن کریم پڑھنے کے (نام نہاد) حدیث پڑھنے کیلئے امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ شیعوں کے امام موسیٰ کاظم بھی اس زمانہ میں موجود تھے۔ مگر ان کی طرف خلیفہ کی یہ حرکت چراغ حسن حسرت صاحب نے منسوب نہیں کی۔ اور نہ ہی امام شافعی کی طرف، جبکہ امام مالک ۱۷۹ھ میں انتقال کر چکے تھے اور امام شافعی اس وقت زندہ تھے اور پوری طرح سے متحرک۔ یہ الگ حقیقت ہے کہ حسنِ اتفاق سے دونوں ہی یمنی النسل و یہودی النسل تھے۔ اور "**مقتدرہ**" کے مشن کو، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کی نافرمانی۔ (غیر اطاعت)، میں پورا کر رہے تھے۔ ابھی پیچھے ہی میں یہ بتا چکا ہوں کہ روم کے عیسائی بھی "**مقتدرہ**" میں شامل ہو گئے تھے جبکہ مجوسی، یہودی، مشرکین وغیرہ اس میں پہلے ہی شامل تھے مگر ایک اور حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ خلفائے راشدین کے دَور میں جب خیبر کے یہودی خیبر سے نکالے گئے تو وہ کہاں گئے؟ کیا وہ بنی اسرائیل کے دس گم شدہ قبائل کی طرح افغانستان و کوہستان کی طرف چلے گئے یا انہوں نے بھی یمن، پارس، کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ کا رخ کیا؟ تاریخ اس پر خاموش ہے یونکہ تاریخ لکھنے والے بھی **مقتدرہ** ہی کے پارسی ایجنٹ تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یمن، پارس، کوفہ، بصرہ اور مصر ہی گئے اور پھر مقتدرہ اور ان کے ایجنٹوں میں شامل ہو گئے۔ اور دوسری صدی ہجری کے اختتام تک وہ اور ان کی آل اولادیں پوری طرح متحرک رہیں۔ دوسری صدی کے بعد ان کے مشن پورا کرنے کے کام میں تیزی آ گئی یونکہ اب سب پارسی النسل، یہودی النسل، بُدھی النسل، عیسائی النسل مسلمان بن کر مسلم معاشرہ میں پوری طرح شریک ہو چکے تھے اور آپس کی تفریق ختم ہو گئی تھی۔ اب وہ آزادی سے خلافِ قرآن و خلافِ رسول کام کر سکتے تھے اور اگر کوئی اعتراض کرتا تھا تو وہ

اس کی تاویلیں کر دیتے تھے۔ اس طرح آہستہ آہستہ کر کے ہی دوسری صدی کے اختتام تک خلیفہ تک کے اسلامی عقائد بدل کر اسے قرآن کریم سے دُور کر کے (نام نہاد) احادیث کی طرف راغب کر دیا گیا تھا.......... جب حاکم وقت کے عقائد بدل جائیں تو پھر عوام کے عقائد بدلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ اور وہ بھی بالخصوص جبکہ مختلف عقائد و مذاہب کے پارسی النسل لوگ ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں نے اسلامی مملکت کے ہر گوشے کو پارسی (ایرانی یا عجمی) رنگ میں رنگ دیا۔ القرآن الحکیم کی جگہ سُنی سنائی اور گھڑی گھڑائی زبانی روایات نے لے لی، مسئلہ مسائل قیاسی فقہ سے حل کئے جانے لگے۔ حکومتی مسائل میں منہاج علی النبوت چھوڑ کر عیاری، مکاری اور تعصّب و دشمنی نے جگہ بنالی۔ فوج میں بھی صرف پارسیوں ہی کی بھرتی کی جانے لگی اور عرب کو پیچھے دھکیلا جانے لگا۔ جب (امام) محمد بن علی عباس کا انتقال ہوا تو ابو مسلم خراسانی نے فوج کی وردی سیاہ کر دی اور مملکت کے عَلَم بھی سیاہ کر دیئے۔ (امام) ابراہیم عباسی معہ اپنے خاندان کے سیاہ پوش ہو گئے۔ اور اسی دن سے عباسیوں نے سیاہ لباس کو اپنا خاندانی شعار بنالیا۔ خالد برمکی کے عہد وزارت میں ایران کے جشن نوروز کا آغاز عباسی مملکت میں ہو گیا تھا۔ اور جعفر برمکی نے اپنے دَور میں جشن مہرجان کی تقریب بھی عام کر دی۔ یہ دونوں تقریبیں مجوسیوں کی عیدیں تھیں۔ جب بنی بویہ (دیلمی) نے اقتدار حاصل کیا جو کہ غالی شیعہ تھے' تو احمد بن بویہ دیلمی (خطاب معزّ الدولہ) نے ۳۳۴ھ میں بغداد میں عاشورہ محرم منانے کا حکم دیا یعنی حضرت حسینؓ کے ۲۷۳ سال بعد۔ اس نے حکم دیا کہ سب بازار بند رہیں گے۔ لوگ امام حسین کا ماتم کریں اور عورتیں اپنے بال کھول کر نوحہ کرتی ہوئی باہر سڑکوں پر آئیں۔ اسی طرح اس نے ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر منانے کا بھی حکم جاری کیا۔ گویا کہ آج کے شیعہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ عزاداری ان کے مذہب کی شہ رگ ہے تو یہ بنی بویہ کی عطا کی ہوئی سنت ہے ۔ یہ سنتِ رسول، سنتِ صحابہ، سنتِ امام نہیں۔ شیعوں کے چھٹے امام حضرت جعفر صادق تک تو شیعانِ علی تقریباً ایک تھے مگر پھر ان میں بھی پھوٹ پڑ گئی اور دو جماعتیں بن گئیں۔ ایک موسیٰ کاظم کو امام مانتے تھے اور دوسرے ان کے، انہی کی زندگی میں نامزد شدہ اور فوت شدہ' بیٹے اسماعیل کو امام مانتے تھے۔ یہ اپنے عقائد چھپانے کی وجہ سے باطنی کہلائے۔ انہی لوگوں نے مصر میں فاطمی حکومت قائم کی اور انہی کے ایک سردار نے الموت کا قلعہ فتح کر کے جنت بنائی تھی اور وہاں لوگوں کو اغوا کر کے جنت کی ہوا کھلا کر اور حشیش پلا کر ان کو کسی سُنی حاکم کو قتل کرنے کیلئے بھیجتا رہا۔ وہ لوگ فدائی کہلائے۔ مگر ان سے زیادہ خطرناک قرمطیوں کا گروہ خلیفہ معتمد کے دَور میں خوزستان (پارس) سے اُٹھا اور جگہ جگہ تباہی پھیلاتا رہا۔ حتیٰ کہ مقتدر کے دَور میں قرمطیوں کا ایک لشکر مکہ تک حاجیوں کی لوٹ مار کرتا ہوا پہنچ گیا اور خانہ کعبہ کا غلاف اُتار کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ جو حاجی مارے گئے ان کی لاشیں چاہ زمزم میں پھینک دیں۔ پھر حجر اسود کو اکھاڑ کر لے گئے۔ تاریخ کے مطابق انہوں نے حج کے راستے ۲۰۔۲۵ سال تک مسدود رکھے۔ چنانچہ ان سالوں میں نہ حج ہو سکا نہ وہاں نمازیں ادا کی جا سکیں۔ اس زمانہ میں عبید اللہ مہدی جسے قرمطی بھی اپنا امام مانتے تھے، افریقہ کا حاکم تھا، اس کی سفارش و سرزنش پر ۲۰۔۲۵ سال بعد حجر اسود ٹکڑوں کی شکل میں واپس ہوا۔ کہتے ہیں انہوں نے اسے اپنے امام کے دروازہ کی دہلیز میں لگا دیا تھا تا کہ وہ پاؤں سے روندا جا سکے۔ مسلمانوں نے اسے جوڑ جاڑ کر چاندی کے ایک حلقے میں بٹھا کر پھر خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کر دیا ہوا ہے اور اس پتھر کو بھی مقدس سمجھتے ہیں حالانکہ وہ وہاں محض

اشارہ یا گنتی کے لئے لگایا گیا تھا کہ اس مقام سے بائیں جانب، طواف شروع کرو اور یہیں پر ختم کرو۔ پارسیوں اور شیعت کے غلبہ اور تدبیروں سے عباسی حکومت روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ وہ نوبت آگئی کہ عباسی خلیفہ مستعصم کے دَور میں اس کے شیعہ وزیر ابن العلقمی اور نصیر الدین طوسی نے محرم ۶۵۶ھ میں چنگیز خان کے پوتے، ہلاکو خان سے بغداد پر حملہ کرا کے قتل عام ایسا کیا کہ عوام کے سروں کے مینار بنا دیئے۔ اس طرح عباسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس طرح پارسیوں نے جنگ قادسیہ، مدائن وغیرہ کی شکست کا بھرپور انتقام لے لیا۔ اس حقیقت کا اعتراف خود موجودہ ایران (سابقہ پارسی) کرتے ہیں۔ چنانچہ حسین کاظم زادہ، جو عصرِ حاضر کے مشہور ایرانی مؤرخ ہیں، وہ اپنی کتاب "تجلیاتِ روحِ ایران، در ادوارِ تاریخی" میں لکھتے ہیں:

"جس دن سے سعد بن ابی وقاصؓ نے خلیفہ دوئم کی جانب سے ایران کو فتح کیا اور اس پر غلبہ پایا، ایرانی اپنے دل میں کینہ و انتقام کا جذبہ پالتے رہے۔ کینہ و انتقام کا یہ جذبہ متعدّد مواقع پر ظاہر ہوتا رہا تا آنکہ فرقۂ شیعہ کی بنیاد پڑ جانے سے یہ کلیۃً بے نقاب ہو گیا۔ اربابِ علم و اطلاع اس حقیقت کو بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ شیعت کی بنیاد و ظہور میں، اعتقادی مسائل اور نظری اور نقلی اختلافات کے علاوہ، ایک سیاسی مسئلہ کو بھی دخل تھا۔ ایرانی اس بات کو نہ کبھی بھول سکتے تھے نہ قبول اور معاف کر سکتے تھے کہ مٹھی بھر، ننگے پاؤں پھرنے والے، بادیہ نشین، عربوں نے ان کی مملکت پر قبضہ کر لیا"۔

اس کے بعد یہ مؤرخ لکھتا ہے کہ:

"ہمارے دانشمند بزرگوں کو نہ تو بنو فاطمہ سے عشق تھا اور نہ ہی خاندان بنی امیہ سے دشمنی۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح عرب حکومت کا تختہ الٹ جائے اور اپنی عظمت اور حکومت بحال ہو جائے۔ چونکہ ہاشمی خلافت حضرت علیؓ کے بعد ختم ہو گئی اور اموی' خالص عربی حکومت' دنیائے اسلام کی مرکزی حکومت تسلیم کر لی گئی اور اس طرح عرب' عجم پر بُری طرح مسلّط ہو گیا۔ فلہٰذا، ہمارے لئے واحد چارۂ کار یہ تھا کہ ہم ہاشمیوں کا ساتھ دے کر ان کو اُبھارتے۔ ہمارے بزرگوں نے یہی کچھ کیا۔ "جب ایرانیوں نے ہاشمیوں کو اُبھار کر، اموی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور اس جگہ خود ہاشمیوں (عباسیوں) کی حکومت قائم ہو گئی تو انہوں نے ہلاکو کو بلا کر، عربوں کی اس سلطنت کا بھی خاتمہ کرا دیا۔ اس طرح، انہوں نے بقول کاظم زادہ، اپنی شکستوں کا بدلہ، عربوں سے لے لیا"۔[1]

فولٹز نے اپنی کتاب میں ایک جگہ بالکل صحیح اور مبنی بر حقیقت بات کہی ہے کہ: "Iranians are conspiracy minded people , and Jews have long been as conspiracy's agents. یعنی ایرانی تو سازشی ذہن کے لوگ ہیں اور یہودی عرصہ سے سازشی ایجنٹ رہے ہیں"۔[2] اس کی کتاب کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ایرانیوں نے اسلامی دین اور تہذیب کو اپنی سازشی لپیٹ میں لے لیا۔........... کہتے ہیں کہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ

[1] "شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد" باب ۱۴۔ از کتاب "شاہکارِ رسالت" از غلام احمد پرویز صاحب۔ صفحہ ۳۵۔ ۳۶، صفحہ (۴۷۲۔ ۴۷۳)...... [2] Spirituality in the Land of Noble by Richard C. Foltz, Page 168

جب ہلا کو خان بغداد پر حملہ کر رہا تھا تو اس وقت خلیفہ اور ملاؤں نے لوگوں کو مسجدوں میں بٹھا دیا تھا کہ ”ختم بخاری شریف“ کریں۔ عوام اس وقت ”ختم بخاری شریف“ کر رہے تھے اور ہلا کو خان کی فوجیں ان کے سر کاٹ کاٹ کر مینار بنا رہے تھے اور سب کو 'شریف' بنا دیا۔ یہ ہے وہ حقیقت کہ شیعہ اور پارسیوں نے مل کر نہ صرف عربوں سے انتقام لیا بلکہ انہوں نے اسلام سے بھی انتقام لے لیا کہ اصل اسلام کو مہجور کرا کر ایک پارسی النسل ویہودی النسل شخص کی تحریر کردہ کتاب کو شریف بنا کر اصل کا مثلہٗ معہٗ بنا دیا۔ اس کیلئے طریقہ کار یہ اپنایا گیا کہ سیاستِ خلافت کے نام سے امام کا غیر قرآنی عقیدہ بنا کر پہلا فرقہ شیعہ بنایا گیا اور رسول سلامٌ علیہ کی صاحبزادی کی اولاد سے محبت کو خوب ہوا دی گئی۔ اور ان کی فضیلت میں (نام نہاد) احادیث گھڑی گئیں۔ اور عام مسلمین کو یہ باور کرایا گیا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہ فرمایا۔ یہ فرمایا۔ اس لئے اس کو ماننا ضروری ہے اور اس ہی پر عمل کرنا ضروری ہے چاہے یہ القرآن الحکیم کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر بغیر دیکھے اور سنے ایمان لانے والوں نے عقیدت و محبت و خلوصِ نیت سے اس کو مان کر سر تسلیم خم کر دیا۔ (جبکہ صحابہؓ نے یہ دھوکہ نہ مانا اور صرف القرآن الحکیم ہی کو کافی مانتے رہے۔ **حَسْبُنَا کِتٰبَ اللہ**) چنانچہ پہلے تو صرف شیعانِ علی بنے۔ پھر باقاعدہ وہ فرقۂ شیعہ بن گئے۔ بنو امیہ کی حکومت کے زمانہ میں بالخصوص پہلی صدی میں (نام نہاد) احادیث، سوائے شیعوں کے دیگر مسلمین میں مقبول عام نہ ہو سکیں بلکہ حکومت بھی منہاج علی النبوت ہی پر رہی یونکہ ۶۰ھ تک تو صحابہ ہی خلیفہ بنتے رہے۔ پھر تابعین کا دَور شروع ہوا۔ ان میں جب ۱۰۰ھ میں شاید تبع تابعی عمر بن عبد العزیز خلیفہ تھے تو نقب لگائی گئی اور ان کے ذریعہ مکہ کے حاکم کو (نام نہاد) احادیث جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس کام کے لئے جن صاحب کو آگے بڑھایا گیا وہ صاحب کہنے کو تو تابعی تھے مگر غیر عرب یعنی یمنی یا پارسی النسل۔ وہ عرب کے ایک قبیلہ کی پناہ کی وجہ سے وہاں کے رواج کے مطابق اسی قبیلہ سے منسوب ہو کر ابن شہاب سے ابنِ شہاب زہری بن گئے (۵۱۔۱۲۵ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے کچھ سنی سنائی اور گھڑی گھڑائی باتوں کا ذخیرہ جمع کر لیا جو زیرِ زمین ہی چل رہا تھا۔ گو کہ آج ان صاحب کی تحریر کردہ کوئی کتاب موجود نہیں۔ ایک اور یمنی صاحب (بلکہ ابناء یمن) ھمام بن منبہ (م ۱۰۱ھ) (جن کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا شاگردِ رشید ظاہر کیا جاتا ہے) کی ایک کتاب، مبنی بر ۱۳۷ روایات بنام ”صحیفہ ھمام بن منبہ“، (ان کی لکھی ہوئی کتاب نہیں۔ اس کی تفصیلات علیحدہ سے پچھلے صفحات میں بتا چکا ہوں کہ وہ پچھلی صدی کی برلن یونیورسٹی کی لائبریری کی دریافت ہے جو کہ پارسیوں نے کسی وقت میں دوسری کتب سے نقل کروا کر برلن میں رکھوا دی۔ اور اب اسے چھپوا دیا صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ دیکھئے (نام نہاد) احادیث کی کتابت تو صحابہ کبارؓ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے سامنے بھی کرتے تھے۔) یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) صحابہؓ کبار رسول سلامٌ علیہ کے نافرمان تھے۔ وہ ان کے حکم کی اطاعت نہیں کرتے تھے بلکہ حقیقت میں اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ یہ دھوکہ کوئی بھی مسلم و مومن نہیں مان سکتا کہ ابوہریرہؓ اور کچھ اور صحابہؓ کبار' اللہ و رسول کے نافرمان تھے۔ ہاں اگر پارسی اور شیعہ حضرات یہ مانتے ہیں تو یہ عقیدہ انہی کو مبارک ہو۔

اس کے بعد دوسری اور تیسری صدی ہجری میں، ”**مقتدرہ**“ نے کئی پارسی النسل لوگ کھڑے کر دیئے جو اصل میں مجوسی یا یہودی یا بدھ مت والوں کی نسل سے تھے جنہوں نے فقہی، حدیثی اور تاریخ کے محاذ سنبھال لئے۔ اور

اس طرح ایک مکڑی کا جالا پھیلا دیا۔ اور سیدھے سادھے، کم پڑھے لکھے، مسلمین کو جال میں پھانسنا شروع کر دیا۔ البتہ خالص مسلمین و مومنین اور سمجھدار پڑھے لکھے لوگ ان کے جال میں نہیں پھنسے اور اللہ کی کتاب ہی کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ دوسری اور تیسری صدی کے زیادہ متحرک لوگوں میں سے یہ لوگ زیادہ مشہور ہیں اور ان میں سے بعض ایک سے زائد فنون کے ماہر مانے جاتے ہیں۔ غور کیجئے:

فقہی محاذ

۱)۔ نعمان بن ثابت بن زوطا بن ماہ ملقب بہ ابو حنیفہ[1]۔(۸۰۔۱۵۰ھ) عجمی النسل ویہودی النسل، کوفی کوئی کتاب تحریر نہیں کی۔

۲)۔ مالک بن انس(۹۳۔۱۷۹ھ) یمنی النسل ویہودی النسل

۳)۔ محمد ادریس الشافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) یمنی النسل ویہودی النسل

۴)۔ احمد بن حنبل بغدادی پارسی النسل(۱۶۴۔۲۴۱ھ)

۵)۔ محمد بن حسن شیبانی واسطی، کوفی(م۱۸۹ھ)

۶)۔ قاضی ابویوسف(م۱۸۲ھ)

۷)۔ اسحاق بن راہویہ، مروزی خراسانی(م۲۳۸)

۸)۔ ذہلی نیشاپوری(م۲۶۰ھ)

۹)۔ ابوالحسن اشعری، بصری (م۳۳۰ھ)

۱۰)۔ ابو منصور ماتریدی، سمرقندی(م۳۳۳ھ)

حدیثی محاذ

۱)۔ قاضی ابوبکر بن حزم(م۱۲۰ھ)

۲)۔ محمد بن شہاب زہری (۵۰۔۱۲۵ھ) عجمی النسل، کوئی کتاب موجود نہیں

۳)۔ ہمام بن منبہ(م۱۰۱ یا ۱۳۱ھ) ابناء یمن۔ جعلی کتاب ان کی طرف منسوب ہے

۴)۔ طاؤس بن کیسان، پارسی النسل، یمنی(م۱۰۶ھ)

۵)۔ ابو عروہ معمر ابن راشد بصری یمنی، پارسی یا یہودی النسل (۷۶۔۱۵۳ھ) ان کے نام کا استعمال صحیفہ میں کیا گیا۔ نیز الجامع لکھی

۶)۔ عبدالرحمٰن بن ہرمز، پارسی النسل(مالک کے شیخ(م۱۴۰)

۷)۔ مالک ۔یمنی النسل و یہودی النسل(۹۳۔۱۷۹ھ)

۸)۔ محمد ادریس ابن سائب الشافعی، یمنی النسل و یہودی النسل (۱۵۰۔۲۰۴ھ) کئی کتابیں: الرسالہ، کتاب الام وغیرہ

۹)عبدالرزاق ابن ہمام ابن نافع

تاریخی محاذ

۱)۔ ضحاک بن مزاحم خراسانی، شیعہ، کذاب، سبائی، کوفی(م۱۰۵ھ)

۲)۔ وہب بن منبہ (فن تاریخ کے پہلے مصنف) پارسی ویہودی النسل یمنی(م۱۱۰)

۳)۔ ابن شہاب زہری((بہ ولاء) موالی النسل(م۱۲۵ھ)

۴)۔ السدی الکبیر، شیعہ، کذّاب، کوفی(م۱۲۷ھ)

۵)۔ ابن المقفع (اصل نام روزبہ بن دازدیہ) پارسی النسل ، مجوسی (م۱۳۹ھ)

۶)۔ محمد بن سائب کلبی، شیعہ، کذاب، سبائی کوفی(م۱۴۶ھ)

۷)۔ ابن جریج (حجاز کا پہلا مصنف) رومی الاصل، موالی(م۱۵۰ھ)

۸)۔ محمد بن اسحاق بن یسار، موالی، عیسائی الاصل، شیعہ(م۱۵۱ھ)

۹)۔ زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی، کوفی(م۱۸۳ھ)

۱۰)۔ السدی الصغیر، شیعہ، کذاب، کوفی(م۱۸۶ھ)

---

[1] حنیفہ نام کی کسی لڑکی یا عورت کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا! یہ حنیفہ کون تھی؟؟ ہاں تاریخ میں مسیلمہ کذاب کا ذکر ضرور ہے وہ قبیلہ بنی حنیفہ سے ضرور تھا!

الحمیاری یمنی النسل، شیعہ، (۱۲۶۔ ۲۱۱ھ)

۱۰)۔ احمد بن حنبل شیبانی بغدادی پارسی النسل۔ (۱۶۴۔ ۲۴۱) مسند احمد

۱۱)۔ محمد بن اسمٰعیل بن مغیرہ بن بَردزبہ بخاری۔ مجوسی النسل، (م ۲۵۶ھ)

۱۲)۔ مسلم بن الحجاج بن ورد بن کرشاد پارسی النسل، نیشاپوری، (م۲۶۱ھ)

۱۳)۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث پارسی النسل، سیستانی (م۲۷۵ھ)

۱۴)۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ، ترمذی۔ پارسی النسل (م ۲۷۹ھ)

۱۵)۔ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ پارسی النسل، قزوینی۔ (عراق عجم) (م۲۷۳)

۱۶)۔ ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی
پارسی النسل، خراسانی (م۳۰۳ھ)

۱۷)۔ محمد یوسف الفربری بخاری
پارسی النسل (م۳۲۰)

۱۸)۔ احمد طحاوی، پارسی النسل، یہودی النسل، یمنی الاصل مصری (م۳۲۱ھ)

۱۱)۔ ہشام بن محمد بن السائب الکلبی، شیعہ، کذاب، یمنی (م۲۰۴ھ)

۱۲)۔ محمد بن عمر الواقدی، شیعہ، کذاب، کوفی (م۲۰۴ھ)

۱۳)۔ نصر بن مزاحم، رافضی، کذاب، کوفی (م۲۱۲ھ)

۱۴)۔ ابن ہشام بن ایوب الحمیری، مصری (م۲۱۳ھ)

۱۵)۔ محمد بن سعد (کاتب الواقدی) کوفی (م۲۳۰ھ)

۱۶)۔ عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م۲۷۶ھ)

۱۷)۔ ابوحنیفہ الدینوری (م۲۸۲ھ)

۱۸)۔ ابن واضح یعقوبی، شیعہ (م ۲۸۴)

۱۹) ہناد بن السّری (راہب کوفہ) شیخِ طبری، کوفی (۲۴۳ھ)

۲۰)۔ محمد جریر بن یزید بن غالب طَبری، مجوسی النسل (م۳۱۰ھ)

۲۱)۔ محمد بن عبد اللہ القطان، رافضی، معتزلہ، (م۳۹۸ھ)

۲۲)۔ محمد بن اسحٰق بن مہران ابو بکر مقری، شیعہ، کذاب (م۳۵۲ھ)

۲۳)۔ ابو بکر محمد بن العباس' شیعہ' الخوازرمی (م۳۸۳ھ)

۲۴)۔ المسعودی (م۳۴۵ھ)

۲۵)۔ حاکم نیشاپوری، نیشاپوری (م

		۴۰۵ھ)
		۲۶)۔ابونعیم اصفہانی(م ۴۳۰ھ)

یہ لوگ اور یہ جال وہ تارِ عنکبوت تھا (Network) جو نظر تو نہ آتا تھا مگر اس نے سیدھے سادھے مسلمین کو اپنے جال میں اچھی طرح پھانس لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصل اسلام پر دبیز پردے ڈال دیئے گئے اور اسلام کے نام پر "**مقتدرہ**" کے ایجنٹوں نے یا مُلّاؤں نے اپنا خود ساختہ مذہب کتابوں میں اور زبانی بھی ہمارے سامنے پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شریعت و حدود کو انہوں نے اپنی مرضی اور قیاس / ظن سے بدلا اور اس کو شریعت کا نام دیا۔ حد تو یہ ہے کہ جناب مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) نے اپنے قرآن مجید کے ترجمہ تک میں الکتاب یا کتاب کا ترجمہ شریعت کر کے یہ ثابت کیا کہ فقہ یا (نام نہاد) حدیث جو کہتی ہے وہ شریعت ہے۔ اسی طرح شیعہ یا امامیوں نے نہ صرف شریعت الٰہی کو بدلا یا معطل کیا بلکہ قرآن کو بھی بدل دیا۔ چنانچہ، دیکھئے انہی کے ایک محقق، ڈاکٹر زاہد علی (سابق پروفیسر عربی و وائس پرنسپل، نظام کالج، حیدر آباد، دکن) نے اپنی تحقیقی کتاب "ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" میں سارا بھانڈا پھوڑ دیا۔ وہ اپنے مقدمہ ب میں تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں:

"ان کی ابتدائی بناء اس اصول پر ہے کہ آنحضرتؐ نے ظاہری شریعت وضع فرمائی (غور کیجئے یہ بھی شریعت کو اللہ کی طرف سے (شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ ۔ ۱۳ /۴۲) نہیں مانتے بلکہ آنحضرت کی وضع کردہ مانتے ہیں۔ صدیق) اور مولانا علیؓ نے اس کے باطن یعنی تاویل کی تعلیم شروع کی (غور کیجئے کہ کیا حضرت علیؓ کو اتنا وقت ملتا تھا؟ یا پھر وہ جن باغیوں میں گھرے ہوئے تھے ان کے کہنے پر تاویلِ قرآن یا تاویل شریعتِ الٰہی کرتے تھے؟؟ صدیق)۔ آپ کے بعد چھ۶ اماموں نے باطنی تعلیم کی تکمیل کی (مگر کسی کی کوئی اصل کتاب موجود نہیں۔ صدیق) اور ساتویں امام (مولانا محمد اسمٰعیل) نے شریعتِ محمدؐیہ کے ظاہر کو معطل کر دیا۔ آپ کی نسل سے جو ائمہ ہوئے اور قیامت تک ہوں گے، وہ سب خلفائے قائم ہیں۔ ان میں سے اگر کسی خلیفہ کو موقعہ ملے (یعنی امامِ قائم کے اختیار میں کچھ نہیں وہ موقعہ کی تلاش میں رہتا ہے۔ صدیق) تو وہ قائم کی حیثیت سے ظہور فرمائیں گے اور تاویل، یعنی علمِ باطن ظاہر کر کے تمام دنیا کو اسماعیلی مذہب کا پیرو بنائیں گے .... اسماعیلی تعلیم کی بڑی خصوصیت رازداری اور پوشیدگی ہے۔ سیاسی مصلحتوں اور ملکی اغراض کے باعث ہم اپنے اصل عقیدے، اپنی دعوت کے بڑے بڑے ارکان کو سوا کسی دوسرے کو نہیں بتاتے تھے۔ کیونکہ ہماری عام رعایا کا مذہب سنّی تھا۔ اس لئے ہم نے عام لوگوں کو جو تعلیم دی وہ اس تعلیم سے بالکل الگ تھی جو خاص خاص ارکانِ دعوت کو دی جاتی تھی۔ بلکہ خود اسماعیلیوں میں بھی مستجیبوں، یعنی ابتدائی مدارج کے مومنین کو وہ بھید نہیں بتائے جاتے تھے جو بالغوں کو بتائے جاتے تھے۔" ان کے عقائد کے متعلق لکھا ہے کہ: امام کو رفعِ شریعت یعنی شریعت اُٹھا دینے کا حق حاصل ہے۔ وہ جب چاہے شریعت اُٹھا سکتا ہے اور جب چاہے جاری کر سکتا ہے (یہ گڑیا گڈے کا کھیل ہے۔ صدیق) قرآن کریم کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اصلی تورات اور انجیل کو چھوڑ کر اپنی رائے اور قیاس

سے علیحدہ کتابیں جمع کر لیں (یعنی: تالمود، مثناہ اور ہگاڈہ۔ صدیق) مسلمانوں نے بھی اسی طرح کیا (صحاح ستہ اور پھر اس کی شرحیں فتح الباری، فتح القدیر............... وغیر ہم۔ صدیق)۔ رسولِ خدا نے کلام اللہ جمع کر کے (انہوں نے مان لیا کہ رسول نے ہی قرآن جمع کیا۔ جبکہ مُلّا یہ حقیقت نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ رسول تو قرآن منتشر حالت میں پتھروں، کھجور کے پتوں اور ہڈیوں وغیرہ پر تحریر شدہ چھوڑ کر چلے گئے۔ معاذ اللہ۔ صدیق) اسے اپنے اصحاب کے سامنے اپنے وصی کے سپرد فرمایا۔ یہ لوگ اس سے بے پرواہ ہو گئے اور اپنی رائے اور قیاس سے ایک الگ قرآن جمع کیا۔ اس کے بعد خلیفہ ثالث نے شیخین کا جمع کیا ہوا نسخہ جلا ڈالا اور ایک دوسرا نسخہ تیار کیا۔ (غور کیجئے: سُنی مُلّاؤں کا عقیدہ بھی اس سے ملتا جلتا ہی ہے کہ خلیفہ ثالث نے حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ اصل نسخہ جلا دیا جبکہ زیدؓ وغیرہ کے ذریعہ قرآن جمع کر کے اس کی کاپیاں مختلف صوبوں کے دار الحکومتوں کو بھجوا دیں۔ مگر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اس میں بھی غلطیاں رہ گئی ہیں مگر کوئی بات نہیں عرب ان کو خود صحیح کر لیں گے۔ صدیق) پھر حجاج آیا اور اس نے خلیفہ مذکور کے نسخے کو لے کر آگ میں جھونک دیا۔ (سنی ملاؤں کا عقیدہ ہے کہ حجاج نے اس ناقص یا نامکمل قرآن پر نقطے و اعراب و وقوف وغیرہ لگوائے۔ صدیق) اس کے بعد اس نے جو چاہا نکال دیا اور ایسی کتاب تالیف کی جو اب اُن کے پاس موجود ہے" (مقدمہ)

یہاں یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ اسماعیلی امامی، قرآن کریم کو تحریف شدہ اور نامکمل یا ناقص کتاب مانتے ہیں۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس کتاب کی آیات کی تاویل کرتے ہیں؟ وہ اور دیگر شیعہ بھی یہ مانتے ہیں کہ اصل قرآن تو حضرت علیؓ کے پاس تھا ان کے بعد وہ ان کے ائمہ کے پاس ہے اور اسے قائم القیامہ ہی کھولیں گے۔ تو پھر اسماعیلیوں کے موجودہ امام، پرنس کریم، آج کل قرآن کریم کی جو سورتیں بہت خوبصورت فرانس سے چھپوا کر شائع کر رہے ہیں وہ کونسا قرآن ہے؟ جبکہ شیعہ حضرات جو قرآن کریم اپنے پاس رکھتے ہیں وہ کونسا ہے؟ کیا وہ تحریف شدہ ہے یا نہیں؟ یا کیا اُس زمانہ میں (دَورِ امام میں یا دَورِ عباسی میں) **مقتدرہ** کی مدد سے انہوں نے قرآن کریم میں تحریف کی تھی یا نہیں؟ ان کی تحریف کی زندہ مثال ملاحظہ ہو: ان کی امامی احادیث کی سب سے معتبر و مستند اور صحیح مانی جانے والی کتاب اصول الکافی میں درج ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے آیت پڑھی:

(۱)۔۔۔ "وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَ لَا مُحَدَّثٍ (۲۲/۵۲)"

جبکہ مروّجہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں "وَ لَا مُحَدَّثٍ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ کیا اس کے یہ معنٰی نہیں کہ امام صاحب نے اصل قرآن کریم کی آیت میں تحریف کر دی؟ یا پھر امام صاحب جو کہ ۱۱۷ھ میں فوت ہو چکے تھے کے بعد ان کی حدیث لکھنے والے امام کلینی (۲۵۰۔۳۲۹ھ) نے، امام صاحب کی وفات کے تقریباً دو سو (۲۰۰) سال بعد تحریف کر کے، تحریف امام صاحب کی طرف منسوب کر دی۔ یا پھر ان کے راوی زرارہؒ نے یہ حرکت کی جو امام کلینی کی طرح یقیناً پارسی النسل ہی تھا۔ آگے دیکھئے امام جعفر صادق نے ایک آیت کے بارے میں فرمایا کہ آیت:

(۲)۔۔۔ "وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (۲۰/۱۱۵)"، اس طرح سے محمدؐ پر نازل

ہوئی تھی:

لَقَدْ عَهِدنَا اِلٰٓی اٰدَمَ مِن قَبلُ فِی مُحمد و عَلِیٌّ و فَاطِمَه و الحَسنَ وَالحُسین وَالائِمه عَلیهِم السلام مِن ذُرّ ،یَتَهُم فَنَسِیَ ۔(شافی صفحہ ۵۱۳)

.(۳)۔... ایک اور آیت کریمہ "فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۲۹/۶۷)"

ترجمہ: اور تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا (ہم میں اور تم میں) صریح گمراہی میں کون تھا؟ کے متعلق امام جعفر صادق نے فرمایا "عنقریب تم جان لوگے کہ کھلی ہوئی گمراہی میں کون ہے۔ اے جھوٹوں کے گروہ، تم کو میں نے ولایت علی کی اپنے بعد آنے کی خبر دی تھی۔ اب کھلی گمراہی میں کون ہے" (شافی، جلد دوم صفحہ ۴۵۳۔ کتاب الحجۃ)

.(۴)۔... امام جعفر صادق نے ایک اور آیت ۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ (۱۔۲ /۷۰)" ...... ترجمہ: ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو واقع ہو کر رہے گا○ کافروں سے اس کا کوئی دُور کرنے والا نہیں○ کے بارے میں فرمایا کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی کہ "جب ایک سائل نے سوال کیا ایسے عذاب کا جو واقع ہونے والا تھا ولایت علیؓ کے منکروں پر اور جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں تھا۔ امام نے فرمایا، واللہ! رسول پر یہ آیت اس طرح یعنی بولایت علیؓ کے ساتھ نازل ہوئی تھی"[۱] (شافی جلد دوم ۴۵۲ کتاب الحجۃ)

غور فرمایئے! اور بہت ہی سنجیدگی سے غور فرمایئے کہ قرآن کریم میں تحریف کرنے والے، ردّوبدل یا کمی بیشی کرنے والے اوّلین محرّفین کون تھے؟ کیا (نام نہاد) امامی احادیث کے مطابق یہ شیعوں کے محترم امام صاحبان نہیں تھے؟ یا پھر یہ امامی محدثین؟ جو کہ سب کے سب پارسی النسل اور یقیناً مجوسی النسل یا یہودی النسل چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کی پیداوار تھے اور امام جعفر صادق کے تقریباً کم از کم ۱۸۰ سال بعد سے ۳۱۰ سال بعد کی پیداوار ہیں۔ آیئے اس جال کی تفصیل بھی ملاحظہ کرتے چلیئے:

امام	شیعہ محدثین ومفسرین
(۱)۔ حضرت علیؓ............ (م ۴۰ سنہ ھ) (۲)۔ حضرت حسنؓ............ (م ۴۹ سنہ ھ) (۳)۔ حضرت حسینؓ............ (م ۶۱ سنہ ھ) (۴)۔ حضرت زین العابدینؒ............ (م ۹۵ سنہ ھ) (۵)۔ حضرت باقرؒ............ (م ۱۱۷ سنہ ھ) (۶)۔ حضرت جعفر صادقؒ............ (م ۱۴۸ سنہ ھ) (۷)۔ حضرت موسیٰ کاظمؒ............ (م ۱۸۲ سنہ ھ) (۸)۔ حضرت علی رضاؒ............ (م ۲۰۸ سنہ ھ) (۹)۔ حضرت محمد جواد تقیؒ............ (م ۲۲۰ سنہ ھ)	(۱)۔ محمد یعقوب بن اسحاق کلینی ، الرازی ، السلسلی ، البغدادی، ابو جعفر الاعور۔ (۲۵۰ تا ۳۲۹ یا ۳۳۰ سنہ ھ) پیدائش مقام رَے۔ (موجودہ تہران) مصنف : الاصول الکافی۔ (تقریباً سترہ ہزار ۱۶۰۹۹ روایات اس کتاب میں لکھیں) حضرت جعفر صادق کے تقریباً ۱۸۰ سال بعد (۲) شیخ صدوق ابو جعفر محمد ابن علی ابن بابویہ القمی (۳۰۸ تا ۳۸۱ سنہ ھ) مصنف: من لایحضرہ الفقیہ ۔ یعنی حضرت جعفر

[۱]۔ شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد" ص ۴۵۔۴۶ اور ۵۳۔۵۴

(۱۰)۔ حضرت علی ہادیؒ (نقی)........... (م ۲۵۴ھ)

(۱۱)۔ حضرت حسن عسکریؒ.......... (م ۲۶۰ھ)

(۱۲)۔ حضرت محمد .... (غائب) فی الغار۔ سامرّہ آ (بغداد) (۲۶۰ھ)

صادقؒ کے تقریباً ۲۳۰ سال بعد (تقریباً نو ہزار (۹۰۴۴) روایات اس کتاب میں لکھیں)

(۳) ابو جعفر محمد بن حسن بن علی بن حسن بن علی طوسی' نجفی، خراسانی مصنف: تہذیب الاحکام (۱۳۵۹۰ روایات) اور الاستبصار فیما اختلف من الاخبار (۵۸۱۱ روایات) (۳۸۵ تا ۴۶۰ھ) یعنی حضرت جعفر صادقؒ کے تقریباً ۳۱۰ سال بعد (کل روایات ۴۴۵۴۴)

(۴) ابن جریر طبری (محمد جریر بن رستم، طبرستان کے قصبہ آمل میں پیدا ہوئے) مصنف: تفسیر طبری اور تہذیب الآثار وغیرہ اور تاریخ طبری (۲۲۴ ۔ ۳۱۰ھ) یعنی حضرت جعفر صادق کے ۱۶۲ سال بعد۔

(۵) شریف مرتضی ۔ فکر اعتزال پر تھے۔ ۳۵۵۔ ۴۲۶ھ مصنف نہج البلاغہ (منسوب الی حضرت علیؓ) حضرت جعفر صادق کے ۲۸۸ سال بعد

غور کیجئے کیا اس جال میں اور پچھلے جال میں کوئی فرق ہے؟ میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ **مقتدرہ** کے ایجنٹ سینوں اور شیعوں دونوں ہی کو بیوقوف بنا کر اپنا مشن، کہ قرآن سے دُور کر کے دوسرے علوم و فنون اور عقائد میں پھنسا دو، پورا کرتے رہے اور اس میں وہ بہت کامیاب بھی رہے۔ اور غیر قرآن یعنی (نام نہاد) حدیث و فقہ میں ایسا دھنسایا کہ اس سے باہر نکلنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ غیر قرآنی ذہن پرستی کا ایک تازہ نمونہ، تقریباً پچاس سال پہلے کا (۱۹۶۲ء) دیکھئے چلئے۔ حضرت ادیبِ اعظم، ماؤلانہ سید ظفر حسن صاحب امروہوی، "الاصول الکافی" کے اُردو ترجمہ بنام "کتاب الشافی" جلد اوّل کے مقدمہ صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں:

"مگر افسوس ہے کہ بایں ہمہ' مسلمانوں میں ہمیشہ سے ایک ایسا گروہ بھی موجود رہا ہے جو نہ صرف یہ کہ حدیث کی افادیت کا منکر ہے بلکہ وہ یہ کہتا ہے۔ ایں دفتر بے معنیٰ' غرقِ مے ناب اولیٰ........... اس فتنہ کا حجرِ اساس تو پیغمبرِ اسلام کے آخری لمحاتِ حیات میں آنجنابؐ کے مطالبۂ قلم و دوات کے جواب میں حَسْبُنَا کِتٰبُ اللّٰہ (بخاری شریف) کہہ کر رکھ دیا گیا تھا اور انہی حَسْبُنَا کِتٰبُ اللّٰہ کے قائل کے دورِ خلافت میں حدیث بیان کرنے والوں کو دُرّے لگتے۔ (الفاروق، شبلی نعمانی) یہ نظریۂ فاسدہ' اسلام کے مختلف ادوار سے گزر کر، مولوی چکڑالوی اور مسٹر پرویز کے وقت خوب برگ و بار لے آیا۔ اب جب کہ وہ اپنے اصلی رنگ و روپ اور حقیقی خدوخال کے ساتھ منظرِ عام پر ظاہر ہوا ہے تو حَسْبُنَا کِتٰبُ اللّٰہ کے قائل بھی چلا

اُٹھے ہیں اور اس خیال کے ابطال پر متعدّد کتب و رسائل لکھ ڈالے ہیں (مگر افسوس کہ انہوں نے ایک کا بھی نام نہیں دیا۔ صدیق)، مگر ان حضرات کو کون سمجھائے کہ............ اے بادِ صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست"

غور کیجئے کہ موصوف:

.(۱)۔... حدیثی ذہن پرستی اور کتاب اللہ سے دشمنی میں کس قدر دھنسے ہوئے ہیں کہ سوچنے سمجھنے اور قرآن کریم کے مطالعہ تک سے محروم ہو گئے ہیں۔ اگر وہ قرآن کریم کا مطالعہ کرتے تو کبھی ایسی لچر بات نہ کہتے! ہم تو پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور پھر عرض کئے دیتے ہیں کہ یہ روایت پوری کی پوری صحیح نہیں بلکہ سو فیصد گھڑی ہوئی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ **حَسْبُنَا كِتٰبُ اللهِ** صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی قول مبارک نہیں۔ بلکہ یہ تو تمام صحابہ رضوان اللہِ الاجمعین کا اور خود رسول اللہ سلامٌ علیہ کا قول مبارک ہے (یعنی صحیح حدیث ہے) اس وقت کا جب اللہ رب العزت نے ان سے سوال کیا تھا کہ: " اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ؟(۲۹/۵۱)"

ترجمہ: "اور (اے رسول) کیا اِن کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اپنی الکتاب نازل کر دی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے" (**الکتٰب** پڑھ کر سنائی جا رہی ہے نام نہاد حدیث نہیں)۔ تو یقیناً تمام مومنین کا یہی جواب تھا کہ " **حَسْبُنَا كِتٰبُ الله** "۔ یعنی ہمارے لئے کتاب اللہ ہی کافی ہے۔ ہمیں کتاب اللہ کے علاوہ کسی اور غیر کتاب اللہ، کتاب کی ضرورت نہیں۔

.(۲)۔... مان لیا کہ "مسلمانوں میں ہمیشہ سے ایک ایسا گروہ بھی موجود رہا ہے جو نہ صرف یہ کہ حدیث کی افادیت کا منکر ہے بلکہ وہ یہ کہتا ہے۔ ایں دفترِ بے معنی، غرقِ مے ناب اولیٰ" درایں چہ شک است۔ ہم بھی تو یہی کہتے رہے ہیں کہ **حسبنا کتاب الله** کہنے اور ماننے والے مسلمین و مومنین اہلِ قرآن ہمیشہ رہے ہیں جبکہ منکرین قرآن یعنی اہلحدیث "**مقتدرہ**" کی کاوشوں سے وجود میں آئے۔ اور فرقہ کی حیثیت سے تو صرف انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں انگریز بہادر کی مہربانیوں سے منصّۂ شہود پر آئے۔ اور آج دعویٰ کرتے ہیں کہ سنی سنائی گھڑی گھڑائی، "**مقتدرہ**" کے ایجنٹوں کی تحریر کی ہوئی (نام نہاد) احادیث بھی قرآن کریم کی طرح وحی ہوتی تھیں۔ انہیں اگر شرم نہ آئے تو کم از کم آنکھیں اور دماغ کھول کر سوچیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بھی ایسی کوئی بات فرمائی ہے؟؟ کیا وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و کِذب افتراء نہیں کر رہے؟ کیا انہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و کذب افتراء کرنے کی سزا معلوم نہیں؟ اگر معلوم نہیں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں آیات، ذرا غور سے، ملاحظہ کریں: ۱۰/۱۷ ، ۶۹ ، ۱۰/۷۰ ، ۱۱/۱۸ ، ۲۹/۶۸ ، ۳۹/۳۲ ، ۳۹/۵۹ وغیر ہم۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سب سے پہلے ظالم کہا ہے۔ کفر کرنے والے کہا ہے اور فلاح نہ پانے والے کہا ہے۔ اس لئے ان کو عبرت پکڑنا چاہئے۔

.(۳)۔... حضرت ادیب اعظم امروہوی صاحب کا ارشاد کہ یہ نظریۂ فاسدہ، اسلام کے مختلف ادوار سے گزر کر مولوی چکڑالوی اور مسٹر پرویز کے وقت خوب برگ و بار لے آیا تو یہ تو، انگریز کی مہربانی یعنی فرقۂ اہلحدیث اور "**مقتدرہ**" کی مہربانی یعنی فرقۂ شیعہ کی کارستانیوں کا ردّ عمل تھا جو کہ پورے کے پورے برصغیر ہند و پاک کو منکرِ قرآن یعنی اہل حدیث اور شیعہ بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اگر اس نازک وقت میں سر سید احمد خان صاحب، چکڑالوی صاحب اور

پرویز صاحب وغیرہ، اللہ کے شیر، نہ کھڑے ہوئے ہوتے تو برصغیر ہند وپاک منکرِ قرآن ہو گیا ہوتا (جبکہ قرآن کریم کو مہجور تو مُلّاؤں نے پہلے ہی کر دیا ہوا تھا کہ: قرآن تو جب تک سمجھ نہیں آسکتا جب تک اٹھارہ علوم نہ حاصل کر لو وغیرہ وغیرہ) یا شیعہ بن کر دشمن قرآن وصحابہؓ ہو گیا ہوتا، یا ختم نبوت کا انکار کر کے قادیانی ہو گیا ہوتا، یا صوفی بن کر شریعت الٰہی ہی کا عملی طور پر انکاری ہو گیا ہوتا۔ اگر کسی کو میرے اخذ کردہ نتیجہ میں شک وشبہ ہو تو وہ "صدیقی ٹرسٹ" کے پمفلٹ "عیسائیت کی خفیہ سرنگ" (جو کہ مختلف اداروں سے مختلف ناموں سے بھی شائع ہوا ہے مثلاً جنگل کی حویلی، وغیرہ) کا بغور مطالعہ کریں جو میں آخر میں ضمیمہ کے طور پر شائع کروا رہا ہوں۔ مزید وہ اسی "صدیقی ٹرسٹ" کے دوسرے پمفلٹ "اسلامیات کا یہودی پروفیسر" ضمیمہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ برصغیر میں کون لوگ اسلامیات پڑھا رہے تھے اور کون ان کو انٹرویو کر کے منتخب کر رہے تھے اس طرح انگریز کی مذہبی محاذ پر سازش پوری طرح بے نقاب ہو جائے گی۔ مزید عرض کرتا چلوں کہ یہ صرف یہود ونصاریٰ ہی نہیں تھے جو برصغیر میں اسلامیات پڑھا رہے تھے بلکہ وہ دیگر دینی حلقوں، حتیٰ کہ مسجدوں ومدرسوں تک میں، پوری طرح شامل اور متحرک تھے اور اسی طرح ان کے پروردہ شیعہ علماء بھی تقیہ کر کر کے شریک کار تھے اور انہیں کوئی نہیں پہچانتا تھا اور نہ اب پہچانتا ہے۔ موجودہ ایران میں (جو کہ پرانے پارس یا فارس ہی کا تسلسل ہے) خمینی صاحب کے خروج یا نام نہاد انقلاب کے بعد اس کارستانی میں اور تیزی آگئی ہے۔ اور ایران سے تمام بہائی اور بہت سے شیعہ علماء تقیہ کر کے اور وہاں سے پڑھ پڑھ کر مملکت پاکستان میں آرہے ہیں اور اس کو شیعہ اسٹیٹ بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ جبکہ ایران میں اب سُنیوں کی ایک بھی مسجد نہیں ہے حتیٰ کہ انہیں جمعہ یا عیدین کی نماز بھی' اپنے طریقہ سے، الگ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ ہی وہاں کے مختلف شہروں میں پاکستان کے قونصلیٹ یا اردو پڑھانے کیلئے ادارے قائم ہیں نہ ہی اس کی اجازت ہے۔ جب کہ پاکستان کی باکمال حکومتوں کے دَور میں ان کے ہر بڑے شہر میں قونصلیٹ اور فارسی پڑھانے کے ادارے قائم ہیں جہاں سے وہ دیگر کاروائیاں بھی کرتے کراتے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ایک ٹی وی پروگرام میں ایک ریٹائرڈ جنرل کے منہ سے (اگست ۲۰۱۵ء) نکل گئی۔ اب یقیناً ان کا ٹی وی پر آنا بند کر دیا جائے گا۔ مگر افسوس کہ اس قوم اور حکومت کو ہوش نہیں وہ ایران کو دوست سمجھ کر ان کے لئے مرے جاتے ہیں اور سعودی عرب کو بُرا کہتے ہیں!

(۴)۔۔۔۔ جہاں تک ادیب اعظم امروہوی صاحب کا یہ فرمانا ہے کہ: "(نظریۂ فاسدہ) اب جبکہ وہ اپنے اصلی رنگ و روپ اور حقیقی خدوخال کے ساتھ منظر عام پر ظاہر ہوا ہے تو حَسْبُنَا كِتٰبُ اللهِ کے قائل بھی چلا اُٹھے ہیں اور اس خیال کے ابطال پر متعدّد کتب ورسائل لکھ ڈالے ہیں" یہ بھی بالکل غلط ہے۔ یونکہ یہ نظریہ' اصلی رنگ وروپ اور حقیقی خدوخال کے ساتھ، منظر عام پر' تو محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی کے دَور مبارک میں، انہی کی موجودگی میں، انہی کے سامنے آگیا تھا۔ اور صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نہیں تمام صحابہؓ اور خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس کی حامی بھر لی تھی۔ (اگر **مقتدرہ** کے ایجنٹوں کی گھڑی ہوئی روایت کو مان لیا جائے تو بھی تو تمام موجود صحابہؓ کی خاموشی کیا اس نظریہ کی حامی نہیں تھی؟ جبکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی اس پر خاموشی اختیار کی تھی اور نہ قولِ عمرؓ کی مخالفت کی نہ اس کا ردّ کیا۔ ہاں آپ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ روایت گھڑنے والے سے چُوک ہو گئی!)۔ حَسْبُنَا كِتٰبُ اللهِ کہنے والے اور

ماننے والے قائل اب نہیں چلّا رہے ہیں بلکہ وہ تو رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی کے دور سے، ہمیشہ سے یہی چلّا رہے ہیں۔ اب یہ کہئے کہ اس دَور میں اس نظریہ کو قوت ملی ہے۔ اور لوگوں نے سوچنا سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ اور اس نظریہ کے کسی فرد نے اس خیال پر کوئی کتاب، کوئی پمفلٹ یا کوئی مضمون ابطال میں نہیں لکھا ہے، یہ محض آپ کی کور چشمی ہے ورنہ آپ کسی ایک ہی ایسے شخص کا نام بتا دیتے۔ ہاں ہم، اپنے قارئین کی اطلاع کیلئے، ایک ایسا نام بتا دیتے ہیں جنہوں نے اس نظریہ کا ابطال کیا ہے۔ اور وہ ہیں، حدیثی ذہن پرستی میں غرقاب، محترم جناب مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)۔ انہوں نے بھی علیحدہ سے کوئی کتاب یا پمفلٹ یا مضمون نہیں لکھا بلکہ اپنی ایک کتاب ہی میں کچھ لکھا ہے۔ محترم ادیب اعظم امروہوی صاحب کی نظر میں شاید وہی آیا ہو گا تو انہوں نے، **مقتدرہ** کے ایجنٹوں کی عادت کے مطابق، بات کا بتنگڑ گھڑ دیا۔

پیچھے ہم آپ کو چند مثالیں دے کر یہ بتا چکے کہ قرآن کریم میں ردّ و بدل، کمی بیشی یا تحریف کرنے والے، **مقتدرہ** کے ایجنٹ تھے، جو شیعہ امام یا شیعہ راوی یا شیعہ محدث بنے ہوئے تھے۔ ان سے بھی پہلے چند اور شیعہ محدث حضرات، **مقتدرہ** کے اشاروں پر، قراءت کے نام پر، قرآن کریم کی مختلف قراءتیں بناتے رہے اور اس طرح تحریف قرآن کرنے والوں کے سرخیل بن گئے:

اختلاف قراءات کا پہلا مصنف شیعی محدث "ابان بن تغلب" (متوفی ۱۴۱ھ، ۷۵۸ء)

دوسرا شیعی محدث استاد فراد کسائی، حمزہ بن حبیب زیات کوفی (متوفی ۱۵۷ھ، ۷۷۳ء)

تیسرا شیعی محدث محمد بن حسن ابن ابی سارہ عرف ابو جعفر رواسی کوفی (متوفی ۱۸۰ھ، ۷۹۶ء)

چوتھا شیعی محدث سعد بن ابو جعفر بن محمد بن سعدان عرف ضریر (متوفی ۲۳۱ھ، ۸۴۵ء)

پانچواں شیعی محدث ابی عبد اللہ احمد بن محمد السیاری (متوفی ۲۶۸ھ، ۸۸۱ء)

انہی محرّفین کے ساتھی تھے یا انہی کے آدمی تھے جو مختلف قراءات کے قُرّاء بنا کر مشہور کئے گئے۔ پھر چوتھی صدی میں ابن مجاہد نے ان قراءات کو یکجا کیا۔ سات قراءات زبانی زبانی مختلف لہجات میں پڑھی جاتی رہیں اور کسی میں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ ان کو قرآن بنا کر علیحدہ علیحدہ قراءتوں کے نسخے شائع کروا دے۔ البتہ انگریز کے دَور سے برصغیر میں بعض قرآن کریم کے حاشیوں میں بعض قراءتی اختلافات لکھے جانے لگے اور شاید اس کی ابتداء بھی شیعہ حضرات ہی نے کی (مثلاً ترجمہ مقبول احمد صاحب) کہ حاشیہ میں لکھا کہ "حضرت عباسؓ نے اس آیت کو اس طرح پڑھا اور حضرت جعفر صادق نے اس آیت کو اس طرح پڑھا اور فرمایا......... یعنی اس کی تاویل بھی کر دی۔ وغیرہ وغیرہ۔ انگریز نے جب دیکھا کہ اس حرکت پر عوام الناس کا کوئی ردّ عمل نہیں آیا تو انہوں نے اہل حدیثوں کو بھی آگے بڑھایا اور انہوں نے بھی بہت سے نسخوں میں یہ شیطانی عمل شروع کر دیا۔ اور جب بھی کوئی رد عمل نہیں ہوا تو مملکت اسلامی پاکستان میں انہوں نے بہت سی قراءتیں یکجا کر کے ایک ہی قرآنی نسخہ میں قراءت اکیڈمی، لاہور سے ' "القران الکریم، القراءات العشر المتواترہ" فکر علوی بن محمد بن احمد بلفقیہ، کے نام سے شائع کرا دیا جس میں صفحہ پر قرآن کریم کی آیات چھوٹے سے باکس میں لکھ کر، باقی صفحہ پر بطور حاشیہ مختلف قراءات لکھ دی ہیں۔ اسی طرح سے قراء کی مدد کے نام پر

اس طرح کے غالباً کئی نسخے بازار میں عام مل جاتے ہیں۔ ان سب کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر تاریخ طباعت نہیں لکھی جاتی تاکہ قارئین دھوکہ ہی میں رہیں! اور بہانہ یہ بنایا / حیلہ یہ کیا کہ یہ نسخہ قرّاء کی رہنمائی اور یادداشت کے لئے شائع کرایا گیا ہے (کیا قراء کیلئے یہ کافی نہ تھا؟) بس پھر کیا تھا، جب اس پر بھی عوامی یا ملّاؤں کا ردِ عمل نہیں ہوا تو انہیں مکمل آزادی مل گئی۔ اہل قرآن کے ایک آدھ ادارہ نے اس حرکت کے یا سبعہ یا عشرہ قراءات کے خلاف لکھا تو وہ آٹے میں نمک کے برابر رہا............ حتیٰ کہ نئی صدی ہجری و عیسوی میں ' **روپڑی** ملاؤں نے، جو کہ قرآن دشمنی میں برصغیر میں پہلے ہی پچھلی صدی میں بدنام ہو چکے تھے، اپنا نسب بدل کر، روپڑی سے مدنی بن کر، "**مقتدرہ**" کے اس مشن کا بھی بیڑا اُٹھایا (کہ ایک قرآن کریم کے بہت سے قرآن بناڈالو (تاکہ کوئی متعدّد انجیلوں (Bible) کی طرح یہ سوال نہ کر سکے کہ کونسی انجیل؟) کہ پہلے تو مدینۃ النبی سے تین مزید قراءتوں کے علیحدہ علیحدہ نسخے طبع کروائے (جبکہ ایک اصل نسخہ تو امت کے پاس صدیوں سے موجود ہی تھا) اس طرح اب منصّۂ شہود پر قرآن کی مختلف قراءتوں کے چار نسخے آ گئے۔ (اور کمپیوٹر کی دنیا میں یہ سوال آ گیا کہ کونسا قرآن؟ Which Quran?) اور پھر ان کے ساتھیوں نے مزید سولہ [۱۶] نسخوں کے مسودات تیار کر لئے ہوئے ہیں جن کو وہ کویت وغیرہ سے طبع کرانے کے لئے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ اس طرح "**مقتدرہ**" کا مشن، ایک کے بیس ۲۰ قرآن، پورا ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد یہ اس کے اسّی ۸۰ قرآن بنانے کی تیاری میں لگ جائیں گے تاکہ قرآن کا قصہ ہی ختم ہو جائے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ نے فرمادیا ہوا ہے کہ:

(۱)۔ ترجمہ: "خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے الکتاب لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں (یعنی یہ سبعہ قراءات یا عشرہ قراءات اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کو روپڑی / مدنی ملاؤں کی جامعہ کے فاضل لکھ رہے ہیں) تاکہ ان کے ذریعہ تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں (خبردار!) جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اس کی وجہ سے ان کے لئے بڑی خرابی ہے اور جو کچھ وہ کماتے ہیں (ڈالر یا ریال) اس کی وجہ سے بھی ان کے لئے بڑی خرابی ہے" (۲/۷۹)۔

(۲)۔ ترجمہ: "اور بے شک ان میں ایسے بھی لوگ ہیں جو (اللہ) کی الکتٰب کو پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو اس طرح موڑتے ہیں (جس کو وہ قراءات میں سے ایک قراءت کہتے ہیں) کہ تم یہ سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ الکتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ حالانکہ وہ الکتاب (جو کہ ایک ہی ہے) میں (لکھا ہوا) نہیں ہوتا اور وہ کہتے ہیں کہ (جو کچھ) وہ (پڑھ رہے ہیں) اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) نہیں ہوتا، الغرض وہ جان بوجھ کر اللہ پر افتراء کرتے ہیں" (۳/۷۸)

اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے کی سزا ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ وہ ظالم، کفر کرنے والے فلاح نہیں پائیں گے۔ جبکہ انہی کی سنی سنائی اور گھڑی گھڑائی (نام نہاد) حدیث میں رسولؐ پر بھی افتراء کرنے کی سزا موجود ہے جو ہم اپنی اسی کتاب میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس لئے انہیں یہ گھڑنت نہیں بیان کرنا چاہئے کہ رسول نے فرمایا: "مجھ پر سبعہ (یا عشرہ) قراءات

قرآن نازل ہوئیں" جبکہ اس کے معنی بالکل واضح ہیں کہ رسول پر سبعہ یا عشرہ قرآن نازل ہوئے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اس کو صیغہ واحد میں الکتٰب یا القراٰن فرمارہاہے۔ الفرقان فرمارہاہے۔ کتٰب فرمارہاہے۔ کُتُبٌ نہیں۔

ایک اور آیت کریمہ ہمارے آج کے روپڑی / مدنی ملاؤں پر بالکل فِٹ بیٹھتی ہے کہ:

ترجمہ: "ان کے عہد و پیمان کے توڑ دینے کی وجہ سے (کہ انہوں نے اللہ کی الکتاب میں تحریف کی) ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت (منحرف) پایا۔ یہ لوگ (اللہ کے) کلمات کو ان کے (اصلی) موقعہ و محل سے ہٹادیا کرتے ہیں (الفاظ کارڈو بدل کر دیتے ہیں، الفاظ آگے پیچھے کر دیتے ہیں، الفاظ گھٹابڑھا دیتے ہیں، ان کے اعراب بدل کر معنٰی بدل دیتے ہیں، غرضیکہ قراءات عشرہ کے سارے حیلے آزما لیتے ہیں) اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، انہوں نے ان باتوں کو بھلادیا تھا۔ اور (اے رسول) ان میں سے چند لوگوں کے علاوہ اکثر لوگوں کی خیانت کی خبر آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گی (کہ وہ اپنی مرضی و اختیار سے القرآن میں قراءات کے نام پر تبدیلیاں و تحریفات کرتے رہیں گے) لیکن آپ (فی الحال) ان کو معاف فرماتے رہیں اور درگذر فرما کر (ان سے اعتزال کریں۔ ان سے علیحدہ رہیں) بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔ (۵/۱۳)

اولوالباب سے میری گزارش ہے کہ ان ملاؤں سے جو تحریفِ قرآنی کے مرتکب ہوئے ہیں' اور اس پر مُصر ہیں۔ اعتزال کریں۔ ان سے علیحدہ رہیں۔ اور شیطٰن سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○ (۹۷-۹۸/۲۳)

خلاصۃ الکتاب

دورِ نبوی:

رسالتماب سلامٌ علیہ کے دَور ہی میں یہود و منافق، رسول و قرآن کریم یعنی اسلام کے خلاف پوری طرح سے مخاصمت و دشمنی میں مختلف چالیں چلتے رہتے تھے اور مشرکین کو بھی جنگ یا بغاوت کیلئے بھڑکاتے رہتے تھے۔ نیز قرآن کریم کے خلاف بھی مختلف حیلوں، بہانوں سے اسے بدلوانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے کہ اس القرآن کے علاوہ رسول سے کچھ اور لکھوالیں۔ مگر رسول اللہ سلامٌ علیہ القرآن کے علاوہ اپنے ارشادات یا اور کوئی باتیں لکھوانے کے لئے راضی نہیں ہوتے تھے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے خود دشمنانِ قرآن کو چیلنج کر دیا کہ اگر تم اس جیسی ایک بھی سورۃ لکھ سکتے ہو تو گھڑ کر لے آؤ (۲/۲۳) مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو مختلف مواقع پر ظاہر بھی کر دیا (۱۶۶، ۱۶۷ /۳، ۱۷۹ /۳، ۸۶ /۹، ۹۳ /۹، ۹۷ /۹، ۱۰۱ /۹، ۱۰۷ /۹، ۹۵ /۹، ۳۰ /۴۷) اور مومنین کو حکم دے دیا کہ القرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھیں (۵۷-۵۸ /۱۰) اس حکم کے تحت رسول سلامٌ علیہ نے تمام صحابہؓ کو القرآن کے علاوہ رسول سے کچھ اور لکھنے سے منع فرمادیا۔ (صحیح مسلم وغیرہ) ان یہود و منافقین کی قرآن یعنی اسلام دشمنی کا اندازہ اور ان

کار سولؐ پر ظاہر کر دیناتو خود قرآن کریم میں مسجد ضرار بنائے جانے کے ذکر سے بھی ثابت ہو جاتا ہے (۱۰۷ ، ۱۰۸ /۹)
اس دور کے جن یہود و منافقین کے نام، مختلف تواریخ کی کتابوں میں زیادہ مشہور ہیں وہ یہ ہیں: لبید، عاصم (جادو گر)، رفاعہ بن قیس، قروم بن عمر، اسیر بن رزام، کعب بن اشرف، رافع بن الحقیق، سلام بن ابی الحقیق، عبد اللہ ابن اُبیّ۔ حی بن اخطب، کنانہ بن ابی الحقیق وغیر ہم۔ یہود عام طور پر بد طینت اور سازشی تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں تک سے، بعض اوقات، اچھا سلوک نہیں کیا (۴۲ /۱۳ ، ۹۱ /۲ ، ۶۱ /۲ ، ۲۱ /۳ ، ۱۱۲ /۳ ، ۱۵۵ /۴) بلکہ انتہا ہو گئی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ کو، اپنی طرف سے، سولی پر چڑھوا دیا اور اللہ کی کتابوں کو نہ صرف فراموش کر دیا بلکہ ان میں تحریفات کر دیں۔ اصل تورات تو حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ کی ولادت سے کئی سو سال پہلے ہی گم کر دی گئی تھی۔ بعد میں توریت کے نام سے جو کچھ لکھا گیا وہ محض یادداشت اور سنی سنائی روایات سے لکھا گیا مگر وہ بھی جعلی ہی رہا۔ اس کے نتیجہ میں یہودی علماء (احبار) نے فیصلہ کیا کہ توریت واجب التعمیل نہیں بلکہ محض واجب التعظیم رہے گی یونکہ جعلی توریت بھی اصل زبان و شکل میں باقی نہیں رہی بلکہ اس کے مختلف اوقات میں مختلف زبانوں میں تراجم ہوتے رہے۔ کاہن عزرا نے حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ سے نسلاً بعد نسل پہنچی ہوئی زبانی روایات و رسوم و رواج کو جو کہ غیر از تورات و زائد از تورات تھیں، جمع کر کے احکام کی صورت میں ۵۳۸ قبل مسیح میں تحریر کیا۔ ان کے بعد دیگر یہودی علماء (احبار) اس میں تقریباً سات سو سالوں تک اس کی شرحیں لکھتے رہے۔ حتیٰ کہ دوسری صدی عیسوی کے اواخر میں پیدا ہونے والے ایک بہت ہی قابل عالم نے، جنہیں یہود القدیس کہا جاتا تھا، تیسری صدی عیسوی میں شروحات کے پچھلے مجموعوں اور جدید قیاسات و اجتہادات کی مدد سے ایک بڑی کتاب تصنیف کر کے اس کا نام **المثنا** یعنی دوسری تورات رکھا۔

محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ المثنا کی حقیقت سے واقف تھے اس لئے وہ یہود سے بہت چوکنا رہتے تھے۔ ہجرت نبوی کے بعد مدینۃ النبی میں یہود کے مختلف قبائل (بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع) سے امن و دفاع کے معاہدات کئے، مگر یہود اپنی منافقانہ سرشت سے باز نہ آئے تو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے انہیں ۵۰۰۰ء تک مدینہ النبی سے نکال دیا تھا۔ ان میں سے کچھ تو خیبر چلے گئے اور کچھ وادی القریٰ پھر کچھ عرصہ بعد شام چلے گئے۔ ۷۰۰۰ء میں یہود خیبر کی شکست کے بعد حجاز کے دوسرے حصوں کے مثلاً فدک، تیماء، وادالقریٰ، بنو عذرہ، جربا اور اذرح وغیرہ میں یہود نے ۹۰۰۰ء تک اطاعت قبول کر لی اور اسلام قبول کر لیا۔ مگر منافقت اور درپردہ اسلام دشمنی جاری رکھی۔ حتیٰ کہ یمن کے علاقوں سے بنی حنیفہ کے سردار مسیلمہ اور ایک اور سردار اسود عنسی نے اور نجد میں بنی اسد کے ایک سردار طلیحہ نے اور الجزیرہ سے بنی تمیم کی شاخ بنو یربوع کی ایک عورت سجاح نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ مسیلمہ نے تو رسول اللہ سلامٌ علیہ سے نبوت میں شراکت داری کی پیشکش بھی کر دی تھی اور رسالت ظاہر کرنے کیلئے کچھ اوٹ پٹانگ سی عبارتیں بھی لکھ لی تھیں مگر اس وقت تک نہ تو یہود اور نہ ہی نبوت کے کذاب دعویدار کوئی عبارت لکھ کر اس کو رسول سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کر کے یہ کہہ سکے کہ یہ رسول نے فرمایا یعنی یہ حدیثِ رسول ہے اور جبریل کی معرفت وحی نازل ہوئی ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ کوئی صحابہ رسول بھی کچھ غیر قرآن یا زائد از قرآن نہ لکھ سکا اور نہ ہی یہ کہہ سکا کہ یہ حدیث رسول ہے اور جبریل کی معرفت نازل شدہ وحی ہے۔ کوئی صحابی رسول تو قرآن کریم کے علاوہ کچھ اور غیر قرآن یا زائد از قرآن لکھنے کا

تصور بھی نہیں کر سکتا تھا یونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم نے غیر قرآن یازائد از قرآن لکھنے سے منع فرمادیا تھا۔ تو اب کس میں اتنی ہمت تھی کہ وہ اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کر کے نافرمانِ رسول بن جائے۔ یہ گستاخی تو صرف دشمنانِ اسلام: یہود و نصاریٰ و مجوس ہی کر سکتے تھے۔ (جیسا کہ انہوں نے بعد میں کیا)۔ اس دور میں تو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے خود بھی القراٰن الحکیم کے علاوہ کچھ اور لکھ کر یا لکھوا کر بطور 'المثنا' **یامثلہٗ و معہٗ** امت کو نہیں دیا اور نہ ہی القرآن الحکیم کے علاوہ یازائد از قرآن کسی بات یا حدیث یا قول یا ارشاد یا عمل کا وحیٔ الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا۔ حتیٰ کہ حجتہ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے بھی صرف ایک ہی چیز القرآن الحکیم چھوڑے جانے اور صرف اسی کو پکڑے رہنے کا مشورہ دیا۔ (بعد میں منافقین نے، اس مشورہ میں جو کہ قرآن الحکیم کے حکم کے عین مطابق ہے، اس کے ساتھ اور چیزوں کو بڑھا دیا۔)[1]

دورِ ابو بکر صدیقؓ:

یہ تو شروع میں دراصل دَورِ نبوی ہی کا تسلسل تھا کہ خلافت کا بوجھ سنبھالتے ہی سب سے پہلے تو آپؓ نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی مقرر کردہ مہم منجانب ملک شام، صحابہ کبارؓ کی مخالفت کے باوجود، نوجوان صحابی اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں روانہ فرما کر اپنے استقلال و ایمان و اطاعت کا ثبوت صحابہؓ سے یہ فرما کر دیا کہ جس مہم کی تیاری خود رسول اکرم سلامٌ علیہ نے شروع کی تھی اس کو میں کسی حال میں تبدیل یا ملتوی نہیں کر سکتا۔ یہ تھی اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت شعاری و عظمت کہ اس کی خلاف ورزی یا نافرمانی کا کوئی صحابیٔ رسول، بلکہ کوئی بھی ایمان والا، تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پھر آپ جھوٹے مدعیانِ نبوت کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا قلع قمع کر دیا۔

رسول اکرم سلامٌ علیہ کی وفات کی خبر پھیلتے ہی اسلام دشمنوں نے اپنی اپنی سازشوں کے جال بچھا دیئے کہ کسی طرح سے اسلام و قرآن کو ختم کر دیں۔ مگر آپؓ کی زبردست بصیرت، حسنِ تدبر و فراست اور عزم و استقلال نے، اسلام سے مرتد ہو جانے والوں اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرنے والے منکرینِ زکوٰۃ سے جس شجاعت و بہادری سے نپٹا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل وقت میں آپؓ کو جو ہمت و تدبر عطا فرمایا اس نے رسول کے بعد آپ کو نہ صرف تمام صحابہؓ بلکہ (بعد کی) تمام انسانیت میں اعلیٰ و اُولیٰ کر دیا۔ قیامت تک بھی اگر سنہرے الفاظ میں آپ کے اس کارنامہ عظیم کو لکھا جائے، کہ کس طرح اللہ کے دین کو آخری رسول سلامٌ علیہ کے بعد آپؓ نے بچا لیا، تو بھی آپ سلامٌ علیہ کے احسان کا حق ادا نہ ہو گا۔ اور نہ ہی کوئی بھی بشر آپ کے مرتبہ و مقام کو کبھی پہنچ سکے گا۔ اور نہ ہی کبھی ان جیسی اطاعت و فرمانبرداریٔ رسول کوئی کر سکے گا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپؓ کے مختصر دَورِ خلافت میں، غیر قرآن یا زائد از قرآن، کچھ بھی بطور احادیثِ رسول لکھا نہیں گیا۔ کوئی بھی صحابیؓ نافرمانِ رسول یا گستاخِ رسول نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہی آپؓ اس کی اجازت دے سکتے تھے۔

اس مختصر دَور میں بھی تقریباً وہی دشمنانِ اسلام یہود و منافقین موجود رہے جو کہ رسول سلامٌ علیہ کے دَور میں

[1] ملخصاً از اہل کتاب صحابہ و تابعین از مجیب اللہ ندوی، تاریخ اسلام از امتیاز پراچہ، سرگزشت اسلام از چراغ حسن حسرت اور تالمود از عبد القدوس ہاشمی وغیرہ

تھے اور سب کو منہ کی کھانا پڑی۔ آپؓ نے وفات سے پہلے، اسلام کے فروغ کی خاطر، اور اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ پارسی و شامی مسلمین کو رسول سلامٌ علیہ کے بعد کے سال کی جنگوں کے نتیجہ میں کمزور سمجھتے ہوئے کہیں حملہ آور نہ ہو جائیں اپنی افواج کا رخ پارس و روم یعنی عراق و شام کی طرف موڑ دیا۔ پہلا معرکہ حضر کے مقام پر پارسی تخت کے حکمران اردشیر کی طرف سے مقرر کردہ حاکم ہُرمز سے ہوا۔ اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ (۱۲ھ، جنگ سلاسل) پھر مسلم افواج عراق میں آگے ہی بڑھتی گئیں۔ حتیٰ کہ حضر کے بعد مذار، دلجہ، الیس، مغیشیاء، خورنق، نجف، حیرہ، انبار، عین التمر، دومتہ الجندل اور شام، عراق اور جزیرہ کی سرحد مقام فراض تک تسخیر کر لیا۔ اس وقت عراق کی مہم پوری نہ ہو سکی یونکہ حضرت خالدؓ کو شام کی طرف جانے کا حکم ملا۔ اور پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات بھی ہو گئی۔ عراق اور پارس کے بقیہ علاقوں کی تسخیر حضرت عمرؓ کے دَور میں ہوئی۔ (خیال رہے کہ عراق اس وقت تک پارس (Parasian Empire) ہی کا علاقہ تھا۔ اس مہم کے دَوران پارس کے بڑے بڑے سورما و سپہ سالار ہرمز، قارن بن قریانس، اندازغر، بہمن جادویہ، جابان، آذدبہ، شیر زاد، مہران بن بہرام، عقبہ بن عقہ، جودی بن ربیعہ، وغیرہ مارے گئے، جبکہ اکیدر بن عبد الملک، جس نے مدینہ کے خلاف بغاوت کی تھی، گرفتار کیا گیا اور مدینہ میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس بھیج دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے دَور تک وہ مدینہ ہی میں رہا۔ اس مہم کے دوران پارس کا شہنشاہ اردشیر بیمار ہو کر مر گیا۔ حضرت ابو بکرؓ کے اس مختصر دَور میں منافقین اور دشمنانِ اسلام یا قرآن پوری طرح سے سرگرم رہے اور ارتداد کروایا، ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کروایا، نبوت کے جھوٹے دعویدار کھڑے کر کے جنگیں کراتے رہے اور ہر ایک شر میں منہ کی کھاتے رہے مگر علمی میدان میں غیر از قرآن یا زائد از قرآن یا ثنایا **مثلہٗ و معہٗ** نہ پیش کر سکے یونکہ کوئی بھی صحابہؓ رسول نافرمانِ رسول یا گستاخِ رسول نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی کوئی غلط بات / حدیث یا عملِ رسول کی طرف منسوب کر سکتا تھا۔ یونکہ انہیں معلوم تھا کہ ایسا کرنے سے سارے اچھے اعمال بھی ختم ہو جائیں گے (القرآن ۲۱، ۲۲ / ۳، ۱۴۷ / ۷، ۲۱ / ۶، ۹۳ / ۶، ۱۴۴ / ۶، ۶۹ / ۱۰، ۶۸ / ۲۹ وغیرہم) (ملخصاً از تاریخ اسلام' مولفہ امتیاز پراچہ اور "سرگزشت اسلام" مولفہ چراغ حسن حسرت)

نتیجہ یہ کہ اس دَور میں بھی، دَورِ رسول سلامٌ علیہ کی طرح، القرآن الحکیم کے علاوہ نہ کوئی کتاب تھی نہ کوئی اور صحیفہ تھا۔ صحابہؓ کا ایمان و یقین صرف القرآن الحکیم پر تھا اور صرف اسی پر عمل تھا۔

دورِ عمرؓ فاروق:

آپؓ جب خلیفہ بنے تو اس وقت عراق و شام کی مہمات جاری تھیں۔ عراق کے کچھ علاقے تسخیر کئے جا چکے تھے اور شام میں پیشقدمی ہو گئی تھی۔ اس لئے بھی آپؓ نے ضروری سمجھا کہ ان مہمات کو سر کیا جائے۔ اس وقت پارس میں ملکہ بوران دخت حکمران تھی۔ اور رستم اس کا سپہ سالار تھا۔ مگر اسلامی افواج کے ہاتھوں، اس کی افواج نمارق، کسکر، باقیسیا جسر اور بویب کے معرکوں میں شکست پر شکست کھاتی رہیں۔ آخر سردارانِ فارس نے مل کر، اپنے عقیدہ کے مطابق کہ حکومت کی کمزوری کی وجہ عورت کی حکمرانی ہے، ملکہ کو تختِ پارس سے اُتار کر خاندانِ کسریٰ میں شہریار بن کسریٰ کی اولاد میں سے ایک نوجوان یزدگر کو تختِ پارس پر بٹھا دیا۔ مگر نئے بادشاہ کے دَور میں بھی ۱۴ھ میں قادسیہ،

بابل، مدائن، جلولا، سبدان اور بالآخر معرکہ نہاوند تک میں شکست پارسیوں کا مقدر بن گئی اور ان کے بڑے بڑے سورماو سپہ سالار: رستم، ہرمزان، فیروزاں، شہریار، ذوالحاجب، مردان شاہ، جالینوس، نرسی، مہران ہمدانی وغیرہ کام آئے یا گرفتار ہوئے اور آخر معرکہ مہاوند فیصلہ کن ثابت ہوا۔ عراق عجم کے بعد ۲۳ سنہ ھ تک پارسیین ایمپائر کے دیگر علاقے آذربائیجان، طبرستان، فارس، آرمینیہ، کرمان، سیستان، مکران اور خراساں سب فتح ہو گئے خراسان کی فتح پر احنف نے حضرت عمرؓ کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آ گیا ہے۔ حضرت عمرؓ، اپنی بصیرت کی بناء پر فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے، خط پڑھ کر فرمایا کہ "ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو خوب ہوتا" یا "ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا" (الفاروق از شبلی نعمانی۔ ص ۱۴۹، ۱۴۶)اس کے بعد پارسی اسلامی فوج کے مقابلہ پر نہ آ سکے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پارسی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بھی دشمن ہو گئے جبکہ اسلام یا قرآن کے دشمن تو پہلے ہی سے تھے۔ اسی دَوران جب اسلامی فوجیں تستر پہنچیں تو یزدگر کے مقدمۃ الجیش کا بہادر افسر سیاہ اسی قرب و جوار میں موجود تھا۔ ایک دن اس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آ جائیں گے، اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کر لیں۔ چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ لوگ اساورہ کہلاتے تھے۔[1]

ادھر شام میں دمشق کا محاصرہ تو دَورِ ابو بکرؓ ہی سے جاری تھا، اس کے بعد اردن، حمص، یرموک، قنسرین اور پھر آخر میں ۱۹ سنہ ھ میں قیساریہ کی فتح ۲۱ سنہ ھ میں مصر و اسکندریہ کی فتح سے شام کے بیشتر علاقے مفتوح قرار پائے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اب عیسائی بھی، اسلام یا قرآن دشمنی کے ساتھ حضرت عمرؓ کے دشمن ہو گئے۔ مدینۃ النبی میں پہلے سے آئے ہوئے قیدی پارسی النسل یہودی اور مجوسی، جن میں سے کچھ تقیہ کر کے اپنے کو مسلم ظاہر کرتے تھے، نے اب عیسائی قیدیون سے، زیرِ زمیں تعلقات قائم کر لئے اور غالباً تینوں (یہود، مجوس و نصرانیوں) نے مل کر اپنی مشاورتی کونسل یا "**مقتدرہ**" بھی بنالی تھی۔ اب جب کہ عراق، شام اور مصر کی فتوحات کے بعد حضرت عمرؓ نظامِ حکومت کو ترقی دے کر مستحکم کر رہے تھے، "**مقتدرہ**" نے ایک زبردست سازش تیار کی اور ایک مجوسی النسل کوفی غلام کو، جس کا نام تاریخ میں فیروز اور کنیت ابولوئو بتائی جاتی ہے، زہر میں بجھے دو دھاری خنجر سے حضرت عمرؓ کو قتل کرنے کیلئے راضی کر لیا۔ اب جبکہ وہ نو مسلمین کی اسلامی تعلیم و تربیت کے منصوبہ کو عملی شکل دینے ہی والے تھے کہ صلوٰۃ جامع کے دَوران فیروز نے حملہ کر کے ان کو شدید زخمی کر دیا، جس سے وہ تیسرے روز وفات پا گئے۔ اس فیروز کے نام کا نگینہ (پتھر) "فیروزہ" اس کے چاہنے والے' مشکور پارسی وغیرہ' آج بھی عقیدت سے پہنتے ہیں۔ اس دَورِ عمرؓ میں بھی ۲۳ سنہ ھ تک قرآن الحکیم کے علاوہ کوئی اور کتاب، یا صحیفہ، **مثلہٗ و معہٗ** منظرِ عام پر نہ آ سکا یونکہ حضرت عمرؓ یہودیوں کی بنائی ہوئی المثنا سے بخوبی واقف تھے اسی لئے وہ "**مثلہٗ و معہٗ**" روایات کے بیان کرنے کو بھی منع فرماتے تھے۔ "انہوں نے یہی طے کیا تھا کہ قرآن کے سِوا جو چیز بھی ان کے زمانہ تک نوشتہ کی شکل میں آئندہ نسلوں تک پہنچے گی وہ تورات کی "مثناۃ" کی حیثیت اختیار کر لے گی، اس لئے جن باتوں کی تبلیغ میں رسول اللہ سلامؑ علیہ نے عمومیت کا طریقہ اختیار نہیں فرمایا تھا

[1] ("الفاروقؓ" از علامہ شبلی نعمانی۔ ثناء پبلی کیشنز۔ کراچی۔ بار اوّل ۲۰۱۴ء، صفحہ ۲۴۱

ان کو ایسے زمانہ میں قلمبند نہ کریں، جس کے بعد اس مصلحتِ عمومیت کے متاثر ہونے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا تھا"۔[1]

بہر حال، حضرت عمرؓ کے دَور میں پارسی **اساورہ** کے جو لوگ قیدی ہو کر یا اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے مدینۃ النبی و قرب وجوار میں آ گئے تھے ان میں سے چند مشہور اور جانے پہچانے اشخاص یہ تھے: یاذان، ہرمزان، سیاہ، کعب الاحبار، فیروز، سلیمان الاغر، اکیدر، تمیم الداری، حارث ابن کعب الاعور ہمدانی، جمیل بن بصیری، بسطام بن نرسی، رفیل۔ ان سب پارسی الاصل یہود و مجوس کی تنظیم زیرِ زمین منظم ہو کر ایک "**مقتدرہ**" قائم ہو چکی تھی اور اپنی ریشہ دوانیاں اپنی سلطنت کی شکست کے انتقام اور اسلام / قرآن کے خلاف جاری کر چکی تھی۔ چنانچہ ان کا پہلا نشانہ اس وقت کے اسلام / قرآن کے سب سے بڑے داعی، "**حَسْبُنَا كِتٰبُ اللهِ**" کا نعرہ بلند کرنے والے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنے۔ ان کے لئے اب میدان تقریباً صاف ہو گیا تھا اور ان کے منصوبوں کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ ختم ہو گئی تھی۔ بقول طبقات ابن سعد اور مصنف عبد الرزاق کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد کسی صحابی کا کوئی مجموعۂ احادیث دنیا میں باقی نہ تھا۔ (بحوالہ امام زہری و امام طبری از تمنا عمادی صاحب۔ ص ۱۰۵)

دورِ عثمانؓ غنی :

حضرت عمرؓ کے دَور میں فتوحات کی کثرت نے جہاں اسلامی سلطنت کی حدود بڑھائیں اور مسلمین کی تعداد بڑھائی وہیں اسلامی سلطنت اور عرب کے خلاف دشمنی و نفرت کی خلش اور کینہ بھی عجمیوں کے دلوں میں بیٹھ گیا اور ان میں سے بہت سوں نے محض تقیتاً اسلام قبول کرنے کا ڈھونگ رچایا لیکن دلوں میں اندر سے مجوسی، یہودی، عیسائی، بدھ مت، حکیم مانی اور مزدک وغیرہ ہی کے ماننے والے رہے (اس حقیقت کو حضرت عمرؓ کی بصیرت نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا اسی لئے آپ نے وہ مشہور جملہ فرمایا تھا یا تشویش کا اظہار فرمایا تھا کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا" "کاش کہ ہمارے اور رومیوں کے درمیان آگ کا سمندر ہوتا") اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ہی کچھ علاقوں نے بغاوت کر دی۔ جس کو حضرت عثمانؓ نے کافی جدوجہد سے قابو کیا اور پھر مزید علاقے بھی فتح کر کے اسلامی سلطنت کو مزید وسعت دیدی۔ اسکندریہ، آرمینیہ اور آذربائیجان کی بغاوتیں ختم کرتے ہوئے طرابلس، قبرص، اصطخر، خراسان، کرمان، بلخ، طبرستان، کابل و غزنی وغیرہ بھی ۳۰ھ تک فتح کر لئے۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ضعاء سے ایک یہودی جس کی ماں سودا تھی اور باپ پارسی النسل، مدینۃ النبی کی طرف بھیجا جاتا ہے جس کا نام ابن سبا یا ابن سودا تھا۔ شاید وہ یہودیوں کا حبر (عالم) تھا۔ اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے اس نے یہ چال چلی کہ آ کر تقیتاً (بظاہر) مسلم بن کر اپنا نام عبد اللہ رکھ لیا۔ اور مسلمین میں یہ غیر قرآنی عقیدہ پھیلانا شروع کیا کہ حضرت علیؓ اور ان کے گھر والے اہل بیتِ رسول سلامٌ علیہ ہیں اور خلافت ان کا حق ہے جبکہ خلفائے راشدین ثلاثہ نے تو خلافت بزور حاصل کی تھی۔ یہاں "**مقتدرہ**" والوں نے اس کا کام شاید اپنے ذمہ لے کر اس کی حفاظت کی خاطر اس کو وہاں سے آگے روانہ کر دیا۔ چنانچہ اگلے چار پانچ سال تک وہ بصرہ، کوفہ، شام اور پھر مصر میں اپنی عیاریوں سے نو مسلموں کو اکساتا رہا۔ ایک اور خفیہ جماعت کے سرغنہ یزید بن قیس اور مالک اشتر نے اس کا ساتھ دیا اور انہوں نے نئے نئے عقیدے پھیلانا شروع کر دیئے اور حضرت عثمانؓ اور ان کے عمّال کے

[1] تدوین حدیث از مناظر احسن گیلانی صاحب۔ صفحہ ۵۲۵

خلاف جھوٹے الزامات گھڑ گھڑ کر پھیلانا شروع کر دیئے اور اس طرح وہ ملتِ اسلامیہ میں پہلا فرقہ (سبائی) بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ مصر میں اس کے ساتھ چند اور شر پسند عناصر مثل خالد بن ملجم، سودان بن ممران اور کنانہ بن بشر، ابو الطفیل عامر بن واثا، سلیمان الاغر وغیرہ شامل ہو گئے۔ یہ شورش و سازش بڑھتے بڑھتے مدینۃ النبی تک جا پہنچی اور ''**مقتدرہ**'' کی ہدایت پر کچھ شر پسند باغیوں نے امیر المومنین، خلیفہ ٔراشد سوم، ذوالنون' داماد رسول جیسے باحیا و متحمل مزاج جلیل القدر صحابیؓ کا محاصرہ کر لیا اور ان کو صلوٰۃ کی امامت تک سے روک دیا۔ اس موقعہ پر آپ نے اپنی بصیرت سے فرمایا ''اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو ایک ساتھ نہ صلوٰۃ ادا کر سکو گے نہ جہاد کر سکو گے''۔ مگر باغی منافقین اپنے ناپاک عزائم سے باز رہنے پر تیار نہ ہوئے (اور ہماری عجمیوں ہی کی لکھی ہوئی تاریخ المسلمین کے مطابق) اور ان کے گھر میں داخل ہو کر ۳۵ھ میں ان کو قتل کر دیا جب کہ دنیا کے سب سے بہادر صحابیؓ اپنے گھر میں بیٹھے رہ گئے اور ان کے دو نوجوان صاحبزادے، آئندہ کے نوجوانوں کے سردار، پہرہ دیتے رہ گئے! (افسوس کہ عجمی مؤرخین نے کیا نقشہ پیش کیا ہے اور تمام مسلمانوں نے اسے من و عن صحیح مان لیا ہوا ہے! کتنی عجیب حقیقت ہے کہ رسول سلامٌ علیہ کے بعد صرف پچیس سال ہی میں خلافتِ راشدہ ختم ہو گئی! نعوذ باللہ، رسول سلامٌ علیہ کے تعلیم و تربیت یافتہ صحابیؓ، جو اللہ سے راضی ہو گئے تھے اور جن سے اللہ رب العزت راضی ہو گئے تھے وہ کم از کم اپنی فطری عمر تک بھی خلافت علیٰ منہاج النبوت نہ چلا پائے!)

بہر حال، سبائیت کے باوجود، اس دَور میں بھی کسی صحابیؓ یا تابعیؒ کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اللہ و رسول کی نافرمانی کرتے ہوئے یہ گستاخی کریں کہ احادیث منسوب الی الرسول کی تدوین کریں۔

دورِ علیؓ:

حضرت عثمانؓ کو منبرِ رسول سے ہٹائے جانے کے بعد، ''**مقتدرہ**'' نے، جس میں وقت کے ساتھ ساتھ نئے دماغ خفیہ طور پر شامل ہوتے گئے تھے، اسلام کے خلاف اپنی جنگی حکمت عملی (Strategy) کے دو خاص محاذ بنا لئے:

(۱)۔۔۔سیاسی: اس کے تحت انہوں نے، حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد، دنیا کے سب سے بہادر صحابیؓ کو ہی گھیر گھار کر خلیفہ بنا دیا اور سب سے زبردستی یا راضی خوشی ان کی بیعت کرا لی اور ان کو چاروں طرف سے ایسا گھیر لیا کہ وہ اپنی مرضی سے، آزادی سے، کچھ بھی نہ کر پائے۔ ان کو حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص بھی نہ لینے دیا، بلکہ اس قصاص کے نام پر ہی ان کی ماں / ساری امت کی ماںؓ سے لڑوا دیا، صحابہ کو دو گروہ میں تقسیم کر کے ان میں آپس میں قتال کروا دیا اس طرح سے مسلمین و مومنین کو جہاد فی سبیل اللہ سے روک دیا۔ نتیجتاً اس دورِ راشدہ میں ایک انچ زمین یا کوئی ایک شہر یا علاقہ بھی فتح نہ ہو سکا۔ بلکہ اپنی کتاب ''مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ'' میں، عبد القدوس ہاشمی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا دَورِ خلافت سخت فتنوں اور فسادوں کا دَور رہا۔ خارجیوں کے فتنے پیدا ہوتے رہے، مخلص صحابہؓ ان سے چھوٹتے رہے۔ علاقے ان کے قبضہ سے نکلتے رہے۔ مصر گیا، فلسطین گیا، لبنان گیا، اور آخر میں تو صرف عراق کا بھی ایک حصہ ہی آپ کے قبضہ میں باقی رہ گیا تھا۔ اسی ذرا سے حصہ پر ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ بن علیؓ کی خلافت قائم ہوئی'' (جو کہ پارسی روایات کے مطابق باغیوں ہی نے بنوائی کہ باپ کے بعد بیٹا۔ حضرت حسنؓ اس کو بھی نہ سنبھال سکے یونکہ پارسی باغیوں نے انہیں بھی گھیرے رکھا۔ آخر وہ خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ صدیق) اور پھر

سب سے بڑا دھچکا مہاجر و انصار و عربی، عجمی مرکزیت پر یہ لگایا کہ سلطنت اسلامیہ کا مرکز / (Capital) مدینۃ النبی سے منتقل کر کے عجمی شہر کوفہ بنا دیا جو کہ عجمی عراق یعنی پارس کا شہر تھا۔

.(۲)۔.. **عقائدی :** عقائدی طور پر سبائیوں نے غیر قرآنی نئے نئے عقائد گھڑ گھڑ کر اور فضیلت کی احادیث، منسوب الی الرسول، گھڑ گھڑ کر ایک نیا فرقہ امامی ایجاد کر ڈالا اور فرقہ میں شمولیت کرنے والوں کو شیعانِ علی کا نام دے ڈالا۔ اصل میں یہ سبائی فرقہ کی ہی ترقی یافتہ شکل تھی۔ پھر انہی میں سے فرقۂ رافضی اور فرقہ خارجی ایجاد کر ڈالے اور حضرت علیؓ کو بھی قتل کر ڈالا۔ اس طرح سے حضرت عثمانؓ کی بصیرت افروز پیش گوئی پوری ہوئی کہ " اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو ایک ساتھ نہ صلوٰۃ ادا کر سکو گے اور نہ جہاد کر سکو گے"۔

بہر حال اس دَورِ پر آشوب میں بھی کوئی ثناء یا **مثلہٗ و معہٗ** کے نام سے احادیث منسوب الی الرسول نہ لکھی جا سکیں، نہ ان کی تدوین ہوئی۔ نہ بخاری شریف لکھی جا سکی نہ مسلم شریف اور نہ ہی اصول کافی شریف لکھی جا سکی۔ نہ ہی حضرت علیؓ کوئی دوسرا قرآن، یا اس کی تفسیر یا احادیث منسوب الی الرسول کا کوئی صحیفہ یا کتاب لکھ سکے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ اللہ و رسول نے اس سے منع فرما دیا ہوا تھا اور وہ یقیناً نافرمان یا گستاخِ رسول نہ تھے۔ وہ بھی جلیل القدر صحابیٔ رسول تھے۔

دَورِ عمر بن عبد العزیز ۹۹۔۱۰۱ھ:

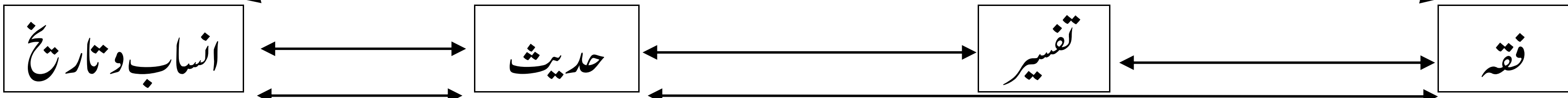
حضرت علیؓ کے بعد صدی کے آخر تک بنو امیہ یعنی قریش، یعنی عرب ہی کی حکمرانی / خلافت رہی۔ جس میں ۶۰ھ تک تو صحابی ہی کی حکومت تھی اس لئے نافرمانیٔ رسول کون کر سکتا تھا؟ ان کے بعد تابعینِ حکومت کرنے لگے ان میں جب عمر بن عبد العزیز بن مروان الاکبر (۶۱۔۱۰۱ھ) خلیفہ بنائے گئے، ان پر یہ الزام ہے کہ نافرمانیٔ اللہ و رسول کرتے ہوئے، رسول کے ۹۰ سال بعد' انہوں نے مختلف صوبوں میں یا پھر صرف دو تابعین کو لکھا کہ زبانی روایت کردہ احادیثِ رسول کو لکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ نہ لکھنے سے وہ ضائع ہو جائیں۔ چنانچہ مدینہ کے فقیہ و قاضی ابو بکر بن عمرو بن حزم خزرجی (م ۱۲۰ھ) نے ایک مجموعہ تیار کیا، جو انہی کے زمانہ میں ضائع ہو گیا۔ اور دوسرا مجموعہ بنی زہرہ کے آزاد کردہ ابن غلام، ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے تیار کیا۔ دونوں ہی اپنا اپنا مجموعہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں' ان کے بہت جلد انتقال کر جانے کی وجہ سے، پیش نہ کر سکے۔ اور پھر شاید ۱۴۳ھ یا ۱۵۰ھ تک تابعین یا تبع تابعین نافرمانیٔ اللہ و رسول نہ کر سکے، حتیٰ کہ اُموی دَورِ حکومت ۱۳۲ھ تک زوال پذیر ہو کر ختم ہو گیا۔ اب منافقین کو کافی سہولت ہو گئی۔ اور "**مقتدرہ**" کی ہدایات و نگرانی میں وہ ابنِ شہاب زہری اور ان کے ساتھیوں کے کام کو آگے بڑھاتے رہے۔

دوسری صدی ہجری یا دَورِ بنو عباس:

دَورِ عباس کا پہلا کارنامہ (بقولِ تاریخ) قتل و غارت گری اور بنو امیہ کے خاندان کے لوگوں اور ہمدردوں کا صفایا کرنا تھا۔ نیز انہوں نے پہلی صدی ہجری کا سارا تحریری ریکارڈ، مع دفتری و سرکاری ریکارڈ، آہستہ آہستہ تباہ کر دیا / کرا دیا۔ اب زیرِ زمین "**مقتدرہ**" پوری طرح آزاد اور مستعد تھی۔ چنانچہ اس نے عباسیوں کو خلافت / اقتدار تک پہنچنے میں مدد دینے والے پارسی النسل افراد کو ریاستی عہدوں پر فائز کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس

[349-A]

مقدرہ



فقہاء

مسروق بن اجدع بن مالک (کوفی) (م ۶۳ھ)
قاضی شریح بن حارث الکندی (م ۷۸ھ)
عروہ بن زبیر بن العوام (م ۴۳ ھ)
عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (م ۸۳ ھ)
سعید بن المسیب بن حزن (م ۹۴ ھ)
ابو بکر بن عبدالرحمٰن (م ۹۴ھ)
عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود ہذلی (م ۹۸ھ)
خارجہ بن زید (م ۱۰۰ھ)
قاسم بن محمد بن ابو بکر (ماں پارسی النسل) (م ۱۰۱ھ)
سلیمان بن یسار، موالی (م ۱۰۷ھ)
ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (م ۹۴ھ)
سالم بن عبداللہ (ماں پارسی النسل) (م ۱۰۶ھ)
عامر بن شراجیل شعبی کوفی (م ۱۰۹ھ)
محمد بن کعب القرظی (یہودی النسل) (م ۱۰۸ھ)
وہب بن منبہ (پارسی النسل، یمنی) (م ۱۱۰ھ)
نافع (م ۱۱۷ھ)
محمد باقر، شیعہ امام (م ۱۱۸ھ)
ہرمز (م ۱۴۰ھ)
اعمش (م ۱۴۸ھ)
امام ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ۔ یہودی النسل، کوفی (م ۱۵۰ھ)
جعفر صادق، شیعہ امام (م ۱۴۸ھ)
سفیان ثوری کوفی، مصری (م ۱۶۱ھ)
زُفر بن ہذیل کوفی (م ۱۵۸ھ)
امام مالک بن انس یمنی النسل ویہودی النسل (م ۱۷۹ھ)
عبداللہ بن مبارک مروزی (م ۱۸۱ھ)
قاضی ابو یوسف (م ۱۸۲ھ)
محمد بن حسن شیبانی، واسطی کوفی (م ۱۸۹ھ)
امام محمد بن ادریس شافعی، غزہ، یہودی النسل، یمنی (م ۲۰۴ھ)
امام احمد بن حنبل (پارسی النسل، بغدادی (م ۲۴۱ھ)
اسحاق بن راہویہ مروزی، خراسانی (م ۲۳۸ھ)
ذہلی نیشاپوری (م ۲۶۰ھ)
ابوالحسن اشعری بصری (م ۳۳۰ھ)
ابو منصور ماتریدی سمرقندی (م ۳۳۳ھ)

مفسرین

علقمہ بن قیس نخعی کوفی (م ۷۴ھ)
اسود بن یزید نخعی کوفی (م ۷۵ھ)
ابوالعالیہ بصری (م ۹۰ھ)
سعید بن جبیر حبشی النسل متہم بالشعیت، کوفی (م ۹۵ھ)
ملا محسن کاشی، شیعہ (م ۱۰۰ھ)
ضحاک بن فراحم ہلالی خراسانی (م ۱۰۵ھ)
مجاہدین جبیر کوفی (م ۱۰۳ھ)
عکرمہ مولیٰ ابن عباس بربری (افریقی) (م ۱۰۵ھ)
طاؤس بن کیسان یمنی (م ۱۰۶ھ)
حسن بصری بصری (م ۱۱۰ھ)
مکحول موالی، کابلی (م ۱۱۳ھ)
عطا بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ)
قتادہ بن وعامہ (مادر زاد نابینا) (م ۱۱۷ھ)
محمد بن کعب قرظی، یہودی النسل یمنی (م ۱۱۸ھ)
اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدّی کبیر، شیعہ کوفی (م ۱۲۷ھ)
ابوالنصر محمد بن سائب بن بشیر الکلبی، سبائی کوفی (م ۱۴۶ھ)
ابن جریج، رومی الاصل (سب سے پہلے مصنف) (م ۱۵۰ھ)
معمر بن راشد (یمن میں حدیث کے پہلے مصنف) یمنی (م ۱۵۴ھ)
شعبہ بن الحجاج واسطی بصری (م ۱۶۰ھ)
مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر یہودی النسل، یمنی (م ۱۷۹ھ)
یونس بن حبیب نحوی بصری (م ۱۸۲ھ)
اسماعیل بن علیہ، موالی النسل بصری (م ۱۹۳ھ)
وکیع بن الجراح کوفی (م ۱۹۷ھ)
اسحاق بن ابراہیم راہویہ عراقی (م ۲۳۸ھ)
احمد بن حنبل بغدادی (م ۲۴۱ھ)
محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ)
عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سمرقندی (م ۲۵۵ھ)
ابن قلیسہ الدینوری (مرو) دینوری (م ۲۷۶ھ)
ابن ماجہ قزوینی (م ۲۷۳ھ)
ابو جعفر محمد بن عبداللہ حضرمی (شیعہ) کوفی (م ۲۹۸ھ)
محمد بن جریر بن کثیر بن غالب / رستم طبری (م ۳۱۰ھ)
مقاتل بن سلیمان، شیعہ خراسانی (م ۱۵۰ھ)
سعید بن ابی عروبہ (بصرہ کا پہلا مصنف) بصری (م ۱۵۶ھ)
اوزاعی شام ( )
ثقیان ثوری (کوفہ میں) کوفی (م ۱۶۱ھ)
عمار بن مسلمہ بصرہ ( )

محدثین

سعید بن جبیر بن ہشام اسدی۔ ربائی، شیعہ، کوفی (م ۹۵ھ)
خلیفہ عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ)
ہمام بن منبہ یہودی النسل، پارسی النسل، یمنی (م ۱۰۱ھ)
عکرمہ بربری، موالی (م ۱۰۵ھ)
طاؤس بن کیسان پارسی النسل یمنی (م ۱۰۶ھ)
محمد بن کعب القرضی، یہودی النسل (م ۱۰۸ھ)
عامر بن شراجیل شعبی کوفی (م ۱۰۹ھ)
وہب بن منبہ پارسی ویہودی النسل، یمنی (م ۱۱۰ھ)
نافع بن عبدالرحمٰن موالی (م ۱۱۷ھ)
قاضی ابو بکر بن عمرو بن حزم خزرجی (م ۱۲۰ھ)
عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی الثور موالی
محمد بن ابن شہاب زہری (ولاء) موالی النسل (م ۱۲۴ھ)
عبدالرحمٰن بن ہرمز، پارسی النسل (مالک کے شیخ) (م ۱۴۰ھ)
ابو اسحٰق السبیعی شیعہ (طبری کے شیخ) کوفی ہمدانی (م ۱۲۹ھ)
سلیمان بن مہران اعمش پارسی النسل، شیعہ موالی کوفی (م ۱۴۸ھ)
مسعر بن کدام (م ۱۵۵ھ)
ابن مسروق ثوری کوفی (م ۱۶۱ھ)
شعبہ بن الحجاج بصری (م ۱۶۰ھ)
عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی یمنی ہمدانی (م ۱۵۷ھ)
عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (ابن جریج) (مکہ میں) (م ۱۵۰ھ)
معمر ابن راشد موالی، یمنی (م ۱۵۳ھ)
ابن ابی عروبہ یمن (م ۱۵۳ھ)
مالک بن انس، یہودی النسل (مدینہ میں) یمنی (م ۱۷۹ھ)
معمر (یمن میں) یمنی (م ۱۵۴ھ)
عبداللہ بن مبارک عجمی النسل، مروزی (م ۱۸۱ھ)
حافظ وکیع بن الجراح (م ۱۹۶ھ)
وہب بن وہب بن کثیر، ابوالبختری، کذاب بغدادی (م ۲۰۰ھ)
ثقیان ثوری (کوفہ میں) (م ۱۶۱ھ)
محمد بن ادریس ابن سائب، شافعی، یمنی النسل (م ۲۰۴ھ)
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری شیعہ یمنی (م ۲۱۱ھ)
ابو محمد یحیٰ بن یحییٰ بن کثیر بن وسلاس، مصمودی، بربر
(متروک الحدیث) (م ۲۳۴ھ)
حافظ بدعہ بصری (م ۲۵۷ھ)
عمار بن مسلمہ (بصرہ میں) ( )
حبیب بن ابی حبیب (مالک کا کاتب وراق) بصری (م ۲۱۸ھ)
یحییٰ بن معین بغدادی (م ۲۳۳ھ)
اسحاق بن راہویہ خراسانی (م ۲۳۸ھ)
احمد بن حنبل شیبانی بغدادی (م ۲۴۱ھ)
عبداللہ بن عبدالرحمن بن فضل بن بہرام دارمی سمرقندی (م ۲۵۵ھ)
محمد بن اسمٰعیل بن مغیرہ بن بردزبہ، مجوسی النسل، بخاری (م ۲۵۶ھ)
حافظ ابو حفص بخاری (م ۲۴۹ھ)
مسلم بن الحجاج بن ورد بن کرشاد پارسی النسل، نیشاپوری (م ۲۶۱ھ)
ابو داؤد سلیمان بن اشعث، پارسی النسل، سیتسالی (م ۲۷۵ھ)
ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ابن سورۃ بن موسیٰ، پارسی النسل ترمذی (م ۲۷۹ھ)
ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، قروینی، پارسی النسل، عراق عجم (م ۲۷۳ھ)
ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی، النسائی، پارسی النسل، خراسانی (م ۳۰۳ھ)
محمد یوسف الفربری پارسی النسل بخاری (م ۳۲۰ھ)
احمد طحاوی، پارسی النسل، یہودی النسل، مصری (م ۳۲۱ھ)

نساب ومؤرخین

کعب الاحبار بن مالع الحمیری، یہودی النسل، یمنی (م ۳۳ھ)
مخرمہ بن نوفل
ابن القریہ بدو (م ۸۴ھ)
عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کوفی (م ۸۳ھ)
ضحاک بن مزاحم خراسانی، شیعہ، کذاب، سبائی کوفی (م ۱۰۵ھ)
وہب منبہ (فن تاریخ کے پہلے مصنف) پارسی ویہودی النسل یمنی (م ۱۱۰ھ)
عامر بن شراجیل شعبی کوفی (م ۱۰۹ھ)
محمد بن کعب القرظی، یہودی النسل (م ۱۲۰ھ)
حسن بصری بصری (م ۱۱۰ھ)
ابن شہاب زہری (بہ ولاء) موالی النسل (م ۱۲۵ھ)
عبدالرحمٰن بن زیاد، شیعہ کذاب ( )
السدی الکبیر شیعہ، کذاب کوفی (م ۱۲۷ھ)
ابن المقنع (اصلی نام روزبہ بن دازویہ) پارسی النسل، مجوسی (م ۱۲۹ھ)
موسیٰ بن عبیدہ شیعہ، کذاب (م ۱۴۱ھ)
محمد بن سائب کلبی، شیعہ، کذاب، سبائی کوفی (م ۱۴۶ھ)
جو ئبر بن معبد شیعہ، کذاب، سبائی کوفی (م ۱۴۶ھ)
عوانہ بن حکم الکلبی شیعہ کوفی (م ۱۴۷ھ)
محمد بن اسحاق بن یسار، شیعہ، موالی، عیسائی الاصل، موالی (م ۱۵۰ھ)
ابن جریج (حجاز کا پہلا مصنف) رومی الاصل عیسائی النسل موالی (م ۱۵۰ھ)
لوط بن ابی مخنف (فسانہ کربلا کا افسانہ نویس) شیعہ کوفی (م ۱۷۰ھ)
سیف بن عمر کذاب، زندیق کوفی (م ۱۹۰ھ)
السدی الصغیر، شیعہ، کذاب کوفی (م ۱۷۶ھ)
قاضی ابوالبختری (وہب بن وہب) (م ۲۰۰ھ)
سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی، پارسی النسل (م ۲۰۴ھ)
ہشام بن محمد بن السائب الکلبی، شیعہ، کذاب یمنی (م ۲۰۴ھ)
محمد بن عمر الواقدی شیعہ، کذاب کوفی (م ۲۰۴ھ)
عبدالرزاق بن نافع حمیری یمنی (م ۲۱۱ھ)
ابن ہشام، مصری (م ۲۱۲ھ)
نصر بن مزاحم رافضی، کذاب، کوفی (م ۲۱۲ھ)
محمد بن سعد (کاتب الواقدی) (م ۲۳۰ھ)
عبدالرحمٰن بن صالح العتکی الازدی، شیعہ کوفی (م ۲۲۵ھ)
ابو کریب محمد بن العلاء بن کریب کوفی (م ۲۴۷ھ)
ابو معشر، جعفر بن محمد بلخی (م ۲۷۲ھ)
عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م ۲۷۶ھ)
ابو حنیفہ الدینوری دینوری (م ۲۸۲ھ)
ابن واضح یعقوبی، شیعہ (م ۲۸۴ھ)
اسحٰق بن ابی اسرائیل (شیخ طبری) مروزی (م ۲۴۰ھ)
ہناد بن السری (راہب کوفہ) (شیخ طبری) کوفی (م ۲۴۳ھ)
ابو کریب محمد بن العلاء الہمدانی (شیخ طبری) کوفی (م ۲۴۳ھ)
فلاس (شیخ طبری) بصری (م ۲۴۹ھ)
عباد بن یعقوب الاسدی، شیعہ، کذاب، (شیخ طبری) کوفی (م ۲۵۰ھ)
ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن غالب بن رستم، مجوسی
النسل، پارسی، طبری (م ۳۱۰ھ)
محمد بن عبداللہ القطان (شاگرد طبری) رافضی، معتزلہ (م ۳۹۸ھ)
محمد بن اسحٰق بن مہران ابو بکر المقری، شیعہ، کذاب
(شاگرد طبری) (م ۳۵۲ھ)
محمد بن المظفر (شاگرد طبری) شیعہ (م ۳۷۷ھ)
ابو بکر محمد بن العباس الخوارزمی (شاگرد طبری) شیعہ (م ۳۸۳ھ)
ابو بکر محمد اسحٰق بن خزیمہ نیشاپوری (م ۳۱۱ھ)
المسعودی (م ۳۴۵ھ)
حاکم نیشاپوری نیشاپوری (م ۴۰۵ھ)
ابو نعیم اصبہانی اصفہانی (م ۴۳۰ھ)
الشعبی کوفی (م ۱۰۳ھ)
خطیب بغدادی بغدادی (م ۴۶۳ھ)

السفاح کے ۱۳۶ھ میں انتقال کے بعد دوسرے خلیفہ ابو جعفر المنصور (جس کی ماں ایک بربر غلام تھی، ۳۷عباسی خلفاء میں سے تین کے سِوا باقی سب کی مائیں کنیزیں تھیں اور کہیں نہ کہیں، جاو بیجا اقتدار میں بھی، کسی نہ کسی طریقہ سے دخیل رہیں) نے پارسی نمونہ ہی کے مطابق ادارہ: **"وزارت"** قائم کر لیا اور خالد ابن برمک (خالد برمکی) کو اپنا پہلا وزیر تعینات کیا۔ (پھر اگلے پانچ سو سال تک دَورِ عباسیہ میں اقتدار پر پارسی النسل اور پھر ترک ہی چھائے رہے اور عربیوں کو چھانٹ چھانٹ کر اقتدار سے دُور کر دیا گیا) اس طرح پارسی النسل، مجوسی النسل عجمیوں نے خوب گل کھِلائے اور عربوں سے اپنی شکست کا انتقام لے لیا۔

تیسری صدی ہجری تک **"مقتدرہ"** بہت زیادہ طاقتور اور متحرک ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں کو مختلف محاذوں پر متحرک کر کے اسلام / قرآن کے خلاف ہر چیز ہی کو بدلنے کیلئے جال بچھا دیا۔ آپ کی اپنی کتابوں کے مطابق ۱۴۳ھ سے پہلے اور بعد **"مقتدرہ"** نے کس کس کو کِس کِس محاذ پر متعین کیا۔ مختصراً دیکھئے:

مقتدرہ

فقہ... تفسیر... حدیث... انساب و تاریخ

اس نقشہ پر غور کیجئے کہ **مقتدرہ** نے اسلام کے خلاف اپنی سازش کا جال کس طرح بچھایا۔ میں نے اس میں ہر علم یا موضوع کے چیدہ چیدہ نام تقریباً تیسری صدی تک کے لکھ دیئے ہیں۔ اس پر غور کیجئے تو اپنے آپ واضح ہو جائے گا کہ ان لوگوں کی اکثریت غیر عربی یعنی عجمی ہے۔ بہت سے موالی ہیں، بہت سے مجوسی النسل، یہودی النسل، نصرانی النسل یمنی ہیں۔ یمن وہ علاقہ ہے جہاں محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بعثت سے بہت پہلے سے مختلف قسم کی تخریب کاریاں وفتنے اُٹھتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ وہاں ایک جعلی کعبہ بھی بنایا گیا اور اصلی کعبۃ اللہ کو ڈھانے کیلئے مہم جوئی کی گئی۔ پھر رسول سلامٌ علیہ کی موجودگی ہی میں اور فوراً بعد جھوٹی نبوت کے دعویدار بھی کھڑے ہوگئے۔ اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں آجانے کے باوجود بھی وہاں کے پارسی النسل مجوس ویہود، جو کہ ابنائے پارس کہلاتے تھے، کچھ نہ کچھ سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔ سبائی سازش بھی وہیں سے آئی اور بعد میں بھی .... حتیٰ کہ آج بھی یمن میں کچھ قبائل اپنی شیطنت سے باز نہیں آرہے ہیں! دوسرے نمبر پر کوفہ اور بصرہ کے لوگ ہیں جہاں روایات ڈھالنے کی ٹکسالیں بنی ہوئی تھیں۔ یہی تمام لوگ "**مقتدرہ**" کے شکار ہوئے یا آلہ کار بنے یا آج کی زبان میں ایجنٹ بنے۔ بعض فاضل لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تمام اہل علم عجمی نہیں تھے۔ تو میں اس سے متفق ہوں۔ یقیناً سو فیصد اہل علم عجمی نہیں تھے مگر اکثریت تھی جنہوں نے تدوینِ علوم کا ٹھیکہ لیا۔ ہو سکتا ہے کہ فاضل لوگوں کا اعتراض اس لاعلمی پر منحصر ہو کہ پارس کی حدود کہاں تک تھیں۔ تو ان کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ شمال مشرق میں پارسین ایمپائر کی حدیں تقریباً چین اور ماوراالنہر تک تھیں جبکہ مغرب میں شام کے بارڈر تک۔ اس طرح پارس، عراق اور خراسان، سمرقند و بخارا سب پارسین ایمپائر میں شامل تھے۔ اور یہی لوگ چونکہ اسلامی حکومت کے زیرِ نگیں آگئے تھے اس لئے وہ اسلام کے دشمن ہوگئے تھے۔ مگر چونکہ بزورِ تلوار اپنی دشمنی نہیں نکال پا رہے تھے تو انہوں نے سازشی راستے اختیار کئے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے بتایا جا چکا ہے۔

اس نقشہ میں کون کون سے فقہاء، مفسرین، محدثین اور نسّاب و مؤرخین **مقتدرہ** کے ایجنٹ یا آلہ کار بنے اس کی حقیقت تو اللہ علیمٌ خبیر ہی کو معلوم ہے، ہم تو محض حالات و آثار، کام اور اس کے نتائج ہی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی محنتوں کے نتائج کیا رہے؟ کیا اسلام اور امت مسلمہ ایک رہی یا منتشر ہوگئی؟ حتیٰ کہ القرآن یعنی فرقان حمید بھی ایک نہ رہنے دیا گیا۔ چار مختلف المتن قرآن کریم سعودی عرب سے، چند برسوں سے، طبع ہو رہے ہیں اور پاکستان کے اہلحدیث علماء نے مزید سولہ (۱۶) نسخے طباعت کیلئے تیار کر لئے ہیں۔ کس طرح؟ انہی اہل علم مفسرین و محدثین کی مہربانیوں کے نتیجہ میں۔ کیا یہ لوگ اسلام اور قرآن سے مخلص تھے اور ہیں؟ یہ فیصلہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم تک تو یہود و نصاریٰ بھی ایک سے زائد نسخہ قرآن نہ لا سکے / پیش کر سکے۔ لیکن اب وہ چار پیش کر کے پوچھتے ہیں کہ ان میں سے کونسا قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ مانا جائے؟ (معاذ اللہ)

خیال رہے کہ یہ نقشہ یہیں تیسری یا چوتھی صدی تک پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کو اسی طرح ہر صدی میں بڑھاتے جایئے تو اکثریت آپ کو "**مقتدرہ**" کے آلہ کاروں ہی کی ملے گی حتیٰ کہ چودھویں صدی میں آپ "لندن کی جنگل کی حویلی" تک پہنچ جائیں گے، (ضمیمہ) اور پندرھویں صدی میں "جامعہ لاہور الاسلامیہ" تک پہنچ جائیں گے)

اسی طرح سے "**مقتدرہ**" بھی ہر صدی میں موجود رہی ہے اور اپنا کام کرتی رہی ہے اور کر رہی ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے آج بھی "**مقتدرہ**" کے آلہ کار مغربی / یوروپی ممالک کی جامعات سے پی ایچ ڈی اسلامیات کر کر کے آ رہے ہیں اور ان کے کام کو پاکستان میں اور دیگر مسلمانوں کے ممالک میں پھیلا رہے ہیں۔ وہ کسی طرح سے بھی مسلمانوں کو روایات سے ہٹنے نہیں دیتے، یونکہ رویات کو اسلام سے نکال دینے کے بعد ان کے خود ساختہ تمام مذاہب و فرقے دھڑام سے گر جائیں گے اور مسلم امہ پھر سے ایک ہو جائے گی۔ جو کہ ان کو کسی قیمت پر برداشت نہیں اور نہ ہی ہمارے علماء کو یہ برداشت / قابلِ قبول ہے۔ اس موقعہ پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ ہر صدی میں "**مقتدرہ**" کا تسلسل و قیام کیونکر ممکن ہے؟ تو اس کا سادہ سا جواب ہے کہ غور کیجئے صدیوں سے فری میسن تحریک، یا اس طرح کی دوسری تحاریک، کس طرح سے تسلسل سے قائم ہیں اور اپنا کام کر رہی ہیں۔ اسی طرح سے "**مقتدرہ**" ہر صدی میں قائم رہی اور متحرک رہی۔ اس کی ایک اور زندہ مثال یہودیوں کا کارنامہ ہے کہ انہوں نے توریت کی حفاظت نہیں کی، اس کو گم کر دیا، پھر زبانی زبانی نئی توریت بنائی۔ پھر اس کی شرح اور پھر شرح کی شرح کی۔ مثل روایات یا احادیث۔ یہ فنِ حدیث اور فنِ تفسیر و شرح دراصل مسلمین کی ایجاد نہیں ہے اور نہ ہی وہ ان فنون و علوم میں یکتا ہیں (جیسا کہ ہمارے علماء دعوے کرتے ہیں) بلکہ یہ سب کچھ یہودیوں کی ایجاد و مہارت ہے۔ اس کے لئے میں جناب عبد القدوس ہاشمی صاحب مرحوم کے ایک مقالہ بنام "تالمود" سے چند اقتباسات پیش کر تا ہوں۔ انشاء اللہ ساری حقیقت واضح ہو جائے گی:

اقتباسات "تالمود" صفحہ ۴۔۱۵

کارنامہ یہود	کارنامہ مسلمان
(۱)۔ تالمود یا مشنا وغیرہ کتابوں کی تدوین کتابی صورت میں عزرا کاہن کے ہاتھوں ۵۳۸ قبل مسیح میں جب ایرانی بادشاہ کورش نے بابل کو فتح کیا اور یہودیوں کو پھر سے فلسطین میں آنے کی اجازت دی، عمل میں آئی، اس وقت یہودی احبار نے مجلس احبار، جنہیں "احبار تنائیم کہا جاتا ہے (یعنی دوہرا دینے والے) کی ہدایات پر یہودیوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کیلئے تفصیلی احکام و ہدایات لکھ کر ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا۔	یہ قبل مسیح کا زمانہ، موجودہ مسلمانوں کا زمانہ نہیں۔ لیکن قابلِ غور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت میں بھی یہودی احبار کی مجلس (احبارِ تنائیم) قائم تھی!
(۲)۔ پھر یہود علماء اگلے سات سو سال تک اس کی شرحیں لکھتے رہے۔ یہ علماء تاریخ یہود میں احبار اموارئیم (یعنی حکم دینے والے علماء کہلاتے ہیں)	یہ بھی مسلمین کا زمانہ نہیں

(۳)۔ دوسری صدی عیسوی کے اواخر میں ایک بہت ہی قابل عالم یہودیوں میں پیدا ہوئے جو تیسری صدی کے نصف اوّل میں علمی اور تنظیمی کاموں کے لئے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ یہ بزرگ تاریخ میں یہودا القدیس کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے پچھلے مجموعوں اور جدید قیاسات و اجتہادات کی مدد سے ایک بڑی کتاب تصنیف فرمائی اس کتاب کا نام انہوں نے المثنا یعنی دوسری تورات رکھا۔

یہودیوں کی دوسری صدی عیسوی کے طرز پر مسلمانوں نے دوسری صدی ہجری میں اپنی آسمانی نازل شدہ کتاب کو مجمل قرار دے کر اس کے ”**مثلہٗ و معہٗ**“ تصنیف کرنا شروع کر دی اور اس کو جامع الصحیح یا جامع السنن کا نام دیا۔

(۴)۔ یہودی احبار مختلف اوقات میں مثنا کی شرحیں لکھتے رہے اور اس پر اضافے کرتے رہے۔ غالباً چھٹی صدی عیسوی کے بعد اصل کتاب مثنا میں جو تلمود کا اصلی حصہ ہے کوئی اضافہ نہیں ہوا یہودی احبار کی ساری توجہ شرحیں، تفسیریں اور حواشی لکھنے تک محدود رہیں۔

مسلمان علماء، جنہیں محدث کا نام دیا گیا، وہ اپنی ہی تصنیف کردہ **مثلہٗ و معہٗ** کی بھی شرحیں لکھتے رہے۔ غالباً ان کے ہاں بھی چھٹی صدی ہجری (مماثل چھٹی صدی عیسوی) کے بعد **مثلہٗ و معہٗ** کتاب میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔

(۵)۔ چھٹی صدی عیسوی کے بعد بھی تلمود کی جو شرحیں لکھی گئیں ان میں گیارھویں صدی عیسوی (پانچویں صدی ہجری) میں سعد الفیومی کی متفرق الگ الگ حصوں میں لکھی ہوئی شرح زیادہ مشہور ہے۔

تقریباً پانچویں صدی ہجری تک **مثلہٗ و معہٗ** کتب، جنہیں **شروح** ''الکتُب'' کہا اور مانا جاتا ہے، لکھنا اختتام پذیر ہوا اور انہیں کتب اور ان کے مجموعوں کو مشہور کرنا شروع کر دیا گیا۔ اور ان کو مختلف فرقوں کے مطابق اور فقہوں کے مطابق ترتیب دینا شروع کرا دیا گیا۔

(۶)۔ دوسری مشہور شرح غازی صلاح الدین ایوبی کے یہودی طبیب موسیٰ بن میمون نے بارہویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں لکھی۔

تقریباً چھٹی صدی ہجری تک **مثلہٗ و معہٗ** کتب کی گروہ بندی بھی کرا دی گئی مثلاً صحاح ستہ اور ان میں کون کون سی کتب شامل کی جائیں اور کونسی نہیں۔

(۷)۔ سولہویں صدی عیسوی (دسویں صدی ہجری) میں مشہور و معروف یہودی عالم موسیٰ افرایم کاروصفدی نے مثنا کی شرح کے لئے مختلف مسائل پر الگ الگ متعدد کتابیں لکھیں۔ مذکورہ بالا تمام شروح کو یہودی علماء کی مجلس علمی نے کچھ دنوں کے بعد دو جلدوں میں یکجا کر دیا۔ جسے جمارہ یا جمہرہ (بمعنی تکملہ) کے نام سے مشہور کیا گیا۔

تقریباً اسی دسویں صدی ہجری میں، مسلمانوں کے ایک بہت مشہور عالم نے پچھلی تمام مثلہٗ و معہٗ اور ان کی شرحوں اور دیگر متعلقہ علوم کا مجموعہ یا مجموعے مرتب کر دیئے تاکہ اہل ایمان ان شرح شدہ علوم سے ہٹ کر کہیں ام الکتاب کو نہ پکڑ لیں۔

(۸)۔ سولہویں صدی عیسوی میں (دسویں صدی ہجری) یہودی احبار و حاخام نے متفق ہو کر اپنے ہاں اجتہاد کا

یہی عمل مسلمانوں نے بھی کیا کہ اپنے ہاں اجتہاد کا دروازہ بند کر کے بوتل میں جِن بند کر دیا یا دیو بند کر دیا تاکہ تقلیدِ

دروازہ بند کر دیا۔

(۹)۔ عیسائیوں نے تالمود کے احکام پر واقفیت حاصل کرنے کے بعد ان کے ساتھ دشمنوں کا سا سلوک کرنے ہی میں عافیت سمجھی اور خصوصیت کے ساتھ تلمود ان کے لئے کبھی قابلِ برداشت نہیں رہی۔

(۱۰)۔ عیسائی دشمنی کی وجہ سے مجبوراً ۱۵۸۱ء میں یہودیوں نے تلمود کے وہ تمام حصے جو کسی طرح عیسائیوں کے خلاف تھے خارج کر کے اس کی طباعت کا انتظام کیا۔ جس کو بیسل ایڈیشن کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب وہ ہے جسے یہود آسمانی کتاب کا درجہ دیتے ہیں اور جس کے احکام و ہدایات پر عمل پیرا ہونا واجب سمجھتے ہیں۔

سلف کا قلاوہ گردن سے نہ نکلے۔

مسلمانوں نے اس کے بالکل برعکس کیا کہ یہود و نصاریٰ دونوں ہی سے رواداری برتتے رہے اور ان کو خلافت و حکمرانی تک میں شریکِ کار رکھا۔ نتیجتاً ذلیل و خوار ہوئے۔

مسلمان یہاں تک بڑھ گئے یا بڑھا دیئے گئے کہ ان کے ہاں جعلی نبی یا پیغمبر کھڑے کر دیئے گئے جنہوں نے یہود و نصاریٰ و کفار و مشرکین سے جہاد فِی السیف کی آیات اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کی شانِ رؤفیت کی آیات تک اُمّ الکتٰب سے نکلوا دیں اور اس کو مجمل کتاب قرار دے کر **مثلہٗ و معہٗ** کو حجت، اصل دین و شریعت اور واجب التعمیل قرار دلوا دیا۔

ان اقتباسات کو پڑھنے کے بعد غور کیجئے کہ یہ "مثنا" کیا چیز ہے؟ "یعنی دوسری تورات"۔ یہ وہی چیز ہے جسے مسلمانوں میں القرآن الحکیم کے ساتھ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے **مثلہٗ و معہٗ** قرار دیا۔ یعنی احادیث شریف۔ اور انہیں واجب التعمیل بھی قرار دیدیا۔ جبکہ القرآن الحکیم واجب التعمیل نہ رہا یونکہ احادیث شریف آیات القرآنی کو منسوخ کر دیتی ہیں۔ نیز یہ کہ احادیث شریف قرآن پر قاضی بھی ہیں۔ کیا یہ حقیقت واضح نہیں ہوگئی کہ دوسری تیسری صدی کی ساری کاروائی یہودیوں ہی کی سازش و محنت تھی جبکہ یہی محنت وہ اپنے ہاں بھی کر رہے تھے اس کا تقابلی مطالعہ کر لیجئے:

عام طور پر مشہور ہے کہ یہودی یا بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب تورات کے احکام پر عامل ہیں۔ علاوہ اس حقیقتِ تاریخی کے کہ توراتِ مقدس کہیں موجود نہیں وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے کئی سو سال پہلے ہی دنیا سے گم ہو چکی تھی، اس حادثہ کے بہت بعد جب ایک جعلی تورات بنائی گئی تو وہ بھی مختلف حوادث میں نیست و نابود ہو گئی۔ اصل کا تو ذکر ہی کیا۔ اس کا ترجمہ یا ترجمہ بھی اب کہیں موجود نہیں ہے۔ اب جو کچھ موجود ہے وہ اس جعلی تورات کا تیسرا یا چوتھا ترجمہ ہے۔ یہودی اس کو ترجمہ کہتے تو ہیں مگر اس کو واجب التعمیل نہیں سمجھتے۔ بیان کرتے ہیں کہ ان کی ایک قومی مجلس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے کئی سو سال پہلے ہی یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ تورات واجب التعمیل نہیں بلکہ واجب التعظیم ہے اب ان کا دینی و دنیاوی دستور حیات کتاب تلمود ہے۔ تلمود سے واقفیت یہودیوں کے سوا دوسرے لوگوں میں سے بہت کم لوگوں کو حاصل ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس کی تعلیم صرف یہودیوں کو دی جاتی ہے۔ یہودیوں کا نسلی غرور ہندو برہمن کے نسلی غرور سے بہت زیادہ ہے۔ برہمن کا حکم ہے اگر وید مقدّس کا ایک لفظ بھی کسی نیچ ذات والے شخص کے کانوں میں پڑ

جائے تو اس کے کانوں میں پگھلتا ہوا سیسہ ڈال دو۔ یہودیوں کا عقیدہ اور ان کا طرزِ عمل بھی اسی طرح کی نامعقولیت بلکہ جہالت کا ہے۔ وہ اپنی کتاب تلمود کی تعلیم کسی غیر یہودی کو نہیں دیتے بلکہ انہیں مذہبی طور پر اس کی بھی اجازت نہیں کہ اپنے مذہبی احکام و اسرار کو غیر یہودی پر ظاہر کریں۔ لیکن ان ساری احتیاطوں اور رازداریوں کے باوجود جیسے برہمنوں کے وید مقدس برہمنا، اپنشد ادر پُران وغیرہ صرف برہمن نسل تک محدود نہ رہ سکے۔ دنیا کے دوسرے لوگوں نے انہیں پالیا اور پڑھ کر ان سے واقفیت حاصل کر لی۔ بالکل اسی طرح یہودیوں کی کتاب تلمود سے بھی دنیا بے خبر نہیں رہی۔ مسلمانوں، عیسائیوں اور دوسری اقوام نے اس کو پڑھا۔ سمجھا اور اس سے پوری طرح واقف ہو چکے تھے لیکن چونکہ عام اہلِ علم کو اس کتاب کے مندرجات سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی اس لئے لوگوں نے تلمود کو مطالعہ کا موضوع نہیں بنایا اور اس کے احکام و ہدایات سے غیر یہودیوں کی واقفیت ہر زمانہ میں چند خاص خاص لوگوں تک محدود رہ گئی۔ حالانکہ آج کی دنیا میں تورات پر عمل کرنے والا شاید ایک یہودی بھی دنیا میں موجود نہ ہو۔ جتنے یہودی ہیں وہ سب کے سب تلمود پر عمل کرنے والے یہودی ہیں۔ ان کا دینی و دنیاوی دستور العمل تورات نہیں بلکہ تلمود ہے۔ (جس طرح آج مسلمانوں کا دینی و دنیاوی دستور العمل القرآن نہیں بلکہ عجمیوں کی تدوین شدہ صحاح ستہ و دیگر احادیث ہیں۔ صدیق)

یہود بڑے پُر اسرار ہوتے ہیں ان میں اعلیٰ تعلیم یافتگان اور بہترین سائنسدانوں کی بڑی کثرت ہے اتنی کہ غیر یہودیوں میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ ان کے اہلِ علم دنیا کی متعدّد زبانیں سیکھتے ہیں اور ان سے مل کر اور باتیں کر کے آدمی ناخوش نہیں ہوتا ہے۔ یہ بڑی اچھی طرح سنجیدگی کے ساتھ باتیں کرتے ہیں وہ اخلاق اور خندہ پیشانی کے اظہار میں بھی کسی دوسری قوم سے کم نہیں ہوتے، لیکن آپ اگر ان سے کوئی کارآمد بات اور خصوصیت کے ساتھ اگر کوئی بات اُن کے عقائد، مراسم اور عبادات و معاملات کے متعلق پوچھیں تو عموماً وہ ایسے سوالات کو ٹال دیتے ہیں یا اتنی غلط اور بے اصل معلومات پوری سنجیدگی اور اظہارِ دیانت کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں کہ آدمی ان غلط اور بے اصل معلومات پر یقین کر کے آئندہ سے تحقیق و تدقیق کا خیال ہی چھوڑ دے۔ (بالکل یہی حال مسلمانوں کے ایک فرقہ کا بھی ہے معاذ اللہ۔ صدیق)
یہودی عوام کا طریقہ تحفظِ اسرار کے سلسلہ میں یہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو مذہب سے ناواقف بلکہ مذہب سے اور خدا سے بیزار ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے دل سے اور عمل سے دونوں رخوں سے سخت مذہبی ہوتے ہیں کسی طرح لامذہب نہیں ہوتے بلکہ پورے یہودی ہوتے ہیں اور یہودی علماء یعنی ربی، حِبر، حاخام اور صومعہ کے دوسرے عہدہ داران اپنے اسرار کا تحفظ اس طرح کرتے ہیں کہ دینی اسرار کو سمجھنے کے لئے بعض مقدمات کا سمجھنا ضروری بتاتے ہیں اور ان مقدمات پر اتنی لمبی اور اُلجھی ہوئی تقریر کرتے ہیں کہ سائل اکتا جائے یا پھر اتنی غلط معلومات پورے منطقی استدلال کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں کہ پوچھنے والا ہمیشہ کے لئے غلط فکری راہ اختیار کر لے۔

یہودی کیوں ایسا کرتے ہیں اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے ان میں نسلیت کا شدید جنون ہے اور یہ جنون اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ وہ یہودیوں کے سوا دوسروں کو حیوان (جانور) اور بہائم سمجھتے ہیں اپنی نسل کو خدا کی پسندیدہ نسل بلکہ خدا کے بال بچّے قرار دیتے ہیں اور دوسروں کو اپنے مقابلہ میں دوپائے جانور کا مرتبہ دیتے ہیں جو صرف اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ یہودیوں کی غلامی کریں۔ ظاہر ہے کہ اس عقیدہ نے اُن کو ساری دنیا کا اور ساری دنیا کو اُن کا دشمن بنا دیا ہے اور دشمنوں کو گھر کے راز کون بتاتا ہے؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ اگرچہ یہ لوگ کتابیں لکھتے ہیں لیکن ان میں وہ اپنے عقائد و افکار کو ظاہر نہیں کرتے۔ مثلاً اتنی بڑی اور اہم کتاب انسائیکلوپیڈیا آف ریلجنز اینڈ ایتھکس میں لفظ تلمود کو دیکھئے اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ عیسائیوں نے اس کتاب کے خلاف کیا، کیا ہنگامے بپا کئے اس کا بیان موجود ہے لیکن اس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ہے کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے عیسائیوں نے تلمود کے نسخے کیوں بار بار جلائے اس میں ایسی کیا بات تھی۔ اسی طرح انگریزی زبان میں کئی کتابیں تلمود پر ملیں گی۔ لیکن ان میں اس قدر چالاکی کے ساتھ تلمود کے انتخاب دیئے گئے ہیں کہ ان میں سے کوئی شخص تلمود کو نہیں پہچان سکتا۔

بہر حال راز داری اور غلط بیانی کے ستر [۷۰] پردوں میں سے چھن کر کچھ نہ کچھ حقیقت سامنے آ ہی جاتی ہے اور اصل عبرانی نسخہ تلمود مل جاتا ہے تو کچھ مزید روشنی یہودیوں کے دینی و دنیاوی دستورِ اساسی پر پڑ جاتی ہے۔ اگرچہ میرا اپنا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ کتاب تلمود کا مکمل عبرانی متن صرف یہودیوں کو ملتا ہے۔ دوسروں تک جو نسخہ پہنچایا جاتا ہے وہ مناسب کتر بیونت کے بعد شائع ہوتا ہے اور یہودی سیاست و معاشیات کا حصہ تو قطعاً خارج کر دیا جاتا ہے۔

بہر حال جو تھوڑی بہت ہمیں اس کتاب کے متعلق معلومات میسر آ سکی ہیں وہ پیش ہیں۔ یہ معلومات تلمود کے قلمی نسخہ موجودہ برطانوی میوزیم، الدرالمنضود عربی اور انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو تلمود و مدراش کے مطالعہ پر مبنی ہیں:

۵۵۳ء میں جھگڑے اور فسادات کے بعد جب تورات اور دوسری عبرانی کتابوں کو لاطینی حروف میں لکھنے کی اجازت دی گئی تو لفظ تلمود کو لاطینی حروف میں TALMUD لکھا گیا۔ لاطینی حروف میں حرف ت کا فتحہ ظاہر کرنے کے لئے حرف A کا استعمال ضروری تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تلمود کو تالمود پڑھا گیا اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس کتاب کے دو نام تلمود اور تالمود دونوں بولے اور لکھے جانے لگے۔

کتاب تلمود اُن احکام و ہدایات عامہ کا مجموعہ ہے جو تورات کے احکام سے زائد ہیں اور بقول یہود نسلاً بعد نسلٍ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زبانی روایات کے ذریعہ پہنچی ہیں (جس طرح مسلمانوں کی تدوین شدہ احادیث نسلاً بعد نسلٍ رسول اللہ سلامؐ علیہ سے زبانی روایات کے ذریعہ پہنچی ہیں۔ صدیق) ان روایات کا درجہ خود تورات سے بھی بلند ہے۔ یوں تو یہودی علماء کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ یہ روایات ابتدائے آفرینش عالم سے موجود ہیں بلکہ یہ بھی عقیدہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو اس کتاب کی ذرا بھی مخالفت کرے گا فوراً اور اچانک

مر جائے گا اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہواہ یعنی خدائے لم یزل ولایزال کا اوّلین حتمی فیصلہ اور واجب التعمیل حکم ہے۔ (جس طرح اب مسلمانوں کا عقیدہ بنتا جارہا ہے کہ روایات / احادیث بھی وحیٔ الٰہی ہیں۔ صدیق)

ان روایات کی تدوین کتابی صورت میں عزرا کاہن کے ہاتھوں اس وقت عمل میں آئی جب ۵۳۸ قبل المسیح یا ۵۳۹ ق۔ م میں ایرانی بادشاہ کورش نے بابل کو فتح کیا اور یہودیوں کو پھر سے فلسطین میں آنے کی اجازت دی۔ اس وقت یہودی احبار (علمائے دین) نے یہودیوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے تفصیلی احکام و ہدایات کو لکھ کر ایک کتاب کی شکل میں تالیف کر دیا۔ اس میں یہودیوں کے لئے معاشی احکام بھی ہیں صلح و جنگ کے ضوابط بھی۔ عائلی و قومی زندگی کے لئے قواعد و قوانین بھی اور عبادات کے لیے ہدایات بھی۔ خصوصاً تہواروں اور قربانیوں کے لیے اس میں بڑی تفصیلات ہیں۔

عزراء کاہن کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ یہود ایک بڑی طویل مدت تک قید اور جلاوطنی کی حالت میں بابل میں رہ کر واپس آئے ہیں اکثر تو اس طویل مدت میں وہیں مر کھپ گئے۔ اب جو واپس آئے ہیں وہ دوسری اور تیسری نسل کے لوگ ہیں اور سارے کے سارے یہود واپس بھی نہیں آئے ہیں۔ اکثر لوگ اپنے معاشی علاقات اور جائیداد غیر منقولہ سے وابستگی کی وجہ سے وہیں بابل اور اس کے نواح میں رہ گئے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہود کے طور طریقے رسوم و رواج اور احکام و ہدایات گم ہو جائیں اس لیے انہوں نے ان سب کو جو انہیں معلوم تھے یا جو کچھ انہوں نے بزرگوں سے سنا تھا ایک جگہ لکھ کر کتاب کی شکل میں محفوظ کرنے کی پہلی کوشش کی۔ اسی زمانہ میں تورات بھی پھر سے جدید بنائی گئی۔ اور اصلی موجود نہ تھی اس لیے رواجوں کے مطابق احکام اس میں لکھ دیئے گئے۔ اس طرح تورات تلمود کے بھی مطابق ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی بہت سی شرحیں لکھی جاتی رہیں۔ جنہیں مدراشیم یعنی درسیات کہا جاتا ہے۔ عزرا کاہن کی وفات کے بعد اس کام کو ایک دینی مجلسِ احبار (یہودی علمائے دین) نے ہاتھ میں لیا۔ ان کی تعداد مختلف اوقات میں بڑھتے بڑھتے ایک سو بیس احبار تک پہنچ گئی۔ ان لوگوں کو یہودی تاریخ میں احبار تنائیم کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے جس کے معنی ہیں دوبنا دینے والے علماء۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے تورات اصلی کے مقابلہ کی دوسری کتاب بنا دی۔ یعنی **مثلہٗ و معہٗ** ۔ صدیق) ان علماء نے دعائیں، مناجاتیں اور مراسمِ دینی کو اس رواج کے مطابق مرتب کر دیا جو یہودیوں میں قاضیوں کے عہد سے نسلاً بعد نسلٍ چلے آرہے تھے۔ اس وقت جو کتاب بن کر تیار ہوئی اس میں ۶۱۳ دفعات یا ہدایات تھیں۔

احبار تنائیم کے بعد سے یہود علماء نے ان دفعات یعنی مندرجات کتاب تلمود کی دوسری صدی عیسوی یعنی تقریباً سات سو سال تک شرحیں لکھیں اور اس میں اضافے کیے۔ یہ علماء تاریخِ یہود میں احبار امورائیم (یعنی حکم دینے والے علماء کہلاتے ہیں)۔

دوسری صدی عیسوی کے اواخر میں ایک بہت ہی قابل عالم یہودیوں میں پیدا ہوئے جو تیسری صدی کے نصف اوّل میں علمی اور تنظیمی کاموں کے لیے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ یہ بزرگ تاریخ میں یہود القدیس کے

نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے پچھلے مجموعوں اور جدید قیاسات و اجتہادات کی مدد سے ایک بڑی کتاب تصنیف فرمائی اِس کتاب کا نام انہوں نے المشنا یعنی دوسری تورات رکھا، اس کتاب کو انہوں نے سات ابواب میں منقسم کیا، زراعت، تہوار، عورت، معاوضہ، وقف، قربانی اور طہارت۔

یہی کتاب تلمود (یعنی تعلیم یا آموختہ) کے نام سے مشہور ہوئی اور یہودیوں میں اس کی مقبولیت اس حد تک پہنچ گئی کہ علمائے یہود کی ایک بااقتدار جماعت نے یہ فیصلہ کر دیا کہ عمل تورات پر کرنا جائز نہیں ہے بلکہ عمل اسی کتاب تلمود کے بموجب ہونا ضروری ہے جو شخص تلمود کو چھوڑ کر تورات پر عمل کرے گا اس پر یہوا ہ کا غصہ اور عذاب نازل ہو گا۔ (بالکل اسی طرح انہوں نے مسلمانوں میں عقیدہ بنایا کہ جو **مثلهٗ و معهٗ** یعنی ثنا یعنی احادیث کو نہیں مانے گا اور اس پر عمل نہیں کرے گا وہ منکرِ حدیث یعنی کافر ہو جائے گا اور عذاب کا مستحق۔ صدیق) ایک مختصر سی جماعت جو قرائیم کہلاتی ہے وہ تلمود سے مختلف تھی مگر وہ ختم ہو گئی۔ اب اس کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔

یہودی احبار مختلف اوقات میں المشنا کی شرحیں لکھتے رہے اور اس پر اضافے کرتے رہے، یہاں تک کہ یہ سات ابواب کی کتاب ۳۶ ابواب میں ہو گئی جس میں عقائد، افکار، ہر قسم کے فقہی احکام، معاملات، قصاص، زراعت، تجارت، قرض، تبادلہ وغیرہ سب کچھ موجود ہے۔ (جس طرح احادیث کی کتابوں میں مختلف کتابیں و ابواب بنائے گئے۔ صدیق)

غالباً چھٹی صدی عیسوی کے بعد اصل کتاب المشنا میں جو تلمود کا اصلی حصہ ہے کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ یہودی احبار کی ساری توجہ اس کی شرحیں، تفسیریں اور حواشی لکھنے کی حد تک محدود رہیں۔ لیکن یہ کام اتنی وسعت کے ساتھ اور اتنی مدت تک ہوتا رہا کہ اصل کتاب کی ہیئت بڑی حد تک بدل سی گئی۔ اس لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ مشنا اور اس کی شرحوں کو ہر صفحہ میں ایک خط کھینچ کر علیٰحدہ علیٰحدہ لکھا جائے۔

اگرچہ چھٹی صدی عیسوی کے بعد بھی تلمود کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں لیکن یہ شرحیں اصل سے ممزوج نہیں ہوئیں۔ ایسی تمام شرحوں کی مکمل تو کیا غیر مکمل فہرست بھی مہیا کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن دو سب سے زیادہ مشہور اور معتبر شرحوں کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔

(۱)۔ سعد الفیومی نے متفرق الگ الگ حصوں میں تلمود کی شرح عربی میں لکھی۔ اس کا زمانہ پانچویں صدی ہجری ہے۔

(۲)۔ دوسری مشہور شرح غازی صلاح الدین ایوبی کے یہودی طبیب موسیٰ بن میمون نے چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) میں لکھی۔ یہ چودہ حصوں میں ہے اس کا نام اس نے الید القویتہ رکھا ہے۔

دسویں صدی ہجری یعنی سولہویں صدی عیسوی میں مشہور و معروف یہودی عالم موسیٰ افرایم کاروصفدی نے مشنا کی شرح کے لیے مختلف مسائل پر الگ الگ متعدّد کتابیں لکھیں۔ مذکورہ بالا تمام شروح کو یہودی علماء کی ایک مجلسِ علمی نے کچھ دنوں کے بعد دو جلدوں میں یکجا کر دیا۔

صدیوں سے یورپ کی عیسائی دنیا میں یہودیوں کے خلاف عموماً اور تلمود کے خلاف خصوصاً بڑا طوفان بپا تھا۔ یہودی ہر جگہ سے نکالے جا رہے تھے۔ تلمود کے نسخے جلائے جا رہے تھے۔ اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے یہودی مسلمانوں میں آ کر پناہ گزین ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کی رواداری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہودیوں نے مسلم ممالک میں جگہ جگہ اپنے مدارس اور علمی مجالس قائم کر لی تھیں۔ مشنا اور اس کی شروح کا مجموعہ جو موسیٰ افرائیم نے تیار کیا تھا وہ ساری شرحوں کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے جمارہ (بمعنی تکملہ اور جمہرہ) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ مجموعے یہودیوں کے دو علمی اداروں سے کچھ دنوں کے اندر ہی یکے بعد دیگرے شائع ہوئے ایک ادارہ فلسطین میں تھا اور دوسرا ادارہ عراق میں واقع تھا۔ ایک فرق ان دونوں کے مابین یہ بھی تھا کہ فلسطین سے شائع ہونے والا نسخہ مفصل اور مکمل تھا اور آرامی زبان میں تھا۔

اب یہودیوں کے پاس ایک مشنا اور دو جمارۃ تھے۔ اس کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ ہر صفحہ میں اوپر مشنا اور اس کے بعد ایک خطِ فاصل پھر اس کے نیچے جمارہ لکھا جانے لگا۔ اب یہ نام رائج ہو گیا کہ جب مشنا کے ساتھ فلسطینی جمارہ ہو تو اسے تلمود اور شلیم اور اگر عراقی جمارہ ہو تو تلمودِ بابل کہتے ہیں حالانکہ جب یہ جمارہ تیار ہوا تھا اس سے صدیوں پہلے ہی بابل ویران ہو چکا تھا۔

اس طرح موجود تالمود دو ہیں۔ ایک چھوٹا تالمود اور شلیم اور دوسرا بڑا نسخہ "تالمود بابل" یہ دونوں قسم کے نسخے عیسائیوں کے خلاف بہت سے فقروں کو خارج کر کے مع انگریزی یا فرنچ ترجمہ یہودی حکومتِ اسرائیل نے بڑے اہتمام کے ساتھ طبع کر دیئے ہیں لیکن قلمی نسخوں سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں کافی کتر بیونت کی گئی ہے۔

لفظ جمارہ عربی مادہ جمر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں متفرق کا مجتمع ہو جانا۔ (مسلمانوں نے اپنے ہاں لفظ جمر یا جمارع کی بجائے جامع کا لفظ منتخب کیا یعنی جامع سنن، جامع الصحیح وغیرہ۔ صدیق) عربی میں کہتے ہیں۔ جمر القوم علی الامر۔ اس بات پر قوم جمع ہو گئی یعنی اتفاق و اجماع کر لیا۔ جمرت المرأۃ شعرہا۔ عورت نے اپنے بالوں کو یکجا کر کے جوڑا باندھ لیا۔ جدید عبرانی زبان میں جو عہد خلافتِ عباسیہ میں بنائی گئی ہے۔ یہ مادہ اسی معنی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور عربی کی طرح عبرانی زبان کے جملہ چودہ صیغے اس سے بنائے جاتے ہیں۔

سولہویں صدی عیسوی میں یہودی احبار و حاخام نے متفق ہو کر اپنے یہاں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا۔ (جبکہ مسلمانوں نے اپنے ہاں چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دروازہ بالکل بند کر کے عجمی فقہا کی حکومت قائم کر دی۔ صدیق)۔ اب کوئی یہودی عالم، ربی تو کیا، صبر، بلکہ حاخام (یہودی پاپائے اعظم) بھی تلمود کے سوا کہیں اور سے یا اپنے قیاس و اجتہاد سے کوئی فتویٰ صادر نہیں کر سکتا اور یہ عقیدہ یہودیوں میں راسخ ہو گیا ہے کہ :

"جو تلمود سے ذرہ برابر اختلاف کرے گا اس پر یہوا کا غضب اور موت نازل ہو گی،، صفحہ ۱۴۔۱۵[1]

[1] تلمود۔ از عبد القدوس ہاشمی صاحب مرحوم۔ صدیقی ٹرسٹ۔ المنظر اپارٹمنٹس۔ ۴۵۸۔ گارڈن ایسٹ، لسبیلہ چوک کراچی سلسلہ نمبر ۳۴۸۔ مزید...... مقالاتِ ہاشمی۔ چند علمی و تحقیقی مکاتیب کا مجموعہ۔ از عبد القدوس ہاشمی صاحب مرحوم۔ مرتبہ ثناء الحق صدیقی صاحب مرحوم دار التذکیر، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ ۲۰۰۳ء۔ صفحہ ۱۶۷۔۱۷۴

غور کیجئے کہ تقریباً چھ سو سال قبل مسیح کی مجلسِ احبار (احبار تنائیم اور مجلسِ احبار اموارائیم) ہی کے طرز پر پہلی صدی ہجری ہی میں جو مجلس احبارِ یہود و مجوس و نصاریٰ ("مقتدرہ") بنائی گئی وہ مسلمانوں کو کس خوبصورتی سے مجوس و یہود و نصاریٰ کے رنگ میں رنگتی رہی اور ان کی اُم الکتاب کو سنہری جزدان میں لپیٹ کر مچان پر رکھوا دیا گیا۔ اور غیر واجب التعمیل کتب کو ان کے ذہنوں میں بھر دیا گیا کہ آج تبلیغی جماعت کے ممبران ہم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ واجب التعمیل احادیث نہ ہوں گی تو بتاؤ ہم غسل جنابت کیسے کریں گے اور نماز کیسے پڑھیں گے۔ (معاذ اللہ)

قرآن الحکیم کے مقابلہ پر یا اس سے زائد بطور شرح یا تفسیر **مثلہٗ و معہٗ** تیار کرنے کی، شاید غیر ارادی طور پر بلکہ پُر خلوص طور پر، اقوال یا ارشاداتِ رسول کو لکھنے کے عمل پر ہی تو، اللہ تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ جمع کرنے یا لکھنے سے منع فرما دیا تھا (۵۷-۵۸/۱۰) چنانچہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی یہ فرما کر کہ "جس نے قرآن کے سوا میری کوئی بات لکھی ہے تو چاہیئے کہ اس کو مٹا دے" [۱] (مسلم) یعنی قلمبند کر کے محفوظ کرنے سے منع فرما دیا۔ ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ " **اَکِتَابٌ مَعَ کِتَابِ اللّٰهِ اِمۡحَضُوۡا کِتَابَ اللّٰهِ وَ اَخۡلِصُوۡهُ قَالَ فَجَمَعۡنَا مَا کَتَبۡنَاهُ فِیۡ صَعِیۡدٍ ثُمَّ اَحۡرَقۡنَاهُ** " کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ دوسری کتاب؟ (یعنی ایسا نہ کرنا چاہیئے، پھر فرمایا) ستھری کرو اللہ کی کتاب کو اور (ہر قسم کے اشتباہ سے) اس کو پاک رکھو۔ (صحابی کہتے ہیں) کہ تب ہم نے جو کچھ لکھا تھا اس کو میدان میں (۱)۔ اکٹھا کیا پھر اس کو ہم نے جلا دیا" [۲]

رسول اللہ سلامٌ علیہ کے بعد خلیفہ اوّل وبر حق، **ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ** (۹/۴۰) نے "**مثلہٗ و معہٗ**" روایات کے بیان کرنے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ ماؤلانہ سید مناظر احسن گیلانی صاحب کے الفاظ میں پڑھیئے:

> "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں روایت کیا کرتے ہو، جن میں باہم اختلاف کرتے ہو اور تمہارے بعد کے لوگ اختلاف میں زیادہ سخت ہو جائیں گے پس چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا کرو، پھر تم سے اگر کوئی کچھ پوچھے تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان (اشتراک کا نقطہ) اللہ کی کتاب ہے۔ پس چاہیئے کہ اس کتاب نے جن چیزوں کو حلال کیا ان کو حلال قرار دو اور جن باتوں کو حرام ٹھہرایا ان کو حرام ٹھہراؤ"۔ [۳] (**حَسۡبُنَا کِتٰبُ اللّٰهِ**)

(۲)۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ آپؓ نے اپنی تحریر کردہ پانچ سو احادیث کے مجموعہ کو آگ منگا کر جلا دیا۔ [۴] اس طرح آپ نے سنتِ نبوی اور مصلحتِ پیمبری کی تجدید کی۔ اور دوسرے لفظوں میں، وہی حقیقت بیان فرما دی کہ (**حَسۡبُنَا کِتٰبُ اللّٰهِ**)

آپؓ کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی "**مثلہٗ و معہٗ**" روایات کے بیان کرنے کو منع کرتے رہے بلکہ جب صحابہؓ اور تابعین وغیرہ کے اصرار پر آپ نے روایات لکھنا چاہیں تو ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے اس کے بعد آپؓ نے روایات لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا، اور ماؤلانہ سید مناظر احسن گیلانی صاحب کے مطابق:

۱۔ تدوینِ حدیث مصنفہ سید مناظر احسن گیلانی صاحب۔ صفحہ ۳۴۲ ...... ۲۔ ایضاً۔ بحوالہ مسند احمد اور مجمع الزوائد صفحہ ۳۴۷ ...... ۳۔ ایضاً۔ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ الذہبی۔ ج ۱۔ صفحہ ۴۳۱ ...... ۴۔ ایضاً۔ بحوالہ الذہبی۔ صفحہ ۳۹۲

"بہر حال حضرت عمرؓ نے یہی طے کیا کہ قرآن کے سوا جو چیز بھی ان کے زمانہ تک نوشتہ کی شکل میں آئندہ نسلوں تک پہنچے گی وہ **تورات** کی **مثناۃ** کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ اسی لئے نہ خود اپنی حکومت کی جانب سے اس کام کے انجام دلانے پر آمادہ ہوئے اور جہاں تک ان کے بس میں تھا دوسروں سے بھی انہوں نے یہی چاہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جن باتوں کی تبلیغ میں عمومیت کا طریقہ اختیار نہیں فرمایا تھا ان کو ایسے زمانے میں قلمبند نہ کریں جس کے بعد اس مصلحت کے متاثر ہونے کا اندیشہ پیدا ہو سکتا تھا جسے پیشِ نظر رکھ کر آنحضرت ﷺ نے یہ انتظام کیا تھا"۔[1]

اسی صفحہ کے حاشیہ میں گیلانی صاحب فٹ نوٹ میں وضاحت کرتے ہیں کہ:

"**مثناۃ** کا یہ لفظ خود حضرت عمرؓ کا ہے۔ جس کا ذکر ابنِ سعد نے طبقات میں اور دوسری کتابوں میں بھی لوگوں نے کیا ہے کہ اپنے زمانے میں حدیثوں کے قلمبند کرانے کے متعلق حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ یہودیوں کے ہاں توراۃ کے ساتھ جو **مثناۃ** کی حیثیت ہے وہی حیثیت قرآن کے ساتھ حدیثوں کی اسلام میں ہو جائے گی............ آدم کلارک اور ہارن وغیرہ مفسرین توراۃ نے لکھا ہے کہ پچھلے زمانے میں یہودیوں کے ہاں **مثناۃ** اور تالمود کی اہمیت تورات سے بہت زیادہ بڑھ گئی۔ توراۃ کو علماءِ یہود ناقص، مغلق غیر مفہوم قرار دیتے تھے (جیسا کہ مسلمان علماء وفضلا قرآن الحکیم کو بھی، انہی کے سکھائے ہوئے طریقہ پر مجمل قرار دیتے ہیں اور روایات کو اس کی شرح، تشریح وتفسیر قرار دیتے ہیں۔ صدیق) اور دین کی حقیقی بناء انہوں نے بجائے تورات کے مثناہ پر آخری زمانہ میں قائم کر دی تھی"۔[2]

گیلانی صاحب ہی جامع بیان العلم ج ۱، ص ۶۵ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے (پہلے تو) چاہا کہ حدیثوں کو قلمبند کر لیا جائے مگر پھر ان پر واضح ہو گیا کہ قلمبند کرانا ان کا مناسب نہ ہو گا تب الامصار (یعنی چھاؤنیوں اور دوسرے اضلاعی شہروں میں) یہ لکھ کر بھیجا کہ جس کے پاس (حدیثوں کے سلسلے کی) کوئی چیز ہو چاہئے کہ اسے محو کر دے (یعنی ضائع کر دے)"۔[3]

گیلانی صاحب ہی مزید لکھتے ہیں:

"بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ الہامی فیصلہ تھا کہ اپنی خلافت وحکومت کی جانب سے حدیثوں کے قلمبند کرانے کا خیال جو ان کے اندر حالات نے پیدا کر دیا تھا، اس خیال کو، آپؓ نے دماغ سے باہر نکال دیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس استشارہ واستخارہ نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اور جن خطرات کا اندیشہ تھا ان کے تمام گوشوں کو نئے سرے سے تازہ کر کے آپ کے سامنے پیش کیا۔ بظاہر اسی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حکومت ہی کی طرف سے "تدوینِ حدیث" کے کام کو اپنے زمانہ میں ایک خطرناک اقدام آپ نے قرار دیا بلکہ آپ کے عہدِ خلافت تک تقریباً ایک قرن یا جگ (بارہ سال) آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو گزر چکا تھا، اس عرصہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر لوگ حدیثوں کو پھر قلمبند کرنے لگے تھے

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۵ ...... ۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۵۔۵۲۶...... ۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۴

ابن سعد نے قاسم بن محمد کے حوالہ سے جو روایت طبقات میں درج کی ہے"۔[1] اس کے الفاظ یہ ہیں:

(۳)۔"عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حدیثوں کی پھر کثرت ہو گئی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قسمیں دے دیکر حکم دیا کہ ان حدیثوں کو ان کے پاس پیش کریں .... حسب الحکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے اپنے مجموعہ کو لوگوں نے پیش کر دیا۔ تب آپؓ نے ان کو جلانے کا حکم دیا"۔[2]

"گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ حدیثوں کے نذرِ آتش کرنے کا یہ تیسرا تاریخی واقعہ ہے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک پیش آتا رہا ہے۔ پہلی دفعہ تو خود آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابیوں سے لے کر اس کو ختم کیا پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مدوّنہ مجموعہ کے ساتھ یہی کاروائی کی اور تیسرا واقعہ "تدوینِ حدیث" کی تاریخ میں یہ پیش آیا"۔[3]

پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت تک کوئی "**مثلهٗ و معهٗ**" یا اسلامی **مثناۃ** کی تدوین نہ ہو سکی۔ نہ ہی آپؓ کے بعد خلیفہ سوم و خلیفہ چہارم نے اس کی اجازت دی۔ نہ ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اور دیگر اموی خلفاء نے پہلی صدی ہجری کے خاتمہ تک اس کی اجازت دی۔ یہ الزام دوسرے عمر یعنی عمر بن عبد العزیز پر لگایا گیا ہے کہ انہوں نے "**مثلهٗ و معهٗ**" یعنی اسلامی **مثناۃ** کی تدوین کا حکم جاری کیا۔ گویا کہ سو سال میں وہ پہلے سرکاری "نافرمان اللہ و رسول" تھے۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری سے نافرمانیٔ اللہ و رسول کی وبا، "**مقتدرہ**" کے اشارہ / کارگزاری سے ' پھیلنے لگی جو تیسری صدی میں بام عروج پر پہنچ گئی اور "**مقتدرہ**" کی کاوشوں سے "**اسلامی مثناۃ**" یعنی "**مثلهٗ و معهٗ**" کے مجموعے تیار کئے جانے لگے۔ ان مجموعوں کی بھی اصل (یعنی اصل مسودات) کہیں نہیں۔ لیکن کچھ اور صدیاں گزرنے کے بعد، بعد کے "**مقتدرہ**" کے ایجنٹوں نے جو مسودات تحریر کئے وہ آج اصل مسودات و تحریر کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں اور ان میں سے بھی کئی کی طباعت شاید مستشرقین یا اسی قسم کے غیر محدث لوگوں کی کرم فرمائیوں کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ میں پیچھے "صحیفہ ہمام بن منبہ" کے بارے میں تفصیل دے چکا ہوں۔ کتاب المصاحف از ابن داؤد کو تو ابھی طبع ہوئے سو سال بھی نہیں گزرے جسے ایک یہودی مستشرق آرتھر جافری نے اپنے مقدمہ کے ساتھ طبع کروایا ہے۔

غرضیکہ "**مقتدرہ**" کا ایجنڈا اس طرح پورا ہوتا رہا کہ تقریباً ساری امت مسلمہ کو "نافرمان اللہ و رسول" یا "گستاخان اللہ و رسول" بنا دیا گیا۔ **اُمُّ الکُتب** یعنی القرآن الحکیم کو مہجور کرا دیا گیا (۲۵/۳۰) اور قرآن کو مہجور کر کے اس کے ساتھ کم از کم چھ (ورنہ تو سینکڑوں) **مثناۃ** یعنی **مثلهٗ و معهٗ** روایات کے مجموعے بنوا دیئے اور اب تو ایک قرآن الحکیم کے بھی کم از کم چار، ورنہ بیس (۲۰) بلکہ اَسّی (۸۰) قرآن بنوا دیئے۔ یہ سب کچھ بظاہر مسلمان کہلانے والوں ہی کے ہاتھوں کرایا گیا (جبکہ یہ نام مسلمان بھی انہیں کا دیا ہوا ہے یعنی پارسی زبان کا۔ ورنہ عربی میں تو، اور دنیا کی ہر زبان میں نام (جو کہ اسم معرفہ ہے اور بدلا نہیں کرتا) "مسلم"، یا "مسلمین" ہی تھا (۲۲/۷۸) جسے پارسی "**مقتدرہ**" نے بدل کر

۱۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۱۔ ۵۲۲ ......۲۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۲۔ ۵۲۳......۳۔ ایضاً۔ صفحہ ۵۲۳

مسلمان کر دیا ہوا ہے۔)اور تحریفِ اسلام و تخریب مسلمین کا کام ''**مقتدرہ**'' نے اب بھی جاری رکھا ہوا ہے جس کی زندہ مثالیں:

.(۱)۔...چودھویں صدی ہجری میں، کلکتہ یونیورسٹی میں اسلامیات پڑھانے کیلئے ایک یہودی کا چناؤ اور تقرر۔ اور یہ چناؤ کرنے والے تھے (بند دیو کو کھولنے والے) سید سلیمان ندوی، ماؤلانہ ابو بکر صدر شعبۂ عربی علی گڑھ، اور علامہ سعد اللہ پرنسپل عربک کالج۔ دیکھئے ضمیمہ۔ ''اسلامیات کا پروفیسر''

.(۲)۔...چودھویں صدی ہجری ہی میں، لندن میں قائم اکیڈمی یا یونیورسٹی یا جامعہ اسلامیہ جہاں یہود و نصاریٰ و مجوس کو تمام نام نہاد اسلامی علوم زیرِ زمین رہ کر پڑھائے جاتے تھے اور صرف پڑھائے ہی نہیں جاتے تھے بلکہ ان رضاکاروں کو باقاعدہ ان کی تربیت دے کر ماہر بنایا جاتا تھا تاکہ ان کو مسلم ممالک میں عام لوگوں کا دین خراب کرنے کے لئے بھیجا جا سکے۔ دیکھئے ضمیمہ ''عیسائیت کی خفیہ سرنگ''

.(۳)۔...چودھویں صدی ہی میں سیاسی افق پر تخریب کاری کیلئے لارنس آف عربیا سے تو سب ہی واقف ہیں۔

.(۴)۔...<u>تیرھویں صدی کے آخر میں، برصغیر ہند میں، انگریز ہی کے دَور میں، دیوبند کیا گیا۔ اس مکتب فکر کے عقیدت مند اس دار العلوم کے قیام کو الہامی قرار دیتے ہیں</u>۔ اس دار العلوم کے سو سال کے بارے میں مختار جاوید صاحب رکن پاکستان سُنّی رائٹرز گلڈ۔ لاہور نے ۱۹۸۰ء میں ایک کتابچہ شائع کیا تھا۔ اس کے افتتاحیہ میں وہ لکھتے ہیں:

<u>''آج ہم جس قسم کے حالات سے دوچار ہیں، نئے نہیں ہیں۔ بد قسمتی سے تاریخ کے مختلف ادوار میں ہم ایسی ٹھوکریں بارہا کھا چکے ہیں۔ چشمِ فلک میں برّ صغیر پاک و ہند کی گزشتہ سوا صدی میں ایسے شرمناک مناظر متواتر دیکھے ہیں۔ وہ لوگ جو علمِ دین کے ادراک کے مدعی اور ''شیخ الاسلام''، ''شیخ القرآن''، ''شیخ الحدیث''، ''ابو الکلام''، ''امیرِ شریعت''، ''امام الہند''، ''شیخ الہند''، اور ''مفتی اعظم'' قسم کے بھاری بھرکم القابات سمیٹے ہوئے تھے........... ہندو کی محبت میں اس قدر وارفتہ ہوئے کہ دولتِ دنیا کے ساتھ ساتھ متاعِ دین بھی لُٹا بیٹھے............... وہ کلمہ گو مسلمانوں کو کفر و شرک کی توپوں سے چھلنی اور بدترین قسم کی فرقہ بندی کی نشوونما کرتے رہے........... اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑنے کی بجائے گاندھی کی چوٹی سے چمٹ کر رہ گئے''</u>۔(ص۵)

''لیکن شاید بعض دلوں اور دماغوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے کہ وہ محسوس کرنے اور سمجھنے سے بالکل عاری ہوگئے ہیں۔ تحریک پاکستان کی مخالفت میں ہندو کانگریس کا ساتھ دینے والے کانگریسی علماء اب بھی اپنے دار العلوم دیوبند......... کے جشن میں ہندو لیڈروں کو مدعو کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی دعوتیں اڑانا عین خدمت اسلام سمجھتے ہیں'' (صفحہ ۷)

''اندرا گاندھی کے بیٹے سنجے گاندھی نے کھانے کا وسیع انتظام کر رکھا تھا۔ سنجے گاندھی نے تقریباً پچاس ہزار افراد کو تین دن کھانا دیا۔ جو پلاسٹک کے تھیلوں میں بند ہوتا تھا۔ بھارتی حکومت کے علاوہ وہاں کے غیر مسلم باشندوں ہندوؤں اور سکھوں نے بھی دار العلوم دیوبند کے ساتھ تعاون کیا۔(صفحہ ۷۔۸، بحوالہ اخبار

امروز، لاہور، مورخہ ۹ اپریل ۱۹۸۰ء)

دراصل اس کتابچہ کا لبِ لباب یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کا صد سالہ جشن، جو کہ سو سال پورا ہونے پر نہیں منایا گیا بلکہ تقریباً ایک سو پندرہ سال بعد خاص طور پر ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء کو منایا گیا۔ جس میں بھارتی وزیرِ اعظم مسز اندرا گاندھی معزز مہمان خصوصی تھیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"تاریخ برصغیر پر نظر رکھنے والوں کے لئے یہ چنداں تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک اسلامی دار العلوم کے صد سالہ جشن کی تقریب میں نہرو کی لاڈلی بیٹی رونقِ محفل ہو کہ اس درسگاہ کے بڑے' جامع مسجد دہلی میں سوامی شردھانند کو اور جامع مسجد خیر الدین امرتسر میں مسٹر گاندھی منبرِ رسول پر لا بٹھانے کے تاریخی کارنامے انجام دے چکے ہیں"۔ (صفحہ ۴۶)

اس صد سالہ جشن دار العلوم دیوبند میں دنیا بھر سے دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگوں کے علاوہ مشرباً اور مسلکاً ان کے قریب تر یعنی اہل حدیث اور مودودی صاحب سے متاثر افراد نے شرکت کی جن میں ڈاکٹر اسرار احمد، مولوی گلزار احمد مظاہری وغیرہ شامل ہیں۔ (ص ۴۵) جبکہ ماؤلانہ احتشام الحق تھانوی صاحب نے اندرا گاندھی کے ہاتھوں جشن دیوبند کے افتتاح کی خبر پر زبردست احتجاج کیا۔ بدقسمتی سے ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور مفتی محمود صاحب وعبید اللہ انور صاحب سمیت سارے علمائے دیوبند اندرا گاندھی کے بھاشن سے لطف اندوز ہوتے رہے۔" (ص ۴۷)[1]

.(۵)۔... آج بھی، انڈیا و پاکستان میں نہ جانے کتنے یہود و مجوس و نصاریٰ، بھیس بدل کر (تقیہ کرتے ہوئے) ہمارے مدارس و مساجد اور اسلامی مشاورتی اداروں میں کاروائیوں میں مصروف ہیں اور روزانہ ہی نت نئے غیر قرآنی مسائل میں قوم کو بیوقوف بناتے رہتے ہیں۔

.(۶)۔... آج بھی انڈیا و پاکستان میں یورپی ممالک سے اسلامیات میں ڈگریاں لئے ہوئے (یعنی یہود و مجوس و نصاریٰ کے شاگرد) مرد و خواتین بڑے بڑے تعلیمی و تبلیغی ادارے چلا کر، بے علموں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

.(۷)۔... پاکستان میں اس زیرِ زمین تحریک، یعنی "**مقتدرہ**" کے ایجنٹوں کے سب سے بڑے ادارہ "جامعہ لاہور الاسلامیہ" کی زندہ مثال، قارئین کے سامنے ہے کہ انہوں نے چودہ سو سال سے پڑھے جانے والے ایک ہی نسخہ القرآن الحکیم کے چار، بیس (۲۰) بلکہ اسّی (۸۰) نسخے بناڈالے، اور دیوبندی حضرات ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور واہ واہ کر رہے ہیں! کوئی تحقیق کرے کہ ان کے پاس فنڈنگ کہاں سے ہو رہی ہے؟ اور ان کے تانے بانے کہاں سے ملتے ہیں؟

.(۸)۔... آج پاکستان میں، "انقلاب ایران" کے بعد سے غالی و متعصب شیعہ اور بہائی بہت زیادہ متحرک ہو چکے ہیں۔ چونکہ ناموں سے تو پتہ نہیں لگتا، اس لئے وہ ہر ادارہ میں خاموشی سے گھس گئے ہیں اور لوگوں کے عقائد بگاڑنے کا پورا ذمہ لیا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ قرآنی فرائض، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ اور حج تک کا انکار کرا دیا ہے۔ اَوَّلَ بَیۡتٍ (۹۶/۳، ۲۶/۲۲) کی جگہ بیت المقدس کو قبلہ اوّل منوالیا ہوا ہے، یہ عقیدہ قائم کر دیا ہے کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ تو قرآن الحکیم کو غیر کتابی شکل

[1] دار العلوم دیوبند کے سو سال۔ از مختار جاوید۔ عظیم پبلی کیشنز لاہور۔ اشاعت اول اکتوبر ۱۹۸۰ء

میں چھوڑ کر چلے گئے اور اس کو جمع نہیں کیا بلکہ وہ تو پتوں، درختوں کی چھالوں، ہڈیوں اور پتھروں پر لکھا ہوا ڈھیر تھا بعد میں خلفاء راشدین نے جمع کیا اور ترتیب سے لکھوایا اور اس میں سے بہت کچھ نکال بھی دیا۔ اب حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ اور ایک مہدی آئیں گے تو پورا قرآن ساتھ لائیں گے .... وغیرہ وغیرہ۔ خیال رہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنے کولا مذہب یا سیکولر (حقیقت میں Atheist) ظاہر کرتے ہوئے یہاں سے لندن امریکہ وغیرہ ہر جگہ پھیل گئے ہیں اور وہاں بیٹھ کر دینِ اسلام کے خلاف بولتے اور لکھتے رہتے ہیں!

.(۹)۔... آج ہمارے مدارس و دار العلوموں میں مذہب کے نام پر (خیال رہے مذہب قرآنی لفظ یا اصطلاح یا نام نہیں بلکہ ٹھیکیداروں کا اپنا اپنا بنایا ہوا مذہب ہے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی شریعت بنائی ہوئی ہے جبکہ شریعت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بنائی ہوئی ہو سکتی ہے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی فقہ ہے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی حدیثیں ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی تفسیریں ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی تاریخ ہے۔ ہر ایک کی اپنی اپنی سیرت ہے۔ ہر ایک کے اپنے اپنے اصول ہیں۔ ہر ایک کی اپنی فروع ہے۔ ہر ایک کی اصحابِ رسول کی اپنی اپنی فضیلت ہے۔ ہر ایک کے اپنے اپنے صحابہ و امام ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی سنتِ رسول و صحابہ ہے ....) نہ صرف اپنے مذاہب یا عقائد سکھائے جا رہے ہیں بلکہ طلباء کو تخریب کاری اور دہشت گردی کی تربیت بھی دی جا رہی ہے۔ اب سے چند سال پہلے ہی کی بات ہے کہ پاکستان کے ایک بہت بڑے مذہبی پارٹی کے سربراہ و دار العلوم کے سربراہ نے اس حقیقت کو مانا تھا کہ "طالبان" جنہوں نے افغانستان و پاکستان میں تہلکہ مچا رکھا ہے انہی کے طلباء / شاگرد ہیں۔ .... اور اب تو تخریب کاری طالبان و القاعدہ سے آگے بڑھ کر داعش تک پہنچ گئی ہے جہاں مقبوضہ وغیر مقبوضہ علاقوں سے لڑکیاں اور عورتیں زبردستی پکڑ پکڑ کر ان کو کنیز / لونڈی بنایا جا رہا ہے اور ان سے زناکاری کی جا رہی ہے یعنی جن برائیوں کو مٹانے کیلئے اسلام / قرآن آیا انہی کو اسلامی بنا کر دنیا کو دکھایا جا رہا ہے۔

.(۱۰)۔... اللہ تعالیٰ کے احکامات کی کھلی خلاف ورزی و نافرمانی اور گستاخی، اللہ تعالیٰ کی الکتاب کو چھوڑ کر " **مثلہٗ و معہٗ** " کو جواز بنا کر، کی جا رہی ہے اور الزام رسول اللہ سلامٌ علیہ پر لگایا جا رہا ہے چنانچہ آرمی پبلک اسکول پشاور پر حملہ کر کے طلباء کو شہید کر دیا جاتا ہے تو لوگوں کے مذمت کرنے پر امیر تحریک طالبان پاکستان، مہمند ایجنسی، امیر محترم خالد خراسانی کا فوٹو اور یہ بیان الیکٹرانک میڈیا پر نشر کیا جاتا ہے کہ:

"طالبان کے ترجمان محمد خراسانی کا کہنا ہے کہ مجاہدین کو ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ صرف بڑے بچوں کا قتال کریں۔ پشاور کی کاروائی سنتِ نبوی کے عین مطابق ہے کیونکہ نبی کریم نے بھی بنو قریظہ کے قتال کے وقت یہی شرط مبارک عائد کی تھی کہ صرف ان بچوں کو قتل کیا جائے جن کے زیرِ ناف بال دکھائی دینا شروع ہو گئے ہیں۔ بچوں ور عورتوں کا قتل عین رسول پاک کی تعلیم کے مطابق ہے، اعتراض کرنے والے صحیح بخاری جلد پانچ، حدیث ایک سو اڑتالیس کا مطالعہ کریں"۔

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ "جو کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو نہ تو جان کے بدلہ اور نہ فساد فی الارض کی سزا میں بلکہ ویسے ہی (بلاوجہ / ناحق) قتل کر دے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا (۵/۳۲) پھر اگلی ہی آیت

میں اس کی سزا بتائی کہ "جو لوگ (اس طرح) اللہ اور رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا انہیں پھانسی دیدی جائے یا ان کے مخالف سمتوں کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں یا انہیں ملک سے نکال دیا جائے۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے، پھر آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے"۔(۵/۳۳) غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے اور صاحب صحیح بخاری کیا فرماتے ہیں؟؟ کیا یہ حکم رسول سلامٌ علیہ ہو سکتا ہے؟ کیا یہ سنتِ رسول یا عملِ رسول ہو سکتا ہے؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بنو قریظہ کے قتال کے وقت یہی شرطِ مبارک عائد کی تھی؟ کیا یہ شرط، شرطِ مبارک ہو سکتی ہے؟ آیئے ذرا صحیح بخاری، جسے شرح قرآن، تفسیر قرآن، حکمِ رسول، سنتِ رسول ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور جسے قرآن ہی کے مثل قرار دیا جاتا ہے، کی اس حدیثِ مبارک پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں یعنی قطع نظر اس کی سند کے، ہم اس کو صرف ظاہری طور پر عقل سلیم کی رُو سے اس کی حقیقت جانتے ہیں:

جنگِ خندق یا جنگ احزاب ۰۴ ھ کے دَوران، مدینہ کے رہائش پذیر یہودی قبیلہ بنو قریظہ نے حسبِ عادت مشرکین کی مدد کی جبکہ یہ وہی قبیلہ تھا جس کو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے از راہِ کرم بنو نضیر کے ساتھ جلاوطن نہیں کیا تھا۔ ان کے تقیہ اور منافقت کی بناء پر جنگِ خندق کے بعد رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمین کا رُعب ڈال دیا اور وہ اپنے قلعوں سے اُترنے پر مجبور ہو گئے (۳۳/۲۶) انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حَکَم بنانے پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ حضرت سعد نے فیصلہ دیا کہ ان کے لڑنے والے قتل کر دیئے جائیں، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کے اموال تقسیم کر دیئے جائیں (صحیح بخاری، جلد ۲ کتاب المغازی، باب ۴۹۸ رسول اکرم سلامٌ علیہ کا جنگ خندق سے واپس آنا اور یہودانِ بنی قریظہ پر چڑھائی اور ان کا محاصرہ، حدیث ۱۲۹۰ اور ۱۲۹۱) چنانچہ ان کے لڑنے والے مرد قتل کر دیئے گئے اور باقی کو قیدی بنالیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمین کو اُن کی زمینوں، اُن کے مکانات اور ان کے اموال کا وارث بنادیا اور اس زمین کا وارث بنادیا جس پر مسلمین نے پاؤں بھی نہ رکھا تھا۔ اللہ (جو چاہتا ہے کر دکھاتا ہے وہ) ہر چیز پر قادر ہے (۲۶۔۲۷/۳۳) غور کیجئے کہ بخاری کی روایت کردہ اس حدیث میں تو کہیں بھی بڑے بچوں کے قتال کا ذکر تک نہیں اور نہ ہی محمد خراسانی کی شرطِ مبارک عائد کرنے کا ذکر ہے۔ نہ ہی بچوں کے زیرِ ناف بال دکھائی دینے یا چیک کرنے کا ذکر یا اشارہ ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق تو صرف لڑنے والوں کو قتل کرنے کا ذکر ہے جبکہ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لینے کا ذکر ہے جس کی تصدیق قرآن کر رہا ہے پھر محمد خراسانی کی روایت کہاں سے آگئی کہ (اسکول کے) بچوں کا قتل اور عورتوں کا قتل سنتِ رسول کے مطابق ہے؟؟؟

نیز یہ کہ میرے پاس صحیح بخاری کا تقریباً چالیس سال پرانا جو نسخہ ہے اس میں صرف تین جلدیں ہیں اور ہر جلد کے باب اور حدیث نمبر الگ الگ ہیں۔ تو اس طرح سے محمد خراسانی کی جلد پانچ اور حدیث نمبر ۱۴۸ میرے پاس نہیں۔ اس سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ صحیح بخاری میں اب بھی ترامیم و تحاریف ہو رہی ہے۔ ویسے بھی عقلِ سلیم اس قسم کی روایت ماننے کو تیار نہیں اور نہ ہی ایسی بربریت سنتِ رسول ہو سکتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتیں قابلِ

اعتناء اور قابلِ اعتبار نہیں ہو سکتیں۔

یہاں پر ایک اور اہم حقیقت قابلِ غور ہے کہ تقریباً چھ صدی قبل مسیح میں تالمود یا مثنا لکھی جاتی ہیں (تو کیا وہ کھجور کے پتوں، ہڈیوں و پتھروں پر لکھی گئی تھیں؟) تو وہ یقیناً کسی ایسی چیز پر لکھی گئی تھیں جو کچھ عرصہ یا صدیوں قائم رہ سکے۔ جبکہ اس سے بارہ سو سال بعد قرآن حکیم لکھنے کیلئے کھجور کے پتوں، ہڈیوں اور پتھروں (کے ڈھیر) کے سوا کوئی لکھنے کی چیز مثل کاغذ یا چمڑہ یا جھلّی میسر نہیں! تُف ہے ہمارے مُلّا اور اس کے ماننے والوں کی عقل شریف پر کہ وہ سوچنے سمجھنے یعنی تدبر و تعقل و بصیرت سے بالکل محروم ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر بار بار یہی الزام لگاتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) رسول سلامٌ علیہ تو حقِ رسالت ادا کر کے ہی نہیں گئے کہ قرآن کو پتوں، ہڈیوں اور پتھروں کے ڈھیر کی طرح بے ترتیب چھوڑ گئے! پھر اچانک ایک سال بعد ہی خلافتِ اوّل کو کاغذ میسر آ گیا تو اس نے قرآن الحکیم کو ترتیب سے یکجا کر کے لکھ لیا!

غور کیجئے کیا یہ گستاخیٔ رسول نہیں؟ یہ روایت کن لوگوں نے، کس مقصد کے تحت، گھڑی؟ کیا اللہ تعالیٰ نے رسول سلامٌ علیہ کی موجودگی ہی میں اس کے سطر بہ سطر لکھے ہونے کی گواہی نہیں دیدی تھی؟ (دیکھئے ۲، ۳/ ۵۲، ۱/ ۶۸، ۴، ۵/ ۲۵، ۲، ۳/ ۹۸، ۷۸/ ۵۶، ۱۳/ ۸۰، ۲۱، ۲۲/ ۸۵، ۲/ ۴۳ وغیرہم) یقیناً اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب صرف ایک ہی تھی "الکتٰب" وہی ان کو وحی کی گئی تھی (۱۹/ ۶، ۳/ ۱۲، ۴۵/ ۲۹) وہی اُن کو پڑھ کر سنائی گئی اور پڑھوائی گئی فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ (۱۸/ ۷۵) یہاں ضمیر واحد استعمال ہوئی ہے یعنی ایک ہی قراءت میں قرآن پڑھایا گیا، سات، دس، چودہ، بیس یا اسی قراءات نہیں پڑھائی گئیں۔ اس کی آیات ہی کو الکتاب الحکیم کہا گیا (۱/ ۱۰، ۲/ ۳۱، ۲/ ۳۶، ۴/ ۴۳) یعنی الکتاب ایک ہی ہے۔ اس کا متن تبدیل نہیں ہو سکتا۔ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ یعنی اللہ کے کلمات بدلتے نہیں (۶۴/ ۱۰، ۱۱۵/ ۶، ۲۷/ ۱۸) چنانچہ، مُلّا جی یا قُراء صاحبان و محدثین کیا چیز ہیں، اللہ کے کلمات تو رسول اللہ بھی نہیں بدل سکتے (۱۵/ ۱۰) بس ثابت ہوا کہ **"مقتدرہ"** کی ہدایت پر عام طور پر عجمی و موالی قرّاء نے عجمی محدثین کے ساتھ مل کر جو جو ایجادات کیں خواہ وہ روایات ہوں یا مختلف النوع قراءات وہ سب جعلی اور گھڑی گھڑائی ہوئی ہیں اور ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل بعینہٖ اہلِ کتاب کے طرزِ عمل جیسا ہے۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

> "بیشک اہل کتاب میں ایسے بھی لوگ ہیں جو الکتاب کو پڑھتے وقت اپنی زبانوں سے اس طرح ادائیگی کرتے ہیں کہ تم یہ سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں الکتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ حالانکہ وہ الکتاب میں (لکھا ہوا) نہیں ہوتا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ (جو کچھ) وہ (پڑھ رہے ہیں) اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) نہیں ہوتا، وہ جان بوجھ کر اللہ پر افتراء کرتے ہیں، (جھوٹ بولتے ہیں)"
> (۳/ ۷۸)

غور کیجئے کہ قرّاء حضرات کیا کرتے ہیں کہ اللہ کی آیات اور ان کے الفاظ و اعراب میں ردّ و بدل کر کے قراءت کرتے ہیں اور آپ واہ واہ یا سبحان اللہ، سبحان اللہ کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح محدثین اور علماء یہ لکھتے ہیں کہ احادیثِ رسول بھی وحی کی طرح نازل ہوتی تھیں .... یہ سب اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں، افتراء کر رہے ہیں۔ (اس آیت کریمہ کو استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے خود اپنے کتابچہ بنام "اسلام پر دبیز پردے" میں اسی مقصد کے تحت

شروع ہی میں پیش کیا ہے۔ یہ آیت کریمہ تمام اہلحدیث و اہلِ سنت ذہن پرستوں پر من و عن منطبق ہوتی ہے)۔ اس طرح کے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے' یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے (کہ یہ یوں بھی ہے اور یوں بھی تھی وغیرہم)، بے شک ایسے لوگ (کبھی) فلاح نہیں پا سکتے" (الانعام: ۲۱، مزید دیکھئے ۶/۹۳، ۶/۱۴۴، ۱۰/۱۷، ۱۰/۶۹، ۲۹/۶۸، ۳۹/۳۲، ۶۰/۳۹، ۳۹ وغیرہم)

جو قارئین ان قرّاء کے بارے میں یا قراءات کے بارے میں زیادہ معلومات چاہتے ہیں' یا اسناد کے گورکھ دھندے میں الجھنا چاہتے ہیں وہ جناب علامہ تمنا عمادی صاحب مرحوم کی کتاب: "اختلافِ قراءت اور قرّاء حضرات" یا "اعجاز القرآن و اختلافِ قراءت" کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ، ان سب سے، ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

قارئین کرام: جو حضرات القران الحکیم پر ایمان لائے ہیں ان کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن الحکیم کے شروع ہی میں سورہ البقرہ کی آیت کریمہ میں فرماتا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۖ فِيْهِ ۛۚ	(ترجمہ) "اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ "الکتاب" ہے"

عربی کا قاعدہ ہے کہ جس کلمہ یا اسم سے پہلے اَل لگ جائے تو وہ خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے اس لئے یہاں کتٰب مخصوص ہو گئی یعنی یہ ایک ہی کتٰب ہے جسے القران الحکیم بھی کہا گیا ہے (۲/۳۶) اور دیگر نام بھی دیئے گئے ہیں مثلاً قرآن مجید، الفرقان وغیرہ ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہمارے مترجم و مفسر آیت کریمہ کا غلط ترجمہ کرتے ہیں (یونکہ وہ ذہن پرستی اور تقلیدِ آباء میں گرفتار ہیں) کہ "یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں"۔ جبکہ شک و شبہ کی بات آگے قرآن الحکیم میں کئی مقامات پر آئی ہے اور شک کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے (مثلاً ۹۴/۱۰، ۱۰۴/۱۰، ۶۲/۱۱، ۱۱۰/۱۱، ۹/۱۴، ۱۰/۱۴، ۶۶/۱۴، ۲۷/۲۱، ۳۴/۳۴، ۸/۳۸، ۳۴/۴۰، ۴۵/۴۱، ۱۴/۴۲، ۹/۴۴) اور رَیب کا لفظ بھی کئی جگہ استعمال ہوا ہے (مثلاً ۲۳/۲، ۹/۳، ۲۵/۳، ۸۷/۴، ۱۲/۶، ۳۷/۱۰، ۲۱/۱۸، ۷/۲۲، ۲/۳۲ وغیرہ)۔ جبکہ ۲/۳۲ کا ترجمہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے خود یہ کیا ہے۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ "اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے" تو پھر اوپر کی (۲/۲) آیت کا ترجمہ کیوں نہیں صحیح کیا؟ اور عام طور پر تمام مترجمین و مفسرین نے غلط ہی ترجمہ کیا ہے حتیٰ کہ صدی کے انسان نے بھی وہی غلط ترجمہ کیا ہے۔ ہاں البتہ تقریباً! سو سال کے پہلے کے ایک بزرگ نے تقریباً صحیح ترجمہ کیا تھا کہ "اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں"۔ (۲/۲) اور وہ تھے جناب محمد جوناگڑھی صاحب مرحوم مگر آیت کے اگلے حصہ کا ترجمہ وہ بھی صحیح نہیں کر سکے۔ دیکھئے:

فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ | (ترجمہ) پرہیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے"

جبکہ اس حصہ کا صحیح ترجمہ ہونا چاہئے کہ "اس میں لوگوں کو) متقی (پرہیز گار) بنانے کے لئے ہدایت ہے" جب کہ تقویٰ کے معنی "بچنا" ہے (ڈرنا نہیں) تو بچنا کس چیز سے ہے؟ بچنا تو اپنے رب کی نافرمانی کرنے سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی سے بچنا چاہنے والوں کیلئے اس الکتاب میں ہدایت ورہنمائی ہے (یہ کوئی جادو یا جنتر منتر کی کتاب نہیں ہے جیسا کہ آج کل ملاؤں اور پیروں نے اسے بنادیا ہوا ہے)۔ غور کیجئے متقی تو انسان اس وقت بنتا ہے جب ایمان لانے کے بعد صالح عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتا ہے، نافرمانی اور فسق وفجور کو چھوڑ دیتا ہے، یعنی متقی بننا (یعنی پرہیز گار بننا) تو ایمان لانے کے بعد کا درجہ ہے۔ ورنہ جب تک انسان ایمان نہ لائے اسے ہدایت کی کیا ضرورت ہے۔ ہدایت کی ضرورت تو ایمان لانے کے بعد کی ہے۔ تو جس کے دل میں راہِ حق کی چنگاری پیدا ہو جائے یا اتفاقیہ وہ راہِ حق کا متلاشی ہو جائے تو خود بخود چنگاری سُلگ جاتی ہے اور وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ اور اس طرف جونا گڑھی صاحب کے ترجمہ کے تفسیری حاشیہ نگار جناب صلاح الدین یوسف صاحب نے بھی اشارہ کیا ہے:

> "ویسے تو یہ کتاب الٰہی تمام انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے، لیکن اس چشمۂ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہوں گے' جو آبِ حیات کے متلاشی اور خوفِ الٰہی سے سرشار ہوں گے"[۱]

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علماء، مترجمین ومفسرین وغیرہ سب ہی لکیر کے فقیر اور تقلید آباء یا تقلید سلف کے مارے ہوئے ہیں۔ اب سے دو سو سال پہلے شاہ عبد القادر صاحب نے جو پہلا اُردو کا ترجمہ قرآن کر دیا تھا، عام طور پر سب اسی پر چڑیا بٹھاتے رہے ہیں (حتیٰ کہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے بھی اسی کو منبع بنایا ہوا ہے۔) سلف پرستی کی انتہا ہے کہ اگر کوئی اس سے ذرا سا بھی ادھر ادھر ہو جائے تو اس پر تنقید کے تیر برسنے لگتے ہیں اور فتوے لگ جاتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

دوسری حقیقت یہ ہے کہ قرآن الحکیم نے شروع ہی میں واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک الکتاب نازل فرمائی ہے۔ سبعہ (سات) یا دس یا بیس کتابیں نازل نہیں فرمائیں۔ یہ تو عجمیوں کا کارنامہ ہے! اور قرآن الحکیم عجمیوں کی طرف سے یا عجمی زبان میں نازل ہونے کا انکار ووضاحت خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی ہے (دیکھئے ۱۶/۱۰۳ ، ۴۱/۴۴ ، ۲۶/۱۹۸) اس لئے عجمیوں کے کارنامے ردّ ہیں۔

جہاں تک قرآن الحکیم یا الکتٰب کے صرف ایک ہونے کا تعلق ہے تو قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ایسی ہیں جو یہی ثابت کرتی ہیں کہ القران الحکیم صرف ایک الکتاب ہی ہے۔ بہر حال ایک مثال اور دیکھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ سورۃ الکھف کے شروع میں فرماتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۚ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ | (ترجمہ: سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے پر الکتاب نازل فرمائی اور اس میں (کسی طرح کی) کجی نہیں رکھی۔۔ وہ ایک سیدھی (اور صاف راہ بتانے والی

[۱] القران الكريم و تَرجَمةُ مَعَانيهِ وَ تَفسِيرُہ إلى اللُّغَةِ الأردِيَّةِ ۔ ترجمہ محمد جونا گڑھی صاحب اور تفسیری حواشی صلاح الدین یوسف صاحب شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس۔ مدینہ منورہ مطبوعہ ۱۴۱۷ھ ترجمہ تفسیری حاشیہ صفحہ ۷

لَّدُنْهُ وَ يُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ وَّ يُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ (۱۔۴/۱۸)	کتاب ہے تا کہ اللہ (نافرمانوں) کو اپنے عذاب شدید سے ڈرائے اور مومنین کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ ان کے لئے (بہت) اچھا اجر (وثواب) ہے۔۔ وہ اس (اجر وثواب کی نعمتوں) میں ہمیشہ رہیں گے۔۔ اور (اللہ نے یہ کتاب اس لئے بھی صاف اور واضح بنائی ہے تا کہ) اللہ ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایاہے۔۔(ترجمہ: جناب مسعود احمد صاحب)[1]

غور کیجئے ان آیات میں اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی القران یا الکتاب نازل فرمانے کا بتا رہا ہے ایک سے زائد سات، دس یا بیس نہیں۔ اور (ایک آیت بعد) اسی کو الحدیث قرآن دے رہا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۞ (۶/۱۸)	(ترجمہ) (اے رسول) اگر یہ لوگ اس الحدیث پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ان کیلئے رنج کرتے کرتے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے (اے رسول! آپ کو رنج کرنے کی ضرورت نہیں)۔ (ترجمہ جناب مسعود احمد صاحب)

مقصد بالکل صاف اور واضح ہے کہ عجمیوں کے بنائے ہوئے سینکڑوں مجموعے حدیث نہیں۔ حدیث، الحدیث تو صرف قرآن الحکیم ہے۔ اور اسی کو اللہ تعالیٰ احسن الحدیث بھی قرار دے رہا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ .... (۳۹/۲۳)	(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے کتابی شکل میں احسن الحدیث نازل کر دی ہے (جس کی آیتیں) ایک دوسرے کے مشابہ ہیں (اور جن میں ایک ہی مضمون بار بار دوہرایا گیا ہے۔

اس لئے احسن الحدیث کے نزول کے بعد عجمیوں کی حدیث کی کیا حیثیت رہ گئی وہ تو سب ردّ ہو گئیں۔ اور اسی احسن الحدیث یا حدیث پر ایمان لانے کا فرمایا عجمیوں کی حدیث پر نہیں:

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۞ (۶/۴۵)	(ترجمہ)(اے رسول!) یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سُنا رہے ہیں تو اب اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ اور کس چیز (حدیث) پر ایمان لائیں گے۔ (ترجمہ جناب مسعود احمد صاحب)

اور اسی احسن الحدیث یا حدیث کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں حکمت اور پُر از حکمت فرمایا ہے، عجمیوں کی بنائی ہوئی کتابوں کو نہیں:

[1] مترجمہ قرآن مجید ترجمہ سید مسعود احمد صاحب ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۷ء کراچی۔ صفحہ ۴۱۸

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ (۱۰/۱)	(ترجمہ) الٓرٰ (اے رسول) یہ حکمت والی الکتاب کی آیتیں ہیں (جو آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہیں) (ترجمہ جناب مسعود احمد صاحب)

مزید دیکھئے: ۲/۲۳۱، ۲/۵۸، ۳/۲، ۳۱/۲، ۳۶/۲، ۴/۴، ۴۳/۳۹، ۱۷/۳۹، ۱۲/۱۲، ۳۱/۲۰، ۳۱/۳۸

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ بھی اسی الکتاب کو کہا گیا (۵/۵۴) عجمیوں کے مجموعوں کو نہیں۔

اَلْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ بھی اسی الکتاب کو کہا گیا (۱۴۹/۶) عجمیوں کے مجموعوں کو نہیں۔

اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا بھی اسی الکتاب کو کہا گیا (۳۳/۲۵) عجمیوں کی لکھی لکھائی تفسیروں کو نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ عجمیوں کا پھیلایا ہوا، بنایا ہوا سارا کاروبار ڈھکوسلہ ہے۔ یہ اسلام اور مسلمین سے عجم کی شکست کا بدلہ ہے۔ اس طرح ایک اسلام کے کئی اسلام بنا دیئے گئے! اور امت مسلمہ کو فرقوں میں بانٹ کر اللہ و رسول سے ان کا تعلق کاٹ دیا (۱۵۹/۶)، اور اصل اسلام یعنی الکتاب کو جس میں سب کچھ موجود ہے، مَهجُور کر دیا گیا۔ (۳۰/۲۵) اور اب چودہ صدیوں بعد قرآن الحکیم کی قراءات کے نام پر تحریف کر دی گئی ہے جس میں نہ صرف اعراب و اوقاف، کلمات بھی بدل دیئے گئے ہیں اور یہ کارنامہ ہے لاہور اور پاکستان کے رُشدی حضرات یعنی رُوپڑی گروپ جو اپنا نسب روپڑی سے حفاظ گروپ اور اب مدنی گروپ کر کے میدان میں اترا ہوا ہے، جبکہ ان کا ساتھ دیوبندی گروپ کھُل کر دے رہا ہے۔ جبکہ انہوں نے پنجاب کے محکمہ اوقاف کو لکھ کر دیا ہوا ہے کہ وہ بقیہ ۱۶ قراءات نہیں چھاپیں گے۔ مگر اب وہ کویت کے عالمی ادارہ حامل المسک الاسلامیہ کی سربراہ تنظیم **لجنة الزكاة للشاميه و الشويخ** کی مدد سے چھپوا رہے ہیں[۱]! غور طلب بات یہ ہے کہ "**مقتدرہ**" کے اس ایجنڈے کو یہ لوگ کیوں پورا کر رہے ہیں؟؟؟ کتنا مال ملا ہے؟؟ یا دل سے یہ لوگ بھی یہودی یا مجوسی ہیں جو قراان الحکیم کو متنازع فیہ یا اختلافی بنا کر ختم کرنا چاہتے ہیں؟؟ حقیقت تک اب آپ خود پہنچ جایئے۔

.(۱)۔... اب انتہائی اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی قراءت والا قرآن الحکیم ہے، جس کو یہ رُشدی حضرات اصل صحیفہ (یا Master Copy) مانتے ہیں، جس کی آیات یا کلمات کی تفسیر یہ اپنی بنائی ہوئی قراءات سے کرنے کے دعویدار ہیں اور ان سے فقہی مسائل نکالنے کے دعویدار ہیں؟؟

.(۲)۔... دوسرا اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کونسی قراءت والا قرآن الحکیم پڑھتے تھے، تلاوت فرماتے تھے، پڑھ پڑھ کر سناتے تھے؟؟؟ کیا وہ قراءت حفص تھی، دوری تھی، قالون تھی، وَرش تھی یا بقیہ ۱۶ قراءتوں میں سے تھی؟؟؟

.(۳)۔... تیسرا اہم سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ تمام بیس روایات ایک ساتھ ہی پڑھتے تھے یا بیس کو الگ الگ پڑھ کر سناتے تھے؟؟؟ کیا ایسا ممکن العمل بھی تھا کہ نئے نئے ایمان لانے والوں کو سنایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ بیس قرآن الحکیم اُتارے ہیں تو تم ان کو لکھو اور حفظ کرو؟؟

۱۔ ماہنامہ رُشد لاہور۔ قراءات نمبر حصہ اول۔ جون ۲۰۰۹ء۔ صفحہ ۶۷۸ نیز حصہ دوم صفحہ ۷۷۲

.(۴)۔... کیاحفظ کرنے والوں کو ایک ساتھ بیس قرآن الحکیم یا بیس قراء تیں حفظ کرائی جاسکتی تھیں؟ جبکہ سنن ترمذی کی ابی بن کعبؓ والی روایت کے مطابق رسول کو ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا تھا جو اَن پڑھ تھے۔ ان میں بوڑھے، عمر رسیدہ، جوان مرد اور عورتیں اور مختلف لوگ تھے اور ان کی حالت یہ تھی کہ انہوں نے کبھی بھی کوئی لکھی چیز نہیں پڑھی۔(رُشد۔ حصہ اوّل۔ ص ۱۱۲)۔ غور کیجئے کیا وہ اَن پڑھ امت بیس مختلف قراءات لکھ پڑھ اور حفظ کر سکتی تھی؟

.(۵)۔... کیا آج بھی رُشدی حضرات میں کوئی ایسا حافظ ہے جو ایک ساتھ بیس قراء تیں سُنا سکے؟؟

.(۶)۔... کیا رُشدی حضرات، شروع کی صدیوں کے بیس قراءتی قران الحکیم دکھا سکتے ہیں کہ قرآن الحکیم بیس قراءتوں میں نازل ہوا تھا اور رسول اللہ سلامؑ علیہ نے انہیں بیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا؟؟

ظاہر ہے کہ رُشدی حضرات تو کیا ان کے عجمی آقا **"مقتدرہ"** والے بھی پرانے بیس نسخے نہیں دکھا سکتے تو پھر یہ شیطنت و یہودیت یا مجوسیت کیوں کہ اس قران الحکیم کو بدل دو؟؟؟

کم از کم عاشقین سنت ہی کو اس شیطنت کا نوٹس لینا چاہئے اور اس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا چاہئے!

آیئے، اب میں آپ کو انہی کے رسالوں (رُشد) سے قراءتی تحریفِ قرآنی کے کچھ نمونے دکھاتا ہوں:

رشدیوں کا دعویٰ ہے کہ ان قراءتی تحریفات سے نہ تو آیات کے معنی بدلتے ہیں اور نہ کوئی فرق پڑتا ہے۔ جبکہ "ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب دیوبندی فرماتے ہیں کہ ان حدیثوں میں "سبعہ احرف" سے اختلاف قراءات کی سات مندرجہ ذیل نوعیتیں مراد ہیں:

.(۱)۔... اسماء کا اختلاف جس میں افراد، تثنیہ و جمع اور تذکیر و تانیث دونوں کا اختلاف داخل ہے جیسے **تمت کلمة ربك** اور '**تمت کلمات ربك**'

.(۲)۔... افعال کا اختلاف کہ کسی قراءت میں صیغہ ماضی ہو کسی قراءت میں مضارع اور کسی میں امر مثلاً '**ربنا باعد بین اسفارنا**' اور '**ربنا بعد بین اسفارنا**'

.(۳)۔... وجوہ اعراب کا اختلاف یعنی حرکتیں مختلف ہوں مثلاً '**لا یضار کاتب**' اور '**ذوالعرش المجیدُ**' اور **ذوالعرش المجیدِ**'۔

.(۴)۔... الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور کسی دوسری قراءت میں زیادہ ہو مثلاً '**وما خلق الذکر والانثی**' اور '**ماخلق**' کے بغیر صرف '**والذکر والانثی**'۔

.(۵)۔... تقدیم اور تاخیر کا اختلاف کہ ایک قراءت میں ہے '**وجاءت سکرة الموت بالحق**' اور دوسری قراءت میں حق کا لفظ مقدم ہے '**وجاءت سکرة الحق بالموت**'۔

.(۶)۔... بدلیت کا اختلاف کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے مثلاً '**ننشرها**' اور '**ننشزوها**' اور '**طلح**' اور '**طلع**'۔

.(۷)۔... لہجے کا اختلاف جس میں تفخیم، ترقیق، امالہ، قصر، اخفاء، اظہار اور ادغام وغیرہ کے اختلاف شامل ہیں۔ مثلاً '**موسی**' امالہ کے ساتھ اور امالہ کے بغیر"۔[1]

---

[1] رُشد۔ حصہ اوّل، صفحہ ۱۲۸

غور کیجئے! ان سات اختلافات میں سوائے نمبر ۷ کے (لہجے کا اختلاف) سب ہی شیطنت اور تحریف ہے۔ جبکہ لہجے کا اختلاف فطری حقیقت ہے کہ مختلف اقوام وقبائل بلکہ فرد سے فرد کا لہجہ بھی مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً! پاکستان کا ایک مشہور گائیک الّن فقیر جب کوئی گیت گاتا تھا تو وہ اللہ کو الّا کہتا تھا۔ شاید وہ اپنے بلوچی لب ولہجہ کی وجہ سے اللہ کا تلفظ صحیح نہیں کر پاتا تھا۔ ہمارے بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ ڈاکٹر اقبال کو ڈاکٹر اِکبال کہتے ہیں۔ یہ ان کا لب ولہجہ ہے کہ وہ ق کو حلق سے نہیں نکال پاتے۔ اسی طرح ہمارے ہاں بعض میمن حضرات ذکّریا کو جکّریا بولتے ہیں یہ ان کا لب و لہجہ ہے کہ وہ 'ذ' کو اس کے صحیح مخرج سے نہیں نکال پاتے۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات یعنی قرآن الحکیم کے کلمات کوئی نہیں بدل سکتا، دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے

وَ اتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ (۱۸/۲۷)

(ترجمہ) اور (اے رسول!) آپ کے رب کی کتاب جو بذریعہ وحی آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اس کی پیروی کیجئے، اللہ کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں اور نہ آپ اللہ (تعالیٰ) کے علاوہ کہیں پناہ کی جگہ پائیں گے۔

غور کیجئے یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے صرف ایک ہی کتاب وحی کرنے کا ذکر کیا ہے، سات یا بیس کتابیں (کُتُبْ) وحی کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ اور صرف اسی کتاب کی پیروی کرنے کا حکم دیا۔ اور یہاں یہ بھی صاف صاف بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات، جو اس کتاب میں ہیں اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔ مگر اب رُشدی حضرات، '**مقتدرہ**' یا فری میسن وغیرہ کی خفیہ تحریک کے ایما اور حمایت و کفالت پر اللہ تعالیٰ کے وحی شدہ کلمات کو بدل رہے ہیں!

خیال رہے کہ قرآن الحکیم کے کلمات تو رسول اللہ سلامٌ علیہ بھی نہیں بدل سکتے تھے۔ دیکھئے

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (۱۰/۱۵)

(مزید دیکھئے ۱۰/۶۴، ۶/۳۴، ۶/۱۱۵، ۱۸/۲۷، ۵۰/۲۹)

(ترجمہ) اور (اے رسول!) جب ان لوگوں کو ہماری روشن آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جن کو ہم سے ملاقات کی کوئی امید نہیں (آپ سے) کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اس میں کچھ ردّ و بدل کر دو۔ آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں ردّ و بدل کر دوں، میں تو بس اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اور) اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ (ترجمہ مسعود احمد صاحب)

اس آیت کریمہ نے یہ ثابت کر دیا:

(۱)۔...لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی روشن آیات سُنائی جاتی تھیں (نام نہاد) احادیث شریف نہیں۔ اور انہیں کو جھٹلایا جا رہا تھا (نام نہاد) حدیث کو نہیں۔ جبکہ آیات کو جھٹلانے والوں کو اَظْلَمْ کہا گیا ہے (۱۰/۱۷)

.(۲)۔...لوگ ڈیمانڈ (Demand) کرتے تھے کہتے تھے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یعنی **مِثل مَثنا** لے آؤ یا **مثلَهُ و مَعَهُ** یعنی صحیحین شریف لے آؤ۔ اس وقت کسی نے بھی (نام نہاد) احادیث بدلنے کی بات نہیں کی۔

.(۳)۔...لوگ یہ بھی ڈیمانڈ کرتے تھے کہ اگر دوسرا قرآن نہیں لاسکتے تو پھر اسی میں (قراءات) کے نام پر کچھ ردّو بدل کر دو۔

.(۴)۔... مگر رسول کو یہ **اختیار** نہیں تھا کہ وہ قرآن الحکیم میں کوئی ردّوبدل کر دیں یا اس کی مختلف اختلافی قراءتیں کر دیں اور ان (مشرکین) لوگوں سے کہیں اچھا اس قرآن کو چھوڑو تم روایت دوری پڑھ لو یا روایت قالون پڑھ لو یا روایت وَرش پڑھ لو یا تم کو اختیار ہے کہ تم سات، دس، بیس، ستر ۷۰، اسّی ۸۰ قرآن بنالو۔ غور کیجئے اگر یہ اختلافی قراءتیں اس وقت رسول کے پاس موجود تھیں تو پھر ان لوگوں کی ڈیمانڈ قبول کرکے ان کو آفر (Offer) کر دیتے / (موقعہ فراہم کر دیتے) کہ وہ جو بھی قراءت پسند کریں اس کو لے لیں اور پھر ایمان لے آئیں۔ مگر رسول نے ایسا نہیں کیا یونکہ اوّل تو ان کو اس ردّوبدل کا اختیار نہیں تھا، دوم وہ اپنے ربّ کی نافرمانی کرنے سے ڈرتے تھے۔

.(۵)۔...اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت بھی ثابت ہوئی کہ صرف قرآن الحکیم ہی وحی ہو رہا تھا / نازل ہو رہا تھا۔ احادیث نہیں۔

.(۶)۔...رسول بھی صرف وحی ہونے والی چیز یعنی القرآن الحکیم کی پیروی / اتباع کرتے تھے نام نہاد احادیث کی نہیں۔

.(۷)۔...سب سے زیادہ مزے کی بات جو کہ بہت اہم ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو قرآن الحکیم میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا **اختیار** نہیں تھا۔ مگر عجمیوں کے ایجنٹ کو قرآن الحکیم میں ردّوبدل کرنے کا اختیار تھا! (معاذ اللہ) سوال یہ پیدا ہوتا ہے ان کو یہ اختیار کس نے دیا تھا؟؟ ظاہر ہے کہ یہ اختیار ان کو ان کے آقاؤں یعنی '**مقتدرہ**' نے دیا تھا۔ اللہ و رسول نے نہیں دیا تھا۔

رُشد کے پہلے حصہ میں دو بڑے بزرگوں کا مشترکہ ایک مضمون ہے جس کا عنوان ہے:

"قراءات عشرہ کی اسانید اور ان کا تواتر" اس مضمون میں ایک چھوٹا عنوان ہے:

'صاحبِ اختیار ائمہ قراءات:

اس عنوان کے تحت وہ فرماتے ہیں کہ امام جزریؒ (متوفی: ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں۔ (خیال رہے کہ امام جزری نویں صدی ہجری میں یہ بات کر رہے ہیں اس لئے غور سے پڑھئے گا):

"پھر ان مذکورین کے بعد بکثرت قراء کرام پیدا ہوئے جو مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیل گئے، پھر ان کے جانشین نسل در نسل چلتے رہے، جن کے طبقات کو جانا گیا تو ان کی صفات مختلف ٹھہریں۔ ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جو روایت و درایت کے اعتبار سے مشہور و متقن (پختہ) ثابت ہوئے اور کچھ متوسط درجہ کے لوگ تھے، جن میں ان (پہلوؤں) کی سی صفات کا فقدان تھا، جس کی وجہ سے ان کے مابین بکثرت اختلاف رونما ہوا ضبط و مہارت میں کمی واقع ہوئی۔ قریب تھا کہ حق و باطل خلط ملط ہو جائیں تو علماء کی ایک

جماعت اُٹھ کھڑی ہوئی، جنہوں نے زبردست کوشش کرکے حق کو واضح کیا۔ انہون نے نہ صرف حروف و قراءات کو جمع کیا، بلکہ وجوہ وروایات (جن پر قراءات کا مدار تھا) کی نسبتوں کی بھی وضاحت فرمائی۔ انہوں نے ایسے اصول وارکان وضع کیے جن کی بناپر انہوں نے صحیح، مشہور اور شاذ روایات کو الگ الگ کر دیا"۔ (النشر:۱/۹)

انہیں تابعین اور تبع تابعین میں سے وہ حضرات ہیں، جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر اپنے آپ کو خدمتِ قرآن کیلئے وقف کر دیا۔ حصولِ قراءات اور ان کے ضبط وحفظ میں انتہائی جدوجہد کی حتیٰ کہ مقتدائے روزگار ائمہ بن گئے۔ ان میں سے بعض نے کئی کئی صحابہ کرامؓ سے اور بعض نے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے اور بعض نے صرف تابعینؒ سے اور بعض نے تابعین اور تبع تابعینؒ سے قرآن پڑھا۔ ان ائمہ میں سے ہر ایک نے اپنے اساتذہ کی تعلیم کردہ وجوہ قراءات میں سے عربیت میں اقویٰ اور موافق رسم وجوہ سے اپنے لئے جدا جدا قراءات اختیار کرلیں اور عمر بھر انہی کو پڑھتے پڑھاتے رہے۔ تمام مفسرین ومحدثین اور جملہ فقہاء ومجتہدین ان کی اختیار کردہ قراءتوں کو بلا عذر قبول کرتے تھے اور مذکورہ بالا اسلامی مرکزوں میں سے کوئی شخص ان کے ایک حرف کا بھی انکار نہیں کرتا تھا بلکہ دوسری صدی سے دنیائے اسلام میں وہی پڑھی اور پڑھائی جانے لگیں۔ اسلامی ممالک کے بعید ترین علاقوں سے اور ہر شہر وقصبہ سے طلباء سفر کرکے ان سے پڑھنے آتے تھے اور ان قراءتوں کو ان کے نام سے منسوب کرتے تھے جو آج تک انہی کے نام سے معنون چلی آتی ہیں۔

ان صاحبِ اختیار حضرات میں سے مختلف علاقوں میں درج ذیل اشخاص نمایاں ہو کر سامنے آئے:

مدینہ منورہ میں امام ابوجعفر یزید بن القعقاع قاری رحمۃ اللہ، امام شیبہ بن النصاح قاضی رحمۃ اللہ اور ان کے بعد امام نافع بن عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ تھے۔

مکہ معظّمہ مس امام عبد اللہ بن کثیر رحمۃ اللہ، امام حمید بن قیس الاعرج رحمۃ اللہ اور امام محمد بن عبد الرحمٰن بن محیصن سہمی رحمۃ اللہ نمایاں شخصیتیں تھیں۔

کوفہ میں امام یحییٰ بن وثاب اسدی رحمۃ اللہ، امام عاصم بن ابی النجود رحمۃ اللہ، امام سلیمان بن مہران الاعمش رحمۃ اللہ اور ان کے بعد امام حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ، پھر امام ابو الحسن علی الکسائی رحمۃ اللہ، پھر امام خلف بن ہشام رحمۃ اللہ نمایاں تھے۔

بصرہ میں امام عبد اللہ بن ابی اسحٰق حضرمی رحمۃ اللہ، امام عیسیٰ بن عمرو ہمدانی ضریر رحمۃ اللہ، امام ابو عمرو بن العلاء رحمۃ اللہ اور ان کے بعد امام عاصم بن حجاج جحدری رحمۃ اللہ تھے اور پھر امام یعقوب بن اسحٰق حضرمی رحمۃ اللہ تھے۔

دمشق میں امام عبد اللہ بن عامر رحمۃ اللہ، امام عطیہ بن قیس کلابی رحمۃ اللہ، امام اسماعیل بن عبد اللہ بن مہاجر رحمۃ اللہ، اور ان کے بعد امام یحییٰ بن حارث ذماری رحمۃ اللہ اور امام شریح بن زید حضرمی رحمۃ اللہ مشہور صاحبِ اختیار ائمہ تھے۔

اختیار قراءات کا یہ سلسلہ بے حد وسیع تھا جو صدیوں جاری رہا اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے صاحبِ

اختیار ائمہ پیدا ہوئے۔ امام ابو محمد مکی رحمۃ اللہ کہتے ہیں:

”کتابوں میں ان ستر صاحبِ اختیار ائمہ کی قراءات مذکور ہیں جو قراء سبعہ سے مقدم تھے“۔ اس سے قیاس کریں کہ ان کے ہم مرتبہ اور ان سے کم اور کم تر کتنے ائمہ ہوں گے۔ ائمہ کے تلامذہ اور رواۃ اَن گنت تھے اور پھر ان میں سے ہر ایک کی جانشین ایک قوم بنی جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ کسی مصنف کی یہ طاقت ہے کہ ان کا پورا شمار کر سکے“۔(النشر: ۱/ ۳۷)

کلام مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ قراء عشرہ کی تمام اسناد میں تواتر موجود نہیں ہے، بلکہ بعض اخبار آحاد بھی ہیں، لیکن صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کے دَور میں قراءت پڑھنے پڑھانے والوں کی اتنی کثیر تعداد موجود تھی جو قراءات کے تواتر کے لئے کافی ہے۔ گویا کہ تمام قراءات قرآنیہ کے ہر طبقہ میں تواتر موجود ہے“۔[1]

.(۸)۔...امام جزری نے بھی یہ نہیں لکھا کہ **مقتدرہ** کے ان ایجنٹوں کو قرآن الحکیم کے کلمات میں ردّ و بدل کرنے کا اختیار کس نے دیا تھا؟؟ جبکہ بقول ان کے ”اختیارِ قراءات کا یہ سلسلہ بے حد وسیع تھا جو صدیوں جاری رہا اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے صاحبِ اختیار ائمہ پیدا ہوئے“ (۱/ ۱۸۹) غور کیجئے کہ صدیون بعد بھی ان ایجنٹوں کو کیا بذریعہ وحی یا الہام یا کشفِ قبور اختیار ملتا تھا کہ قرآن الحکیم کے کلمات میں ردّ و بدل کر دو یا ان کو انہی کی صدی میں ”**مقتدرہ**“ کی طرف سے اختیار ملتا تھا؟؟ ظاہر ہے کہ اس وقت ان کو اختیار دینے والے **مقتدرہ** کے ممبر مثل فِری مَیسن تحریک یا کسی بھی زیرِ زمین (Under ground) سَبائی تحریک والے ہی تھے۔

.(۹)۔...امام جزری اپنے اس عنوان کے آخری پیراگراف (۱/ ۱۸۹) میں یہ بھی فرماتے ہیں:

”کلامِ مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ قراء عشرہ کی تمام اسناد میں تواتر موجود نہیں ہے بلکہ بعض اخبار آحاد بھی ہیں............“

غور کیجئے یہاں امام صاحب نے یہ مان لیا کہ قراء عشرہ کی تمام اسناد میں تواتر موجود نہیں اس لئے ساری کہانی ہی ختم ہو گئی یا صفر ہو گئی جو رُشدیوں نے ’رُشد‘ میں لکھی ہے، اور جو تحریفات انہون نے مزید ۱۶ روایات / صحائف میں جمع کی ہیں!

.(۱۰)۔...اب میں آپ کو اوپر کے ۹ پوائنٹس کے بعد اور ان کے علاوہ سب سے بڑی حقیقت بتاتا ہوں۔ ؎
دل تھام کے بیٹھو کہ اب میری باری ہے۔

اور وہ حقیقت یہ ہے کہ اوپر کی آیت کریمہ (۱۵/ ۱۰) اور دیگر آیات میں یہ بھی بالکل واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ خود بھی اپنے کلمات میں ردوبدل نہیں فرماتا ورنہ رسول کے سامنے مشرکین کی ڈیمانڈ قبول کر لینے میں کیا حرج تھا۔ بتا دیتا کہ اچھا جاؤ میں نے چھ طرح کی تبدیلیاں کر دی ہیں اور سبعہ قراءت، عشرہ قراءات نازل کر دی ہیں۔ مزید دیکھئے وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ (۶/ ۳۴) لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ (۶/ ۱۱۵ ، ۱۸/ ۲۷) یعنی اللہ کے کلمات بدلا نہیں کرتے، اللہ کے کلمات کوئی بدل نہیں سکتا، اللہ کے کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

[1] ’رُشد‘ قراءات نمبر حصہ اوّل۔ ص ۱۸۹۔۱۸۸ و ص ۲۱۵ از قاری محمد مصطفیٰ راسخ

اس مقام پر یہ گمان بھی نہیں کیجئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہوا ہے تو پھر عجمی محدثین کرام نے انہیں کیسے بدل دیا؟

اس کا سیدھا سا، میرا جواب یہ ہے کہ، یہ تحریف مثل پچھلی امتوں اور پچھلی کتابوں کے، دوسری تیسری صدی میں ' عجمیوں نے ' یعنی پچھلی امتوں کے شیطانوں یہود و نصاریٰ و مجوس نے (نام نہاد) احادیث کے نام پر شروع کی مگر وہ تقریباً چودہ سو سال تک، کوئی نسخہ تبدیل شدہ بنا کر نہ پیش کر سکے۔ یہ صرف اب پندرھویں صدی میں ہو رہا ہے کہ لاہور اور کویت و مصر کے **'مقتدرہ'** کے ایجنٹ اب یہ کارنامہ انجام دے رہے ہیں یونکہ اب امریکہ، اسرائیل و ایران گٹھ جوڑ، اندرونی طور پر زیرِ زمین، اتنا مضبوط ہو گیا ہے کہ اب ان کی ہمت ہو گئی ہے کہ اختلافی نسخے تیار کر کے شائع کرا دیئے جائیں اور پھر ایک قرآن کی حقیقت کو سوال کھڑا کر کے کہ کون سا قرآن؟؟ (Which Quran??) ختم کر دیا جائے .... مگر یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے (۹/۱۵) اور پچھلی چودہ صدیوں سے وہ اس کی حفاظت فرما رہا تھا۔ مگر اب شاید اس نے ہماری آزمائش کے لئے، عجمی ایجنٹوں کو تھوڑی سی رعایت کر دی ہے کہ جو چاہو کر لو۔ مہلت کے بعد ہم تم سے نپٹ لیں گے۔

خیال رہے کہ دنیا میں اپنے کام عام طور پر، اللہ تعالیٰ، اپنے بندوں ہی کے ذریعہ کراتا ہے۔ ملائکہ نازل نہیں کرتا ، اگر ملائکہ نازل کر دے تو کام ہی تمام ہو جاتا ہے (۶/۸) اس لئے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس عجمی سازش کو بے نقاب کریں۔ پچھلے سات آٹھ سال میں اس سلسلہ میں کوئی خاص کام نہیں ہوا (اور میرے علم کے مطابق نہ ہی کوئی تفصیلی کتاب آئی)۔ خیر اب بھی وقت ہے کہ جب میں نے یہ سازش بے نقاب کر دی ہے اور میں بوڑھا ہو چکا ہوں تقریباً ۷۵ سالہ بوڑھا، جس کو اب بڑھاپے کے مختلف آزار بھی لگ گئے ہیں) تو اب نوجوان طبقہ کو میدانِ عمل میں آگے بڑھنا چاہیئے اور عجمی شیطانوں کو ان کی سازش کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھنا چاہیئے۔

.(۱۱)۔...یہاں یہ بھی نہ بھولئے کہ اللہ تعالیٰ نا صرف اپنے **کلمات** نہیں بدلتا بلکہ وہ فطرت (یعنی ماسٹر پلان) اور اپنی تخلیق بھی نہیں بدلتا۔ یہی سیدھا دین ہے (۳۰/۳۰)

.(۱۲)۔...اور اس سے بھی اہم حقیقت کہ اللہ تعالیٰ اپنی **سنت** نہیں بدلتا۔ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ، وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (۶۲/۳۳، ۷۷/۱۷، ۴۳/۳۵، ۲۳/۴۸) خیال رہے کہ کلمہ "سُنت" اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ رسول کی طرف کہیں نہیں، یعنی قرآن الحکیم میں یہ کلمہ رسول کے لئے استعمال ہی نہیں ہوا! جبکہ عجمیوں نے یہ کلمہ رسول کے لئے مخصوص کر دیا اور پھر سنتوں کے عاشق بھی بنا دیئے۔

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ (۳۸/۸ ، ۱۳/۱۵ ، ۵۵/۱۸) کے جو کلمات استعمال ہوئے ہیں وہاں بھی مطلب یہ ہے کہ اگر **اَوَّلِيْنَ** (پہلوں) ہی کی حرکت کی تو اللہ اپنی سنت کے مطابق ان کا بھی حشر وہی کرے گا جو پہلوں کا گذر چکا ہے۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ کا **قول** بدلتا ہے، نہ ہی اس کے **کلمات** بدلتے ہیں، نہ ہی اس کی **فطرت** یا **تخلیق** بدلتی ہے اور نہ ہی اس کی **سنت** بدلتی ہے۔ مگر افسوس کہ عجمی اور ان کے ایجنٹ سب کچھ بدلنے پر مامور و ماجور ہیں۔ (معاذ اللہ)

اب مثالیں دیکھئے:

قراءاتی تحریف آیاتِ قرآنی کی مثالیں

دَورِ عباسی میں تیسری صدی ہجری کے **شیعہ عالم ابی عبد اللہ احمد بن محمد السیاری** (متوفی ۲۶۸ھ) الاصفہانی، البصری (عجمی) کی کتاب: "کتاب القراءات أو التنزیل و التحریف"

آیاتِ قرآنی	تحریف شدہ قراءات
۱۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (۱/۶۔۷)	صِرَاطَ مَنْ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ غَیْرِ الضَّآلِّیْنَ ۝
۲۔ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَ لَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (۲/۲۵۵)	وَ مَا یُحِیطُونَ مِنْ عِلْمِهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ و آخرها وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَ الحَمدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَآیتین بعدها وَ صَلَّ اللهُ عَلَ مُحَمَّدٍ وَعَلَى أَهلِ بَیْتِهِ
۳۔ بِمَا لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ (۲/۸۷)	بِمَا لَا تَهْوٰۤی اَنْفُسُكُم بولایة علیّ علیه السلام فاسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا من آل محمد صلی الله علیه و آله كَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ
۴۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۲/۶)	اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِوَلَایَةِ عَلِيٍّ سَوَاءٌ عَلَیْهِمْ أَ أَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ
۵۔ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ (۲/۱۳۲)	یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ لِوَلَایَةِ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ علیه السلام
۶۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا...... (۲/۵۹)	فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا آلَ مُحَمَّدٍ حَقَّهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا آلَ مُحَمَّدٍ حَقَّهُم رِجْزًا
۷۔ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۲/۲۶۹)	نِعمَ أُولُوا الْاَلْبَابِ شیعة علیّ صلوات الله علیه و علیّ هو الباب
۸۔ كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ...... (۳/۱۱۰)	اَنْتُمْ خَیْرَ أَئِمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
۹۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۟ وَ	یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا علی الذنوب وَ صَابِرُوْا

اتَّقُوااللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (۳/۲۰۰)	على الفرائض وَ رَابِطُوۡا على الأئمَّة، وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ
۱۰۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا (۴/۱۶۸)	اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا آلَ مُحَمَّدٍ حَقَّھُم لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَلَا لِیَہۡدِیَہُمۡ طَرِیۡقًا
۱۱۔ اَطِیۡعُوااللّٰہَ وَ اَطِیۡعُواالرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ (۴/۵۹)	اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ أُوۡلِی الۡأَمۡرِ مِن آلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیه و آله ۔ مِنۡکُمۡ
۱۲۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَہُمۡ کُفُّوۡۤا اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۚ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ یَخۡشَوۡنَ النَّاسَ کَخَشۡیَۃِ اللّٰہِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡیَۃً ۚ وَ قَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ کَتَبۡتَ عَلَیۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ؕ (۴/۷۷)	أَلَمۡ تَرَ إِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَہُمۡ کُفُّوۡا اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلَاۃَ وَ آتُوا الزَّکَاۃَ أصحاب الحسن فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ مع الحسین ۔ لَوۡلَا أَخَّرۡتَنَا اِلٰی أَجَلٍ قَرِیۡبٍ (یعنی الی قیام القائم۔
۱۳۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ۬ؕ (۵/۱)	یَا أَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا أَوۡفُوۡ بِالۡعُقُوۡدِ الَّتِی عُقِدَتۡ (عَلَیۡکُم) لِعَلِیِّ بن أَبِی طَالِبٍ صلوات اللہ علیه
۱۴۔ یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ ؕ (۵/۶۷)	یَا أَیُّھَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَا أُنۡزِلَ إِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ فِی عَلِیٍّ وَإِنۡ لَمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَاتِهٖ ؕ
۱۵۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ . . . (۲۴/۵۵)	وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا مِنۡکُمۡ أَنَّھُم یَرِثُوۡنَ الأَرۡضَ وَ یُمَکِّنُ لَھُم فِیھَا وَ عَمِلُوا الصالِحاتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ
۱۶۔ وَ لۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ (۲۴/۳۳)	وَ لۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا بِالۡمُتۡعَةِ حَتّٰی یُغۡنِیَہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ
۱۷۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ لُعِنُوۡا فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ۪ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (۲۴/۲۳)	اِنَّ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصِنِیۡنَ الغَافِلِینَ لُعِنُوۡا فی الدُّنۡیَا وَ الۡآخِرَۃِ ۪ وَلَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ
۱۸۔ وَ لَقَدۡ عَہِدۡنَاۤ اِلٰۤی اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِیَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَہٗ عَزۡمًا (۲۰/۱۱۵)	وَ لَقَدۡ عَھِدۡنَا اِلَی آدَمَ مِنۡ قَبۡلُ کَلِمَاتٍ فِی مُحَمَّدٍ وَ عَلِیٍّ وَ الحَسنِ وَالحُسَینِ وَ الأَئمَّةِ مِن ذُرِّیَتِھِم فَنَسِیَ

۱۹۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (۴۲/۱۳)	شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّى بِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَ إِسحَاقَ وَ يعقُوبَ ، أَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ بِآلِ مُحَمَّدٍ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ وَ كُونُوا عَلَى جَمَاعَةٍ، كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مِن اشرك بولاية عليّ مَاتَدعُوهُم اِلَيهِ مِنْ وَلَايَةِ عَلِيٍّ إنَّاللّٰهَ يَا مُحمَّد ۔۔ يَهدِى إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ من يجيبك إِلَى وَلَايَةِ أَمِيرِ الْمُؤمِنِيْنَ عَلِيِّ بن أَبِي طَالِبٍ صلوات الله عليه و اله
۲۰۔ وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۚ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ (۵۳/۱۔۴)	وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۔مَافتنتم الّا ببغض آل محمد اذا مضى ما ضلّ صَاحِبُكُمْ بتفضيله أهل بيته وَ مَا غَوٰى ۔وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ (قَال: إنّ ولاية أمير المومنين عليه السلام كانت اليه مشافهةً ، اوحى فى عليّ۔)
۲۱۔ اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ؕ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۚ (۱۰۸/۱۔۳)	اِنَّاۤ اَعْطَيْنٰكَ يَا مُحَمَّدُ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ اِنَّ شَانِئَكَ عَمَرو بن الْعَاصِ هُوَ الْاَبْتَر

میرا خیال ہے کہ یہ ۲۱ آیات اور ان کی تحریفی / قراءتی روایات، سمجھدار آدمی کو یقین دلانے کیلئے کافی ہیں کہ قرآن کریم کی قراءتی تحریف تیسری صدی ہجری ہی میں اس حد تک بڑھ گئی تھی۔ ورنہ تو اس کتاب کے دو سو صفحات پر یہ روایات پھیلی ہوئی ہیں وہ سب میں یہاں نقل نہیں کر سکتا۔

سیاری صاحب کی یہ تیسری صدی (دورِ عباسی) کی کتاب بھی ابھی کچھ سالوں پہلے ہی منصۂ شہود پر آئی ہے جس طرح صحیفہ ہمام بن مُنبّہ اور کتاب المصاحب از ابن داؤد وغیرہ صدیوں بعد ابھی منصۂ شہود پر آئی ہیں۔

(۱)۔ اس کتاب کی صفت یہ ہے کہ یہ تمام قراءتی تحریفی روایات حضرت جعفرؒ یا ابی عبد اللہ کی طرف منسوب ہیں اور کسی بھی روایت کی سند رسول اللہ سلامٌ علیہ تک نہیں پہنچتی!

(۲)۔ اس کتاب کی دوسری صفت یہ ہے کہ عام طور پر زبردستی حضرت علی رضی اللہ عنہ یا ان کی اولاد کے اسمائے گرامی آیات میں گھسانے کی کوشش کی گئی ہے! جبکہ وہ قرآن کریم میں نہیں۔ اوپر کی آیات (۲۱) میں خواہ مخواہ میں زبردستی صحابیِ رسول، حضرت عمرو بن العاصؓ کا اسم گرامی، مع تبرّا کے، گھسا دیا گیا ہے۔ جو کہ غالی شیعیت / رافضیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ میں چونکہ شیعیت یا رافضیت کے خلاف کتاب نہیں لکھ رہا بلکہ قراءات / تحریف قرآن کے خلاف لکھ رہا ہوں اس لئے یہاں میں مزید بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ صرف اتنا کہوں گا کہ غور کیجئے ایک جلیل القدر صحابیؓ سے اتنی بڑی دشمنی کی کیا وجہ تھی؟ کیا ان کا علم یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا کہ واقعہ تحکیم ان کی

طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ جنگیں ہی (جمل و صفین) محض افسانوی ہیں (مثل کرب و بلاء کے) اور انہیں گھڑنے والے بھی یہی عجمی شیعہ ہیں۔ اس لئے شیعوں و رافضیوں کا معاملہ ہی دیگر مسلمانوں سے جدا گانہ ہے؟ اس پر بحث یہاں بے موقع ہے۔ (دیکھئے ضمیمہ "صحابہ رسولؐ کی افسانوی جنگیں قرآن کی روشنی میں)

(۳) اس کتاب کی تیسری صفت یہ ہے کہ یہ قراءاتی تحریف سیاری صاحب نے قرآن کریم کی تمام ۱۱۴ سورتوں میں کر دی ہے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ تیسری صدی ہجری کے عباسی دور میں **"مقتدرہ"** کتنی طاقتور ہو گئی تھی کہ ایک طرف تو بخاری و مسلم وغیرہ کو قرآن کریم کے متوازی، **مثلہٗ و معہٗ** نام نہاد احادیث لکھنے پر لگایا ہوا تھا۔ تو دوسری طرف سیاریؔ جیسے اہلِ علم کو قرآن کریم ہی کی قراءت کے نام پر تحریف کر کے لکھنے پر لگایا ہوا تھا۔ جسے چوتھی صدی میں ابن مجاہد نے یکجا کیا۔ تو تیسری طرف فقہا کو فعال کیا ہوا تھا کہ اسلامی مسائل کی نئی نئی تاویلات کرو اور حیلہ بہانے، تُوریہ و تقیّہ کے راستے نکالو۔ تو چوتھی طرف مؤرخین و نسّاب کو لگایا ہوا تھا کہ تم پہلی صدی ہجری کے تمام ریکارڈز معدوم کر کے تاریخی حقائق اور سیرتِ رسول و صحابہ کو داغدار کرتے جاؤ اور ان میں ہر مسئلہ پر اختلاف ظاہر کرتے جاؤ۔ تو پانچویں طرف مفسرین کو فعال کیا ہوا تھا کہ تم اللہ کریم کی برابری یا زیادہ قابل ہونے کا ثبوت تفسیریں لکھ لکھ کر دیتے رہو۔ (معاذ اللہ) اسی طرح چھٹی طرف دیگر نام نہاد اسلامی علوم کے لئے (علم ہندسہ، جفر، نجوم وغیرہم) یہود و نصاریٰ و مجوس کو لگایا ہوا تھا! غرض یہ کہ اس طرح سے انہوں نے دین کے ہر شعبہ اور علم میں نقب لگائی ہوئی تھی اور نو مسلموں میں غلط تعبیراتِ دین پھیلانے میں کامیاب ہوتے گئے اور اس طرح انہوں نے دین اسلام کو بدل ڈالا۔ اور ہر جگہ نفاق اور اختلاف کا بیج بو دیا جو آج تک پھل دے رہا ہے۔

.(۴)۔...اس کتاب کی چوتھی صفت یہ ہے کہ اسے صفحہ بہ صفحہ پڑھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ، حضرت زین العابدینؒ بن حسینؓ کے بعد رافضیت کتنی مضبوط ہو گئی تھی کہ کوئی اسے چیک کرنے والا نہیں تھا۔ عباسیوں نے عجمیوں کی مدد سے علویوں اور امویوں کو دیوار سے لگا کر مضمحل کر دیا ہوا تھا اور دین کے معاملہ میں اب کسی کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ عجمیوں پر انگلی بھی اُٹھا سکے۔

.(۵)۔...اس کتاب کی پانچویں صفت یہ ہے کہ تمام قراءاتی تحریفی روایات پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید شیعی امام ہی قرآن کریم میں تحریف کرنے میں پیش پیش تھے (معاذ اللہ) یونکہ یہ تمام روایتیں سیاریؔ صاحب نے انہی کی طرف منسوب کی ہیں! اور دیگر محدثین نے بھی اسی طرح سے روایات لکھی ہیں جو رسول سلامؑ علیہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔

.(۶)۔...اس کتاب کی چھٹی صفت یہ ہے کہ کتاب کے شروع ہی میں فہرست کے بعد ہی (بغیر عنوان کے) **بسم اللہ** لکھ کر جو روایات دی گئی ہیں وہ عن ابی جعفر اور عن ابی عبد اللہ کر کے حقیقت کی ترجمان ہیں۔ (اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے) مگر چار صفحات بعد انہی بزرگوں سے تمام قراءاتی تحریف کی روایات درج کی ہیں۔

سیاری صاحب کی کتاب کی صفات کے بعد ذرا یہ بھی غور کر لیجئے کہ " **صلوات اللہ علیہ** ، "**صل اللہ علی محمد و علی اھل بیتہ**" ، "**صلی اللہ علیہ و آلہ**" جیسے الفاظ بھی تیسری صدی ہجری میں شیع علماء یا محرفین کی ایجاد ہیں۔ یہ الفاظ قرآن الحکیم میں کہیں نہیں۔ شیعوں ہی سے یہ الفاظ بہت ضروری قرار دے کر دیگر

اہلحدیث فرقوں کے ذہنوں میں ڈال دیئے گئے اور انہی کو بار بار دُہرا نا عقیدہ کا حصہ بنا دیا گیا۔ جبکہ قرآنی الفاظ "سلامٌ علیك" کو ذہنوں سے مہجور کر دیا گیا۔

حقیقت کی ترجمان روایات

.(۱)۔...عن ابی جعفر علیه السلام قال: القرآن واحد نزل من عند ربّ واحد علی نبیّ واحد ولکن الاختلاف یجئ من قبل الرواة (ص۶)

.(۲)۔...قیل لابی عبد الله علیه السلام : ان الناس یقولون إنّ القرآن نزل علی سبعة أحرف ، فقال: کذبوا، نزل حرف واحد من عند رب واحد علی نبی واحد (ص۶)

.(۳)۔...عن أبی جعفر علیه السلام قال : قلت له : (یقول) الناس : نزل القرآن علی سبعة أحرف ، فقال: واحد من عند واحد (ص۷)

.(۴)۔...سال سائل ابا عبد الله علیه السلام عن روایة الناس فی القرآن : نزل سبعة أحرف فقال : کذب الناس فی روایاتهم بل هو حرف واحد من عند واحد نزل به ملك واحد علی نبیّ واحد (ص۷)

.(۵)۔...قلت لأبی عبد الله علیه السلام : علی کم حرف نزل القرآن ؟ فقال : علی حرف واحد۔ (ص۸)

قارئین ان روایات کا مفہوم اصول الکافی کے ترجمہ الشافی [۱] جلد ۵، ص۷ ۳۰ کتاب فضائل قرآن کے باب ۱۴ النوادر کے مطابق یہ ہے:

(۱)۔ فرمایا امام محمد باقر نے: قرآن واحد ہے ربِّ واحد کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اختلاف تو راویوں کا پیدا کردہ ہے۔

(۲)۔ فرمایا ابو عبد اللہ نے لوگ کہتے ہیں قرآن نازل ہوا ہے سات حرفوں پر، فرمایا: دشمنانِ خدا جھوٹے ہیں۔ ایک ہی حرف پر ایک ہی ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

غور کیجئے کہ (مقدمہ الکتاب میں) حقیقت پر مبنی ان روایات کے بعد موصوف محدث سیاری صاحب نے اگلے تقریباً دو سو صفحات پر، قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتوں میں قراءتی تحریفات زیادہ تر انہی اماموں کی طرف منسوب کی ہیں۔ تو جو ان صفحات کو پڑھے اسے یقین ہو جائے کہ قرآن کریم میں قراءتی تحریفات انہی اماموں نے کی ہیں! کہئے ہے نا مزیدار لطیفہ! اب آپ کا دل جو مانے: حقیقت یا عجمی تحریف۔ یہ آپ کی مرضی۔ ہم نے تو آپ کو تصویر کے دونوں رخ دکھا دیئے۔ اب آپ چاہیں تو اپنے حیلے، توریہ، تقیہ یا تاویلات سے اسے تھری ڈی (3-D) تصویر بنا دیجئے!

[۱] ترجمہ الشافی از ظفر حسن صاحب، ناشر ظفر شمیم پبلی کیشنز۔ کراچی۔ جلد ۵، ص۷ ۳۰۔ کتاب فضائل قرآن، باب ۱۴ النوادر

تحریفِ آیات کی مثالیں بذریعہ عجمی قراءات از اہلحدیث رُشدی حضرات

(پندرھویں صدی ہجری)

قرآنی آیات	تحریف شدہ قراءات میں:
(۱) وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (۴/۱۲) (ماہنامہ رُشد قرآن نمبر حصہ اوّل، اداریہ۔ ص ۳)	وَلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِن اُمٍ ہے
(۲) فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ (۴/۲۴)	آگے اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّى ہے
(۳) آیتِ وُضو میں لفظ اَرْجُلَكُمْ (۵/۶)	کو اَرْجُلِكُمْ کر دیا گیا۔
(۴) وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ (۲۲/۵۲)	آگے وَلَا مُحَدَّثٍ ہے
(۵) بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (۲/۱۰)	بِمَا كَانُوْا يُكَذِّبُوْنَ
(۶) طٰهٰ (۲۰/۱)	طه
(۷) فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (۲/۳۷)	فَتَلَقّٰى آدَمَ مِنْ رَبِّهٖ كَلِمٰت
(۸) وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (۲/۴۸)	وَلَا تُقْبَل مِنْهَا شَفَاعَةً
(۹) وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ (۲/۸۱)	وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْئٰتُه
(۱۰) فَاُمَتِّعُهٗ (۲/۱۲۶)	فَاُمْتِعُهُ
(۱۱) اَمْ تَقُوْلُوْنَ (۲/۱۴۰)	اَمْ يَقُوْلُوْنَ
(۱۲) وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (۲/۲۲۲)	وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطَّهَّرْنَ
(۱۳) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا (۴/۹۴)	يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَثَبَّتُوا
(۱۴) وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (۲۰/۱۱۵)	لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فِي محمد و عَلِيٌّ وَ فَاطِمَه وَ الحسن وَ الحُسين وَ الاَئِمه عَلَيهم السلام مِن ذُرِّيَتِهُم فَنَسِى (شافی، ص ۵۱۳)
(۱۵) فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۶۷/۲۹)	فَسَتَعْلَمُوْنَ اِنَّكُم فِي ضَلَالٍ مبينٍ يَا مَعشَرِ المُكَذِّبِين حيثُ أَتَينَاكُم بِرِسَالَةِ رَبِّي وَ وَلَايَةِ عَلِيٍّ وَ الاَئِمَّةِ مِن بَعدِهٖ فَكَذَّبْتُم فَسَتعلَمُونَ مَنْ هُوَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ

(۱۶) سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾ (۷۰/۲-۱)

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِلْكَافِرِيْنَ بِوَلَايَةِ عَلِيٍّ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ

(۱۷) حٰفِظُوۡا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الۡوُسۡطٰی ٭ وَ قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ (۲/۲۳۸)

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ

(۱۸) فَکَفَّارَتُہٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ اَہۡلِیۡکُمۡ اَوۡ کِسۡوَتُہُمۡ اَوۡ تَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ ؕ (۵/۸۹)

دوسری قراۃ میں کلمہ رَقَبَةٍ کی صفت مُومِنَةٍ بیان کی

(۱۹) یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ (۶۲/۹)

فَاسْعَوا کی جگہ کلمہ فَامْضُوا سے بدل دیا۔

(۲۰) وَ ادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوۡلُوۡا حِطَّۃٌ نَّغۡفِرۡ لَکُمۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ (۲/۵۸)(مدنی)

کلمہ نُغْفَرلَکُم کو نافع اور ابو جعفر نے یُغْفَرلَکُم پڑھا، باقی قراء نے نَغْفِرلَکُم پڑھا ہے۔ (سنن ابو داؤد ۲/۲۰۰)

(۲۱) فَرِہٰنٌ مَّقۡبُوۡضَۃٌ (۲/۲۸۳)(مدنی)

کلمہ فَرِهٰنٌ کو بغیر الف کے، ابن کثیر اور ابو عمرو نے، فُرهُنٌ پڑھا۔(مستدرک حاکم ۲/۲۳۵)

(۲۲) لَا تَحۡسَبَنَّ (۳/۱۸۸، ۱۶۹)(مدنی)

کلمہ لَا تَحْسَبَنَّ کو لَا تَحْسِبَنَّ پڑھا (سنن ابو داؤد ۲/۱۹۷)

(۲۳) بِالۡبُخۡلِ (۴/۳۷)(مدنی)

کلمہ بِالبُخْلِ کو امام حمزہ، کسائی اور خلف نے بِالبَخَلِ پڑھا۔(سنن ابو داؤد ۲/۱۹۷)

(۲۴) اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَ الۡعَیۡنَ بِالۡعَیۡنِ وَ الۡاَنۡفَ بِالۡاَنۡفِ (۵/۴۵) مدنی

کلمات وَ الْعَینَ بِالعَینِ کو وَالْعَیْنُ بِالْعَیْنِ پڑھا اور کلمات وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ کو وَالانْفُ بالانفِ پڑھا۔ (سنن الترمذی ۲۹۲۹) سنن ابو داؤد ۳۹۷۶، ۳۹۷۷) مسند احمد ۳/۲۱۵ وغیرہ (نافع، عاصم، حمزہ، یعقوب الحضرمی اور خلف العاشر نے نصب کیساتھ پڑھا)

(۲۵) ہَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّکَ (۵/۱۱۲)(مدنی)

هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ میں کلمہ ربُّكَ کو رَبَّكَ پڑھا۔ سنن ترمذی ۲۹۳۰، مستدرک حاکم (۲/۲۳۸) وغیرہ۔

(۲۶) لَا تُفَتَّحُ لَہُمۡ اَبۡوَابُ (۷/۴۰)(مدنی)

کلمہ تُفَتَّحُ کو تُفْتَحُ پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۳۹) ابو عمرو نے تا اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تا اور تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

(۲۷) اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗۤ اَسۡرٰی (۸/۶۷)(مکی)

کلمہ یَّکُونَ کو بدل کر تَکُونَ پڑھا۔ (مستدرک حاکم ۲۳۹/۲) ابو عمرو، ابو جعفر مدنی اور یعقوب الحضرمی نے اس طرح پڑھا۔

(۲۸) اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ (۹/۶۰)(مدنی)

کلمہ لِلۡفُقَرَآءِ کو لِلۡفُقَرَآءَ پڑھا۔ (مجمع الزوائد ۷/۱۵۸ بحوالہ طبرانی)

(۲۹) قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَ بِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلۡیَفۡرَحُوۡا ؕ ھُوَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ (۱۰/۵۸)(مکی)

کلمہ فَلۡیَفۡرَحُوۡا کو بدل کر فَلۡتَفۡرَحُوۡا پڑھا۔ (ابو داؤد (۳۹۸۰) مستدرک حاکم ۲/۲۴۰، ۲۴۱) ابن عامر، ابو جعفر اور رویس بن یعقوب نے تا کے ساتھ فَلتَفرحوا اور تَجمَعُوۡنَ پڑھا ہے۔

(۳۰) اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ (۱۱/۴۶)(مدنی)

کلمات عَمَلٌ غَیۡرُ کو بدل کر عَمِلَ غیرَ پڑھا۔ ترمذی (۲۹۳۱)، ابو داؤد (۳۹۸۳)، ابو یعلی (۷۰۲۰)، ابو نعیم فی الحلیہ (۸/۳۰۱)، الطیالسی (۱۰۳۱)، مسند احمد (۶/۴۵۴)، ابو داؤد ۳۹۸۲)۔

(۳۱) وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ (۱۳/۴)(مدنی)

کلمات بدل کر وَّ زَرۡعٍ وَّنَخِیلٍ صِنوَانٍ وَغَیرِ صِنوَانٍ پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۴۱)

(۳۲) رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ (۱۵/۲)(مکی)

کلمہ رُبَمَا کو رُبَّمَا (تشدید لگا کر) پڑھا۔ حاکم (۲/۲۴۲)، طبری (۲۱۰۵۵۵)

(۳۳) لِتُغۡرِقَ اَھۡلَھَا (۱۸/۷۱)(مکی)

ان کلمات کو بدل کر لِیَغۡرَقَ اَھۡلُھَا پڑھا۔ ابن مردویہ بحوالہ کنز العمال (۴۸۷۲)، الدر المنثور للسیوطی (۴/۴۲۸)

(۳۴) لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡہِ اَجۡرًا (۱۸/۷۷)(مکی)

(۱)۔ کلمہ لَتَّخَذۡتَ کو لَتَخِذۡتَ پڑھا۔ (ابن حبان، حاکم، الماوردی) ......(۲) کلمہ لَتَّخَذۡتَ کو لَتَخِذۡتَ پڑھا (صحیح مسلم۔۴/۱۸۵۲) وغیرہ

(۳۵) تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ (۱۹/۹۰)(مکی)

کلمہ یَتَفَطَّرۡنَ کو بدل کر ینفطرن کر دیا۔ حاکم ۲/۲۴۵)

(۳۶) طٰہٰ (۲۰/۱)(مکی)

کلمہ طٰہٰ (طاھا) کو بدل کر طٰہ۔ (مستدرک حاکم (۲/۲۴۵)

(۳۷) تَھۡجُرُوۡنَ (۲۳/۶۷)(مکی)

کلمہ تَھۡجُرُوۡنَ کو بدل کر تُھۡجِرُوۡنَ پڑھا۔ (مستدرک

	حاکم ۲/۲۴۶)
(۳۸)خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ (۵۴/۳۰)(مکی)	کلمہ ضُعُفٍ کو بدل کر ضَعْفٍ پڑھا۔ سنن ترمذی (۲۹۳۶) سنن ابوداؤد (۳۹۷۸)، مستدرک حاکم (۲/۲۴۷)
(۳۹)جِبِلًّا كَثِيْرًا (۶۲/۳۶)(مکی)	کلمہ جِبِلًّا کو بدل کر جُبْلًا پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۴۸)
(۴۰) اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (۴۶/۴۰) (مکی)	کلمہ اَدْخِلُوْا کو بدل کر اُدْخُلُوا پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۵۳)
(۴۱)فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (۵۵/۵۶)(مکی)	کلمہ شُرْبَ کو بدل کر شَرْبَ پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۵۰)الطبرانی فی الاوسط(۹۳۷۱)،الفوائد(۱/۲۱۶)
(۴۲)وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (۲۴/۸۱)(مکی)	کلمہ بِضَنِيْنٍ کو بدل کر بِظَنِين (بالظاء) پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۵۲)
(۴۳)فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ (۷/۸۲)(مکی)	کلمہ فَعَدَلَكَ کو بدل کر فعدّلك پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۵۲)
(۴۴)كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۭ (۱۷-۲۰/۸۹)(مکی)	کلمات تُكْرِمُوْنَ ، تَحٰٓضُّوْنَ ، تَاْكُلُوْنَ ، تُحِبُّوْنَ کو بدل کر یکرمون ، يُحضّون ، ويَاكُلُونَ ، وَيُحِبُّونَ کلھا بالیاء پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۵۵)
(۴۵) يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ (۳/۱۰۴)(مکی)	کلمہ يَحْسَبُ کو بدل کر أيحسَب پڑھا۔ مستدرک حاکم (۲/۲۵۶) سنن ابوداؤد

قارئین ! غور فرمایئے اوپر کی پیش کردہ روایات ۲۰ سے ۴۵ کا عنوان ہے "احادیث مبارکہ میں وارد شدہ قراءات........ ایک جائزہ" از ڈاکٹر احمد عیسیٰ المعصراوی، استاد الحدیث والفقہ، جامعۃ الأزھر۔ مصر، ترجمہ وانتخاب عمران حیدر۔ ماہنامہ رُشد جون ۲۰۰۹ء، قراءات نمبر حصہ اوّل۔ صفحہ ۱۷-۳۹

میں نے ہر آیت کے آگے ، سورۃ کے لحاظ سے ، مکی یا مدنی لکھ دیا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ محدثین کرام نے اختلاف قراءت یا قراءتی تحریف مکی سورتوں میں بھی کر دی ہوئی ہے۔ جبکہ روایت سبعہ احرف کا نزول مراءیامروہ کے پتھروں کے پاس ہوا (رُشد ۱/۱۱۲، ۱/۱۳۰، ۳/۶۲) یہ مقام تومسجد نبوی سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ تو پھر مکی سورتوں میں قراءتی تحریف کہاں سے آئی ؟؟ دوسری جگہ لکھاہے کہ نبی اکرم سلامؐ علیہ بنی غفار کے تالاب کے قریب تھے جو کہ مدینہ میں ایک مقام تھا (رُشد، ۱/۱۱۱، ۱/۷۰-۲/۷۱) توپھر مکی سورتوں میں قراءتی تحریف کہاں سے آئی جبکہ مکہ میں سبعہ حروف کا نزول نہیں ہوا تھا؟؟

.۴۶-...ایک اور روایت دیکھتے چلیئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بارے میں روایات میں مذکور ہے کہ وہ سورہ الّم

نشرح میں وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ کو و حللنا عنك وزرك اور و حببنا عنك وزرك پڑھا کرتے تھے۔ (تفسیر القرطبی) (ماہنامہ رُشد حصہ اوّل۔ صفحہ ۳۳۰) غور کیجئے کہ حضرت علیؓ پر کتنا بڑا اتہام ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(سورۃ النساء، آیت ۴۶)

(اے رسول یہودیوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو کلماتِ (الٰہی) کو ان کے موقع محل سے بدل ڈالتے ہیں، اور کہتے ہیں ہم نے سُن لیا لیکن اطاعت نہیں کریں گے اور (وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ) آپ سنئے (لیکن اللہ کرے) آپ سُن نہ سکیں اور وہ اپنی زبانوں کو موڑ کر دین (اسلام) پر طنز کرنے کی نیت سے (آپ سے گفتگو کرتے وقت راعنا بھی کہتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے ہم نے سُن لیا اور ہم اطاعت کریں گے اور (اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کی جگہ صرف اِسْمَعْ کہتے (یعنی آپ سنئے) اور (راعنا کی جگہ) اُنْظُرنا کہتے (ہماری طرف نظر کیجئے) کہتے تو ان کے لئے بہتر اور مناسب ہوتا، لیکن (انہوں نے ایسا نہیں کیا) تو اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی۔ لہٰذا قلیل ہی لوگ ہوں گے جو ایمان لائیں گے۔ (۴/۴۶)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی یہودیوں کی صفت کہ وہ کلمات الٰہی کو ان کے موقع محل سے بدل ڈالتے ہیں، آج مسلمانوں نے اختیار کر لی ہے / اپنالی ہے۔ ان کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے کفر کہا اور ان پر لعنت کر دی۔ ان کے کفر کی مثال بھی اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کریمہ میں بتا دی کہ وہ لفظ یا کلمہ راعنا کو بگاڑ دیتے تھے اور اِسْمَعْ کی جگہ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کہتے تھے۔ غور کیجئے کہ وہ صرف ایک ہی ایک کلمہ کو بدلنے کی وجہ سے کفر کے مرتکب اور لعنتی قرار دیئے گئے تھے، تو کیا آج مسلمانوں کے اہلحدیث (خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھنے والے، سُنتوں کے عاشق ہوں) اگر یہ عمل کریں کہ کلماتِ الٰہی کو آخری الکتاب میں بدل ڈالیں اور اس طرح بیس ۲۰ مختلف الکلمات قرآن بنا دیں تو کیا ان کا یہ عمل غیر کُفر اور غیر لعنتی ہو گا؟؟

اب اس کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

۴۷۔ ... سورہ البقرہ آیت نمبر ۹ میں يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ میں کلمہ يَخْدَعُونَ کو يُخٰدِعُونَ کر دیا (روایت دوری، روایت قالون، روایت ورش)

۴۸۔ ... سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۶۵ میں وَلَو يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوا میں کلمہ يَرَى کو تَرَى کر دیا (روایت قالون، روایت ورش)

.۴۹۔...سورہ اٰل عمران، آیت نمبر ۱۶۱ میں وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ میں کلمہ يَغُلَّ کو يُّغَلَّ کر دیا(روایت قالون، روایت ورش)

.۵۰۔...سورہ النساء۔ آیت نمبر ۱۲ میں وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ میں کلمہ يوصٰى کو يُوصِى کر دیا۔(روایت دوری، روایت قالون، روایت ورش)

.۵۱۔...سورہ المائدہ، آیت نمبر ۵۳ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا میں کلمہ یا حرف وَ اُڑا دیا صرف يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا رہ گیا (روایت قالون، روایت ورش)

.۵۲۔...سورہ المائدہ، آیت نمبر ۵۴ میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ میں کلمہ يَرتَدَّ کو يَّرتَدِدْ کر دیا(روایت قالون، روایت ورش)

.۵۳۔...سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۱۱ میں اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ میں کلمہ اِذ يُغَشِّيكُمُ کو اِذ يَغشَاكُمُ کر دیا (روایت الدُّوری)

.۵۴۔... سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۱۱ میں اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ میں کلمہ اِذ يُغَشِّيكُمُ کو اِذْ يُغشِيكُم کر دیا (روایت قالون، روایت ورش)

.۵۵۔...سورہ الکھف کی آیت نمبر ۳۶ میں آخری کلمہ مِنهَا مُنْقَلَبًا میں کلمہ مِنهَا کو مِنْهُمَا کر دیا(روایت قالون، روایت ورش)

.۵۶۔ ... سورہ الکھف کی آیت نمبر ۴۲ میں وَاُحِيطَ بِثَمَرِهٖ میں کلمہ بِثَمَرِهٖ کو بِثُمُرِهٖ کر دیا(روایت دُوری، روایت قالون، روایت ورش)

.۵۷۔...سورہ الانبیاء کی آیت نمبر ۴ میں قٰلَ رَبِّي میں کلمہ قٰلَ کو قُل کر دیا(روایت دُوری، روایت قالون، روایت ورش)

.۵۸۔...سورہ الانبیاء کی آیت نمبر ۵ میں بَلِ افْتَرٰاهُ میں کلمہ بَلِ افْتَرٰهُ کو بَلِ اِفتَرٰيهُ کر دیا(روایت قالون اور روایت ورش)

.۵۹۔...سورہ الشعرآء کی آیت نمبر ۲۱۷ میں کلمہ وَتَوَكَّل کو بدل کر فَتَوَكَّل کر دیا(روایت قالون اور روایت ورش)

.۶۰۔...سورہ الصّافات کی آیت نمبر ۸ میں لَا يَسَّمَّعُونَ کے کلمہ کو بدل کر لا يسمَعُون کر دیا(روایت دُوری، روایت قالون، روایت ورش)

.۶۱۔...سورہ فاتحہ اور سورہ الناس میں کلمہ مٰلِك کو مَلِكِ کر دیا ہوا ہے۔(روایت دوری، روایت قالون، روایت ورش)

.۶۲۔...سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۶۹ میں کلمہ وَالصّٰبِئُوْنَ کو والصَّبُوْنَ کر دیا۔(روایت قالون، روایت ورش)

.۶۳۔...سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۶۳ میں کلمات اِنَ هٰذٰنِ کو بدل کر اِنَّ هٰذَنِ کر دیا(روایت دوری، روایت قالون، روایت ورش)

.۶۴۔...سورہ البقرہ آیت نمبر ۸۵ میں آخری کلمہ تَعمَلُون کو بدل کر يَعمَلُون کر دیا۔(روایت قالون، روایت ورش)

.۶۵۔... سورہ الحجر کی آیت نمبر ۸ کا پہلا کلمہ مَانُنَزِّلُ کو بدل کر مَا تَنَزَّلُ کر دیا(روایت دوری، روایت قالون، روایت ورش)

.۶۶۔... سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۶۸ میں آخری کلمہ کَبِیرًا کو بدل کر کَثِیرًا کر دیا(روایت دوری، روایت ورش، روایت قالون)

.۶۷۔... سورہ الشّوریٰ کی آیت نمبر ۳۰ میں کلمہ فَبِمَا کو بدل کر بِمَا کر دیا(روایت ورش، روایت قالون)

.۶۸۔... سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۳۰ میں کلمہ کَسَبَتْ کو بدل کر کَسَبَتَ کر دیا۔(روایت وَرش)

.۶۹۔... سورہ الفتح کی آیت نمبر ۱۷ میں کلمہ یُدْخِلْهُ کو بدل کر نُدْخِلْهُ کر دیا۔(روایت قالون، روایت ورش)

قرآن مبین اصل عبارت	تحریف شدہ عبارت	از
۷۰۔ وَ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ (۴/۱۲)	وَ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ مِن اُمٍ	ڈاکٹر عبد الواحد صاحب (دیوبندی) ص ۱/۱۳۴ صدر دار الافتاء جامعہ مدنیہ، لاہور فاضل قراءات سبعہ وعشرہ
۷۱۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ۚ (۲/۲۲۲)	وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطَّهَّرْنَ	ایضاً
۷۲۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ؕ (۵/۶)	وَ اَرْجُلِكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ ؕ	ایضاً
۷۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ؕ (۶۲/۹)	فَامْضُوا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ	ایضاً
۷۴۔ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (۱۰۱/۵)	كَالصَّوفُ الْمَنْفُوْشِ	ایضاً
۷۵۔ وَ اِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا (۷۶/۲۰)	وَمَلِكًا كَبِیْرًا	ایضاً۔ موصوف ڈاکٹر صاحب نے سورہ و آیت کے نمبر وغیرہ یا حوالہ نہیں دیا۔ شاید ایسا مصلحتاً کیا ہو گا۔

.(۷۶)۔... مولانا تقی عثمانی صاحب دیوبندی، شیخ الحدیث و نائب صدر دار العلوم، کورنگی کراچی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو: ”سات حروف پر نازل کرنے کا راجح ترین مطلب یہ ہے کہ اس کی قراءت میں سات نوعیتوں کے اختلافات رکھے گئے ہیں، جن کے تحت بہت سی قراءتیں وجود میں آگئیں“ ۔(ص ۱/۱۷۱) مزید فرماتے ہیں: ” ہمارے نزدیک قرآن کریم کے ’سات حروف‘ کی سب سے بہتر تشریح اور تعبیر یہ ہے کہ حدیث میں ’حروف کے اختلاف‘ سے مراد ’قراءتوں کا اختلاف‘ ہے اور سات حروف سے مراد ’اختلاف قراءات‘ کی سات نوعیتیں ہیں، چنانچہ قراءتیں تو اگرچہ سات سے زائد ہیں، لیکن ان قراءتوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات اقسام پر منحصر ہیں“ (۱/۱۴۶)

”ہمارے علم کے مطابق یہ قول متقدمین میں سے سب سے پہلے امام مالکؒ کے یہاں ملتا ہے۔ مشہور مفکر قرآن

علامہ نظام الدین قمی نیشاپوری (یعنی پکے عجمی شیعہ بزرگ۔ صدیق) اپنی تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں کہ احرف سبعہ کے بارے میں امام مالکؒ کا یہ مذہب منقول ہے کہ اس سے مراد قراءات میں مندرجہ ذیل سات قسم کے اختلافات ہیں (یعنی سات طریقوں سے تحریف کی گئی ہے۔ صدیق) (ج ۱/ ص ۱۴۶)

.(۷۷)۔... مفرد اور جمع کا اختلاف، کہ ایک قراءت میں لفظ مفرد آیا ہو اور دوسری میں صیغۂ جمع، مثلاً وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ اور كَلِمَاتُ رَبِّكَ (۶/ ۱۱۵) (اسی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہوا ہے کہ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ یعنی اللہ کے کلمات کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ مگر مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ کے یہ کلمات نظر نہیں آئے یونکہ وہ تو تحریفِ قرآن پر اترے ہوئے ہیں۔ صدیق)

.(۷۸)۔... تذکیر و تانیث کا اختلاف، کہ ایک لفظ میں مذکر استعمال ہوا اور دوسری میں مؤنث جیسے لا يقبل اور لا تقبل

.(۷۹)۔... وجوہ اعراب کا اختلاف، کہ زیر زبر وغیرہ بدل جائیں، هَل مِن خَالِقٍ غَيرُ اللهِ اور غيرِ الله

.(۸۰)۔... حرفی ہیئت کا اختلاف جیسے يَعرِشُونَ اور يُعَرِّشُونَ

.(۸۱)۔... ادوات کا اختلاف (حروف نحویہ)۔ جیسے لٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ اور لٰكِنِ الشَّيَاطِيْنُ

.(۸۲)۔... لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں، جیسے تعلمون اور يعلمون اور ننشزها اور ننشرها۔

.(۸۳)۔... لہجوں کا اختلاف، جیسے تخفیف، تفخیم، امالہ، مد، قصر، اظہار اور ادغام وغیرہ"۔ (صفحہ ۱/ ۱۴۶) (گھبرایئے نہیں یہ تخفیف، امالہ وغیرہ لہجاتی قراءت کی اصطلاحات ہیں)

.(۸۴)۔... ڈاکٹر محمد اکرم چودھری صاحب، وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی نے اپنے مضمون اختلافِ قراءات قرآنیہ اور مستشرقین میں چند مختلف قراءتیں دی ہیں۔

ا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سورہ الفاتحہ میں درج ذیل الفاظ استعمال کرتے تھے۔ (ج ۱/ ص ۳۹۶)

مالك کی بجائے ملك

اهدنا کی بجائے أرشدنا

اياك کی بجائے اياك

الذين کی بجائے من

اور غير کی بجائے غير

.(۸۵)۔... حضرت ابی بن کعبؓ کا اس طرح پڑھنا روایت کیا گیا ہے:

مالک کی بجائے ملك يامليك

اياك کی بجائے اياك

اهدنا کی بجائے ثبتنا اور دلنا

صراط المستقيم کی بجائے صراط مستقيم ،

لا کی بجائے غیر

.(۸۶)۔... حضرت علیؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے۔

مالك کی بجائے ملك یوم

اهدنا کی بجائے ثبتنا اور لا کی بجائے غیر

.(۸۷)۔... حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے:

صراط کی بجائے سراط

.(۸۸)۔... حضرت عمرؓ سے اس طرح تلاوت کرنا منقول ہے:

مالك کی بجائے ملك اور الذين کی بجائے من

ولا الضالين کی بجائے وغیر الضالين

.(۸۹)۔... حضرت ابو ہریرہؓ مالك کی بجائے مليك تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

.(۹۰)۔... حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ حضرت عمرؓ کی طرح صراط الذين انعمت کی بجائے صراط من انعمت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔(صفحہ ۱/۳۹۶)

.(۹۱)۔... جافری صاحب نے، بعض شیعہ روایات کے حوالہ سے سورہ الفاتحہ کا متن اس طرح بیان کیا ہے

نحمد الله رب العالمين ، الرحمن الرحيم ، ملاك يوم الدين ، هياك نعبد و ياك نستعين ، ترشد سبيل المستقيم ، سبيل الذين نعمت عليهم سوى المغضوب عليهم ولا الضالين ۔ (ج ۱/ص۳۹۷)

.(۹۲)۔... بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله سيد العالمين ، الرزاق الرحيم ، ملاك يوم الدين ، انالك نعبد و انا لك نستعين ، ارشدنا سبيل المستقيم ، سبيل الذين مننت عليهم سوى المغضوب عليهم ولا الضالين ۔'' (ص ۱/۳۹۸)

.(۹۳)۔... روایت کیا گیا ہے کہ انس بن مالکؓ سورہ الم نشرح کی آیات ۱، ۲ کو اس طرح تلاوت کیا کرتے تھے:

الم نشرح لك صدرك و حللنا عنك وزرك ۔ جب آپ کے اس طرح پڑھنے پر اعتراض کیا گیا تو آپ نے فرمایا حللنا ، حططنا اور وضعنا ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے پڑھنے کے مختلف لہجے ہیں''۔(ص ۱/۳۹۸)۔ غور کیجئے کیا یہ مختلف لہجے ہیں یا مختلف کلمات بدل دیئے گئے ہیں!

قراءات کے فرشی اختلافات ۔ محمد فیروز الدین شاہ کے مضمون قراءاتِ قرآنیہ سے سورہ البقرہ سے چند مثالیں:(ج ۱ ص۴۱۳)

.(۹۴)۔... وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ (۲/۹) کو يخَادِعُونَ پڑھا گیا۔

.(۹۵)۔... وَلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا شَفَاعَةٌ (۲/۴۸) کو تُقۡبَلُ پڑھا گیا۔

.(۹۶)۔... وَ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ (۲/۸۱) میں خَطِيئُتُه پڑھا گیا
.(۹۷)۔... نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ (۷/۱۶۱) میں تُغْفَر لَكُم اور يُغْفَر لَكُم پڑھا گیا۔
.(۹۸)۔... لَيْسَ الْبِرَّ (۲/۱۷۷) میں رَاء کو نصب اور رفع دونوں کے ساتھ پڑھا گیا۔
.(۹۹)۔... فَاَزَلَّهُمَا (۲/۳۶) میں فازالهما پڑھا گیا۔
.(۱۰۰)۔... وٰعَدْنَا (۷/۴۴) میں وعدنا پڑھا گیا۔
.(۱۰۱)۔... عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۲۷/۹۳) میں يَعْمَلُون پڑھا گیا۔
.(۱۰۲)۔... لَا يَعْبُدُوْنَ (۲/۸۳) میں لَا تعبُدُوْنَ پڑھا گیا۔
.(۱۰۳)۔... حَسَنًا (۳/۳۷) میں حُسنًا پڑھا گیا۔ (ج ۱/ص ۴۱۳)

رُشد قراءات نمبر حصہ دوم: (حافظ ثناء اللہ مدنی)

.(۱۰۴)۔... وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ (۶/۱۱۵) کو وَ تَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ پڑھا گیا۔
.(۱۰۵)۔... وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (۶/۱۳۲) کو تَعلَمُونَ پڑھا گیا۔
.(۱۰۶)۔... فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (۲/۱۸۴) کو مساكين پڑھا گیا۔
.(۱۰۷)۔... وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ (۲/۲۸۵) کو وَ كِتَابِهٖ پڑھا گیا۔
.(۱۰۸)۔... لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ (۲/۴۸) میں يُقْبَل مذکر کو مؤنث کے صیغہ تُقْبَلُ پڑھا گیا۔
.(۱۰۹)۔... وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا (۲/۱۵۸) کو ومن يَّطَّوَّعَ خَيرا پڑھا گیا۔
.(۱۱۰)۔... قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ (۲۳/۱۱۲) کو قُل كم لَبِثْتُمْ پڑھا گیا۔ (ج ۲/ص ۴۰)

ڈاکٹر عبدالعزیز القاری صاحب: (ج ۲/ص ۲۶۷۔۲۶۸)

.(۱۱۱)۔... اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً (۳۶/۲۹) کی جگہ اِلَّا زَقْيَةً پڑھا گیا۔
.(۱۱۲)۔... طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ (۵۶/۲۹) کی جگہ طَلْعٍ مَنْضُودٍ پڑھا گیا۔
.(۱۱۳)۔... وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ (۵۰/۱۹) کی جگہ وَ جَاءَتْ سُكْرَةُ الْحَق بالمَوتِ پڑھا گیا۔
.(۱۱۴)۔... وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ (۳۶/۳۵) کی بجائے وَمَا عَمِلَتْ اَيدِيهِمْ پڑھا گیا۔
.(۱۱۵)۔... اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (۳۱/۲۶) کی بجائے اِنَّ اللّٰهَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ پڑھا گیا۔ (ص ۲/۲۱۹)

قاری محمد ادریس العاصم: (۲/ص ۲۶۷۔۲۶۸)

محدث و مقری امام ابن جزریؒ کی تشریح۔ موصوف قراءات میں سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک لاکھ حدیث کے حافظ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں حدیث سبعہ احرف پر تیس ۳۰ سال تک جستجو میں لگا رہا ہوں اس کے بعد تمام صحیح اور شاذ قراءات کو سامنے رکھا تو معلوم ہوا کہ ان قراءات میں تلفظ و ادا کے لحاظ سے سات طرح کا تغیر و تبدل ہوتا ہے:

(۱) اَسماء میں واحد، تثنیہ جمع کا اختلاف:

.(۱۱۶)۔... مثالیں: فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ .... فِدیَةٌ طَعَامُ مساكين (۲/۱۸۴)

(۱۱۷)۔... فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ .... فاصلحوا بین اخوتکم (۴۹/۱۰)

(۱۱۸)۔... اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیۡنَ .... آیات للسائلین (۱۲/۷)

(۲)افعال میں ماضی، مضارع اور امر کا اختلاف:

(۱۱۹)۔... مثالیں: تَطَوَّعَ خَیۡرًا .... یَطَّوَّعَ خَیۡرًا (۲/۱۵۸)

(۱۲۰)۔... رَبَّنَا بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا .... رَبَّنَا بعَّدَ بَیۡنَ اَسفَارِنَا (۳۴/۱۹)

(۱۲۱)۔... قٰلَ رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ .... قُل رَبِّی یَعلَمُ القولَ (۲۱/۴)

(۳) نقص وزیادہ کا اختلاف:

(۱۲۲)۔... مثالیں: وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ ...... وَسَارِعُوا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ (۳/۱۳۳)

(۱۲۳)۔... یٰبُشۡرٰی هٰذَا غُلٰمٌ .... یَا بُشرٰی هٰذَا غُلَامٌ (۱۲/۱۹)

(۱۲۴)۔... تَجۡرِیۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ .... تَجرِی مِن تَحتِهَا الۡاَنهٰرُ (۹/۱۰۰)

(۴)وجوہ اعراب کا اختلاف:

(۱۲۵)۔.. مثالیں: لَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِیۡمِ .... لا تسئل عن اصحب الجحیم (۲/۱۱۹)

(۱۲۶)۔... لَا تُضَآرَّ .... لا یُضآرُّ (۲/۲۳۳)

(۱۲۷)۔... فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ .... فَتَلقّٰی اٰدمَ من ربه کلماتٌ (۲/۳۷)

(۵)تقدیم و تاخیر کا اختلاف:

(۱۲۸)۔... مثالیں: وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا .... قُتِلوا وَ قُتِلُوا (۳/۱۹۵)

(۱۲۹)۔... فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ .... فَیُقۡتَلُونَ وَیَقۡتُلُونَ (۹/۱۱۱)

(۱۳۰)۔... وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ .... وَنَآءَ بِجَانِبِهٖ (۱۷/۸۳)

(۶)اختلاف بالابدال (بالبدل):

(۱۳۱)۔... مثالیں: کَیۡفَ نُنۡشِزُهَا .... کَیفَ نُنۡشِرُهَا (۲/۲۵۹)

(۱۳۲)۔... فَتَبَیَّنُوۡا .... فَتَثَبَّتُوا (۴/۹۴)

(۱۳۳)۔... وَ تَوَكَّلۡ عَلَی الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ...... فَتَوكَّل عَلَی العَزِیز الرَحِیمِ (۲۶/۲۱۷)

(۷)لہجات کا اختلاف:

اس سے فتح امالہ، تسہیل، تحقیق، تفخیم، ترقیق اور قبائل عرب کی لغات مراد ہیں۔(یہ صرف اہل قراءت کی مختلف اصطلاحات ہیں۔جو کہ اصل میں لہجہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی صاحب، مدیر کلیہ القران الکریم، جامعہ لاہور اسلامیہ و انچارج مجلس التحقیق الاسلامی لاہور۔ سورہ فاتحہ کے بارے میں صحابہ کبار پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ اس طرح تلاوت کرتے تھے:

قرآنی کلمہ	تبدیلی	صحابی

۱۳۴۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	مليك يوم الدين	ابی بن کعبؓ، ابوہریرہؓ
۱۳۵۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	ملاكَّ يوم الدين	ابی بن کعبؓ، ابوہریرہؓ
۱۳۶۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ	ارشدنا الصراط المستقيم	عبداللہ بن مسعودؓ
۱۳۷۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ	ثبتنا الصراط المستقم	ابی بن کعبؓ، علیؓ
۱۳۸۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ	دلّنا الصراط المستقيم	ابی بن کعبؓ
۱۳۹۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ	احدنا صراط مستقيما	ابی بن کعبؓ
۱۴۰۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	صراط من انعمت عليهم	ابن مسعودؓ، عمرؓ، ابن زبیرؓ
۱۴۱۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ	وغير الضالين	ابی بن کعبؓ، علیؓ، عمرؓ
		(ج۲/ ص۳۳۰)

غور کیجئے کہ ان جلیل القدر صحابہ میں سے سوائے حضرت ابوہریرہؓ کے، کوئی بھی غیر قریشی نہیں۔ لیکن رُشدیوں نے ان سب کو اپنی تحریفِ قرآن میں، ملوث کر لیا۔ (استغفر الله)

(۱۴۲)۔... حضرت علیؓ کے بارے میں روایات میں مذکور ہے کہ وہ سورہ الم نشرح میں بھی قراءاتی تحریف کر کے وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزرَكَ کو وحللنا عنك وزرك اور و حططنا عنك وزرك پڑھا کرتے تھے۔ (ص ۲/ ۳۳۰) (معاذ اللہ) حضرت علیؓ پر یہ کتنا بڑا بہتان ہے!

قاری رشید احمد تھانوی صاحب (دیوبندی) استاذ القراءات در العلوم الاسلامیہ، کامران بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ اختلاف قراءات کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: (ج ۲/ ص۴۱۵۔۴۱۹)

سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۴۵ میں کلمہ فَيُضٰعِفَهٗ میں چار قراءتیں ہیں۔

(۱۴۳)۔

۱۔ فَيُضَعِّفُهٗ	امام ابن کثیر، ابو جعفر
۲۔ فَيُضَعِّفَهٗ	امام بن عامر، امام یعقوب
۳۔ فَيُضَاعِفَهٗ	امام عاصم
۴۔ فَيُضَاعِفُهٗ	امام نافع، ابو عمرو بصری، حمزہ، کسائی۔ (یہ حضرات تحریفِ قرآنی کے امام تھے) (ج۲/ ص۴۱۵)

۵۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۱۹ میں کلمہ وَلَا تُسْـَٔلُ میں دو قراءتیں ہیں: (ج۲/ ص۴۱۸)

(۱۴۴)۔

وَلَا تَسْـَٔلْ	امام نافع اور یعقوب
وَلَا تُسْـَٔلُ	باقی سب قراء تحریف

۶۔ سورہ الاسراء (بنی اسرائیل) کی آیت نمبر ۴۱ میں کلمہ لِيَذَّكَّرُوْا میں دو قراءتیں ہیں۔ (ج۲/ ص۴۱۹)

(۱۴۵)۔

لِيَذْكُرُوْا	امام حمزہ، کسائی اور خلف
لِيَذَّكَّرُوْا	باقی سب قراء تحریف

۷۔ سورہ الحج کی آیت نمبر ۳۹ کو موصوف تھانوی صاحب نے اس طرح لکھا ہے: (ج۲/ ص۴۲۱)

(۱۴۶)۔... اُذِنَ لِلَّذِینَ یُقَاتِلُونَ / یُقَاتَلُونَ بِاَنَّھُم ظُلِمُوا واِنّ اللہ علیٰ نَصرِ ھِم لقَدِیر ○
غور کیجئے، قرآن کریم کھولئے اور دیکھئے کیا اس میں آیت کریمہ کو اسی طرح سے لکھا گیا ہے ؟؟
آگے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کلمہ یُقٰتَلُونَ میں دو قراء تیں ہیں:

(۱۴۷)۔	یُقَتِلُون	معروف ابن کثیر، ابو عمرو، سعبہ، حمزہ، کسائی، یعقوب، خلف
	یُقَاتَلُونَ	مجہول۔ نافع، ابن عامر، حفص اور ابو جعفر۔

غور کیجئے، کہ ہمارے قرآن کریم میں یُقَاتَلونَ تحریر ہے مگر تھانوی صاحب کے نزدیک وہ مجہول قراءت ہے!
۸۔ سورہ روم کی آیت نمبر ۲۲ میں ع= کلمہ للعالمین میں دو قراء تیں ہیں:(ج ۲/ ص ۴۲۳)

(۱۴۸)۔	لِلْعٰلِمِیْنَ	امام حفص
	لِلْعٰلَمِیْنَ	امام حفص کے علاوہ باقی سب محرفین کی قراءت ہے۔

(۱۴۹)۔..۹۔ سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۱۱۲ میں بھی اس طرح لکھا ہے هَل یَستَطِیعُ رَبُّكَ / هَل تَستَطِیعُ رَبَّكَ (ج ۲/ ص ۴۲۴) غور کیجئے، کیا آپ کے قرآن کریم میں اسی طرح لکیر دے کر ایک ہی کلمہ کو دو طرح سے لکھا گیا ہے ؟؟
یہاں بھی موصوف نے اس طرح دو قراءتوں کا ذکر کیا ہے۔
۱۰۔ قرآن کریم میں کلمہ مخلصین' مفرد اور جمع تقریباً دس مقامات پر آیا ہے۔ مگر اس میں بھی دو قراء تیں ہیں۔(ج ۲/ ص ۱۲۵)

(۱۵۰)۔ اَلْمُخلِصِینَ
اَلْمُخلَصِینَ

۱۱۔ سورہ اٰل عمران آیت نمبر ۱۶۱ میں کلمہ اِنْ یَّغُلَّ میں دو قراء تیں ہیں۔

(۱۵۱)۔ اَنْ یَّغُلَّ
اَن یُغَلَّ

قاری فہد اللہ مراد صاحب، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور، حافظ عبد الرحمٰن مدنی صاحب سرپرست اعلیٰ ماہنامہ رُشد و رئیس جامعہ لاہور الاسلامیہ و مجلس التحقیق الاسلامی کے افادات سے اپنے مضمون: ”سبعۃ اَحرف......... تنقیحات و توضیحات میں ابن قتیبہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:(ج ۳/ ص ۲۳۴)
”میں نے قراءات کے اختلاف میں غور و فکر کیا تو میں نے سات وجوہ پائیں“ :
۱۔ اوّل کلمہ کے اعراب کا اختلاف:
(۱۵۲)۔... مثلاً: وَ هَلْ نُجْزِیٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ .... وَ هَلْ یُجَازیٰ اِلَّا اَلكَفُوْرُ (۱۷/۳۴)
خیال رہے قرآن کریم میں اعراب کی تبدیلی سے بھی معنی بدل جاتے ہیں۔ اور بعض جگہ تو کفر ہو جاتا ہے۔
۲۔ کلمہ کے اعراب کی ایسی تبدیلی جس سے صورت کلمہ تو نہ بدلے البتہ معنی میں تغیر واقع ہو جائے
(۱۵۳)۔.. مثلاً:. رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا .... رَبُّنَا بٰعَدَ بَیْنَ اَسْفَارِنَا۔(۱۹/۳۴)

۳۔ کلمہ کے حروف میں ایسی تبدیلی جس سے صورت کلمہ اور اعراب تو نہ بدلے لیکن معنی بدل جائے

.(۱۵۴)۔.. مثلاً: نُنۡشِزُهَا .... نَنۡشُرُهَا (۲/۲۵۹)

۴۔ کلمہ میں ایسا اختلاف جس سے صورت کلمہ بدل جائے لیکن معنی میں تبدیلی واقع نہ ہو:

.(۱۵۵)۔... مثلاً: كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ....كَالصوفِ المَنفُوش (۵/۱۰۱)

۵۔ کلمہ کا ایسا اختلاف جس سے معنی اور صورت کلمہ دونوں تبدیل ہو جائیں:

.(۱۵۶)۔... مثلاً وَ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ .... وَطَلۡعٍ مَنۡضُودٍ (۵۶/۲۹)

۶۔ تقدیم و تاخیر کا اختلاف یعنی الفاظ کا ردّ و بدل۔

.(۱۵۷)۔... مثلاً: وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ .... سکرۃ الحق بالموت (۵۰/۱۹)

۷۔ نقص و زیادت کا اختلاف:

.(۱۵۸)۔... مثلاً: وَمَا عَمِلَتۡهُ اَيۡدِيۡهِمۡ .... وَمَا عَمِلَت اَيدِيهِم (۳۶/۳۵)

غور کیجئے کہ کیا اس قسم کی تبدیلیوں سے قرآن کریم کی عبارات نہیں بدل جاتی ہیں؟ کیا یہ عمل جس میں اوپر کی مختلف قسم کی تبدیلیاں ہوں تحریفِ قرآن نہیں؟

کیا رُشدی حضرات یہ بتانا پسند کریں گے کہ ان کے نزدیک ماسٹر کاپی کونسی قراءت والا قرآن کریم ہے جس میں وہ یہ تبدیلیاں لا رہے ہیں؟؟

ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی صاحب (دیوبندی) بنیادی رکن مجلس مشاورت، اپنے مضمون ”رسم عثمانی اور قراءات کے درمیان تعلق میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”اب ہم ان مثالوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جن میں قراءات ایک سے زائد ہیں مگر رسم ایک ہی ہے۔ چونکہ مصاحف عثمانیہ نقطوں اور زیر' زبر' پیش سے خالی تھے اسی وجہ سے بعض دفعہ ایک ہی رسم میں ایک سے زائد قراءات سما جاتی تھیں“۔ ذرا سوچئے کہ کیا مصاحف عثمانیہ نقطوں اور زیر' زبر' پیش سے خالی کن لوگوں کے لئے لکھے گئے تھے؟؟ کیا عام مسلمین اور نَو مسلمین کیلئے یا دیوبندی اور رُشدی حضرات کیلئے؟ یہ حضرات آج اپنے ناموں میں نقطے کیوں لگاتے ہیں؟ بغیر نقاط کے لکھیں، پھر ہم دیکھتے ہیں کتنے لوگ ان کا صحیح نام یا تلفظ ادا کر سکتے ہیں۔ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے: لکھئے داکر ماری احمد میاں تھانوی، حافظ محمد زبیر تیمی، الوالاعلی مودودی، فیاص الحس حمیل ارہری، حافظ نعیم الرحمن یاصف، الواحمد ابں حسوں۔ کسی بھی پڑھے لکھے آدمی کو بلا کر یہ نام پڑھوا لیجئے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ محض دھوکہ ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ حروف تہجی بغیر نقاط کے ہوں۔ وہی تو ان کی پہچان ہے اور وہی ان کی شان ہے۔ اب آپ قراءتی تحریف کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے: (ج۳/ص۸۳۸۔۸۴۵)

.(۱۵۹)۔(۱) ... مثلاً: نَغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ (۲/۵۸) اس میں تین قراءات ہیں۔

۱۔ يُغۡفَرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ	امام نافع اور امام جعفر کی قراءت ہے
۲۔ تُغۡفَرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ	امام ابن عامر شامی (عجمی) کی قراءت ہے
۳۔ نَغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ	باقی تمام قراء کی قراءت ہے۔

غور کیجئے اگر یہ کلماتِ قرآن مصاحف عثمانیہ میں بغیر نقاط کے لکھے گئے تھے تو بعد میں ان خود ساختہ یا عجمی ساختہ اماموں کو کس نے 'ن'، 'کو 'ت' اور 'ی' سے بدلنے کا اختیار دیا تھا؟؟

.(۱۶۰)۔(۲) ... مثلاً: کلمہ لِجِبْرِیْلَ (۲/۹۷) ہے اس میں چار قراءات ہیں۔

۱۔ لِجَبْرِیْلَ	امام ابن کثیر مکی کی قراءت ہے
۲۔ لِجبْرَئِلَ	امام شعبہ کی قراءت ہے
۳۔ لِجَبرَئِیْلَ	امام حمزہ اور امام کسائی کی قراءت ہے
۴۔ لِجِبْرِیْلَ	باقی تمام قراء کی قراءت ہے۔

یہاں میں عرض کرتا چلوں کہ یہ اپنی اپنی جہالت ہے کہ قرآنی نام جبریل کو بگاڑ کر کوئی کسی طرح لے رہا ہے اور کوئی کسی طرح! کوئی بھی نام (اسم معرفہ) تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ آپ اپنا نام تبدیل کر کے دیکھ لیجئے۔ اور اس جہالت میں اکثر رُشدی و دیوبندی حضرات مبتلا ہیں کہ وہ جبریل کو جبرائیل لکھتے بھی ہیں اور بولتے بھی ہیں! میکال کو میکائیل لکھتے اور بولتے ہیں۔ اللہ کو، عجمی نام خدا لکھتے اور بولتے ہیں!

.(۱۶۱)۔(۳) ... مثلاً: لفظ اِثْمٌ کَبِیْرٌ (۲/۲۱۹) اس میں دو قراءات ہیں۔

۱۔ اِثْمٌ کَثِیْرٌ	امام حمزہ اور کسائی کی قراءت ہے
۲۔ اِثْمٌ کَبِیرٌ	باقی تمام قراء کی قراءت ہے

.(۱۶۲)۔(۴) مثلاً: لفظ اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ (۸/۱۱) اس میں تین قراءات ہیں۔

۱۔ اِذْ یُغْشِیکُمُ النُّعَاسَ	امام نافع اور امام ابو جعفر کی قراءت ہے
۲۔ اِذْ یَغْشٰکُمُ النُّعَاسَ	امام ابن کثیر اور ابو عمرو بصری کی قراءت ہے
۳۔ اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ	باقی تمام قراء کی قراءت ہے

.(۱۶۳)۔(۵) مثلاً: لفظ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ (۱۰/۳۵) اس میں چھ قراءات ہیں۔

۱۔ لَّا یَهَدِّیْٓ	امام ابو عمرو بصری اور امام قالون کی قراءت ہے۔
۲۔ لَّا یَهْدِّی	امام ابو جعفر اور امام قالون کی قراءت ہے۔
۳۔ لَّا یَهَدِّی	امام ابن کثیر، امام ابن عامر اور امام ورش کی قراءت ہے
۴۔ لَّا یِهِدِّیْٓ	امام شعبہ کی قراءت ہے۔
۵۔ لَّا یَهِدِّیْٓ	امام حفص اور امام یعقوب کی قراءت ہے۔
۶۔ لَّا یَهْدِیْٓ	امام حمزہ، امام کسائی اور امام خلف العاشر کی قراءت ہے۔

.(۱۶۴)۔(۶) مثلاً: لفظ وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ (۲/۱۱۶) اس میں دو قراءات ہیں۔

۱۔ امام ابن عامر شامی اس کو بغیر واؤ کے قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ پڑھتے ہیں۔

۲۔ باقی تمام قراء اس کو واؤ کے ساتھ وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ پڑھتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام ابن عامر شامی (عجمی) کو بغیر واوٴ کے پڑھنے کا اختیار کس نے دیا؟ وہ اپنے نام سے "عا" نکال کر دیکھیں کہ پھر یہ نام کیا بن جاتا ہے: 'مر شامی' ۔ اور ش کے نقطے ہٹا کر دیکھیں تو پھر یہ نام 'مر سامی' بن جاتا ہے۔ کہئے رُشدیوں اور دیوبندیوں کو یہ نام پسند آیا؟ اگر نہیں تو پھر اللہ رب العزت کے کلام میں یہ تحریف کیوں؟ اگر اپنے نام میں تبدل یا تحریف پسند نہیں تو پھر اللہ رب العزت کے کلام میں کیوں پسند ہے اور اس پر اصرار بھی ہے۔

اس طرح اس آیت کا رسم بھی دو طرح ہے:

.(۱۶۵)۔ . (۱) مصحف شامی میں **قَالُوا** واوٴ کے بغیر لکھا ہوا ہے۔

(۲) باقی تمام مصاحف میں یہ لفظ واوٴ کے ساتھ **وَقَالُوا** ہے۔

"اس لفظ کو دونوں طرح لکھا گیا ہے تا کہ دونوں قراءات نکالی جاسکیں۔ اگر اس کا رسم ایک طرح ہوتا تو دونوں قراءات نکالنی ممکن نہیں تھیں"

غور کیجئے کہ یہ کاتب کی غلطی نہیں کہ مصحف شامی (عجمی) میں واوٴ کتابت ہونے سے رہ گیا۔ مگر موصوف تھانوی دیوبندی صاحب فرماتے ہیں کہ (شامی عجمیوں نے) واوٴ کے بغیر ہی لکھا تا کہ دوسری قراءت نکالی جاسکے۔ یعنی اس طرح سے یہ لوگ اور ان کے اجداد وسلف نئ نئ قراء تیں نکالتے رہے!

.(۱۶۶)۔(۷) مثلاً: لفظ 'وَسَارِعُوٓا' (۳/۱۳۳) میں دو قراءت ہیں۔

۱۔ امام نافع اور امام ابن عامر شامی کی قراءت 'سَارِعُوٓا' واؤ کے بغیر ہے۔

۲۔ باقی تمام قراء کی قراءت "وَسَارِعُوٓا" واؤ کے ساتھ ہے۔

غور کیجئے امام نافع اور امام ابن عامر شامی (عجمی) کو وَاؤ حذف کرنے کا اختیار کس نے دیا تھا؟

تھانوی (دیوبندی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ "اسی طرح اس کا رسم بھی دو طرح سے ہے تا کہ دونوں قراءات نکل جائیں" تو یہ حضرات اس طرح سے نئ نئ قراء تیں نکالتے رہے اور اب امت کو گمراہ کر رہے ہیں مزید امت کی تذلیل بھی کر رہے ہیں کہ اس امت کی بھی ایک کتاب نہیں بلکہ متعدّد ہیں!!

.(۱۶۷)۔(۸) مثلاً: لفظ 'قَلِيْلًا مَّاتَذَكَّرُونَ' (۷/۳) میں تین قراءات ہیں۔

۱۔ امام ابن عامر شامی کی قراءت 'قَلِيْلًا مَّايَتَذَكَّرُونَ' ہے۔

۲۔ امام حفص، امام حمزہ، امام کسائی کی قراءت 'قَلِيْلًا مَّاتَذَكَّرُونَ' ہے۔

۳۔ باقی تمام قراء کی قراءت 'قَلِيْلًا مَّاتَذَّكَّرُونَ' ہے۔

"لیکن اس میں رسم دو طرح مروی ہے۔ اس لفظ کو دو رسموں میں اسی لئے لکھا گیا تا کہ تینوں قراءت نکالی جاسکیں"۔

.(۱۶۸)۔(۹) مثلاً: لفظ 'تَجْرِیْ تَحتَهَا' (۹/۱۰۰) میں دو قراء تیں ہیں۔

۱۔ امام ابن کثیر مکی کی قراءت 'تَجْرِیْ تَحْتِهَا' ہے۔

۲۔ باقی تمام قراء کی قراءت 'تَجْرِیْ تَحتَهَا' ہے۔

اس طرح اس میں رسم بھی دو طرح سے مروی ہے اسلئے دونوں رسموں سے دونوں قراءت نکالی جاسکتی ہیں۔

.(۱۶۹)۔(۱۰) مثلاً: لفظ 'كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ' (۴۰/۲۱) میں دو قراءات ہیں۔

۱۔ابن عامر شامی کی قراءت كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً ہے

۲۔باقی تمام قراء کی قراءات 'كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ' ہے

اسی طرح اس میں رسم بھی دو طرح ہیں تا کہ دونوں رسموں سے دونوں قراءات نکالی جا سکیں۔

.(۱۷۰)۔(۱۱) مثلاً: لفظ 'فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ' (۵۷/۲۴) میں دو قراءات ہیں۔

۱۔امام نافع، امام ابو جعفر اور ابن عامر شامی کی قراءت 'فَاِنَّ اللّٰهَ الْغَنِيّ الْحَمِيْدُ ' ہے۔

۲۔باقی تمام قراء کی قراءت 'فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ' ہے۔

اسی طرح اس میں رسم بھی دو طرح ہے تا کہ دو قراءتیں نکالی جا سکیں۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ بفرض محال ان کی یہ فلاسفی (قراءت و رسم کی) مان بھی لی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک امام کے مقابلہ میں باقی قراء کی بات کیوں نہیں مانتے جبکہ یہ سب حضرات جمہوریت کے پرستار اور اجماع و تلقی بالقبول کے ماننے والے ہیں!

(۱۲) بعض قراءات میں الف کو حذف صرف اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ دوسری قراءات بھی نکالی جا سکیں

.(۱۷۱)۔ مثلاً:۔۱)۔ وَمَا يَخْدَعُوْنَ کا الف اس لئے حذف کیا گیا تا کہ وَمَا يُخٰدِعُوْنَ کی قراءت نکالی جا سکے۔

.(۱۷۲)۔ ۲)۔اسی طرح مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی مثال ہے۔

غور کیجئے کہ اس قسم کی قراءتی تحریف محض اس لئے کی جاتی ہے تا کہ دوسری یا تیسری قراءت نکالی جا سکے

کیا یہ شیطانی فعل نہیں؟؟ کیا یہ عجمی **مقتدرہ** کا ایجنڈہ پورا نہیں کیا جا رہا؟ (الامان والحفیظ)

.(۱۷۳)۔(۱۳) مثلاً: لفظ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ (۲/۱۹۱)

اس مثال میں تین افعال ہیں اور ان تینوں افعال سے الف حذف کیا گیا ہے۔ان کلمات میں دو قراءات ہیں

۱۔ وَلَا تَقْتُلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يَقْتُلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قَتَلُوْكُم امام حمزہ، کسائی اور خلف العاشر کی قراءت ہے۔

.(۱۷۴)۔۲۔وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ ۔باقی تمام قراء کی قراءت ہے۔

.(۱۷۵)۔(۱۴) ۱۔اَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ ' امام حمزہ اور کسائی کی قراءت ہے۔

............۲۔اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ '، باقی تمام قراء کی قراءت ہے۔

.(۱۷۶)۔(۱۵) مثلاً: لفظ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ (۲/۱۸۶)

اصل میں یہ لفظ اَلدَّاعِي ہے، اثبات یاء کے ساتھ۔اس میں دو قراءات ہیں

۱۔ 'الدَّاعِي ' امام ورش، امام ابو جعفر اور امام ابو عمرو کی قراءت ہے۔

۲۔ 'اَلدَّاعِ ' ۔باقی تمام قراء کی قراءت ہے۔

.(۱۷۷)۔(۱۶) مثلاً: لفظ 'يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ ' (۵۴/۶)۔اس میں دو قراءات ہیں۔

ا۔امام ورش، امام ابو عمرو بصری، امام ابو جعفر یہ قراء حالت وصل میں اثبات یاء کیساتھ الدَّاعِی پڑھتے ہیں۔
۲۔باقی تمام قراء دونوں حالتوں میں حذف یاء کے ساتھ الدَّاعِ پڑھتے ہیں۔
.(۱۷۸)۔(۱۷) مثلاً: لفظ 'مُهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ' (۸/۵۴)۔اس میں بھی دو قراءات ہیں۔
ا۔الدَّاعِی ۔امام نافع، امام ابو عمرو اور امام ابو جعفر اس طرح پڑھتے ہیں۔
۲۔باقی تمام قراء دونوں حالتوں میں حذف یاء کے ساتھ الدَّاعِ پڑھتے ہیں۔
.(۱۷۹)۔(۱۸) مثلاً: لفظ 'يَقُصُّ الْحَقَّ ' (۶/۵۷)۔اس میں دو قراءات ہیں۔
ا۔امام نافع، ابن کثیر مکی، امام عاصم اور ابو جعفر کی قراءت "يَقُصُّ الْحَقَّ " ہے
۲۔باقی تمام قراء کی قراءت يَقْضِ الْحَقَّ ہے۔" (ج۳/ص۸۳۸۔۸۴۵)

حافظ محمد مصطفیٰ راسخ صاحب رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور اپنے مضمون "**اعجاز رسم القرآن من حیث القراءات**" میں فرماتے ہیں: "اگر قرآن مجید کو رسم عثمانی کی بجائے رسم قیاسی کے مطابق لکھا جائے تو رسم عثمانی سے نکلنے والی تمام قراءات صحیحہ متواترہ رسم قیاسی سے نہیں نکل سکیں گی اور متعدد قراءات صحیحہ متواترہ ساقط ہو جائیں گی"۔(ج۳/ص۸۵۲)

غور کیجئے کہ یہ دیوبندی اور رُشدی حضرات اور ان کے سلف عجمی قراء و محدثین، رسم عثمانی سے عجمی گھڑنت قراءات نکالتے رہے!!(معاذ اللہ!) کاش ان عجم زدہ حضرات سے کوئی پوچھ سکے کہ رسم عثمانی والا قرآن مجید کون سا ہے جس سے آپ قراءات گھڑتے ہیں؟؟ وہ کس کی قراءت میں ہے؟؟ کیا وہ روایت حفص والا صحیفہ نہیں جو ساری دنیا میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے پاس ہے اور وہ اسی کی ناظرہ تلاوت کرتے ہیں؟ روایت قالون، روایت ورش اور روایت دُوری تو ابھی چند سالوں سے کچھ ممالک میں پہنچائی گئی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم تک تو ساری دنیا میں صرف ایک یہی صحیفہ بروایت حفص تھا اور دوسری قراءتوں کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا۔ قراءات سبعہ و عشرہ کے کسی محفل میں پڑھنے کا رواج صرف برصغیر ہند و پاک میں تھا۔ ورنہ دیگر ممالک میں ہر کوئی اپنے اپنے لہجے میں تلاوت کرتا تھا جس میں مصری لہجہ زیادہ پسندیدہ اور مشہور تھا اور برصغیر میں پانی پتی لہجہ۔ اصل میں قراءت لہجہ ہی کو کہا جاتا تھا۔ موصوف راسخ صاحب کی پیش کردہ " رسمِ عثمانی کے شاہکار چند منتخب کلمات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔........ جبکہ رسمِ عثمانی سے تمام قراءات صحیحہ متواترہ نکل آتی ہیں"۔(ص۳/ ۸۵۲)۔ ان مثالوں کو میں مختصر کر کے صرف قراء تیں جو عام طور پر دو دو ہیں لکھ رہا ہوں۔ وہ کن کن اماموں کی قراءات ہیں اس عبارت کو موقوف کر رہا ہوں۔ اگر کوئی صاحب زیادہ دلچسپی رکھتے ہوں اور وہ بھی جاننا چاہتے ہوں تو وہ ماہنامہ رُشد۔ قراءات نمبر ۳ ملاحظہ کریں۔

.(۱۸۰)۔(۱) وَمَا يَخْدَعُوْنَ (البقرہ:۹) اور يخٰدِعُوْنَ۔
.(۱۸۱)۔(۲) فَاَزَلَّهُمَا (البقرہ:۳۶) فَاَزَالَهُمَا۔
.(۱۸۲)۔(۳) وَاِذْ وٰعَدْنَا (البقرہ:۵۱) وعدنا اور وٰعَدنَا۔
.(۱۸۳)۔(۴) اُسٰرٰی (البقرہ:۸۵) اَسْرٰی۔

(۱۸۴)۔(۵) تُفٰدُوْهُمْ (البقرہ:۸۵) تَفْدُوْهُم ۔
(۱۸۵)۔(۶) اِبْرٰهِم (البقرہ:۱۲۴) اِبْرٰهُم ۔
(۱۸۶)۔(۷) الرِّیٰح (البقرہ:۱۶۴) الرِّیْح ۔
(۱۸۷)۔(۸) تَمَسُّوْهُنَّ (البقرہ:۲۳۶) تُمٰسُّوْهُنَّ ۔
(۱۸۸)۔(۹) وَلولَا دَفْعُ اللهِ (البقرہ:۲۵۱) دِفٰعُ الله ۔
(۱۸۹)۔(۱۰) یُضٰعِفُ (البقرہ:۲۶۱) یُضَعِّفُ ۔
(۱۹۰)۔(۱۱) تُقٰةً (العمران:۲۸) تَقِیَّةً ۔
(۱۹۱)۔(۱۲) طَیْرًا (العمران:۴۹) طٰٓئِرًا ۔
(۱۹۲)۔(۱۳) قِیٰمًا (نساء:۵) قِیَمًا ۔
(۱۹۳)۔(۱۴) عَقَدَتْ (نساء:۳۳) عٰقَدَتْ ۔
(۱۹۴)۔(۱۵) لٰمَسْتُمُ (نساء:۴۳) لَمَسْتُمُ ۔
(۱۹۵)۔(۱۶) قٰسِیَةً (مائدہ:۱۳) قسِیَّةً ۔
(۱۹۶)۔(۱۷) اَلْاَوْلَیٰنِ (مائدہ:۱۰۷) اَلاَوَّلِیْنَ ۔
(۱۹۷)۔(۱۸) یَقُصُّ الْحَقَّ (انعام:۵۷) یَقْضِ الْحَقَّ ۔
(۱۹۸)۔(۱۹) تَوَفَّتْهُ (انعام:۶۱) تَوَفّٰهُ ۔
(۱۹۹)۔(۲۰) وَجَعَلَ الَّیْلَ (انعام:۹۶) وَجٰعِلُ الَّیل ۔
(۲۰۰)۔(۲۱) دَرَسْتَ (انعام:۱۰۵) (۲) دٰرَسْتَ اور(۳) دَرَسَتْ ۔
(۲۰۱)۔(۲۲) یَصَّعَّدُ (انعام:۱۲۵) (۲) یَصْعَدُ اور(۳) یَصّٰعَدُ ۔
(۲۰۲)۔(۲۳) سٰحِرٍ (اعراف:۱۱۲) سَحّٰرٍ ۔
(۲۰۳)۔(۲۴) ذُرِّیَّتَهُمْ (اعراف:۱۷۲) ذُرِّیّٰتِهِمْ ۔
(۲۰۴)۔(۲۵) تُسٰقِطْ (مریم:۲۵) (۲) تُسٰقَطْ (۳) یَسّٰقَطْ اور(۴) تَسّٰقَطْ ۔
(۲۰۵)۔(۲۶) نِعَمَهٗ (لقمان:۲۰) نِعْمَةً ۔
(۲۰۶)۔(۲۷) رَبَّنَا بٰعِدْ (سبا:۱۹) (۲) رَبَّنَا بَعِّدْ (۳) رَبُّنَا بٰعَدَ ۔
(۲۰۷)۔(۲۸) یُضٰعَفْ (احزاب:۳۰) (۲) نُضَعِّفْ (۳) یُضَعَّفْ ۔
(۲۰۸)۔(۲۹) وَالْیَسَعَ (ص:۴۸) وَالَّیْسَعَ ۔
(۲۰۹)۔(۳۰) عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ (زخرف:۱۹) عِنْدَ الرَّحْمٰنِ ۔
(۲۱۰)۔(۳۱) قٰلَ اَوَلَوْ (زخرف:۲۴) قُلْ اَوَلَوْ ۔
(۲۱۱)۔(۳۲) فَتَبَیَّنُوا (حجرات:۶) فَتَثَبَّتُوا ۔

میں نے یہ تقریباً ۲۰۰ مثالیں قراءتی تحریفِ قرآنی کی رسائل رُشد کے تینوں قراءات نمبر سے دے دی ہیں۔ جبکہ حافظ محمد عمر فاروقی صاحب (رُشدی) کے مضمون "احادیث مبارکہ میں 'روایت حفص' کے علاوہ دیگر متواتر روایات" (ص۳/۲۲۔۳۹) میں ۲۷۹ مثالیں دی گئی ہیں وہ نقل نہیں کی ہیں (یونکہ میں لکھ لکھ کر تھک گیا ہوں۔) اس کے علاوہ شیعی کتاب القراءات کے دو سو صفحات میں سے صرف ۲۱ مثالیں دی ہیں تاکہ ان لوگوں کی تسلّی ہو جائے جو کتاب پڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ اس میں تحریفی کلمات کی نشاندہی تو کی ہی نہیں گئی! میں خود بھی یہی کہتا اگر مجھے رُشدیوں کی تحریف کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ میں نے 'رُشد' کے تینوں حصے بہت غور سے پڑھے ہیں اسی لئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ غالی دیوبندی اور اہل حدیثوں بالخصوص روپڑی گروپ یعنی اہل رُشد کی یہ شیطانی سازش ہے کہ اب وہ اپنے آقاؤں کا ایجنڈہ پورا کر کے بیس مختلف قرآن چھاپنے کی کوشش کر رہے ہیں، اللہ کرے وہ اس میں کامیاب نہ ہوں اور پاکستانی قوم اللہ کی مدد سے ان کی سازش ناکام بنادے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

کتابیات / حوالہ جات

(۱)۔... قرآن کریم (مختلف تراجم)
(۲)۔... ماہنامہ مسیحائی کراچی۔ قرآن نمبر ۲۰۰۸ء۔ شمارہ نمبر ۷۔ ۸ جلد نمبر ۱۱
صدر مجلس ادارت برائے اشاعت ثانی، حافظ سید فضل الرحمٰن۔ ۷۔۱۹۷، بی۔ بلاک A، شمالی ناظم آباد کراچی
(۳)۔... صلیبیوں اور صہونیوں کی قرآن دشمنی۔ پرانے جال، نئے ہتھکنڈے، بدلتے طریق واردات۔ ایک جائزہ از پروفیسر حافظ احمد یار صاحب، صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس، المنظر اپارٹمنٹس، ۴۵۸۔ گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک کراچی۔ سلسلہ نمبر ۲۲۵۲۔
(۴)۔... اَلتِبیَان فی علوم القرآن از الاستاذ محمد علی صابونی، ترجمہ از محمد ابراہیم فیضی۔ ناشر۔ القلم۔ فرحان ٹیرس، ناظم آباد نمبر ۲۔ کراچی، اشاعت اوّل مئی ۲۰۰۵ء۔
(۵)۔... "بہائیت" اسرائیل کی خفیہ سیاسی تنظیم' از بشیر احمد، اسلامک سٹڈی فورم۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۲۷۵، راولپنڈی۔ اشاعت ۱۹۹۳ء
(۶)۔... خطبات بہاولپور: از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، بیکن بکس، قذافی مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور۔ اشاعت ۲۰۰۵
(۷)۔... اَحسَن البَیَان فِی علُومُ القُرآن۔ از ڈاکٹر حسن الدین احمد، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۶ء
ناشر جلال الدین اکبر، اردو کمپیوٹر سنٹر۔ ۱۷۔ا۔ ۱۸/M/۳۵ داراب جنگ کالونی، مادناپیٹ۔ حیدر آباد ۵۹۔ انڈیا
(۸)۔... قرآن اور ۱۹۔ حیران کن انکشافات، مؤلف انجینئر محمد راشد فاروقی۔ MSC انجینئرنگ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا۔ برکلے USA، فل برائٹ اسکالر۔ محرک و معاون جناب حق نواز اختر صاحب اشاعت دوم ۲۰۰۸ء، یہ کتاب غالباً انہوں نے خود چھپوائی ہے۔ حصول کتاب کیلئے: دار الاشاعت اردو بازار کراچی، صدیقی ٹرسٹ۔ کراچی۔ وغیرہ
(۹)۔... اعجاز القرآن و اختلاف قراءت از جامع العلوم، محدث العصر علامہ تمنا عمادی، مجیبی پھلواروی صاحب شائع کردہ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، ۳۔۷۔ اے بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی، طباعت اوّل ۱۹۹۳ء
(۱۰)۔... ماہنامہ "رُشد" جامعہ لاہور الاسلامیہ' ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن۔ لاہور۔ حصہ اوّل، دوم و سوم۔ ۲۰۰۹۔ ۲۰۱۰ء
(۱۱)۔... تاریخ القرآن از پروفیسر عبد الصمد صارم الازھری، ناشر مکتبۂ معین الادب، اردو بازار، لاہور، بار پنجم ۱۹۷۷ء۔ منظور شدہ محکمہ تعلیمات
(۱۲)۔... مقدمہ ترجمۃ القرآن، از محمد اسماعیل صاحب سلفی۔ تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنۃ، گوالمنڈی۔ راولپنڈی۔ دوسرا ایڈیشن۔
(۱۳)۔... اہلحدیث اور انگریز مرتبہ بشیر احمد قادری صاحب، ابو حنیفہ اکیڈمی، فقیر والی، بہاولنگر۔ بار سوم اگست ۱۹۸۳ء

.(۱۴)۔... محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے از تقی الدین ندوی مظاہری صاحب۔ مجلس نشریات اسلام۔ ا۔ کے ۔۳ناظم آباد ا، کراچی، ۱۹۸۲ء
.(۱۵)۔... صحیح مسلم شریف مع مختصر شرح نووی۔ مترجم از علامہ وحید الزماں صاحب ناشر خالد احسان پبلشرز۔ لاہور۔ ۱۹۸۱ء
.(۱۶)۔... تدوین قرآن، حدیث اور تاریخ۔ حصہ دوم تدوین حدیث، از اطہر بن جعفر اطہر الحق۔ ناشر زاویہ تحقیق و تنقیہ علمی ٹرسٹ۔ E 226، ڈیفنس ویو۔ شہید ملّت روڈ، کراچی۔ ۲۰۰۸ء
.(۱۷)۔... تاریخ الحدیث از پروفیسر عبد الصمد صارم الازہری، مکتبہ معین الادب، اردو بازار، لاہور۔ ۱۹۶۳ء۔ (بار پنجم)
.(۱۸)۔... تاریخ خان جھانی و مخزنِ افغانی۔ تالیف خواجہ نعمت اللہ ہر طی۔ ترجمہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین اردو سائنس بورڈ 299۔ اپر مال، لاہور۔ ۱۹۷۶ء
.(۱۹)۔... نظام الملک طوسی' مفصل سوانح عمری مؤلفہ مولوی عبد الرزاق صاحب کانپوری، شائع کردہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی۔
.(۲۰)۔... اسلامی دنیا دسویں 'صدی عیسوی میں (چوتھی صدی ہجری) ایک عرب سیاح کے مشاہدات کا اردو ترجمہ از خورشید احمد فارق۔ استاذ ادبیات عربی، دہلی یونیورسٹی۔ ندوۃ المصنفین۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی۔ دسمبر ۱۹۶۲ء (طبع اوّل)
.(۲۱)۔... صحیح بخاری شریف۔ از ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری۔ اردو ترجمہ ماؤلانہ حافظ قاری محمد عادل نقشبدی و قاری محمد فاضل قریشی مجددی۔ قمر سعید پبلشرز۔ لاہور۔ بار دوم ۱۹۷۹ء
.(۲۲)۔... 'سرگزشت اسلام'۔ مسلمانوں کے عروج وزوال کی مکمل تاریخ۔ از چراغ حسن حسرت صاحب طابع: نیشنل بُک فاؤنڈیشن، طبع اول ۲۰۰۳ء
.(۲۳)۔... 'شاہکارِ رسالت' از غلام احمد پرویز صاحب۔ ادارہ طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)، ۲۵۔ بی گلبرگ ۲، لاہور۔ تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۱ء (بالخصوص چودھواں باب: "شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد"
.(۲۴)۔... 'کتاب الرسالہ' یعنی اصول فقہ و حدیث، از امام محمد بن ادریس شافعی، ترجمہ مفتی امجد العلی صاحب استاد الحدیث مطلع العلوم، رامپور (انڈیا)۔ ادارہ تحقیقات اسلامی زیرِ سرپرستی حکومت پاکستان۔
ناشر محمد سعید اینڈ سنز۔ ناشران و تاجران کتب، قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ۔ کراچی۔ (۱۹۶۸ء)
.(۲۵)۔... 'ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت اور اسکا نظام' تالیف ڈاکٹر زاہد علی صاحب
دی اکاڈمی آف اسلامک اسٹڈیز۔ آغا پورہ۔ حیدر آباد دکن (انڈیا) ۱۳۷۳ھ۔ ۱۹۵۴ء
طبع: مکتبہ بیّنات، علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی
.(۲۶)۔... کتابچہ "تلمود" از عبد القدوس ہاشمی صاحب مرحوم۔ صدیقی ٹرسٹ۔ المنظر اپارٹمنٹس۔ ۴۵۸۔ گارڈن ایسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔ سلسلہ نمبر ۳۴۸
.(۲۷)۔... تدوینِ حدیث مصنفہ سید مناظر احسن گیلانی صاحب مرحوم، مکتبہ العلم۔ ۱۸۔ اردو بازار لاہور۔

.(۲۸)۔... وحی حدیث از پروفیسر ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی صاحب، کتاب سرائے۔الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ لاہور ۲۰۰۵ء

.(۲۹)۔... 'سبعہ اور عشرہ اختلاف قراءات اور قراء حضرات'۔ از علامہ تمنّا عمّادی صاحب مرحوم۔ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ۔ کراچی۔

.(۳۰)۔... 'قرآن کریم اور سبعہ احرف' از حافظ عبد الکریم اثری صاحب مرحوم۔ انجمن اشاعتِ اسلام (رجسٹرڈ) ٹھٹہ عالیہ، ضلع منڈی بہاؤالدین۔ گجرات ۲۰۱۱ء

.(۳۱)۔... 'دار العلوم دیوبند کے سو سال' از مختار جاوید صاحب، عظیم پبلیکیشنز۔ لاہور۔ (۱۹۸۰ء)

.(۳۲)۔... کتاب القراءات أو التنزیل و التحریف۔ تالیف: ابی عبد اللہ احمد بن محمد السیاری۔ حقّقه و قدّم له أیتان کولبرغ و محمد علی أمیر معزی (عربی متن)۔ برل۔ لیڈن، بوسٹن۔ 2009،

.(۳۳)۔... فوائد جامعۂ بَر عجالۂ نافعه ۔ تالیف شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ شارح مولانا محمد عبد الحلیم چشتی۔ نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب، آرام باغ۔ کراچی۔ طبع اوّل ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۴ء

.(۳۴)۔... بستان المحدثین مصنفه زبدۃ المحدثین عمدۃ المفسرین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔ ترجمہ عبد السمیع دیوبندی۔ ایچ ایم سعید کمپنی۔ ادب منزل، پاکستان چوک۔ کراچی۔

.(۳۵)۔... امام ابن ماجہ اور علم حدیث۔ تالیف محمد عبد الرشید نعمانی معہ اضافات مفیدہ میر محمد کتب خانہ۔ آرام باغ۔ کراچی۔

.(۳۶)۔... محدثین عظام اور اُن کے علمی کارنامے۔ تالیف تقی الدین صاحب ندوی مظاہری۔ سابق استاد حدیث، دار العلوم ندوۃ العلما لکھنوَ۔ مجلس نشریات اسلام۔ ا۔کے۔۳، ناظم اباد مینشن۔ ناظم آباد ا۔ کراچی ۱۹۸۲ء

.(۳۷)۔... امام ابو حنیفہ کی قانون ساز کمیٹی کی حقیقت۔ تصنیف ابو حبیب کرم الدین السّلفی۔ ادارۂ احیاء السّنه۔ گھرجاکھ، گوجرانوالہ

.(۳۸)۔... فکر اسلامی۔ افکار اسلامی کی تشریح و توضیح از وحید الدین خان صاحب
دار التذکیر، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور۔ پہلا ایڈیشن۔ ۱۹۹۶ء

.(۳۹)۔... شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب از حکیم محمود احمد برکاتی ۔ ادارہ یادگار غالب ۔ دوسری چورنگی (غالب لائبریری) ناظم آباد ۲۔ کراچی۔ طبع اول ۲۰۰۴ء

.(۴۰)۔... شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحقیقات حدیث۔ تالیف ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، پھلت، مظفر نگر۔ یوپی (انڈیا)۔ ۲۰۰۷ء۔

.(۴۱)۔... قصصِ انبیاء کے رموز اور ان کی حکمتیں۔
ترجمہ تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء۔ از شاہ ولی اللہ دہلوی
مترجمہ غلام مصطفیٰ قاسمی۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد، سندھ۔ بتعاون:۔ پاکستان اکاڈمی آف لیٹرس۔ اسلام آباد۔ بار سوئم ۱۹۹۷ء

(۴۲)۔... اولیاء رجال الحدیث۔(۲۰۰ محدثین وفقہائے کرام کے حالات اور عبادات و کرامات پر بہترین کتاب) از حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی۔ اکبر بُک سیلرز۔ زبیدہ سنٹر۔ ۴۰، اردو بازار لاہور۔ ۲۰۰۷ء

(۴۳)۔... تذکرۃ المحدثین (تقریباً پونے دو سو محدثین کرام کا تذکرہ) از کامران اعظم سوہدروی۔ فکشن ہاؤس۔ بُک سٹریٹ۔ ۳۹۔ مزنگ روڈ۔ لاہور۔ (۲۰۱۰ء)

(۴۴)۔... **القرآن الحکیم و ترجمہ معانیہ و تفسیرہ الی اللُغَۃِ الاُردیَّہ** ۔شاہ فہد کمپلیکس۔ مدینہ منورہ مطبوعہ ۱۴۱۷ھ

(۴۵)۔... الفاروق۔ از علامہ شبلی نعمانی۔ ثناء پبلی کیشنز۔ کراچی۔ (۲۰۱۴ء)

(۴۶)۔... مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ از عبد القدوس ہاشمی۔ مکتبہ قاسم العلوم۔ ملک اینڈ کمپنی۔ رحمان مارکیٹ۔ غزنی اسٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور۔ ۱۹۸۱ء

(۴۷)۔... تاریخ اسلام از امتیاز پراچہ۔ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پی ای سی ایچ ایس کالج، کراچی رہبر پبلشرز۔ اردو بازار کراچی۔ تیئیسواں ایڈیشن۔ ۲۰۰۰ء

(۴۸)۔... ہفتہ وار اخبار اہلحدیث روپڑ۔ "تنظیم" مدیر حافظ عبد اللہ امر تسری۔ جلد ۸ نمبر ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ مئی جون ۱۹۳۹ء

(۴۹)۔... نظام الملک طوسی از پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی رضوی۔ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ۔ کراچی یونیورسٹی۔ اشاعت اوّل ۱۹۹۵ء

(۵۰)۔... امام ابن تیمیہ۔ رشحات قلم علامہ شبلی نعمانی اور الطاف حسین حالی۔ تقدیم و حواشی۔ محمد تنزیل الصدیقی الحسینی۔ دار الاحسن۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۸۱۳۰۔ کراچی ۷۴۷۰۰۔ اشاعت ۲۰۰۶ء

(۵۱)۔... ائمہ سلف اور اتباعِ سنت، تصنیف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ۔ ترجمہ و تفہیم پروفیسر غلام احمد حریری۔ تقدیم، تحقیق، تخریج محمد خالد سیف۔ طارق اکیڈمی۔ ڈی گر آنڈ (سموسہ چوک) فیصل آباد۔ اشاعت چہارم 2005ء

(۵۲)۔... رسائل ابن تیمیہ۔ مترجم محمد زکریا صاحب (بن میاں محمد باقر صاحب) دار الکتب سلفیہ، اقراء سینٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور۔ اشاعت اوّل ۲۰۱۱ء

(۵۳)۔... امام ابن تیمیہ۔ از ڈاکٹر غلام جیلانی برق۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی۔ رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ طبع دوم۔ ۲۰۰۷ء

(۵۴)۔... اسلام اور غیر اسلامی تہذیب۔ تالیف شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ مقدمہ سید ابو الحسن علی ندوی۔ مجلس نشریاتِ اسلام۔ اے کے۔ ۳ ناظم آباد ا، کراچی۔ اشاعت ۱۹۷۸ء

(۵۵)۔... "عیسائیت کی خفیہ سرنگ" از محمد آصف دہلوی سہارنپوری۔ صدیقی ٹرسٹ، المنظر اپارٹمنٹس۔ گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک۔ کراچی۔ (سلسلہ ۱۶۹۴) (ضمیمہ نمبر ۱)

(۵۶)۔... اسلامیات کا یہودی پروفیسر از پروفیسر احمد الدین مارہروی۔ صدیقی ٹرسٹ۔ المنظر اپارٹمنٹس۔ گارڈن ایسٹ، نزد لسبیلہ چوک، کراچی (سلسلہ نمبر ۱۳۲۲) (ضمیمہ نمبر ۲)

(۵۷)۔... صحابۂ رسول کی افسانوی جنگیں۔ تبلیغی سلسلہ نمبر ا (ضمیمہ نمبر ۳) ملنے کا پتہ: (ا)۔ تبلیغی مرکز ریلوے روڈ لاہور پاکستان (۲)۔ ڈاکٹر حمیس الدین "شفاءُللناس" لنک روڈ، چوک شالیمار لاہور

(۵۸)۔... کون سا نظام صالح تھا؟ تبلیغی سلسلہ نمبر ۲ (ضمیمہ نمبر ۴) ملنے کا پتہ: (ا)۔ تبلیغی مرکز ریلوے روڈ لاہور پاکستان (۲)۔ ڈاکٹر حمیس الدین "شفاءُللناس" لنک روڈ، چوک شالیمار لاہور

(۵۹)۔ Spirituality in the Land of the Noble ...... How Iran Shaped the World's ... Religions. By Richard C. Foltz
First published by Oneworld Publications, 2004, Reprinted 2008 185 Banbury Road, Oxford OX2 7AR, England.

(۶۰)۔ Sahifah Hammam Ibn Munabbih ...... The earlier extant work on the ... Hadith, by Muhammad Hamidullah.
Publications of Centre Culturel Islamique Paris No 2/C.
Translated into English by Prof. Muhammad Rahimuddin, Rtd. Principal Osmania College, Warangal, 10th Revised & Enlarged Edition, 1399 H/ 1979.

اسے علیحدہ صفحہ پر لگانا ہے

مزید مطالعہ کیلئے کتب:

.(۱)۔... تاریخ الاسلام والمسلین۔(مقدمہ)از جناب مسعود احمد صاحب مرحوم، بانی امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کراچی۔ ۱۹۸۰ء (اشاعت ثانی)۔ شائع کنندہ جماعت المسلمین

.(۲)۔... ہماری تاریخ میں کیا ہے؟ از غلام احمد پرویز صاحب مرحوم کا پمفلٹ، ادارہ طلوع اسلام۔ 25.B گلبرگ لاہور۔

.(۳)۔... قرآن مجید مترجم از سید مقبول احمد صاحب دہلوی۔

.(۴)۔... حیات القلوب (جلد دوم) مؤلفہ علامہ مجلسی

.(۵)۔... بحار الانوار از علامہ مجلسی

.(۶)۔... اصول الکافی از محمد یعقوب بن اسحاق کلینی۔(۲۵۰-۳۲۹ھ)

.(۷)۔... الشافی۔ ترجمہ الکافی از سید ظفر حسن صاحب۔ ناشر ظفر شمیم پبلیکیشنز۔ کراچی

.(۸)۔... حدیث کا تشریعی مقام۔ مصنفہ ڈاکٹر مصطفیٰ سُباعی مرحوم۔ صدر شعبہ فقہ اسلامی۔ جامعہ دمشق۔ ترجمہ و تحشیہ پروفیسر غلام احمد حریری۔ صدر شعبہ علوم اسلامیہ۔ زرعی یونیورسٹی۔ فیصل آباد۔ ملک سنز۔ کارخانہ بازار۔ فیصل آباد۔(۱۹۸۲ء)

.(۹)۔... حدیث کا درایتی معیار تالیف مولانا محمد تقی امینی۔ ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔(انڈیا) قدیم کتاب خانہ۔ مقابل آرام باغ۔ کراچی (۱۹۸۶ء)

.(۱۰)۔... مقالاتِ ہاشمی۔ چند علمی و تحقیقی مکاتیب کا مجموعہ۔ از عبد القدوس ہاشمی صاحب مرحوم۔ مرتبہ ثناء الحق صدیقی صاحب مرحوم۔ دار التذکیر، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ ۲۰۰۳ء

.(۱۱)۔... اردو ڈائجسٹ مئی و جون ۲۰۰۵ء برائے سید عاصم محمود صاحب کے مضامین بعنوان "یہودیوں کے غلام عیسائی" لاہور

.(۱۲)۔... نفسانی خواہشش کا قانون۔ ڈاکٹر شہلا حائری صاحبہ (ایرانی خاتون) الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ۔ کراچی

.(۱۳)۔... "علماء دیوبند اور انگریز" از برق التوحیدی۔ ناشر امام اعظم اکیڈمی۔ فیصل آباد

.(۱۴)۔... انگریز اور وہابی۔ مرتبہ مولانا عبد المجید صاحب سوہدروی۔ مسلمان کمپنی، سوہدرہ (گوجرانوالہ)

.(۱۵)۔... انڈین مسلمانز از سر ولیم ولسن ہنٹر (اس کا اُردو ترجمہ "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے نام سے شائع ہوا تھا۔

.(۱۶)۔... اسلامی تہذیب کی داستان از ول ڈیورانٹ۔ ترجمہ یاسر جواد۔ نگارشات پبلشرز۔ مزنگ روڈ۔ لاہور ۲۰۱۵ء

.(۱۷)۔... التنبیۃ والاشراف از ابو الحسن علی بن حسین علی المسعودی، بغدادی۔

ترجمہ از عبد اللہ عمادی، ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک۔ کراچی ۱۹۶۷ء

.(۱۸)۔... فلسفۂ عجم از ڈاکٹر شیخ محمد اقبال۔ ترجمہ میر حسن الدین احمد۔ مکتبہ اردو ادب، ۲۷۔ ایف گلشن راوی لاہور

(۱۹)۔... اسلامی مذاہب از شیخ محمد ابوزہرہ۔ ترجمہ و تحشیہ پروفیسر غلام احمد حریری۔
ملک سنز تاجران کتب، کارخانہ بازار۔ فیصل آباد۔
(۲۰)۔... "فیصلہ آرہ" (بسلسلہ تفسیر القران بکلام الرحمٰن۔ عربی تفسیر۔ از علامہ ثناءاللہ امرتسری صاحب مرحوم)۔
تذکرہ علمائے خانپور (ضلع ہزارہ) بنام: فتح الغفور فی تذکرہ علمائے خان فور۔ مولانا قاضی محمد عبد اللہ خانپوری۔
ایم اے، ایل ایل بی (ایڈووکیٹ) مانسہرہ (ہزارہ) ناشر المکتبہ السلفیہ۔ لاہور ۱۹۸۵ء
(۲۱)۔... صلیبیوں اور صیہونیوں کی قرآن دشمنی۔ کتابچہ از پروفیسر احمد یار صاحب۔ طبع کردہ صدیقی ٹرسٹ،
کراچی۔ سلسلہ نمبر ۲۲۵۲
(۲۲)۔... واقعہ سقیفہ اور افسانہ سقیفہ۔ جماعت المسلمین کراچی
(۲۳)۔... واقعہ جمل اور افسانہ جمل۔ جماعت المسلمین کراچی
(۲۴)۔... واقعہ صفّین اور افسانہ صفّین۔ جماعت المسلمین کراچی
(۲۵)۔... واقعہ کربلا اور افسانہ کربلا۔ جماعت المسلمین کراچی
(۲۶)۔... واقعہ حرّہ اور افسانہ حرّہ۔ جماعت المسلمین کراچی

(۲۷)۔... The Apology of AL Kindy , by Sir William Muir, K.C.S.I. LLD. D.C.L. Written at the Court of Al Mamun (Circa A.H. 215; AD 830) Second Edition 1887 (www.muhammadanism.org)

(۲۸)۔... Principles of Muhammadan Law, By Right Honourable Sir Dinshah Fardunji Mulla , K.T., C.I.E., MA, LLD. 1st Edition 1906, 20th edition 1995. Reprint 2001, by Umer Khurram Printers, 43 Lower Mall, Lahore. Mansoor Book House , Katchery Road, Lahore

(۲۹)۔... The Teachings of ZARATHUSHTRA;The prophet of Iran. How to think and Succeed in Life by T.R. Sethna Published by T.R. Sethna From 46, Parsi Colony, Karachi 2nd edition 1989

(۳۰)۔... "The Perpeetual Miracle of Mohammad" ڈاکٹر رشاد خلیفہ کا خطاب، صدیقی ٹرسٹ۔
لسبیلہ چوک کراچی۔

اسے علیحدہ صفحہ پر رکھیں

رُشدی شہ پارے

.(۱)۔... متن قرآن میں بظاہر قراءات کا وجود موجود نہیں ہے۔ ۲۴۵، حافظ حمزہ مدنی۔ رُشد حصہ اوّل

.(۲)۔... سنت کا کوئی حکم قرآن سے باہر نہیں ہے۔ (مگر سنت بھی تو قرآن ہی میں ہے۔ صدیق) صفحہ ۲۴۵ ایضاً

.(۳)۔... حدیث بھی مثل قرآن وحی ہے۔.. صفحہ ۲۴۶ .... ایضاً.........

.(۴)۔... قراء کے ہاں قراءات اور قرآن میں وہی فرق ہے (یعنی دونوں ایک نہیں۔ صدیق) جو محدثین کے ہاں حدیث اور سنت میں ہے۔ محدثین کے ہاں سنت کہتے ہیں قرآن کے علاوہ منزل من اللہ وحی کو (اس کا کوئی قرآنی ثبوت نہیں کہ قرآن کے علاوہ بھی رسول پر وحی کا نزول ہوا۔ صدیق)۔ جو کہ امت کو آپ سے اقوال، اعمال اور تقریرات کی صورت میں ملی ہے۔ جبکہ حدیث سنت کی خبر کو کہتے ہیں، جو صحابہ بیان کرتے ہیں۔ صفحہ ۲۴۸، حمزہ مدنی، رُشد حصہ اوّل

.(۵)۔... قرآن کہتے ہیں ان الفاظ وحی کو جو منزل من اللہ ہے اور قراءات اسی قرآن کی خبر کو کہتے ہیں۔ صفحہ ۲۴۸۔ حمزہ مدنی، رُشد حصہ اوّل

.(۶)۔... محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ نفس سنن ۳۵، ۴۰ ہزار سے زیادہ نہیں۔ صفحہ ۲۴۸۔ حمزہ مدنی، رُشد حصہ اوّل

.(۷)۔... اس بات پر زور دینا کہ 'حروفِ سبعہ' کے نزول کے معنی یہ ہے کہ ان کا ہر ہر جزء آسمانوں سے باقاعدہ صراحتاً اترا ہے متعین نہیں۔ (تو پھر کونسا جزء آسمان سے اترا اور کونسا جزو عجم سے، کیسے اور کون متعین کرے گا۔ صدیق) صفحہ ۳۲۶، حصہ دوم

.(۸)۔... ہم کہتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن کے ضمن میں 'سبعۃ احرف' میں شامل وہ مترادفات' جو کہ عرضہ اَخیرہ میں بالاتفاق منسوخ کر دیئے گئے تھے، کے حوالے سے یہ اصرار کہ یہ باقاعدہ یوں نازل ہوئے کہ جس طرح قرآن مجید تیئس سالہ عرصہ میں آہستہ آہستہ اترا، متعین نہیں، کیونکہ معاملہ کی نوعیت کے بارے میں اس قسم کی تصریح کہیں موجود نہیں۔ (تو پھر مترادفات کی کیا حقیقت رہ گئی؟؟ صدیق) صفحہ ۳۲۶، حصہ دوم

.(۹)۔... اللہ کی ہدایت، جو بصورت وحی انبیاء پر اترتی ہے، اس کے کئی ایک طریقے ہیں، جو محتاج بیان نہیں، البتہ اس ضمن میں ایک بات متعین ہے کہ رسول کی بات امت کے حق میں اپنی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ رسول کا کام پیغام رسانی ہی کا ہے۔ صفحہ ۳۲۶، حصہ دوم

.(۱۰)۔... 'سبعہ احرف' کے ثبوت کے حوالے سے مشہور حدیث جبریل و میکٰیل سے یہ بات واضح ہے کہ 'حروفِ سبعہ' ایک ہی موقع پر مختصر وقت میں اتر آئے تھے......... جبکہ تحقیق کے مطابق یہ کئی ہزاروں پر مشتمل تھے ۔ صفحہ ۳۲۷، حصہ دوم

.(۱۱)۔... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں مکمل قرآن جو لکھوا دیا تھا اس کی حکمت کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم چونکہ وحی باللفظ ہے، جس کے الفاظ کی بحفاظت امت کو منتقلی کافی مشکل امر تھا، چنانچہ آپ نے اس کو مکمل لکھوا دیا تاکہ کسی وقت الفاظ قرآن کے ضمن میں پیدا ہونے والے اختلاف کو حل کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس لکھے ہوئے قرآن کو معیار بنا کر صحیح و غلط کا تعین کیا جاسکے۔ صفحہ ۳۳۳، حصہ دوم۔

اسے علیحدہ صفحہ پر رکھیں

مسلمانوں سنو اور غور کرو

★ ... حکم صرف اللہ کا (۴۰/۱۲، ۵۷/۶، ۶۲/۶، ۵۴/۷، ۶۷/۱۲، ۷۰/۲۸ وغیرہم)

★ ... صرف وہی حجت ہے جسے فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کہا گیا ہے (۶/۱۴۹)

★ ... صرف اس کے حکم یعنی قرآن مبین کو فرض کیا گیا ہے (۸۵/۲۸)(روایاتِ عجم کو نہیں)

★ ... قرآن میں سنتِ رسول کے الفاظ کہیں نہیں آئے۔ مگر آپ کہتے ہو کہ سنتِ رسول اور صحابہ یا خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرو۔ جبکہ شیعہ کہتے ہیں کہ اہلبیت کی سنت پر عمل کرو۔ دونوں باتیں غلط۔ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول کی سنت وقتی تھی ان کے بعد دوسروں کی سنت پر عمل کرنا ہے جس کی بھی کوئی نص صریح قرآنی نہیں۔

★ ... قرآن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا مگر روایتوں کو نہ تو نازل کیا اور نہ ہی ان کی حفاظت کا کوئی وعدہ یا اشارہ کیا۔

★ ... رُشدی قراءات کیلئے ان کے پاس کوئی نص صریح قرآنی نہیں بلکہ وہ صرف روایات ہی کے سہارے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔ جو ادھر اُدھر سے جمع کی ہوئی ہیں یا ایک ہی ہیں جن کو مختلف انداز سے پیش کرتے ہیں۔ وہ تو سند و درایت اور عقل پر بھی پوری نہیں اترتیں کہ ایک قرآن مختلف قراءتوں میں اترا ہو جس کی تعداد بھی معیّن نہیں۔ ہاں قراءت کے مختلف لہجات تو فطری عنصر ہے، نہ تو اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ ہی ان کی نقل کی جاسکتی ہے۔ ویسے بھی حضرت عثمانؓ کی یہی کوشش تھی کہ سب لوگ قریشی قراءت ہی کریں یونکہ قرآن کا نزول بھی اسی قراءت میں ہوا تھا۔

★ ... حدیث کا کوئی مجموعہ صحیفۂ سماوی نہیں جس کی صحت پر یقین کرنا شرائطِ ایمان میں داخل ہو۔ نہ ہی کوئی محدث یا راوی معصوم عن الخطاہے۔ بلکہ ان میں اکثریت عجمیوں کی ہے!

★ ... نہ ہی قرآن الحکیم کو حدیثی، عجمی بیساکھیوں کی ضرورت ہے۔ وہ تو خود حکیم (۲/۳۶) اور مُبِین (۱/۱۵، ۶۹/۳۶، ۱/۱۲، ۲/۲۶ وغیرہم) ہے۔

★ ... نہ ہی کِتٰب مُبِین میں کسی ایسی بات کو چھوڑا گیا جس کا بیان کرنا ضروری تھا (۵۹/۶، ۱۲/۱۷، ۳۷/۱۰، ۹۷/۶، ۱۲۶/۶، ۵۵/۶، ۳۲/۷، ۱۷۵/۷، ۱۱/۹، ۲۴/۱۰، ۲۸/۳۰، ۲/۱۳ وغیرہ)

★ ... نہ ہی وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے (۲۶/۱۸، ۴۰/۱۲، ۷۰/۲۸، ۲۱/۴۲)

★ ... نہ ہی اپنی عبدیت و عبادت میں کسی کو شریک کرتا ہے (۳۱/۹، ۴۰/۱۲، ۱۱۰/۱۸، ۲۔۳/۳۹)

★ ... نہ ہی اپنی ذات میں کسی کو شریک کرتا ہے (۳۸/۱۸، ۴۲/۱۸، ۲۶/۲۲، ۳۱/۲۲)

★ ... نہ ہی اپنی ولایت یا مُلک میں کسی کو شریک کرتا ہے (۴۴/۱۸، ۲/۲۵)

★ ... اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام کتابی شکل میں نازل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ الکتٰب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی سے بچنے والوں کیلئے ہدایت / رہنمائی ہے (۲/۲)

★ ... اس ایک مخصوص کتاب (الکتٰب) کو اپنے چنیدہ بندہ کے قلب پر نازل کیا (۹۷/۲، ۱۹۴/۲۶)

★ ... اس چنیدہ بندہ یعنی رسول سلامٌ علیہ پر الکتٰب کے علاوہ کوئی اور کتاب یا اسکے مثل نازل نہیں کیا (۱۹/۶، ۳۹/۱۷)

★ ... یہ عقیدۂ عجم کہ انسان نما پروں والے فرشتہ نے القرآن نازل کیا، پڑھایا، نماز پڑھ کر سکھائی، مختلف و متنوع قراءات لالا کر سناتا رہا اور پھر ہر رمضان میں سُن سُن کر چیک کرتا رہا وغیرہ وغیرہ محض گھڑنت ہے۔ یونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنا کلام اپنے رسول سلامٌ علیہ کے قلب پر نازل کیا (۹۷/۲)

★ ... اور پھر اسے یاد کرا دینے کا ذمّہ بھی لیا (۱۷/۷۵، ۶/۸۷)

★ ... اور یہ کتاب (ذٰلِكَ الْكِتٰبُ، ۲/۲) (هٰذَا الْقُرْاٰن ، ۱۹/۶، ۳۷/۱۰، ۳/۱۲، ۹/۱۷، ۸۹/۱۷، ۵۴/۱۸، ۷۶/۲۷، ۵۸/۳۰، ۲۷/۳۹،۲۶/۴۱، ۳۱/۴۳، ۲۱/۵۹) منتشر صحائف یا اوراق میں نہیں تھا (جیسا کہ عجمی مُلّا کہتا ہے) بلکہ محفوظ حالت میں کتابی شکل میں (كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ، ۵۶/۷۸-۷۵) نرم جھلی کے اوراق پر سطر بہ سطر لکھی ہوئی (وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ ۲-۳/۵۲) لوح یعنی دفتین / جلدوں کے درمیان محفوظ کیا ہوا (بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۙ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۲۰-۲۲/۸۵) رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صحابہؓ اور امت کو دیا تھا۔

★ ... اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر وحی کی جو انسان کی ہدایت ورہنمائی کیلئے ضروری تھی۔ (۱۰/۵۳)

★ ... اور اسی نازل شدہ وحی کی اتباع کا حکم دیا اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی سے منع فرمادیا۔ (۳/۷)

★ ... اور یہ نازل شدہ وحی کیا تھی تو رسول نے بتایا (وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ۔ ۱۹/۶) کہ میری طرف (یہ) القرآن وحی کیا گیا ہے۔

★ ... اس القرآن الحکیم سے پہلے یہود و نصاریٰ بھی اپنی الکتٰب یعنی اصل توراۃ و انجیل ہی کی تلاوت کرتے تھے۔ (مثناہ وغیرہ کی تلاوت نہیں کرتے تھے) (۱۱۳/۲، ۱۱۳/۳)

★ ... اور آج بھی جو لوگ الکتٰب کی تلاوت کرتے ہیں، صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہو گی (۳۰/۳۵) یعنی وہ (نام نہاد) احادیث کی تلاوت نہیں کرتے، ختم بخاری نہیں کرتے، ختم خواجگان نہیں کرتے بلکہ اللہ کی الکتٰب قرآن مجید فی لوح محفوظ کی تلاوت کرتے ہیں۔

★ ... اور یوم حشر بھی جب منکرین قرآن (الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا) کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے......... تو جہنم کے نگہبان ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اِس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں درست ہے۔ لیکن عذاب کا حکم کافروں پر ثابت ہو گیا (۷۱/۳۹) یعنی تلاوت تو رب کی آیات ہی کرنا ہیں (نام نہاد) احادیث یا وحی خفی نہیں جس کے بارے میں کہیں کوئی سوال نہ ہو گا۔

★ ... اور اس الکتٰب کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔(۵۸ /۴۴، ۹۷ /۱۹)

★ ... اور اس الکتٰب کو عربی زبان میں نازل کیا گیا(۱۱۳ /۲۰) آپ سلامٌ علیہ کی عربی زبان یقیناً قریش کی زبان، قریش کی لغت اور قریش کے لہجہ میں تھی۔ کسی عجمی زبان یا لہجہ میں نہیں۔

★ ... اور جہاں کہیں اس کی آیات کی تشریح یا تفسیر کی ضرورت ہو گی وہاں اس کے نازل کرنے والا خود تشریح یا تفسیر کرے گا جو کہ اَحسن تفسیر یعنی سب سے اچھی تفسیر وہ گی(۳۳ /۲۵) جو کہ اسی الکتٰب میں تصریف الآیات سے کی جائے گی(۴۶ /۶، ۶۵ /۶، ۱۰۵ /۶، ۵۸ /۷، ۴۱ /۱۷، ۸۹ /۱۷، ۵۴ /۱۸) یعنی اس کی تشریح یا تفسیر رسول یا عجمی مفسرین و محدثین نہیں کریں گے بلکہ اللہ رب العزت خود کرے گا۔

★ ... اپنی الکتٰب کی آیات اللہ تعالیٰ، حق کے ساتھ، خود رسول کو سناتا تھا، تو پھر اللہ اور اس کی آیات کے بعد یہ اور کس **حدیث** پر ایمان لائیں گے۔ یعنی الکتٰب کی آیات ہی **حدیث** ہیں (عجمیوں کی گھڑ نت حدیث نہیں)(۸۷ /۴، ۱۸۵ /۷، ۶ /۱۸، ۳۴ /۵۲، ۶ /۴۵، ۸۱ /۵۶، ۴۴ /۶۸، ۵۰ /۷۷) اور انہیں آیات / احادیث کو **اَحۡسَنَ الۡحدِیث** (اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ) کہا گیا(۲۳ /۳۹)

★ ... اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیات (احادیث) کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان سے اعراض کرتا ہے (منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں وہ تو احادیث عجم ہی سے نصیحت حاصل کرے گا، اسی سے الکتٰب کی تفسیر کرے گا، اسی سے کسی سوال کا جواب دے گا)........... (۵۷ /۱۸)

★ ... بے شک جو لوگ کھلے دلائل اور ہدایت کی ان باتوں کو جو ہم نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں (یا قراءتی تحریف کر کے بدل دیتے ہیں) باوجود اس کے کہ ہم نے ان کو (اپنی) الکتٰب میں لوگوں کے واسطے واضح طور پر بیان کر دیا ہے (یعنی تصریف آیات سے تشریح و تفسیر بھی کر دی ہوئی ہے) تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔(۱۵۹ /۲)

★ ... اور اللّٰہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوتی(۶۲ /۳۳، ۴۳ /۳۵، ۷۷ /۱۷، ۲۳ /۴۸)

★ ... اللّٰہ کے ہاں بات بدلا نہیں کرتی (یعنی اس کا قول ایک ہی رہتا ہے(۲۹ /۵۰)

★ ... اللّٰہ کا کلام بدلا نہیں کرتا۔(۳۴ /۶، ۱۱۵ /۶، ۶۴ /۱۰، ۲۷ /۱۸)

★ ... اور رسول تو (یہی) اللّٰہ کا کلام یعنی آیات ہی پڑھ پڑھ کر سناتے تھے(۱۵۱ /۲، ۱۶۴ /۳، ۵۹ /۲۸، ۲ /۶۲، ۱۱ /۶۵، ۹۲ /۲۷، ۳۰ /۱۳، ۱۶ /۱۰) روایات یا احادیث نہیں۔

★ ... اور اسی وحی کی اتباع کرتے تھے (۱۵ /۱۰، ۵۰ /۶، ۲۰۳ /۷، ۹ /۴۶، ۱۰۶ /۶، ۱۵۵ /۶، ۱۰۹ /۱۰، ۲ /۳۳، ۳ /۷، ۵۵ /۳۹، ۲۰۳ /۷) کسی غیر وحی یا وحی خفی یا غیر اللّٰہ کے کلام کی اتباع نہیں کرتے تھے۔

★ ... اور آپ کو اور (ہمیں بھی) رب کی کتاب ہی میں سے ' جو وحی کی جارہی تھی، تلاوت کرنے کا حکم ہے(۲۷ /۱۸، ۴۵ /۲۹، ۱۲۱ /۲) اور وحی صرف القرآن ہو رہا تھا(۱۹ /۶، ۳ /۱۲، ۶۹ /۳۶) نہ تو احادیث وحی ہو رہی تھیں اور نہ ہی سات [۷]، دس [۱۰]، بیس [۲۰] قرآن یا اس کی قراءتیں وحی ہو رہی تھیں۔ آیات کریمہ میں لفظ القرآن صیغہ واحد ہے

اس لئے بہت سے قرآن یا متنوع قراءتوں کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ عقیدہ عجمیوں کی گھڑنت ہے تاکہ قرآن اور اسلام کو غتربود کر دیا جائے۔

★ ... رسول بھی ہدایت پر ان پر کی جانے والی وحی کی وجہ سے تھے (۵۰ /۳۴) اور ان پر صرف القرآن وحی کیا جارہا تھا۔ (۱۹/ ۶، ۱۰۴/ ۴، ۳/ ۱۲، ۲۷/ ۱۸)

★ ... لیکن ہماری اکثریت نے اس سے اعراض کیا ہوا ہے (منہ پھیر لیا ہے) اور اس کی سنتے ہی نہیں (۴ /۴۱) بلکہ (نام نہاد) احادیثِ عجم کو پکڑا ہوا ہے، اسے حفظ کرتے ہیں، اسے تلاوت کرتے ہیں، اسے سنتے ہیں اور بہت سے تو اس پر ایمان بھی لاتے ہیں!

★ ... جب کہ ایمان تو صرف پانچ (حقیقتوں) پر لانا ہے (۱۷۷ /۲، ۲۸۵ /۲، ۱۳۶ /۴) (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔

★ ... القرآن کے مِثل (مثلهٗ و معهٗ) بنانے والے ظالم اور ذلت کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے (۹۳ / ۶)

★ ... اصل میں مومن (اَلْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا) تو صحابہ تھے (۴ /۸، ۷۴ /۸، ۱۵ /۴۹) اس لئے انہیں بُرا کہنے والے یا ان کو غلط قرار دینے والے مسلم یا مسلمان کیونکر ہو سکتے ہیں! صحابہ تو وہ برتر و مبارک ہستیاں تھیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر بے چون و چرا راضی ہو گئی تھیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا تھا (۱۰۰ /۹، ۱۸ /۴۸، ۲۲ /۵۸، ۸ /۹۸) انہی کو اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ فرمایا (۲۲ /۵۸) اور یہی بہترین مخلوق تھے (۷ /۹۸) اس لئے ان سے غلطیوں کا ارتکاب کیونکر ہو گا!

★ ... اور یہی لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور اللہ کے راستہ میں تکلیفیں دیئے گئے، لڑے اور قتل کئے گئے، تو اللہ ان کے تمام گناہوں کو مٹا دے گا اور ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں............ (۱۹۵ /۳)

★ ... اور جو لوگ اللہ پر اور رسولوں پر ایمان لائے یہی لوگ ان کے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں (۱۹ /۵۷)

★ ... اور وہ لوگ کہ جب ان کو ان کے ربّ کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے (تو وہ انہیں بھی اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کرتے ہیں) ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ (۷۳ /۲۵)

★ ... جو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرتا ہے اس کو نصیحت بھی القرآن ہی کے ذریعہ کی جائے (۴۵ /۵۰، ۵۱ /۶، ۱۹ /۶، ۷۰ /۶، ۹۷ /۱۹)

★ ... اور اختلاف کی صورت میں فیصلہ بھی اسی کی طرف سے یعنی الکتٰب سے (۲۱۳ /۲، ۱۰۵ /۴، ۴۸ /۵، ۶۴ /۱۶، ۱۰ /۴۲، ۹ /۴۹)

★ ... اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ دے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہے (۴۴، ۴۵، ۴۷ /۵)

★ ... اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتٰب امام اور رحمت (بنا کر بھیجی گئی تھی) اور یہ کتٰب اس کی تصدیق بھی کرتی ہے (۱۷ /۱۱، ۱۲ /۴۶) تو غور کیجئے! کیا یہ الکتٰب امام نہیں؟ بیشک یہی (ذٰلِكَ الْكِتٰب) ہماری امام ہے۔ اور یہی کافی ہے عجمیوں کی کوئی کتاب نہیں۔

ضمیمہ نمبر ا

سلسلہ ۱۶۹۴

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے یہی لوگ نجات پانے والے ہیں.................... (آل عمران:۱۰۵)

عیسائیت کی خفیہ سرنگ

محمد آصف دہلوی سہارنپوری

صدیقی ٹرسٹ

صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک، کراچی ۷۴۸۰۰
صدیقی ٹرسٹ پوسٹ بکس 609 کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عالمِ اسلام میں

عیسائیت کی خفیہ سرنگ

نواب چھتاری کے حوالے سے ایک خوفناک منصوبے کا انکشاف

محمد آصف دہلوی سہارنپوری

دورانِ سفر ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا: ”کیا آپ نے سلمان رُشدی کی لکھی ہوی کتاب ”شیطانی آیات“ پڑھی ہے...... ؟اس میں کیا لکھا ہے جو اس قدر مخالفت ہو رہی ہے؟“

انہوں نے کہا: ”پڑھی تو میں بھی نہیں مگر سُنا ہے کہ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت توہین (خاکم بدہن) کی گئی ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے اس قدر احتجاج کیا جا رہا ہے۔“

دورانِ گفتگو انہوں نے کہا کہ مجھے ایک پُرانا قصّہ یاد آگیا۔ وہ قصّہ یوں ہے:

”میرے ایک دوست جو علی گڑھ میں نواب چھتاری کے ہاں کسی اونچی ملازمت پر تعیّنات تھے اور نواب صاحب ان سے کافی بے تکلّف تھے، انہون نے یہ واقعہ سنایا کہ نواب صاحب ہندوستان کی تقسیم سے پہلے انگریزوں کے بڑے بہی خواہ تھے۔ وہ مسلم لیگ اور کانگریس پارٹی سے بالکل لاتعلّق تھے اور سیاست میں انگریزوں کے ہر طرح مددگار تھے۔ اسی لئے انگریزی حکومت نے ان کو یوپی کا گورنر بنا دیا تھا۔

”ایک بار برطانوی حکومت نے سب ہندوستانی صوبوں کے گورنروں کو مشورے کیلئے انگلستان بلایا تو نواب صاحب بھی بحیثیت گورنر انگلستان گئے۔ یہاں علی گڑھ کا جو بھی کلکٹر نیا آتا تھا ان سے برابر ملتا رہتا تھا اور کبھی کبھی آگرہ کا کمشنر بھی۔ ان سب افسروں کے نواب صاحب سے عمدہ تعلقات تھے۔ جب نواب صاحب لندن پہنچے تو جو کلکٹر اور کمشنر ان کے پُرانے ملاقاتی تھے، اور ریٹائر ہو کر انگلستان چلے آئے تھے، جب انہیں نواب صاحب کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ملنے آئے ان سے میں ایک کلکٹر جو نواب صاحب سے بہت مانوس تھا اس نے کہا ”نواب صاحب... ! آپ یہاں تشریف لائے ہیں تو آیئے، میں آپ کو یہاں کے عجائب خانے دکھادوں جن میں ہزاروں برس پُرانی ایسی ایسی چیزیں ہیں جو آپ نے کبھی دیکھی نہ سُنی ہوں گی۔“

نواب صاحب نے کہا: ”عجائب خانے تو میں نے سب دیکھ لئے۔ حکومت نے دکھادیئے اور یہاں جو بھی آتا ہے، یہ دیکھ کر ہی جاتا ہے، البتہ اگر تم کچھ دکھانا چاہتے ہو تو ایسی چیز دکھاؤ جو یہاں سے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو۔“

انگریز کلکٹر نے کہا: ”نواب صاحب! ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے جسے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو؟ اچھا... میں سوچ کر پھر بتاؤں گا۔“

دوروز بعد وہ آیااور اس نے کہا کہ "نواب صاحب!میں نے سوچ لیااور معلومات بھی حاصل کرلی ہیں۔اب آپ کو ایسی چیز دکھاؤں گا جو اور کوئی یہاں سے دیکھ کر نہیں گیا۔" اس پر نواب صاحب خوش ہو گئے اور کہا کہ "بس ٹھیک ہے..." کلکٹر نے نواب صاحب سے پاسپورٹ مانگا اور کہا کہ "وہ جگہ دیکھنے کیلئے حکومت سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے،اس لئے پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہو گی۔" دوایک روز بعد وہ نواب صاحب کا اور اپنا تحریری اجازت نامہ لے کر آیااور کہا کہ "کل صبح آپ میرے ساتھ میری موٹر میں چلیں گے۔سرکاری موٹر نہیں جائے گی"۔نواب صاحب اس پر راضی ہو گئے۔اگلے روز نواب صاحب اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔شہر سے باہر نکل کر ایک طرف جنگل شروع ہو گیا ۔اس میں ایک چھوٹی سی سڑک تھی جس پر جوں جوں چلتے گئے،جنگل گھنا ہو تا گیا۔راستے میں کوئی پیدل چلتا نظر آیا نہ کسی قسم کی سواری پر نظر پڑی۔کسی طرح کی آمدورفت کا سلسلہ نہیں تھا۔چلتے چلتے کوئی آدھ گھنٹہ گذرا تو نواب صاحب نے دریافت کیا:"کیا دکھانے لے جارہے ہو؟کوئی جنگلی جانور ہے یا کوئی تالاب جس میں خاص قسم کے جانور ہیں؟اس طرف آبادی ہے نہ آمدورفت۔ابھی کتنا اور چلنا ہے؟"

اس نے کہا"بس تھوڑی دُور اور چلنا ہے۔جنگلی جانور یا تالاب وغیرہ نہیں دکھانا"۔

تھوڑی دیر بعد ایک بڑا دروازہ آیا جو ایک بڑی عمارت کے مین گیٹ کی صورت میں تھا اس میں آگے اور پیچھے دروازے تھے دونوں طرف فوجی پہرہ تھا۔کلکٹر نے موٹر سے اُتر کر پاسپورٹ اور تحریری اجازت نامہ دکھایا۔اس نے دونوں رکھ لئے اور اندر آنے کی اجازت دیدی مگر یہ کہا کہ اپنی موٹر یہیں چھوڑ دیجئے اور اندر جو موٹریں کھڑی ہیں،ان میں سے کوئی لے لیجئے۔نواب صاحب نے دیکھا یہ دروازہ کسی عمارت کا نہیں تھا اور اس کے دونوں طرف دیواروں کے بجائے بہت گھنی جھاڑیاں اور کانٹے دار درخت تھے جن میں سے کسی کا گزرنا ممکن نہ تھا۔

موٹر چلتی رہی مگر گھنے جنگل اور جنگلی درختوں کی دیوار کے سوااور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔نواب صاحب نے گھبرا کر پوچھا:"کب وہاں پہنچیں گے؟" اس نے کہا:"بس پہنچ گئے۔دیکھئے،وہ جو عمارت نظر آرہی ہے؛وہاں جانا ہے"۔پھر اس نے خاص طور سے یہ کہا:"اس عمارت میں جب داخل ہوں گے تو ہر چیز دیکھئے مگر آپ کسی قسم کا کوئی سوال کسی سے نہیں کریں گے۔بالکل خاموش رہنا ہے۔آپ کو جو کچھ دریافت کرنا ہو وہ مجھ سے پوچھ لیجئے گا۔ویسے تو میں خود ہی بتاتا جاؤں گا۔نواب صاحب نے کہا"اچھا" ٹھیک ہے۔عمارت سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے موٹر چھوڑ دی اور پیدل عمارت کی طرف بڑھے۔یہ ایک بری سی عمارت تھی۔شروع میں دالان تھا،اس کے پیچھے متعدد کمرے تھے۔جب دالان میں داخل ہوئے تو ایک نوجوان داڑھی مونچھوں والا،عربی کپڑے پہنے اور سر پر رومال ڈالے ایک کمرے سے نکلا۔ایک دوسرے کمرے سے دو ایک نوجوان اور نکلے۔ان لوگوں نے پہلے کمرے سے نکلنے والے لڑکے سے کہا "السلام علیکم" دوسرے نے جواب دیا"وعلیکم السلام" کیا حال ہے؟نواب صاحب حیران رہ گئے۔جب لڑکے ان کے قریب سے گزرے تو نواب صاحب نے کچھ دریافت کرنا چاہا،مگر کلکٹر نے فوراً اشارے سے منع کر دیا۔پھر کلکٹر نے انہیں ایک کمرے کے دروازے پر لے جا کھڑا کیا۔دیکھا کہ اندر فرش بچھا ہے اور اس پر عربی لباس میں متعدّد طلبہ بیٹھے

ہیں۔ اور ان کے سامنے ان کے استاد بالکل اسی طرح بیٹھے سبق پڑھا رہے ہیں جیسے اسلامی مدرسوں میں استاد پڑھاتے ہیں طلبہ عربی میں اور کبھی انگریزی میں استاد سے سوال کرتے تھے۔

کلکٹر نے نواب صاحب کو سب کمرے دکھائے اور ہر کمرے میں جو تعلیم ہو رہی تھی وہ بھی بتائی۔ نواب صاحب نے دیکھا کہیں کلامِ مجید پڑھایا جا رہا ہے، کہیں قرأت سکھائی جا رہی ہے، کہیں معنی اور تفسیر کا درس ہو رہا ہے، کہیں احادیث پڑھائی جا رہی ہیں، کسی جگہ بخاری شریف کا سبق ہو رہا ہے اور کہیں مسلم شریف کا، کہیں مسئلے مسائل سکھائے جا رہے ہیں اور کہیں اصطلاحات کی وضاحت اور کہیں مناظرہ ہو رہا ہے۔ یہ سب دیکھ کر نواب صاحب بہت حیران ہوئے۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ ایک آدھ طالب علم سے کمرے سے نکلتے وقت کوئی سوال کریں مگر کلکٹر اشارے سے ان کو روک دیتا تھا۔ یہ سب دیکھ کر جب واپس ہوئے تو نواب نے کہا کہ اتنا بڑا دینی مدرسہ ہے جس میں اسلام کے ہر پہلو کی اس قدر عمدہ تعلیم اور باریک سے باریک باتیں سکھائی جا رہی ہیں آخر یہ ان مسلمان طلبہ کو اس طرح علیحدہ کیوں بند کر رکھا ہے اور کیوں چھپا رکھا ہے تب کلکٹر نے کہا کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں، یہ سب عیسائی مشنری ہے۔

نواب صاحب کو مزید حیرت ہوئی اور انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو کلکٹر نے کہا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد، انہیں مسلمان ممالک میں خصوصاً شرق اوسط بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں یہ لوگ کسی بڑے شہر کی کسی بڑی مسجد میں جا کر نماز میں شریک ہوتے ہیں اور نمازیوں سے کہتے ہیں کہ وہ انگریز ہیں، انہوں نے مصر میں ازہر یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور مکمل عالم ہیں۔ انگلستان میں اسلامی ادارے نہیں جہاں وہ تعلیم دے سکیں اور نہ مسجدیں ہیں، اس لئے جلا وطنی اختیار کی ہے، وہ سر دست تنخواہ نہیں چاہتے بلکہ صرف کھانا اور سر چھپانے کا ٹھکانا اور پہننے کے کپڑے درکار ہیں۔ وہ مسجد میں مؤذن یا پیش امام یا بچوں کو کلام مجید کے معلّم کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کو تیار ہیں اگر کوئی بڑا تعلیمی ادارہ ہو تو اس میں استاد کی حیثیت سے کام کر سکتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو مسجد یا مدرسے میں رکھ لیا جاتا ہے تو مقامی لوگ بطور امتحان ان سے مسئلہ مسائل بھی معلوم کرتے ہیں اور وہ کافی وشافی جواب دیتے ہیں کچھ عرصہ بعد جب کوئی اختلافی مسئلہ آتا ہے تو لوگ ان کے معتقدین ہو جاتے ہیں اور وہ اس اختلافی مسئلے پر ان کی دو پارٹیاں بنا کر خوب اختلاف پیدا کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کو اس طرح آپس میں لڑاتے ہیں سو اس ادارے کا پہلا اصلی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو باہم لڑاؤ چنانچہ شرق اوسط میں گرجاؤں کے پادریوں کے ایک سالانہ جلسے میں Zavyar نامی پادری نے بحیثیت صدر اپنی تقریر میں یہ کہا کہ مسلمانوں سے ہم مناظرے میں نہیں جیت سکتے، اس لئے ہم نے اسے چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ انہیں آپس میں لڑاؤ۔ اس میں ہم کامیاب ہیں' لہٰذا ہمیں اس پر عمل پیرا رہنا چاہئے۔ اس مدرسے کا مقصد یہ ہے کہ حضورؐ کا درجہ جس طرح بھی ہو سکے گھٹاؤ تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو ان کی عزّت اور محبّت ہے وہ کم ہو جائے اس کے بغیر ہم مسلمانوں پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ محض مسلمانوں کے سیاسی اختلاف سے اسلام ختم نہیں ہو سکتا۔

کلکٹر کی ان باتوں پر نواب صاحب حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہے تھے۔

عیسائیوں نے اپنے اس پروگرام پر کئی پہلوؤں سے عمل کیا۔ برصغیر میں انگریزی حکومت کے زمانے میں کتاب "رنگیلا رسول" لکھائی گئی۔۔ اس کے بعد غلام احمد قادیانی کو نبی بنایا گیا۔ ان سے جو کتابیں مذہب کے متعلق

لکھوائی گئیں وہ اندرونِ خانہ اسی مسیحی ادارے کی کاوش کا نتیجہ تھیں ورنہ غلام احمد کی بذاتِ خود کیا قابلیت تھی۔ اسی طرح ایک ڈیڑھ عشرہ پہلے امریکہ میں رشاد خلیفہ نے اعلان کیا کہ اس نے کمپیوٹر کے ذریعے عدد ۱۹ کی بنا پر قرآن مجید کو اللہ کا کلام ثابت کیا ہے۔ جب لوگ اس کے معتقد ہو گئے تو اس نے قرآن میں چند آیتیں تحریف شدہ بتادیں، پھر کہا کہ میرا نام "خلیفہ" قرآن مجید میں موجود ہے اور پھر، اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ جن لوگوں کو اس میں شبہ ہوا ان کے لئے مناظرے کا دن اور تاریخ مقرر کر دی۔ اس نے جب قرآن میں چند آیتوں کی تحریف کا اعلان کیا تو لوگوں نے کمپیوٹر کے ذریعے اس کے بنائے ہوئے حسابی نقشے کی جانچ کی، جو غلط ثابت ہوا۔ مسلمان علماء، مناظرے کیلئے تیار تھے مگر مقررہ وقتِ مناظرہ سے پہلے، غلام احمد قادیانی کی طرح، اسے موت نے آدبوچا اور اس فتنے کا خاتمہ ہو گیا۔ رشاد خلیفہ کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس کا فتنہ باقی ہے اس کا ادارہ اور سینٹر اس کے رفیق حسبِ سابق کام کر رہے ہیں اس کا تحریف شدہ ترجمہ قرآن امریکہ میں عام ملتا ہے۔ (صدیقی ٹرسٹ)

اب سلمان رُشدی کی کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ کتاب چاہے سلمان رشدی نے خود لکھی وہ مگر مسالا غالباً اسی مسیحی ادارے کا تیار کردہ ہے۔ انگریزی حکومت نے بھی، اس کی جان کی حفاظت کے لئے پولیس کے دو آدمی مستقلاً اس کے ساتھ لگا رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہر طرح کے انتظامات ہیں اور اس ملعون کی حفاظت پر لاکھوں پونڈ خرچ ہو رہے ہیں، جبکہ انگلستان میں رہنے والے کئی اور افراد کو بھی موت کی دھمکی دی جاتی ہے وہ حفاظت کیلئے حکومت سے درخواست کرتے ہیں مگر ان کی حفاظت کے لئے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں چند مالدار انگلستانی سکھ باشندے، بھارتی سکھوں کے، خالصتان بنانے کے خلاف اور بھارتی حکومت کے طرفدار تھے۔ خالصتانی سکھوں نے انہیں موت کی دھمکی دی تو انہوں نے حکومت سے مدد چاہی مگر حکومت نے کوئی خاص انتظام نہ کیا اور وہ مالدار سکھ مارے گئے۔ لیکن سلمان رُشدی کے ساتھ کیا خصوصیت ہے کہ برطانوی حکومت نہ صرف اس قدر سخت حفاظتی انتظام کر رہی ہے بلکہ سیاسی طور پر ایران پر زور ڈال رہی ہے کہ امام خمینی صاحب کا فتویٰ واپس لیا جائے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ عیسائیوں کی ان سازشوں سے آگاہ رہیں اور اپنے گروہی اور فرقہ ورانہ اختلافات ختم کر دیں جو ان کی اجتماعی قوت کو نہایت کمزور کئے دیتے ہیں انہی اختلافات کا نتیجہ ہے کہ مسلمان بوسنیا، کشمیر اور فلسطین میں ہر کہیں بے کس اور مظلوم ہیں مگر عالم اسلام ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے"

بشکریہ: ماہنامہ "حیاتِ نو" بلریا گنج، بھارت

بحوالہ: اردو ڈائجسٹ لاہور نومبر ۱۹۹۲ء

ضمیمہ نمبر ۲

سلسلہ ۱۳۲۲

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے یہی لوگ نجات پانے والے ہیں.................... (آل عمران:۱۰۵)

اسلامیات کا یہودی پروفیسر

پروفیسر احمد الدّین مارہروی

صدیقی ٹرسٹ

صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک، کراچی ۷۴۸۰۰
صدیقی ٹرسٹ پوسٹ بکس 609 کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلامیات کا یہودی پروفیسر

از پروفیسر احمد الدّین مارہروی

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ برّ ِصغیر میں علی گڑھ سے بھی قبل کلکتہ یونیورسٹی نے اپنے ہاں اسلامیات کی تعلیم شروع کرنے کا اہتمام کیا اور گورنمنٹ نے اس کے معلّم کی تنخواہ پانچ ہزار ماہانہ مقرر کی۔ جب کہ بالعموم اس عہدہ کا مشاہرہ ہزار ڈیڑھ ہزار ہوا کرتا تھا۔

۱۹۳۵ء میں اٹاوہ اسلامیہ کالج کا ایک وفت جو ڈاکٹر سر ضیاء الدین، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مولوی بشیر الدین بانی اسلامیہ کالج اٹاوہ، مولوی طفیل احمد ایڈیٹر رسالہ "سود مند" اور "مصنّف" "مسلمانوں کا روشن مستقبل"، اور راقم الحروف پر مشتمل تھا۔ کلکتہ پہنچ کر ہم نے عمائدینِ شہر سے ملاقاتیں شروع کیں۔ ان میں کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر........ حسین شہید سہروردی وزیرِ اعظم پاکستان کے چچا سر حسّان سہروردی بھی تھے۔

اس وقت تک اس معلّم کا انتخاب عمل میں آ چکا تھا اور اسلامیات کی تعلیم شروع ہوئے تقریباً ایک سال ہو چکا تھا۔ میں نے جب سر حسّان سہروردی سے درخواست کی کہ مجھے اس پروفیسر سے جس کا نام مجھے ڈاکٹر زکریا معلوم تھا متعارف کرا دیں تو سب سے پہلے انہوں نے مجھے اس نام پر ٹوکا اور فرمایا وہ ڈاکٹر زکریا نہیں بلکہ زکرایاہ ہے اور نسلاً مذہبًا ایک یہودی ہے۔

اس اطلاع سے جیسی سراسیمگی میرے اوپر طاری ہوئی اس کا اندازہ موجودہ دَور کے ذہنیّت کے لوگ مشکل ہی سے کر سکیں گے۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا "ڈاکٹر صاحب! آپ نے یہ کیا غضب کیا"؟

فرمایا آپ تو یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر اور لیکچرار رہ چکے ہیں اور بخوبی واقف ہیں کہ اس پایہ کے عالم کا تقرر کس طرح عمل میں آتا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ فرانس، برطانیہ، جرمنی، مصر اور دوسرے ممالک میں اس اسامی کو مشتہر کرا کے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں پھر اس مضمون کے تین جیّد علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جس کے فیصلے پر تقرر عمل میں آتا ہے۔

اس معاملہ میں یونیورسٹی کی عاملہ نے سید سلیمان ندوی، مولانا ابو بکر صدر شعبۂ عربی علیگڑھ اور علّامہ سعد اللہ پرنسپل عربک کالج کو نامزد کیا۔ اور ان تینوں کی متفقہ رائے یہی تھی کہ تمام امیدواروں میں کوئی بھی علومِ اسلامیہ میں اس سے بڑھ کر ماہر نظر نہیں آیا۔

مجھے خود اس تقریر پر سخت صدمہ اور ندامت ہے لیکن میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اس سے ضرور ملیں تاکہ پرکھیں اور اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

چنانچہ میں انہی کی وساطت سے اس یہودی عالم تک پہنچا اور دو طویل نشستوں میں اس کی ذات، خیالات، اور تبحرِّ علمی کے نقوش ذہن پر مرتسم ہوئے وہ آج تک قائم ہیں۔

بلند قامت، سرخ وسفید رنگ، فرینچ کٹ داڑھی، چھوٹے چھوٹے قدرے گھونگریالے بال، سُتواں ناک، جس پر سنہری فریم کا نازک سا چشمہ، ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ جس پر عربی وضع کا جبّہ،...... یہ تھی اس کی پہلی تصویر جو میری نظر میں کھُب کر رہ گئی۔ ہم دونوں کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے تعظیماً کھڑے ہو کر خالص عربی لہجہ میں اور انہی کی طرح مصافحہ کیا۔ میر التعارف ہونے پر بے ساختہ اس کی زبان سے مرحبا نکلا جسے اُس نے دو مرتبہ دُہرایا اور پھر ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی مودّب بیٹھ گیا۔

ہمارے وفد کی آمد کی اطلاع اُسے اخبارات کے ذریعہ ہو چکی تھی۔ گفتگو کا آغاز اسلامیہ کالج سے ہوا۔ میں نے جب نادار طلبہ کے واسطے ایک دار الاقامہ قائم کرنے کا ذکر کیا تو بے حد متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ ہماری قوم کو بھی اس کی سخت ضرورت ہے لیکن یہ سعادت مسلمانوں ہی کو نصیب ہے کہ ہمیشہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد قومی نہیں مذہبی فریضہ سمجھ کر کرتے ہیں۔

میں نے کہا کہ ہمارے علم میں تو یہی تھا کہ یہودی دنیا کی سب سے مالدار قوم ہے تو ہنس کر کہنے لگا اس قسم کے بہت سے افسانے آپ نے پڑھے اور سُنے ہوں گے۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موسیٰؑ کی قوم میں اگر ایک نہیں ہزاروں ولی قارون بھی ہوتے تو اس سے بنی اسرائیل کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ ہمارے ہاں غریب اور امیر کا فرق دوسری قوموں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے متوسّطین کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ حالانکہ معاشرتی اعتبار سے یہی طبقہ ریڑھ کی ہڈی کہلاتا ہے۔ چند کروڑ پتی دولت کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں اور ان کا دماغ اور روپیہ دونوں ''زِدفزِد'' کے چکر میں الجھا ہوا ہے انہیں قوم کے محتاجوں کی بنیادی ضروریات سمجھنے کی فرصت نہیں ہے۔

پھر ہنس کر کہنے لگا اگر یہ صورتِ حال نہ ہوتی تو ہم میں کارل مارکس (بانی اشتراکیّت) پیدا نہ ہوتا۔

گفتگو جب اس نہج پر چل نکلی تو اس کا رُخ خود بخود خاندانی حالات کی طرف مڑ گیا......... کہنے لگا ہماری قوم عرصہً دراز سے جرمنی میں آباد ہے لیکن یہودیوں کو وہاں دوسرے نہیں بلکہ تیسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے اور ہمارے خلاف نفرت کے جذبات کچھ زیادہ ہی زور آور ہیں۔ اسکولوں میں طلبہ کا داخلہ دشوار ہوتا ہے سرکاری طور پر تو کسی قسم کی قیود عائد نہیں لیکن عملاً رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔

البتہ ایک بات دیکھنے میں آئی ہے کہ جو خوش قسمت طالب علم ان مراحل کو خوش اسلوبی سے طے کرتے ہیں وہ جرمن طلبہ کے مقابلے میں زیادہ محنتی اور ذہین ثابت ہوتے اور امتحان میں نمایاں کارکردگی حاصل کرتے ہیں۔

میرے والد موم بتیوں کے تاجر تھے ہم چار بہن بھائی تھے گذران متوسّط طور پر ہوتی تھی۔ لیکن والد کی دلی خواہش تھی کہ دونوں بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پیسہ پیدا کریں۔ اور ساتھ ہی قومی خدمت انجام دیں۔

اسکول کی زندگی میں مجھے ہمیشہ انعامات ملتے رہے لیکن جب میونخ میں داخلہ کا وقت آیا تو یونیورسٹی کا ہر دروازہ بند پایا ابا جان نے والدہ کو اس پر راضی کر لیا کہ تنگی ترشی سے گذر کر لیں گے مگر ذکر ایاہ کو حصولِ تعلیم کی غرض سے بیروت بھیج دیں گے۔

چنانچہ یہی مقام ہے جہاں سے میری موجودہ زندگی کا آغاز ہوا۔ وہاں میرے ہم جماعت، ہم صحبت، ہم مشرب بجائے عیسائیوں کے مسلمان تھے۔ ہمارے مقابلے میں اخلاقی حالت ان کی بھی گری ہوئی تھی لیکن نہ اتنی جتنی عیسائی طلباء کی وہ تو انسانیت ہی سے گزر گئے تھے۔ کوئی ظاہری اور باطنی عیب ایسا نہ تھا جو ان میں سرایت نہ کر چکا ہو۔ بر خلاف اس کے ہمارا اور اہلِ اسلام کا کھانا پینا بھی ایک تھا۔ اور عقائد کے لحاظ سے بھی ہم میں ایک گونہ ہم آہنگی تھی۔ ان میں سے بعض قرآن پڑھتے تھے جس کو میں سمجھتا تو نہ تھا لیکن اس کا لہجہ اور ترنّم کانوں کو بھلا معلوم ہوتا تھا۔

چند روز کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ معلوم تو کروں کہ ان کی کتاب میں کیا لکھا ہے۔ عربی کی کچھ شُدبُد ہو چلی تھی مگر بہت سی باتیں سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ ایک پروفیسر قریب ہی رہتے تھے ان سے جا کر پوچھ لیتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ احساس ہونے لگا کہ اس میں وہی کچھ لکھا ہے جو ہمارے صحیفۂ مقدّس میں موجود ہے بلکہ بعض امور میں قرآن زیادہ واضح اور بہتر ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک وقت دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ توراۃ کے مقابلے میں یہ کتاب فضولیات سے مبرّا ہے اسی زمانے میں اخبارات سے معلوم ہوا کہ ایک ہندوستانی مبلغ خواجہ کمال الدین اسلام پر لیکچر دینے یونیورسٹی آ رہے ہیں۔ علاوہ مسلمانوں کے میں صرف تنہا غیر مسلم تھا جو ان کا لیکچر سُننے وہاں پہنچا۔

کیونکہ عیسائی ان سے بہت خائف تھے اور چرچ کی طرف سے ممانعت کر دی گئی تھی کہ اس جلسہ میں کوئی شریک نہ ہو............

جو باتیں اس مبلّغ نے بتائیں وہ اتنی واضح تھیں کہ اُن سے انکار ناممکن تھا اور سب کا خلاصہ یہ تھا کہ حقّانیت اگر دنیا میں کہیں موجود ہے تو اس کا حامل صرف قرآن ہے۔ اس کے بعد میں نے گہری نظر سے اس کا مطالعہ شروع کر دیا اور جہاں کوئی بات تشریح طلب نظر آئی تو تفاسیر پر نظر ڈالی۔ مفسّرین نے اکثر جگہ احادیث کا حوالہ دیا تھا ان کو دیکھا مگر وہاں بد قسمتی سے ایسے تضاد نظر آئے کہ مجھے ان میں سے بعض کی اصلیّت پر شُبہ ہونے لگا۔ بہر حال مطالعہ جاری رہا۔ دو ایک مضامین بھی لکھے جن سے ناموری بھی ہوئی اور کچھ پیسہ ہاتھ آنے لگا۔

اب میں نے عربی کو بطورِ زبان سیکھنا شروع کیا، اور سچّی بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد ہی میرے اوپر قرآن کے جوہر کھلے۔ آج کل کا مسلمان تو اُسے پڑھتا ہی نہیں اور پڑھتا ہے تو سمجھتا نہیں اور سمجھ لیتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتا مگر میری اپنی رائے ہے کہ اگر دنیا اسلامی فلسفہ کو اپنا لے تو ہر قسم کے معاشی اور اقتصادی مصائب دُور ہو سکتے ہیں۔

یہ تمام گفتگو وہ یہودی اس جوش و خروش سے کر رہا تھا کہ اس میں خلوص اور عقیدت کی جھلک صاف نظر آتی تھی اور مجھے تعجّب ہو رہا تھا کہ اس کے باوجود اس نے اب تک اسلام کا دامن کیوں نہیں تھاما تھا، لیکن یہ وقت اس سوال کا نہ تھا اسی لئے میں نے اُسے کسی اور موقع کیلئے اٹھا رکھا اور بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔

اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اس دَوران والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور والدہ نے کام بند کر کے ملازمت اختیار کر لی۔ بھائی بھی کسی دھندے میں لگ گیا۔ میں اب آزاد تھا۔ کچھ عرصہ کے واسطے مصر چلا گیا۔ مکّہ مدینہ جانے کی اجازت نہ مل سکی اس لئے ان کی زیارت کا اشتیاق دل میں لئے دمشق اور بغداد گیا اور وہاں کے علماء اور فضلاء سے ملاقات کی۔

رفتہ رفتہ اسلامی فقہ پر غور کرنے کا موقع ملا تو اس سے دلچسپی پیدا ہوئی کیونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کا اختلاف یہیں آکر کھلتا ہے اور اس کا مطالعہ نہ صرف پُر از معلومات بلکہ دلچسپ بھی ہے میں نے اس پر مختلف مضامین لکھے اور بالآخر اسی فن پر جرمن زبان میں ایک مقالہ تحریر کیا جسے جرمن یونیورسٹی نے اپنے معیار پر پرکھا اور مجھے زبانی امتحان کے واسطے طلب کیا۔

انہوں نے مجھ سے جو سوالات کئے ان کی گہرائیوں تک پہنچنے کیلئے کسی چابکدست اور آزمودہ کار غوّاص کی ضرورت تھی۔ لیکن میں نے ان متعصّب عیسائیوں کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ انہٰیں مزید سوالات کی جرأت نہ ہوئی اور مجھے ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ترین ڈگری دینی پڑی۔ مگر ملازمت کے واسطے مجھے پھر نمبروں کا منہ دیکھنا پڑا۔

یہاں آئے مجھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ میرے طالب علم تو ہر طرح مطمئن ہیں لیکن بعض مذہبی متعصّب حلقوں سے میرے خلاف کچھ نہ کچھ زہر افشانی ہوتی رہتی ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ بعض مذہبی مسائل پر اس یہودی عالم کے خیالات معلوم کروں۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ اس کی نظر بار بار گھڑی کی طرف اُٹھ رہی ہے تو وعدۂ فردا لے کر اُٹھ آنے میں ہی مفر نظر آیا۔ اس نے بھی معذرت کی کلاس کا وقت ہو گیا ہے آئندہ شام کو گھر آنے کی تکلیف گوارہ کریں اور چائے کی پیالی پر بات چیت ہو تو زیادہ لطف آئے گا۔

(۲)

جوانی کا جوش تھا کون زیادہ انتظار کرتا اگلے دن پانچ بجے شام کو کوٹھی پر جا پہنچا۔ سادہ سا مکان، معمولی فرنیچر، لیکن ڈرائنگ روم ایرانی قالینوں، گاؤ تکیوں اور جھاڑ فانوس سے آراستہ مشرقی تہذیب کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔

پروفیسر سفید قمیص اور خاکی نیکر پہنے کوئی عربی رسالہ پڑھ رہا تھا ہاتھ میں جنجان تھا جس کی چسکیاں بھی لے رہا تھا۔ ملازم کوئی تھا نہیں جو میرے آنے کی اطلاع کرتا، نہ دروازے پر پردہ تھا کہ حجاب ہوتا۔ بے تکلّف اندر پہنچ گیا۔

تذبذب ہوا کہ سلام کس طرح کیا جائے آخر یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسلامی طریقے پر السّلام علیکم کہہ کر مخاطب کیا جائے۔ اس پر کچھ ایسی محویّت طاری تھی کہ میری آواز سُن کر چونک پڑا اور مرحبا مرحبا کی رَٹ لگا دی۔ مجھے بٹھا کر اندر گیا اور ایک تھالی میں چائے دانی اور فنجان لے آیا۔

گفتگو شروع ہوئی تو کہنے لگا کہ میں نے ہندوستان آکر دیکھا ہے کہ مسلمان طلبہ میں مذہبی معلومات کی بے انتہا تشنگی ہے لیکن یہاں کے علماء اس کو بجھانے میں ناکام ہیں کچھ یہی کیفیت آپ کی بھی معلوم ہوتی ہے۔

میں نے کہا میرا زاویۂ نظر قدرے مختلف ہے۔ میں تو اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے علم میں جو تضاد ہے اس کی وجوہات معلوم کروں۔ مثلاً آپ نے قرآن میں پڑھا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام سے بڑی سختی کے ساتھ کہا ہے کہ اگر سود کا کاروبار بند نہ کرو گے تو خدا اور اس کے رسول سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور آپ کی قوم مسلّم طور پر سود خوار ہے۔ اگر آپ کا اور ہمارا خدا ایک ہی ہے تو وہ دو متضاد احکام کس طرح جاری کر سکتا ہے۔ ایک عام یہودی تو ہمارے خدا، رسول اور قرآن کو تسلیم نہیں کرتا مگر آپ تو قرآن کی حقانیّت کے قائل ہیں۔ پھر آپ اس گتھی کو کس طرح سلجھائیں گے؟

کوئی اور عالم ہوتا تو میرے اس اعتراض پر ناراض نہیں تو جز بجز ضرور ہوتا مگر کیا مجال جو اس کی پیشانی پر شکن تک آئی ہو۔ مسکرا کر کہنے لگا آپ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کے ہاں سود حلال ہے تو معاف کیجئے گا خود آپ کی قوم میں کتنے مالدار ایسے ہیں جو سود در سود لیتے ہیں۔ اور اس پر غضب یہ کہ اپنے خدا کو دھوکا دینے کے واسطے اس کا نام بدل کر منافع رکھ چھوڑا ہے کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ ہم نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے اور منافع کو حلال گردانا ہے۔

آپ کا قرآن ہی کہتا ہے کہ جب یہودیوں نے بہت سے معاملوں میں اس قسم کی دھوکہ بازی سے کام لیا تو اس گروہ کو بندر بنا دیا گیا........ اب آپ ہی بتائیے کہ آپ کی مثال اُس شخص کی سی نہیں جو شیشے کے گھر میں بیٹھ کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا اور دوسروں پر حجّت بازی کرتا ہے۔ میں نے یہاں آکر چھان بین کی تو یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ آپ کے نام نہاد علماء تک اپنی دولت میں اضافے کے واسطے نہ صرف سود لیتے ہیں بلکہ اس خیال سے کہ قوم میں نکّو نہ بن جائیں اس خود ساختہ منافع کو جائز اور حلال بتانے کے واسطے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارا جو وفد کلکتہ آیا ہوا تھا اس میں مولوی طفیل احمد صاحب بھی شامل تھے جنہوں نے سود کے جواز میں ایک رسالہ "سود مند" جاری کر رکھا تھا۔ جو مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرتا تھا کہ اپنی معاشری حالت درست کرنے کیلئے سود یا منافع کی ایک ایک کوڑی وصول کریں۔ میری خوش قسمتی تھی کہ اُسے اس کا علم نہ تھا ورنہ الٹی آنتیں گلے پڑ جاتیں۔

اپنی بات کو زیادہ مؤثر بنانے کیلئے وہ یہودی اپنی کبر و فطانت سے دُور کی کوڑی لایا۔ ہماری بے راہ روی کی مثال پیش کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ لوگوں کے پاس جیتی جاگتی زندہ کتاب موجود ہے۔ لیکن آپ جب صرف تیرہ سو برس میں اس مخالفت سمت چلنے لگے جس کی نشاندہی آپ ہی کے بقول قرآن یہودیوں کے بارے میں کر رہا ہے تو ہم نے جو ہزارہا سال کی خود فراموشی اور ربیّون (یہودی علماء) کی کجروی اور گمراہی کے باعث جو روش اختیار کی اس میں تعجّب کی کونسی بات ہے؟

اگر آپ اُس اسلام کو دیکھیں جس کی قرآن تعلیم دیتا ہے اور پھر اپنی قوم پر گہری نہیں اچٹتی ہوئی نظر ڈالیں تو آپ بھی میری طرح اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودیوں کی اخلاقی حالت اتنی گری ہوئی نہیں تھی جتنی معاف کیجئے آج آپ کی ہے۔

میں ایک معمولی سی مثال پیش کرتا ہوں قرآن میں ایک سورۃ الحجرات ہے جس میں بعض معاشرتی خرابیوں کو نمایاں کر کے ان کے متعلّق بڑے سخت احکامات صادر فرمائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی بُرائی نہ کرو اور اس خرابی کو زیادہ نمایاں کرنے کے واسطے کہا گیا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تم مُردہ بھائی کا گوشت کھاؤ۔

لیکن میرے پاس جو لوگ آتے ہیں ان میں شاذ ہی کوئی ایسا ہوتا ہو گا جو کسی کی غیبت نہ کرے اور یہ تو آپ کو بھی علم ہو گا کہ آپ کے نام نہاد علماء اس صفت میں کتنے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

میں گیا تو اس خیال سے تھا کہ اس سے کہوں گا کہ جب تم اسلام کی حقّانیت کے اس درجہ قائل ہو تو آج تک جامۂ یہودیّت کیوں پہنے ہوئے ہو اُسے اُتارو اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن کچھ عجیب اتفاق ہوا کہ اس نے میرے کہے بغیر ہی اس مسئلہ کو چھیڑ دیا۔

کہنے لگا کہ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے ؟ میں کہتا ہوں کیا فائدہ، جارج برناڈشا میری طرف سے جواب دے چکا کہ جب میں اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں تو دل بے اختیار چاہتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤں لیکن جب خود مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو طبیعت برگشتہ ہو جاتی ہے۔

موسوی اور محمدی شریعتیں ایک ہی خدائے واحد کی وضع کردہ ہیں جن میں جُزوی اختلاف ہوں مگر اصول دونوں کے یکساں ہیں۔ اگر دونوں اپنی اصل پر قائم رہتے تو جو اختلافات آج نظر آرہے ہیں اتنے نمایاں نہ ہوتے۔

میں نے اکثر مذاہب بالخصوص عیسائیّت کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام اور حقیقی یہودیّت میں جتنی مماثلت پائی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی دو مذاہب میں نہیں ملتی۔ لیکن معاف کیجئے گا اس وقت خدا کے ترازو میں ہم دونوں ہم پلّہ ہیں اور دونوں ہی اصل سے بہت دُور جارہے ہیں اس لئے میرے نزدیک مذہب کی تبدیلی کے معنی ہوں گے کہ کیچڑ سے نکل کر دلدل میں پھنس جاؤں۔

اُس وقت تو یہ فقرہ میرے ذہن میں نہیں کھٹکا تھا لیکن بعد میں جب غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس کی یہودی ذہنیّت اپنے مذہب کے مقابلے میں خواہ وہ کتنا ہی کثیف ہو اسلام کو حقیر اور کم درجہ سمجھتی ہے کیچڑ سے انسان نکل سکتا ہے لیکن دلدل میں پھنس کر کہیں کا نہیں رہتا اور بالآخر غرق ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اُس نے بڑی تفصیل سے وہ امور گنوانا شروع کئے جو دونوں مذاہب میں مشترک ہیں۔

مثلاً بڑے فخریہ طور پر بتایا کہ ذبیحہ اور ختنہ صرف ہمارے ہی مذاہب میں آج تک رائج ہیں اسلامی کتب کے تصوّر اور تقدیس کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن ہماری قوم بعض ایسی خصوصیّات کی حامل ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ۔ مثلاً حضرت اسحٰق علیہ السلام کے زمانے میں جن کے فرزند حضرت یعقوب یا اسرائیل تھے جن سے ہم اپنے کو منسوب کرتے ہیں یہ نسل خدا تعالیٰ کی منظورِ نظر رہی۔ اس میں بگاڑ بھی پیدا ہوئے بغاوتیں بھی ہوئیں۔ دشمنوں نے ہمارے مقدّس مقامات کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہم نے مصر اور بابل میں غلامی کا بدترین دَور بھی دیکھا لیکن ہر بار بارگاہِ ایزدی سے ہم کو مدد دی گئی۔ اور رہنے کے واسطے ایسا سرسبز و شاداب وطن عطا ہوا جس کی قرآن تک تعریف کرتا ہے۔

ہدایت کے واسطے پے در پے صاحبِ معجزہ پیغمبر مبعوث ہوئے کتابیں اور صحیفے بھی نازل ہوتے رہے گمشدہ تورات دوبارہ عطا کی گئی اور ہمارے پیغمبر حضرت سلیمانؑ کی بنائی ہوئی مسجد کو وہ عظمت عطا ہوئی کہ اہلِ اسلام بھی ابتداءً اُسے اپنا قبلہ تسلیم کرتے رہے۔

اس کے مقابلے میں اسلام کے عرب کو دیکھئے تو بنجر ملک میں ایک بُت خانہ بنا ہوا تھا اور پیغمبروں کی تعداد کو دیکھئے تو صرف دو"۔

میں حضور پُر نورؐ کی تعریف میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ میرے مافی الضمیر کو سمجھ گیا اور کہنے لگا میں حضور کی عظمت کا دل و جان سے قائل ہوں اور اس حد تک معتقد ہوں کہ اگر آپ ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوتے تو میں آج بجائے ڈاکٹر زکر ایاہ کے محمد احمد ہوتا۔ آپ کے یہ دونوں نام معنویّت کے لحاظ سے مجھے بے حد پسند ہیں اور صرف یہی نہیں میں آپ کو اسمِ با مسمّٰی سمجھتا ہوں۔ آپ میں وہ تمام صفات یکجا تھیں جن کے مجتمع ہونے سے ایک انسان کامل فرشتہ بن جاتا ہے۔

آپ ان کی مدح میں شعر گاتے ہیں ان کی اتباع میں داڑھیاں رکھتے ہیں اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے ہیں لیکن ان کے اخلاق، مروّت، ہمدردی، رواداری اور ایثار جیسی اصلی صفات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

آپ کی عبادتیں اگر مخلصانہ بھی ہوں تو وہ اپنی ذات تک محدود ہیں۔ آپ کے علماء قومی اور اجتماعی زندگی سے علیحدہ ہو کر منبر و محراب کی زینت بنے بیٹھے ہیں اور کھوکھلے وعظ کہتے ہیں۔ رہ گئے عوام تو ان کے ہاں مذہب صرف رسوم کا نام رہ گیا ہے اس پر مجھے علامہ اقبال کا وہ شعر یاد آیا۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے

خود اسکے علمی خزانے میں بھی اس قسم کا ایک انمول موتی چھپا ہوا تھا۔ الماری میں سے ایک کتاب اُٹھالایا جس کا نام اس کی پشت پر "MUSLIMS ON CROSS ROAD" چھپا تھا۔ ایک جگہ نشانی رکھی تھی وہ صفحہ کھول کر اس نے حافظ شیرازی کا یہ شعر پڑھا۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ وارد
وائے گر در پسِ امروز بود فردائے

(اگر مسلمانی اسی کا نام ہے جس کا حافظ دعویدار ہے تو اس آج کی اگر کل ہوئی تو اس پر افسوس ہی کرنا ہوگا۔)

ہم دونوں ہی کو احساس ہو رہا تھا کہ اس گفتگو سے بجز تلخی اور ناگواری کے کچھ حاصل نہ ہوگا اس لئے میں نے اس کا رُخ یہودیّت سے عیسائیّت کی طرف پھیرا۔ اس نے بھی پہلو بدلا اور ایک خوش آئند مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا:

یہ موضوع بہت دلچسپ ہے۔ ان غریبوں کا تو سچ پوچھئے کوئی الو ہی مذہب ہی نہیں۔ ہم تو خیر عیسیٰ علیہ السلام کو صرف پیغمبر ہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ ان کے آنے سے قوم میں کچھ رخنہ اندازی ہی واقع ہوئی، خود عیسائیوں سے بھی اس کا جواب نہیں بن پڑتا کہ حضرت آدمؑ جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے وہ خدا کے بیٹے نہ بن سکے اور

یوسف نجّار اور مریم کے صاحبزادے کس طرح فرزندِ خداوند بن گئے؟ کس نے انہیں بنایا اس کی سند کہاں ہے پھر اس بیٹے کو ہماری قوم نے سولی پر چڑھادیا اور مقتدر باپ نے انگلی تک نہ ہلائی۔

قرآن نے ان کے متعلّق جو کچھ بتایا ہے وہ تو سمجھ میں آتا ہے اور اس سے ان کی شان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے لیکن عیسائیوں کی منطق تو پادریوں کی عقل سے بھی ماوراہے۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ انجیل جسے قرآن آسمانی حجّت تسلیم کرتا ہے صفحہ ہستی سے ایسی غائب ہو گئی کہ اس کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔

اب جو چار کتابیں ہیں ان کی حیثیّت آپ کی صحاح ستّہ سے کچھ زیادہ نہیں کہ یسوع نے یہ کیا اور یہ کیا۔ جب سوال کیجئے کہ خدا نے کیا کہا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ خدا تو ان کے منہ سے بولتا ہے۔ (جس طرح مسلمان کہتے ہیں کہ رسول کی ہر بات وحی ہوتی ہے۔ صدیق)

مگر ہم اس کے مقابلے میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ وہ بجائے ایک منہ کے چار منہ سے کیوں بولتا ہے؟ اب ان کا مذہب صرف حدیثِ مسیح تک محدود ہے اور معاف کیجئے گا آج آپ بھی اس معاملے میں انہی کے پیروکار ہیں۔ آپ نے قرآن کو چوم چاٹ کر اور برکت کی نشانی بنا کر طاق پر رکھ دیا ہے اور حدیث کو جو ترجیح دی ہے وہ انہی کی تقلید نظر آتی ہے۔

آپ کے علماء کے ہاں قرآن کی حیثیّت کیا ہے اور اس کے مقابلے میں بخاری شریف کو کتنی فضیلت اور اہمیّت حاصل ہے۔ جس طرح ہمارے ربّی (علماء) عوام کو توراۃ کے احکام سے دُور رکھنا چاہتے ہیں اسی طرح آپ کے مولوی صاحبان نے بھی آپ کو اصل شاہراہ سے ہٹا کر لُوپ لائن کی طرح موڑ دیا ہے اور آپ اسی کو شاخِ نبات سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے ہاں اس رمز کو سمجھنے والے پہلے شاہ ولی اللہ گذرے ہیں...... جنہوں نے اپنے مدرسے میں قرآن کی تعلیم شروع کی اور اِس دَور میں مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔

لیکن بظاہر دونوں کی آوازیں صدا بہ صحرا ثابت ہو رہی ہیں کیونکہ عوام پر مولویوں کی گرفت زیادہ اور مضبوط نظر آتی ہے ایک بات البتہ یقینی ہے کہ اگر دنیا پر کوئی وقت پڑا کہ اُسے خدائی مذہب کے زیرِ سایہ ہی فلاح و بہبود نظر آئی تو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے پاس آسمانی کتابیں موجود ہیں اور وہ ان کی طرف واپس آسکتے ہیں۔ لیکن یہ قوم تو اپنا بیڑا اپنے ہاتھوں غرق کر چکی ہے ان کا عقیدہ کہ مسیح نے مصلوب ہو کر ان کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں انہیں خدا پرستی کی طرف لے جا ہی نہیں سکتا۔

اس کے بعد میں نے حدیث کی اہمیّت کا ذکر چھیڑا تو اس نے نہایت فراخدلی سے اعتراف کیا کہ یہ مسلمانوں کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور اس کی دوسری مثال صفحہ ہستی پر موجود نہیں محدثین کی محنت اور کاوش کی داد نہ دینا بہت بڑا بخل ہے لیکن میں ساتھ ہی یہ بھی کہوں گا آپ نے اس کو ضرورت سے زیادہ اونچی جگہ دی ہے اور لوگ اُسے قرآن سے بھی زیادہ افضل سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ اس میں ایسے اختلافات بھی موجود ہیں کہ ایک ہی صحابی سے ایک موضوع پر متضاد حدیثیں مروی ہیں اور اس تضاد کے باوجود آپ انہیں ناقابلِ استرداد گردانتے ہیں۔

پھر آپ نے محدّثین کے درجے مقرر کر رکھے ہیں اس کے علاوہ فرقوں، فرقوں کی حدیثیں جداگانہ ہیں جن میں بیّن فرق نظر آتا ہے اس کی وجہ میری سمجھ میں تو یہی آتی ہے کہ آپ نے قرآن کا دامن چھوڑ کر رسول کی محبت میں خالق و مخلوق کے فرق کو بُھلا دیا اور حدیث کو قرآن کے مقابلے میں زیادہ اہمیّت دے دی حالانکہ حدیث دراصل قرآن کی تفسیر ہے جبکہ علم وہدایت کا سرچشمہ تو بہر حال قرآن ہے۔

دورانِ گفتگو ہم میں سے کسی کو بھی وقت کا احساس باقی نہ رہا تھا حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا اور کسی دُور کی مسجد سے اذان کی صدا بلند ہونے لگی یہودی عالم نے میری طرف کچھ ترچھی نگاہوں سے دیکھا اور دریافت کیا کہ کیا آپ نماز پڑھتے ہیں؟ اثبات میں جواب سُن کر پہلے تو وہ غسل خانہ میں گیا، پانی کا جگ پہلے تین مرتبہ اچھی طرح دھویا اور کہنے لگا اب یہ آپ کی شریعت کے مطابق بالکل مطہر ہے باطمینان وضو فرمایئے، سلیپر پہن کر باہر تشریف لایئے اور فریضۂ مغرب ادا کیجئے۔

باہر نکلا تو قبلہ رُخ ستیل پائی (جاپانی جائے نماز) بچھی ہوئی تھی۔ بولا کئی ماہ ہوئے اس خیال سے خریدی تھی کہ آپ میں سے جو لوگ میری ملاقات کو آئیں وہ اس پر صلوٰۃ پڑھیں لیکن آپ پہلے شخص ہیں جو اسے استعمال کر رہے ہیں۔

میں نماز پڑھتا رہا اور وہ بدستور اپنے رسالے میں منہمک رہا۔ فارغ ہوا تو کہنے لگا میں نے نماز کے فلسفہ پر بہت غور کیا ہے اور اس پر ایک جرمن رسالے میں مضمون بھی لکھا ہے۔ اس میں اخلاقی، جسمانی اور طبّی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

لیکن اس کا اعلیٰ ترین پہلو وہ دماغی یکسوئی ہے جو انسان کو اپنے خالق سے منسلک کر دیتی ہے۔ ہندوؤں سادھوؤں کا گیان اور عیسائی تارکانِ دنیا کی ریاضت اور صوفیائے اسلام کا مراقبہ اس کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ رہ گئی رسمِ صلوٰۃ تو اُسے آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

وقت بہت ہو گیا تھا لیکن ابھی اسلامی فقہ پر اس کے خیالات معلوم کرنا باقی تھے جس پر اس نے بڑی تحقیق کر کے ڈگری حاصل کی تھی۔ میرے سوال پر اس نے کہا میری دانست میں اگر دنیا سے تمام علوم ناپید ہو جائیں اور صرف اسلامی فقہ باقی رہ جائے تو انسانی زندگی کو ہمہ گیر، باقاعدہ اور خوش آئند بنانے کیلئے صرف، یہی نسخہ کافی ہے۔ اس کے بعد اُسے کہیں اور جانے اور نئے علوم کے ذخائر تلاش کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہو گی۔

کیا کچھ محنت ان بزرگوں نے کی ہے کتنی دماغ سوزی اور موشگافی سے کام لیا ہے زندگی کے کسی شعبہ کو بھی تو نہیں چھوڑا اور ہر چیز کو پانی کر کے رکھ دیا۔ ہمارے ہاں بھی یہودی فقہ ہے لیکن اس میں جانبداری ہے، تصنّع ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اس میں ریاکاری کو بھی دخل ہے لیکن آپ کے ہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں۔ رہ گئے عیسائی تو ان کے ہاں فقہ جیسی کوئی شئے شروع سے ہے ہی نہیں اور جو ہے بھی وہ عوام کے لئے ناقابلِ عمل ہے۔

میں نے ائمہ فقہ کے باہمی اختلافات کا ذکر کیا تو کہنے لگا: انسانی دماغ کی صلاحیتیں اتھاہ ہیں اور ان میں اتنا تنوّع ہے کہ دو حقیقی بھائی جو ایک ہی ماحول میں پرورش پاتے ہیں اور ایک ہی بیج کی پیدائش ہوتے بالعموم ہم خیال نہیں ہوتے

۔ان سب نے اپنی صوابدید کے مطابق قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام مسائل کا تجزیہ کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ کسی نے اتّقا کو مقدّم رکھ کر کچھ سختی سے کام لیا اور کسی نے "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کے تحت مذہب کو سہل الحصول بنانے کی خاطر کچھ نرمی برتی۔

میرا رجحان امامِ شافعیؒ کی طرف ہے لیکن بعض معاملات میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد ابو یوسفؒ کے فتاوٰے زیادہ قابلِ قبول نظر آتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ یہ فن ایک زمانے تک پہنچ کر ختم ہو گیا۔ وقت کے ساتھ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے جاتے ہیں اجتہاد کی جگہ جگہ ضرورت پڑتی ہے لیکن اب کوئی ویسا جیّد عالم سامنے نہیں آتا جو ان کا حل تلاش کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دے۔ پہلے خود سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے۔

آخر میں کہنے لگا معاف کیجئے میں نے آپ کی کافی سمع خراشی کی بعض تلخ اور ناگوار باتیں بھی کیں صرف اس واسطے کہ آپ جویائے علم بن کر میرے پاس تشریف لائے۔ اس طرح کا جب کوئی تشنۂ علم میرے پاس آتا ہے تو میں انتہائی کوشش کرتا ہوں کہ میری تشنگی دور ہو جائے اور دماغی الجھنیں یکسر دُور نہ ہو سکیں تو کم از کم ان کو سلجھانے کا طریقہ سمجھ میں آجائے۔ آپ مجھ سے آئندہ بھی مل سکتے ہیں۔

افسوس کہ پھر اس کا موقع ہاتھ نہ آسکا لیکن اس ملاقات کے بعد یہ خلجان مجھے ہمیشہ ستاتا رہا کہ یہ یہودی پروفیسر اپنے طلباء کو کس قسم کی تعلیم دیتا ہو گا اور وہ کس ذہنیت کے مسلمان بن کر یونیورسٹی سے نکلتے ہوں گے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠

سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو (ال عمران)

ضمیمہ نمبر ۳

تبلیغی سلسلہ نمبر ا

ہم یہی ڈھونڈتے پھرتے ہیں زمانے بھر میں
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کرتے کیا ہیں

صحابہ رسولؐ کی افسانوی جنگیں

قرآن مجید کی روشنی میں

ملنے کا پتہ

(ا)۔ تبلیغی مرکز ریلوے روڈ لاہور پاکستان

(۲)۔ ڈاکٹر حمیس الدین "شفاءُ لِلنّاس" لِنک روڈ، چوک شالیمار لاہور

سفید فام اقوام کی

مادی ترقی سے مضطرب ہو کر پوچھتے ہو کہ :۔ مسلمان خلائی جہاز، ایٹم بم، راکٹ ٹیلی ویژن وغیرہ وغیرہ کیوں نہیں بنا سکے اور قرآن پاک کا دعویٰ ہے کہ اس میں کائنات کی ہر ایک شے کا بیان ہے تو گیس، ایٹم بم، میزائل، فضائی پروازیں ٹیلی ویژن اور چاند کی آبادی وغیرہ وغیرہ کا ذکر قرآن کریم میں کہاں لکھا ہے۔

دوستو! تم نے قرآن حکیم میں غور و تدبر کیا ہی نہیں۔ دنیاوی قانون اور علوم و فنون حاصل کرنے کیلئے آپ اپنا قیمتی وقت صرف کریں گے مگر کلامِ الٰہی پر غور و تدبر کیلئے آپ کو فرصت نہیں ملتی۔ اگر کبھی خیال آیا تو غلط روایت کے بموجب تبرکاً بطور ثواب نظر ڈال لی بس اللہ اللہ خیر سلّا اور اگر رب العزت کے حکم کے مطابق قرآن کو سمجھنے کی کوشش بھی کی تو مفسرین کے لکھے ہوئے قصّے کہانیوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔

عزیزو! قرآن مبین میں آپ کے سوال کا جواب موجود ہے کلام مجید شمع ہدایت اُردو جلد لے کر مطالعہ فرمائیں ۔ دلچسپ اور معلومات افزا پاؤ گے۔ قرآن کے سمجھنے اور غور و تدبر کرنے سے دنیا اور آخرت کے فوائد اور صحیح معنوں میں ثوابِ دارین بھی حاصل ہو گا۔

الداعی الی الخیر۔ ۱۴ صفر ۱۳۸۷ھ

ڈاکٹر حمیس الدّین شفاءُللناس' لنک روڈ چوک شالیمار لاہور

(لاہور آرٹ پریس لاہور)

صحابہ رسول کی شان بزبان قرآن

کسی شخصیت کے متعلق حسنِ ظن یا سُوءِ ظن رکھنا ہمارے ذاتی خیال پر منحصر ہے جس میں اختلاف کا امکان ہے لیکن جن ہستیوں کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی کا اعلان کر دے۔ ان کے متعلق ہمارا ذاتی خیال کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ذیل میں شمعِ رسالت کے جانباز پروانوں کی تعریف مقام اور مدارج بزبانِ قرآن ملاحظہ فرمائیں

۱۔ سورہ انفال ۸: ۷۴ میں ارشاد باری ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .... لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی سب پکے اور سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے خدا کے ہاں مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ (گویا مہاجر و انصار صحابہ کرام سب پکّے اور سچے مومن تھے اور حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت کی سند عطا کر دی)

۲۔ سورہ توبہ ۹: ۱۰۰ میں ارشاد باری ہے:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ .... رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ .... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

یعنی مہاجر و انصار (صحابہ کرام) میں سے وہ جنہوں نے اسلام قبول کرنے اور ہجرت کرنے میں سبقت کی اور وہ جنہوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کا اتباع کیا ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو گئے ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے جنت کے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت جلیلہ میں بھی مہاجر و انصار اور جو اسی انداز سے بعد میں ان میں آ شامل ہوئے سب کے لئے جنت کی بشارت ہے۔

(۳)۔ پھر سورہ انفال ۸: ۷۵ میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ط

یعنی جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور گھر بار چھوڑ آئے اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کئے وہ تمہیں میں سے ہیں۔

(۴)۔ پھر سورۂ فتح ۴۸: ۲۹ میں تو ان صحابہ کرام کی توصیف و تعریف تو بڑے والہانہ انداز میں آئی ہے جو صلح حدیبیہ کے وقت رسول اللہ کی معیّت میں تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

یعنی محمد رسول اللہ اور اس کے ساتھی کفار پر تو بڑے سخت گیر ہیں لیکن آپس میں رحیم و کریم ہیں۔

(۵)۔ اور جو حضرات فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور صحابیت میں داخل ہوئے ان کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان کے مدارج (خدمات اسلام کے اعتبار سے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ...... کے برابر تو نہیں ہو سکتے لیکن ان کے متعلق

بھی اس امر کی وضاحت کر دی کہ:۔

وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ (الحدید ۵۷: ۱۰)

یعنی ان سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نہایت اچھا وعدہ کر رکھا ہے۔

(۶)۔ اور پھر سورہ انفال ۸ : ۶۴ میں ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

یعنی اے نبی: آپ کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اور آپ کے پیروکار مومنین کی جماعت (گویا رسول اللہ کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کے علاوہ جماعت مومنین کی جان نثاری سرفروشی اور مسلسل جدو جہد کافی ہے۔

(۷)۔ سورۂ مومنین ۲۳: ۱۰ میں صحابہؓ کرام کے نیک اعمال اور عظیم خدمات اسلام کے عوض صلے کا اعلان بھی کر دیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

کہ یہ جماعت وارث جنت ہے۔ (۸:۴، ۸:۷۴)

ان تصریحات سے واضح ہے کہ جملہ صحابہؓ کرام مومن حقّہ تھے۔(۸: ۴، ۸: ۷۴) رسول اللہ کے مشن کو کامیاب بنانے والے قابلِ اعتماد سپاہی تھے۔ اپنی مخلصانہ اور سرفروشانہ سرگرمیوں کی وجہ سے جنت کے وارث تھے۔ لہٰذا ان سے زندگی بھر اس قسم کا کوئی کام سرزد ہو ہی نہیں سکتا تھا جو قرآن کے خلاف' ایمان کے منافی یا اہل جنت کے شایانِ شان نہ ہو۔ صحابہ کرام کے متعلق حق تعالیٰ کی شہادت کے مقابلے میں کسی انسان کی شہادت (ہمارے ایمان کے مطابق) کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ ایسا کبھی ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ کی زندگی تک تو صحابہ کرام واقعی ایسے تھے لیکن بعد میں (معاذ اللہ) ایسے نہیں رہے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت کی شہادت اور جنت کی بشارت دے دی تو ظاہر ہے وہ اپنی پوری زندگی میں ایسے ہی رہے ہوں گے ورنہ اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت وبشارت بے معنی ہو جاتی ہے (استغفر اللہ) اس الٰہی فیصلے کے مقابلے میں کسی انسان کا فیصلہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں کیونکہ انسان بہر حال غلط اندیش، غلط کار، کوتاہ نظر اور عاجز ہے۔

صحابہ کرام کے درمیان افسانوی جنگیں

قرآن کی سورۂ نساء ۴: ۹۲ میں ارشاد باری ہے کہ:۔

(مفہوم) کوئی مومن کسی اور مومن کو قتل نہ کرے اور اگر کسی سے سہواً ایسا ہو جائے تو ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو قصاص بھی ادا کرے۔ پھر اگر ان دونوں باتوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینے کے متواتر روزے رکھے، یہ اللہ کی طرف سے جرم کی توبہ کے لئے مقرر کی گئی سزا ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا ہر حکم اور ہر فیصلہ علم و حکمت کی بنیاد پر قائم ہے۔

(ب)۔ اس سے اگلی آیت مجیدہ (۴: ۹۳) میں ارشاد ہے:۔

(مفہوم)۔ اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے۔ اس کی سزا جہنم ہے اسے اس میں ہمیشہ رہنا ہو گا۔

اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کے لئے رحمتِ باری سے دوری ہے اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(ج)۔ ہماری نام نہاد اسلامی تاریخ (جسے اہلِ تحقیق قصاب کی دُکان سے تعبیر کرتے ہیں) یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد اصحابِ رسول کی تلواریں باہم ایک دوسرے کے مقابلے پر بے نیام ہوئیں اور (معاذ اللہ) (استغفر اللہ) صحابہ کرام نے دوسرے صحابہ کرام کو قتل کیا۔ حالانکہ سورہ توبہ ۹: ۱۰۰ میں ان ہی اصحابِ رسول کو رضی اللہ عنہم اور ابدی جنت مکان ہونے کی خبر پہلے دے دی گئی ہے۔

(مفہوم)۔ اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت اور پہل کرنے والے بھی اور وہ بھی جنہوں نے ہجرت اور نصرت میں ان کی حسن کارانہ انداز سے پیروی کی (یعنی پہلے اور پچھلے، مہاجر و انصار) سب پر اللہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ کی رضاجیت گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں ایسے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے، جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جو انہیں کبھی خشک نہیں ہونے دیں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

گویا قرآن کی سورت ۹: ۱۰۰ کے مقابلے میں تاریخ اسلام یہ کہتی ہے کہ وہ مقدس نفوس قتلِ عمد کے مرتکب ہو کر سورہ نساء ۴: ۹۳ کے مصداق ہوئے۔ ذیل کی مثالیں قابل غور ہیں۔

جنگ جمل:۔

نامِ نہاد تاریخ نے جنگِ جمل کے نام سے مسلمانوں کی باہمی جنگ کا شاخسانہ کھڑا کر کے یہ بتایا ہے کہ اس خونریز لڑائی میں ایک طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صف آرا تھیں اور دوسری طرف دامادِ رسول حضرت علی نبرد آزما تھے اور دونوں طرف کی فوجیں جنت مکانی اصحابِ رسول پر مشتمل تھیں۔ اس ماں بیٹے کی لڑائی میں جو اسلام کی پہلی خانہ جنگی کہلاتی ہے دونوں لشکروں کے دس ہزار سپاہی کام آئے۔ یعنی رسول اللہ کے دس ہزار صحابہ خود صحابہ رسول کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ (معاذ اللہ)

جنگ صفین:۔

اسی طرح جنگ صفین کے نام سے ایک ایسی خونریز جنگ کی خبر تراشی گئی ہے جس میں ایک طرف حضرت علی اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ تھے اور دونوں حضرات جیّد اصحابِ رسول تھے۔ اس جنگ میں ۲۵ ہزار سپاہی حضرت علیؓ کے اور ۴۵ ہزار سپاہی حضرت معاویہؓ کے مارے گئے (یعنی ۷۰ ہزار صحابہ رسول خود صحابہ رسول کے ہاتھوں قتل ہوئے) ہزاروں عورتیں بیوہ' بچے یتیم اور سینکڑوں گھرانے بے نشان ہو گئے۔ کچھ سوچا آپ نے؟ کہ یہ ایک دوسرے کے قاتل وہی اصحابِ رسول ہیں جن کو سورہ توبہ ۹: ۱۰۰ میں اللہ کی طرف سے یہ سرٹیفکیٹ مل چکا ہے کہ:۔

(۱)۔ یہ سب کے سب رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ تھے۔

(۲)۔ ان کے لئے اللہ نے خشک نہ ہونے والے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے۔

(۳)۔ اور وہ ان باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

(۴)۔ اور سورہ فتح ۴۸: ۲۰۰ کے مطابق وہ آپس میں محبت و رحم کرنے والے مگر دشمن کفار کیلئے شدید طور پر سخت ہیں۔

بقول اس نام نہاد فرضی تاریخ

اگر بفرض محال چند منٹوں کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ جنگ جمل ام المومنین اور حضرت علیؓ (ماں بیٹے) کے درمیان محض غلط فہمی سے چھڑ گئی تھی۔ تو پھر فریقین نے فوجیں کس غرض کے لئے جمع کی تھیں؟ اور پھر یہ فوجیں مرکز اسلام مدینہ سے سینکڑوں میل دُور بصرہ لے جانے کی غرض کیا تھی۔

۱۔ اگر جنگ جمل محض غلط فہمی کی بنا پر ہوئی تھی اور اس لڑائی میں دس ہزار مومنین غلطی سے قتل ہو گئے تو قرآنی حکم ۴: ۹۲ کے مطابق ام المومنینؓ حضرت علیؓ۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے طرف دار مومنین پر فرض تھا کہ وہ:۔

ا۔ ہر مقتول مومن کے بدلے ایک ایک مومن غلام آزاد کرتے۔

ب۔ تمام مقتولین کے وارثوں کو (قصاص) خون بہا ادا کرتے۔

ج۔ ان دونوں چیزوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں الگ الگ ساٹھ ساٹھ روزے رکھتے اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس نام نہاد جنگ جمل کے فریقین قرآن کریم کے تابع ثابت ہوتے ہیں یا منکر؟

۲۔ لیکن جنگِ صفین کے متعلق تو یہ خود تراشیدہ تاریخ ۷۰ ہزار مسلمانوں کے بالارادہ قتل کی تصدیق کرتی ہے۔ سیّد عبد القادر ایم اے تاریخ اسلام حصہ اوّل کے صفحہ ۳۰۷ پر لکھتے ہیں:۔

یکم صفر ۳۷ھ کو باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ چند روز فوجی دستوں کے خفیف مقابلے ہوتے رہے۔ آخر ۱۱۔ صفر کو حضرت علیؓ نے اس کشمکش کا خاتمہ کرنے کے لئے عام حملے کا حکم دیا۔ اور فریقین میں معرکہ آرائی کا آغاز ہوا.................
اس میں ۴۵ ہزار سپاہی شامی لشکر کے اور ۲۵ ہزار کوفی لشکر کے مارے گئے"۔

گویا تاریخ کے الفاظ میں یہ ۷۰ ہزار مسلمانوں کا قتلِ عظیم کسی غلط فہمی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ فریقین نے فریقین ہی کے ۷۰ ہزار مسلمانوں کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ اب اس تاریخی قتلِ عام کا سورہ نساء ۴: ۹۳ سے موازنہ کیجئے۔ جس میں کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے کی سزا.................. قیامت کا ابدی جہنم.................. اللہ کا غضب.................. اس کی رحمت سے دُوری.............. اور عذابِ عظیم مقرر ہے۔

تاریخ کی رُو سے صحابہ رسول نے جنگ جمل میں دس ہزار اور جنگ صفین میں سترّ ہزار حافظِ قرآن صحابہ رسول کو قتل کیا تھا اگر ان اسّی ہزار مسلمانوں کا قتل عمداً ہوا تھا تو قاتل صحابہ جن میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی جو اپنی اپنی فوجوں کے سربراہ تھے (معاذ اللہ۔ استغفر اللہ) سورہ نساء کی آیت ۴: ۹۳ کی وعید کی زد میں آجاتے ہیں۔

قرآنِ کریم کی روشنی میں'

جنگِ جمل کے دس ہزار مسلمانوں کے قتلِ سہو اور جنگِ صفین کے ستر ہزار مسلمانوں کے قتلِ عمد کے تاریخی بیانات عقل کے ترازو پر ہرگز تل نہیں سکتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف منسوب کردہ یہ باہمی جنگیں

ان پر بہتانِ محض ہیں۔ کیونکہ تاریخ کے حوالوں سے ہم جن صحابہ رسول کو یہاں ایک دوسرے کا قاتل پاتے ہیں ان کے متعلق حق تعالیٰ نے سورہ فتح ۴۸: ۲۹ میں ارشاد فرمایا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(مفہوم) محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہ اور ان کے جملہ صحابہ کافروں کے مقابلے پر تو سخت گیر ہیں لیکن آپس میں بہت مہربان ہیں"۔

اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کیا قرآن سچ کہتا ہے کہ صحابہؓ رسول کبھی آپس میں نہیں لڑتے تھے' یا مروّجہ تاریخ سچی ہے جو اس مقدّس جماعت کو اسّی ہزار مومنین کا قاتل ٹھہراتی ہے؟ درس محمدی کے براہِ راست فیض یافتگان کو دنیا کے طالب اور حرص وہوا کے بندے بنا کر پیش کرتی ہے۔

یاد رکھو! قرآن کریم حق ہے اور شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن تاریخ مشکوک اور ظنی ہے لہٰذا جب حق اور ظن کی ٹکر ہو جائے تو ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ ہم حق کا ساتھ دیں اور ظن سے بیزار ہو جائیں۔

تاریخ محض بہتان ہے

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایک مومن اسلام کا وہ گراں بہا سرمایہ ہے کہ:۔

۱۔ اگر کسی مومن کے ہاتھ سے کوئی مومن سہواً بھی قتل ہو جائے تو یہ بلا ارادہ جرم بھی قابلِ معافی نہیں بلکہ ایسے قاتل کو ایک غلام آزاد کرانا اور خون بہا ادا کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ لیکن اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔

۳۔ خود رسول اللہ کا قول ہے کہ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مومن کی جان اور مال محفوظ ہو

۴۔ صحابہؓ رسول تو کجا سورہ نساء ۴: ۹۴ میں تو کسی ایسے اجنبی مومن کو بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں جو سلام پیش کر کے اپنے مومن ہونے کی خبر دے رہا ہو۔

ہاں میدانِ جہاد میں ایسے آدمی کے متعلق یہ تاکید کر دی گئی ہے کہ جاسوسی کے شبہ میں قتل کر دینے سے پہلے تحقیق کر لیا کرو کہ کہیں وہ اجنبی مومن تو نہیں؟ (النساء ۴: ۹۴، حجرات ۴۹: ۶)

اسی آیت مجیدہ کے اگلے حصے میں صحابہؓ کرام کو خبر دی گئی ہے کہ تم زمانۂ جاہلیت میں ایسے ہی ناواقف افراد کو بلا تحقیق قتل کر دیا کرتے تھے۔

۵۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو صحابہؓ رسول سلامٌ علیہ کا دوسرے صحابہؓ رسول سلامٌ علیہ کو سہواً یا عمداً قتل کرنے کا تصوّر کون کر سکتا ہے؟ لیکن تاریخ کا یہ کمال ہے کہ اس نے قرآن پڑھنے والی قوم کے ذہن سے سورہ انفال ۸: ۷۴، سورہ نساء ۴: ۹۶، مومنین ۲۳: ۱۰ اور سورہ توبہ ۹: ۱۰۰ میں مذکور شانِ صحابہ رسول سلامٌ علیہ محو کر کے جعلی واقعات کی رُو سے انہیں ۴: ۹۳ کا مصداق بنا دیا۔ یعنی:۔

قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ	لیکن تاریخ کہتی ہے کہ
۱۔ صحابہؓ رسول پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔	۱۔ اُن پر اللہ کا غضب ہو گا۔

۲۔ صحابہ رسول جنت کے وارث ہیں۔	۲۔ وہ جہنم کے وارث ہوں گے
۳۔ صحابہ رسول جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔	۳۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔
۴۔ صحابہ رسول آپس میں رحیم و کریم تھے۔	۴۔ وہ ۸۰ ہزار صحابہ کے قاتلین بالعمد تھے۔

کیا آپ اب بھی قرآن کریم کے مقابلے میں اس نام نہاد تاریخ کو سچا ماننے اور منوانے پر بضد ہیں؟

اس طرح صحابہ کرام کے متعلق ثقیفہ بنو ساعدہ واقعہ قرطاس اور احراق باب فاطمہ وغیرہ تمام واقعات فرضی افسانے ہیں۔ جو چوتھی صدی ہجری میں گھڑے گئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ:۔

عراق، عجم اور ارضِ روم کے یہودی، مجوسی عیسائی اور تمام دیگر اسلام دشمن عناصر نے عرب فاتحین کے خلاف ایک گٹھ جوڑ کرلیا۔ جس کی وجوہات یہ تھیں۔

ا۔ عجمی مجوسیوں اور رومی عیسائیوں کی پُرانی حکومتیں چھن گئی تھیں۔ اور ان کا سیاسی اقتدار ختم ہو گیا تھا۔

۲۔ ان کی ہزاروں سال پُرانی تہذیب و تمدن کا عرب بدوؤں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا۔

۳۔ مختلف جنگوں میں ان کے ہزاروں آدمی قتل ہو گئے اور بقیتہ السیف غلام اور لونڈیاں بنالی گئیں۔

۴۔ ستارہ پرست صائبین کی روزی روزگار کو بڑا دھکا لگا کیونکہ قرآن نے توہم پرستی اور سیارگان کے سعد و نحس کو باطل قرار دیا۔

۵۔ یہودیوں کی فلسطین اور عرب و یمن میں ہزاروں برس کی مذہبی پیشوائیت اور سیاسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ قرآن نے ان کے جھوٹے تقدیس کی بساط اُلٹ دی۔ جس سے وہ ہر طرف رسوا و بے وقار رہ گئے۔

۶۔ ان کے لہلہاتے کھیت، باغات اور بستیاں مسلمین کے قبضہ میں اور ان کی ملکی سیاست غازیانِ اسلام کے دستِ قدرت میں چلی گئی تھیں۔

۷۔ بیرونِ عرب کے مفتوحہ علاقوں سے سینکڑوں مرد و زن غلام اور لونڈیاں بن کر عرب فاتحین کے ہاں زندگی کے ملول دن بسر کر رہے تھے ان کے سینوں میں آتشِ انتقام ہر وقت شعلہ زن رہتی تھی۔

غرضیکہ یہ سب عناصر مل کر اپنے کھوئے ہوئے وقار اور سیاسی اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی خفیہ تدابیر سوچنے لگے اور بلالحاظ مذہب و ملت وہ عرب حکمرانوں کی سیاسی بالادستی اور قرآن کی دینی حاکمیت ختم کرنے پر متحد ہو گئے اور اپنی اپنی قومی خیر خواہی کی خاطر اہل اسلام سے ان کی فتحیابیوں کا بدلہ لینے پر تل گئے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے وہ کوفہ کے منافقین کو مفسدین کی سبائی جماعت میں شامل ہو کر اس کے موید و ناصر بنے۔

جب اس متحدہ محاذ کے منافقین سیاسی طور پر غازیانِ اسلام کے ساتھ میدانِ جنگ میں نہ نمٹ سکے تو انہوں نے جماعتِ مومنین کی تباہی اور اسلام کی بربادی کے لئے ایک نیا محاذ ڈھونڈ لیا۔ جس کی کامیابی کے لئے انہوں نے دو مؤثر ذرائع اختیار کئے۔

(ا)۔ قرآن کو تحریف کے ذریعے مشکوک کرنا۔

(ب)۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا۔

یہودی علماء تورات میں تحریف کر کے اس کی تشریح و تفصیل کے لئے حدیث موسوی (تالمود) میں بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے دو ہزار سال سے منکرینِ حدیث کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ عیسائی علماء نے انجیل مقدس گم کر کے عیسوی احادیث۔ یوحنا، متی، لوقا، مرقس اور برنباس کی اناجیل مرتب کر کے عوام میں پھیلا رکھی تھیں۔ اسی طرح عجمی علماء نے زرتشتی اصولوں پر ژند و پاژند اور اَوستا کے ردّے چڑھا رکھے تھے اور عوام ملوکیت پرستی، مشائخ پرستی اور علماء پرستی کا شکار چلے آتے تھے ان تینوں فرقوں کے علماء کرام تحریف قرآن کے لئے آگے بڑھے۔ پہلے انہوں نے قرآنی تفاسیر لکھیں اور پھر قرآن کو پایۂ اعتبار سے ساقط کرنے کے لئے وضعی احادیث کا سلسلہ جاری کر کے رسول اللہ کے مشن کو فیل کرنے کی خفیہ مہم شروع کی۔

ادھر تفریق بین المسلمین پیدا کرنے کے لئے سبائی جماعت کے لیڈر۔ بصرہ۔ کوفہ اور مصر سے اُجڈ۔ شہدُوں، غنڈوں اور مفسدین کی جمعیت لے کر مرکزی خلافتِ اسلامیہ پر چڑھ دَوڑے۔ انہون نے حج کے بہانے مدینہ میں جمع ہو کر خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی کو قتل کیا۔ مدینہ پر قابض ہو کر حضرت علی کو جبراً خلافت پر متمکن کیا۔ قصاص عثمان کے طالبان کے خلاف محاذ قائم کر کے بصرہ کے قریب مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ وہاں سے حضرت علی کو کوفہ لے جا کر جدال و قتال کی نئی ترکیبیں سوچنے لگے۔

نام نہاد تاریخ

ہماری تاریخ خلافتِ راشدہ یا خلافتِ بنو امیّہ کے کسی سرکاری ریکارڈ یا ہمعصر وقائع نگار یا موّرخ کی ڈائری سے نہیں بلکہ ان ہر دو خلافتوں کے خاتمے کے بہت عرصہ بعد خلافت عباسیہ میں چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی تھی جو تماماً اسلام دشمن جھوٹے راویوں کی زبانی وضعی روایات پر مبنی ہے۔ کوئی عصری شہادت پیش نہیں کرتی، اس کے اکثر واقعات غلط' بے بنیاد اور حقیقت سے بعید ہیں اور بعض واقعات کو معاندانہ طور پر توڑ مروڑ کر بیجا مبالغہ آمیزی اور جانبداری سے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ آیندہ نسلوں کے سامنے بنی امیّہ اور بنی ہاشم کو ایک دوسرے کا قاتل' جانی دشمن ظالم جابر و غاصب کی حیثیت سے پیش کیا جاسکے حالانکہ وہ یک جدی چچازاد بھائی اور ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔

ہمارے فقہی امام احمد بن مالک کا یہ قول اپنے اندر بڑا وزن رکھتا ہے کہ ہماری مروّجہ روایات اور تواریخ سب ظنی ہیں (البدایہ والنہایہ) لہٰذا ہماری کتاب تواریخ غلط اور غیر یقینی ہیں کیونکہ اصل میں یہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور رسول اللہ کے مشن کو فیل کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں:۔

اے کہ شناختی خفی رااز جلی ہوشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہوشیار باش

ضمیمہ نمبر ۴

تبلیغی سلسلہ ۲ بجواب خلافت وملوکیت

لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

(حکمِ ربّانی) قرآنی اصلاح کے بعد معاشرے میں پھر بگاڑ پیدا نہ کرو (اعراف ۷: ۵۶)

کون سا نظام صالح تھا

؟

ملنے کا پتہ'

(۱)۔ ڈاکٹر حمیس الدین۔ شفاءُللنّاس' چوک شالیمار' لنک روڈ، لاہور

(۲)۔ تبلیغی مرکز' ریلوے روڈ۔ لاہورے (پاکستان)

بذریعہ ڈاک منگوانے والے حضرات، پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مفت طلب کریں

اور علاوہ ازیں اس مسئلے کی پہلی کتاب صحابہ رسول صلعم کی افسانوی جنگیں بھی ملاحظہ ہو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفٰے سلامٌ علیہ نے وحی الٰہی کی ہدایت کے مطابق حکومتِ الٰہیہ متشکل کی اور اسلام کے اجتماعی نظامِ زندگی کے دینی، معاشی، سیاسی، معاشرتی اور جنگی اُصول وضوابط واضح کر دیئے۔ مستقل اور غیر متبدل اقدارِ حیات سے دُنیا کو واقف کرا دیا۔ روز مرّہ کے پیش آمدہ مسائل کے متعلق قرآن مجید کی روشنی میں، فکر و تدبر اور اجتہاد بالمشورۃ کی راہنمائی کی۔ اور جماعتی لحاظ سے وحدتِ فکر و عمل، وحدت نصب العین، مرکزی قوت، اطاعت امیر اور مجاہدانہ روشِ زندگی کی تاکید فرمائی اور بشارت دی کہ:-

وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۳۹ (آل عمران ۳: ۱۳۹)

صحابہ کرام کی بابرکت اور قدسی جماعت رسول اللہ کی دست و بازو بنی۔ جس نے اپنے خون اور مال کی بے مثال قربانیوں اور مخلصانہ جدوجہد سے اسلام کو پروان چڑھایا اور اپنے قابلِ فخر کارناموں سے جنت کی وارث ہوئی اسی لئے تو رسول اللہ نے فخریہ فرمایا تھا کہ خَيْرَ القرون قرنِي ثمَّ الَّذِيْنَ يَلونَهُم یعنی میری امت میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوں گے پھر ان لوگوں کا جو اُن کے بعد ہوں گے (حدیث بخاری پ ۱۴ فضائلِ صحابہ)

پھر فرمایا کہ: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ تم جس کی بھی اتباع کرو گے۔ روشنی پاؤ گے۔

عربوں میں آج تک کبھی کوئی سیاسی یا اصلاحی تحریک نہیں اُٹھی۔ معاشرتی طور پر وہ قبائلی نظام کے ماتحت رہے اور دینی لحاظ سے وہ قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب کے تابع نہیں رہے۔ حَسبُنَا کتابُ الله ان کا قول تھا۔ لہٰذا قرآن حکیم کے سِوا جو کچھ بھی مشرقی اقوام کو دین کے نام پر ملا (یعنی تواریخ تفاسیر۔ روایات۔ فقہ) وہ اکثر و بیشتر یہودیوں۔ عیسائیوں اور عجمیوں کی تقیہ کاریوں اور اسلام و مُسلم کش کرشمہ سازیوں سے ملوث ہے۔ بنو امیّہ اور بنو عباس خالص عرب تھے۔ ان میں سیاسی اختلاف تو ممکن ہے لیکن دینی امور میں وہ قریباً ایک رہے اور زوالِ بغداد تک ان میں فرقہ وارانہ مناقشت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

۱۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کا سیاسی نظام

جس طرح ہندوستان میں فخر افاغنہ غازی شیر شاہ سوری کا رائج کردہ زرعی، عسکری، اور سیاسی نظام آج تک قائم ہے۔ اسی طرح ایک سیاسی نظام وہ تھا جو اصحابِ رسول کی مقدس اور جنت آشیاں جماعت نے ۴۰ھ میں عصائے اسلام امیر المومنین سیّدنا معاویہؓ کی قیادت میں قائم کیا۔ ہر مرحلے میں ان کی تائید کی۔ اپنے مفید ملّت مشوروں سے نوازا۔ ان کے دست و بازو بن کر کشور کشائی اور اشاعتِ دین میں حِصّہ لیا۔ ان کے حسبِ حکم جہادوں میں شرکت کی۔ مناسکِ حج ادا کئے۔ نظامِ ربوبیت کو مضبوط بنایا۔ نظامِ عدل قائم کیا۔ اسلام کی عسکری قوت میں اضافہ کیا۔ ملّت کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے مرکزی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا اور جماعت مومنین میں وحدتِ فکر اور جوشِ عمل

پیدا کیا۔ جس سے اسلام کی شوکت و عظمت کا سکّہ ایشیا، یورپ اور شمالی افریقہ میں بیٹھنے لگا۔ ہر شہر اور قریہ میں مساجد تعمیر ہوئیں اور ہر صبح تلاوتِ قرآن کے زمزموں سے فضائیں گونجتی رہیں۔

ا۔ یہ وہی نظام ہے جو خلافتِ بنو امیہ اور خلافتِ بنو عباس میں صدیوں تک چلتا رہا۔ اس نظام کے تحت جماعت المسلمین کی وحدت قائم رہی، تمام امور اکابر ملّت کے مشورے سے طے ہوتے رہے۔ اس میں نہ علمی حیثیت سے کسی خاندان کی اجارہ داری تھی اور نہ روحانی سربلندی کے لئے کسی خاندان یا کسی شخص سے وابستگی لازم تھی۔ اس نظام کا عملاً دارومدار صرف قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول کی اتباع پر تھا۔ من گھڑت، فرضی اور جعلی تواریخ۔ روایات اور تفاسیر نے بھی بار نہیں پایا تھا۔ ملّت شخصیت پرستی سے ناآشنا تھی اور زمانۂ جاہلیت کے مذہبی پیشوائیت نمود نہ کر پائی تھی۔

غلو فی البشر کا رواج تھا نہ مقبروں کی تعمیر اور قبر پرستی کی مشرکانہ رسم جاری ہوئی تھی۔ نہ اصولِ اسلام سے ہٹ کر تفرقہ بازی کا کسی کو خیال تھا۔ نہ گروہ سازی کی کسی میں جرأت تھی۔ جمہور صحابہ کرام کو دینِ اسلام کا مقتداء سمجھا جاتا تھا اور ان کے اجماع کو دینی حجت تسلیم کیا جاتا تھا اور کسی شخص کے واجب التعظیم ہونے کا ایک ہی معیار تھا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (۴۹: ۱۳)

راسخ العلم ہونا۔ احکامِ الٰہی کی نافرمانی سے بچنا اور آئین خداوندی کی حدود کی نگہداشت کرنا۔ معاشرے میں معزز و سربلند بننے کا ذریعہ ذاتی قابلیت، صلاحیت، جرأت، تجربہ اور ملّی خدمات تھیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ (۶: ۱۳۲، ۴۶: ۱۹)

یہی وجہ تھی کہ:۔

ا۔ حضرت علیؓ کی وصیت کے مطابق ان کے فرزندان حضرت حسنین اور محمد بن حنفیہ وغیرہ نے اپنے چچا امیر معاویہؓ کو ملّت کا امام پیشوا تسلیم کیا۔ (نہج البلاغت)

ب۔ حضرت عقیل بن ابی طالب حضرت عباس اور ان کے فرزندان کی اطاعت میں شامل تھے۔

ج۔ اسی طرح حضرت علی عابد بن حسین اور عظام اہل خاندان بنوہاشم نے امیر المومنین خلیفہ یزید بن معاویہ کو اپنا امام و امیر تسلیم کیا وہ زندگی بھر ان کے وفادار و متبع رہے ان کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے۔ **صَلَّ عَلٰی امیر المومنین۔ وَاَحسَنَ الْجِزاء** (البدایہ والنہایہ) اور ہر سال امیر موصوف سے وظائف وعطایا حاصل کیا کرتے تھے۔

د۔ اسی طرح اثنا عشری سلسلہ کے تمام آئمہ محمد بن باقر بن علی عابد سے لے کر حسن عسکری تک اپنے اپنے وقت کے اموی اور عباسی خلفاء کی اطاعت میں داخل رہے انہوں نے کبھی اپنی امامت کا اعلان نہ کیا اور نہ ہی اپنے نام کے ساتھ امام کا لفظ استعمال کیا۔ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ اموی نظام کی اسلام دوستی اور قرآنی طرزِ جہانبانی کو ملّت نے متفقہ طور پر تسلیم کیا گویا اموی نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ ہی کا عکس تھا۔

سر آغاخاں مرحوم کا ارشادِ گرامی

یہ اموی نظامِ خلافت ہی ہے جس کی صحت وصالحیت کے پیشِ نظر اسماعیلی فرقہ کے پیشواء سر شاہ محمد سلیمان آغا خان نے قیامِ پاکستان کے بعد اپنی تحریروں اور تقریروں میں فلاح ملّی کی خاطر اموی دَور کی سچّی تاریخ کی تدوین کی شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مؤرخین کو بار بار متوجّہ کیا تا کہ تعصّبات کے پَردوں میں جو حقیقت رُوپوش ہو گئی ہے۔ کھل کر سامنے آجائے چنانچہ انگریزی کتاب (عظیم خلفائے عباسیہ) مؤلفہ محمد۔ اے حارث کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:۔

ا۔ دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی سلطنت کی حیثیت سے عالمِ وجود میں آیا ہے۔ اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دَورِ صد سالہ (خلافتِ بنو امیّہ) کی سچّی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے رکھی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرہ کی شدید حاجت ہے۔

مصر و شمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ وہاں کے مسلمانوں نے اس تشکیلی دَور کی عظمت وشان کو فراموش نہیں کیا ہے لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطۂ ہندوستان کو ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے باقی رہ جانا کلیۃً خاندان بنی امیّہ کے قریشی حکمرانوں ہی کا رہینِ منت ہے۔ جنہوں نے مغرب کی طرف سپین اور فرانس کے راستے اور رومتہ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے۔ اگر تباہ کُن عباسی فتح نے اسلام کی اس یکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پامال نہ کر ڈالا ہوتا اس تاریخی حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہئے تا کہ پاکستان کی آئندہ نسلوں کے مسلمان اکتسابِ فیض کی توقعات دمشق (شام) کی اثر آفرین اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ و بغداد کی جامد صدیوں سے............... "

ب۔ موصوف نے فروری ۱۹۵۰ء میں ...... "اسلامی مملکتوں کی تاریخ، ان کا عروج و زوال اور مستقبل کی توقعات" کے عنوان سے کراچی میں ایک تقریر کی تھی۔ جس میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ بنی امیّہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئی تھیں۔ فرمایا:۔

یقین جانئے کہ صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک اور فعال ہے۔ بنو امیہ کے شان دار عہد میں وہ فعال و متحرک۔ سیدھا و سادہ۔ خالص و بے میل رہا۔ اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک و تاراج اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپی دشمنی کے باوجود قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مؤرخین و مفکرین سے مطالبہ کریں کہ وہ اس شان دار صد سالہ اموی دورِ خلافت پر اپنی توجّہ مرکوز کریں اور اس عہد کے سیدھے سادھے عقیدے' کشادہ ذہنیت۔ نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔ آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے اور یقیناً آپ اپنی مادی

مشکلات پر غالب آ جائیں گے لیکن آپ ملّت کی روح جذبہ اور ضمیر کا خیال رکھیں۔ آپ کی نظریں اسلامی تاریخ کی تیسری صدی ہجری (خلافتِ عباسیہ) کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری (خلافتِ امیّہ) کی طرف اُٹھنی چاہئیں جس میں سیاسی قیادت متفقہ طور پر بنو امیہ کے ہاتھوں میں تھی۔ امیر المومنین ولید بن عبد الملک سے لے کر امیر المومنین ہشام تک تمام اموی خلفاء کی بیعتِ اطاعت میں داخل رہے۔

سر آغا خاں مرحوم کا یہ ارشاد جو اموی نظام کی تابناکیوں پر فیصلہ کن شہادت کا درجہ رکھتا ہے کسی وضاحت و تبصرہ کا محتاج نہیں اب ہم بڑے اختصار کے ساتھ ان نظاموں کا تعارف...... محض تقابلی مطالعہ کے لئے پیش کرتے ہیں جنہیں وقتی مصلحتوں اور قومی عصبیتوں نے اسلامی ملکوں میں برپا کیا۔

آلِ بَویہہ کا سیاسی نظام

عجمیوں کی مسلسل سازشوں، مفسدین کی شورشوں اور بعض طالع آزما علویوں کی سیاسی بغاوتوں نے جب عباسی خلافت کو کمزور کر دیا تو آلِ بویہہ نے حکومت میں دخیل ہو کر بنوکِ شمشیر امیر الامرائی کا عہدہ حاصل کیا پھر اپنے خاص اثر ورسوخ سے خلیفہ کو بے بس وبے کس بنا کر رکھ دیا اور ۳۲۰ھ سے ۴۴۷ھ تک اپنے دَورِ اقتدار میں ایک الگ سیاسی نظام جاری رکھا جس کے تحت اُمت بزور شمشیر جور و ستم اور ظلم و تعدّی کی چکی میں پستی رہی اور اس نظام کے نمایاں خدو خال یہ تھے:۔

(۱)۔ قرآن مجید کی بجائے روایات کو دین کا مدار قرار دیا۔ (۲)۔ متداول قرآن کی بجائے روایت سے ایک خود ساختہ کتاب کو بطور قرآن پیش کیا جو خلیفہ القادر باللہ عباسی نے علماء کے مشورے کے بعد جلا دیا۔ (۳)۔ اصحابِ رسول پر لعن طعن اور خلفاء بنو امیہ پر سب و شتم کا سلسلہ جاری کیا۔ (۴)۔ سلفِ صالحین پر بہتان طرازی کو معیارِ تصنیف قرار دیا۔ (۵)۔ مغالاتِ فی البشر اور شخصیت پرستی شروع کی۔ (۶)۔ دسویں محرم کو ماتم کرنے اور عید غدیر کا رواج ہوا۔ (۷)۔ مشہد علی نجف میں اور مشہد حسین کربلا میں تعمیر ہوئے۔ (۸)۔ قبر پرستی کو فروغ ہوا اور گزرے ہوئے لوگوں سے استمداد کو توحید سمجھا گیا۔ (۹)۔ مسئلہ تقدیر کو فروغ دے کر شفاعت کے مسئلہ کو بڑی اہمیت دی۔ (۱۰)۔ حضرت علی اور ان کی اولاد حسینی کے ذکر کو موجبِ نجات قرار دیا۔ (۱۱)۔ حدیث کافی کلینی۔ نہج البلاغت۔ شرح ابن ابی الحدید۔ مسعودی یعقوبی اور اصفہانی وغیرہ کی تالیفات انہی کی سرپرستی میں لکھی گئیں۔ (۱۲)۔ شعائرِ اسلام کو پسِ پشت ڈال کر فواحش کو مذہبی حیثیت دے دی گئی۔ (۱۳)۔ عباسیہ کی ظاہری خلافت کے مقابلے میں تحریکِ امامت کھڑی کی اور اس کے اصول و ضوابط۔ مذہبی عقاید۔ عملیات اور عبادات کا جمہور اہلِ اسلام سے ایک الگ سلسلہ قائم کر کے ملّی وحدت میں افتراق پیدا کر دیا گیا۔

اس نظام کے تحت امامت کا حق صرف فاطمی قریشیوں کو تھا اور وہ بھی اس تصوّر کے ساتھ کہ محمد بن علی عابد کی شاخ کے چند افراد کو براہِ راست خدا کی طرف سے امامت ودیعت ہوئی تھی۔ نہ کہ ان کے چھوٹے بھائی زید بن علی اور ان کی اولاد کو (جس طرح حضرت حسن کی اولاد بھی امامت سے خارج ہے)

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ تاریخ طبری، الملل والنحل، الامامت والسیاست ابن خلدون اور اخبار الطوال وغیرہ)

اسماعیلی سیاسی نظام

عباسی خلافت کے کمزور ہو جانے پر علوی مدعیانِ خلافت نے اپنے عجمی اور سبائی طرفداروں کی مدد سے دیلم، مصر اور مراکش میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ مصر میں ایک ایرانی نژاد عبید اللہ المہدی نے جو حکومت عباسی خلافت کے مقابلے میں قائم کی وہ فاطمی کہلاتی ہے۔ جس کا صدر مقام قیروان تھا جو بعد میں قاہرہ منتقل ہو گیا۔ عبیدی نظام کے تحت بھی امامت کا حق صرف مرحوم فاطمیوں کو تھا اور وہ بھی اس تصور کے تحت کہ یہ امامت حسینی نسل میں جعفر بن محمد باقر کے بیٹے اسماعیل کی شاخ کے افراد کو خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی تھی نہ کہ ان کے دوسرے بیٹے موسیٰ الکاظم اور ان کی اولاد کو۔ اسماعیلی نظام کے نمایاں مظاہر یہ تھے۔

(۱)۔ جو شخص کتاب اللہ اور قولِ رسولِ پیش کرے اسے تہ تیغ کر دیا جائے چنانچہ مصر اور شمالی افریقہ کے ہزاروں مفتی خطیب اور علماء اہل سنت بے دریغ قتل کر دیئے گئے۔ (۲)۔ قرآن کریم کے ظاہری معانی و مطالب کو معطل کر کے تاویل کا سلسلہ قائم کیا اور باطنی مطالب کے نام سے ہر قسم کے فسق زندقہ اور الحاد کو فروغ دیا۔ (۳)۔ شعائرِ اسلام کی پابندی اور حلال و حرام کی تمیز ختم کر دی گئی۔ (۴)۔ اسماعیلی مذہب نے ایک الگ باطنی نظام قائم کیا جس کے عقاید و عملیات صرف اسی جماعت تک محدود تھے۔ جمہور اہلِ اسلام کو ان میں شامل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ (۵)۔ اثناء عشریوں کے برعکس انہوں نے امامت کا سلسلہ جاری رکھا اور حاضر امام کو شریعت پر حاوی سمجھ کر شرعی احکام کی پابندی کی بجائے امام کے احکام کی پابندی لازمی قرار دے دی۔ (۶)۔ اسماعیلیہ کی باطنی شاخ حسن بن صباح طوسی نے جبل الموت (خراسان) میں قائم کی۔ جس نے اسماعیلی داعیوں کے علاوہ فدائیوں کی بھی ایک جماعت قائم کی۔ جو عباسی مملکت کے ماتحت علاقوں میں اپنے خلاف تقریر کرنے والے علماء، فقہاء، مدبرین، عمائدینِ مملکت اور اعاظم رجال اہل سنت کو نصف صدی تک قتل کرتے رہے۔

ب۔ جب مسلمانوں کی جنگ عیسائی کفار فلسطین کے ساتھ ہوئی تو اسی وقت یہ (سادات کرام) عیسائیوں کے جھنڈے اُٹھائے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جدال و قتال کرتے۔ (ج)۔ ۵۵۹ھ میں باطنی شاخ کے حاضر امام حسن بن محمد نے رمضان کے مہینے میں قلعہ الموت میں بیٹھ کر شراب پی اپنے مریدوں کو روزہ توڑنے کا حکم دیا اور حلال و حرام کی پابندی ختم کر کے زنا کو جائز قرار دیا۔

(۷)۔ اسماعیلیہ کی دوسری شاخ قرامطہ پر مشتمل تھی۔ جس کا صدر مقام بصرہ تھا۔ قرامطی لوگ کوفہ بصرہ۔ کویت بحرین اور سندھ تک چھا گئے اور عباسی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے علاوہ نواحی علاقوں میں بے دینی پھیلاتے رہے۔ ہر سال حاجیوں کو لوٹ لیتے۔ اور اپنے مخالفیں کو قتل کر کے ان کی ہڈیاں بوٹیاں آگ میں ڈال دیتے۔ ان کے ان وحشت ناک کارناموں سے خائف ہو کر مسلمانوں نے حج کو جانا چھوڑ دیا۔ (ب)۔ قرامطہ خانہ کعبہ میں سے حجر اسود

اکھاڑ کر لے گئے اور ۲۲ سال تک اپنے قبضے میں رکھا اور حرمت کعبہ کو گھٹایا۔ آخر اسماعیلی خلیفہ الحاکم کے حکم سے واپس کیا کیونکہ دُنیائے اسلام میں اسماعیلیوں کے خلاف کفر والحاد کے فتووں سے فضا گونج اُٹھی تھی۔

(۸)۔ مصر کے خلیفہ الحاکم نے سازش کر کے مدینہ میں رسول اللہ کے روضہ تک ایک سُرنگ کھدوائی تاکہ حضور کے جسدِ مبارک کے آثار کو چُرا کر مصر لے جائیں اور وہاں ایک عالیشان مقبرہ بنا کر لوگوں کو مدینہ کی بجائے قاہرہ آنے کی دعوت دیں لیکن بروقت خبر ہو جانے سے مشتعل لوگوں نے سازشیوں کو قتل کر ادیا اور ان کا منصوبہ ناکام رہا۔

(۹)۔ اسماعیلی خلفاء نے چونکہ فاطمی امامت کی الوہیت کی دعوت کو فروغ دیا تھا اس لئے غیر فاطمی اور ایرانی ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے کو فاطمی کہا اور بزورِ شمشیر کہلوایا اور اپنا نسب فاطمیوں کی اس شاخ سے ملا لیا جو ان کے نزدیک اللہ کی طرف سے مقرر کردہ آئمہ پر مشتمل تھی۔ (۱۰)۔ آخر اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ذریعے مصری اسماعیلیوں کا سلطان ملک شاہ سلجوقی کے ہاتھوں طبرستان کے باطنیوں کا اور سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں سندھ وملتان کے قرامطہ کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کرادیا۔ (ب)۔ اسماعیلی نظام کے بچے کھچے نشان آج بھی نزاری خوجوں اور مستعلی بوہروں کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں یہ لوگ تجارت پیشہ ہیں جو بمبئی کراچی اور مشرقی افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ نزاری خوجوں کے حاضر امام کریم آغاخاں ہیں اور بوہروں کے امام غائب کے داعی مطلق ملا نجم الدین صاحب ہیں جو بمبئی میں رہتے ہیں غرضیکہ اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کی دین اسلام سے بیگانگی اور اسلامی معاشرہ سے مغائرت ایک حد فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں' (اسماعیلی مذہب کا نظام ڈاکٹر زاہد علی۔ تاریخ اسلام سید امیر علی۔ تاریخ فاطمیین مصر فاطمی دعوتِ اسلام وغیرہ۔

صفویہ کا سیاسی نظام

اہل عجم نے خونِ حسین کو نعرۂ انقلاب بنا کر پہلے بنو امیّہ کے خلاف اور بعد میں بنو عباس کے خلاف مشرقی ولایات میں خوب مخاصمانہ پراپیگنڈہ کیا اور علویوں کو خلافت دلانے کی پشتی بانی کے بہانے عربوں کے تسلّط سے ایران کو آزاد کرانے کیلئے کئی سو سال تک رائے عامہ ہموار کرتے رہے آخر ۶۵۷ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں ابن علقمی شیعی وزیر نے موقع پا کر ہلاکو خاں منگول کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی اور یوں عربوں کی عباسی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

(ب)۔ بغداد کی تباہی کے بعد ملتِ اسلامیہ کا مرکز ٹوٹ گیا اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں خود مختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اہلِ ایران کے بھی دن پھرے اور انہوں نے اپنی قومی حکومت صفویہ کے نام سے قائم کر کے سکھ کا سانس لیا۔

(ج)۔ عباسی خلافت کے دوران ہی میں اہل عجم نے بعض فاطمی اولادِ علی کو از راہِ ہمدردی وحمایت کوفہ سے ایران منتقل ہونے کی دعوت دی چنانچہ کچھ لوگ علاقہ اہواز میں مع اہل وعیال شہر قم میں جا بسے ان میں سے بعض نے عجمی سازشوں کے ذریعے چھوٹی موٹی حکومتیں بھی قائم کر لیں لیکن مرکزی خلافت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ (د)۔ جب مرکزی خلافت ختم ہو گئی تو اردبیل کے شیخ صفی الدین نامی ایک درویش نے موسیٰ کاظم فاطمی کے نسب سے ہونے کا

دعویٰ کیا اور ارادت مندوں کا ایک گروہ اپنے گرد اکٹھا کر لیا اس کی پانچویں پشت سے اسماعیل بن حیدر نے جمعیت بہم پہنچا کر گردونواح کے علاقوں پر قبضہ کر لیا رفتہ رفتہ اس نے سیاسی اقتدار حاصل کرکے ایران میں حکومت قائم کر لی اور اپنا لقب شاہ اسماعیل صفوی اختیار کیا اس کے پوتے شاہ عباس صفوی نے ایران کا سرکاری مذہب شیعہ قرار دیا اور شیعی علماء کا بورڈ قائم کرکے شیعت کو بڑا فروغ بخشا۔ صفوی نظام کے نمایاں مظاہر حسبِ ذیل تھے:۔ (۱)۔ ملک کا سرکاری مذہب اثنا عشری شیعہ قرار دیا۔ (۲)۔ اہل سنت و الجماعت کے اکثر علماء اور فضلا اور فقہاء تہ تیغ کئے گئے۔ (۳)۔ متداول قرآن کو مشکوک قرار دے کر دین کو مذہب میں تبدیل کر دیا اور قرآنی احکام کی بجائے شیعی علماء بورڈ کے مرتب کردہ اقوال آئمہ کو دین کا مدار قرار دیا۔ (۴)۔ اموی اور عباسی خلفاء کے علاوہ خلفاءِ راشدین کو سب و شتم کرنے کا رواج ہوا۔ (۵)۔ امیر المومنین حضرت معاویہ امیر المومنین خلیفہ یزید کو خصوصاً مورد لعن و طعن ٹھہرایا گیا۔ (۶)۔ تفاسیر' احادیث تواریخ اور فقہ کے علاوہ مذہبی عقاید، اعمال، عبادات دُعائیں تو کجا شادی اور موت تک کے معمولات بدل دیئے۔ گویا خانہ جدا اور گور جدا کا معاملہ کر دیا۔ اور ایران میں سوادِ اعظم سے کٹ کر ایک نیا معاشرہ قائم ہو گیا۔

(۷)۔ ۱۳ دن تک محرم میں مجلسِ عزا کا رواج ہوا جن میں ذریت علی اور اثنا عشری آئمہ کے فضائل و مناقب یا مصائب بیان کرنے اور شہدائے کربلا کے مرثیے پڑھنے کی طرح پڑی۔ (۸)۔ آل بویہہ کے قائم کردہ اصولِ امامت کو بحال کیا گیا مگر امامت کو موسیٰ بن جعفر سے لے کر حسن عسکری تک مخصوص کیا گیا ان کے بھائی جعفر ثانی بن علی نقی کے دعویٰ امامت سے انکار کرکے حسن عسکری کے ایک فرضی بیٹے (محمد) کو امام غائب قرار دیا گیا جسے بعد ازاں امام مہدی کا لقب دے کر قربِ قیامت میں آنے کی بشارت دی گئی۔

ناظرین:۔ آپ نے اسلامی تاریخ کے تمام سیاسی نظاموں کا مختصر خاکہ ملاحظہ فرمالیا یہ انصاف کا تقاضا نہیں کہ جن بزرگوں نے اپنی جانی و مالی قربانیوں سے اسلام کی مخلصانہ خدمات انجام دیں اور اس کا ڈنکا مشرق و مغرب میں بجایا انہیں تو ہم غاصب ظالم و جابر قرار دیں اور بعد کے جن لوگوں نے اسلام کو بنیاد ہی سے اکھاڑ کر پھینک دینے میں اپنی تمام قوتیں اور کوششیں صرف کر دیں ان کے فضائل و مناقب بیان کرتے نہ تھکیں۔ یقین کیجئے کہ اسلام کے نام سے جو دین ہم تک پہنچا ہے، انہی فاسدہ باطل نظاموں کے اثرات سے ملوث ہو کر ہمیں ملا ہے اب آپ آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ساری تاریخ میں اسلامی نقطۂ نظر سے صالح نظامِ حکومت کونسا تھا اور فاسد نظام کونسا؟ ؎

سمجھ میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

کیا مودودی صاحب یا ان کے کوئی ہم خیال بزرگ اس زاویہ نگاہ کو اجاگر کرنے کی ہمت کریں گے؟

(ایم جے۔ آغا)